مکتبۃ الکوثر

فوائدِ جامعہ

شرح

عجالۂ نافعہ

تالیف
مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی
رئیس قسم تخصص علومِ حدیث
جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبۃ الکوثر

سلسلہ مطبوعات مکتبۃ الکوثر

(۱)

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

کتاب : فوائد جامعہ شرح عجالہ نافعہ

مولف : حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی صاحب دامت برکاتہم

ضخامت :۶۷۱ صفحات

طباعت : ۱۴۳۳ھ - ۲۰۱۲ء

تعداد : ۱۱۰۰ (گیارہ سو)

ملنے کے پتے

مکتبۃ الکوثر: بلاک: B، سیکٹر ۱۱، مکان نمبر: ۱۲۱، جامعۃ الرشید احسن آباد کراچی

مکتبہ محمدیہ سلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبہ سلطان عالمگیر: 5-لوئر مال بالمقابل گامے شاہ اردو بازار لاہور

مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، أمابعد:

عجالۂ نافعہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا فارسی زبان میں نہایت مشہور اور مقبول رسالہ ہے، یہ موصوف کا مختصر سا ثبت (فہرستِ شیوخ) ہے جس میں صحاح ستہ، مشکوۃ شریف اور حصن حصین کی اسناد بیان کی ہیں، شاہ صاحبؒ نے فنِ حدیث کی کچھ متفرق ایسی معلومات جو طلبہ اور اہل علم کے لیے ازحد مفید ہیں، اس مختصر رسالہ میں نہایت خوش اسلوبی سے جمع کردی ہیں جن سے حدیث کے طالبِ علم اور مدرّس کو بے نیازی و استغناء نہیں ہوسکتا، یہی وجہ ہے کہ طلبہ اور علماء کو ہر دور میں اس کی ہمیشہ احتیاج رہی ہے۔

یہ رسالہ ہندوستان میں لکھنؤ، دہلی، لاہور سب ہی جگہ سے بار بار چھپا ہے، غالباً پہلی مرتبہ شیخ سعدالدین بن المفتی عبدالحکیم کی تصحیح ومختصر تعلیقات کے ساتھ ۱۲۵۵ھ میں مطبع مصطفائی لکھنو سے متوسط تقطیع کے ۳۶ صفحات پر شائع ہوا تھا۔

مطبوعہ رسالوں میں سے مطبع مصطفائی لکھنو اور مطبع انصاری دہلی کے چھپے ہوئے رسالے زیادہ صحیح تھے، مصطفائی میں جو رسالہ چھپا تھا اس میں صحت کا زیادہ اہتمام کیا گیا تھا، اس کا اندازہ مندرجہ ذیل عبارت سے ہوسکتا ہے۔ مصحح فرماتے ہیں:

"يقول العبد الضعيف المعتصم بحبل الله المتين سعد الدين بن المفتي عبد الحكيم: قد بالغت في تصحيح هذه الرسالة بقدر الوسع والطاقة، وراجعت في تصحيح أسماء رجال رواية الى القاموس والمختصر لابن الصلاح، وخلاصة للطيبي، وجواهر الأصول للحاجي محمد أفضل السيالكوتی، والكنوز العباسية، والانتباه في سلاسل أولياء الله .

وفرغت من تصحيحها وتوشيحها بالحواشي يوم السبت الحادي والعشرين من شهر جمادى الثانية سنة خمس وخمسين بعد الألف والمأتين من هجرة سيد المرسلين عليه وعلى آله وأصحابه صلوات رب العلمين ، رب اغفر وارحم وأنت خير الراحمين. باہتمام خاکسار بے بنیان، امیدوارِ مغفرتِ یزدان، مصطفیٰ خان خلف محمد روشن خان حفظہما اللہ عن آفات الزمان بمطبع مصطفائی محلہ محمودنگر واقعہ زیرا کبری دروازہ در بیت السلطنت لکھنو پیرایۂ طبع پوشید۔

ولله الحمد رب السموت ورب الأرض ورب العٰلمين ، ومن يتوكل على الله فهو حسبه ".

اس اہتمامِ صحت کے باوجود اس مطبوعہ رسالہ میں بعض غلطیاں رہ گئی ہیں، اور وہ غالباً اس وقت تک نہیں نکل سکتی تھیں جب تک سلسلۂ سند کے تمام راویوں کے سنین کو ملا کر نہیں دیکھا جاتا، جیسے مشکوٰۃ کی سند میں محدث شرف الدین عبدالرحیم جرہی کے شیخ اور صاحبِ مشکوٰۃ کے شاگرد کا نام امام الدین مبارک ساوجی صدیقی چھپا ہے جس سے دھوکہ ہوتا ہے کہ موصوف ہی صاحب مشکوٰۃ شیخ ولی الدین خطیب تبریزیؒ سے راوی ہیں، حالانکہ شیخ جرہی کے شیخ اور صاحبِ مشکوٰۃ کے شاگرد اور ان سے مشکوٰۃ کے راوی علی بن مبارک شاہ ہیں، مبارک ساوجی نہیں ہیں، اس قسم کی اور بھی غلطیاں تھیں جن کی ہم نے تصحیح کر دی ہے۔

اس رسالہ کی افادی حیثیت کے پیش نظر ہم نے اس کی تصحیح پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس فارسی رسالہ کا اردو میں ترجمہ بھی کر دیا، اور اس پر جا بجا مفید باتوں کا اضافہ بھی کیا ہے، فوائد کے اضافہ کرنے میں اختصار سے کام نہیں لیا، کیونکہ طالبِ علم عموماً کتابوں کے ناموں سے بھی واقف نہیں ہوتے، میں اس دور سے گذر چکا ہوں، مجھے اس امر کا بخوبی اندازہ ہے، استاد اگر کتابوں کے ناموں سے شناسا بھی ہوتے ہیں تو انہیں کتابیں یکجا نہیں ملتیں، اور اگر کہیں کچھ کتابیں مل بھی جاتی ہیں تو درسی کتابوں کے پڑھانے سے ان کو اتنی فرصت نہیں ملتی کہ وہ ان کتابوں کا مطالعہ کر سکیں، ان وجوہ سے ہم نے اصل کتابوں سے اقتباس نقل کئے ہیں، اور اپنی طرف سے کچھ لکھنے سے گریز کیا ہے، پھر بھی یہ رسالہ کتاب بن گیا ہے، مگر بحمد اللہ کتاب کا کوئی صفحہ معلومات سے خالی نہیں ہے۔

اس اشاعت میں ایک مقدمہ بھی لکھا ہے، جس میں شاہ عبدالعزیزؒ کے حالات، شاہ صاحبؒ کے شاگردوں کی خدمات، خانوادۂ شاہی سے وابستہ محدثین کی ایک منفرد خصوصیت، شاہ صاحبؒ کی تصانیف، عجالہ کا تحقیقاتی جائزہ، سند کا آغاز، سند کی پابندی واہتمام، سند کے فوائد، طبقاتِ کتبِ حدیث، شہرت وتلقی امت کا دعوی اور اس کی حقیقت، عجالۂ نافعہ کے ترجمے، فوائد جامعہ ارباب کمال اور تبصرہ نگاروں کی نظر میں، وغیرہ مضامین شامل ہیں۔

حق تعالیٰ شانہٗ اس حقیر کوشش کو قبول فرمائیں، میرے والدین، اساتذہ وشیوخ اور ان کے جن سے میں نے بالواسطہ یا بلاواسطہ استفادہ کیا ہے درجات بلند فرمائیں، میری اور میرے وابستگان کی مغفرت فرمائیں، آمین۔

اللهم تقبل منا إنك أنت السميع العليم، وتب علينا إنك أنت التواب الرحيم۔

محمد عبدالحلیم چشتی

۲۰ صفر ۱۳۸۲ھ، ۲۳ جولائی ۱۹۶۲ء۔

فہرست مضامین مقدمہ

فہرست مضامین عجالۂ نافعہ

فہرست مضامین فوائد جامعہ

اسماء راویان صحاح ستّہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

شاہ عبدالعزیزؒ کے حالات

نام ونسب:

عبدالعزیز اصلی نام ہے، اور تاریخی نام غلام حلیم ہے، سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروقؓ تک منتہی ہے۔

ولادت، تحصیل علم:

موصوف دہلی میں شب پنجشنبہ ۲۵ رمضان المبارک ۱۱۵۹ھ/ ۳۱ستمبر ۱۷۴۶ء میں پیدا ہوئے، حافظہ اور ذہانت خداداد تھی، قرآن مجید کے ساتھ فارسی بھی پڑھ لی، اور گیارہ برس کی عمر میں عربی تعلیم کا انتظام ہوا، اور پندرہ سال کی عمر میں جملہ علوم رسمیہ سے فراغت حاصل کی، شاہ صاحبؒ نے عقلی علوم کی تحصیل والد بزرگوار کے بعض شاگردوں سے کی، اور حدیث وفقہ شاہ ولی اللہؒ نے خود پڑھائی تھی، ابھی سترہ برس کے تھے کہ شاہ ولی اللہؒ کا انتقال ہوگیا تو شاہ ولی اللہ کے تلمیذ خاص محمد عاشق پھلتیؒ سے تکمیل کی۔

درس وتدریس اور فضل وکمال:

موصوف چونکہ شاہ صاحبؒ کے سب سے بڑے فرزند تھے اور علم وفضل میں بھی سب سے ممتاز تھے، لہٰذا مسند درس وخلافت ان ہی کے سپرد ہوئی، اور موصوف درس وتدریس، ہدایت وارشاد اور تصنیف وتالیف میں ہمہ تن مصروف ہوگئے، شاہ صاحبؒ کو تمام علوم متداولہ اور عقلی ونقلی فنون میں کامل دستگاہ حاصل تھی، حافظہ بھی بلا کا تھا، تقریر معنی خیز، سحر انگیز، مرتب ودل نشین ہوتی تھی جس نے ان کی ذات کو مرجعِ عوام وخواص بنادیا تھا، علوِ اسناد کی وجہ سے دور دور سے لوگ سفر کرکے حلقہ درس میں شرکت کرتے اور سندِ فراغ حاصل کرتے تھے، درس وتدریس، افتاء وتصنیف، فصلِ خصومات، پند وموعظت شاگردوں اور سالکین کی تربیت میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے، موصوف کی ذات سے ہندوستان میں علوم اسلامیہ خصوصا حدیث وتفسیر کا خوب چرچا ہوا، مسلمانوں کی اصلاح ہوئی اور فتنوں کا سدِ باب ہوا، ان ہی کی مساعیِ جمیلہ، نالۂ نیم شبی اور توجہ نے شاگردوں اور مریدوں میں وہ روح پھونکی جس نے مسلمانوں میں انقلاب پیدا کیا، اور مسلمانوں کی دینی، تعلیمی اور ثقافتی حالت کو اس درجہ بنایا کہ ایک مرتبہ پھر قرون اولیٰ کی یاد تازہ ہوگئی، شاہ صاحبؒ کو حدیث، فقہ، تفسیر، کلام ہی میں کمال حاصل نہ تھا بلکہ منطق وفلسفہ اور شعرو

ادب میں بھی مہارت حاصل تھی، حدیثیں کثرت سے یاد تھیں، مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ نے شیخ محمد تھانویؒ شاگردِ شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی سے نقل کیا ہے:

''(انہوں نے) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی نسبت فرمایا ''ان کو چھ ہزار حدیث کے متن یاد تھے۔''(۱)

شیخ محسن بن یحییٰ ترہتی ''الیانع الجني'' (ص:۷۸) میں رقمطراز ہیں:

"قد بلغ من الكمال والشهرة بحيث ترى الناس في مدن أقطار الهند يفتخرون باعتزائهم إليه، بل بانسلاكهم في سمط من ينتمي إلى أصحابه ...... ومن سجاياه الفاضلة الجميلة التي لايدانيه فيها عامة أهل زمانه قوة عارضته، لم يناضل أحداً إلّا أصاب غرضه وأصمى رميته وأحرز خصله، ومن ذلك براعته في تحسين العبارة، وتخييرها والتأنق فيها، وتحريرها حتى عده أقرانه مقدماً من بين حلبة رهانه، وسلموا له قصبات السبق في ميدانه، ومنها فراسة التي أقدره الله بها على تأويل الرؤيا، فكان لايعبر شيئاً منها إلّا جاء ت كما أخبر به كأنما قد رآها، وهذا لايكون إلّا لأصحاب النفوس الزاكيات المطهرة من أدناس الشهوات الردية وأرجاسها، وكم له من خصال محمودة وفضائل مشهودة."

ترجمہ: ''وہ کمال اور شہرت کے ایسے مقام کو پہنچے کہ تم دیکھتے ہو لوگ بلادِ ہند میں اپنا ان سے انتساب کرنا فخر سمجھتے ہیں، بلکہ اپنے آپ کو ایسے رشتے میں منسلک کرنے میں جو ان کے شاگردوں پر منتہی ہوتا ہے قابلِ فخر خیال کرتے ہیں، ان کے خصائلِ حمیدہ اور اخلاقِ فاضلہ ایسے ہیں کہ جن میں ان کے عام ہم عصران سے مقابلہ کی تاب نہیں رکھتے، جس نے بھی ان سے مقابلہ کیا وہ ان ہی کے نشانہ پر گرا، اس نے انہی کے نشانہ پر تیر چھوڑا، اور اس کے طور طریق کو اختیار کیا، اور ان کے منجملہ محاسن کے عبارت آرائی اور انشاء پردازی میں فائق ہونا اور اس میں سحر آفرینی کا پایا جانا ہے، ان کی تحریریں ایسی ہیں جن کی وجہ سے ان کے معاصرین نے ان کو اپنا پیش رو مانا، اور سب نے اس امر کو تسلیم کیا کہ وہ میدانِ مسابقت میں گوئے سبقت لے جانے والے ہیں اور نشان پر قبضہ کرنے والے ہیں، اور منجملہ اس کے ان کی فراست ہے جس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ان کو خوابوں کی تعبیر پر قدرت عطا فرمائی، جیسی تعبیر بتاتے ویسی ہی ہوتی، گویا ایسی خبر دی جیسے کہ خود انہوں نے اس کو دیکھا ہے، یہ باتیں ایسے نفوسِ قدسیہ سے ظہور میں آتی ہیں جو خواہشاتِ نفسانی کی آلودگیوں سے پاک صاف ہوتے ہیں، ان کی خصائل حمیدہ بہت ہیں اور ان کے فضائل مشاہدہ میں آچکے ہیں۔''

(۱) الإفاضات اليومية من الإفادات القومية: ۱/۲۷۰، ادارہ اشرفیہ پاکستان کراچی۔

نواب صدیق حسن خاںؒ قنوجی "إتحاف النبلاء المتقین بإحیاء مآثر الفقهاء المحدثین" (ص:۲۹۶، مطبع نظامی کانپور ۱۲۸۸ھ) میں رقمطراز ہیں:

''شاہ عبدالعزیز بن الشیخ الاجل ولی اللہ المحدث الدہلوی بن الشیخ عبدالرحیم العمری رضی اللہ عنہم، استاذ الاساتذۃ، وامام الجہابذۃ، بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، خاتم المفسرین والمحدثین بالدیار الہندیۃ ...... در وقتِ خود مرجعِ علماء ومشائخ بودند، دستگاہِ ایشاں در جمیع علومِ متداولہ وغیر متداولہ از فنونِ عقلیہ ونقلیہ فوق الوصف ست، در کثرت حفظ وعلم، تعبیرِ رؤیا وسلیقۂ وعظ وانشاء وتحقیقات نفائس علوم ومذاکرہ ومباحثہ باخصوم ممتاز اقران بودند، ومعتقد فیہ موافق ومخالف تمام عمر در تدریس وافتاء وفصلِ خصومات ووعظ وتربیتِ مریداں وتکمیلِ شاگرداں گذرانیدند، وجاہ وعزتِ صوری واحترام وتعظیمِ ظاہری با کمالاتِ باطنی فراہم داشتند، سید احمد بریلویؒ امیر المجاہدین رابیعتِ طریقت بایشاں بود، ریاستِ علم وعمل بلادِ ہند بسوئے ایشاں وبرادرانِ ایشاں منتہی گشتہ، از علمائے دیار ہندوستان بلکہ بلادِ دیگر کم کسے باشد کہ نسبتِ تلمذ یا استفادۂ باطن بایں خاندان درست نکردہ باشد، شاگردی ایشاں فخر کبار علماء ست، وکتب مؤلفہ ایشاں معتمد فضلاء، والد فقیر نیز از ایشاں روایت دارند، اخذ علوم از والدِ ماجد خود وخلفائے ایشاں کردہ اند، وخلقے بسیار از جناب ایشاں استفادہ نمودہ، چوں اسانید علوم تحصیلیۂ ایشاں از فقہ وحدیث وتفسیر وجز آں در تصانیف ایشاں مرقوم است، ودر مردم مشہور ...... خاندانِ ایشاں خاندانِ علوم حدیث وفقۂ حنفی ست، خدمت ایں علم شریف چنانکہ ازیں اہلِ بیت بوجود آمدہ در کشور از خانماں دیگر معلوم ومعہود نیست، تخمِ عمل بالحدیث درحقیقت پدرِ ایشاں دریں سرزمین کاشتہ اند، وایشاں آنرا برگ وبار بخشیدہ۔''

شاہ عبدالعزیز بن شیخ اجل ولی اللہ محدث دہلوی بن شیخ عبدالرحیم عمری رحمہم اللہ، استاذ الاساتذہ، امام نقاد، بقیۃ السلف، حجۃ خلف اور دیارِ ہند کے خاتم مفسرین ومحدثین تھے، اور...... اپنے وقت میں علماء اور مشائخ کے مرجع تھے، تمام علوم متداولہ اور غیر متداولہ میں خواہ فنونِ عقلیہ ہوں یا نقلیہ، ان کو جو دستگاہ حاصل تھی وہ بیان سے باہر ہے، ۱-کثرتِ حفظ وعلم، ۲-خوابوں کی تعبیر، ۳-سلیقۂ وعظ، ۴-انشاء پردازی، ۵-تحقیقاتِ نفائس علوم، ۶-مذاکرہ اور ۷-مخالفوں کے ساتھ مباحثہ کرنے میں وہ اپنے ہم عصروں سے ممتاز تھے، اور موافق ومخالف سب کو ان سے اعتقاد تھا، تمام عمر: ۱-درس وتدریس، ۲-افتاء، ۳-فصلِ خصومات، ۴-وعظ وتربیتِ مریدین اور تکمیلِ تلامذہ میں گزار دی، باطنی کمالات کے ساتھ صوری جاہ وعزت اور ظاہری تعظیم واحترام بھی میسر تھا، امیرِ

مجاہدین سید احمد (شہید) بریلویؒ کو ان ہی سے بیعتِ طریقت حاصل تھی، بلادِ ہند میں علم وعمل کی سیادت ان پر اور ان کے بھائیوں پر ختم تھی، دیارِ ہند کے علماء ہی میں نہیں بلکہ بیرونِ ہند میں بھی کم ہی کوئی ایسا عالم ہوگا جو تلمذ یا استفادۂ باطن کی نسبت اس خاندان سے نہ رکھتا ہوگا، ان کی شاگردی بڑے بڑے علماء کے لیے باعثِ فخر ہے، اور ان کی لکھی ہوئی کتابیں فضلاء کی معتمد علیہ ہیں، فقیر کے والد کو بھی ان سے روایت کی اجازت حاصل ہے، موصوف نے علوم کی تحصیل اپنے والد اور ان کے خلفاء سے کی، اور بڑی خلقت نے ان سے استفادہ کیا، ان کے علومِ تحصیلیہ فقہ، حدیث اور تفسیر وغیرہ کی سندیں ان کی تصانیف میں مذکور ہیں اور لوگوں میں مشہور ہیں، ان کا خاندان علومِ حدیث اور فقہ حنفی کا خاندان ہے، اس علم شریف کی خدمت جیسی کہ اس خاندان سے اس اقلیم میں بن آئی دوسرے کسی خاندان کی بابت معلوم اور مشہور نہیں، درحقیقت اس سرزمین میں عمل بالحدیث کی تخم ریزی ان کے والد ماجد نے کی، اور انہوں نے اس کو برگ وبار بخشے اور پروان چڑھایا۔

مولانا سید عبدالحی حسنی نے "نزهة الخواطر" (۲۶۸/۷) میں موصوف کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے:

"الشيخ، الإمام، العالم الكبير، العلامة، المحدث عبد العزيز بن ولي الله بن عبد الرحيم العمري الدهلوي، سيد علماء نا في زمانه وابن سيدهم، لقبه بعضهم "سراج الهند" وبعضهم "حجة الله". اور پھر لکھا ہے:

"وكان – رحمه الله – أحد أفراد الدنيا بفضله، وآدابه، وعلمه، وذكائه، وفهمه، وسرعة حفظه، اشتغل بالدرس والإفادة، وله خمس عشرة سنة، فدرس وأفاد، حتى صار في الهند العلَم المفرد، وتخرج عليه الفضلاء، وقصدته الطلبة من أغلب الأرجاء وتهافتوا عليه تهافت الظمآن على الماء ...... ولعلك تتعجب أنه كان مع هذه الأمراض المؤلمة، والأسقام المفجعة، لطيف الطبع، حسن المحاضرة، جميل المذاكرة، فصيح المنطق، مليح الكلام، ذا تواضع وبشاشة وتود، ولايمكن الإحاطة بوصفه، ومجالسته هي نزهة الأذهان والعقول بما لديه من الأخبار التي تنشف الأسماع والأشعار المهذبة للطباع، والحكايات عن الأقطار البعيدة وأهلها وعجائبها بحيث يظن السامع أنه قد عرفها بالمشاهدة، ولم يكن الأمر كذلك؛ فإنه لم يعرف غير كلكته، ولكنه كان باهر الذكاء، قوي التصور، كثير البحث عن الحقائق، فاستفاد ذلك بوفود أهل الأقطار البعيدة إلى حضرة الدهلي."

ترجمہ: مرحوم اپنے علم وفضل، آداب، ذکاوت، فہم وفراست اور سرعتِ حافظہ کی وجہ سے عالَم میں یگانۂ روزگار علماء میں سے تھے، پندرہ برس کی عمر سے درس وتدریس میں مصروف ہوئے، درس دیا، اور فیض پہنچایا یہاں تک کہ ہندوستان میں یکتا عالم ہوگئے، اور فضلاء نے ان سے اکتساب کمال کیا، بیشتر مقامات سے طلبہ محض ان سے پڑھنے کے لیے آتے اور ان پر ایسے ٹوٹ پڑتے جیسے پیاسا پانی پر ٹوٹ پڑتا ہے......اور شاید تم کو تعجب ہوگا کہ موصوف ان تکلیف دہ بیماریوں اور اندوہناک امراض کے باوجود خوش طبع، حاضر جواب، شیریں گفتار، بڑے فصیح، خوش کلام، متواضع، ہشاش بشاش اور باوقار تھے، ان کے اوصاف کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا، ان کی مجلسیں عقول اور اذہان کی سیر وتفریح کا سامان تھیں، ان کی حکایتیں کانوں کو، ان کے شائستہ اشعار طبائع کو بھاتے تھے، اور دور دراز کے شہروں کے قصے اور وہاں کے باشندوں کی داستانیں اور ان شہروں کے عجائب ونوادرات بھی خوب معلوم ہوتی تھیں کہ سننے والے کو یہ گمان ہوتا تھا کہ موصوف نے اِن باتوں کو دیکھ کر بتایا ہے، حالانکہ بات یہ تھی کہ انہوں نے کلکتہ کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا، غیر معمولی ذکی وقوی تصور تھے، اور حقائق سے خوب بحث کرتے تھے، انہوں نے ان باتوں کو ان لوگوں سے سنا تھا جو دور دراز سے دارالسلطنت دہلی میں آئے تھے۔

مولوی عبدالقادر کا بیان ہے:

"مولانا شاہ عبدالعزیز ۱-علمِ تفسیر، ۲-حدیث، ۳-فقہ، ۴-سیرت اور ۵-تاریخ میں شہرۂ آفاق تھے، اور ۶- ہیئت، ۷- ہندسہ، ۸- مجسطی، ۹- اصطرلاب، ۱۰- جرِ ثقیل، ۱۱- طبعیات، ۱۲-منطق، ۱۳- مناظرہ، ۱۴- اتفاق واختلافِ ملل ونحل، ۱۵- قیافہ، ۱۶- تاویل، ۱۷-تطبیقِ مختلف اور ۱۸-تفریقِ مشتبہ میں یکتائے زمانہ تھے، ۱۹-فنِ ادب اور ۲۰- ہر قسم کے اشعار سمجھنے میں بلند مرتبہ رکھتے تھے، منقول میں کلام اللہ اور حدیث سے دلیل پیش کرتے تھے، اور معقول میں جو ثبوت مناسب سمجھتے، خواہ مخواہ یونانیوں میں سے افلاطون، ارسطو اور متکلمین میں سے فخر رازی وغیرہ کے اقوال کی تائید میں مبتلا نہیں ہوتے تھے، اور اپنی تحقیقات کو فنِ معقول میں صاف صاف بیان کرتے تھے"(۱)

سرسید احمد خاں نے "آثار الصنادید" میں ان کا تذکرہ حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے:

"۱-اعلم العلماء، ۲-افضل الفضلاء، ۳-اکمل الکملاء، ۴-اعرف العرفاء، ۵-اشرف الاماثل، ۶-فخر الاماجد والاماثل، ۷-رشک سلف، ۸-داغ خلف، ۹-افضل المحدثین، ۱۰-اشرف علماء ربانیین، ۱۱-مولانا وبالفضل اولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہ العزیز کی ذات فیض سمات ان حضرت بابرکت کی فنون کسبی ووہبی اور مجموعۂ فیضِ ظاہری وباطنی

(۱) علم وعمل وقائع عبدالقادر خانی: ۱/۲۴۶، شائع کردہ اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، کراچی ۱۹۶۰ء

تھی، اگر چہ جمیع علوم مثل منطق وحکمت وہندسہ وہیئت کو خادم علوم دینی کا کر کے تمام ہمت وسراسر سعی کو تحقیق غوامض حدیث نبوی وتفسیر کلام الٰہی اور اعلائے اعلام شریعت مقدسہ حضرت رسالت پناہی میں مصروف فرماتے ...... باوجود اس کے کہ سنین عمر شریف قریب اسّی (۸۰) کے پہنچ گئی تھی، اور کثرتِ امراضِ جسمانی سے طاقت بدن مبارک میں کچھ باقی نہ رہی تھی، خصوصاً قلت غذا سے، لیکن برکاتِ باطنی اور حدت قوائے روحانی سے حسب تفصیل مسائل دینی اور تبیین دقائق یقینی پر مستعد ہوتے تو ایک دریائے زخار موجزن ہوتا تھا، اور فرطِ افادات سے حضار کو حالتِ استغراق بہم پہنچی تھی۔''

شاہ صاحب کی دانائی، دانشوری وحاضر جوابی:

شاہ صاحبؒ بڑے دانا، دانشور اور حاضر جواب عالم تھے، مسکت ومنہ توڑ جواب دیتے تھے، ایک مرتبہ ایک عیسائی پادری آیا، اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق برتری اور علوشان میں شعر کہا، اور شاہ صاحبؒ سے کہا کہ اس کا جواب بھی شعر ہی میں دیجئے، پادری نے حسب ذیل شعر پڑھا:

کسے بگفت کہ عیسی بمصطفی اعلی است
کہ ایں بہ زیر زمین و آں بہ اوج سماں است

شاہ صاحب نے شعر ہی میں اس کا جواب دیا:

بگفتمش کہ نہ این حجت قوی باشد
حباب برسر آب و گوہر تہِ دریا است

اسی کا خاکہ کسی شاعر نے اردو میں یوں کھینچا ہے:

فلک پہ حضرت عیسی ، محمد سربہ سر نیچے
یہ ہے دریائے رحمت حباب اوپر گوہر نیچے

سچ ہے: ہر کہ دانا بود توانا بود

فیض عام:

ان کے خوان علم سے ایسے بلند پایہ علماء، فضلاء، متکلم ومصلح اور صوفی سیر ہو کر نکلے جنہوں نے ہندوستان میں درس وتدریس، تصنیف وتالیف، اصلاح وسلوک، وعظ ونصیحت اور دعوت کا ایسا کام کیا کہ جس کی نظیر اس دور کا کوئی اور علمی خانوادہ پیش کرنے سے قاصر ہے، اور ان کے شاگردوں کا حلقہ اتنا وسیع ہے کہ اسلامی دنیا کو آج تک اپنا گرویدہ بنایا ہوا ہے، ہندوستان میں حدیث کا کونسا ایسا طالب علم ہے کہ جو بخاری ومشکوٰۃ پڑھے اور ان کے شاگردوں کے فیض علمی کا رہین منت نہ ہو، اسی وجہ سے ہندوستان کے نامور ادیب ڈپٹی نذیر احمد دہلوی نے اس خانوادۂ شاہی کے علمی فیضان کا ان الفاظ میں تذکرہ کیا ہے:

۱- ''این خانہ تمام آفتاب است، اس خاندان نے تو تمام ہندوستان میں اسلام کی وہ خدمتیں کی ہیں کہ بس خدا ہی ان کی داد دے گا، میرا اپنا عقیدہ تو یہ ہے کہ ان بزرگواروں نے ہندوستان کے اسلام کے حق میں ایسا کام کیا ہے، جیسا عرب کے اسلام کے حق میں مہاجرین و انصار نے کیا تھا، رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ (۱)

۲- اپنے لیکچر میں یہ بھی ذکر کیا ہے:

بہر کیف قرآن کے متعدد ترجمے موجود ہیں، مگر سب میں مشہور اور مقبول تین ہیں، اور کتنے بڑے دینی فخر کی بات ہے کہ تینوں ترجمے ایک ہی گھرانے کے ہیں، اسلام کے اعتبار سے جو خاندان عموماً تمام ہندوستان اور خصوصاً دہلی کا موجب فخر ہو گزرا ہے، اس کے مورث اعلیٰ تھے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ، ان کے دو فرزند حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور مولانا شاہ اہل اللہ صاحبؒ، مولانا شاہ ولی اللہ کے چار فرزند شاہ عبدالعزیز صاحب، مولانا شاہ رفیع الدین صاحب، مولانا شاہ عبدالقادر صاحب، اور مولانا شاہ اسماعیل شہید کے والد مولانا شاہ عبدالغنی صاحب، فارسی ترجمہ مولوی شاہ ولی اللہ صاحب مرحوم و مغفور کا ہے، بڑی احتیاط سے ترجمہ کیا ہے، احادیث اور تفاسیر پر شاہ صاحب کی بڑی وسیع نظر ہے، اور اس لئے یہ ترجمہ سب سے زیادہ مستند ہے، مگر ہے فارسی میں............اب رہ گئے اردو کے دو ترجمے، ان میں سے ایک مولوی شاہ رفیع الدین صاحب کا ہے، اور دوسرا شاہ عبدالقادر کا، (شاہ عبدالقادر کے ترجمے پر تفصیلی کلام ان کے حالات کے ضمن میں آئے گا) کہ یہ دونوں مولوی شاہ ولی اللہ صاحب کے فرزند تھے، مولوی شاہ عبدالعزیز سے چھوٹے، مولوی شاہ رفیع الدین کا ترجمہ لفظی ہے جس کو انگریزی میں لٹرل کہتے ہیں، یعنی شاہ رفیع الدین صاحب ترتیب الفاظ کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، اگر ایک آیت کا ترجمہ اس کے نیچے لکھا جائے گا تو تم کم پاؤ گے کہ ہر لفظ اور ہر حرف کا ترجمہ اس کے مقابلے میں ٹھیک اسی کے نیچے موجود ہے، ظاہر ہے کہ یہ ترجمہ شگفتہ ہو نہیں سکتا، .... پھر یہ مترجم دلی میں پیدا ہوئے، ان کی بولی بجائے خود سند ہے، .... تو کون ایسا ناانصاف اور ناحق شناس اور احمق ہوگا، کہ مولوی شاہ رفیع الدین یا مولوی شاہ عبدالقادر کے ترجموں پر معترض ہو، مگر ہے کیا کہ ان بزرگوں نے فرط ادب سے لفظی تقدیم و تاخیر کو بھی گناہ سمجھا، اور ان کی یہ احتیاط قابل تحسین ہے، اگلوں نے اس میں احتیاطیں کی ہیں، تب کہیں جا کر قرآن محفوظ رہا ہے، ورنہ آج توراۃ و انجیل کا سا حال ہو گیا ہوتا۔ (۲)

---

(۱) لیکچر ڈپٹی: ۲/ ۲۷، ط: مفید عام اسٹیم پریس آگرہ، ۱۹۱۸ء۔ (۲) لیکچرز ڈپٹی نذیر احمد، ج: ۲، ص: ۲۵-۲۷۔

۳- اس لیکچر کے صفحہ: ۴۸ میں شاہ عبدالقادرؒ کے ترجمے کے متعلق کہتے ہیں:

'' مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن اردو میں نازل ہوتا تو مولوی شاہ عبدالقادر کا موضح قرآن ہوتا''۔

۴- نواب صدیق حسن خان (المتوفی ۱۳۰۷ھ) خانوادہ شاہی کے متعلق رقمطراز ہیں:

''اولا دامجاداو کہ ہر یکے از ایشاں بے نظیر وقت وفرید دہر و وحید عصر، در علم وعمل وعقل و فہم وقوت تقریر، فصاحت تحریر، وتقوی ودیانت، وامانت، ومراتب ولایت بود، ہمچنیں اولا داولا د''

این خانہ تمام آفتاب است

این سلسلہ از طلای ناب است (۱)

ترجمہ: شاہ ولی اللہؒ کے اولاد بزرگوار میں ہر ایک ۱-علم ۲-عمل ۳-دانائی ۴-فہم وفراست ۵-قوت تقریر ۶-سلاست تحریر ۷-تقوی ۸-دیانت ۹-امانت اور ۱۰-ولایت کے مراتب میں اپنے زمانے میں ۱۱-بے نظیر ۱۲- یکتائے زمانہ اور یگانہ روزگار تھا، اس طرح اولاد کی اولاد کا حال ہے۔

ترجمہ شعر:

یہ گھرانہ پورا آفتاب (علم وعرفان) ہے، یہ سلسلہ خالص سونے کی لڑی ہے

گارسان دتاسی کے خطبات، مولانا سید عبدالحی لکھنویؒ کی گل رعنا، اور عصر حاضر کے اردو زبان کے ادیب ڈاکٹر جمیل جالبی کی ''تاریخ اردوادب'' اس خانوادہ کے علمی وادبی کارناموں سے بھری پڑی ہے، وقائع سید احمد شہیدؒ از نواب محمد وزیر خان بہادر، اس دور کی اردو زبان کی ایسی جیتی جاگتی تصویر ہے، جو اس خانوادہ کے علمی وادبی کارناموں، مذہبی زندگی، رسم ورواج، بہترین تاریخ وداستان، اور اس خانوادہ کی اصلاحی کاوشوں کی آئینہ دار اور اس کے دیرینہ نقوش کا مرقع ہے۔

وفات:

ہفتہ میں دو بار مجلسِ وعظ منعقد ہوتی تھی، اور شائقین صادق العقیدۃ وصافی نہاد خواص وعام میں سے مور وملخ سے زیادہ جمع ہوتے تھے، اور طریقہ رُشد وہدایت کا استفاضہ کرتے، بروز یکشنبہ ۹ شوال ۱۲۳۹ھ/ ۶ جون ۱۸۲۴ء میں اس جہانِ فانی سے سفر آخرت اختیار کیا...... ایک قطعہ لکھتا ہوں:

حجۃ اللہ ناطق و گویا شاہ عبد العزیز فخرِ زمن

روز شنبہ وہفتم شوال درمیانِ بہشت ساخت وطن

مہر نصف النہار در عرفاں مثل بدرِ منیر در ہمہ فن

از سرِ لطف وحلمِ تاریخش رضی اللہ عنہ گفت حسن

---

(۲) اتحاف النبلاء المتقین، ص ۴۳۰

حکیم مومن خاں مومنؔ نے تاریخ وفات خوب کہی ہے:

دستِ بیدادِ اجل سے بے سروپا ہوگئے　　فقر و دیں، فضل و ہنر، لطف و کرم، علم و عمل

ق ی ض ن ط ر ل م

۱۲۳۹ھ

شاہ صاحبؒ کے شاگردوں کی خدمات

شاگردوں کی خدمات کا مختصر تعارف:

شاہ عبدالعزیزؒ کے شاگردوں نے گوناگوں طریقوں سے علوم وفنون دینیہ کی خدمت کی۔

۱- ان کے بعض نامور شاگردوں نے قرآن کی خدمت کی، زبان وقلم دونوں کے ذریعے لوگوں کو قرآن، علوم قرآن سے روشناس کرایا۔

۲- بعض نامور شاگردوں نے مسند حدیث کو زینت بخشی، اور علم حدیث میں تحریری کام بھی سرانجام دیا۔

۳- ان کے بعض نامور شاگرد عقلی علوم پڑھاتے رہے، منطق، فلسفہ اور علم کلام کی کتابوں پر حواشی وتعلیقات بھی لکھیں، ان سے بہت سے حواشی اور کتابیں یادگار ہیں۔

۴- بعضوں نے نقلی وعقلی علوم سب پڑھائے، اور پڑھانے کے ساتھ ساتھ مختلف علوم میں ان کی تصانیف یادگار ہیں، خصوصاً فقہی مسائل پر ان کے رسائل اور کتابیں قابل دید ہیں۔

۵- بعض گمراہ وباطل فرقوں کی تردید میں سرگرم رہے، اور اسلامی نظریات کی تائید میں رسالے اور ضخیم کتابیں لکھیں اور پڑھائیں، اس طرح ساری عمر علم وحق کی خدمت کرتے رہے۔

۶- بعضوں نے وعظ ونصیحت سے لوگوں کی اصلاح کرتے ہوئے، ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں "قال اللہ و قال الرسول" کی مجالس آباد کیں، اور زندگی بھر دین کے پھیلانے میں کوشاں رہے۔

۷- بعضوں نے ملکی حالات اور بیرونی کفریہ طاقتوں کی مداخلت کی وجہ سے پیدا ہونے والے سیاسی مسائل پر غور و خوض کیا، اور انگریز کے خلاف سینہ سپر ہو کر سیاسی کارنامہ انجام دیا۔

۸- بعضوں نے اردو ادب اور شعر کی خوب خدمت کی۔

مرکز علم دہلی میں شاہ صاحبؒ کے شاگردوں کی فیض رسانی:

عہد اسلامی میں کسی عالم کی شہرت وشناخت کے دو ہی ذریعے رہے ہیں: ۱۔تصانیف ۲۔شاگرد۔

نامور ادیب ابوالطیبؒ لغوی (المتوفی ۳۵۱ھ) ''مراتب النحویین'' میں رقمطراز ہیں:

"شهرة الأستاذ بتصانيفه و تلا مذته" (استاذ کی شہرت اس کی تصانیف وتالیفات، اورشاگردوں سے ہوتی ہے)۔

چنانچہ ہم شاہ صاحبؒ کے ان نامور تلامذہ کا تذکرہ کرتے ہیں، جنہوں نے مرکز علمی دہلی میں درس وتدریس، تصنیف وتالیف، وعظ وارشاد، فقہ وفتوی، تجوید وقرأت، کلام وتردید، اصلاح وتبلیغ کا بازار گرم رکھا۔

۱ - شاہ رفیع الدین عبدالوہاب بن شاہ ولی اللہؒ (۱) (۱۱۶۳ھ-۱۲۳۳ھ)

شاہ ولی اللہؒ کے فرزند اور شاہ عبدالعزیزؒ کے چھوٹے بھائی ہیں، موصوف دہلی میں پیدا ہوئے، اور دہلی میں ہی پرورش پائی، ابتدائی علوم والد صاحبؒ سے حاصل کئے، آپ کی عمر تیرہ ۱۳ برس تھی کہ والد صاحبؒ کا ۱۱۷۶ھ میں انتقال ہوگیا، والد صاحبؒ کی وفات کے بعد علوم کی تکمیل اپنے ماموں شاہ محمد عاشق پھلتیؒ (۱۱۸۷ھ) اور بڑے بھائی شاہ عبدالعزیزؒ سے فرمائی، آپ کی عمر صرف چودہ یا پندرہ برس تھی، کہ تحصیل علم سے فارغ ہوکر ۱۱۷۹ھ میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع فرمادیا تھا، شاہ عبدالعزیزؒ کا خط جو انہوں نے ۱۱۷۹ھ میں شاہ ابوسعید رائے بریلیؒ کے نام لکھا اس بات پر دلالت کرتا ہے، شاہ صاحب نے لکھا:

> ''رفیع الدین بفضل الٰہی تحصیل علوم سے فارغ ہوگئے ہیں، اور مجلس علماء وفقراء کے سامنے ان کی دستار تبرک باندھی گئی، اور درس کی اجازت دے دی گئی، الحمد للہ بہت سے طلبہ ان سے مستفید ہورہے ہیں۔'' (۲)

جب شاہ عبدالعزیزؒ شدت امراض اور کمزوری کی وجہ سے مستقل تدریس نہ کرسکے، تو مدرسہ رحیمیہ کی صدارت اور تدریس کی ذمہ داریاں شاہ رفیع الدینؒ کے سپرد فرمائیں۔

شاہ رفیع الدینؒ کے تدریس کا سلسلہ جو ۱۱۷۹ھ سے شروع ہوا تھا، آپ کی وفات ۱۲۳۳ھ تک جاری رہا، اس طرح آپ نے اپنی عمر کے ستر برس میں نصف صدی سے بھی زیادہ تقریباً چون (۵۴) برس علوم دینیہ کی خدمات فرمائی۔

تمام علوم عقلیہ ونقلیہ میں مہارت تامہ حاصل تھی، ایک وقت میں مختلف فنون پڑھاتے، اور ہر فن میں یہی محسوس ہوتا کہ اس فن کی انتہا انہی پر ہوئی ہے، علمی مقام کا یہ عالم تھا، کہ اگر باہر سے کوئی عالم آپ کی خدمت میں آتا، تو اپنے آپ کو ابتدائی طالب علم سمجھتا، اور ابتدا سے انتہا تک دوبارہ آپ کے پاس علم حاصل کرتا، اللہ تعالیٰ نے علوم ظاہریہ کے ساتھ ساتھ علوم باطنیہ میں بھی بلند مرتبہ نصیب فرمایا تھا، آپ شاہ محمد عاشقؒ سے بیعت تھے۔

تصانیف: درس وتدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف کا کام بھی کرتے تھے، ان کی چند مشہور تصنیفات درج ذیل ہیں

۱۔رسالۃ فی القیامۃ، ۲۔رسالۃ فی التاریخ، ۳۔رسالۃ فی العروض، ۴۔دمغ الباطل، ۵۔اسرار المحبۃ وغیرہ

وفات: موصوف نے ۱۲۳۳ھ = ۱۸۱۸ء میں وفات پائی۔

---

(۱) آثار الصنادید: ۲/۸۱، الإعلام: ۷/۹۷۴، شاہ ولی اللہ اور ان کے اصحاب: ۱۵۷، (۲) شاہ ولی اللہ اور ان کے اصحاب ۱۵۷

۲- معین الدین شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہؒ[1] (۱۱۶۷ھ-۱۲۳۰ھ)

آپ کا پورا نام معین الدین عبدالقادر بن شاہ ولی اللہؒ ہے شاہ ولی اللہؒ کے فرزند، شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ رفیع الدینؒ کے چھوٹے بھائی ہیں، تحصیل علم کی ابتدا والد صاحبؒ کے پاس کی، آپ کی عمر نو برس تھی، اور ابتدائی علوم حاصل کر رہے تھے، کہ ۱۱۷۶ھ کو والد صاحب کا انتقال ہو گیا، والد صاحب کے انتقال کے بعد شاہ محمد عاشقؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ سے علوم ظاہریہ کی تکمیل فرمائی، ۱۱۸۷ھ تک تحصیل علم میں مشغول تھے۔

شاہ عبدالعدلؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے، اللہ تعالیٰ نے علم، عمل، زہد، تقویٰ، اور حسن سلوک جیسی اعلی صفات سے نوازا تھا، دہلی کی مسجد اکبر آبادی میں سکونت اختیار فرمائی، اور وہیں پر درس و تدریس فرماتے تھے.

تصانیف:

اللہ تعالیٰ نے آپکو یہ سعادت نصیب فرمائی کہ قرآن کریم کا معنی خیز اور بے نظیر اردو ترجمہ کیا، جس سے ہر خاص و عام مستفید ہو رہا ہے، اس کا تاریخی نام موضحِ قرآن ہے، موصوف نے درس و تدریس کے ساتھ ساتھ یہ ترجمہ ۱۱۸۸ھ سے ۱۲۰۵ھ تک تقریبا سترہ برس کے عرصہ کے دوران لکھا۔

شاہ عبدالقادرؒ کے ترجمہ قرآن کے متعلق مفتی محمد شفیع صاحبؒ (المتوفی ۱۳۹۶ھ) نے معارف القرآن میں لکھا ہے:

''یہ ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ نے چالیس سال مسجد میں معتکف رہ کر پورا کیا ہے''(۲)

لیکن شاہ عبدالقادرؒ کے حالات کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے، کہ موصوف نے یہ ترجمہ تقریبا سترہ برس کی مدت میں لکھا ہے، کیونکہ ۱۱۸۷ھ/۱۷۷۳ء میں آپ زیر تعلیم تھے، جیسا کہ حکیم محمود احمد برکاتی صاحب نے ''حیات شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی'' (ص:۳۴) میں لکھا ہے:

''وہ خود (شاہ عبدالعزیزؒ) ابھی ۱۱۸۷ھ میں ۲۸ سال کے تھے، بڑے بھائی مجذوب تھے، اور چھوٹے تینوں بھائیوں میں صرف شاہ رفیع الدینؒ تعلیم سے ابھی ابھی فارغ ہوئے تھے، باقی دو زیر تعلیم تھے''

اور شاہ عبدالقادرؒ کا یہ ترجمہ ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۱ء میں مکمل ہوا، جیسا کہ موضح قرآن کے مقدمہ میں مذکور ہے:

> اس بندہ عاجز عبدالقادر کو خیال آیا، کہ جس طرح ہمارے والد بزرگوار حضرت شیخ ولی اللہ بن عبدالرحیم محدث دہلویؒ، ترجمہ فارسی کر گئے ہیں سہل اور آسان، اب ہندی زبان میں قرآن شریف کا ترجمہ کرے، الحمدللہ کہ سن بارہ سو پانچ میں میسر ہوا۔(۳)

اور مقدمہ کے آخر میں لکھتے ہیں:

---

(۱) آثار الصنادید: ۲/۸۵، الاعلام ۷/۱۰۲۷، شاہ ولیؒ اللہ اور انکے اصحاب: ۱۶۵، (۲) معارف القرآن: ۱/۶۸، طبع جدید ۱۴۲۱ھ۔

(۳) اس سے معلوم ہوا کہ ۱۲۰۵ھ تک اردو کو ہندی زبان سے بھی تعبیر کیا جاتا تھا، حالانکہ ہندی اور اس کا رسم الخط اور ہے۔

''اوراس کتاب کا نام موضح قرآن ہے، یہی اس کی صفت ہے، اور یہی اس کی تاریخ (تکمیل) ہے ۱۲۰۵ھ''

اب اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ شاہ عبدالقادرؒ نے ۱۱۸۸ھ/۴-۱۷۷۷ء میں تحصیل علم سے فارغ ہو کر ترجمہ قرآن لکھنا شروع کیا تو اس اعتبار سے ۱۲۰۵ھ/۹۱-۱۷۹۰ء تک ۱۷ برس بنتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ چالیس برس کا قول کسی صورت میں درست نہیں، کیونکہ اگر شاہ عبدالقادرؒ کی ولادت ۱۱۶۷ھ سے بھی حساب لگایا جائے، تو ۱۲۰۵ھ تک ۳۸ برس بنتے ہیں۔

وفات: ۱۲۳۰ھ=۱۸۱۵ءکو وفات پائی۔

۳- رضی الدین شاہ عبدالغنی بن شاہ ولی اللہؒ (۱) (۱۱۷۰ھ/۷۱-۱۲۲۷ھ)

شاہ ولی اللہؒ کے سب سے چھوٹے فرزند ہیں، ۱۱۷۰ھ اور ایک قول کے مطابق ۱۱۷۱ھ میں پیدا ہوئے، تحصیل علم کا آغاز والد صاحبؒ کے زمانے میں کیا، آپ کی عمر پانچ یا چھ برس تھی کہ ۱۱۷۶ھ کو والد صاحبؒ کا انتقال ہوگیا، والد صاحبؒ کی وفات کے بعد آپ کی تربیت شاہ عبدالعزیزؒ نے فرمائی۔

تمام علوم شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ رفیع الدینؒ سے حاصل کئے، ۱۱۸۸ھ تک شاہ عبدالقادرؒ کے ہم درس رہے، تحصیل علم سے فراغت کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ شروع فرمایا، اور آخری عمر تک اسی سے وابستہ رہے، اللہ تعالیٰ نے علوم ظاہریہ کے ساتھ ساتھ علوم باطنیہ سے بھی سرفراز فرمایا تھا، ساری زندگی توکل اور استغناء سے بسر فرمائی۔

وفات: ۱۲۲۷ھ=۱۸۱۲ء میں وفات پائی۔

۴- شاہ محمد اسحاق بن محمد افضلؒ (۲) (۱۱۹۷ھ-۱۲۶۲ھ)

شاہ عبدالعزیزؒ کے نواسے اور شاگرد ہیں، ابتدائی علوم صرف ونحو وغیرہ مولانا عبدالحی بن ھبۃ اللہؒ (المتوفی ۱۲۴۳ھ) سے پڑھے، اس کے بعد شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ سے علم حدیث حاصل کیا، ۱۲۱۹ھ میں تحصیل علم سے فارغ ہو کر مدرسہ رحیمیہ میں درس و تدریس شروع فرمائی، ۱۲۳۳ھ میں جب شاہ رفیع الدینؒ کی وفات ہوئی تو مدرسہ رحیمیہ کے صدر مدرس مقرر ہوئے، ۱۲۴۰ھ میں حج ادا کیا، اور نامور، محدث ومسند، شیخ عمر بن عبدالکریمؒ (المتوفی ۱۲۴۹ھ) سے روایت حدیث کی اجازت حاصل کی، حج سے واپسی کے بعد وعظ و نصیحت اور تدریس کا سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ ۱۲۵۸ھ میں سرزمین حجاز کی طرف ہجرت فرمائی اور چار سال تک مکہ مکرمہ میں مقیم رہے، اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا، ۱۲۶۲ھ کو مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔

یوں شاہ اسحاقؒ نے اپنی عمر کے پینسٹھ برس میں سے تینتالیس برس تدریس فرمائی، جن میں سے انتالیس برس ہند میں، اور آخری چار برس مکہ مکرمہ میں۔

---

(۱) حیات ولی: ۳۵۲، (۲) آثار الصنادید: ۲/۹۱، الاعلام: ۷/۱۱۹، حیات شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ۔

شاہ عبدالعزیزؒ ان سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے، اور ان کو اپنا بیٹا سمجھتے تھے، شاہ عبدالعزیزؒ نے ان کو اپنا خلیفہ بنایا تھا، اپنی کتابیں اور گھر ان کو ہبہ کر دیا تھا، شاہ اسحاقؒ نے شاہ صاحبؒ کے خلیفہ ہونے کا حق ادا کیا، علم حدیث کو عام کیا، اس دور کے بڑے بڑے علماء ومشائخ نے شاہ اسحاقؒ سے علم حاصل کیا، حتی کہ ہند میں انکی سند کے علاوہ کوئی سند باقی نہ رہی، اور ان کی سند سب پر چھا گئی۔

اللہ تعالیٰ نے بلند مرتبہ نصیب فرمایا تھا، شیخ عبداللہ سراجؒ نے آپ کو غسل دیتے ہوئے فرمایا تھا: کہ بخدا اگر شاہ اسحاقؒ زندہ رہتے، اور میں زندگی بھر ان سے حدیث پڑھتا، تو مجھے وہ مقام حاصل نہ ہوتا، جو شاہ صاحبؒ کو حاصل تھا۔

شاہ عبدالعزیزؒ جب ان کو دیکھتے، تو بعض اوقات یہ آیت تلاوت فرماتے تھے:

﴿الحمد لله الذي وهب لي على الكبر إسماعيل وإسحاق﴾

وفات: موصوف نے ۱۲۶۲ھ = ۱۸۴۶ء کو ۶۵ برس کی عمر میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔

تصانیف: ۱۔ مائۃ مسائل وغیرہ

۵- مولوی مخصوص اللہ بن شاہ رفیع الدینؒ (۱) (وفات ۱۲۷۱ھ)

شاہ رفیع الدینؒ کے فرزند اور شاہ عبدالعزیزؒ کے شاگرد ہیں، تقریبا بیس پچیس برس تک حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں رہے، اور تمام علوم وفنون حضرت شاہ صاحبؒ سے پڑھے۔

تحصیل علم سے فراغت کے بعد روشن الدولہ کی مسجد واقع قاضی واڑہ میں درس وتدریس فرماتے رہے، تفسیر اور حدیث میں انتہائی درجہ کی مہارت حاصل تھی، آخری عمر میں زہد وتقوی اور تصوف کے غلبہ کی وجہ سے گوشہ نشینی اختیار فرمالی تھی۔

وفات: ۱۲۷۱ھ = ۱۸۵۵ء کو وفات پائی۔

۶- شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ (۲) (۱۱۹۳ھ-۱۲۴۶ھ)

شاہ ولی اللہؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے شاہ عبدالغنیؒ کے بیٹے ہیں، جب ان کے والد صاحب کا ۱۲۲۷ھ میں انتقال ہوگیا تو انکی تربیت شاہ عبدالقادرؒ نے فرمائی، تمام علوم شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ سے حاصل کیئے، تحصیل علم سے فراغت کے بعد مدرسہ رحیمیہ میں درس وتدریس فرماتے رہے۔

شاہ اسماعیل شہیدؒ نے دین وملت کے لئے گراں قدر خدمات سرانجام دیں، سنت کی تبلیغ اور بدعت کا ردان کا مقصد تھا، سید احمد شہیدؒ (المتوفی ۱۲۴۶ھ) کے ہاتھ پر بیعت کی، اور انکے ساتھ جہاد میں مصروف رہے، یہاں تک کہ بالا کوٹ کی سرزمین پر ۱۲۴۶ھ = ۱۸۳۰ء کو جام شہادت نوش فرمایا۔

تصنیفات: ۱- صراط مستقیم ۲- منصب الإمامة ۳- ردالاشراک والبدع ۴- تقویۃ الایمان وغیرہ

---

(۱) آثار الصنادید: ۲/۸۴، الإعلام: ۷/۱۱۰۸، (۲) آثار الصنادید: ۲/۸۶، تذکرہ علمائے ہند: ۴۱۲، الإعلام: ۷/۹۱۴۔

۷- مولانا عبدالحی بن ہبۃ اللہؒ (۱) (وفات ۱۲۴۳ھ)

شاہ عبدالعزیزؒ کے داماد اور شاگرد ہیں، شاہ صاحبؒ سے علم حاصل کیا، اور تمام فنون میں مہارت تامہ حاصل کی، جس فن میں آپ سے مناظرہ ومباحثہ کیا جاتا تو یہی محسوس ہوتا کہ اس فن میں ان کی نظیر کوئی نہیں۔

ایک مدت تک درس وتدریس میں مشغول رہے، اور پھر اس کے بعد سید احمد مغفورؒ کے ہاتھ پر بیعت فرمائی، اور ان کی صحبت میں کافی عرصہ تک رہے، اپنے شیخ کے ہمراہ حج کیا، حج سے واپسی کے بعد شیخ کے حکم پر وعظ ونصیحت کا سلسلہ شروع کیا، مولانا سید اسماعیل شہیدؒ کے ساتھ مل کر لوگوں کو عوت جہاد دیتے رہے، اللہ تعالیٰ نے بہت سے لوگوں کو آپ کے وعظ ونصیحت کی برکت سے ہدایت نصیب فرمائی۔

تصانیف: ۱- فتاوی ۲- نکاح ایامی

وفات: ۱۲۴۳ھ = ۱۸۲۸ء کو وفات پائی۔

۸- مولوی محمد یعقوب بن محمد افضلؒ (۲) (۱۲۰۰ھ - ۱۲۸۲ھ)

شاہ محمد اسحاقؒ کے چھوٹے بھائی اور شاہ عبدالعزیزؒ کے نواسے وشاگرد تھے، شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ رفیع الدینؒ سے علم حاصل کیا، حضرت شاہ صاحبؒ سے علم وطریقت میں اجازت حاصل تھی، دہلی میں درس وتدریس اور افادہ میں مشغول رہے، سید صدیق حسن قنوجی، خواجہ احمد بن یاسین نصیر آبادی اور دیگر بڑے بڑے علماء نے ان سے علم حاصل کیا۔

اپنے بڑے بھائی شاہ محمد اسحاقؒ کے ہمراہ ۱۲۵۸ھ میں مکہ مکرمہ کی طرف ہجرت کی، اور مکہ مکرمہ میں ہی ۱۲۸۲ھ = ۱۸۶۶ء کو ۸۲ برس کی عمر میں وفات پائی۔

۹ - شیخ غلام علی بن عبداللطیفؒ (۳) (۱۱۵۶ھ-۱۲۴۰ھ)

موصوف بٹالہ میں پیدا ہوئے، اور ابتدائی علوم اپنے شہر میں حاصل کئے، پھر دہلی آ گئے، اور شاہ عبدالعزیزؒ سے بخاری شریف پڑھی اور سند حدیث حاصل کی، حضرت مظہر جان جاناںؒ (المتوفی ۱۱۹۵ھ) کے دست مبارک پر بیعت ہوئے، اور ان کے خلیفہ بنے، بہت بڑے عالم، زاہد، متقی اور پرہیزگار آدمی تھے، اللہ تعالیٰ نے قبول عام نصیب فرمایا تھا، عرب وعجم نے آپ سے استفادہ کیا، روم، شام، بغداد، مصر، چین، اور حبش کے لوگ بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہوتے، بڑے بڑے علماء ومشائخ آپ سے بیعت تھے۔

انتہائی سخی انسان تھے، خانقاہ میں ہر وقت تقریباً پانچ سو مرید ہوتے تھے، جن کے کھانے، پینے اور لباس کا انتظام خود فرماتے تھے۔

---

(۱) آثار الصنادید: ۲/۸۶، الاعلام: ۷/۱۰۰۵، (۲) الاعلام: ۷/۱۱۳۸، آثار الصنادید: ۲/۹۲، (۳) الاعلام: ۷/۱۰۵۵، تذکرہ علماء ہند: ۳۶۴، آثار الصنادید: ۲/۱۵،

دن رات عبادت اور دین کی خدمت میں گزرتے تھے، صبح کی نماز جلدی ادا فرمانے کے بعد دس پارے تلاوت فرماتے، اس کے بعد مریدین کی اصلاح کیلئے بیٹھ جاتے، اشراق کی نماز پڑھنے کے بعد درس وتدریس میں مشغول ہو جاتے اور ظہر تک تفسیر وحدیث کا درس دیتے، ظہر کے بعد فقہ، حدیث اور تصوف پڑھاتے، رات بھر قیام اور عبادت میں مشغول رہتے، تھوڑی دیر کیلئے مصلی پر ہی بیٹھے بیٹھے آرام فرماتے، ۱۲۴۰ھ = ۱۸۲۵ء کو مصلی پر ہی وفات پائی۔

۱۰- شاہ ابوسعید بن صفی العمری الدہلویؒ[1] (۱۱۹۶ھ-۱۲۵۰ھ)

شاہ عبدالغنی مجددیؒ (المتوفی ۱۲۹۶ھ) کے والد بزرگوار ہیں، مفتی شرف الدین رامپوریؒ (المتوفی ۱۲۶۸ھ) اور شاہ رفیع الدینؒ کے شاگرد تھے، شاہ عبدالعزیزؒ سے اجازت عامہ حاصل تھی، نقشبندی سلسلہ میں شاہ غلام علیؒ سے بیعت تھے، علوم ظاہریہ و باطنیہ کی تکمیل کے بعد لوگوں کی اصلاح وتربیت میں مصروف رہے، ہزاروں افراد نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آپ سے مستفید ہوئے۔

وفات: ۱۲۵۰ھ = ۱۸۳۵ء کو وفات پائی۔

۱۱- مفتی صدرالدین بن لطف اللہؒ[2] (۱۲۰۳ھ-۱۲۸۵ھ)

موصوف نے علوم عقلیہ مولوی فضل امام خیرآبادیؒ (المتوفی ۱۲۴۳ھ) سے حاصل کئے، فقہ، حدیث اور دیگر علوم شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ اسحاقؒ سے حاصل کئے، تمام علوم وفنون میں مہارت تامہ حاصل تھی، خصوصا ادب میں کمال درجہ کے ماہر تھے، علماء یہ سمجھتے کہ علم میں ان کی مثال نہیں، اور شعراء یہ گمان کرتے کہ شعر کا جھنڈا انہی کے ہاتھ میں ہے، امراء بھی ہر معاملہ میں انہی کی طرف رجوع کرتے تھے، کسی بھی فن کے بارے میں جب ان سے کوئی سوال کیا جاتا تو ایسا جواب دیتے کہ دیکھنے والا اور سننے والا یہی تصور کرتا کہ وہ اس فن کے آدمی ہیں۔

حکومت کی طرف سے دہلی کے صدر الصدور اور مفتی تھے، صاحب مروت واحسان تھے، مدرسہ دارالبقاء (جو کہ جامع مسجد دہلی کے نیچے واقع تھا) کے پچیس طلباء کے کھانے اور لباس کا خرچہ برداشت کرتے تھے۔

وفات: ۱۲۸۵ھ = ۱۸۶۹ء کو وفات پائی۔

تصانیف: ۱- منتہی المقال فی شرح حدیث لاتشد الرحال، ۲- الدر المنضود فی حکم امراۃ المفقود

۱۲- مولوی رشید الدین بن امین الدینؒ[3] (۱۱۷۹ھ-۱۲۴۹ھ)

مولوی رشید الدینؒ بھی شاہ عبدالعزیزؒ کے شاگردوں میں سے تھے، شاہ عبدالقادرؒ، شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ سے علوم وفنون حاصل کئے، تمام علوم میں یک فنی تھے، لیکن علم ہیئت اور ہندسہ میں علم یکتائی (جھنڈا) بلند کیا تھا۔

---

(۱) الإعلام: ۸۹۲/۷، تذکرہ علماء ہند: ۷۵، آثار الصنادید: ۲۱/۲، (۲) الإعلام: ۹۹۲/۷، تذکرہ علماء ہند: ۲۴۷، آثار الصنادید: ۶۰/۲،

(۳) آثار الصنادید: ۷۹/۲، الإعلام: ۹۷۱/۷۔

مدت العمر فرقہ امامیہ سے مباحثہ ومناظرہ کیا، اور طریق مناظرہ ایسا تھا کہ تقریر یا تحریر میں خصم کو بجز اعتراف عجز کے کوئی چارہ کار نہ ہوتا تھا۔

تقوی، زہد اور عبادت میں ایسی مشغولیت تھی کہ زبان بیان کرنے سے قاصر ہے، کئی دفعہ حکام کے طرف سے قضاء کی پیشکش ہوئی، لیکن اسے ٹھکرا دیا، مدرسہ شاہجہان دہلی میں درس وتدریس کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔

وفات: ۱۲۴۹ھ=۱۸۳۴ء کو دہلی میں وفات پائی۔

۱۳- شیخ قمر الدین الدہلوی [1] (۱۱۵۹ھ-۱۲۰۸ھ)

شاہ عبدالعزیزؒ کے شاگرد تھے، شاہ صاحبؒ سے علم حاصل کیا، شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالقادرؒ کے ہم درس تھے، تحصیل علم کے بعد شعر وشاعری کی طرف متوجہ ہوئے، اس زمانے کے مشہور شعراء میں ان کا شمار ہوتا ہے، آخری عمر میں تشیع کی طرف مائل ہو گئے تھے، ان کا ایک دیوان شعر ہے، جس میں ڈیڑھ لاکھ فارسی اور اردو اشعار مذکور ہیں۔

وفات: ۱۲۰۸ھ=۱۷۹۴ء کو وفات پائی۔

۱۴- مولوی کرم اللہ بن عبداللہؒ [2] (وفات: ۱۲۵۲/۵۸ھ)

تذکرہ قاریان ہند میں ہے کہ یہ دہلی میں پیدا ہوئے، مذہبا ہندو تھے، تحصیل علم کے بعد مذہبی تحقیق کا ولولہ پیدا ہوا، بالآخر شاہ عبدالعزیزؒ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے، جبکہ مولانا عبدالحی الحسنیؒ ''نزهة الخواطر'' میں لکھتے ہیں:

" ولد ونشأ بدهلي في الإسلام". موصوف اسلام کی حالت میں دہلی میں پیدا ہوئے اور پرورش پائی۔

شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالقادرؒ سے علم حاصل کیا، فن قرأت وتجوید میں کمال درجہ کی مہارت حاصل تھی، اکثر اہل دہلی فنِ قراءت میں ان کے شاگرد تھے۔

وفات: ۱۲۵۲/۵۸ھ=۴۳/۱۸۳۷ء کو دہلی میں وفات پائی۔

۱۵- مولوی کریم اللہ بن لطف اللہؒ [3] (وفات: ۱۲۹۱ھ)

یہ بھی شاہ صاحبؒ کے شاگردوں میں سے ہیں، تمام علوم شاہ عبدالعزیزؒ، مولانا رشید الدینؒ اور مولوی کاظم دہلویؒ سے حاصل کئے، فقہاء حنفیہ میں ان کا شمار ہوتا ہے، دہلی میں درس وتدریس کرتے رہے، بہت سے طلبہ وعلماء نے آپ سے استفادہ کیا۔

وفات: ۱۲۹۱ھ=۱۸۷۵ء سفر آخرت اختیار کیا۔

---

(۱) الإعلام: ۷/۱۰۷۱، (۲) تذکرہ قاریان ہند، حصہ دوم: ۲۶۲، تذکرہ علماء ہند: ۳۹۶، الإعلام: ۷/۱۰۷۲۔
(۳) آثار الصنادید: ۲/۱۹۴، الإعلام: ۷/۱۰۷۴۔

۱۶- امام الدین محمد بن معین الدین احمدؒ(۱)

مولانا امام الدینؒ نے تمام علوم اصول وفروع اور حدیث شاہ عبدالعزیزؒ سے حاصل کئے، فنون حکمیہ میں مہارت تامہ حاصل تھی، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی منطق اور حکمت پر جو تعلیقات ہیں، ان کو امام الدینؒ نے ایک جلد میں جمع کیا تھا۔

۱۷- شیخ احمد سعید بن ابوسعید العمریؒ(۲) (۱۲۱۷ھ-۱۲۷۷ھ)

موصوف رامپور میں پیدا ہوئے، رام پور اور لکھنؤ میں علم حاصل کرنے کے بعد دہلی آ گئے، اور شیخ فضل امام خیرآبادیؒ (۱۲۴۳ھ) ومولوی رشید الدینؒ سے علم حاصل کرنا شروع کیا، اسی اثناء شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالقادرؒ کی خدمت میں مسائل کی تحقیق اور درس کی سماعت کی غرض سے حاضر ہوتے، شاہ عبدالعزیزؒ سے صحاح ستہ ودیگر کتب حدیث کی سند حاصل تھی۔

تحصیل علم کے بعد شاہ غلام علیؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور ان کے خلیفہ بنے، اللہ تعالیٰ نے قبول عام نصیب فرمایا تھا، دور دور سے لوگ آ کر آپ سے روحانی استفادہ کرتے، آخری عمر میں سرزمین حجاز کی طرف ہجرت فرمائی، حج ادا کرنے کے بعد مدینہ میں مقیم ہوئے، اور مدینہ میں ہی ۱۲۷۷ھ=۱۸۶۱ء کو وفات پائی۔

تصانیف: ۱۔الفوائد الضابطۃ فی اثبات الرابطہ، ۲۔تصحیح مسائل فی الرد علی مئۃ مسائل، ۳۔الانہار الاربعہ

۱۸- حکیم غلام حیدر بن نامدارؒ(۳)

دہلی میں پیدا ہوئے، شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالقادرؒ سے علم حاصل کیا، کافی عرصہ تک ان حضرات کی صحبت میں رہے، علم طب حکیم شریف الدہلویؒ سے حاصل کیا، درس وتدریس وافادہ میں مشغول رہے۔

۱۹- حکیم نصر اللہ بن ثناء اللہؒ(۴)

علم ہندسہ، ہیئت، حکمت، منطق، اور طب میں انتہائی ماہر تھے، شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالقادرؒ سے علم حاصل کیا، اور عرصہ تک دہلی میں درس وتدریس کرتے رہے۔

۲۰- مولانا محبوب علی بن مصاحب علیؒ(۵) (۱۲۰۰ھ-۱۲۸۰ھ)

شاہ اسماعیلؒ کے ہم درس اور شاہ عبدالقادرؒ کے شاگرد تھے، شاہ عبدالعزیزؒ سے اجازت حدیث حاصل تھی، تحصیل علم کے بعد سید احمد شہیدؒ کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی، لیکن ان کے ساتھ جہاد میں شریک نہ ہوئے، درس وتدریس میں مشغول رہے، ۱۲۸۰ھ میں وفات پائی۔

اور وہ شاگرد جنہوں نے باقی شہروں اور دیہاتوں میں کام کیا، نزہۃ الخواطر، تذکرہ علماء ہند، خزینۃ الاصفیاء،

---

(۱) الإعلام ۷/۹۲۴، (۲) آثار الصنادید ۲/۲۲، الإعلام ۷/۹۰۶ (۳) آثار الصنادید: ۲/۵۲، الإعلام: ۷/۱۰۵۴، (۴) آثار الصنادید: ۲/۵۲، الإعلام: ۷/۱۱۲۲، (۵) آثار الصنادید: ۲/۵۲، الإعلام: ۷/۱۰۷۸۔

ان کے روشن کارناموں سے روشن ہے۔

ان نامور تلامذہ اور شاگردوں کے نام ہدیہ قارئین ہیں:

۱- نامور عالم آل رسول بن آل برکات بن حمزۃ بن آل محمد الحسینی البلکرامی (التوفی ۱۲۹۶ھ) رحمہ اللہ۔ (۱)

۲- شیخ فاضل امام الدین بن شیخ الاسلام بن قطب الدین بن عبدالقادر الصدیقی الکاندھلویؒ (نزہۃ الخواطر: ۷/۸۷)

۳- شیخ امین اللہ بن سلیم اللہ بن علیم اللہ الانصاری النگرنمسوی رحمہ اللہ (التوفی ۱۲۳۳ھ)۔ (نزہۃ الخواطر: ۸۸)

۴- شیخ عالم کبیر، بزرگ علی بن حسن علی الحنفی المارہروی (التوفی ۱۲۶۲ھ)۔ (نزہۃ الخواطر: ۷/۱۰۰)

۵- شیخ عالم وفقیہ بشارۃ اللہ بن امانۃ اللہ بن امان اللہ بن رحمۃ اللہ ابومحمد العلوی (التوفی ۱۲۵۶ھ) (نزہۃ الخواطر: ۷/۱۰۱)

۶- شیخ، صالح وعالم، پناہ عطاء بن کریم عطاء بن محمد پناہ بن محمد اشرف العمری السلونی (التوفی ۱۲۷۵ھ) (نزہۃ الخواطر: ۷/۱۰۵)

۷- شیخ عالم کبیر جعفر علی بن باقر علی بن فخر الدین العلوی الکسمنڈوی (التوفی ۱۲۸۴ھ)۔ (نزہۃ الخواطر: ۷/۱۲۰)

۸- شیخ فاضل حسن بن علی بن لطف اللہ الحسینی البخاری القنوجی رحمہ اللہ (۱۲۱۰ھ-۱۲۵۳ھ)۔ (نزہۃ الخواطر: ۷/۱۳۳)

۹- شیخ، عالم، محدث حسن علی بن عبدالعلی الشافعی اللکھنوی رحمہ اللہ (التوفی ۱۲۵۵ھ)۔ (نزہۃ الخواطر: ۷/ ۱۳۸)

۱۰- شیخ، عالم، محدث حسین احمد بن علی احمد بن علی امجد الحسینی السرہندی ثم الملیح آبادی رحمہ اللہ (التوفی ۱۲۷۵ھ)۔
(نزہۃ الخواطر: ۷/ ۱۴۵، وتذکرہ علمائے ہند: ۵۰)

۱۱- شیخ فاضل حنیف بن ابی الحنیف الحنفی الدھموری (التوفی ۱۲۷۹ھ)۔ (نزہۃ الخواطر: ۷/۱۵۱)

۱۲- شیخ علامہ حیدر علی بن عنایۃ علی بن فضل علی الحسینی البخاری الدہلوی (التوفی ۱۲۷۳ھ)
(نزہۃ الخواطر: ۷/ ۱۵۵، وتذکرہ علمائے ہند: ۵۵)

۱۳- شیخ علامہ حیدر علی بن محمد حسن بن محمد ذاکر بن عبدالقادر الدہلوی (التوفی ۱۲۹۹ھ) (نزہۃ الخواطر: ۷/ ۱۵۶، وتذکرہ علمائے ہند: ۵۵)

۱۴- شیخ عالم وصالح سراج احمد بن محمد فارغ الخورجوی رحمہ اللہ۔ (نزہۃ الخواطر: ۷/۱۹۸)

۱۵- شیخ فاضل سلامۃ اللہ بن برکۃ اللہ الصدیقی البدایونیؒ (التوفی ۱۲۸۱ھ)۔ (نزہۃ الخواطر: ۷/ ۲۰۶ وتذکرہ علمائے ہند: ۷۷)

۱۶- شیخ فاضل سناء الدین بن محمد شفیع بن عبدالحمید العثمانی الاموی (۱۲۷۸ھ) (نزہۃ الخواطر: ۷/ ۲۰۸ وتذکرہ علمائے ہند: ۸۱)

۱۷- شیخ عالم ضیاء الدین بن محمد نقی بن غلام محمد الحسینی البرہانپوری (التوفی ۱۲۳۵ھ)۔ (نزہۃ الخواطر: ۷/ ۲۲۹)

۱۸- شیخ صالح ظہور الحق بن نور الحق بن عبدالحق بن مجیب اللہ الہاشمی الجعفریؒ (۱۲۳۴ھ) (نزہۃ الخواطر: ۷/۲۳۲)

۱۹- شیخ فاضل عبدالرحیم بن مصاحب علی الگورکھپوری رحمہ اللہ۔ (نزہۃ الخواطر: ۷/ ۲۶۶)

(۱) واضح رہے کہ مولانا آل رسول کے واسطہ سے احمد رضا خان بریلوی بھی شاہ صاحبؒ کے شاگردوں میں سے ہیں۔
فہرس الفہارس: ۲/ ۲۸۵، الجدیدہ فاس ۱۳۴۶ھ

۲۰- شیخ عالم عبدالعزیز بن آل نبی بن محمد ہمام بن برکۃ اللہ بن عبیداللہ الحسینی النصیرآبادی (المتوفی ۱۲۷۶ھ)۔ (نزہۃ الخواطر: ۲۷۴/۷)

۲۱- شیخ فاضل عبدالعزیز بن الٰہی بخش بن محمد جمیل دہلوی (المتوفی ۱۲۹۶ھ)۔ (نزہۃ الخواطر: ۲۷۴/۷)

۲۲- شیخ عالم علامہ علی کبیر بن علی محمد الجعفری امچھلی مشہریؒ (المتوفی ۱۲۶۹ھ) (نزہۃ الخواطر: ۳۴۴/۷، وتذکرہ علمائے ہند: ۱۴۵)

۲۳- شیخ عالم قطب الہدی بن محمد واضح بن محمد صابر بن آیۃ اللہ الحسنی الحسینی النقشبندی (المتوفی ۱۲۲۶ھ) (نزہۃ الخواطر: ۳۹۸/۷، وتذکرہ علمائے ہند: ۱۶۹)

۲۴- شیخ فاضل محمد بن عنایۃ احمد الشیعی الکشمیری الدہلوی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۲۲۵ھ) (نزہۃ الخواطر: ۴۲۹/۷)

۲۵- شیخ فاضل محمد شکور بن امانۃ علی الجعفری الہاشمی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۰۰ھ) (نزہۃ الخواطر: ۴۵۵/۷، وتذکرہ علمائے ہند: ۱۹۲)

۲۶- شیخ صالح مظہر علی بن اشرف علی بن غلام فرید الحسنی الکروی (المتوفی ۱۲۵۶ھ)۔ (نزہۃ الخواطر: ۴۹۸/۷)

علم حدیث اور خانوادہ ولی اللہ سے وابستہ محدثین کی ایک منفرد خصوصیت:

اس خاندان سے وابستہ لوگوں کو یہ امتیاز حاصل ہے، کہ یہ رجال سے تو بحث کم کرتے ہیں، فقہ حدیث کی توجیہ و تشریح اچھی کرتے ہیں، چنانچہ کسی حدیث کی توضیح اور بظاہر متعارض احادیث میں ایسے اقوال پیش کرتے ہیں، کہ تعارض جاتا رہتا ہے، جن سے انہوں نے حدیث کی سند لی ہے، انہیں بھی اس حقیقت کا اعتراف ہے۔

چنانچہ شیخ ابوطاہر کردیؒ (المتوفی ۱۱۴۵ھ) شاہ ولی اللہؒ (المتوفی ۱۱۷۶ھ) کی فہم وفراست، شرح حدیث، معانی حدیث، اور توضیح مطالب کے قائل تھے، موصوف شاہ صاحبؒ کے متعلق فرماتے تھے:

"إنـه يسـنـد عني اللفظ، و كنت أصحح منه المعنى" (وہ مجھ سے الفاظ کی سند لیتے ہیں، اور میں ان سے صحت معنی کی سند لیتا ہوں)۔

اسی طرح کی بات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ۱۰۵۲ھ کے عرب استاذ ان کے متعلق کہتے تھے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ میرے بڑے بھائی مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ (المتوفی ۱۴۱۹ھ) نے بیان کیا، کہ شیخ حسین عربؒ (المتوفی ۱۳۲۷ھ) جو علامہ شوکانیؒ (المتوفی ۱۲۵۵ھ) کے شاگرد تھے، فتح الباری انہیں تقریباً زبانی یاد تھی، موصوف ہندوستان تشریف لائے، مفتی ولی حسن ٹونکیؒ (المتوفی ۱۴۱۶ھ) کے دادا مولانا محمد حسن خانؒ (المتوفی ۱۳۴۷ھ) کے بھائی، صاحبِ معجم المصنفین مولانا محمود حسن خان ٹونکیؒ (المتوفی ۱۳۶۶ھ) ان کے پاس حدیث کی اجازت لینے گئے، انہوں نے سنن نسائی شریف سننا شروع کی، ایک موقعہ پر شیخ موصوف نے حدیث کی توجیہ پوچھی، مولانا نے اس کی توجیہ بیان کی، شیخ نے جب ان کی توجیہ سنی، تو اٹھے اور اندر چلے گئے، تاکہ یہ دیکھیں کہ فتح الباری میں ابن حجرؒ نے اس کی کیا توجیہ کی ہے، اور خادم سے کہا: کہ محمود حسن سے کہو بیٹھا رہے، جائے نہیں، ابن حجرؒ نے اس حدیث کی کوئی توجیہ نہیں کی تھ...

شیخ حسین عرب درسگاہ میں آئے، اور پوچھا تم نے یہ توجیہ کیسے کی؟ انہوں نے کہا کہ میری سمجھ میں یہی بات آئی ہے، فرمایا تمہیں مزید سنانے کی ضرورت نہیں، سند لواور جاؤ۔

یہ اسی خانوادہ شاہی کا فیض تھا۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے شاگردوں میں بہت سے باکمال افراد تھے، ایک معروف شاگرد سید مرتضی حسن بلگرامی ثم الزبیدی ثم المصریؒ (المتوفی ۱۲۰۵ھ) بارہویں صدی ہجری میں علوم حدیث ولغت اور تصوف میں اپنی نظیر آپ تھے، ان کے اثبات میں سے ایک ثبت قاہرہ سے شائع کیا گیا ہے۔

"تاج العروس" اور "إتحاف السادة المتقين بشرح إحياء علوم الدين" بھی بار بار شائع کی گئی ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان ہی نہیں بلکہ سارے اسلامی ممالک میں ان کے شاگردوں کا فیض پہنچا ہے۔

شاہ ولی اللہؒ کے شاگردوں میں سے سندھ میں ملا محمد معین التتوی (المتوفی ۱۱۶۱ھ) صاحب دراسات اللبیب اور بیرون ہند سید مرتضی زبیدی بلگرامی (المتوفی ۱۲۰۵ھ) بہت نمایاں ہیں، لیکن جو بات شاہ عبدالعزیزؒ اور ان کے بھائیوں شاہ رفیع الدینؒ، شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ عبدالغنیؒ اور ان کے نواسے شاہ اسحاق الدہلوی ثم المکیؒ اور انکے بھتیجے شاہ اسماعیل شہیدؒ کو حاصل ہے کسی اور کو نہیں۔

شاہ صاحب کی تصانیف:

تصنیفات وتالیفات بھی کسی بڑے عالم ودانشور کی ۱۔ دانشوری اور اسکی ۲۔ مہارت فن، ۳۔ علوم وفنون پر اسکی دسترس اور ۴۔ رفعت شان پہچاننے کا سب سے بہترین ذریعہ ہوتی ہیں، اور یہ بات شاہ صاحبؒ اور ان کے خانوادہ پر صادق آتی ہے۔

شاہ صاحبؒ کی مشہور تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

۱- تفسیر عزیزی: یہ سورۃ بقرہ کے سوا پارہ اور انتیسویں اور تیسویں پارے کی فارسی تفسیر ہے، اور متعدد بار چھاپی گئی ہے۔

۲- بستان المحدثین: کتب حدیث وآثار اور محدثین کے تعارف پر مشتمل ہے، یہ بھی فارسی میں ہے، اردو میں اس کا ترجمہ ہمارے استاد مولانا عبدالسمیعؒ (المتوفی ۱۳۶۶ھ) استاد الحدیث دارالعلوم دیوبند نے کیا تھا، جو ہندوستان و پاکستان میں شائع کیا گیا ہے، اس کا فارسی نسخہ بے شمار دفعہ کئی مطبعوں سے شائع ہوا ہے، اس کا عربی میں ترجمہ مولانا اکرم ندوی نے کیا ہے، جو شائع ہو گیا ہے۔

۳- تحفہ اثناعشریہ: یہ بھی فارسی میں ردِ روافض پر بہترین کتاب ہے، ۱۲۰۴ھ کی تصنیف ہے، بار بار زیور طبع سے آراستہ ہوئی ہے۔

۴- فتاوی عزیزی دوجلدوں میں شاہ صاحبؒ کے فتوے جمع کئے گئے ہیں، یہ بھی فارسی میں ہیں، مطبوع ہیں۔

۵- عجالہ نافعہ یہ فارسی میں شاہ صاحبؒ کا علوم حدیث پر مختصر رسالہ ہے، اسکا مفصل تعارف آگے آئے گا۔

اس کے علاوہ بھی شاہ صاحبؒ سے دیگر کتب ورسائل یادگار ہیں، جن میں سے بعض مختلف مطبعوں سے چھاپے گئے ہیں۔

عجالۂ نافعہ کا سن تالیف:

اس رسالے کے سن تالیف کی طرف شاہ عبدالعزیزؒ نے کوئی اشارہ نہیں کیا، نہ اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ رسالہ کس سن کی تالیف ہے۔

البتہ تاریخ سے اتنی بات ثابت ہے، کہ قمرالدینؒ ۱۱۷۶ھ سے لیکر ۱۱۷۹ھ تک شاہ عبدالعزیزؒ کے ہاں زیر تعلیم رہے، شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالقادرؒ کے ہم درس تھے، جیسا کہ ''نزہۃ الخواطر'' میں ان کے ترجمے میں مذکور ہے۔

اب اگر انہوں نے رسالہ لکھنے کی درخواست دورانِ تعلیم کی، تو اس سے بظاہر معلوم ہوا کہ یہ ۱۱۷۹ھ سے پہلے کی تالیف ہے، جس وقت شاہ صاحبؒ کی عمر بیس برس تھی۔

یہ تو قرائن ہیں، لیکن اس حقیقت سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا، کہ قمرالدینؒ کا انتقال ۱۲۰۸ھ میں ہوا ہے، جس سے ظاہر ہے کہ عجالہ نافعہ ۱۲۰۸ھ سے پہلے کی تصنیف ہے، جس وقت شاہ صاحب کی عمر انچاس برس تھی۔

سببِ تالیف:

شاہ ولی اللہؒ کے انتقال کے بعد مسندِ درس پر شاہ عبدالعزیز دہلویؒ جلوہ افروز ہوئے، ان کے عزیز تلمیذ سید قمرالدین حسینی منت (المتوفی ۱۲۰۸ھ) نے حضرت شاہ صاحبؒ سے روایتِ حدیث کی اجازت چاہی، اس پر شاہ صاحبؒ نے یہ رسالہ لکھا، اور اس مبارک فن سے متعلق فوائد کو جمع کیا۔

۱۔ اس میں شاہ ولی اللہؒ کی اسانید صحاح ستہ، موطاؒ، مشکوٰۃ المصابیح، اور حصن حصین کی سندیں قلمبند فرمائیں۔

۲۔ طبقات کتب حدیث، ۳۔ اور صحاح ستہ کے راویان حدیث کے ناموں کے ضبط واعراب کو بھی بتایا، تاکہ صحاح ستہ پڑھنے والے راویان حدیث کے ناموں میں غلطیاں نہ کریں۔

ضمناً چند اور اہم اور مفید باتوں کا بھی اضافہ فرمایا، لیکن فقہ حدیث کی طرف رہنمائی نہ کی، کہ پڑھانے والوں کو کسی حدیث کی توجیہ وتشریح میں کن فقہاء ومحدثین کی طرف رجوع کرنا چاہئے، ترجمہ نگاروں نے بھی اس طرف توجہ نہیں کی، اس لئے کہ اہل حدیث فقہ حدیث سے بحث نہیں کرتے، ہم نے اس ضرورت کو پورا کرنے کیلئے ''فوائد جامعہ'' میں ''فقہاء محدثین'' کی بحث کا اضافہ کیا۔

عجالہ نافعہ شاہ صاحبؒ کی نظر میں:

شاہ صاحبؒ سبب تالیف کے آخر میں عجالہ نافعہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ جو کوئی اس رسالے کے مضامین پیش نظر رکھ کر فنون حدیث میں غور وفکر کرے گا، وہ ان شاء اللہ تعالیٰ ۱۔ غلطی اور خطاء سے محفوظ اور ۲۔ تصحیف وتحریف سے مامون رہے گا، ۳۔ نیز صحیح اور ضعیف حدیث کے پہچاننے کے واسطے اس کے ہاتھ میں ایک عمدہ کسوٹی اور بہتر

معیار ہوگا، جس کی بدولت وہ صحیح اور غیر صحیح کو پہچان سکے گا ''۔

عجالہ نافعہ سے اہل علم کا اعتناء:

شاہ صاحب موصوفؒ کی کم وبیش جو تصانیف زیور طبع سے آراستہ ہیں، انہیں حسن قبول حاصل ہے، علوم حدیث سے متعلق نہایت مختصر رسالہ ''عجالہ نافعہ'' جو فارسی زبان میں ہے، اسے غیر معمولی شہرت حاصل رہی ہے۔

یہ مولانا قمرالدین حسینی (المتوفی ۱۲۰۸ھ) کا اہل علم پر بڑا احسان ہے، کہ ان کے کہنے پر شاہ عبدالعزیزؒ نے یہ رسالہ تصنیف فرمایا، اہل علم اور دانشوروں نے اس سے ہر زمانہ میں فائدہ اٹھایا ہے۔

یہ رسالہ تیرہویں، چودہویں صدی ہجری میں بار بار شائع کیا جاتا رہا، جو اہل علم، محدثین اور طلبہ حدیث کے اعتناء، وتوجہ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

عجالہ نافعہ کا تحقیقاتی جائزہ:

وقت کے نامور محدث، صاحب معارف السنن، علامہ محمد یوسف بنوریؒ (المتوفی ۱۳۹۷ھ) نے عجالہ نافعہ کے عربی ترجمہ پر جو تقریظ لکھی ہے، اس میں شاہ صاحب کی اس کتاب کی افادیت اور دقتِ مطالب کی داد ان الفاظ میں دی ہے:

" فإن رسالة المحقق الحجة الشاه عبدالعزيز الدهلويؒ "......

ترجمہ: محقق، حجۃ اللہ، شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کا رسالہ جو مصطلح اہل حدیث کی مباحث میں ہے، وہ حدیث کی کتابوں اور علوم حدیث سے وابستگی ودلچسپی رکھنے والوں کے لئے ابتدائی راستہ ہے۔

یہ رسالہ حدیث کی اہم مباحث اور کتب حدیث کے طبقات پر مشتمل ہے، اس میں بعض ایسی نفیس باتیں مذکور ہیں جن کا ذکر تم اس فن کی بڑی کتابوں میں نہیں پاؤ گے۔

عجالہ نافعہ اسم بامسمیٰ ہے، اپنے نام کی طرح حد درجہ مفید وسودمند ہے، جو اس مبارک علم سے وابستگی چاہتا ہے اسے ان باتوں کو یاد رکھنا ضروری ہے۔ (۱)

شاہ عبدالعزیزؒ حدیث پڑھاتے اور کتب حدیث کی روایت کی اجازت شاگردوں کو دیتے تھے، اس لئے یہ رسالہ دو بنیادی امور پر مشتمل ہے:

پہلے حصہ میں صحاح ستہ کے راویان حدیث کے ناموں کے صحیح تلفظ واعراب کو بتایا گیا ہے، تاکہ طلبہ راویان حدیث کے ناموں میں غلطی نہ کریں۔

اور دوسرے حصے میں صحاح ستہ کی سند میں صاحب کتاب تک جتنے راوی آئے ہیں، انہیں نام بنام گنایا ہے، تاکہ سند کا سلسلہ صاحب کتاب تک برقرار رہے، گویا یہ شاہ عبدالعزیزؒ کا ثبت (فہرست شیوخ) ہے۔

---

(۱) العلالة الناجعة: ۱۱۱.

سند کا آغاز:

عہد نبوی میں سند تھی، اور بعض صحابہ کرامؓ سند ذکر کرتے تھے، چنانچہ عبداللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالب (المتوفی ۱۴۲ھ) سے روایت ہے، کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ (المتوفی ۷۴/۷۷ھ) نے فرمایا: کہ مجھے اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے ایک صحابی سے حدیث پہنچی، جوانہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی، اور میں نے نہیں سنی تھی۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے ایک اونٹ خریدا، اس پر کجاوا کس دیا، اور ان کی طرف ایک مہینے کا سفر کرکے شام پہنچا، تو وہ صحابی عبداللہ بن انیس انصاری (المتوفی ۵۴ھ) تھے، میں نے ان کی طرف پیغام بھیجا کہ جابر آپ کے دروازے پر آیا ہے۔

قاصد واپس آیا اور پوچھا: آپ جابر بن عبداللہ ہیں؟ میں نے کہا: جی ہاں، وہ قاصد اندر چلا گیا۔

اس کے بعد حضرت عبداللہ باہر آئے، اور مجھ سے معانقہ کیا، میں نے کہا کہ: مظالم کی ایک حدیث کے بارے میں مجھے علم ہوا، کہ آپ نے آپ ﷺ سے سنی، اور میں وہ حدیث نہ سن سکا، مجھے ڈر ہے کہ اس حدیث کے سننے سے پہلے میری یا آپ کی موت نہ آ جائے۔

حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: اللہ تعالی لوگوں (بندوں) کو جمع فرمائیں گے، اور اپنے ہاتھ سے شام کی طرف اشارہ کیا، اس حالت میں کہ وہ ننگے، غیر مختون اور بھم ہونگے۔

میں نے کہا: بھم کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: انکے ساتھ کوئی چیز نہیں ہوگی، پھر فرمایا: اللہ تعالی ان کو آواز دیں گے، جس کو دور والے بھی قریب والوں کی طرح سنیں گے: ''میں بادشاہ ہوں، میں بدلہ دینے والا ہوں، کوئی جنتی اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوسکتا، جب تک کسی جہنمی کا حق ادا نہ کیا ہو، اور جہنمی اس وقت تک جہنم میں داخل نہ ہوگا، جب تک کسی جنتی کا حق ادا نہ کیا ہو، اگر چہ ایک تھپڑ ہی کیوں نہ ہو''۔

ہم نے کہا: یہ کیسے ہوگا، جبکہ ہم اللہ تعالی کے پاس اس حال میں حاضر ہوں گے، کہ ہم غیر مختون اور ننگے ہونگے، اور ہمارے پاس کچھ نہیں ہوگا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گناہوں اور نیکیوں کے ذریعے بدلے لئے اور دیئے جائیں گے۔(۱)

فائدہ:

۱- اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حدیث کو حاصل کرنے کا شوق اور جذبہ تھا۔
۲- یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عالی سند کے کتنے آرزومند اور طلب گار تھے۔
۳- اور یہ کہ عالی سند کے حصول کا سلسلہ (۵۴ھ) سے پہلے شروع ہوگیا تھا۔
۴- اور یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم طلب علم کے لئے سفر کرتے تھے۔

(۱) مسند أحمد: ۱۲/۴۲۷، رقم الحديث: ۱۵۹۸٤، الأدب المفرد، باب المعانقة، رقم الحديث: ۹۷۰: ۲۸۷، ط: دار الكتب العلمية بيروت، ۱٤۱۰ھ.

لیکن عہد نبوی، صحابہ ؓ، اور صدور تابعین کے زمانے میں سلسلہ درس وتدریس میں سند کا عام رواج، التزام اور پابندی نہیں تھی، صحابہ کرام ؓ بغیر سند کے ہی حدیث بیان فرماتے۔

جیسا کہ حضرت مولانا علامہ محمود حسن خان ٹونکیؒ (المتوفی ۱۳۶۶ھ) ''اصول توارث'' میں رقمطراز ہیں: (۱)

صحابہ اور صدور تابعین کے زمانے میں تبلیغ وتعلیم میں سند کا التزام نہ تھا، صحابہ کرام بغیر مشاہدۂ واقعہ کے حدیث بیان فرماتے تھے، اس لئے کتب حدیث میں مراسیل مدوّن ہیں، جن میں اصل راوی کا نام نہیں۔

کبھی صحابہ نے حدیث جو نبی کریم ﷺ سے سنی تھی، بیان فرمائی، اور سمعت نہ کہا، اس لئے ایسی موقوف احادیث کو جن کو بغیر سماع بیان کرنا صریحاً ناممکن ہے، حدیث مرفوع قرار دیا گیا ہے۔

ابواب کتب حدیث میں فتوؤں کا ذکر:

کبھی مستفتی کو مسئلہ بتادیا، حدیث ذکر نہ کی، قال رسول اللہ ﷺ نہ کہا، اس لئے ہر باب میں اقوال صحابہ مروی ہیں، کہیں احادیث بھی اس باب میں مروی ہیں۔ (۲)

ایسا بھی ہوا کہ صحابیؓ نے ایک روایت کئی صحابہ کرامؓ سے سنی، لیکن کسی راوی کا واسطہ بیان نہیں کیا، جب ارباب فن نے ان واسطوں کا کھوج لگایا تو صحابہ میں چار یا پانچ واسطوں تک سند پہنچی ہے۔

امام نوویؒ "باب کون النهي عن المنكر من الإيمان" میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے منقول ایک روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وفي هذاالإسناد طريفة، وهو أنه اجتمع فيه أربعة تابعيين ،يروي بعضهم عن بعض : صالح، والحارث، وجعفر، وعبدالرحمن، وقد تقدم نظيرهذا ، وقد جمعت فيه -بحمدالله تعالى -جزءاً مشتملا على أحاديث رباعيات، منهاأربعة: صحابيون بعضهم عن بعض ،وأربعة: تابعيون بعضهم عن بعض ۔ (۳)

(۱) اصول توارث، ص: ۲۸، ۲۹، ط: اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن (۲) جیسا کہ صحیح بخاری (بـاب صلى النبي ﷺ لسبوعه ركعتين: ۲/ ۵۸۷، ط: دارابن كثير ،اليمامة ،بيروت) میں حضرت عمرو سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن عمر سے پوچھا: کہ کیا آدمی عمرہ میں صفاومروہ کے درمیان سعی سے پہلے اپنی بیوی کے قریب جاسکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، اور بیت اللہ کا طواف کیا، پھر مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی، اور صفاومروۃ کے درمیان سعی کی، حضرت ابن عمر ؓ نے فرمایا: تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔

عمرو بن دینار کہتے ہیں میں نے جابر بن عبداللہ ؓ سے پوچھا: تو انہوں نے فرمایا: صفاومروۃ کے درمیان سعی سے پہلے آدمی اپنی بیوی کے قریب نہیں جاسکتا۔ (چشتی صاحب)

(۳) حاشيه صحيح مسلم: ۱/ ۴۹، ۲، باب كون النهي عن المنكر من الإيمان ، ط: مكتبة البشرى ، كراچی، ۱۴۳۰ھ۔

ترجمہ: اس حدیث کی سند میں ایک خوبی اور کمال یہ ہے کہ اس کی سند میں چار تابعی: صالح ۔حارث ،جعفر، عبدالرحمٰن ایک دوسرے سے روایت کررہے ہیں، الحمدللہ میں نے رباعیات کو ایک کتاب میں جمع کیا ہے، جس میں چار صحابی، اور چار تابعی ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں۔

اور اسی حاشیہ کے صفحہ: ۲۲۳ ''باب الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة قطعًا'' کے تحت ایک حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں دو عجیب باتیں ہیں:

۱- ایک تو یہ کہ تین صحابی: ۱-انس بن مالک، ۲-محمود بن ربیع، اور ۳-عتبان بن مالک ؓ برابر ایک دوسرے سے روایت کررہے ہیں۔

۲- اور دوسری یہ کہ بڑے نے چھوٹے سے روایت کی، کیونکہ انس بن مالک ؓ محمود بن ربیع ؓ سے، ۱-علم، ۲-مرتبہ، اور ۳-عمر میں بڑے ہیں۔ (۱)

۳- اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام علم کے کیسے دلدادہ تھے، کہ اپنے سے چھوٹے سے علم حاصل کرنے میں بھی شرم محسوس نہیں کرتے تھے۔

۴- اور یہ کہ حضرت انس ؓ کو جو حدیث بھاتی تو اسے لکھواتے تھے۔

۵- اور یہ کہ ان کے پاس پسندیدہ احادیث کا ذخیرہ (کتب خانہ) موجود تھا۔

بلکہ کبھی ایسے بھی ہوا کہ کسی نامور بلند پایہ تابعی سے حدیث سنی، اور اس کو قال رسول اللہ ﷺ کہہ کر روایت کیا، اور اس تابعی کا نام بھی نہیں بتایا۔

(صحابہ کرام ؓ کی تابعین سے روایت کے موضوع پر ابن حجرؒ نے ایک مختصر رسالۃ ''نزهة السامعين في رواية الصحابة عن التابعين'' لکھا ہے، اور اس رسالہ میں پینتیس (۳۵) صحابہ کرام ؓ کے نام ذکر کئے ہیں، جنہوں نے تابعین سے روایت کی ہے، یہ رسالہ ''مكتبة دار الهجرة الرياض، سعودیہ'' نے ۱۴۱۵ھ میں شائع کیا ہے۔)

اس کی وجہ یہ تھی کہ صحابہ کرام ؓ جیسا اپنے آپ کو سچا سمجھتے، ویسے ہی دوسرے صحابہ ؓ کو بھی سمجھتے تھے۔

چنانچہ حضرت براء ؓ (التوفی ۷۲ھ) فرماتے ہیں: ماكل مانحدثكم عن رسول الله ﷺ سمعناه من رسول الله ﷺ، ولكن سمعناه ،وحدثنا أصحابنا ،ولكنا لانكذب. (۲)

ترجمہ: ہم تمھارے سامنے رسول اللہ ﷺ سے جو احادیث بیان کرتے ہیں، وہ سب ہم نے رسول اللہ ﷺ سے

---

(۱) حوالہ بالا، ص: ۲۲۳ (۲) كتاب العلل ومعرفة الرجال للإمام أحمد بن حنبلؒ: ۲/۴۱۰، ط: المكتبة الإسلامية بيروت ،دار الخاني رياض.

نہیں سنیں، بلکہ بعض ہم نے خود سنیں اور بعض ہمارے ساتھیوں نے ہم سے بیان کیں، لیکن ہم جھوٹ نہیں بولتے۔

اور حضرت انس ﷛ (المتوفی ۹۲ھ/۹۳ھ) کے بارے میں منقول ہے: عن حميد الطويل عن أنس بن مالك ﷛: أنه ربما سئل إذا حدث فيقال له : أنت سمعت هذا من رسول الله ﷺ ؟ فيغضب ثم يقول: ما كل ما نحدثكم سمعناه من رسول الله ﷺ ، وما كان بعضنا يكذب على بعض. (۱)

ترجمہ: حمید الطّویل سے روایت ہے کہ حضرت انس بن مالک ﷛ جب حدیث بیان فرماتے، تو بعض دفعہ ان سے سوال کیا جاتا کہ کیا آپ نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے؟ تو حضرت انس ؓ غصہ ہو جاتے اور فرماتے: ہم تمھارے سامنے جو احادیث رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں، وہ سب ہم نے رسول اللہ ﷺ سے نہیں سنیں، اور ہم ایک دوسرے سے جھوٹ نہیں بولتے۔

اب دیکھئے جن احادیث میں اصل راوی کا نام نہیں بتایا گیا، اگر ایک صحابی دوسرے صحابی سے سن کر بلاواسطہ روایت کر رہا ہے، تو وہ مرسل ہے، کیونکہ مرسل صحابی وہ حدیث ہوتی ہے کہ صحابی ؓ رسول اللہ ﷺ کا کوئی قول یا فعل بیان کرے، اور وہ اس نے رسول اللہ ﷺ سے براہ راست نہ سنا ہو، نہ دیکھا ہو۔

اس کے کئی اسباب ہیں:

۱- وہ صحابی ؓ دیر سے **اسلام لائے** ہوں، جیسے حضرت ابو ہریرہ ﷛ (۳۳ھ-۳۷ھ/۶۲۲ء-۶۹۲ء) فتح مکہ کے بعد اسلام لائے" من أصبح جنبا فلا صوم له "جس نے جنابت کی حالت میں صبح کی اس کا روزہ نہیں ہوا۔ (۲)

موصوف نے یہ **حدیث** رسول اللہ ﷺ سے نہیں سنی، حضرت فضل بن عباس ﷛ سے سنی تھی۔ (۳)

۲- یا اس مجلس میں نہ ہوں، جیسے حضرت براء ﷛ سے روایت ہے:

عن البراء قال: ما كل الحديث سمعناه من رسول الله ﷺ ، كان يحدثنا أصحابنا عنه ، كانت تشغلنا عنه رعية الإبل ۔ (۴) ترجمہ: حضرت براء ﷛ فرماتے ہیں کہ ہم نے تمام احادیث رسول اللہ ﷺ سے نہیں سنیں، بلکہ ہمارے ساتھی ہم سے یہ احادیث بیان کرتے تھے، کیونکہ ہمارا وقت اونٹ چرانے میں گزر جاتا تھا۔ (یعنی ہم کمائی کے لئے دوسرے کام بھی کرتے تھے)۔ (۵)

۳- یا وہ کم عمر اور بہت چھوٹے ہوں، جیسے حضرت ابن عباس اور حضرت عبداللہ بن زبیر ﷛ کم عمر صحابی ہیں، انہوں

---

(۱) الكامل في ضعفاء الرجال: ۱/۱۶۴، ط: المكتبة الأثرية، شيخوپوره (۲) صحابہ کرام کا اس حدیث پر عمل نہیں، لہٰذا روزہ رکھنا ہوگا۔ (۳) صحيح مسلم: ۱/۳۵۳، باب صحة صوم من طلع عليه الفجر وهو جنب، ط: قديمي كتب خانه كراتشي، ۱۳۷۵ھ (۴) مسند أحمد: ۱۴/۱۹۰-۱۹۲، ط: دار الحديث قاهره، ۱۴۱۶ھ
(۵) اسی طرح کی بات حضرت ابو ہریرہ ﷛ بھی فرماتے ہیں۔ دیکھئے طبقات الکبریٰ: لابن سعد، ۴/۳۳۰، ط: دار صادر، بیروت، ۱۳۷۷ھ۔

نے دوسرے صحابہ سے روایتیں سنی ہیں، براہ راست کم ہی روایتیں سن سکے ہیں، لیکن ان کی حدیثیں قابل حجت ہیں۔ (۱)

اور اگر صحابی کسی تابعی سے حدیث سن کر بلا واسطہ بیان کر رہا ہے، تو وہ موقوف ہے، اور یہ بات ظاہر ہے، کہ مرسل اور موقوف حدیثوں کو براہ راست رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کر کے بیان کرنا ناممکن ہے، لیکن اس کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مرسل اور موقوف روایتوں کو مرفوع قرار دیا گیا ہے، کیونکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل، سچے، اور معتبر تھے، قرآن کریم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی گوناگوں جانی ومالی قربانیاں (جو اسلام پھیلانے کی خاطر تھیں) پیش کرنے کی وجہ سے ایسا بلند مقام ومرتبہ عطا کیا ہے، جو ان کے بعد آنے والوں کو قیامت تک حاصل نہیں ہوسکتا۔

چنانچہ قرآن ان کے متعلق کہتا ہے:

۱- ﴿كنتم خير أمة﴾ الآية (مومنو) تم بہترین امت ہو (یعنی جتنی بھی امتیں وقومیں لوگوں میں پیدا ہوئیں، تم ان سب سے بہتر ہو)۔ (آل عمران: ۱۱۰)

۲- ﴿رضي الله عنهم ورضوا عنه، أولئك حزب الله﴾ اللہ ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش، یہی گروہ اللہ کا لشکر ہے۔ (المجادلة: ۲۲)

۳- ﴿رضي الله عنهم ورضوا عنه، ذلك الفوز العظيم﴾ اللہ ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش ہیں، اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ (المائدة: ۱۱۹)

---

(۱) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زیادہ روایت نہ کرنے کے بھی یہی اسباب ہیں، البتہ کم روایت کا ایک اور سبب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حدیث کے معاملے میں تحقیق، توقی، اور احتیاط ہے جیسا کہ میرے بڑے بھائی، اپنے زمانے کے نامور محقق، مولانا عبدالرشید نعمانیؒ (۱۴۱۹ھ) نے "الإمام ابن ماجه وكتابه السنن، ص: ۳۲" میں بھی بیان کیا ہے، موصوف فرماتے ہیں: فالكبار من الصحابة رضي الله عنهم كان الغالب عليهم: التوقي في حديث رسول الله ﷺ، والتحري، والتثبت، والإقلال في الرواية، كما روى البخاري في صحيحه عن عبد الله بن الزبير قال: "قلت للزبير: إني لا أسمعك تحدث عن رسول الله ﷺ، كما يحدث فلان وفلان، قال: أما إني لم أفارقه ولكن سمعته يقول: من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده في النار.

(باب التوقي في حديث رسول الله ﷺ ۱: ۱۲)

ترجمہ: صحابہ کرام میں سے بڑے صحابہ کرام حدیث کے معاملے میں تحقیق، اور احتیاط سے کام لیتے اور بہت کم روایت کرتے تھے، جیسا کہ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن زبیر سے روایت کیا ہے، کہ میں نے حضرت زبیر سے کہا: کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی احادیث بیان کیوں نہیں کرتے جس طرح فلاں فلاں بیان کرتا ہے، تو حضرت زبیر نے فرمایا: کہ میں رسول اللہ ﷺ سے دور نہیں ہوتا تھا، لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے بھی مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

۴- ﴿لقد رضي الله عن المؤمنين إذ يبايعونك تحت الشجرة﴾ اے پیغمبر جب مؤمن آپ سے درخت کے نیچے بیعت کررہے تھے تو خدا ان سے خوش ہوا۔
(الفتح :۱۸)

۵- ﴿وألزمهم كلمة التقوى و كانوا أحق بها و أهلها﴾ (اوران کو پرہیزگاری کی بات پر قائم رکھا، اور وہ اسی کے مستحق و اہل تھے۔
(الفتح :۲۶)

۶- ﴿يبشّرهم ربهم برحمة منه ورضوان وجنات لهم فيها نعيم مقيم﴾ (ان کا اللہ ان کو اپنی رحمت، خوشنودی اور بہشتوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کے لئے نعمت ہائے جاودانی ہیں)۔
(التوبة :۲۱)

۷- ﴿والسّٰبقون الأولون من المهاجرين والأنصار والذين اتّبعوهم بإحسان رضي الله عنهم ورضوا عنه﴾ اور جن لوگوں نے سبقت (یعنی سب سے) پہلے (ایمان لائے) مہاجرین میں سے اور انصار میں سے اور جنہوں نے نیکوکاری کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے خوش ہے، اور وہ اللہ سے خوش ہیں۔
(التوبة :۱۰۰)

۸- ﴿أولئك هم المؤ منون حقا لهم درجات عند ربهم ومغفرة ورزق كريم﴾ یہی سچے مومن ہیں، اوران کے لئے ان کے رب کے یہاں (بڑے بڑے) درجے، بخشش، اور عزت کی روزی ہے۔
(الأنفال:٤)

۹- ﴿فالذين امنوابه وعزّروه ونصروه واتّبعوا النور الذي أنزل معه أولئك هم المفلحون﴾ سو جولوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں، اور ان کی مدد کرتے ہیں، اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں، جو ان کیساتھ بھیجا گیا ہے، ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔
(الأعراف:۱۵۷)

۱۰- ﴿ولكن الله حبّب إليكم الإيمان وزيّنه في قلوبكم وكرّه إليكم الكفر والفسوق والعصيان أولئك هم الراشدون﴾ لیکن خدا نے تم کو ایمان عزیز بنادیا، اور اس کو تمھارے دلوں میں سجادیا، اور کفر، گناہ و نافرمانی سے تم کو بیزار کردیا، یہی لوگ راہ ہدایت پر ہیں۔
(سوره حجرات:۷)

۱۱- ﴿إنما المؤمنون الذين آمنوا بالله ورسوله ثم لم يرتابوا وجهدوا بأموالهم وأنفسهم في سبيل الله أولئك هم الصادقون﴾ مومن تو وہ ہیں، جو خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک میں نہ پڑے، اور خدا کی راہ میں مال اور جان سے لڑے، یہی لوگ (ایمان کے) سچے ہیں۔
(سوره حجرات:۱۵)

ملاحظہ فرمائیں :۱-سچا، عادل ومعتبر مؤمن ہونے کی ،۲- بلند ترین مراتب، ۳- مغفرت وبخشش ،۴- دنیا و آخرت میں پاکیزہ رزق، ۵- ہدایت یافتہ ہونے ،۶- اور ابدی فلاح کی سند دنیا میں ہی حاصل ہے، اور اللہ تعالی نے ان پر مذکورہ بالا امور کی مہر تصدیق ثبت کی ہے، اس سے بڑھ کر اور کیا چاہئے۔

ان مذکورہ بالا خوبیوں کی وجہ سے مراسیل صحابہ ﷺ بالاتفاق قابل حجت ہیں، اور یہ مراسیل واسطہ وسند سے بے نیاز ہیں۔

کثرت مراسیل صحابہ ؓ کی وجہ:

کثرت مراسیل صحابہ کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام تبلیغ وتعلیم، درس وتدریس، اور دین کے معاملے میں مأمون وامین تھے، اس لئے وہ حضرات سند کو بیان کرنا ضروری نہیں سمجھتے تھے۔

حضرت مولانا محمود حسن ٹونکیؒ نے اس کی تصریح کی ہے:

''ان قرون کے عباد اللہ مأمون اور امین فی الدین تھے، ان کی صداقت مسلّم اور ان کا خالص ایمان اور تقوی آفتاب کی طرح روشن تھا، وہ بغیر ضرورت کے سند حدیث کو اخیر تک بیان کرنا لازم نہیں جانتے تھے، مثلاً:

بخاری کی کتاب اللباس میں ہے:

حدثنا آدم حدثنا شعبة حدثنا عبد العزيز بن صهيب قال :سمعت أنس بن مالك قال :شعبة فقلت: أعن النبی ﷺ ؟ فقال شديدا: عن النبی ﷺ من لبس الحرير ، الحديث .

امام بخاری نے کہا کہ ہم سے آدم عسقلانی نے حدیث بیان کی، ان سے شعبہ نے اور ان سے عبدالعزیز بن صہیب نے کہ سنا میں نے انس بن مالک ؓ سے من لبس الحرير (الحديث) شعبہ نے عبدالعزیز سے دریافت کیا، کہ کیا یہ حدیث قول ہے حضرت انس کا، یا حدیث ہے، رسول اللہ ﷺ کی؟ تو عبدالعزیز نے سختی سے جواب دیا: کہ عن النبي ﷺ یعنی قول حضرت انس کا نہیں، بلکہ حدیث مرفوع ہے، اگر شعبہ نہ ٹوکتے تو سند میں انقطاع رہتا۔

صحیحین میں ہے:

عن ابن شهاب أن عمر بن عبدالعزيز أخر الصلوة يوما، فدخل عليه عروة بن الزبير فأخبره أن المغيرة بن شعبة اخر الصلوة يوما وهو بالكوفة، فدخل عليه أبو مسعود الأنصاري فقال:ماهذ ه يامغيرة؟ أليس قد علمت ان جبرئيل نزل (الحديث) فقال عمر لعروة:ماتحدث ياعروة؟فقال:كذلك كان بشير بن ابى مسعود يحدث عن أبيه .

ابن شہاب سے روایت ہے کہ ایک روز عمر بن عبدالعزیز نے بعد نماز پڑھنے میں تاخیر کی، اتفاق سے عروہ ان کے پاس آئے، اور کہا کہ ایک روز مغیرہ بن شعبہ نے نماز پڑھنے میں تاخیر کی تھی، جبکہ وہ کوفہ میں تھے، اتفاق سے ان کے پاس حضرت ابومسعود انصاری آئے، اور یہ کہا کہ کیا کیا تم نے اے مغیرہ کیا تم کو یہ علم نہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے (الحدیث) (تعلیم اوقات کی حدیث بیان کی) اس پر عمر بن عبدالعزیز نے عروہ سے کہا: تم کیسے حدیث بیان کرتے ہو؟ (یعنی تم حضرت ابومسعود سے ملے نہیں ہو، حدیث کیسے بیان کرتے ہو؟) اس کے جواب میں عروہ نے کہا: کہ بشیر ابن ابی مسعود نے اپنے باپ سے یہ روایت مجھ سے بیان کی ہے۔

اگر عمر عروہ کو نہ ٹوکتے تو سند منقطع رہتی۔ (۱)

---

(۱) اصول توارث، ص:۲۹، ۳۰، ط: اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن۔

سند کی پابندی اور التزام:

فتنوں کے رونما ہونے کے بعد سند کی پابندی اور التزام ہوا۔ (۱)

۱- چنانچہ محمد بن سیرینؒ (۳۳ھ-۱۱۰ھ/۶۵۳ء-۷۲۹ء) کا بیان ہے: قال: لم یکونوا یسألون عن الإسناد، فلما وقعت الفتنة، قالوا: سمّوا لنا رجالکم، فینظر إلى أهل السنة، فیؤخذ حدیثهم، وینظر إلى أهل البدع فلایؤخذ حدیثهم۔ (۲)

ابن سیرینؒ کا بیان ہے، کہ پہلے زمانے میں لوگ سند نہیں پوچھتے تھے، لیکن جب فتنوں کا دور شروع ہوا تو محدثین نے سند کو پوچھنا شروع کیا، کہ یہ حدیث اہل سنت کی سند سے منقول ہے، یا اہل بدعت کی، پس اگر اہل سنت کی سند سے ہوتی تو قبول کرتے وگرنہ رد کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ابتدائی دور میں سند کی پابندی نہ تھی، بعد میں اس کی پابندی والتزام ہوا، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین میں اصول توارث پر عمل تھا، اور یہی اصول مقدمہ مسلم سے بھی عیاں ہے۔

یہاں یہ بات ملحوظ خاطر رہنی چاہیئے کہ حدیث معنعن کی بحث میں امکان لقاء کی بجائے راوی اور مروی عنہ کے درمیان غیر خیر القرون کے ارباب فن کا لقاء کی شرط لگانا، خیر القرون (صحابہ، تابعین، رؤس حفاظ الاخبار اور نقاد الآثار) کے تعامل اور اصول توارث کے سراسر خلاف ہے؛ لقاء کی شرط لگانے سے احکام کی معنعن احادیث کے بیشتر حصے سے امت کو دست بردار ہونا پڑے گا۔

اس لئے امام مسلمؒ نے لقاء کی شرط کی تردید میں ایک کی بجائے چار لفظ استعمال کئے ہیں۔

موصوف مقدمہ مسلم میں فرماتے ہیں: وهذا القول -یرحمك الله- فی الطعن فی الأسانید قول مخترع، مستحدث، غیر مسبوقٍ صاحبه إلیه، ولامساعد له من أهل العلم علیه۔ (۳)

ترجمہ: اور یہ قول -اللہ تعالیٰ آپ پر مہربانی فرمائیں!- سندوں پر اعتراض کے سلسلہ میں ۱-گھڑا ہوا، ۲-اور نیا پیدا کیا ہوا قول ہے، ۳-اس شخص سے پہلے کوئی اس کا قائل نہیں گزرا ہے، ۴-اور نہ ائمہ حدیث میں سے کوئی شخص اس قول میں اس کا مؤید ہے۔"

۲- اور ابن سیرینؒ سے ہی منقول ہے: "إن هذا العلم دین فانظروا عمن تأخذونه" (۴)

یہ علم دین ہے، پس تم دیکھو کہ کس سے یہ دین حاصل کر رہے ہو۔

---

(۱) فتنوں سے مراد، شہادت حضرت عثمانؓ ۳۵ھ/۶۵۵ء، جنگ جمل ۳۶ھ/۶۵۶ء، جنگ صفین: ۳۶، ۳۷ھ/۶۵۷ء، اور جھوٹ وبدعات کا پھیل جانا ہے۔ (۲) مقدمہ مسلم: ۱۱، باب بیان ان الاسناد من الدین، ط: قدیمی کتب خانہ کراچی۔

(۳) مقدمہ مسلم: ۲۲، ط: قدیمی کتب خانہ کراچی۔ (۴) طبقات ابن سعد: ۷/۱۹۴، ط: دار الفکر، بیروت۔

لیکن بعد میں محدث مزاج محدثین نے سند کے معاملہ میں اتنی سختی کی، کہ مجتہدین وحفاظِ حدیث کی ان روایتوں کو جو وہ بلاواسطہ روایت کرتے ہیں، قابلِ استدلال نہیں گردانتے۔

چنانچہ حسن بصریؒ (۲۱ھ-۱۱۰ھ/۶۴۲ء-۷۲۸ء) جیسے جلیل القدر، حافظ حدیث، وبلند پایہ مجتہد کی مرسل روایتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے، بلکہ انہیں ریح قرار دے کر رد کرتے ہیں۔

طرفہ تماشا یہ ہے کہ امیر المؤمنین فی الحدیث، سنن الترمذی میں ان کا مذہب نو (۹) جگہ [1] بکثرت نقل کرتے ہیں، اور اسے نجات اخروی کا سبب سمجھتے ہیں۔

موصوف فرماتے تھے کہ میں چار سو صحابہؓ کے ساتھ رہا ہوں، میں تمہیں کس کس کا نام بتاؤں، کہ فلاں روایت میں نے کن کن سے سنی ہے۔

ذرا غور فرمائیں! کہ حسن بصریؒ کا مذہب جو رائے اور اجتہاد پر مبنی ہے، وہ سبب نجات ہے، لیکن ان کی مرسل روایت پر کاہ کے برابر بھی نہیں، حالانکہ ابن حجر عسقلانیؒ (۷۷۳ھ-۸۵۲ھ/۱۳۷۲ء-۱۴۴۹ء) نے ضعف کے جو احتمالات مرسل تابعی میں پیش کئے ہیں [2]، وہ سب مرسل صحابی میں بھی موجود ہیں، بجز ضعف کے۔

سند کے فوائد:

۱- سند کا سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہے کہ راوی کا نام رسول اللہ ﷺ سے روایت کرنے والوں کی ساتھ ہمیشہ پیوستہ رہتا ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آدمی کی نسبت قائم ہو جاتی ہے۔

۲- مطابع کی ایجاد سے پہلے سند کا دوسرا فائدہ یہ ہوتا تھا، کہ راوی کو گزشتہ تمام شیوخ کی یافت ودریافت اور تحقیقات کی نشر واشاعت کا حق حاصل ہو جاتا تھا۔

پہلے زمانے میں طالب علم اپنے شیخ سے لکھی ہوئی کتاب کے آخر میں شرکاء درس کا نام لکھتا تھا، ان شرکاء میں سے ہر ایک شریک درس کو اس سند کے آخر تک جملہ شیوخ کی تمام کتابوں کی اشاعت کا حق حاصل ہوتا تھا۔

چنانچہ دوسری صدی ہجری کے نصف آخر میں شرکاء درس میں سے ایک شریک درس نے کہ جس کے پاس

---

(۱) ۱ـ باب كم تمكث النفساء:۱/۱۸۳، رقم الحديث:۱۳۹، ۲ـ با ب الرجل يطوف على نسائه بغسل و احد ، ۱/۱۸٤، رقم الحديث:۱٤۰، ۳ـ باب التيمم:۱/۱۸۹، رقم الحديث: ۱٤٤، ٤ ـباب رفع اليدين عند الركوع :۱/ ۲۹٦، رقم الحديث :۲٥٦، ٥ـ باب كراهية تحصيص القبور:۲/۳٥٦ ، رقم الحديث :۱۰٥۲، ٦ـ باب لا نكاح إلابولى :۲/۳۹٦ ، رقم الحديث : ۱۱۰۲، ۷ـ باب المطلقة الثلاثة :۲/٤۷۲ ، رقم الحديث:۱۱۸۰، ۸ـ باب بيع فضل الماء : ۲ / ٥٥۰ رقم الحديث:۱۲۷۱، ۹ـ باب حد اللوطي :۳/۱۲٥، رقم الحديث : ۱٤٥٦

(۲) نزهة النظر شرح نخبة الفكر في مصطلح أهل الأ ثر :۸٥، ط:مكتبة رحمانيه ،لاهور.

کتاب کا نسخہ موجود نہیں تھا، دوسرے شریک درس سے اس کتاب کا نسخہ عاریۃً دینے کا مطالبہ کیا، کہ جس میں تمام شرکاء درس کے نام محفوظ تھے، اور اس کا نام بھی تھا، دوسرے نے کتاب دینے سے انکار کر دیا، اس انکار پر پہلے شریک درس نے قاضی حفص بن غیاثؒ (۱۹۶ھ) کی عدالت میں یہ مقدمہ پیش کیا، قاضی صاحب نے صاحبِ کتاب کو عدالت میں طلب کیا، اور اسے اصل نسخہ پیش کرنے کا حکم دیا، اس نے نسخہ پیش کیا، قاضی صاحب نے شرکاء درس کے ناموں کو دیکھا، اور صاحب کتاب سے پوچھا: شرکاء کے یہ نام آپ نے اپنے قلم سے لکھیں ہیں؟ اس نے کہا، جی ہاں، قاضی صاحب نے فرمایا: آپ یہ کتاب نقل کرنے کے لئے مدعی کو دیں، اور اُس پر یہ لازم ہے کہ وقت مقرر پر کتاب واپس کرے۔

ابن خلادؒ کہتے ہیں، کہ میں نے ابوعبداللہ زبیریؒ سے اس فیصلہ کے متعلق پوچھا، تو انہوں نے کہا: اس بارے میں اس سے بہتر فیصلہ کوئی نہیں۔ (۱)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ (citation) (۱-مصنفؒ کتاب کا نام ۲-سن اشاعت ۳-مقام اشاعت) کا رواج دوسری صدی ہجری میں جاری تھا۔

۳- سند کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ سند ضامن ہے، جعل سازی سے حفاظت کی، سند سے جعل سازی کی قلعی کھل جاتی ہے، اور سند اس بات کی شاہد ہے، کہ اس روایت کے تمام راوی قابل اعتماد ہیں، اسی لئے کہا جاتا ہے:

الإسناد من الدين (کہ اسناد دین کی حفاظت کا ذریعہ ہے)

حقیقت عقیدت سے برتر امر ہے، عجالہ نافعہ اصل میں مقدمہ ابن الصلاح کی ترپنویں فصل کا مرہون منت ہے، شاہ صاحب نے اس فصل سے وہ مفید باتیں نقل کی ہیں، کہ جن سے صحاح ستہ پڑھنے اور پڑھانے والوں کو باخبر رہنا ضروری ہے، شاہ عبدالعزیزؒ نے مقدمہ کی ترپنویں نوع کا عربی سے فارسی میں اس خوبی سے ترجمہ کیا ہے، کہ ترجمہ نگاروں اور تبصرہ نگاروں کو اس کا احساس تک نہیں ہوسکا، کہ یہ رسالہ کہاں سے مأخوذ ہے۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ شاہ صاحب موصوف کی علوم حدیث اور کتب حدیث پر نظر کیسی گہری تھی، نیز متفرق ومفید ترین معلومات کو یکجا کر کے ایک رسالہ میں نئی ترتیب سے پیش کرنے میں دستگاہ کامل حاصل تھی۔

یہ کوئی انوکھی بات نہیں، مطابع کی ایجاد سے پہلے بڑے نامور مصنفین ومؤلفین یہ کرتے رہے ہیں، چنانچہ حافظ ابن القیمؒ (المتوفی ۷۵۱ھ) حافظ الدنیا ابن حجر عسقلانیؒ (المتوفی ۸۵۲ھ) دوسروں کی باتیں اور تحقیقات اپنی کتابوں میں بغیر نام کے ذکر کرتے رہے ہیں، بعض اور اہل علم بھی اس معاملہ میں، بہت چابک دست رہے ہیں۔

عجالہ نافعہ کا ضبط اسماء سے متعلق تمام تر حصہ ابن الصلاحؒ کے مقدمہ سے ماخوذ ہی نہیں، بلکہ ترپنویں نوع کا بلفظہ فارسی ترجمہ ہے، پاکستان اور برصغیر کے متعدد اہل علم نے ''عجالہ نافعہ'' سے اعتناء کیا، لیکن ان کا ذہن اس طرف نہیں گیا۔

(۱) معرفة أنواع علم الحديث: ۳۱۵، ط: دار الكتب العلمية بيروت.

طبقاتِ کتب حدیث

شاہ ولی اللہؒ کا نظریہ:

شاہ عبدالعزیزؒ نے عجالہ نافعہ میں شاہ ولی اللہؒ کے نظریہ طبقات کتب حدیث کو بیان کیا ہے۔

شاہ ولی اللہؒ نے کتب حدیث کو چار طبقات میں تقسیم کیا، اور اس تقسیم کا مدار صحت وشہرت قرار دیا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ رجال سے بحث عبث ہے، یہی وجہ ہے کہ مسوّیٰ اور مصفّیٰ میں رجال سند سے بحث نہیں ہے، شاہ صاحبؒ کے اس نظریہ کی وجہ سے علم رجال کا ایک عظیم ترین ذخیرہ دفتر پارینہ قرار پاتا ہے۔

شہرت وتلقی امت کا دعوی اور اسکی حقیقت:

جن کتابوں کو شاہ ولی اللہؒ اور ابن الصلاحؒ نے مدار صحت قرار دیا ہے، ان میں سے موطأ کے علاوہ کوئی بھی خیر القرون (عہد رسالت وصحابہ، تابعین، وتبع تابعین) کی تالیف نہیں، ظاہر ہے کہ ارباب صحاح ستہ کا تعلق خیر القرون سے نہیں۔

اور موطأ میں چونکہ آراء (اجتہادی مسائل) ہیں، اس لئے محدثین نے موطأ کو صحاح میں شمار نہیں کیا۔

شاہ ولی اللہؒ نے طبقاتِ کتبِ حدیث کی تقسیم کا مدار صحت وشہرت پر رکھا، حالانکہ پانچوی، صدی ہجری تک مشرق میں صحاح ستہ کا ذخیرہ نامور محدثین، وفقہاء اور کثیر التصانیف مصنفین کے پاس بھی نہیں ہوتا تھا۔

چنانچہ مؤرخ علامہ الذہبیؒ (المتوفی ۷۴۸ھ) ''تذکرۃ الحفاظ'' میں شیخ الاسلام، حافظ ابوبکر البیہقیؒ (۳۸۴-۴۵۸ھ) کے تذکرہ میں رقمطراز ہیں:

"ولم يكن عنده سنن النسائي ولا جامع أبي عيسى، ولا سنن ابن ماجه"......(1)

ترجمہ: موصوف کے پاس سنن النسائی، جامع ابی عیسی ترمذی، اور سنن ابن ماجہ تک نہیں تھیں۔

پانچویں صدی ہجری تک مشرق میں صحاح ستہ کی شہرت کا یہ حال تھا، کہ بیہق جیسے شہر جسے یاقوت الحموی (۶۲۶ھ) نے معجم البلدان میں مرکز علم بتایا ہے، سنن النسائی، جامع ابی عیسی، اور سنن ابن ماجہ نہیں تھیں۔

اور مغرب میں علامہ ابن حزمؒ (المتوفی ۴۵۶ھ) تک صحاح ستہ میں سے جامع ترمذی، اور سنن ابن ماجہ نہیں پہنچی تھیں۔

علامہ ذہبیؒ ''سیر اعلام النبلاء: ۲۰۲/۱۸'' میں لکھتے ہیں:

"قلت: ماذكر سنن ابن ماجه، ولا جامع أبي عيسى؛ فإنه مارآهما، ولا أدخلا في الأندلس إلا بعد موته".

ترجمہ: ابن حزمؒ نے حدیث کی جہاں صحیح کتابوں کو نام بنام گنایا ہے، وہاں سنن ابن ماجہ، اور جامع ابوعیسی ترمذی کا تذکرہ نہیں کیا، اس کی وجہ یہ ہے، کہ ان دو کتابوں کو نہ اس نے دیکھا، اور نہ یہ اس

(۱) تذکرۃ الحفاظ: ۱۱۳۲/۳، ط: دار إحياء التراث العربية.

کی زندگی میں اندلس میں پہنچی تھیں۔

اس سے معلوم ہوا، کہ مشرق ومغرب میں پانچویں صدی ہجری تک ان کتابوں کو قبول عام اور شہرت تام حاصل نہ تھی، اور ابن الصلاحؒ کا یہ دعویٰ کہ پوری امت کا اس پر اتفاق ہے، کہ یہ چھ حدیث کی صحیح کتابیں ہیں، یہ بات درست نہیں، اس لئے کہ وہ امت جو عہد رسالت وصحابہ، عہد تابعین، وتبع تابعین میں تھی، وہ تو پہلے گذر چکی، یہ پوری امت کہاں ہوئی ؟۔
پوری امت اس وقت ہوتی جب سب کا تعلق خیر القرون سے ہوتا، حالانکہ ایسا نہیں، ایسی صورت میں پوری امت کا دعویٰ کرنا کیونکر درست ہوسکتا ہے۔؟

جیسا کہ حافظ علاء الدین مغلطائیؒ (المتوفی ۷۶۲ھ) نے "اصلاح کتاب ابن الصلاح" میں حسب ذیل اعتراض کیا ہے:

" وأيضا إن أراد كل الأمة فهو أمر لايخفى فساده ،وإن أراد الأمةالذين وجدوا بعد وضع الكتابين،فهم بعض الأمة لاكلها ". (۱)

ترجمہ: اور اسی طرح اگر تمام امت مراد لی جائے، تو یہ ایسا امر ہے کہ جس کا فساد مخفی نہیں، اور اگر امت سے وہ لوگ مراد لئے جائیں جو دونوں کتابوں کے بعد کے ہیں، تو وہ بعض امت ہیں، نہ کہ کل امت۔

علامہ بدرالدین زرکشیؒ (المتوفی ۷۹۴ھ) نے "نکت علی مقدمہ ابن الصلاح" میں یہی بات نقل کی ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

وأيضا فقوله :((إن الأمة تلقت الكتابين بالقبول)) إن أراد كل الأمة فلا يخفى فساده ؛لأن الكتابين إنما صنفا في المائة الثالثة ١ ـبعد عصر الصحابة ، ٢ ـوالتابعين ، ٣ـ وتابعيهم ، ٤ ـ وأئمةالمذاهب الأربعة المتبعة ، ٥ـ ورؤوس حفاظ **الأخبار** ،٦ـ **ونقاد** الآثار ، وإن أرادبالأمة الذين وجدوا بعد الكتابين، فهم بعض الأمة ، **لا كلهم، فلا يستقيم** دليله الذي قدره من تلقي الأمة وثبوت العصمة لهم ...... (۲)

ترجمہ: اور مصنف کا یہ قول کہ "امت نے دونوں کتابوں کو قبول کیا ہے" اگر اس سے مراد تمام **امت ہو، تو یہ ایسی** بات ہے کہ جس کا فساد مخفی نہیں، کیونکہ یہ کتابیں تیسری صدی ہجری میں ۱۔صحابہ کرام ﷺ، ۲۔تابعین، ۳۔تبع تابعین، ۴۔ ائمہ مذاہب اربعہ متبوعہ، ۵۔ رؤوس حفاظ الاخبار، ۶۔اور نقاد الآثار کے زمانے کے بعد لکھی گئیں، اور اگر امت سے وہ لوگ مراد ہوں، جو ان کتابوں کے بعد کے ہیں، تو وہ بعض امت ہیں، نہ کہ کل امت، لہذا ابن الصلاحؒ کی تلقی امت

(۱) إصلاح كتاب ابن الصلاح :۹۲ ، ط:مكتبه اسلاميه(۲) النكت على مقدمه ابن الصلاح للزركشي :۸۹ ، ۹۰ ، ط: دارالكتب العلميه ،بيروت .

اور ثبوتِ عصمت کی دلیل درست نہیں۔

البتہ طبقات کتب اگر صحاح ستہ کے ساتھ ہی مخصوص ہو،تو پھر حق ہے کہ جس کو مقدم کریں،اور اگر یہ جملہ کتب سے متعلق ہوتو پھر یہ تام نہیں،جیسا کہ مذکورہ بالا بحث سے واضح ہوا۔

چونکہ کتابوں کی ترتیب میں اس کا بہتر بدل کسی نے پیش نہیں کیا،اس لئے اصول حدیث میں یہ بحثیں ہوتی رہیں،اوراب تک جاری ہیں،سب سے بہتر ترتیب زمانی ترتیب ہے، جس کی طرف قرآن نے اوررسول اللہ ﷺ نے رہنمائی فرمائی ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالی فرماتے ہیں:﴿لا يستوى منكم من أنفق من قبل الفتح وقاتل ط اولئك أعظم درجة من الذين أنفقوا من بعد وقاتلوا ط﴾ (سوره حديد : ١٠)

ترجمہ: برابر نہیں تم میں سے جس نے خرچ کیا فتح (مکہ) سے پہلے،اورلڑائی کی،ان لوگوں کا درجہ بڑا ہے،ان سے جوکہ خرچ کریں اس کے بعداورلڑائی کریں۔

٢- ﴿كنتم خير أمة أخرجت للناس﴾ ترجمہ:تم بہترین امت ہولوگوں کے نفع کے لئے نکالے گئے ہو۔
(سوره آل عمران : ١١٠)

اس آیت کا سب سے اولین مصداق صحابہ کرامؓ ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: لاتسبو ا أحدا من أصحابي؛فإن أحدكم لو أنفق مثل أُحد ذهبا ، ماأدرك مد أحدهم ولانصيفه۔ (١)

ترجمہ:تم میرے صحابہ کو برا نہ کہو،حقیقت یہ ہے،کہ اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کرے،تواس کا ثواب صحابہ کے ایک مد یا آدھے مد کے ثواب کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔

٢- خير أمتي قرني ثم الذين يلونهم ،ثم الذين يلونهم ...... (٢)

میری امت کے بہترین لوگ،میرے قرن کے لوگ (صحابہؓ) ہیں،پھروہ لوگ جوان کے بعد آنے والے ہیں (تابعین)،پھروہ لوگ جوان کے بعد آنے والے ہیں(تبع تابعین)۔

سب سے بہتر حضور ﷺ اورصحابہ ؓ کا زمانہ،پھر تابعین،اور پھر تبع تابعینؒ کا زمانہ ہے۔

اس زمانی ترتیب کے پیش نظر،حضور ﷺ کا املائی ذخیرہ (وثیقہ جات وغیرہ) اورصحابہ کرامؓ کے صحائف،سب سے زیادہ صحیح ہیں۔

پھروہ املائی ذخیرہ ہے،جوتابعین نے مرتب کیا،اس لئے کہ اللہ تعالی نے ﴿والسابقون الاولون من

---

(١) صحيح مسلم : ٣١٠/٢،ط:قديمى كتب خانه (٢) صحيح بخارى ٦٦٥/١،ط:قديمى كتب خانه كراتشى.

المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضى اللّٰهعنهم ورضواعنه ﴾ (سوره توبه : ۱۰۰)
میں ان کے ساتھ بھی اپنی رضا کا اعلان کیا ہے۔

ترجمہ: اور جولوگ قدیم ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور مدد کرنے والے، اور جو ان کے پیرو ہوئے نیکی کے ساتھ، اللہ راضی ہوا ان سے، اور وہ راضی ہوئے اس سے۔

پھر تبع تابعین کا علمی سرمایہ اور تحقیقات۔

اس زمانی ترتیب پر اگر کتابوں کو صحیح قرار دیا جائے تو یہ سب سے بہتر ہے، اس لئے کہ یہی زمانہ ائمہ ثقات، رؤوس حفاظ الاخبار، اور نقاد الآثار کا ہے، جیسا کہ علامہ زرکشیؒ کی تصریح سے ظاہر ہے۔

اس دور میں کتاب الآثار، موطأ، قاضی ابو یوسفؒ (المتوفی ۱۸۲ھ) کا املائی ذخیرہ (کتاب الآثار کے نسخے)، امام محمدؒ (المتوفی ۱۸۹ھ) کا تمام تر ذخیرہ (موطأ امام محمد، الجامع الصغیر، الجامع الکبیر، السیر الصغیر، السیر الکبیر، وغیرہ) سب سے بہتر قرار پائے گا، کیونکہ ان کی خیریت قرآن وحدیث سے ثابت ہے، آفاق میں اسے قبول عام اور شہرت حاصل ہے، اور اس پر امت کا ہمیشہ سے عمل رہا ہے، صحابہ کرام ؓ کے بعد انہی لوگوں کو تلقی بالقبول حاصل رہی ہے۔

چنانچہ حاکم نیشاپوریؒ (المتوفی ۴۰۵ھ) نے ''معرفۃ علوم الحدیث'' کی انچاسویں نوع میں جسکا عنوان ہے:

"هذا النوع من هذه العلوم معرفة الأئمة، الثقات، المشهورين، من التابعين، وأتباعهم ممن يجمع حديثهم للحفظ، و المذاكرة، والتبرك بهم، وبذكرهم، من الشرق إلى الغرب". (۱)

ترجمہ: یہ نوع تابعین اور تبع تابعین میں سے ائمہ ثقات اور مشہورین کی پہچان کے بارے میں ہے، کہ جن کی احادیث کو حفظ اور مذاکرے کے لئے جمع کیا جاتا تھا، اور ان سے برکت حاصل کی جاتی تھی، اور مشرق سے مغرب تک ان کا ذکر موجود تھا۔

کوفہ کے نامور محدثین میں امام ابوحنیفہؒ (المتوفی ۱۵۰ھ) اور امام زفر بن ہذیلؒ (المتوفی ۱۵۸ھ) کو بھی شمار کیا ہے، (۲) اور امام مالکؒ (المتوفی ۱۷۹ھ) کا ذکر اہل مدینہ کے ائمہ میں کیا ہے۔ (۳)

تلقی امت کا مطلب:

تلقی کا مطلب یہی ہے کہ ان کی احادیث ۱- حفظ ۲- مذاکرے کے لئے جمع کی جاتی تھیں، ۳- ان سے تبرک حاصل کیا جاتا تھا، اور ۴- شرق وغرب میں ان کا چرچا اور اس پر عمل تھا۔

انہی وجوہ سے آج تک عالم میں ان کے فقہی مذاہب کو قبول عام حاصل ہے۔

(۱) معرفة علوم الحديث: ۲٤٠، ط:دارالكتب العلمية (۲) معرفة علوم الحديث: ۲٤٥،۲٤٦ ط: دارالكتب العلمية (۳) معرفة علوم الحديث: ۲٤٠، ط:دارالكتب العلمية.

شاہ صاحبؒ کے اس نظریے کی وجہ سے علماء دیوبند کا رجال سے اعتناء بہت کم رہا، بعض حضرات نے اعتناء کیا بھی، تو انہوں نے حنفی راویوں پر خصم کے اعتراضات نقل کئے لیکن ان کا دفاع اور جواب نہیں دیا، (ہم نے اس نظریہ کو مستقل رسالہ کی صورت میں لکھا ہے)۔

شاہ ولی اللہؒ کی طرح ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیزؒ بھی ابتداء میں نظریہ طبقات کتب میں انہی کے ہمنوا تھے، یہی وجہ ہے کہ عجالہ نافعہ میں طبقات کتب حدیث کو حجۃ اللہ سے فارسی میں منتقل کردیا۔

شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنے اس نظریہ کو اپنے دو رسالوں ''عجالہ نافعہ'' اور'' فیما یجب حفظه للناظر ''میں ذکر کیا ہے، لیکن بعد میں رسالہ ''فیما یجب حفظہ للناظر'' میں دیگر کتب حدیث کو بھی طبقہ اولی میں قرار دیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اس بحث سے پورا اتفاق نہیں، عجالہ نافعہ میں تو من وعن شاہ ولی اللہؒ کے کلام کو لیا، سوائے اس کے کہ ابن ماجہ کو تیسرے طبقے میں شمار کیا۔

البتہ ''فیما یجب حفظه للناظر ''میں شاہ صاحبؒ نے شاہ ولی اللہؒ کے کلام سے استفادہ کے ساتھ ساتھ اپنی طرف سے تنقیح وتصحیح بھی کی ہے۔

عجالہ نافعہ کے ترجمے:

اس رسالہ کی افادیت واہمیت کے پیش نظر اس کے عربی واردو میں متعدد ترجمے کئے گئے۔

عربی ترجمے:

١- چنانچہ مولانا عبدالوحید قاسمیؒ مدیر جامعہ امدادیہ کشور گنج مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) نے سب سے پہلے ''العلالۃ النافعہ'' کے نام سے عجالہ نافعہ کا عربی ترجمہ کیا، جو قرآن منزل بابو بازار ڈھاکہ سے ١٣٨٤ھ میں شائع کیا گیا تھا۔

٢- پاکستان کے ایک غیر مقلد عالم مولانا عبدالرشید سلفی نے بھی عجالہ نافعہ کو عربی میں تعلیقات کے ساتھ منتقل کیا، اور ١٣٩٥ھ میں اسے سید پرنٹنگ پریس کبیر والہ سے چھپواکر، ادارہ ''المکتبہ السعیدیہ'' خانیوال نے ١٣٩٥ھ/ ١٩٧٥ء میں شائع کیا تھا، یہ ترجمہ متوسط تقطیع کے ١٢٨صفحات پر مشتمل ہے۔

٣- میرے ایک عزیز شاگرد مولانا عبدالرحیم مازندرانی (جرجانی) استاد شعبہ تخصص فی الحدیث دارالعلوم زاہدان (ایران) نے اس کا عربی میں تیسرا ترجمہ کیا ہے، جو ان شاء اللہ عنقریب شائع کیا جائے گا۔

اردو ترجمے:

١- سب سے پہلے شاہ رفیع الدینؒ کے نواسے سید ظہیرالدین عرف سید احمدؒ نے اپنے مطبع احمدی دہلی سے ١٣١٠ھ میں اس کا ایک اردو ترجمہ ''خمسہ رسائل اردو'' ١- عجالہ نافعہ، ٢- تراجم بخاری، ٣- فیما یجب حفظہ للناظر، ٤- فن دانشمندی، ٥- ارشاد علم الاسناد، کے ساتھ شائع کیا تھا، یہ مجموعہ متوسط تقطیع کے ٤٤صفحات پر مشتمل ہے، اس کا ایک نسخہ

میرے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔

۲- دوسرا اردو ترجمہ وشرح ''فوائد جامعہ'' کے نام سے راقم الحروف کی ہے۔

فوائد جامعہ شرح عجالہ نافعہ، ارباب کمال اور تبصرہ نگاروں کی نظر میں:

اللہ تعالیٰ کا راقم السطور پر انعام ہے، کہ اس نے عجالہ نافعہ کا اردو ترجمہ اور مبسوط شرح ''فوائد جامعہ'' کے نام سے لکھنے کی توفیق بخشی، آج سے ۴۷ برس قبل ۱۳۸۲ھ ۱۹۶۴ء میں ۵۴۴ صفحات میں نور محمد اصح المطابع کراچی نے شائع کی، بحمد اللہ اہل علم اور ارباب ذوق نے پسند کیا۔

نامور علماء نے اس سے فائدہ اٹھایا، اردو ہی نہیں عربی کتابوں میں بھی اس کے حوالے اور اس کے متعلق اچھے الفاظ موجود ہیں، اردو ادب میں یہ اپنی نوع کی پہلی کتاب ہے۔

۱- چنانچہ شیخ الحدیث، حضرت، مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ (۱۴۰۲ھ) نے ''آپ بیتی'' میں ''فوائد جامعہ'' سے مندرجہ ذیل واقعہ نقل کیا ہے:

> ''فوائد جامعہ شرح عجالہ نافعہ میں شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے، کہ پڑھنے کے زمانہ میں جاڑے کی سخت ٹھنڈی ہوا، اور گرمی کی چلچلاتی دھوپ میں ہر روز دوبار دہلی کے مدرسہ میں جاتا تھا۔ (۱)

۲- نیز شیخ الحدیثؒ نے ''فوائد جامعہ'' کے متعلق ایک انگشت کاغذ (۲) پر درج ذیل الفاظ لکھے تھے:

> ''اب آنکھوں میں پانی اتر آیا ہے، ورنہ میں ایسی کتاب ایک رات میں ختم کرتا تھا''۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے، کہ شیخ الحدیثؒ کتنی تیزی سے کتاب پڑھتے، اور اس سے استفادہ کرتے، کہ (۵۴۴) صفحات کی کتاب ایک رات میں ختم کر لیتے۔

۳- علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے تلمیذ رشید، اور انوار الباری شرح صحیح البخاری کے مؤلف، محدث مولانا احمد رضا بجنوریؒ (۳) (۱۴۱۸ھ) اپنے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

مخدوم ومحترم جناب مولانا عبدالحلیم صاحب چشتی دامت فیوضکم السامیہ

---

(۱) آپ بیتی، ج:۲، ص:۵۷۷ (۲) کیونکہ شیخ الحدیث صاحبؒ کاغذ کے استعمال میں بڑی احتیاط کرتے تھے۔

(۳) انوار الباری شرح بخاری کے مصنف، مولانا احمد رضا بجنوریؒ، ۱۹۰۷ء میں پیدا ہوئے، بتدائی فارسی تعلیم بجنور میں حاصل کی، فارسی تعلیم کے بعد عربی تعلیم حاصل کرنے کیلئے سیوہارہ کے مدرسہ فیض عام میں داخل ہوئے۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ۱۳۸۲ھ اور مولانا بشیر احمد بھٹہ صاحب کے زیر نگرانی پڑھتے رہے، اس کے بعد ۱۹۱۹ء میں مدرسہ عربیہ قادریہ میں داخل ہوئے اور وہاں پر حضرت ولی احمد کیمبل پوری تلمیذ شیخ الہند سے استفادہ کیا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو

آپ کی کتاب مستطاب ''فوائد جامعہ بر عجالہ نافعہ'' ایک عرصہ سے میرے خصوصی مطالعہ میں ہے، اور اس کے فوائد جامعہ سے برابر مستفید ہوتا، اور آپ کے لئے دل سے دعا کرتا رہا ہوں، اب میں انوار الباری، قسط ۱۹ کے مقدمہ میں کچھ حضرت شاہ ولی اللہؒ اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے الگ الگ طریق تحقیق کے بارے میں لکھنے والا ہوں، اس سے پہلے بھی کسی اور جگہ ''دو بڑوں کا فرق'' کے عنوان سے لکھا تھا۔

میرا حاصل مطالعہ یہ ہی ہے، کہ جس طرح حضرت شہیدؒ کی شدت کے باعث حنفی طرز فکر ماننے والوں کے دو فریق ہند و پاک میں ہو گئے، اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہؒ کی وجہ سے تقلید وحنفیت کو نقصان پہنچا، اور حنفی مکتب کے ماننے والے ندوی اور دیوبندی دو طبقوں میں بٹ گئے۔

اس لئے سید صاحبؒ کا حضرت تھانویؒ کی طرف رجوع اہل ندوہ کو گراں گزرا، اور جن مسائل میں حضرت شاہ ولی اللہؒ اور علامہ ابن تیمیہؒ کی وجہ سے سید صاحب نے خلاف جمہور مسلک کو ترجیح دی تھی، اور پھر اس سے رجوع بھی کر لیا تھا، تو اس رجوع کو یہ لوگ شائع نہیں کرتے، نہ سیرۃ النبی میں حسب رجوع سید صاحب ان مضامین کی اصلاح کرتے ہیں، یہ کیا ہے؟ اس پر آپ بھی غور کریں۔

آپ نے تاریخ طبقات کتب حدیث اور شاہ ولی اللہؒ کا نظریہ، مقالہ لکھا ہے، مجھے اس کے مطالعہ کا اشتیاق

اس کے بعد دارالعلوم دیوبند آ گئے، ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۷ھ تک دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم رہے، حضرت انور شاہ کشمیری ۱۳۵۲ھ مفتی عزیز الرحمٰن صاحب ۱۳۴۷ھ اور مولانا اعزاز علی صاحب ۱۳۷۷ھ سے تحصیل علم کی سعادت نصیب ہوئی، اور ۱۳۴۶ھ میں دورہ حدیث کی تکمیل دارالعلوم دیوبند سے کی۔

درس نظامی سے فراغت کے بعد تبلیغ کالج کرنال سے تین سالوں میں انگریزی زبان کی تعلیم حاصل کی، اور واپس شاہ صاحبؒ کی خدمت میں ڈابھیل پہنچے اور شاہ صاحبؒ کی عمر کے آخری دو سالوں میں ان کے ساتھ رہتے ہوئے علمی استفادہ کرتے رہے۔

ڈابھیل میں قیام کے عرصہ میں حضرت انور شاہ کشمیریؒ کی چھوٹی صاحبزادی سے عقد نکاح ہوا، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے نکاح پڑھایا، ڈابھیل میں تدریس کے ساتھ ساتھ مجلس علمی ڈابھیل کے نگران تھے۔

بیعت: انور شاہ کشمیری کے مشورہ سے مولانا حسین علیؒ میانوالی ۱۳۶۲ھ سے بیعت ہوئے، اور خط وکتابت کے ذریعے استفادہ کرتے رہے، مولانا حسین علی صاحبؒ کی وفات کے بعد حضرت مولانا عبداللہؒ ۱۳۷۵ھ سے بیعت ہوئے، اور ان کی وفات کے بعد خواجہ خان محمدؒ ۱۴۳۱ھ سے روحانی تعلق قائم فرمایا۔

وفات: موصوف نے ۲۲ رمضان ۱۴۱۸ھ کو وفات پائی۔

ہے، براہ کرم وہ مجھے جلد بھیجدیں، اور بھی آپ نے جو کتابیں اس عرصہ میں لکھی ہیں یا ''فوائد جامعہ'' کا دوسرا ایڈیشن اضافہ شدہ طبع ہوا ہو تو ارسال کردیں۔

آج کل عزیز مولانا محمد انظر شاہ صاحب سلمہ (۱) بھی پاکستان میں ہیں ان کے ذریعے بھی کتابیں آسکتی ہیں، اور بھی کوئی اہم کتاب، باب علم رجال وحدیث پاکستان میں چھپی ہو تو ارسال فرما کر ممنون کرم فرمائیں۔

انوار الباری کی پاکستان میں اشاعت کے لئے مولوی عبدالعزیز صاحب، خطیب گوجرانوالہ کو ذمہ دار بنایا تھا، مگر ان کی رفتار بہت سست ہے، اس بارے میں بھی کچھ مشورہ دیں، اپنا مقامی پتہ بھی لکھیں، تاکہ مکاتبت ہوسکے، ورنہ اشتیاق تو لقاء کا بھی بہت ہے، آپ کی یہ کتاب فوائد جامعہ بھی نہایت قیمتی ہے- جزاکم اللہ خیرا-۔

خدا کرے یہ خط آپ کو مل جائے، دعاؤں کا محتاج ہوں۔ والسلام ختام

محمد احمد رضا عفا اللہ عنہ

---

(۱) انظر شاہ کشمیریؒ

حضرت انظر شاہ صاحب مرحوم ومغفور، ۱۴ شعبان ۱۳۴۷ھ مطابق ۲۶ جنوری ۱۹۲۹ء کو محلہ خانقاہ دیوبند میں پیدا ہوئے، موصوف حضرت محدث عصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی آخری اولاد تھے، عمر کے پانچویں برس میں ۱۳۵۲ھ کو والد صاحب کا انتقال ہوگیا، والد صاحب کی وفات کے بعد والدہ اور بڑی بہن کی زیر نگرانی تعلیم وتحصیل کا آغاز ہوا، قرآن مجید مکمل کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند سے فارسی کے پانچ سالہ نصاب کی تکمیل کی، بعد ازاں آپ کے خالہ زاد بھائی حکیم اختر نے آپ کا داخلہ پنجاب یونیورسٹی میں کرادیا، جہاں سے موصوف نے اردو ادب، عالم، ادیب فاضل، فارسی اور منشی فاضل کے امتحانات دیئے، اس کے بعد کرنال سینٹر سے انگریزی کے دو پرچوں کا امتحان دیا، یہ ہندوپاک کی تقسیم کا زمانہ تھا، شاہ صاحب کرنال سے دہلی پھر دہلی سے دیوبند آگئے، اور دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔

ابتدائی علوم کی تکمیل کے بعد اس وقت کے صدر المدرسین شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ (۱۳۷۷ھ) علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ (۱۳۷۸ھ) اور مولانا اعزاز علیؒ (۱۳۷۷ھ) وغیرہ اکابر اساتذہ سے دورہ حدیث کی تکمیل کر کے سند فراغت حاصل کی۔

تعلیم وتحصیل کے بعد ۱۳۷۲ھ میں بحیثیت مدرس مادر علمی دارالعلوم میں آپ کا تقرر ہوگیا۔

۱۳۸۰ھ میں دارالعلوم دیوبند سے رسمی تعلق منقطع ہوجانے کے بعد وقف دارالعلوم دیوبند میں تدریس کا سلسلہ جاری رہا، جو کہ نصف صدی سے زیادہ عرصہ پر محیط ہے، کم وبیش سات ہزار طلبہ نے موصوف سے استفادہ کیا۔

تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف اور ملکی سیاست سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔

وفات: ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۶ اپریل ۲۰۰۸ء کو ۸۲ برس کی عمر میں وفات پائی۔

۴- مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم تکملہ فتح الملہم میں جامع کی بحث میں رقمطراز ہیں:

"وراجع أيضا ما كتبه أخونا ،الأستاذ،الدكتور،محمد عبدالحليم الجشتي في تعليقاته القيمة باسم "الفوائد الجامعة" على رسالة"العجالةالنافعة"ص:١٥٤-١٥٨ " (١)

ترجمہ: اسی طرح اس بحث کی طرف بھی رجوع کیا جائے، جو ہمارے بھائی استاذ ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی نے اپنی قیمتی تعلیقات، موسوم "فوائد جامعہ برعجالہ نافعہ" کے صفحہ ۱۵۴ تا ۱۵۸ میں لکھی ہے۔

۵- مولانا محمد عاقل صاحب، استاد الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم، سہارنپور، "الفیض السمائی علی سنن النسائی" میں جامع کی تعریف نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وماذكر من تعريف الجامع هومنقول عن الشاه عبدالعزيز -نورالله مرقده- ،ونقل عنه أساتيذنافي الدرس ،لكن لايوجد هذا الاصطلاح في كتب الفن، لذاتعقب عليه الشيخ عبدالحليم الجشتي، أخو مولانا عبد الرشيد النعماني في شرح العجالة النافعة، ص: ١٥٤،في اللغة الأردوية ، سماه "الفوائد الجامعة" وقد أتى فيه المصنف تحقيقات بديعة . (٢)

ترجمہ: اور شیخؒ نے جامع کی جو تعریف ذکر کی ہے، وہ شاہ عبدالعزیزؒ سے منقول ہے، اور ہمارے اساتذہ نے درس کے دوران شاہ صاحبؒ سے یہی تعریف نقل کی ہے، لیکن فن کی کتابوں میں یہ اصطلاح موجود نہیں، اسی وجہ سے مولانا عبدالرشید نعمانیؒ (المتوفی ۱۴۱۹ھ) کے بھائی شیخ عبدالحلیم چشتی نے "عجالہ نافعہ" کی شرح "فوائد جامعہ میں اس پر گرفت فرمائی ہے، اور مصنف نے اس میں عجیب تحقیقات ذکر کی ہیں۔

اور یہی بات مولانا محمد یونس صاحب نے حاشیہ نسائی میں لکھی ہے۔

۶- تبصرہ صدق جدید

فوائد جامعہ برعجالہ نافعہ از مولانا عبدالحلیم چشتی

۲۳+۴۴+۳۲ صفحہ مجلد قیمت ۱۲،۱۵ (بہ اختلاف کاغذ)

پتہ: نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی

مشہور مفسر و محدث، شاہ عبدالعزیز دہلویؒ (صاحب بستان المحدثین) کے ایک چھوٹے سے رسالہ متعلق علم حدیث کا نام "عجالہ نافعہ" ہے، جو حدیث کے مخصوص طلبہ کے کام کا ہے، اب چشتی صاحب نے اس کا ترجمہ (حامل المتن)

(۱) تکملہ فتح الملہم: ۶/ ۵۳۶، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط: ۱۴۲۴ھ (۲) الفیض السمائی علی سنن النسائی: ۱/ ۲۵، ۲۶، ط: المکتبۃ الخلیلیہ، سہارنپور

کر کے اس کی شرح اتنی تفصیل سے لکھی کہ ۲۵، ۳۰ صفحہ کا رسالہ تقریبا ۶۰۰ صفحات کی ایک مستقل ضخیم کتاب بن گیا، اور اس کے اندر حدیث، کتب حدیث، رواۃ حدیث سے متعلق بیسیوں بلکہ پچاسیوں قابل قدر مضمون آ گئے، اور کتاب طلبہ فن اور عام شائقین علم دین دونوں کیلئے قابل مطالعہ ہوگئی۔

(صدق جدید ۲۶ فروری ۱۹۶۵ء)

اس کتاب کی اشاعت کے بعد (ہندوستان میں) کتب اسانید واثبات پر تعلیقات لکھنے کی طرف اہل علم نے توجہ کی: اس سے پہلے خانوادہ شاہی کے جو ثبت شائع ہوئے، وہ تعلیقات سے خالی تھے، چنانچہ شاہ ولی اللہؒ کی ''الإرشاد إلى مهمات علم الإسناد'' مولانا محمد عبدہ کی تعلیقات کے ساتھ لاہور سے شائع ہوئی، مولانا عطاء اللہ بھوجیانی نے شاہ ولی اللہؒ کا ثبت ''إتحاف النبيه فيما يحتاج إليه المحدث و الفقيه'' شائع کیا۔

فوائد جامعہ کی دوسری اور تیسری طبع:

بہر حال فوائد جامعہ کے حسن قبول کی بنا پر جلد ہی اس کے نسخے ختم ہو گئے، عرصہ سے دوستوں، بزرگوں کا تقاضہ تھا کہ اسے دوبارہ شائع کیا جائے، بعض دوستوں اور قدر دانوں کو اپنے نسخے سے فوٹو پیش کئے، ناشر نے اسے دوبارہ شائع کیا، لیکن تصحیح نہیں کی، کاغذ بھی ردی استعمال کیا، قیمت بھی خوب رکھی، اپنی طرف سے غیر مفید اضافہ بھی کیا، جس سے دکھ ہوا۔

الحمد للہ کہ نظر ثانی کے بعد اب اسے مفید اضافات و تصحیح کے ساتھ مکتبۃ الکوثر سے شائع کیا جا رہا ہے، اور خانوادہ شاہی کے جانشین مسند ین دیوبند کے آخری مسند، ہمارے شیخ واستاذ علامہ، جامع طریقت وشریعت، شیخ الاسلام، صدر المدرسین، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ ۱۳۷۷ھ سے شاہ اسحاقؒ تک رجال سند کے حالات کا ذکر بطور تکملہ شائع کیا جائے گا، اس کے علاوہ اس سلسلہ کے جو اثبات شائع ہوئے ہیں، ان پر تبصرہ بھی اس تکملہ میں شامل ہے۔

مکتبۃ الکوثر کی پیش کش'' فوائد جامعہ'' کی تصحیح میں بعض عزیز شاگرد مولانا نعمان خان کامل پوری، سید حسیب اللہ جوز جانی، اور عبد الباقی ادریس بن مولانا محمد ادریس سندھی، وغیرہ شریک رہے، اللہ تعالیٰ انہیں سلامت رکھے، اور ان کے علم سے خلق خدا کو فائدہ پہنچے، آمین۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسے قبول فرمائے، میری، میرے رشتہ داروں، اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرمائے۔

آمین۔

۲۰ شعبان، ۱۴۳۲ھ ، ۲۲ جولائی ۲۰۱۱ء ، بوقت شب ۱۱:۲۵

کراچی، پاکستان

عجالۂ نافعہ

تالیف

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

(۱۱۵۹ھ-۱۲۳۹ھ=۱۷۴۶ء-۱۸۲۴ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللّٰه و کفٰی، و سلام علی عباده الذین اصطفیٰ خصوصًا علی سیدنا محمد ن المجتبی، واله بدورِ الدجی[1]، وصحبه نجوم الهدی.

اما بعد: ایں رسالہ ایست رائعہ وعُجالہ ایست نافعہ درفوائدِ متعلقہ بعلمِ حدیث کہ باعث برتحریرآں شوق وخواہش برادرعالی مآثر جامع المناقب والمفاخر، نورحدقہ شرافت ونورحدیقۂ سیادت، سیدقمرالدین الحسنی است، رزقہ اللّٰہ سیادۃ الدارین وسعادۃ النشأتین. دریں ایام داعیہ اشتغال بایں علم شریف وفن منیف درخاطر عاطر ایشاں تمکن ورسوخ پیدا کردہ وازیں ہیچمدان محفل افادہ واستفادہ بنابرحسن ظنے کہ دارند، درخواستِ اجازت ایں کاروا عانت درتحمل ایں بار فرمودہ اند، بحکم اِنّ لِلّٰهِ فِيْ اَيَّامِ دَهْرِكُمْ نَفَحَات اَلَا فَتَعَرَّضُوْا لَهَا تَعَرُّضًا لِنَفَحَاتِ اللّٰه، برخی ازمتعلقات ایں صناعت عُلیا بقید قلم آوردہ وبقیہ رابرذمہ طبیعتِ ذکیہ[2] وقریحۂ سنیۂ برادرموصوف سپردہ کہ بفضلہٖ تعالیٰ درذکاءِ فطرت وصفاءِ طینت وانتقال ذہن در درجۂ عُلیا ومرتبۂ قصوی واقع اند، چنانچہ تصانیف نظمیہ ونثریہ ایشاں شاہدِ عدل برین دعویٰ وگواہ صادق بریں مدعی است، امید وارے ازحضرت باری تعالیٰ شانہ وعزبرہانہ آنست کہ اگرمضامین این رسالہ راکسے نصب العین خود ساز دو درفنون حدیث خوض نماید ازغلط وخطا مامون وازتصحیف وتحریف مصون باشدو درتصحیح وتضعیف، معیاری درست بدست داشتہ باشد۔

وماتوفيقي إلا بالله، عليه توكلتُ وهو حسبي ونعم الوكيل

فصل اول

درذکرفوائدوغایاتِ علم حدیث کہ موجب مزیدشوق طالب ومتحرک طلب راغب تواندشد، وبیانِ شروط خوض دریں علم

پوشیدہ نماند کہ علم حدیث شرافتے دارد کہ ہیچ علم بمشابۂ آن نمیتواند رسید زیرا کہ علم قرآن وعقائد اسلام واحکامِ شریعت وقواعدِ طریقت ہمہ موقوف بربیانِ پیغمبراست علیہ الصلوٰۃ والسلام، وکشفیات وعقلیات راتابایں میزان نسنجند وبریں معیارنزنند، قابلِ اعتمادومحلِ اعتبارنمی تواند بود، پس این علم بمنزلہ صـرّافـی است کہ ناقدِ جواہرونقودجمیع علوم است ازوجوہ تفاسیروادلۂ احکام ومآخذعقائداسلام وطُرُقِ سلوکِ الی اللہ انچہ درنقدایں صراف کامل المعیار برآمد قابل ترویج ودادوسندوتواند شدوانچہ ناسرہ شدمردودومطرود، پس حکم ایں نافذاست برجمیع علوم دینیہ واتباع جناب رسالت پناہ کہ سرمایۂ سعادتِ دوجہانی وپیرایۂ حیات جاودانی است وابستہ بایں علم است، واگربہ نظرتأمل وامعان دیدہ شود ہرعلم راخاصیتی است کہ نفس انسانی بمزاولت آن علم کیفیتی ازکیفیات نیک یابدبہم می رساند ومزاولت این علم بشخص رامعنی صحابیت می بخشد زیراکہ درحقیقت معنی صحابیت اطلاع برجزئیات احوالِ رسولؐ است ومُشاہدہ اوضاع آنجناب درعبادات وعادات، واین معنی درصورت بُعدِ زمان درمدرکہ وخیال شخص بنوعے متمکن وراسخ میشودکہ حکمِ مشاہدہ داردواشارہ بہمیں معنی کردہ است آنکہ گفتہ۔

---

(١) في المطبوعة "بدر"، (٢) في المطبوعة: "زكية"

شعر

أهل الحديث همو أهل النبي وإن لم يصحبوا نفسه أنفاسه صحبوا

وقال الإمام الهمام محمد بن على بن الحسين عليه وعلىٰ آبائه السلام "مِن فقه الرجل بصيرته بالحديث أو فطنته للحديث"

وہرگاہ این از قبیل خبر است، والخبر يحتمل الصدق والكذب، پس لابد آمد در تحصیل ایں علم از دو چیز: ۱- یکے ملاحظۂ حالِ رواۃ، ۲- دوم احتیاط عظیم در فہم معانی آن، زیرا کہ اگر در امر اول مساہلہ رود کاذب با صادق ملتبس شود، واگر در امر ثانی احتیاط نباشد مراد باغیر مراد مشتبہ گردد وعلی التقدیرین فائدہ کہ ازین علم شریف متوقع است میسر نگردد بلکہ ضدّ آن فائدہ بحصول انجامد وموجب ضلال واضلال باشد معاذ اللّٰہ من ذٰلك. پس دریں دو امر سخن کردن ضرور افتاد۔

امر اول یعنی ملاحظۂ حال رُواۃ مخبرین در صدر اول یعنی از زمان تابعین وتبع تابعین تا زمان بخاری ومسلم رنگے دیگر داشت کہ از حال رجال ہر شہر و ہر زمان بحث وتفتیش میکردند در ہر کہ بوئے از بے دیانتی وکذب وسوء حفظ می شنیدند حدیث اورا قبول نمی کردند لہٰذا در احوال رجال دفاتر مبسوطہ وکتبِ مبسوطہ نوشتہ اند ودرین زمان رنگ دیگر دارد، حالا کتبے کہ مجرد برائے صحاح اند بعد از آن کتابہائے کہ قابل اعتبار اند جدا باید دانست بعد ازاں کتابہائے کہ واجب الرد والترک اند علیحدہ باید داشت تا در ورطۂ تخلیط واقع نشوند واکثر متأخرین محدثین راایں تمیز وترتیب از دست رفتہ است ناچار دربعضے رسائل خلاف جمہور سلف کردہ اند وباحادیثے کہ در کتب غیر معتبرہ یافتہ اند تمسک جستہ اند. درایںجا نقل عبارت حضرت والد ماجد قدس سرہ نمایم تا مراتب کتب احادیث بترتیب واضح گردد۔

ایشاں میفرمایند: باید دانست کہ کتبِ احادیث باعتبار صحت وشہرت وقبول بر چند طبقہ می شوند، ومراد ما از صحت آنست کہ مصنف التزام کند ایراد احادیث صحیحہ یا حسنہ، وغیرہ در آنجا وارد نکند مگر مقرون بہ بیان حالِ آن از ضعف وغرابت وعلت وشذوذ باشد، زیرا کہ ایراد ضعیف وغریب ومعلول با بیان حال آن قدح نمی کند۔

ومراد ما از شہرت آنست کہ اہل حدیث طبقۃً بعد طبقۃٍ بآں کتاب مشغول شوند بہ طریق روایت وضبط مشکل وتخریج احادیث آن، تا ہیچ چیز از ان غیر مبیّن نماند۔

ومراد ما از قبول آنست کہ نقاد حدیث آں کتاب را اثبات کنند وبر آن اعتراض نکنند وحکم صاحب کتاب را در بیان حال احادیث آن کتاب تصویب وتقریر نمایند وفقہا بآن احادیث تمسک نمایند بے اختلاف وبے انکار۔(۱)

پس **طبقہ اولیٰ** از کتب حدیث سہ کتاب اند: ۱- موطا ۲- صحیح بخاری ۳- صحیح مسلم.

(۱) پس صحیح ابن حبان مثلاً التزام صحت دارد لیکن شہرت ندارد، ومستدرک حاکم مثلاً التزام صحت بزعم خود دارد، وشہرت ہم دارد، ولیکن قبول ندارد زیرا کہ ذہبی ودیگر نقاد حکم اورا بہ صحت مسلم نداشتہ اند، منہ۔

قاضی عیاضؒ کتاب مشارق الانوار را برائے شرح این ہر سہ کتاب مخصوص نوشتہ، واین مشارق الانوار غیر مشارقؒ الانوار صغانی است کہ احادیث صحیحین در آن بحذف اسناد وقصہ جمع نمودہ، بالجملہ برائے ضبط وشرح ایں ہر سہ کتاب مشارق الانوار قاضی عیاض کافی وشافی است۔

ونسبت دریں ہر سہ کتاب آنست کہ مؤطا گویا اصل وام صحیحین است ودر کمالِ شہرت رسیدہ، وہزار کس از علماء عصر امام مالکؒ موطا را روایت کردہ اند مثل شافعی وامام محمد ویحییٰ بن یحییٰ مصمودی ویحییٰ بن یحییٰ تمیمی ویحییٰ بن بکیر وابو مُصعب وقعنبی، وعدالت وضبط رجال ایں کتاب مجمع علیہ است ودر مدینہ ومکہ وعراق وشام ویمن ومصر ومغرب مشہور شدہ وبناء فقہاء امصار بر آنست ودر زمان امام مالکؒ وبعد از زمانِ ایشان نیز علما در تخریج بر مؤطا وذکر متابعات وشواہد احادیث آن سعی بلیغ نمودند ودر شرح غریب وضبط مشکلات وبیانِ فقہ وسائر وجوہ بیان آنقدر اہتمام نمودہ اند کہ زیادہ بران متصور نیست، وصحیح بخاری وصحیح مسلم ہر چند در بسط وکثرت احادیث دہ چند مؤطا باشند لیکن طریق روایت احادیث وتمیز رجال وراہ اعتبار واستنباط از مؤطا آموختہ اند ومعہذا ایں ہر دو کتاب نیز مخدوم طوائف انام وجمیع علمائے اسلام اند۔

فرقۂ متخرجات برائے اینہا نوشتہ اند مثل اسماعیلی وابوعوانہ، وطائفۂ متصدی شرح غریب وضبط مشکل وبیانِ فقہ واحوالِ رواۃ آنہا شدہ اند، ودر شہرت وتلقی بالقبول بدرجہ علیا رسیدہ اند، صاحب جامع الاصول از فِرَبری نقل کردہ است کہ صحیح بخاری را از بخاری بلا واسطہ نود ہزار (۹۰۰۰۰) کس سماع دارند۔

خلاصہ کلام آنکہ احادیث ایں ہر سہ کتاب اصح الاحادیث اند اگر چہ بعضی احادیث ایں ہر سہ کتاب صحیح تر از بعض باشند واگر بہ نظر تفحص دیدہ شود احادیث مرفوعہ مؤطا غالباً در صحیح بخاری موجود اند پس صحیح بخاری مشتمل است بر مؤطا باعتبار احادیثِ مرفوعہ، آری آثار صحابہ وتابعین در مؤطا زیادہ است پس ایں ہر سہ کتاب را در طبقۂ اولیٰ باید داشت۔

طبقہ ثانیہ: احادیثے کہ درین ہر سہ صفت بدرجۂ احادیث صحیحین نرسیدہ اند لیکن قریب بصحیحین اند درین صفات، وآن حدیثِ جامع ترمذی وسنن ابی داؤد وسنن نسائی است کہ مصنفان این کتب مشہور ومعروف اند، **بوثوق وعدالت**، وحفظ وضبط وتبحر در فنون حدیث، ودرین کتابہا بہ تساہل وتسامح راضی نشدہ اند وحالِ حدیث وعلت آنرا **بقدر امکان بیان** نمودہ اند، ولہذا فیما بین علماء اسلام شہرت یافتہ اند پس این شش کتاب را صحاح ستہ نامند۔

ابن الاثیر در جامع الاصول احادیثِ ایں شش کتاب را جمع نمودہ، وشرح غریب وضبط مشکلات واسمائے رجال ودیگر متعلقات آنہا را بیان کردہ، پس کتاب جامع الاصول گویا شرح ایں شش کتاب است، چنانچہ مشارق الانوار شرح آن سہ کتاب است، وصاحب جامع الاصول ابن ماجہ را در صحاح عد نکردہ بلکہ مؤطا را ششم قرار دادہ، والحق معہٗ لیکن حضرت والد قدس اللہ سرہ می فرمایند کہ مُسنَد امام احمد نزد فقیر ازین طبقہ ثانیہ است، ووے اصل است در معرفت صحیح از سقیم، وبوے شناختہ میشود حدیثی کہ آنرا اصل ہست از انچہ او را اصل نیست، مگر آنکہ در مسند امام احمد احادیثِ ضعاف بسیار اند کہ

حال آنرا بیان نہ کردہ، اما متعففے کہ واردست از آن احادیث کہ متاخرین تصحیح آنہا می کنند بہتر می نماید، وعلماء حدیث وفقہ آنرا پیشوائے خود ساختہ اند وبحقیقت رکن اعظم است درفن حدیث، وہمچنیں سنن ابن ماجہ را نیز درین طبقہ میتوان شمرد، ہر چند بعضی از احادیث آن درغایت ضعف اند۔

وطبقہ ثالثہ: احادیثے کہ جماعتی از علمای متقدمین درزمان بخاری ومسلم یا معاصرین آنہا یا لاحقین بآنہا درتصانیف خود روایت کردہ اند، والتزام صحت نمودہ اند، وکتب آنہا درشہرت وقبول درمرتبہ طبقۂ اولٰی وثانیہ نرسیدہ، ہر چند مصنفین آن کتب موصوف بودند بہ تبحر درعلوم حدیث ووثوق وعدالت وضبط.

واحادیث ۱- صحیح ،۲- وحسن ،۳- وضعیف ،۴- بلکہ متہم بالوضع نیز درآن کتب یافتہ میشود.

ورجال آن کتب :۱- بعضے موصوف بعدالت اند،۲- وبعضے مستور،۳- وبعضے مجہول، واکثر آن احادیث معمول بہ نزد فقہا نشدہ اند بلکہ اجماع برخلاف آنہا منعقد گشتہ، ودرین کتب ہم تفاضل وتفاوت ہست، بعضہا اقوی من بعض۔

اسامی آن کتب اینست: مسند شافعی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی، مسند ابی یعلی موصلی، مصنف عبد الرزاق، مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ، مسند عبد بن حمید، مسند ابی داؤد طیالسی، سنن دارقطنی، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم، کتب بیہقی، کتب طحاوی، تصانیف طبرانی۔

وطبقہ رابعہ: احادیثے کہ نام ونشان آنہا درقرون سابقہ معلوم نبود، ومتاخرین آنرا روایت کردہ اند، پس حال آنہا از دوشق خالی نیست: یا سلف تفحص کردند وآنہا اصلی نیافتند تا مشغول بروایت آنہا می شدند، یا یافتند ودرآن قدحی وعلتی دیدند کہ باعث شد ہمہ آنہا را برترک روایت آنہا، وعلی کل تقدیر ایں احادیث قابل اعتماد نیستند کہ دراثبات عقیدہ یا عملی بآنہا تمسک کردہ شود ولنعم ماقال بعض الشیوخ فی أمثال هذا شعر:

فـإن كـنـت لاتـدري فتلك مصيبة وإن كُـنـت تـدري فالمصيبة أعظم

وایں قسم احادیث راہ بسیاری از محدثین زدہ است وبجہت کثرت طرق ایں احادیث کہ دریں قسم کتب موجود اند مغرور شدہ حکم بتواتر آنہا نمودہ، ودرمقام قطع ویقین بدان تمسک جستہ، برخلاف احادیث طبقات اولٰی وثانیہ وثالثہ مذہبی برآوردہ اند۔

ودریں قسم احادیث کتب بسیار مصنف شدہ اند برخے را بشماریم: کتاب الضعفاء لابن حبان، وتصانیف الحاکم، کتاب الضعفاء للعقیلی، کتاب الکامل لابن عدی، تصانیف ابن مردویہ، تصانیف خطیب، تصانیف ابن شاہین، تفسیر ابن جریر، فردوس دیلمی، بلکہ سائر تصانیف او، تصانیف ابی نعیم، تصانیف جوزقانی، تصانیف ابن عساکر، تصانیف ابوالشیخ، تصانیف ابن نجار۔

وبیشتر مساہلہ ووضع احادیث درباب مناقب، ومثالب، وتفسیر وبیان اسباب نزول ودرباب تاریخ وذکر احوال

بنی اسرائیل وقصص انبیاء سابقین وذکر بُلدان، واطعمہ، واشربہ وحیوانات واقع شدہ، ودر طب ورُقیٰ وعزائم ودعوات وثوابِ نوافل نیز این حادثہ رودادہ۔

ابن الجوزی در موضوعات خود غالب این احادیث را مجروح ومطعون ساختہ، دلائل وضع وکذب آنہا را مبرہن نمودہ۔

کتاب "تنزیہ الشریعة" در دفع غائلہ ایں احادیث کافی است، واکثر مسائل نادرہ مثل اسلام ابوین آنحضرت ﷺ وروایات مسح الرجلین از ابن عباس رضی اللہ عنہ وامثال این نوادر از ہمیں کتب می برآید، ومایۂ تصانیف شیخ جلال الدین سیوطی در رسائل ونوادر خود ہمین کتابہا است، واشتغال بہ احادیث ایں کتب واستنباط احکام از آنہا لاطائل می نمایند، مع ہذا اگر کسے را رغبت تحقیق این کتب باشد میزان الضعفاء ذہبی ولسان المیزان ابن حجر عسقلانی برائے احوال رجال ایں کتب بکارش می آید، وبرائے شرح غریب وتوجیہات عبارات آں کتاب مجمع البحار شیخ محمد طاہر بوہرہ گجراتی مغنی است از جمیع مواد۔

چون ترتیب کتبِ حدیث معلوم شد، وطبقۂ اعلیٰ درین باب مؤطا وصحیحین قرار یافت، لابد بیشتر اہتمام بہ تحقیق این ہر سہ کتاب باید فرمود، بعد از ان بہ بقیہ صحاح ستہ باید پرداخت، وظن غالب آنست کہ بعد از تحقیق مؤطا وصحیحین در تحقیق بقیہ صحاح ستہ دو ثلث کار مفروغ عنہ می شود، وقدر قلیل باقی می ماند، لہٰذا بر فوائد متعلقہ باین ہر سہ کتاب کلام را مختصر ساختہ شد۔

فائدہ: در ضبط بعضے اسماء

قاعدہ (۱): اینست کہ ہر جا در کتب حدیث شریف لفظ سلام بیاید آنرا بہ تشدید لام باید خواند مگر پنج جا۔

۱- اول: نام پدر عبداللہ بن سلام کہ صحابی است واز احبار یہود، بشرف ایمان مشرف وبدخول جنت مبشر شد۔

۲- دوم: پدر محمد بن سلام بیکندی کہ شیخ بخاری است، وبیکند [1] بکسر بائے موحدہ وسکون یاء تحتیہ مثل تاشکند نام دیہی است از توابع بخارا۔

۳- سوم: سلام بن محمد ناہض المقدسی، واین شخص را در صحاح ستہ ذکر نیست، از وے حافظ ابو طالب وطبرانی روایت دارد، ونام او سلامہ یاد کردہ است۔

۴- چہارم: جد محمد عبدالوہاب بن سلام [2] غربی معتزلی واین ہم در رواۃ صحاح ستہ نیست۔

۵- پنجم: سلام بن ابی الحُقیق کہ یہودی بود در غایت عداوت وعناد، وذکر شرارت وفساد او در احادیث بسیار است۔ نام این پنج کس را بہ تخفیف باید خواند، وسوائے این پنج کس بہ تشدید۔

قاعدہ (۲): "عُمارہ" ہر جا کہ باشد بضم عین مہملہ است، اما نام پدر اُبی بن عمارہ کہ صحابی است بکسر است۔

قاعدہ (۳): "کُریز" ہر جا کہ بفتح کاف است در قبیلہ خزاعہ، وبضم کاف است بتصغیر در قبیلہ عبد شمس، یعنی درنسب کسے کہ این نام وجود دارد نظر باید کرد اگر خزاعی است بفتح کاف است، واگر عبشمی است مصغر باید خواند۔

(۱) بیکند بفتح ہم جائز است ۱۲ (۲) وہو ابو علی الجبائی ۱۲۔

قاعدہ (٤): ''حزام'' اگر صاحب این نام قریشی است بہ زای یعنی معجمہ وکسر حاء مہملہ باید خواند، واگر انصاری است بفتح حاء مہملہ وفتح راء یعنی مہملہ باید خواند۔

قاعدہ (٥): ''عِسل'' ہرجا بکسر عین وسکون مہملتین است، مگر عَسل بن ذکوان الاخباری البصری کہ بفتح عین وسین است لیکن این شخص مذکور در صحیحین نیست۔

قاعدہ (٦): ''غنّام'' ہرجا کہ باشد بفتح غین معجمہ وتشدید نون است الّا عَثّام بن علی العامری الکوفی کہ فتح عین مہملہ وتشدید مثلثہ است، واز قبیل اول است غنّام بن اوس صحابی بدری۔

قاعدہ (٧): ''قُمیر'' ہرجا تصغیر قمر است، ونام مرد است الّا قَمیر نام زن مسروق ابن الاجدع کہ دختر عمرو است، آنرا بروزن طویل باید خواند۔

قاعدہ (٨): ''مِسور'' ہرجا بوزن مِضرب اسم آلہ است، الّا دو کس: ١- یکے از آنہا مُسوّر بن یزید صحابی، ٢- دوم مُسوّر بن عبدالملک الیَربوعي، ایں ہر دو را بوزن محمد باید خواند۔

فائدہ: در بعضے نسبتہا

قاعدہ (٩): ہرجا کہ لفظ جَمّال واقع شود بجیم است، الّا پدر موسیٰ بن ہارون الحَمّال کہ بجائے مہملہ است۔

قاعدہ (١٠): عَیشی باین صورت اگر در اسناد بصریان واقع شود، عیشی باید خواند نسبت بہ عیش ضد موت، واگر در اسناد کوفیان واقع شود عَبسی خواندہ شود بباء موحدہ وسین مہملہ، وآ اگر در اسناد شامیان است عَنسی باید خواند یعنی بجاے باء موحدہ نون باشد۔

وآز لطائف این فن آنست کہ بعضے جاہا اگر تصحیف لفظی واقع شود غلط نمی شود، بہر صورت کہ خوانند رواست مثل: عیسیٰ بن ابی عیسی الحناط ومسلم حباط کہ اگر این ہر دو را حنّاط خوانند نسبت بہ حنطہ فروشی است، وآگر خَبّاط خوانند نسبت بہ خبط فروشی است، وخَبط بفتح حاء مہملہ وباء موحدہ ودر آخر طاء مہملہ برگ مغیلان است کہ برائے چارواذ خیرہ میکنند ومیفروشند، واگر خیاط خوانند نسبت بہ صنعت خیاطت یعنی دوختن است، وآین ہر دو کس ہر سہ پیشہ داشتہ اند، یکے را بعد دیگرے اختیار کردہ اند، لیکن اَشہر در اول حناط نسبت بحنطہ فروشی یعنی گندم فروشی است، واشہر در ثانی خَبّاط است نسبت بہ خبط فروشی۔

فائدہ: دیگر در بعضے اسماء در موطا وصحیحین: ہرجا این صورت واقع شود ''یسار'' پس بتقدیم تحتیہ بر سین مہملہ باید خواند، الّا نام پدر محمد بَشار کہ باء موحدہ وشین معجمہ دارد، واین شخص استاد بخاری ومسلم است۔

وہر جا در موطا وصحیحین لفظ بشر واقع شود بکسر باء موحدہ وشین معجمہ باید خواند، الّا چہار کس کہ بضم موحدہ وسین مہملہ اند: ١- عبداللہ بن بسر صحابی، ٢- بُسر بن سعید، ٣- بُسر بن عبیداللہ حضرمی، ٤- بسر بن محجن۔

وہر جا درین کتب ثلثہ لفظ بشیر واقع شود بروزن طویل از بشارت کہ بمعنی خبر خوش است باید خواند الا چہار کس کہ

بصیغہ تصغیر اند، دوکس بشین معجمہ: ۱- بُشیر بن کعب عَدَوی، ۲- وبُشیر بن یَسار ودو بسین مہملہ شخصے است کہ اورا بضم یای تحتیہ باید خواند: ۳- یُسیر بن عمرو، ۴- ودیگرے را بنون مضمومہ بخوانند وآں پدر قَطَن بن نُسیر است۔

قاعدہ (۱۱): صورت یزید ہر جا بصیغہ مضارع معروف غائب از زیادت است الا سہ کس: ۱- بُرید بن عبداللہ بن ابی بردہ کہ بضم باء موحدہ وراء مہملہ مفتوحہ است تصغیر برد بمعنی ژالہ، ۲- ونام جد محمد بن عرعرۃ بن البِرِند کہ بکسر موحدہ وراء مہملہ ونون ساکنہ است وبعضے ہر دو را فتح خوانند، ۳- ونام جد علی بن ہاشم بن البَرِید کہ بفتح باء موحدہ وکسر راء ویاء تحتیہ است۔

قاعدہ (۱۲): ہر جا لفظ بَرَاء واقع شود بتخفیف باید خواند وفتح باء موحدہ باید دانست مگر دو کس: ۱- ابوالعالیۃ البرّاء، ۲- وابومعشر البرّاء کہ بفتح باء وتشدید راء است۔

قاعدہ (۱۳): صورت حارثہ بہ حاء مہملہ وراء مکسورہ وثاء مثلثہ مفتوحہ باید خواند مگر در چہار جا کہ بہ جیم وراء ویاء تحتانیہ باید دانست: ۱- جاریہ بن قدامہ، ۲- یزید بن جاریہ، ۳- عمرو بن ابی سفیان بن اُسید بن جاریہ، ۴- الاسود بن العلاء بن جاریہ۔

قاعدہ (۱۴): صورت جَرِیر ہر جا بہ جیم وتکرار راء مہملہ باید دانست الّا دو کس کہ اول نام آنہا حاء مہملہ است وآخر زائے منقوطہ، ۱- حَرِیز بن عثمان الرحبی کہ منسوب برحبہ[1] کوفہ است، ۲- وابوحریز عبداللہ بن حسین کہ راوی عکرمہ است۔

قاعدہ (۱۵): خِراش ہر جا بکسر خاء معجمہ است مگر نام پدر ربعی بن حراش کہ بحاء مہملہ است۔

قاعدہ (۱۶): حُصین ہر جا بصیغہ تصغیر است وبصاد مہملہ، مگر ابوحَصین عثمان بن عاصم کہ بروزن طویل است مگر حُضین بن المنذر ابوساسان کہ بصیغہ تصغیر است وضاد معجمہ۔

حازِم ہر جا درین کتب ثلثہ بہ حاء مہملہ وزائے منقوطہ است الّا نام پدر ابومعاویہ محمد بن خازم کہ مشہور بہ ضریر کوفی است شاگرد اعمش کہ بخاء معجمہ است۔

حبّان بن منقذ وجد محمد بن یحییٰ بن حبان، وخود وجد حبان بن واسع بن حبان وحبان بن ہلال کہ ایں جا بفتح حا وتشدید باء موحدہ باید خواند، وحبان بن عطیہ وحبان بن موسیٰ وحبان العرِقہ کہ این جا بکسر حاء وتشدید بائے موحدہ باید خواند.

حَبِیب ہر جا بفتح حاء مہملہ وکسر باء موحدہ باید دانست بروزن طویل از حُب ومحبت، مگر سہ جا کہ بضم خاء معجمہ بصیغہ تصغیر باید دانست از خبابت بمعنی زیرکی، ۱- خُبیب بن عدی، ۲- خُبیب بن عبدالرحمٰن، ۳- ابوخُبیب کنیت عبداللہ بن الزبیر

حکیم ہر جا بوزن طویل از حکمت باید خواند مگر در رُزیق بن حُکیم وحُکیم بن عبداللہ کہ تصغیر است۔

رَباح ہر جا بباء موحدہ است وراء مفتوحہ مگر پدر ابوقیس زیاد بن ریاح کہ بیائی تحتیہ وکسر راء است۔

---

(۱) محلہ بالکوفہ ۱۲ قاموس۔

زُبید در صحیحین بضم زای منقوطہ و باء موحدہ مفتوحہ باید خواند تصغیر زُبد بمعنی مسکہ و در موطا زُبید تصغیر زید کہ نام مشہور است باید خواند۔

سُلیم ہر جا در سہ کتاب بصیغہ تصغیر است مگر سَلیم بن حَیّان کہ بروزن طویل است۔

وسَلْم ہر جا بفتح سین و سکون لام است۔

شُریح ہر جا بضم شین معجمہ و در آخر حاء مہملہ است مگر سہ کس کہ بسین مہملہ مضمومہ و جیم است: ۱- سُریج بن یونس، ۲- سُریج بن النعمان، ۳- احمد بن ابی سریج۔

سُلَیمان ہر جا پیغامبر (بیائے تحتانیہ) معروف است مگر شش کس: ۱- سلمان فارسی، ۲- وسلمان بن عامر ضبی، ۳- وسلمان الأغر، ۴- عبدالرحمٰن بن سلمان، ۵- ابو حازم کہ راوی ابو ہریرہ است نام او سلمان است، ۶- ابو رجاء (۱) مولائے ابو قلابہ نام او نیز سلمان (کہ این ہمہ بحذف یاء است) است۔

سَلَمة ہر جا بفتحات است مگر دو جا بکسر لام باید خواند: ۱- عُمر بن سَلِمہ الجرمی کہ امام مسجد بصرہ بود، ۲- بنو سلمہ قبیلہ از انصار۔

عُبیدة ہر جا بہ تصغیر وارد شدہ مگر چہار جا: ۱- عَبیدہ سلمانی شاگرد حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ، ۲- عبیدہ بن حُمید، ۳- عبیدہ بن سفیان، ۴- عامر بن عبیدہ الباہلی۔

عُبادة ہر جا بضم عین و تخفیف باء است الا محمد بن عبادة الواسطی استاد بخاری کہ بفتح عین است۔

عَبدة ہر جا بفتح عین و سکون باء موحدہ لا عامر بن عبدہ کہ در خطبہ کتاب مسلم واقع شدہ بفتحتین باید خواند و بُجالة بن عبدة۔

عَبّاد ہر جا بفتح عین و تشدید موحدہ است مگر قیس بن عُباد کہ بضم عین و تخفیف موحدہ است۔

عَقیل بفتح عین و کسر قاف است الا سہ کس کہ بصیغہ تصغیر اند: ۱- عُقیل بن خالد شاگرد ابن شہاب زہری، ۲- یحیٰی بن عُقیل، ۳- بنو عُقیل قبیلہ مشہور و معروف۔

واقد ہر جا بقاف است۔

لفظ نصر اگر معرف بہ لام واقع شود بضاد معجمہ باید خواند مثل ابی النضر والنضر بن الحارث، و اگر بے لام تعریف باشد نصر بصاد مہملہ باید خواند و این فرق اصطلاحی کہ برائے امتیاز در کتابت اختیار کردہ اند مثل عُمر و عَمرو۔

عُبید و حُمید ہر جا مصغر است۔

أیلي منسوب بہ ایلہ کہ شہریست در حدود شام، بفتح ہمزہ و سکون یاء تحتانیہ و تخفیف لام، و بایں صورت مشتبہی شود أُبُلّی منسوب بأُبُلّہ بضم ہمزہ و باء موحدہ مضمومہ و تشدید لام، لیکن در صحیحین ہیچ کس اُبلی واقع نشدہ و اگر واقع شدہ نسبت او

(۱) لیکن نام ایں ہر دو کس دریں کتب ثلٰثہ مذکور نیست بلکہ کنیت ایشاں مذکور است ۱۲۔

مذکور نشدہ مثل شیبان بن فرّوخ کہ مسلم از و روایت کردہ است لیکن اوراٱبُلّی نگفتہ۔

بَـزّاز　ہرجا بدوزاءِ منقوطہ یعنی پارچہ فروش، من البزّ وہی الثیاب، مگر دو کس: بزّ ار یعنی اول زای منقوطہ وآخر راء بے نقطہ، وبزّ ار در عربی بزرفروش یعنی تخم فروش را گویند وصاحب این صنعت را در ہندی پنساری نامند، ا- خلَف بن ہشام البزّ ار، ۲- الحسَن بن الصباح البزّ ار۔

البصری　ہرجا بہ باء موحدہ است نسبت بہ شہر بصرہ، الّا سہ کس بنون اند نسبت ا- بنی نصر کہ قبیلہ ایست معروف، ۲- مالک بن اوس النصری، ۳- عبدالواحد بن عبداللہ النصری، سالم بن فلاں مولی النصریین۔

الثَّوری ہرجا بثاء مثلثہ است مگر ابویعلی محمد بن الصلت التوزی کہ بتاء مثناۃ فوقانیہ وتشدید واو است نسبت بہ توز، ودر آخرش زاء منقوطہ است۔

الـجُـريـري　ہرجا بجیم است وبہ تصغیر مگر یحییٰ بن ایوب جَریری کہ بفتح جیم است ویحییٰ بن بشر حَریری استاد بخاری ومسلم بفتح حاء مہملہ کہ نسبت بحریر است یعنی ابریشم۔

السَّلَمي ہرجا بفتح لام است واهل الحديث يُكَسِّرُونَه فيما جاء منسوبا الى بني سلمة من الأنصار.

الهَـمـدانـي　کلہ بسکون المیم نسبت بہ قبیلہ ہمدان، واما ہمذان بفتح میم پس نام شہری از شہرہائے عراق عجم، در صحیحین نسبت بآں شہر واقع نشد۔

فـائـده:　قاعدۂ محدثین است کہ راوی را بہ کنیت ونسب ونسبت ونام وصنعت ذکر کنند، وغرض ایشان درین مبالغہ احتیاط کامل است زیرا کہ محض نام گاہے مشترک می شود پس تمیز راوی از غیر او بدون مبالغہ متحقق نمی شود بلکہ بعضے جاہا نام راوی ونام پدر او نیز مشترک واقع شدہ؛ نوشتہ اند کہ خلیل بن احمد شش کس گزشتہ، وانس بن مالک پنج کس۔

وبعضے جاہا نام راوی وپدر وجد او مشترک واقع شدہ چنانچہ احمد بن جعفر بن حمدان چہار کس اند کہ نام خود آنہا ونام پدر وجد آنہا متفق واقع شدہ، ومحمد بن یعقوب بن یوسف دو کس اند۔

وبعضے جاہا کنیت ونسب متفق واقع شدہ است ابوعمران جونی دو شخص اند: یکے را عبدالملک ابن حبیب نام است ودیگرے را موسیٰ بن سہل، وابوبکر بن عیاش سہ کس اند۔

بالجملہ این قدر تعمق محدثین را رایگان نباید شمرد، وغرض ایشان احتیاط است در تمیز، تا راوی ضعیف با راوی ثقہ مشتبہ نشود، اگر ہر دو کس در صفت عدالت ووثوق متفق باشند پس اشتباہ ضرر نمی کند لیکن محدثین را در تمیز ایں قسم ہم قرائن واشارات اند مثل سفیان ثوری وسفیان بن عیینہ بشیوخ وتلامذہ امتیاز حاصل می شود واگر شیوخ وتلامذہ ہم متحد باشند پس امتیاز بسیار دشوار میشود ودر ہمین مواضع امتحان محدثیت می کنند۔

ونیز در بصرہ دو امام فن حدیث در یک زمان بودہ اند کہ آنہا را ''حمادین'' می گفتند: حماد بن زید بن درہم وحماد بن

سلمہ، پس در صحیحین ہر جا روایت عارم از حماد باشد باید دانست کہ حماد بن زید است واگر موسیٰ بن اسماعیل تبوذ راوی باشد پس حماد بن سلمہ است۔

عبداللہ مطلقاً در صحیحین آمدہ در درجہ صحابہ عبداللہ بن مسعود و در درجۂ ائمۃ الحدیث عبداللہ بن المبارک است۔

أبو جَمرۃ بہ جیم وراء مہملہ شاگرد ابن عباسؓ وابو حمزہ بہ حاء مہملہ وزاء منقوطہ نیز شاگرد ابن عباسؓ است وشُعبہ از ہر دو روایت دارد پس اصطلاح اینست کہ شعبہ ہر گاہ مطلق ابو جمرہ بگوید مراد نصر بن عمران است کہ بہ جیم است وہر گاہ مقید کند بہ نسب پس مراد ابو حَمزہ بحاء مہملہ است واللہ اعلم۔

ودر بعضے جاہا نامِ مادر بہ پدر مشتبہ می شود لیکن بخوض وتعمق معلوم می شود کہ نامِ مادر است نہ پدر، چنانکہ در حدیث معاذ ومعوذ ابنی عفراء، پس عفراء نام مادر آنہا است وپدر آنہا حارث است، ودر بعضی روایات آمدہ بلال بن حَمامہ واو بلال بن رباح (موذن مسجد نبوی ﷺ) است خادم پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام، نام مادر او حَمامہ است، ونیز در صحیحین آمدہ عبداللہ بن بحینہ وبحینہ نام مادر اوست ونامِ پدر او مالک است، ودر بعضے مواضع جمع کردہ گفتہ اند عبداللہ بن مالک ابن بحینہ، پس در اینجا نام مادر او بنام جد او مشتبہ می شود ولہٰذا مقرر کردہ اند کہ درمیان لفظ مالک وبحینہ الف ابن را ثابت دارند وساقط نکنند تا معلوم شود کہ صفتِ عبداللہ است نہ صفت مالک، وماننِد محمد بن الحنفیہ کہ پدر بزرگوار او امیر المؤمنین علی بن ابی طالب وحنفیہ نسبت بمادر اوست ونامش خولہ بنت جعفر است کہ سردارِ یمامہ وسید بنی حنیفہ بود، مانند اسمٰعیل بن عُلَیہ نام پدر او ابراہیم است۔

ونسبت شخص بجد او در کتب حدیث بلکہ در محاورات عرب شائع ومشہور است "انا ابن عبد المطلب" برآن گواہ است، وعجب آنست کہ گاہے نسبت بجدہ نمایند مثل: یعلی بن منیہ صحابی کہ منیہ نام جدہ اوست کہ مادرِ پدرش بودہ، وبشیر بن الخصاصیہ نیز از ہمیں باب است وآنچہ منسوب بجد ہا ست بسیار است مثل: ابوعبیدۃ بن الجراح کہ نام پدرش عبداللہ بن الجراح است، ومثل ابن الجریج کہ نامش عبدالملک بن عبدالعزیز بن جُریج است واحمد بن حنبل نام پدرش محمد است۔

وگاہے نسبت کنند بہ تبنّی یعنی پسر خواندگی مثل مقداد بن اسود در اصل مقداد بن عمرو بن ثعلبۃ الکندی است واسود بن عبدِ یغوث زُہری قرشی پرورش کرد، متبنّی ساخت منسوب باوشد، ومانند حَسن بن دینار در اصل حَسن بن واصل ودینار شوہر مادرش بود۔

اقسام کتب حدیث

قسم اول: ونیز باید دانست کہ کتابہائے حدیث طرقِ متنوعہ دارند یک قسم را جامع گویند وجامع در اصطلاح محدثین آنست کہ جمیع اقسامِ حدیث در و یافتہ شود یعنی احادیثِ عقائد واحادیثِ احکام واحادیثِ رقاق واحادیثِ آدابِ اکل وشرب وسفر وقیام وقعود واحادیثِ متعلقہ بتفسیر واحادیث تاریخ وسیر واحادیث فتن واحادیث مناقب ومثالب، وعلماء

حدیث در ہر فن از ین فنون ثمانیہ جدا جدا تصنیف کردہ اند۔

پس احادیث عقائد را علم التوحید والصفات نامند وابوبکر بن خُزیمہ کتاب التوحید نوشتہ وبیہقی نیز کتاب الاسماء والصفات دارد۔

احادیث احکام را سنن نامند از کتاب الطہارۃ تا کتاب الوصایا بر ترتیب فقہ، وکتب مصنفہ درین باب بیشمار اند۔

احادیث رقاق را علم سلوک وزہد نامند، امام احمد وعبداللہ بن المبارک وجمعے دیگر کتاب الزہد جدا نوشتہ اند۔

احادیث آداب را علم الآداب گویند بخاری کتابے مبسوط دارد درین فن کہ اورا کتاب الادب المفرد گویند۔

احادیث متعلقہ بتفسیر را تفسیر گویند تفسیر ابن مردویہ وتفسیر دیلمی وتفسیر ابن جریر وغیرہ مشاہیر تفاسیر حدیث اند، وکتاب درمنثور شیخ جلال الدین سیوطیؒ جامع ہمہ است۔

واحادیث تاریخ وسیر را دو قسم کردہ اند: ۱- آنچہ متعلق بخلق آسمان وزمین وحیوانات وجن وشیاطین وملائکہ وانبیاء ماضیین وامم سابقین است این قسم را بدء الخلق نامند۔

۲- وآنچہ متعلق بوجود باوجود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم وصحابۂ کرام وآل عظام اوست از ابتدائے تولد آنجناب تا غایت وفات آں را سیرۃ نامند، سیرۃ ابن اسحٰق وسیرۃ ابن ہشام وسیرۃ ملا عمر ودیگر کتب بسیار دریں باب مُصنّف شدہ، وبالفعل نسخۂ صحیحۂ روضۃ الاحباب میر جمال الدین محدث حسینی اگر بہم رسد کہ خالی از الحاق وتحریف باشد بہتر از ہمہ تصانیف این باب است ومدارج النبوۃ شیخ عبدالحق محدث وسیرت شامیہ ومواہب لدنیہ مبسوط ترین سیر تہا اند۔

واحادیث فتن را علم الفتن نامند نُعیم بن حَماد کتاب الفتن بسیار بہ طول وعرض نوشتہ ورَطب ویابس درآن آوردہ ودیگراں ہم دریں باب تصانیف دارند.

واحادیث مناقب ومثالب را علم المناقب گویند درین باب نیز تصانیف متعددہ متنوعہ واقع شدہ وبعضے محدثین بالخصوص مناقب بعضے از آل واصحاب را جدا نوشتہ اند برائے غرضیکہ متعلق باشد بآں مثل مناقب قریش ومناقب الانصار ومناقب العشرۃ المبشرۃ کہ تصنیف محبّ طبری است مسمّی بہ "الرياض النضرة [1] في مناقب العشرة المبشرة" و"ذخائر العقبىٰ في مناقب ذوي القربىٰ" و"حَلبة الكميت في مناقب أهل البيت" و"الديباج في مناقب الازواج" وکتب بسیار در مناقب خلفاء راشدین مصنف شدہ وبالتخصیص "القول الصواب في مناقب أمير المؤمنين عمر بن الخطاب رضي الله عنه" و"القول الجلي في مناقب أمير المؤمنين علي رضي الله عنه" است، ونسائی در مناقب امیر المؤمنین علیؓ رسالہ دراز نوشتہ ونواصب شام بجہت فرط تعصب وعداوت اورا در دِمشق برین عمل شہید ساختند رحمۃ اللہ علیہ۔

پس جامع آنست کہ ازین ہر فن نمونہ داشتہ باشد مثل جامع بخاری وجامع ترمذی، وصحیح مسلم ہر چند احادیث ایں

(۱) في المطبوعة "رياض النضرة".

فنون دارد لیکن احادیث متعلقہ بتفسیر وقراءت ندارد وازیں جہت اورا جامع نگویند۔

قسم دوم: وقسم دیگر از تصانیف حدیث مسانید است ومُسنَد در اصطلاح محدثین آنست: کہ احادیث را بترتیب صحابہ ذکر نمایند موافق حروف تہجی یا موافق سوابق اسلامیہ یا موافق شرافتِ نسب، پس اگر بر حروف تہجی جمع نمایند احادیثِ مرویۂ ابوبکر صدیقؓ مقدم نویسند واحادیثِ اُسامہ بن زید وانس بن مالک رضی اللہ عنہما علی ہذا القیاس مقدم بر احادیث دیگر صحابہ کبار خواہند نوشت، واگر موافق سوابق اسلامیہ نویسند عشرہ مبشرہ را مقدم دارند وخلفاء راشدین را بر ترتیب خلافت پیش از ہمہ ذکر نمایند بعد از آن اہلِ بدر واہل حدیبیہ، بعد از آن مُسلِمۃ الفتح، بعد از آن احادیث نساء صحابیات مذکور شود وازواج مطہرہ را مقدم بر ہمہ نساء نمایند، واز بنات مطہرہ روایتِ احادیث واقع نیست مگر قدرے قلیل از سیدۃ النساء زہرا رضی اللہ عنہا، زیرا کہ اکثر بنات در حضور آنجناب ﷺ داخل بہشت شدند، وسیدۃ النساء بقدر شش ماہ بعد از وفات آنحضرت ﷺ در دنیا بودند، وبعد از آن ملحق بہ جناب پدر بزرگوار شدند پس فرصتِ نیافتند، واگر بر قبائل ونَسب ترتیبِ مسند نمایند اول مسانید بنی ہاشم خصوصاً حسنین وامیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہم نمایند، وبعد از آن ہر قبیلہ کہ اقرب باشد از روئے نسب بآں حضرت مقدم باشد، پس احادیث عثمان ﷺ مقدم بر احادیث ابوبکر صدیق ﷺ باشد واحادیث ابوبکر صدیق وطلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہما مقدم بر احادیث عمر بن الخطاب ﷺ باشد وعلیٰ ہذا القیاس۔

قسم سوم معاجم، ومُعجم در اصطلاح محدثین آنست کہ احادیث را بر ترتیب شیوخ ذکر نمایند ودرایں جا ہم تقدم ووفاتِ شیخ اعتبار کنند یا موافق فضیلت وتقدم در علم وتقویٰ ترتیب نمایند، لیکن اکثر بر حروف تہجی ترتیب می نمایند ومعاجم ثلاثہ طبرانی از ہمیں قسم است۔

قسم چہارم اجزاء اند، وجزو در اصطلاح محدثین آنست کہ تالیف کردہ شود احادیث مرویہ یک شخصِ خاص خواہ آن شخص در طبقہ صحابہ باشد یا بعد از آن، مثلاً: جزوِ حدیث ابی بکر، وجزوِ حدیث مالک وعلی ہذا القیاس وایں قسم بسیار است، وگاہے از مطالبی کہ در ذکر جامع گذشت یک مطلب جزئی را اختیار می نمایند ودر آن تصنیفے مبسوط می کنند چنانچہ باب النیۃ را ابوبکر بن ابی الدنیا کتابے مبسوط نوشتہ، وبابِ رؤیۃ اللہ را آجری تصنیف کردہ وذمّ دنیا را ابن ابی الدنیا کتابے مبسوط نوشتہ وعلیٰ ہذا القیاس۔

رسائل جزئیہ در امورے کہ جزئیات مطالب ثمانیہ مذکورہ اند بسیار مصنف شدہ اند بحدیکہ احصاء وتعداد آنہا خارج از طوق بشری است، حافظ ابن حجر وشیخ جلال الدین سیوطی در تصنیف رسائل خیلے وسعت دارند۔

قسمے دیگر است از تصانیف احادیث کہ آنرا اربعین نامند یعنی چہل حدیث، در یک باب یا ابواب متفرقہ بیک سند یا اسانید متعددہ جمع نمایند، **واربعینات** ہم بیشمار اند دیدہ وشنیدہ میشوند۔

پس اقسام تصانیف حدیث شش اند: جوامع ومسانید ومعاجم واجزاء ورسائل واربعینات، رسائل را کتب نیز نامند۔

وامر ثانی یعنی احتیاط در فہم معانیِ احادیث پس موادِ آن نیز از تحقیق امر اول معلوم شد زیرا کہ مشارق الانوار در توضیح معانی احادیث صحیحین ومؤطا کافی است، وجامع الاصول در کتب ستہ مُغنی است، ومجمع البحار شیخ محمد طاہر در تحقیق جمیع کتب حدیث یعنی طبقاتِ اربعہ مذکورہ کافی است، وشرح عبدالرؤف مناوی بر جامع صغیر شیخ جلال الدین سیوطی نیز اکثر احادیث را کفایت می کند، لیکن ایں قدر باید دانست کہ در شرح وتوجیہ احادیث کلام گونا گون ورطب ویابس بسیار بوقوع آمدہ۔

حالا اشخاصے را کہ دریں باب محلِ اعتماد اند باید شناخت واز کتب وتصانیف اینہا بہرہ باید برداشت۔

وامام نووی ومحی السنۃ البغوی وابوسلیمان خطابی از جملہ علماء شافعیہ خیلے معتمد علیہ وسخن ایشاں متین ومضبوط واقع است خصوصا شرح السنۃ بغوی در فقہ حدیث وتوجیہ مشکلات کافی وشافی است، گویا شرح مصابیح ومشکوٰۃ از آن کتاب حاصل است، وشرح صحیح مسلم از امام نووی است ومعالم السنن شرح ابی داؤد از خطابی است۔

طحاوی از جملہ علماء حنفیہ در شرح احادیث سرآمد وپیشوا است، "معانی الآثار" کتاب او دریں باب دست آویز حنفیانست۔

وابن عبد البرّ از مالکیہ مقدم آن جماعۃ است، وکتاب استذکار وتمہید درین باب یادگار اوست، شراح کتبِ حدیث بسیار اند کہ تعدادِ اسماء وکتبِ آنہا درین وقتِ عجلت امکان ندارد، وسخن ہر یک را قماشی دیگر است، لیکن ہمہ آنہا آخذ ومستفید ازین چند کس اند کہ مذکور شدند، پس اگر کتبِ این جماعۃ بدست آید حاجت از تشویشات وتکلفاتِ باردہ متاخرین مرتفع میگردد، وبرائے فہم معانی احادیث ودفع تعارض من بینہا حضرت والد ماجد قدس سرہ قواعد عجیبہ وفوائد غریبہ تنسیق فرمودہ اند اگر ان شاء اللہ تعالیٰ فرصت حاصل شود برخے از آن نقل کردہ برائے آن برادر خواہد فرستاد۔

وکتاب "المغیث فی مُختلف الحدیث" نیز برائے انموذج خوب است، چون از مطالب مقصود فصل فارغ شدیم حالا بہ مطالب فصل دوم پردازیم۔

فصل دوم در ذکر سند علم حدیث

باید دانست کہ این فقیر این علم وجمیع علوم را از خدمت والدِ ماجد خود اخذ کردہ است، وبعضے کتبِ این علم را مثل مصابیح ومشکوٰۃ ومسوّی شرح موطا کہ از تصانیف ایشانست، وحصن حصین وشمائل ترمذی از خدمتِ ایشان قراءۃ وسماعاً بہ تحقیق وتفتیش اخذ نمودہ، قدرے از اوائل صحیح البخاری نیز بطریق درایت از ایشان، وصحیح مسلم ودیگر صحاح ستہ را بر ایشاں سماعِ غیر منتظم دارد باین نحو کہ بحضور ایشان طلبہ میخواندند واین فقیر ہم حاضری بود وتحقیقات وتنقیحاتِ ایشان را می شنید تا آنکہ ملکہ معتد بہا در فہم معانیِ احادیث وادراک دقائق اسانید بفضلہٖ تعالیٰ حاصل شد، بعد از آن بناء بر رسم اجازت از یاران عمدہ

ایشان مثل شاہ محمد عاشق پہلتی وخواجہ محمد امین ولی اللّٰہی نیز حاصل کرد، وشاہ محمد عاشق پہلتی در سماع قراءۃ بر شیخ ابوطاہر قدس سرہ ودیگر مشائخ حرمین محترمین شریک ورفیق حضرت ایشان بودند، وحضرت ایشان اول در دیارِ خود بعضے کتبِ حدیث مثل مشکوٰۃ وصحیح بخاری بخدمت والدِ بزرگوار خود گزرانیدہ بہ طریقِ درایت اخذِ این علم فرمودہ بودند، وسند ایشان بواسطۂ محمد زاہد تا مُلا جلال الدین دوانی می رسد، وسند حدیث ایشان در اوائل "أنموذج العلوم" بتفصیل مذکور است، ونیز حضرت والدِ ماجدِ فقیر از حاجی محمد افضل کہ صاحب السندِ این دیار بودند اجازت حاصل فرمودہ بودند، وسند ایشان در رسائل ایشان مذکور است، آخراً حضرت والد ماجد در مدینہ منورہ ودر مکہ معظمہ از اجلّہ مشائخ حرمین، این علم باستیعاب واستقصا فرا گرفتند وپیشتر استفادہ ایشاں از جناب حضرت شیخ ابوطاہر مدنی قدس سرہ بود کہ یگانۂ عصر خود بودند درین باب رحمۃ اللہ علیہ وعلی اسلافہ ومشائخہ، واز حسن اتفاقات آنکہ شیخ ابوطاہر قدس سرہ سندِ مسلسل دارند بہ صوفیان وعرفا تا شیخ زین الدین زکریا انصاری وہو انہ اخذ عن ابیہ الشیخ ابراہیم الکردی وہو عن الشیخ احمد القشاشی وہو عن الشیخ احمد الشناوی وہو عن والدہ الشیخ علی بن عبد القدوس الشناوی وایضاً عن الشیخ محمد بن ابی الحسن البکری وایضاً عن الشیخ محمد بن احمد الرملی وایضاً عن الشیخ عبد الرحمٰن بن عبد القادر بن فہد وہؤلاء کلہم من اجلّۃ المشائخ العارفین باللہ والشیخ علی بن عبد القدوس عن الشیخ ابن حجر المکی وعن الشیخ عبد الوہاب الشعراوی، وہما عن شیخ الاسلام زین الدین زکریا الانصاری والشیخ محمد بن البکری عن والدہ العارف باللہ ابی الحسن البکری، ہو عن الشیخ زین الدین زکریا، وکذلک الشیخ محمد الرملی عن والدہ وعن الزین زکریا، واما الشیخ عبد الرحمٰن بن عبد القادر بن فہد عن عمہ عن جار اللہ بن فہد عن الشیخ جلال الدین السیوطی: ونیز شیخ ابوطاہر قدس سرہ از شیخ حسن عُجیمی اخذ واستفادہ نمودہ اند، وشیخ حسن عجیمی شاگرد شیخ عیسیٰ مغربی شاگرد شیخ محمد بن العلاء البابلی شاگرد شیخ سالم سنہوری، وسالم سنہوری از شیخ نجم الدین غیطی فرا گرفتہ، ونجم الدین غیطی از شیخ الاسلام زین الدین زکریا انصاری اخذ نمودہ، ونیز شیخ عیسیٰ مغربی بوسائط بسیار از شیخ جلال الدین سیوطی اخذ کردہ؛ نیز حضرت شیخ ابوطاہر از شیخ احمد نخلی کہ اعلم عصر خود در مکہ بودند اخذ کردند، وشیخ احمد نخلی از شیخ سلطان مزّاحی، وایشان از شہاب الدین احمد بن خلیل سُبکی، وایشان از شیخ محمد مقدسی، وایشان از شیخ زین الدین زکریا؛ ونیز حضرت شیخ ابوطاہر از شیخ عبد اللہ بن سالم بصری اخذ نمودند وایشان از اقران شیخ احمد نخلی بودند واز مشائخ شیخ احمد نخلی اخذ کردند، ونیز شیخ ابوطاہر از شیخ محمد بن محمد بن سلیمان مغربی؛ بالجملہ ہر یک ازین عزیزان بدو واسطہ یا سہ واسطہ بہ طرق (فی المطبوعۃ طریق) کثیرہ شجرہ مُلتقہ بہ شیخ زین الدین زکریا وشیخ جلال الدین سیوطی وشمس الدین سخاوی وعبد الحق سُنباطی وسید کمال الدین محمد بن حمزۃ الحسینی میرسند، وہر یکے ازین مذکورین مستند وحافظِ وقت خود بودند وتصانیف اینہا دائر وسائر واسانید اینہا در آفاق معروف ومشہور است، حالا چند کتاب بہ طریق نمونہ نوشتہ شود وباقی اسانید متنوعہ وجوہ متکثرۂ ہر کتاب حوالہ بر کتاب الارشاد الی مہمات الاسناد تصنیف حضرت والد ماجد قدس سرہ نمودہ آید۔

کتاب المؤطا: والد ماجد آنرا بر شیخ محمد وفد اللہ مکی بتمامہ گزرانیدند، وایشاں بر والد خود شیخ محمد بن محمد بن محمد بن سلیمان مغربی وسند شیخ ابن سلیمان در کتاب صلۃ الخلف مذکور است، ونیز شیخ محمد وفد اللہ این کتاب را از شیخ حسن عجیمی گرفتند واز شیخ عبد اللہ بن سالم بصری گرفتند، واین ہر دو بزرگوار از شیخ عیسیٰ مغربی، وایشان از شیخ سلطان محمد بن احمد مزّاحی ومزاحہ نام دیہی است بہ تشدید زای منقوطہ از دیہات متعلقۂ مصر، وشیخ سلطان از شیخ احمد بن خلیل سُبکی وسبکہ دیہی است از دیہات مصر، وایشان از شیخ محمد نجم الدین بن احمد غیطی وغیطہ نیز از دیہات مصر است، وایشان از شیخ شرف الدین عبد الحق بن محمد السنباطی، وایشان از شیخ ابومحمد الحسن بن محمد بن ایوب الحَسَنی النسابہ، وایشان از عم خود حَسَن بن ایوب النسابہ وایشان از ابوعبد اللہ محمد جابر الوادیاشی ووادِیاش نام شہریست در مغرب، وایشان از شیخ ابومحمد عبد اللہ بن محمد بن ہارون قرطبی وقرطبہ بضم قاف وطاء مہملہ وباء موحدہ شہریست در اَندلس، وایشان از قاضی ابوالقاسم شیخ احمد بن یزید قرطبی، وایشان از شیخ محمد بن عبد الرحمٰن بن عبد الحق الخزرجی القُرطبی، وایشان از شیخ محمد بن فَرَج مولی بن الطلّاع، وایشان از قاضی ابوالولید یونس بن عبد اللہ بن مغیث الصفّار، وایشان از ابوعیسیٰ یحییٰ بن عبد اللہ بن یحییٰ بن یحییٰ، وایشان از عم پدر خود عبید اللہ بن یحییٰ، وایشان از پدر خود یحییٰ بن یحییٰ لیثی مَصمُودِی اَندلسی کہ اجلّ تلامذۂ حضرت امام مالکؒ بود، وباعث رواج مذہب ایشان در مغرب زمین اوشد، ویحییٰ بن یحییٰ ایں کتاب را از امام مالک اخذ کرد وصاحب نسخہ اوست، ومصمودہ نام قبیلہ ایست از بَربَر کہ در زمین مغرب می باشد وورای ایں سند سند ہائے دیگر ہم این کتاب را بسیار است کہ در کتاب الإرشاد إلی مهمات الإسناد مذکور است لیکن این سند مسلسل بسماع وقراءت است بخلاف سند ہائے دیگر کہ در آنہا اکثر جاہا با جازت محض اکتفا رفتہ است۔

صحیح البخاری: حضرت شیخ ابوطاہر از والد خود شیخ ابراہیم الکردی خواندند، وایشاں از شیخ احمد قشاشی، وایشان از شیخ ابوالمواہب احمد بن عبد القدوس الشناوی، وایشان از شیخ شمس الدین محمد بن احمد بن محمد رملی، وایشان از شیخ الاسلام ابویحییٰ احمد زکریا بن محمد الانصاری، وایشان از شیخ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر الکنانی عسقلانی کہ صاحب فتح الباری شرح صحیح بخاری اند، وایشان از شیخ زین الدین ابراہیم بن احمد تنوخی، وایشان از ابوالعباس احمد بن ابی طالب الحجار یعنی حجر فروش، وایشان از شیخ سراج الدین حسین بن مبارک حنبلی زَبیدی وزَبید شہریست مشہور در یَمن بر کنار دریائے شور، وایشاں از ابو الوقت عبد الاول بن عیسیٰ بن شعیب السجزی الہروی، وایشان از ابوالحسن عبد الرحمٰن بن مظفر بن محمد بن داوٗد الداوٗدی، وایشان از ابومحمد عبد اللہ بن احمد السرخسی، وایشان از ابوعبد اللہ محمد بن یوسف بن مطر بن صالح بن بشر الفِرَبری- فِرَبر بکسر فاء وفتح را وسکون باء موحدہ دیہے است از توابع بخارا- واین محمد بن یوسف از ارشد تلامذہ بخاری است ونسخہ بخاری از طرفِ او شہرت یافتہ است، وایشاں از صاحب کتاب ابوعبد اللہ محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن المغیرۃ بن بَردِزبَۃ البخاری الجعفی مولی الجعفیین بالولاء وبَردِزبَہ بہ فتح باء موحدہ وسکون راء وکسر دال مہملتین وسکون زای معجمہ وفتح باء موحدہ بعد ہا ہاء بلغت پہلوی قدیم است بمعنی کارندہ ومزارع، جعفی بضم جیم واسکان عین مہملہ وفاء واین سند نیز مسلسل بسماع است من اولہ الی آخرہ۔

صحیح مسلم: حضرت شیخ ابوطاہر آنرا از والد بزرگوار خود شیخ ابراہیم کردی گرفتند وایشاں از شیخ سلطان مزّاحی، وایشاں از شیخ شہاب الدین احمد بن خلیل سُبکی، وایشاں از نجم الدین غیطی، وایشاں از شیخ زین الدین زَکریا، وایشاں از شیخ ابن حجر عسقلانی، وایشاں از شیخ صلاح بن ابی عمر المقدِسی، وایشاں از شیخ فخر الدین ابوالحسن علی بن احمد بن عبدالواحد المقدِسی معروف ابن البخاری، وایشاں از شیخ ابوالحسن مؤید بن محمد طوسی، وایشاں از فقیہ الحرم ابوعبداللہ محمد بن فضل بن احمد الفراوی، وایشاں از امام ابوالحسین عبدالغافر بن محمد الفارسی، وایشاں از ابواحمد محمد بن عیسیٰ الجلو دی النیسابوری، وایشاں از ابواسحٰق ابراہیم بن محمد بن سفیان الفقیہ الجلو دی ۔نسبۃ الی جمع جلد لانہ کان یسکن سکۃ الجلو دیین فی نیسابور۔ وایشاں از مؤلف الکتاب ابوالحسین مسلم بن الحجاج القُشیری النیسابوری۔

سنن ابی داؤد: حضرت شیخ ابوطاہر آن را از شیخ حسن عُجیمی اخذ نمودند، وایشاں از شیخ عیسیٰ مغربی، وایشاں از شیخ شہاب الدین احمد بن محمد خفّاجی، وایشاں از بدرالدین حسن کَرخی کہ مُسند وقت بود، وایشاں از حافظ **ابوالفضل** جلال الدین سیوطی، وایشاں از شیخ محمد بن مقبِل حَلَبی، وایشاں از شیخ صلاح بن ابی عمر المقدِسی، وایشاں از ابوالحسن **فخر الدین** علی بن محمد بن احمد بن البخاری، وایشاں از مسند الوقت ابوحفص عمر بن محمد بن طبرزد بغدادی، وایشاں از دو شیخ **بزرگوار ابراہیم** بن محمد بن منصور الکرخی وابوالفتح مفلح بن احمد بن محمد الدومی ۔منسوب الی دَومۃ الجندل موضع فاصل بین حد الشام **والعراق** کان فیہ قصۃ التحکیم ۔، واین ہر دو شیخ از حافظ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی کہ صاحب **تاریخ بغداد است** وتصانیف بیشمار در علم حدیث دارد، وایشاں از ابوعمر القاسم بن جعفر بن عبدالواحد الہاشمی، وایشاں از ابوعلی **محمد بن احمد** اللؤلؤی، وایشاں از صاحب الکتاب ابوداؤد سلیمان بن اشعث السِّجِستانی۔

جامع ترمذی: حضرت شیخ ابوطاہر از حضرت شیخ محمد ابراہیم کردی، وایشاں از شیخ سلطان مزّاحی، وایشاں از شیخ شہاب الدین احمد بن خلیل سُبکی، وایشاں از شیخ نجم الدین محمد غیطی، وایشاں از شیخ زین الدین زکریا بن محمد الانصاری، وایشاں از شیخ عزالدین عبدالرحیم بن علی بن الفرات القاہری الحنفی، وایشاں از عمر بن ابی الحسن المراغی، ۔مراغۃ بفتح میم شہریست مشہور در ولایتِ ایران۔، وایشاں از شیخ فخر الدین ابن البخاری، وایشاں از شیخ عمر بن طَبرزد البغدادی، وایشاں از شیخ ابوالفتح عبدالملک بن عبداللہ بن ابی سَہل الکروخی، ۔کروخ بفتح کاف وضم راء مہملہ مخففہ بلدۃ بنواحی ہرات۔، واین شیخ ابو الفتح صاحبِ نسخۂ ترمذی است، وایشاں از قاضی ابوعامر محمود بن القاسم بن محمد الازدی، وایشاں از شیخ ابومحمد عبدالجبار بن محمد بن عبداللہ بن ابی الجراح الجراحی المروزی ۔ وہونسبۃ الی مروشاہجہان بلدۃ مشہورۃ بخراسان۔ وایشاں از ابوالعباس محمد بن احمد بن محبوب المحبوبی المروزی، وایشاں از صاحب الکتاب ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ الترمذی رحمہ اللہ۔

سنن صغریٰ نسائی: حضرت شیخ ابوطاہر از شیخ ابراہیم کردی، وایشاں از شیخ احمد قشاشی، وایشاں از شیخ احمد بن عبدالقدوس شناوی، وایشاں از شیخ شمس الدین محمد بن احمد بن محمد رَملی، وایشاں از شیخ زین الدین زکریا،

وایشان از شیخ عز الدین عبدالرحیم بن محمد بن الفرات، وایشان از عمر بن ابی الحسن المراغی، وایشان از فخر الدین بن البخاری، وایشان از ابی المکارم احمد بن محمد اللبان -نسبۃ الی عمل اللِّبِنۃ-، وایشان از ابوعلی حَسن بن احمد الحداد، وایشان از قاضی ابونصر احمد بن الحسین الکسار، وایشان از حافظ ابوبکر المعروف بابن السُّنی احمد بن محمد بن اسحٰق الدینوری -کہ از عمدہ محدثین است وکتاب المجالسۃ للدینوری [1] از مصنفات اوست-، وایشان از مؤلف الکتاب حافظ ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی النسائی منسوب الی نَسا، بلدۃ مشہورۃ بہ خراسان بہ قرب اَبِیْوَرد۔

سنن ابن ماجہ: بہ سندیکہ در سنن نسائی مذکور شد تا شیخ زین الدین زکریا، وایشان از شیخ ابن حجر عسقلانی، وایشان از ابوالحسن علی بن ابی المجد الدمشقی، وایشان از ابوالعباس الحجار، وایشان از انجب بن ابی السعادات، وایشان از حافظ ابوزرعہ طاہر بن طاہر المقدسی، وایشان از فقیہ ابی منصور محمد بن الحسن بن احمد المُقَوِّمی القزوینی، وایشان از ابو طلحۃ القاسم بن المُنذر الخطیب، وایشان از ابوالحسن علی بن ابراہیم بن سَلَمۃ بن بحر القطان، وایشان از مؤلف الکتاب ابوعبد اللہ محمد بن یزید المعروف بابن ماجہ القزوینی، وقزوین بفتح قاف وسکون زای معجمہ نام شہریست مشہور در عراق عجم، وماجہ لقب پدر ابوعبداللہ است نہ لقب جدّ او، ونہ نام مادر او، وبتخفیف جیم باید خواند نہ بہ تشدید ووقع فی ذٰلک اغلاط کثیرۃ۔

مشکوۃ المصابیح: حضرت شیخ ابوطاہر از شیخ ابراہیم کُردی، وایشان از شیخ احمد قشاشی، وایشان از شیخ احمد بن عبدالقدوس شِنّاوی، وایشان از سید غَضَنفَر بن سید جعفر نَہر والی، وایشان از شیخ محمد سعید معروف بمیر کلاں کہ در وقت خود شیخ مکہ بودند، وایشان از سید نسیم الدین میرک شاہ، وایشان از والد بزرگوار خود سید جمال الدین عطاء اللہ بن سید غیاث الدین فضل اللہ بن سید عبدالرحمٰن، وایشان از عم عالی مقدار خود سید اَصیل الدین عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن عبداللطیف بن جلال الدین یحیٰی الشیرازی الحسینی، وایشان از مسند وقت ومحدث عصر شرف الدین عبدالرحیم بن عبدالکریم الجرہی الصدیقی، وایشان از علامۂ عصر امام الدین علی بن مبارک شاہ ساوجی صدیقی، وایشان از مؤلف الکتاب ولی الدین محمد بن عبداللہ بن الخطیب التبریزی۔

حصن حصین: حضرت شیخ ابوطاہر از شیخ ابراہیم کُردی، وایشان از شیخ احمد قشاشی، وایشان از شیخ احمد بن عبدالقدوس الشِنّاوی، وایشان از شیخ شمس الدین محمد بن احمد بن محمد رملی، وایشان از شیخ زین الدین زکریا انصاری، وایشان از حافظ وقت تقی الدین محمد بن محمد بن فہد الہاشمی المکی، وایشان از مؤلف الکتاب ابوالخیر محمد بن محمد بن محمد الجزری الشافعی زاد اللّٰہ في درجاتہم وأفاض علینا من برکاتہم .

---

(۱) في المطبوعۃ "المجالسۃ الدینوری".

خاتمہ

باید دانست کہ علاماتِ وضع حدیث وکذبِ راوی چند چیز است:

۱- اول آنکہ خلاف تاریخ مشہور روایت کند مثل آنکہ عبد اللہ بن مسعود در جنگ صفّین چنیں گفت، حالانکہ عبد اللہ بن مسعود در عہدِ خلافت حضرت عثمانؓ وفات یافتہ واز یں قبیل است، شعر:

در جمل چون معاویہ بگریخت　　خون خلقے بسے بہ بیہدہ ریخت

وایں قسم موضوعات بادنیٰ تتبع وتامل توان شناخت۔

۲- دوم آنکہ راوی رافضی باشد وحدیث درطعنِ صحابہ روایت کند، ویا ناصبی باشد وحدیث در مطاعنِ اہل بیت باشد وعلیٰ ہٰذا القیاس، ولیکن درایںجا تامل باید کرد اگر آن راوی منفرد است بآن حدیث اعتبار نباید کرد واگر دیگران ہم روایت کنند قبول باید کرد ودر توجیہ وتاویل آن فکر باید کرد۔

۳- سوم آنکہ چیزے روایت کند کہ بر جمیع مکلّفین معرفتِ آن وعمل بر آن فرض باشد واو متفرد بود بہ روایت وایں قرینہ قویہ است بر کذب ووضع۔

۴- چہارم آنکہ وقت وحال قرینہ باشد بر کذبِ او: چنانچہ غیاث بن میمون را اتفاق افتاد کہ در مجلس مہدی خلیفۂ عباسی حاضر شد واو مشغول بود بہ پرانیدن کبوتران، پس حدیث روایت کرد کہ لَا سَبَقَ اِلَّا فِيْ خفٍ اَوْ نَصْلٍ اَوْ حَافِرٍ اَوْ جَنَاحٍ لفظ جناح را از طرف خود افزود برائے خوش آمد مہدی۔

۵- پنجم آنکہ مخالف مقتضی عقل وشرع باشد وقواعد شرعیہ آنرا تکذیب نمایند مثل قضاء عمری ومانند آن ومثل آنکہ روایت کنند لا تأكلوا البطيخ حتى تذبحوها.

۶- ششم آنکہ در حدیث قصہ باشد از امر حسّی واقعی کہ اگر بالحقیقت متحقق می شد ہزاران کس او را نقل می کردند مثل آنکہ شخصے روایت کند کہ امروز کہ روز جمعہ بود خطیب را بر سرِ منبر کشتند وپوستِ او را کندیدند حالانکہ ہماں راوی بایں قصہ منفرد باشد ودیگر روایت نکند۔

۷- ہفتم رکاکتِ لفظ ومعنی مثلاً لفظے روایت کند کہ در قواعد عربیہ درست نشود یا معنی کہ مناسب شان نبوت ووقار نباشد۔

۸- ہشتم افراط در وعید شدید بر گناہِ صغیرہ یا افراط در وعدِ عظیم بر فعل قلیل، چنانچہ ''من صلى ركعتين فله سبعون ألف دار وفي كل دار سبعون ألف بيت وفي كل بيت سبعون ألف سرير على كل سرير سبعون ألف جارية '' بلکہ احادیث ایں نسق را خواہ در ثواب باشد خواہ در عذاب موضوع باید شناخت۔

۹- نہم آنکہ بر عمل قلیل ثواب حج وعمرہ ذکر نماید۔

۱۰- دہم آنکہ کسے را از عاملانِ خیر ثواب انبیاء موعود کند یا گوید کہ ثواب سبعین نبیاً وأمثال ذٰلك۔

۱۱- یازدہم آنکہ خود اقرار کردہ باشد بوضع احادیث، چنانچہ نوح بن ابی عصمۃ را واقع شد کہ در فضائل ق، آن سورہ سورہ وضعِ احادیث نمود و ترویج و تشہیر کرد کما ذکرت في البیضاوي في آخرِ کل سورۃٍ پس ہرگاہ او را گرفتند و از تصحیح سند آنہا سوال کردند اعتراف کرد کہ باعث در وضع این احادیث مرا نیّت خیر است و آن اینست کہ دیدم مردم را کہ از قرآن اعراض کردہ اند بعلوم دیگر مثل تواریخ و تفسیر وفقہ ابی حنیفہؒ اشتغال می ورزند برائے ترغیب مردم این احادیث را وضع کردم تا میل بعلوم قرآن نمایند و باعتقاد ثواب بتلاوت و درس قرآن مشغول شوند و این عذرِ او بدتر از گناہ است زیرا کہ احادیث صحیحہ کہ در فضائلِ قرآن وارد شدہ برائے ترغیب کافی بود۔

وھمچنیں در حق تنبا کو وحقہ وقہوہ احادیث بسیار وضع کردہ اند کہ رکاکتِ الفاظ ومعانی آنہا ظاہر و باہر است۔

اسبابِ وضع در حدیث

ووضاعین بسیار گذشتہ اند واغراض آنہا نیز متنوع ومتکثر است:

۱- فرقہ زنادقہ کہ ابطال شرائع وتہکم وتمسخر بامور شرعیہ منظور داشتہ اند مثل ابن الراوندی کہ واضع حدیث الباذنجان لما أکل له وغرضِ او تمسخر است بہ شریعت تعریض میکند بحدیث ''القرآن لما قرئ له، وماء زمزم لما شُرِب له'' وگفتہ اند کہ از وضعِ زنادقہ چہاردہ ہزار حدیث بہ شہرت رسیدہ۔

۲- اہل بدَع واہوا کہ برائے نصرت مذہب خود وطعن در مذہب مخالف ایں عمل را مرتکب شدند، روافض ونواصب وکرّامیہ درین بر ہمہ فِرَق پیشدستی کردہ اند، وخوارج ومعتزلہ وزیدیہ آن قدر مرتکب این امر شنیع نشدہ اند۔

۳- فرقہ دیگر کہ مایۂ از علم حدیث نداشتند ومحدثین را موَقر ومعظم دیدند خواستند کہ خود را ہم درین فن داخل نمایند ایں صنعت قبیحہ اختیار کردند مثل: ابو البختری وہب بن وہب القاص وسلیمان بن عمرو النخعی وحسین بن علوان واسحٰق بن نجیح وغالباً این فرقہ بوعظ وتذکر مشغول بودند۔

۴- فرقہ دیگر اہلِ زہد وعبادت ودیانت کہ در منام یا در معاملہ چیزے از زبانِ رسول یا ائمہ اطہار شنیدند وبجہت جزم ویقین برخواب وبر معاملۂ خود آن را مبہم روایت کردند ومردم گمان نمودند کہ این حدیث واقعی است کہ از راہ ظاہر بآنہا رسیدہ وابو عبد الرحمٰن سُلمی ودیگر صوفیا را کہ از مذاق حدیث آشنا نبودند باین علّت تہمت کردہ اند وروایت آنہا را از حیز اعتبار برآوردہ۔

۵- فرقۂ دیگر مصاحبین خلفاء وملوک وامراء کہ برائے استمالت خاطر آنہا وضعِ احادیث نمودند ودین خود را بدنیا فروختند۔

۶- وفرقۂ دیگر بے قصد وتعمد وضع حدیث کردہ اند وصورتش آنست کہ ایشاں بہ سبب غفلت وتوہم کلامے شنیدند از صاحبِ تجربہ یا صوفی یا حکیمے از حکماء سابقین واورا نسبت بہ پیغمبر ﷺ کردند بناء برظن آن کہ ایں کلام یا حکمت، جز از پیغمبر نخواہد بود وایں فرقہ را حدے ونہایتے نیست واکثر عوام بایں مبتلا بودہ اند واللہ الموفق والعاصم.

وآنچہ درین رسالہ مذکور شد بطریقِ انموذج کفایت می کند وتفاصیل ایں مطالب را دفتر ہا می باید وبفضلہٖ تعالیٰ اکثر ضروریاتِ ایں علم در ہر نواح وہر دیار یافتہ میشود وملکۂ تمیز بین الصحیح والسقیم واستقامتِ ذہن وسلامتِ طبع ومائل بخطا نشدن وصواب را بادنیٰ تنبیہ قبول کردن نعمتے است عظیم، حق تعالیٰ مارا وآں برادر را ازین امور بہرہ مند سازد ، والا علم ومواد علم بسیار است وآنچہ کمیاب است ہمین امور اند شعر:

چہ خوش گفت دانا کہ دانش بسے است   ولیکن پراگندہ باہر کسے است

تـــــــــــــمّـــــــــــــت

ترجمہ عجالۂ نافعہ

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی صاحب دامت برکاتہم العالیۃ
رئیس قسم التخصص فی علوم الحدیث
جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، کراچی، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله وكفىٰ وسلام علىٰ عباده الذين اصطفى،خصوصا على سيد نا ومولانا محمد المجتبى ، وآله بدر الدجى ،وصحبه نجوم الهدى .

امابعد!

یہ رسالہ جو علمِ حدیث کے فوائد پر مشتمل ہے، نہایت عجلت میں لکھا گیا ہے، بہت سودمند اور نہایت دل پسند رسالہ ہے۔

سببِ تالیف:

برادرِ عالی، جامعِ فضائل وکمالات سید قمر الدین حسینی جو شرافت کی آنکھ کا نور اور باغِ سیادت کا پھول ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو دین ودنیا کی سرداری عطا فرمائے، اور دونوں جہاں کی سعادت نصیب کرے، انہی کا ذوق وشوق اس رسالہ کی تحریر وترتیب کا باعث ہوا ہے۔

اس زمانے میں آپ کے خاطرِ عاطر میں یہ خیال آیا کہ اس پاکیزہ فن اور شریف علم سے رابطہ قائم کریں، آپ کا خیال عزمِ راسخ بن گیا، تو اس ناچیز سے جو مسندِ افادہ واستفادہ پر بیٹھا ہوا ہے، اپنے حسنِ ظن کی وجہ سے اس کام کیلئے اجازت کی درخواست کی، اور اس بار کے اٹھانے میں مجھ سے مدد کیلئے فرمایا، اس ارشاد کے بموجب: ''**إن لله في أيام دهر كم نفحات ألا فتعرضو الها تعرضاً لنفحات الله**''، بلاشبہ تمہارے زمانے میں اللہ تعالیٰ کی خوشبوئیں ہیں، دیکھو اللہ تعالیٰ کی ان خوشبوؤں سے مستفید ہوتے رہو۔

اس فن شریف کے تھوڑے سے متعلقات کو اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے، اور بقیہ کو ان کی روشن اور ہوشیار اور ذہین طبیعت پر چھوڑ دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہ ذکاوتِ طبع، لطافتِ مزاج اور ہوشمندی میں نہایت بلند مرتبہ پر فائز ہیں، چنانچہ ان کی نظم ونثر میں تصنیفات وتالیفات اس دعوے کی شاہدِ عادل گواہ صادق ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ جو کوئی اس رسالے کے مضامین پیش نظر رکھ کر فنونِ حدیث میں غور وفکر کرے گا، وہ ان شاء اللہ تعالیٰ غلطی اور خطا سے محفوظ اور تصحیف وتحریف سے مامون رہے گا، نیز صحیح اور ضعیف حدیث کے پہچاننے کے واسطے اس کے ہاتھ میں ایک کسوٹی اور بہتر معیار ہوگا، جس کی بدولت وہ صحیح اور غیر صحیح کو پہچان سکے گا۔

وماتوفيقي إلا بالله ،عليه توكلت وهو حسبي ونعم الوكيل .

فصل اول: علمِ حدیث کے فوائد میں

فصلِ اول، علمِ حدیث کے ان اغراض وفوائد کے بیان میں ہے، جن سے طالبِ حدیث کا شوق بڑھ سکتا ہے، اور وہ رغبت کرنے والے کی طلب میں تحریک اور اضافہ کا موجب بن سکتے ہیں، نیز ان شرائط کا بیان ہے جو اس علم میں غور وخوض کے لئے درکار ہیں۔

واضح رہے علمِ حدیث ایسی بزرگی اور شرافت کا حامل ہے کہ کوئی اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا، کیونکہ علم القرآن، عقائدِ اسلام، احکامِ شریعت اور اصولِ طریقت سب ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان پر موقوف ہیں، تمام کشفی باتیں اور ساری عقلی چیزیں جب تک اس ترازو میں نہ تلیں، اور اس کسوٹی پر نہ کسی جائیں، وہ لائقِ اعتبار وقابلِ اعتماد نہیں ہو سکتی ہیں، لہٰذا یہی علم ایک ایسا صَرّ اف ہے جو تمام علوم کے زر وجواہر کو پرکھتا ہے، جو بھی تفسیروں کے طریقے اور وجوہ، احکامِ شریعت کی دلیلیں، عقائدِ اسلام کے ماخذ اور سلوک الی اللہ کے طریقے اس صَرّ اف کی پرکھ میں کھرے نکلیں گے، وہی رواج پذیری کے لائق ہو سکتے ہیں، اور جو کھوٹے ثابت ہوں گے، وہ پھینکنے کے قابل ہوتے ہیں، لہٰذا علم شریعت کا حکم ہی تمام علوم دینیہ پر چلتا ہے، اور جناب رسالت مآب ﷺ کی اتباع اور پیروی اسی علم کی بدولت نصیب ہوتی ہے، جو حیات جاودانی کی دلیل راہ ہے، اور دونوں جہاں کا سرمایۂ سعادت ہے۔

اگر غور وفکر کیا جائے اور گہری نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر علم کی ایک خاصیت ہوتی ہے، اور اس علم سے دل بستگی اور وابستگی کی وجہ سے نفس انسانی میں ایک خاص کیفیت، خواہ بری ہو یا بھلی، پیدا ہو جاتی ہے، علمِ حدیث سے وابستگی اور مزاولت انسان میں صحابیت کی شان پیدا کرتی ہے، کیونکہ صحابیت کے معنی دراصل رسول اللہ ﷺ کے جملہ احوال سے واقفیت اور ہر عبادت اور ہر عادت میں آپ کے ڈھنگ اور طریقوں کا مشاہدہ کرنے کے ہیں، اور یہ بات امتداد زمانہ کی وجہ سے اس شخص کی قوتِ مدرکہ اور متخیلہ میں جو اس علم سے وابستگی رکھتا ہے ایسی جم جاتی ہے، اور پختہ ہو جاتی ہے کہ مشاہدہ کے حکم میں ہوتی ہے، چنانچہ حسب ذیل شعر میں اسی طرف اشارہ ہے:

أهل الحديث همو أهل النبي وإن　　　لم يصحبوا نفسه أنفاسه صحبوا

(اہل حدیث ہی اہل نبی ہیں اگرچہ انہیں رسالت مآب ﷺ کی صحبت حاصل نہیں، مگر آپ کے انفاس قدسیہ کے ساتھ شرف صحبت حاصل ہے۔)

اور محمد بن علی بن الحسین ﷺ نے فرمایا ہے:

''من فقه الرجل بصيرتُه بالحديث أو فطنته للحديث'' (عالم کی سمجھ کی بات یہ ہے کہ اس کو حدیث میں بصیرت حاصل ہو، یا فرمایا تھا کہ اس کی دانشمندی کی بات یہ ہے کہ وہ حدیث میں درک رکھتا ہو۔)

یہ علم چونکہ ایک قسم کی خبر ہے، اور خبر سچ اور جھوٹ دونوں باتوں کا احتمال رکھتی ہے، تو اس علم کو حاصل کرنے کیلئے دو باتوں کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے:

۱- راویانِ حدیث کے حالات کی چھان بین کرنا اور انہیں حاصل کرنا۔

۲- حدیث کے معنی سمجھنے میں نہایت احتیاط سے کام لینا۔

کیونکہ اگر پہلی بات میں کوتاہی ہوئی تو سچے اور جھوٹے میں تمیز باقی نہیں رہے گی، اور اگر دوسری بات میں احتیاط نہ کی گئی، اور اس میں ذرا سی بھی کوتاہی ہوگئی، تو مقصد غیر مقصد سے خلط ملط ہوجائے گا، اور ان دونوں صورتوں میں اس علم سے جس فائدہ کی توقع تھی، وہ حاصل نہ ہو سکے گا، بلکہ فائدہ کے بجائے نقصان ہوگا کہ خود بھی گمراہ ہوگا، اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا، معاذ اللہ من ذٰلک (اس گمراہی سے اللہ کی پناہ)، لہٰذا ان دونوں باتوں سے بحث کرنا ضروری ہے۔

پہلی بات: (راویانِ حدیث کے حالات کی چھان بین) صدرِ اول یعنی تابعین اور تبع تابعین کے زمانے سے لے کر بخاریؒ و مسلمؒ کے زمانے تک (راویوں کے حالات کی دیکھ بھال کا) ڈھنگ کچھ اور رہا ہے، اس دور میں محدثین ہر شہر اور ہر زمانے کے کچھ راویوں کے حالات سے بحث کرتے اور ان کے حالات کی چھان بین کرتے تھے، جس کسی میں بد دیانتی، جھوٹ اور حافظہ کی کمزوری کی ذرا سی بھی بُو محسوس کرتے تھے، اس کی بیان کی ہوئی حدیث کو قبول نہیں کرتے تھے، اس وجہ سے انہوں نے راویوں کے حالات میں نہایت ضخیم اور مبسوط کتابیں لکھی ہیں، لیکن اِس زمانے میں ڈھنگ دوسرا ہے، اب وہ کتابیں جو صحاح کے ساتھ مخصوص ہیں، اور ان کے بعد وہ کتابیں جو قابل اعتبار ہیں، ان کو جدا جدا جاننا چاہئے، اور وہ کتابیں جو نظر انداز کرنے کے لائق ہیں، انہیں علیٰحدہ رکھنا چاہئے تاکہ باہم خلط ملط نہ ہوجائیں۔

اکثر متاخرین محدثین کے یہاں سے جب یہ تمیز و ترتیب جاتی رہی، تو مجبوراً انہوں نے بعض مسائل میں جمہور سلف کا خلاف کیا، اور غیر معتبر کتابوں میں جو حدیثیں دیکھیں انہی کو اپنی دلیل اور سند قرار دیا، اس موقعہ پر ہم والد ماجد قدس سرہ العزیز کی عبارت پیش کرتے ہیں جس سے حدیث کی کتابوں کی ترتیب اور ان کے مراتب واضح ہوجائیں گے، وہ فرماتے ہیں:

طبقات کتب حدیث

جاننا چاہئے حدیث کی کتابیں صحت، شہرت اور قبولیت کے اعتبار سے کئی طبقوں پر مشتمل ہیں:

۱- صحت سے ہماری یہ مراد ہے کہ مؤلف کتاب نے اس بات کی پابندی کی ہو کہ وہ صحیح یا حسن حدیثوں کے سوا اور کوئی حدیث اس میں درج نہیں کرے گا، اور اگر اس میں کوئی ایسی حدیث درج کرتا ہے، اور ساتھ ساتھ وہ اس کے ضعف، غرابت، علت اور شذوذ کو بھی بتاتا ہے تو پھر کچھ حرج نہیں، کیونکہ ضعیف، غریب اور معلول حدیث کو اس کی خرابی کی وضاحت کے ساتھ کتاب میں درج کرنا کسی قسم کی قباحت کا موجب نہیں۔

۲- شہرت سے ہماری مراد یہ ہے کہ محدثین کی جماعتیں یکے بعد دیگرے (ہر دور میں) اس کتاب کے ساتھ

بطریقِ روایت، ضبطِ مشکل اور تخریج احادیث میں مشغول رہی ہوں تا آنکہ اس کی کوئی چیز بیان ہوئے بغیر نہ رہ گئی ہو۔

۳- قبولیت سے ہماری مراد یہ ہے کہ ناقدانِ حدیث اس کتاب کو تسلیم کریں، اور اس پر اعتراض نہ کریں، اور اس کتاب کی حدیثوں کے متعلق مولفِ کتاب کا حکم اور فیصلہ درست سمجھیں، اور فقہاء بغیر اختلاف اور بلا انکار اس سے استدلال کریں۔

پہلا طبقہ: اس میں حدیث کی صرف تین کتابیں داخل ہیں:

۱- موطأ امام مالک، ۲- صحیح بخاری۔ ۳- صحیح مسلم۔

قاضی عیاض نے "مشارق الأنوار" میں انہی تین کتابوں کی شرح کی ہے، یہ "مشارق الأنوار" صغانیؒ کی "مشارق الأنوار" کے علاوہ ہے جس میں صغانیؒ نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیثوں کو ان کی سندیں اور قصے حذف کرکے (عوامل کے اعتبار سے) جمع کیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان تینوں کتابوں کی حدیثوں کی شرح اور ضبطِ اسماء کے لیے قاضی عیاضؒ کی کتاب "مشارق الأنوار" کافی وشافی ہے۔

ان تینوں کتابوں میں باہم نسبت یہ ہے کہ موطأ امام مالک گویا صحیحین کی اصل اور ان کی ماخذ ہے، اور اس کی شہرت بھی کمال کو پہنچی ہوئی ہے، امام مالکؒ کے زمانہ ہی میں آپ سے امام شافعیؒ، امام محمدؒ، یحییٰ مصمودی، یحییٰ بن یحییٰ تمیمی، یحییٰ بن بکیر، ابومصعب اور قعنبی وغیرہ کو روایت کا فخر حاصل ہے، نیز اس کتاب کی عدالت وضبطِ رجال پر سب کا اجماع ہے، اور یہ مکۂ معظّمہ، مدینۂ منورہ، عراق، شام، یمن، مصر اور دیارِ مغرب میں مشہور ہے، اور (بکثرت) شہروں کے فقیہوں کا مدار اسی کتاب پر ہے، امام مالکؒ کے زمانے میں اور آپ کے بعد بھی علماء نے موطأ کی حدیثوں کی تخریج، اس کے متابعات اور شواہد کے جمع کرنے میں بڑی کوشش کی ہے، اور اس کے الفاظِ غریبہ کی شرح، ضبطِ مشکلات اور ان کی وضاحت، فقیہانہ مسائل کا بیان، حدیث کی سندیں اور طرقِ روایت کے بیان میں اتنا اہتمام کیا ہے کہ اس سے زیادہ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم بسط وتفصیل اور حدیثوں کی تعداد کے اعتبار سے ہر چند موطأ سے دس گنی زیادہ ہوں گی، لیکن حدیثوں کی روایت کا طریقہ، راویوں کی جانچ پڑتال کا ڈھنگ، اعتبار اور استنباط کا اسلوب، موطأ ہی سے سیکھا ہے، مگر اس کے باوجود یہ دونوں کتابیں تمام فرقِ اسلامیہ اور علمائے اسلام کی مخدوم ہیں، محدثین کی ایک جماعت نے ان کی مستخرجات لکھی ہیں، جیسے اسماعیلی اور ابوعوانہؒ اور بعض محدثین نے ان کے الفاظِ غریبہ کی شرح لکھی ہے، مشکل الفاظ اور اسماء کو ضبط کیا ہے، مشکل مقامات کو حل کیا ہے، مسائلِ فقہیہ کو بیان کیا ہے، اور راویوں کے حالات قلمبند کئے ہیں۔

غرض یہ دونوں کتابیں شہرت اور قبولیت کے درجہ کو پہنچ گئی ہیں، صاحبِ "جامع الأصول" نے فربری سے نقل کیا ہے کہ نوّے (۹۰) ہزار علماء نے امام بخاریؒ سے صحیح بخاری کا سماع کیا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ان تینوں کتابوں کی حدیثیں سب سے زیادہ صحیح ہیں، اگر چہ ان میں بعض حدیثیں بعض کی بہ نسبت زیادہ صحیح ہیں، اور اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو موطأ کی اکثر مرفوع حدیثیں صحیح بخاری میں موجود ہیں، اس اعتبار سے گویا صحیح بخاری موطأ کی جامع ہے، البتہ آثارِ صحابہ وتابعین موطأ میں زیادہ ہیں لہٰذا ان تینوں کتابوں کو طبقۂ اولیٰ میں رکھنا چاہئے۔

دوسرا طبقہ: اس میں حدیث کی وہ تمام کتابیں داخل ہیں، جن کی حدیثیں ان تینوں صفتوں (صحت، شہرت اور قبولیت) میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے درجہ کو نہ پہنچ سکی ہیں، لیکن مذکورۂ بالا صفات میں وہ ان کے قریب قریب ہیں، جیسے جامع ترمذی، سنن ابی داؤد اور سنن نسائی کی حدیثیں ہیں کہ ان کے مؤلفین کا وثوق، عدالت، حفظ وضبط اور فنونِ حدیث میں تبحر مشہور ہے، اور ان کے مؤلفین نے ان کتابوں میں تساہل اور تسامح کو ہرگز روا نہیں رکھا ہے، اور جہاں تک ہوسکا ہے حدیث کی حالت اور علت بیان کی ہے، اس لئے علماءِ اسلام میں انہیں شہرت حاصل ہے، اور ان چھ کتابوں کو صحاح ستہ (چھ صحیح کتابیں) کہتے ہیں۔

ابن الاثیرؒ نے "جـامـع الأصول" میں ان ہی چھ کتابوں کی حدیثوں کو جمع کیا ہے، اور الفاظِ غریبہ کی شرح کی ہے، مشکلات کو ضبط کیا ہے، راویانِ حدیث کے ناموں اور دیگر متعلقات کو بھی وضاحت سے بیان کیا ہے، اس لحاظ سے گویا "جـامـع الاصول" ان چھ کتابوں کی شرح ہے، جیسے "مشـارق الأنوار" ان تینوں کتابوں (مؤطا اور صحیحین) کی شرح ہے، صاحبِ "جامع الأصول" نے "سنن ابن ماجه" کو صحاح میں شمار نہیں کیا ہے، اور "موطأ" کو صحاح میں چھٹی کتاب قرار دیا ہے، اور یہی بات درست ہے، لیکن حضرت والد ماجد قدس سرہ فرماتے ہیں:

''فقیر کے نزدیک "مسـنـد أحـمـد" دوسرے طبقہ میں داخل ہے، اور وہ صحیح حدیث کے سقیم حدیث سے پہچاننے میں اصل اور مدار کی حیثیت رکھتی ہے، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کس حدیث کی اصل ہے، اور کس کی اصل نہیں ہے، اگر چہ "مسـنـد أحمد" میں ضعیف حدیثیں بھی بہت ہیں جن کا حال بیان نہیں کیا ہے، تاہم جو ضعیف حدیثیں مسند میں پائی جاتی ہیں، وہ ان حدیثوں سے بہتر نظر آتی ہیں جن حدیثوں کی متاخرین نے تصحیح کی ہے، علماءِ حدیث وفقہ نے ان کو پیشوا بنایا ہے، اور درحقیقت ''مُسند أحمد'' فنِ حدیث میں ایک رُکنِ اعظم ہے، اسی طرح ''سنن ابن ماجه''، گو اس کی بعض حدیثیں ضعیف ہیں مگر اس کو اسی طبقہ میں شمار کیا جاسکتا ہے۔''

تیسرا طبقہ: اس طبقہ میں وہ حدیثیں داخل ہیں جنہیں علماءِ متقدمین نے جو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ سے پہلے ہوئے ہیں یا جو اِن کے معاصر تھے یا جو اِن کے بعد ہوئے ہیں، انہوں نے ان حدیثوں کو اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے، اور صحت کا التزام نہیں کیا ہے، اور نہ ان کی کتابیں شہرت اور قبولیت میں طبقۂ اولیٰ اور ثانیہ تک پہنچ سکی ہیں، اگر چہ ان کتابوں کے مؤلفین علومِ حدیث میں ماہر اور ثقہ تھے، اور ضبط وعدالت کی صفات سے متصف تھے، ان کتابوں میں صحیح، حسن، ضعیف حدیثیں ہی نہیں پائی جاتی ہیں، بلکہ ان میں بعض حدیثیں ایسی بھی موجود ہیں جن پر موضوع ہونے

کی تہمت ہے، اوران کتابوں کی حدیثوں کے اکثر راوی عدالت کی صفت سے متصف ہیں، بعض مستور الحال اور بعض مجہول ہیں، اور اکثر وہ حدیثیں ایسی ہیں جو فقہاء کے نزدیک معمول بہ نہیں ہیں، بلکہ ان کے خلاف عمل امت کا اجماع ہے، ان کتابوں میں بھی باہم فرقِ مراتب ہے، بعض کتابیں بعض سے قوی تر ہیں، ان کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں:

مسند شافعی، سنن ابن ماجہ، مسند ابی یعلیٰ موصلی، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ، مسند عبد بن حمید، مسند ابی داؤد طیالسی، سنن دار قطنی، صحیح ابن حِبّان، مستدرک حاکم، کتب بیہقی، کتب طحاوی، تصانیف طَبَرانی۔

چوتھا طبقہ: اس طبقہ میں وہ حدیثیں داخل ہیں جن کا قرونِ اولیٰ (دورِ صحابہ وتابعین) میں نام ونشان نہیں ملتا، مگر متاخرین علماء نے ان حدیثوں کو نقل کیا ہے، ان کے متعلق دو ہی صورتیں ممکن ہیں:

۱- یا تو سلف صالحین نے ان کی چھان بین کی ہے، اور انہیں ان کی کوئی اصل نہیں ملی کہ وہ ان کو روایت کرتے۔

۲- یا ان کی اصل تو پائی مگر ان میں علت اور قباحت دیکھ کر روایت سے گریز کیا، بہر حال دونوں صورتوں میں ان حدیثوں سے اعتماد اٹھ گیا، اور وہ اس قابل نہیں رہیں کہ کسی عقیدہ یا عمل کے ثبوت کے لیے انہیں دلیل بنایا جائے، ایسی ہی باتوں کے لیے بعض مشائخ نے کیا خوب کہا ہے:

فإن كنت لاتدري فتلك مصيبة وإن كنت تدري فالمصيبة أعظم

(پس اگر تو نہیں جانتا ہے تو یہ بھی مصیبت ہے اور اگر تو جانتا ہے تو یہ بہت بڑی مصیبت ہے)

اس قسم کی حدیثوں نے بہت سے محدثین کو غلطی میں مبتلا کیا ہے، اوران کتابوں میں حدیثوں کی بکثرت سندیں دیکھ کر دھوکہ کھا گئے، اوران کے متواتر ہونے کا حکم لگا بیٹھے، اور جزم ویقین کے مواقع پر طبقۂ اولیٰ اور ثانیہ کی حدیثوں کو چھوڑ کر اس قسم کی حدیثوں کو سند قرار دے کر ایک نیا مذہب بنایا ہے، اس قسم کی حدیثوں کی کتابیں بڑی تصنیف ہوئی ہیں، چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

کتاب الضعفاء از ابن حبان، تصانیف حاکم، کتاب الضعفاء از عُقیلی، کتاب الکامل از ابن عدی، تصانیف ابن مردویہ، تصانیف خطیب، تصانیف ابن شاہین، تفسیر ابن جریر، فردوس دیلمی بلکہ اس کی تمام تصانیف، تصانیف ابی نعیم، تصانیف جوزقانی، تصانیف ابن عساکر، تصانیف ابوالشیخ اور تصانیف ابن نجار۔

مناقب ومثالب کے بیان میں اکثر حدیثیں گھڑی گئی ہیں، اور صحت میں تساہل سے کام لیا گیا ہے، اسی طرح تفسیر اور اسباب نزول کے بیان میں، تاریخ اور بنی اسرائیل کے واقعات، انبیاءِ سابقین کے قصوں میں، شہروں کے فضائل، کھانے پینے کی چیزوں اور حیوانات کے تذکرہ میں اکثر موضوع حدیثیں ہیں، طب، ٹوٹکے، جھاڑ پھونک، منتر اور عزیمت اور دعوات میں اور نوافل کے اجر وثواب میں بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آیا ہے، ابن الجوزیؒ نے کتاب "الموضوعات" میں اس قسم کی بیشتر حدیثوں پر جرح وقدح کی ہے، اوران کے موضوع ہونے کے دلائل پیش کئے ہیں،

اور کتاب ''تنزیہ الشریعۃ'' ایسی حدیثوں کی نشاندہی کے لیے کافی ہے۔

اکثر شاذ ونادر مسائل جیسے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا اسلام لانا، یا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پیروں پر مسح کرنے کی روایتیں، یا ان ہی جیسے شاذ ونادر مسائل انہی کتابوں کی حدیثوں سے نکلے ہیں، شیخ جلال الدین سیوطی کے رسائل ونوادر کا سرمایہ یہی کتابیں ہیں، لہٰذا اِن کتابوں کی حدیثوں میں مشغول رہنا، اوران سے احکام کا استنباط کرنا مفید کام نہیں ہے، اس پر بھی اگر کسی کے دل میں ان کتابوں کی تحقیق کی خواہش ہو تو ان حدیثوں کے راویوں کا پتہ چلانے کے لیے ذہبی کی کتاب ''میزان الاعتدال'' اورابن حجر عسقلانی کی ''لسان المیزان'' اس کے کام آسکتی ہیں، اور الفاظِ غریبہ کی شرح اور مادوں کی تحقیق نیز حدیثوں کی توجیہوں کے لیے شیخ محمد طاہر بوہرہ گجراتی کی کتاب ''مجمع البحار'' سب سے بے پروا کردیتی ہے۔

جب حدیث کی کتابوں کی ترتیب معلوم ہوگئی، اور موطأ اور صحیحین کا طبقۂ اولیٰ میں ہونا معلوم ہوگیا، تو ان ہی تین کتابوں کی تحقیق میں زیادہ اہتمام مناسب ہے، اوران کے بعد بقیہ صحاح ستہ میں مشغول ہونا چاہئے، ظنِ غالب ہے کہ موطأ اور صحیحین کی تحقیق کے بعد صحاح ستہ کی تحقیق کا دوتہائی حصہ ختم ہوجاتا ہے، اور بہت ہی تھوڑا حصہ باقی رہ جاتا ہے، اس لئے بحث ان ہی تین کتابوں کے متعلقہ فوائد پر منحصر ہے۔

فائدہ: بعض راویوں کے ناموں کی تحقیق اور ضبط کے بیان میں

قاعدہ: حدیث کی کتابوں میں ہر جگہ لفظ سلام کو لام کی تشدید کے ساتھ پڑھنا چاہئے، مگر پانچ جگہ لام مشدد نہیں ہے:

(ملاحظہ ہو: تدریب الراوي: ٥٦١، الاکمال ٤/٤٠٢، محاسن الاصطلاح: ٣٠١، معرفة أنواع علم الحديث لابن الصلاح: ٤٥١ – ٤٥٢، المقنع لابن الملقن: ٥٩٣ – ٥٩٤، المشتبه للذهبي: ٣٧٨، تبصير المنتبه بتحرير المشتبه لابن حجر: ٧٠٢ – ٧٠٣ – ٧٠٤، التقييد والإيضاح للعراقي: ٣٣٣ – ٣٣٤، شرح التبصرة والتذكرة للعراقي: ٢/٢١٧ – ٢١٨)

۱- عبداللہ بن سلام کے والد کا نام ''سلام'' ہے، جو علماء یہود میں زبردست عالم تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد ایمان لائے، اور دنیا ہی میں جنتی ہونے کی خوشخبری سنی۔

۲- محمد بن سلام بیکندی کے والد جو امام بخاریؒ کے استاد تھے، بیکند بؔ کے زیر اور یؔ کے سکون کے ساتھ ہے، یہ تاشکند کی طرح ایک بستی کا نام ہے، جو بخارا کے مضافات میں سے ہے۔

۳- سلام بن محمد بن ناہض المقدسی، یہ صحاح ستہ کے راویوں میں سے نہیں ہیں، لیکن حافظ ابوطالبؔ اور طبرانیؔ نے

ان سے روایت کی ہے، اوران کو سلاّمہ کے نام سے یاد کیا ہے۔

۴- محمد بن عبدالوہاب بن سلام مغربی معتزلی، محمد کا دادا یہ بھی صحاح ستہ کے راویوں میں سے نہیں ہے۔

۵- سلام بن ابی الحقیق، یہودی تھا، اور حضور اکرم ﷺ سے دشمنی اور عداوت رکھتا تھا، اس کی شرارت اور فساد کا ذکر بہت سی حدیثوں میں آیا ہے۔

اِن پانچ ناموں کو تخفیفِ لام کے ساتھ پڑھنا چاہئے، (محاسن الاصطلاح میں سراج الدین بلقینیؒ نے سَلاَم بتخفیف اللام چھٹا اور ساتواں بھی ذکر کیا ہے، چنانچہ ص ۱۰۳ پر رقمطراز ہیں: فائدہ: اور سلام لام کی تخفیف کے ساتھ چھٹا یہ ہے کہ سلاَم بن ابی الدلف جو ابوالحسن علی بن یوسف صوفی بغدادی کا جدامجد ہے، علی بن یوسف سے ابومحمد تونی نے روایت کیا ہے، اور انہوں نے سلام بن ابی الدلف کو تخفیف کے ساتھ ضبط کیا ہے، اور ساتواں جعفر سندی کا والد ماجد ہے، ابن نقطہؒ فرماتے ہیں کہ موصوف کا انتقال ۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۷ھ کو ہوا ہے، اور موصوف کا سماع صحیح ہے۔)

قاعدہ: عمّار جس جگہ بھی ہوگا عین مہملہ کے پیش کے ساتھ ہوگا مگر ابی بن عمارہ صحابیؓ کے والد کا نام عین کے زیر (کسرہ) کے ساتھ ہے۔

(دیکھئے: محاسن الاصطلاح: ۳۰۲، تدریب الراوي: ۵۶۲، الإكمال ۶/ ۲۷۱، معرفة أنواع علم الحديث: ۴۵۲، التقييد: ۳۸۲، المقنع: ۵۹۵، المشتبه للذهبي: ۴۷۰- ۴۷۱، تبصير المنتبه لابن حجر: ۹۶۹، التقييد والإيضاح للعراقي: ۳۳۴- ۳۳۵، شرح التبصرة والتذكرة للعراقي: ۲/۲۱۹)

قاعدہ: کریّز جہاں بھی ہوگا کاف کے زبر (فتحہ) سے آئے وہ قبیلۂ خزاعہ میں سے ہے، اور جہاں کاف کے پیش کے ساتھ آئے گا، اور مصغر ہوگا وہ قبیلہ عبدشمس سے ہے، یعنی جس کا نام کریز ہے، اس کا نسب دیکھنا چاہئے، اگر خزاعی ہے تو وہ کاف کے زبر (فتحہ) کے ساتھ ہے، اور عبشمی (قبیلۂ عبدشمس سے) ہے تو اس کو کُریز پڑھنا چاہئے۔

(دیکھئے: محاسن الاصطلاح: ۳۰۲، تدريب الراوي: ۵۶۲، الاكمال ۷/ ۱۳۰، معرفة أنواع علم الحديث لابن الصلاح: ۴۵۲، المؤتلف والمختلف: ۴/ ۱۹۵۷، كتاب الثقات لابن حبان: ۶/۵۴، المؤتلف والمختلف لعبدالغني: ۱۰۸، المقنع لابن الملقن: ۵۹۶، المشتبه للذهبي: ۵۵۱، تبصير المنتبه لابن حجر: ۱۱۹۳- ۱۲۱۴، شرح التبصرة والتذكرة: ۲/ ۲۲۰)

قاعدہ: حزام اگر اس راوی قرشی ہے تو اس کو زائے معجمہ اور حائے مہملہ کے زیر (کسرہ) کے ساتھ پڑھنا چاہئے، اور اگر انصاری ہے تو حائے مہملہ کے زبر (فتحہ) اور رائے مہملہ کے ساتھ پڑھنا چاہئے۔

(دیکھئے: معرفة أنواع علم الحديث لابن الصلاح: ۴۵۲، التقييد: ۳۸۲، محاسن الاصطلاح: ۵۳۱، المقنع: ۵۹۶، المشتبه للذهبي: ۲۲۴، تبصير المنتبه: ۴۲۳- ۴۲۵، التقييد والإيضاح للعراقي: ۳۳۶، شرح

التبصرة والتذكرة للعراقي: ٢/٢٢١)

قاعدہ: عسل ہر جگہ عین مہملہ اور سین مہملہ کے سکون کے ساتھ ہے، مگر عسل بن ذکوان الاخباری البصری عین اور سین مہملہ کے زبر (فتحہ) کے ساتھ ہے، البتہ اس کا ذکر صحیحین میں نہیں ہے۔

(دیکھئے: معرفة أنواع علم الحديث لابن الصلاح: ٤٥٣، المؤتلف والمختلف: ٣/١١٨٥، المقنع: ٥٩٨، المشتبه للذهبي: ٤٦٢، تبصير المنتبه لابن حجر: ٩٥٤-٩٥٥، التقييد والإيضاح للعراقي: ٣٣٩، شرح التبصرة والتذكرة للعراقي: ٢/٢٢٣)

قاعدہ: غَنّام ہر جگہ غین معجمہ کے زبر (فتحہ) اور نون مشددہ پر زبر (فتحہ) کے ساتھ ہے، مگر عثام بن علی العامری الکوفی عین مہملہ اور ثائے مثلثہ کی تشدید کے ساتھ ہے، اور پہلی قسم سے حضرت غنّام بن اوس صحابی بدری کا نام ہے۔

(دیکھئے: معرفة أنواع علم الحديث لابن الصلاح : ٤٥٣، المقنع: ٥٩٨، المشتبه للذهبي: ٤٨٧، تبصير المنتبه لابن حجر: ١٠٤٨-١٠٤٩، التقييد والإيضاح للعراقي: ٣٣٩، شرح التبصرة والتذكرة : ٢/٢٢٣-٢٢٤)

قاعدہ :قُمیر ہر جگہ قمر کی تصغیر ہے، اور مرد کا نام ہے، مگر قَمیر مسروق بن الاجدع کی بیوی اور عمرو کی بیٹی کا نام ہے، اس کو طویل کے وزن پر پڑھنا چاہئے۔

(دیکھئے: تدريب الراوي: ٥٦٤، محاسن الاصطلاح : ٣٠٤، الإكمال: ٧/١٠٠، معرفة أنواع علم الحديث لابن الصلاح: ٤٥٣، المقنع: ٥٩٨، المشتبه للذهبي: ٥٣٤، تبصير المنتبه: ١١٣٧، شرح التبصرة والتذكرة للعراقي: ٢/٢٢٤-٢٢٥)

قاعدہ :مِسور ہر جگہ اسم آلہ مِضرَب کے وزن پر ہے، مگر دو راویوں کا نام جن میں سے ایک مُسَوّر بن یزید صحابی، اور دوسرے مُسَوّر بن عبدالملک الیربوعی ہیں، ان دونوں کو محمد کے وزن پر پڑھنا چاہئے۔

(دیکھئے: محاسن الاصطلاح: ٣٠٤، تدريب الراوي: ٥٦٤، الإكمال ٧/ ١٨٩، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٥٣، المقنع: ٥٩٨، المشتبه: ٥٨٩، تبصير المنتبه: ١٢٨٦، التقييد والإيضاح: ٣٣٩-٣٤٠)

فائدہ بعض نسبتوں کے بیان میں

قاعدہ: جس جگہ بھی لفظ جمّال آئے وہ جیم کے ساتھ ہے، مگر موسیٰ بن ہارون الحمال کے باپ کا نام حائے مہملہ کے ساتھ ہے۔

(دیکھئے:تدریب الراوي : ٥٦٤، محاسن الاصطلاح :٣٠٥، معرفة أنواع علم الحديث :٤٥٤، المقنع: ٥٩٩، المشتبه للذهبي: ١٧١ – ١٧٢، تبصير المنتبه بتحرير المشتبه: ٣٤٧، التقييد والإيضاح: ٣٤١، شرح التبصرة والتذكرة للعراقي: ٢/٢٢٥– ٢٢٦)

قاعدہ :عبشي اس شکل میں اگر بصریوں کی سندوں میں آجائے تو اس کی عیشی پڑھنا چاہئے، یہ عیش کی طرف نسبت ہے جو موت کی ضد ہے، اور اگر کوفیوں کی سندوں میں آئے تو عبسی بائے موحدہ اور سین مہملہ سے پڑھا جائے، اور اگر شامیوں کی سندوں میں آئے تو عنسی پڑھنا چاہئے، یعنی بائے موحدہ کے بجائے نون کے ساتھ پڑھیں۔

اس فن کی ایک پُر لطف بات یہ ہے بعض جگہ ایسی ہیں جہاں اگر تصحیف (لفظی تغیر) ہو جائے تو غلطی شمار نہیں ہوتی، جس طرح سے بھی پڑھ لیں ٹھیک ہے، جیسے عیسیٰ بن ابی عیسیٰ الحناط اور مسلم حباط، اگر ان دونوں کو گندم فروشی کی نسبت کے اعتبار سے حنّاط پڑھیں تو بھی ٹھیک ہے، اور اگر حبط فروشی کی حیثیت سے حباط پڑھیں تو بھی صحیح ہے، حَبط حائے مہملہ کے زبر (فتحہ) اور بائے موحدہ اور آخر میں طاء مہملہ کے ساتھ بَبول کے پتوں کو کہتے ہیں، جن کو چوپایوں کے لیے اکٹھا کر کے بیچتے ہیں، اور سلائی کے پیشہ کی نسبت سے اگر خیّاط پڑھیں تو بھی درست ہے، کیونکہ ان دونوں [illegible] نے یکے بعد دیگرے تینوں پیشے اختیار کئے تھے، لیکن اول میں حنّاط گندم فروشی کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہے، اور دوسرے میں حباط یعنی حبط فروشی زیادہ معروف ہے۔

(دیکھئے: تدريب الراوي : ٥٦٥، محاسن الاصطلاح :٣٠٥، الإكمال: ٦/ ٣٥٢– ٣٥٣–٣٥٦، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٥٢، المقنع: ٥٩٧، المشتبه للذهبب: ٤٣٥ – ٤٣٦، تبصير المنتبه لابن حجر: ٩٨٧ –٩٨٨، شرح التبصرة والتذكرة :٢/٢٢١–٢٢٢)

فائدہ دیگر ناموں کے بیان میں

موطأ اور صحیح میں جہاں بھی یسار آئے گا تو اس کو سین مہملہ سے پہلے یائے تحتیہ کے ساتھ پڑھنا چاہئے، مگر محمد بن بشار کے باپ کا نام بائے موحدہ اور شین معجمہ کے ساتھ ہے، اور موصوف امام بخاری اور امام مسلم کے استاد ہیں۔

(دیکھئے:تدريب الراوي: ٥٦٦، محاسن الاصطلاح: ٣٠٥ – ٣٠٦، معرفة أنواع علم الحديث :٤٥٤، المقنع: ٦٠٠، المشتبه للذهبي: ٧٧،٧٨، تبصير المنتبه لابن حجر: ٨٢، التقييد والإيضاح للعراقي: ٣٤٢، شرح التبصرة والتذكرة للعراقي: ٢/٢٢٧– ٢٢٨)

موطأ اور صحیحین میں جہاں لفظ بشـــر آئے اس کو بائے موحدہ کے زیر (کسرہ) اور شین معجمہ کے ساتھ پڑھنا چاہئے، مگر چار راویوں کے نام بائے موحدہ کے پیش اور سین مہملہ کے ساتھ وارد ہیں:

۱- عبداللہ بن بسرؓ صحابی، ۲- بسر بن سعید، ۳- بسر بن عبیداللہ حضرمی، ۴- بسر بن محجن۔

(دیکھئے: محاسن الاصطلاح : ۳۰۶، تدریب الراوي : ۵۶٦، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٥٥، المقنع: ٦٠٠١، المشتبه للذهبي: ۷۸-۷۹، تبصير المنتبه بتحرير المشتبه لابن حجر: ۱/ ۸٤-۸۷، التقييد والإيضاح للعراقي: ۳٤۲- ۳٤۳، شرح التبصرة والتذكرة ۲/ ۲۲۸- ۲۲۹)

ان تینوں کتابوں میں جہاں بھی لفظ بشیـــــر جو بشارت بمعنی خوشخبری سے ماخوذ ہے، اس کو طویل کے وزن پر پڑھنا چاہئے، مگر چار راویوں کے نام مصغر آئے ہیں، ان میں سے دو: ۱- بشیر بن کعب عدوی ۲- اور بشیر ابن یسار، شین معجمہ کے ساتھ ہیں، اور دو سین مہملہ سے وارد ہیں جنہیں یائے تحتیہ کے ساتھ پڑھنا چاہئے: ۳- یسیر بن عمرو ۴- اور دوسرے کو نون مضمومہ کے ساتھ پڑھنا چاہئے، وہ قطن بن نسیر کے باپ کا نام ہے۔

(دیکھئے: محاسن الاصطلاح : ۳۰٦، تدريب الراوي: ٥٦٦- ٥٦٧، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٥٥، المقنع: ٦٠١، المشتبه للذهبي: ٨١، تبصير المنتبه: ٩١، التقييد والإيضاح: ٣٤٣، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/ ٢٣٠)

قاعدہ: یزید کا ہم شکل لفظ جہاں آئے وہ زیادۃ سے مضارع معروف غائب کا صیغہ ہے، مگر تین راوی:

۱- بُرید بن عبداللہ بن ابی بردہ، بائے موحدہ کے پیش اور رائے مہملہ کے فتحہ کے ساتھ ہے جو برد بمعنی اولہ کی تصغیر ہے۔

۲- محمد بن عرعرۃ بن البر ند کے دادا کا نام ہے، جو بائے موحدہ کے زیر (کسرہ) اور رائے مہملہ اور نون ساکن کے ساتھ وارد ہے، بعض محدثین دونوں (با اور را) پر فتحہ پڑھتے ہیں۔

۳- علی بن ہاشم بن البر ید کے دادا کا نام بائے موحدہ کے زبر (فتحہ) اور یائے تحتیہ کے زیر (کسرہ) سے پڑھتے ہیں۔

(دیکھئے: معرفة أنواع علم الحديث :٤٥٥-٤٥٦، المقنع: ٦٠١ -٦٠٢، المشتبه للذهبي: ٦٦٧، تبصير المنتبه: ١٤٩٠، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/ ٢٣١- ٢٣٢)

قاعدہ: جہاں بھی براء آئے اس کو مخفف پڑھنا چاہئے، اور اس کی با کو مفتوح سمجھنا چاہئے، مگر دو راویوں کے نام: ۱- ابوالعالیۃ البرّاء، ۲- اور ابو معشر البرّاء کو با کے فتحہ اور را کی تشدید سے پڑھنا چاہئے۔

(دیکھئے: تدريب الراوي: ٥٦٧، محاسن الاصطلاح: ٣٠٦، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٥٦، المقنع: ٦٠٢، المشتبه للذهبي: ٥٥، تبصير المنتبه: ٧٢، التقييد والإيضاح: ٣٤٣ -٣٤٤، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/ ٢٣٢ -٢٣٣)

قاعدہ: حارثۃ کی شکل کے نام کو حائے مہملہ، رائے مکسورہ اور ثائے مثلثہ مفتوحہ سے پڑھنا چاہئے، مگر چار جگہ جیم، رے اور یائے تحتیہ کے ساتھ سمجھنا چاہئے:

۱- جاریۃ بن قدامہ، ۲- یزید بن جاریۃ، ۳- عمرو بن ابی سفیان بن اسید بن جاریۃ، ۴- الاسود بن العلاء بن جاریۃ.

(دیکھئے: تدريب الراوي: ٥٦٧، محاسن الاصطلاح: ٣٠٦، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٥٦،

المقنع: ٦٠٢، المشتبه للذهبي: ١٢٧ -١٢٦، تبصير المنتبه: ٢٣٠، التقييد والإيضاح :٣٤٤)

قاعدہ: جریر کی صورت ہر جگہ جیم اور رائے مہملہ کی تکرار کے ساتھ سمجھنی چاہئے، مگر دو راویوں کے نام ایسے آئے ہیں جن کے پہلے حائے مہملہ اور آخر میں زائے منقوطہ ہے:

۱۔ حریز بن عثمان الرجبی جو کوفہ کے محلّہ رحب کی طرف منسوب ہیں۔ ۲- اور ابو حریز عبداللہ بن حسین جو عکرمہؓ سے راوی ہیں۔

(دیکھئے: تدريب الراوي: ٥٦٨، محاسن الاصطلاح: ٣٠٧، معرفة أنواع علم الحديث :٤٥٦، المقنع: ٦٠٣، المشتبه: ١٥١، تبصير المنتبه: ٢٤٩، التقييد والإيضاح: ٣٤٤، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/٢٣٤ - ٢٣٥)

قاعدہ: خراش ہر جگہ خائے معجمہ کے ساتھ آیا ہے، مگر ربعی بن حراش کے باپ کا نام حائے مہملہ سے وارد ہوا ہے۔

(دیکھئے: تدريب الراوي: ٥٦٨، محاسن الاصطلاح :٣٠٧، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٥٦، المقنع: ٦٠٣، المشتبه: ٢٢٣، تبصير المنتبه: ٤٢٢، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/٢٣٣ -٢٣٤)

قاعدہ: حصین ہر جگہ مصغر ہے، اور صاد مہملہ کے ساتھ ہے، مگر ابو حَصین عثمان بن عاصم، طویل کے وزن پر ہے، اور حُضین بن المنذر ابو ساسان بصیغۂ تصغیر ضاد معجمہ کے ساتھ ہے۔

(دیکھئے: تدريب الراوي: ٥٦٨، محاسن الاصطلاح :٣٠٧، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٥٦، المقنع: ٦٠٣، المشتبه: ٢٤٠، تبصير المنتبه: ٤٤٢، شرح التبصرة والتذكرة ٢/ ٢٣٥ - ٢٣٦)

حازم ان تینوں کتابوں میں ہر جگہ حائے مہملہ اور زائے منقوطہ کے ساتھ ہے، مگر ابو معاویہ محمد بن خازم کا باپ جو ضریر کوفی سے مشہور ہے، اور اعمش کا شاگرد ہے وہ خائے معجمہ سے ہے۔

(دیکھئے: معرفة أنواع علوم الحديث: ٤٥٦، المقنع: ٦٠٣ - ٦٠٤، المشتبه: ٢٠٠، تبصير المنتبه: ٣٨٦، شرح التبصرة والتذكرة ٢/٢٣٣)

حبان بن منقذ اور محمد بن یحییٰ بن حبان کا دادا اور حبان بن واسع اور اس کا دادا نیز حبان بن ہلال میں اس جگہ حاء پر زبر (فتحہ) اور باء کو مشدد پڑھنا چاہئے، اور حِبان بن عِطیہ، حِبان بن موسیٰ اور حِبان بن العرفہ میں حاء مکسورہ اور با کو مشدد پڑھنا چاہئے۔

(دیکھئے: محاسن الاصطلاح :٣٠٨، تدريب الراوي: ٥٦٩، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٥٧، المقنع: ٦٠٤، المشتبه للذهبي: ١٣١، تبصير المنتبه: ٢٧٦- ٢٨٢، شرح التبصرة والتذكرة ٢/٢٣٦- ٢٣٨)

حبیب کو ہر جگہ حائے مہملہ پر زبر (فتحہ) اور بائے موحدہ پر زیر (کسرہ) کے ساتھ سمجھنا چاہئے، یہ حُبٌّ اور محبۃ سے

طویل کے وزن پر ہے، مگر تین جگہ خائے معجمہ کے پیش کے ساتھ مصغر سمجھنا چاہیئے، جو خبابت بمعنی دانائی مصدر سے بنا ہے:
۱- خُبیب بن عدی، ۲- خبیب بن عبدالرحمٰن، ۳- ابوخبیب حضرت عبداللہ بن الزبیر کی کنیت ہے۔
(دیکھئے: محاسن الاصطلاح: ۳۰۸، تدريب الراوي: ٥٦٩، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٥٧، المقنع: ٦٠٥، المشتبه: ٢١٤ - ٢١٥، تبصير المنتبه: ٤٠٧، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/٢٣٩ - ٢٤٠)

حکیم ہر جگہ حکمت سے طویل کے وزن پر پڑھنا چاہیئے، مگر والد رزیق بن حُکیم بن عبداللہ، اور حُکیم ابن عبد اللہ حَکَم کی تصغیر ہے۔
(دیکھئے: محاسن الاصطلاح: ۳۰۸، تدريب الراوي: ٥٧٠، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٥٧، المقنع: ٦٠٥، المشتبه: ٢٤٣، تبصير المنتبه: ٤٤٦، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/٢٤١-٢٤٢)

رَباح ہر جگہ بائے موحدہ اور رے کے زبر (فتحہ) کے ساتھ ہے، مگر ابوقیس زیاد بن رِیاح کے باپ کا نام یائے تحتیہ اور را کے زیر (کسرہ) کے ساتھ ہے۔
(دیکھئے: محاسن الاصطلاح: ۳۰۸، التدريب: ٥٧٠، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٥٧، المقنع: ٦٠٥، المشتبه: ٣٠٢ - ٣٠٣، تبصير المنتبه: ٥٨٧، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/٢٤٠-٢٤١، التقييد والإيضاح للعراقي: ٣٤٦- ٣٤٧)

زُبَید اس کو صحیحین میں زائے منقوطہ کے پیش اور بائے موحدہ کے زیر سے پڑھنا چاہیئے، یہ زبد بمعنی مکھن کی تصغیر ہے، اور موطأ میں زُیید پڑھنا چاہیئے جو مشہور نام زید کی تصغیر ہے۔
(دیکھئے: محاسن الاصطلاح: ۳۰۸، تدريب الراوي: ٥٧١، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٥٨، المقنع: ٦٠٦، المشتبه: ٣٣٣، تبصير المنتبه: ٦٣٩، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/٢٤٢ - ٢٤٣)

سُلیم ان تینوں کتابوں میں ہر جگہ تصغیر کے صیغہ کے ساتھ وارد ہے مگر سَلیم بن حیان طویل کے وزن پر ہے۔
(بحوالہ بالا)

سَلم ہر جگہ سین کے زبر (فتحہ) اور لام کے سکون کے ساتھ آیا ہے۔ (بحوالہ بالا)

شُرَیح ہر جگہ شین معجمہ کے پیش اور آخر میں حائے مہملہ کے ساتھ آیا ہے، مگر تین راوی سین مہملہ (مضمومہ) اور جیم سے بھی وارد ہیں: ۱- سُریج بن یونس، ۲- سُریج بن النعمان، ۳- احمد بن ابی سُریج۔ (بحوالہ بالا)

سُلیمان ہر جگہ (یائے تحتانیہ کے ساتھ) مشہور پیغمبر کا نام ہے، مگر چھ راوی: ۱-سلمان فارسی ۲-سلمان بن عامر ضبّی ۳-سلمان الاغر ۴-عبدالرحمٰن بن سلمان، ۵-ابوحازم جو حضرت ابو ہریرہؓ سے راوی ہیں، ان کا نام بھی سلمان ہے۔ ۶-ابورجاء مولائے حضرت ابوقلابہ کا نام بھی سلمان ہے۔ (کہ یہ سب حذف یاء کے ساتھ ہیں۔)

(دیکھئے:تدريب الراوي: ٥٧٢، محاسن: ٣٠٩، معرفة أنواع علوم الحديث: ٤٥٨، المقنع لابن الملقن: ٦٠٦- ٦٠٧، التقييد والإيضاح: ٣٤٨)

سلمہ ہرجگہ تینوں حروف کے زبر کے ساتھ وارد ہے، مگر دو جگہ اس کو لام کے زیر (کسرہ) کے ساتھ پڑھنا چاہئے: ۱-عمرو بن سَلِمہ الجرمی جو بصرہ کی مسجد کا امام تھا، اور ۲-بنوسَلِمہ جو انصار کا قبیلہ تھا۔

(دیکھئے:معرفة أنواع علم الحديث: ٤٥٩، المقنع لابن الملقن: ٦٠٧، المشتبه للذهبي: ٣٦٥، تبصير المنتبه لابن حجر: ٦٨٨، التقييد والإيضاح للعراقي: ٣٤٨، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/ ٢٢٧)

عُبَيدَة ہرجگہ مصغر آیا ہے، مگر چار جگہ: ۱-عَبِيدة سلمانی جو حضرت علی کے شاگرد تھے، ۲-عبیدة بن حُمید، ۳-عبیدة بن سفیان، ۴-عامر بن عَبِيدة الباہلی مصغر نہیں ہیں۔

(دیکھئے:تدريب: ٥٧٣، محاسن الاصطلاح: ٣١٠، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٥٩، المقنع لابن الملقن: ٦٠٨، المشتبه للذهبي: ٤٣٧ -٤٣٩، تبصير المنتبه: ٩١٣ - ٩١٥، التقييد والإيضاح: ٣٥٠، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/ ٢٤٥)

عُبادة ہرجگہ عین کے پیش اور بائے موحدہ کے تخفیف کے ساتھ ہے، مگر محمد بن عبادة الواسطی جو امام بخاری کے استاد ہیں، وہ عین کے زبر (فتحہ) کے ساتھ ہے۔

(دیکھئے:معرفة أنواع علم الحديث :٤٥٩، المقنع لابن الملقن: ٦٠٨، المشتبه للذهبي: ٤٣٠، تبصير المنتبه: ٨٩٥، شرح التبصرة والتذكرة للعراقي: ٢/ ٢٤٩)

(ابن ماکولاؒ نے ان کے علاوہ تین آدمی اور بھی بتلائے ہیں، جو امام بخاریؒ کے شیوخ میں سے تو نہیں ہیں، البتہ عین کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ ۱- عَبادة بن عُمر بن ابی ثابت، ۲-عَبادة بن زیاد اسدی کوفی، ۳- یحییٰ بن عَبادة)

(الإكمال:٦/٢٧)

عَبْدة ہرجگہ عین کے زبر (فتحہ) اور بائے موحدہ کے سکون سے ہے، مگر عامر بن عبدہ جو صحیح مسلم کے خطبہ میں وارد ہے، اس کو عین اور بے دونوں پر زبر (فتحہ) کے ساتھ پڑھنا چاہئے، اور اسی طرح بخالہ بن عبدہ بھی ہے۔

(دیکھئے:محاسن الاصطلاح: ٣١٠، تدريب الراوي: ٥٧٣، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٥٩، المقنع لابن الملقن: ٦٠٨، المشتبه للذهبي: ٤٣٤، تبصير المنتبه لابن حجر: ٩٠٧، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/ ٢٤٧)

عَبّاد ہرجگہ عین کے زبر (فتحہ) اور بائے موحدہ کی تشدید کے ساتھ وارد ہے، مگر قیس بن عُباد، عین کے پیش اور بائے موحدہ کی تخفیف کے ساتھ آیا ہے۔

(دیکھئے:المحاسن : ٣١٠، تدريب الراوي: ٥٧٣، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٦٠، المقنع:

٦٠٨، المشتبه: ٤٢٩ سير المنتبه: ٨٩٢)

عَقيل عین کے زبر (فتحہ) اور قاف کے زیر (کسرہ) کے ساتھ آیا ہے، مگر تین راوی مصغر وارد ہیں:

۱- زُہری کے شاگرد عُقیل بن خالد، ۲- یحییٰ بن عُقیل، ۳- بنو عُقیل مشہور قبیلہ ہے۔

(دیکھئے: محاسن الاصطلاح: ٣١٠، تدريب الراوي: ٥٧٣، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٦٠، المقنع: ٦٠٨، المشتبه: ٤٦٦، تبصير المنتبه: ٩٥٩-٩٦٠، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/ ٢٤٨-٢٤٩)

واقد ہر جگہ قاف کے ساتھ ہے۔

(دیکھئے: معرفة أنواع علم الحديث: ٤٦٠، المقنع: ٦٠٨، المشتبه: ٦٥٧، تبصير المنتبه: ١٤٦٥، ح التبصرة والتذكرة: ٢/ ٢٤٩)

نصر اگر لام تعریف کے ساتھ آئے تو ضاد معجمہ سے پڑھنا چاہئے، جیسے ابی النضر اور النضر بن الحارث، اور اگر بغیر لام تعریف کے آئے تو صاد مہملہ سے پڑھنا چاہئے، یہ اصطلاحی فرق ہے جو کتابت میں امتیاز کی غرض سے اختیار کیا گیا ہے، جیسے عُمر اور عَمرو میں کیا ہے۔

عُبید اور حُمید ہر جگہ مصغر ہے۔

أيــلــي، اَیلہ کی طرف منسوب ہے جو حدودِ شام میں ایک شہر ہے، یہ ہمزہ کے زبر (فتحہ) اور یائے تحتیہ کے سکون اور لام تخفیف کے ساتھ وارد ہوا ہے، یہ اس صورت میں اُبُلّی سے جو ابلہ ہمزہ اور بائے موحدہ کے پیش اور لام مشدد سے مشتبہ ہو جاتا ہے، لیکن صحیحین میں کوئی راوی اُبُلّی کی نسبت والا نہیں آیا ہے، اور جو ہے بھی تو اس کی نسبت مذکور نہیں ہے، جیسے شیبان بن فروخ کہ ان سے امام مسلم نے روایت کی ہے، مگر ان کی نسبت میں لفظ اُبُلّی ذکر نہیں کیا ہے۔

(دیکھئے: محاسن الاصطلاح: ٣١٠، تدريب الراوي: ٥٧٤، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٦٠، المقنع: ٦٠٩، المشتبه: ٦، تبصير المنتبه: ٣٣، التقييد والإيضاح: ٣٥١، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/ ٢٤٩)

بــــزّاز ہر جگہ دو زائے منقوطہ سے ہے، یعنی کپڑا بیچنے والا، یہ بزٌّ سے مشتق ہے جو کپڑے کے معنی میں آتا ہے، مگر دو راوی بزار ہیں، بزار عربی میں بزر فروش کو کہتے ہیں یعنی تخم فروش کو بولتے ہیں، اور ایسے پیشے والے کو ہندی میں پنساری کہتے ہیں۔

(دیکھئے: تدريب الراوي: ٥٧٤، محاسن الاصطلاح: ٣١١، معرفة أنوع علوم الحديث: ٤٦٠، المقنع: ٦٠٩-٦١٠، المشتبه: ٧١، تبصير المنتبه: ١٤٧-١٤٨، التقييد والإيضاح: ٣٥٢، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/ ٢٥٠)

البصری ہر جگہ بائے موحدہ کے ساتھ، شہر بصرہ کی طرف نسبت ہے، مگر تین راوی نون سے آئے ہیں، اور وہ ایک مشہور قبیلہ بنی نصر کی طرف منسوب ہیں:

۱- مالک بن اوس النصری، ۲- عبدالواحد بن عبداللہ النصری، ۳- سالم بن فلاں جو نصریین کا مولیٰ (غلام) ہے۔

(دیکھئے: محاسن الاصطلاح: ۳۱۱، تدریب الراوي: ۵۷٤، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٦٠، المقنع: ٦١٠، المشتبه: ۸۳، تبصير المنتبه: ۱۵۷ - ۱٦۰، شرح التبصرة والتذكرة: ۲/ ۲۵۰ -۲۵۱)

الثوری ہر جگہ ثائے مثلثہ سے ہے، مگر ابویعلیٰ محمد بن الصلت التوزی جو تائے مثناۃ فوقانیہ اور تشدید واو کے ساتھ ہے، توز کی طرف نسبت ہے، جس کے آخر میں زائے منقوطہ ہے۔

(دیکھئے: محاسن الاصطلاح: ۳۱۱، تدریب الراوي: ۵۷٤، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٦١، المقنع: ٦١٠، المشتبه: ۹۸، تبصير المنتبه: ۱۷۸، شرح التبصرة والتذكرة: ۲/ ۲۵۱ -۲۵۲)

جُريري ہر جگہ جیم کے ساتھ ہے اور مصغر ہے، مگر یحییٰ بن ایوب جریری جیم کے زبر (فتحہ) سے آیا ہے، اور یحییٰ بن بشر حریری جو بخاری اور مسلم کے استاد ہیں، حائے مہملہ کے زبر (فتحہ) سے آئے ہیں، اور حریر (ریشم) کی طرف منسوب ہیں۔

(دیکھئے: محاسن الاصطلاح: ۳۱۱، تدریب الراوي: ۵۷۵، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٦١، المقنع: ٦١٠، المشتبه: ۱٤۹ - ۱۵۰، تبصير المنتبه: ۳۱۹ - ۳۲۱، التقييد والإيضاح: ۳۵۲ - ۳۵۵، شرح التبصرة والتذكرة: ۲/ ۲۵۲- ۲۵۳)

السُّلَمي ہر جگہ لام کے زبر (فتحہ) سے آیا ہے، اور محدثین ان راویوں کو جو انصار کے قبیلہ بنی سلمہ کی طرف منسوب ہیں، لام کے زیر (کسرہ) کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

(دیکھئے: محاسن الاصطلاح: ۳۱۲، تدریب الراوي: ۵۷۵، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٦١ - ٤٦۲، المقنع: ٦١٢، المشتبه: ۳٦۵، تبصير المنتبه: ۷۳۹ - ۷٤۰)

الهمداني، ہر جگہ سکون میم کے ساتھ قبیلہ ہمدان کی طرف منسوب ہے، لیکن ہمذان میم کے زبر (فتحہ) سے عراقِ عجم کے شہروں میں سے ایک شہر کا نام ہے، اور صحیحین میں اس شہر کی طرف نسبت نہیں آئی ہے۔

(دیکھئے: تدریب: ۵۷٦، محاسن: ۳۱۲، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٦۲، المقنع: ٦١٢، المشتبه: ٦۵٤، تبصير المنتبه: ۱٤٦۰ - ۱٤٦۲)

فائدہ: محدثین کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ راوی کی (۱) کنیت، (۲) نسب، (۳) نسبت، (۴) نام، (۵) صنعت کا ذکر کرتے ہیں، اور ان کی غرض اس عمل سے احتیاط کامل کا اظہار ہوتا ہے، کیونکہ کبھی تو نام مشترک ہوتا ہے، اور کبھی فقط کنیت مشترک ہوتی ہے، ایسی صورت میں راوی اور غیر راوی میں امتیاز بغیر مبالغہ اور کامل احتیاط برتے نہیں ہوسکتا ہے، (لہٰذا ایسی صورت میں کنیت، نسب، نسبت، نام، اور صنعت کا ذکر ضروری ہوتا ہے۔) بلکہ بعض جگہ راوی کا نام اور اس کے باپ کا نام بھی مشترک ہوتا ہے، چنانچہ محدثین نے لکھا ہے کہ خلیل بن احمد نام کے چھ شخص گزرے ہیں، اور انس بن مالک نام کے پانچ شخص ہوئے ہیں، اور کسی راوی کا نام، اس کے باپ کا نام اور اس کے دادا کا نام بھی مشترک واقع ہوا ہے،

چنانچہ احمد بن جعفر بن حمدان نام کے چار شخص ہیں، اور خود ان کا نام اور ان کے باپ کا نام اور ان کے دادا کا نام ایک ہی ہے، اور محمد بن یعقوب بن یوسف دو شخص ہیں، اور بعض کنیت اور نسبت ایک سی ہوتی ہیں، چنانچہ ابوعمران جونی دو شخص ہیں: ایک کا نام عبدالملک بن حبیب ہے، اور دوسرے کا موسیٰ بن سہل ہے، اور اس طرح ابوبکر بن عیاش بھی تین راوی ہیں۔

(دیکھئے تدریب الراوي: ٥٧٦، محاسن الاصطلاح: ٣١٣، المقنع: ٦١٤ - ٦١٧، التقييد والإيضاح: ٣٥٦ - ٣٥٩، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/ ٢٥٨ - ٢٦٦)

غرض محدثین کی اس قدر چھان بین کو بیکار نہیں سمجھنا چاہئے، ان کا اس سے مقصد راویوں میں باہم امتیاز کرنے میں پوری احتیاط کرنا ہوتا ہے، تاکہ ضعیف راوی، اور ثقہ راوی سے اشتباہ نہ ہو سکے، اور اگر دونوں راوی عدالت اور وثوق کی صفت میں برابر ہوں تو اشتباہ مضر نہیں ہوتا، لیکن محدثین کے یہاں اس میں امتیاز کے لیے قرائن اور اشارات ہیں: مثلاً سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ میں ان کے شیوخ اور شاگردوں سے تمیز ہوتی ہے، اور اگر استاد اور شاگرد بھی ہم نام اور ہم نسبت ہوں تو امتیاز نہایت دشوار ہوتا ہے، اور ایسے ہی مواقع پر محدث ہونے کا امتحان ہوتا ہے۔

بصرہ میں فن حدیث کے ایک زمانے میں دو امام موجود تھے جنہیں حمادین کہتے ہیں:

۱-حماد بن زید بن درہم، اور ۲-حماد بن سلمہ، لہٰذا صحیحین میں جہاں بھی عارم کی روایت حماد سے آئے اس کو حماد بن زید سے سمجھنا چاہئے، اور اگر موسیٰ بن اسمٰعیل تبوذ کی راوی ہوگا تو پھر حماد بن سلمہ مراد ہوتا ہے۔

(دیکھئے: تدریب الراوي: ٥٨٢، محاسن الاصطلاح: ٣١٦، المقنع: ٦١٨ - ٦١٩، التقييد والإيضاح: ٣٦٠ - ٣٦١، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/ ٢٦٨ - ٢٧٠)

صحیحین میں عبداللہ بغیر کسی قید کے آئے تو صحابہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ مراد ہوتے ہیں، اور ائمہ حدیث میں عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ۔

اَبو جمرة جیم اور رائے مہملہ سے حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد ہیں، اور ابوحمزۃ حائے مہملہ اور زائے منقوطہ سے بھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد (مراد) ہے، شعبہ نے ان دونوں سے روایت کی ہے، لہٰذا اصطلاح یہ ہے کہ شعبہ جس وقت مطلق ابوجمرۃ کہتے ہیں تو نصر بن عمران مراد ہوتے ہیں جو کہ جیم سے ہیں، اور جس وقت وہ نسب سے مقید کرتے ہیں تو ابوحمزۃ حائے مہملہ سے مراد ہوتے ہیں، واللہ اعلم۔

(دیکھئے: المقنع: ٦١٩ - ٦٢٠، المشتبه: ٢٤٧، التقييد والإيضاح: ٣٦٤، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/ ٢٧١)

کسی جگہ ماں کا نام باپ کے نام سے مشتبہ ہو جاتا ہے، لیکن غور و خوض سے پتہ چلتا ہے کہ ماں کا نام ہے، باپ کا نام نہیں ہے، جیسا کہ حدیث میں معاذ اور مُعَوِّذ ابنَی عفراء آیا ہے، اور حضرت معاذ اور معوذ رضی اللہ عنہما دونوں عفراء کے بیٹے ہیں، اس میں عفراء ان کی ماں کا نام ہے، اور ان کے باپ کا نام حارث ہے، بعض روایتوں میں بلالؓ ابن حمامہ

آیا ہے، یہ وہ بلالؓ بن رباح ہیں جو پیغمبر خدا ﷺ کے خادم تھے، ان کی والدہ کا نام حمامہ ہے، نیز صحیحین میں عبداللہ بن بحینہ کا نام آیا ہے، بحینہ ان کی ماں کا نام ہے، اوران کے باپ کا نام مالک ہے، اور بعض جگہ اس طرح جمع کر کے کہہ دیا گیا ہے، عبداللہ بن مالک ابن بحینہ، ایسی صورت میں ان کی ماں اوران کے دادا کے نام میں اشتباہ ہوجاتا ہے، لہٰذا یہ اصول بنایا گیا ہے کہ مالک اور بحینہ میں ابن کے الف کو قائم رکھتے ہیں، اور گراتے نہیں ہیں تاکہ معلوم رہے کہ یہ عبد اللہ کی صفت ہے، مالک کی صفت نہیں ہے، اس طرح محمد ابن الحنفیہ میں ہے کہ ان کے والد بزرگوار حضرت علی بن ابی طالب ﷺ ہیں، اور حنفیہ ان کی ماں کی طرف نسبت ہے، اوران کا نام خولۃ بنت جعفر تھا، اور جعفر یمامہ اور بنی حنفیہ کے سردار تھے، جس طرح اسماعیل بن عُلَیہ ہے کہ ان کے باپ کا نام ابراہیم ہے۔

(دیکھئے: تدریب الراوي: ۵۹۱، محاسن الاصطلاح: ۳۲۱، المقنع: ۶۲۶ -۶۲۷، التقييد والإيضاح: ۳۷۳، شرح التبصرة والتذكرة: ۲/ ۲۸۱)

ایک شخص کی نسبت اس کے دادا کی طرف کرنا حدیث کی کتابوں میں بکثرت موجود ہے، بلکہ محاوراتِ عرب میں نہایت عام اور مشہور ہے، چنانچہ ''أنا ابن عبد المطلب '' اس کی نہایت واضح دلیل ہے، اوراس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ کبھی دادی کی طرف بھی نسبت کر دیتے ہیں، جیسے یعلی بن مُنیہ کہ مُنیہ ان کی دادی کا نام ہے، جوان کے باپ کی ماں تھیں، اور بشیر بن الخصاصیہ بھی اس طرح سے ہے، اور جو دادا سے منسوب ہیں وہ تو بہت ہیں، جیسے ابوعبیدۃ بن الجراح کہ ان کے والد کا نام عبداللہ بن الجراح ہے، اور مثلاً ابن جریج کہ ان کا نام عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج ہے، اوراحمد بن حنبل کہ ان کے والد کا نام محمد ہے۔

اور متبنی ہونے کی وجہ سے اس شخص کی طرف نسبت کر دیتے ہیں جس کا وہ منہ بولا بیٹا ہوتا ہے، جیسے مقدادؓ بن الاسود کہ اصل میں مقداد بن عمرو بن ثعلبۃ الکندی ہے، ان کی پرورش چونکہ اسود بن عبدیغوث زہری قرشی نے کی تھی، ا اس نے انہیں گود لے لیا تھا، اس لئے اس کی طرف نسبت سے مشہور ہوگئے، اوراسی طرح حسن بن دینار ہے کہ اصل میں حسن بن واصل ہے، اور دیناران کی ماں کا خاوند تھا۔

(دیکھئے: المقنع: ۶۲۷ -۶۲۹، التقييد والإيضاح: ۳۷۳- ۳۷۴، شرح التبصرة والتذكرة: ۲/ ۲۸۲ -۲۸۴)

فائدہ: واضح رہے حدیث کی کتابوں کی کئی قسمیں ہیں، ایک قسم کو جامع کہتے ہیں، جامع محدثین کی اصطلاح میں وہ کتاب ہے جس میں مقررہ آٹھ قسم کی حدیثیں پائی جاتی ہیں۔

یعنی ۱- عقائد کی حدیثیں، ۲- احکام کی حدیثیں، ۳- رقاق کی حدیثیں، ۴- کھانے پینے، سفر وحضر، نشست وبرخاست کے آداب کی حدیثیں، ۵- تفسیر سے متعلق حدیثیں، ۶- تاریخ وسیر سے متعلق حدیثیں، ۷- فتنوں سے متعلق حدیثیں، ۸- فضائل ومناقب سے متعلق حدیثیں یکجا ہوتی ہیں۔ (الرسالة المستطرفة)

محدثین نے ان مذکورۂ بالا آٹھ فن میں سے ہر فن پر جداگانہ تالیفات کی ہیں، عقائد کی حدیثوں کو علم التوحید والصفات کے نام سے یاد کرتے ہیں، جیسے ابو بکر بن خزیمہ کی کتاب "التوحید" مشہور کتاب ہے، اور امام بیہقیؒ کی کتاب ''الأسماء والصفات'' ہے۔

اور احادیث احکام کا نام سنن ہے، یہ کتاب الطہارات سے کتاب الوصایا تک فقہی ابواب کی ترتیب پر مرتب ہوتی ہے، اس موضوع پر نہایت کثرت سے کتابیں لکھی گئی ہیں۔

اور احادیث رقاق کا نام علم الزہد والسلوک ہے، امام احمدؒ، عبداللہ بن المبارکؒ وغیرہ محدثین نے کتاب الزھد کے نام سے جداگانہ کتابیں لکھیں ہیں۔

اور احادیث کے آداب کا نام علم الادب ہے، اس فن میں امام بخاریؒ کی نہایت مبسوط کتاب موجود ہے جس کو الأدب المفرد کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

تفسیر سے متعلق حدیثوں کو تفسیر کہتے ہیں، تفسیر ابن مردویہ، تفسیر دیلمی اور تفسیر ابن جریر وغیرہ حدیث کی تفسیروں میں بہت مشہور کتابیں ہیں، اور شیخ جلال الدین سیوطی کی کتاب ''الدر المنثور'' ان تمام کتابوں کی جامع ہے۔

تاریخ وسیر کی حدیثوں کی دو قسمیں کی گئی ہیں:

۱- وہ حدیثیں جو آسمان وزمین، حیوانات، جنات، شیاطین، فرشتوں کی پیدائش، گذشتہ انبیاء علیہم السلام اور پہلی امتوں سے متعلق ہیں، اس قسم کی حدیثوں کو بدء الخلق کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

۲- وہ حدیثیں جو ہمارے پیغمبر ﷺ کے وجود باجود اور صحابہ کرامؓ اور آپ کی عظیم آل واولاد سے متعلق ہیں، اور سرورِ کائنات ﷺ کی پیدائش سے وفات تک کے حالات پر مشتمل ہیں، وہ "**سِیَر**" کے نام سے موسوم ہیں، سیرتِ ابن اسحٰق، سیرتِ ابن ہشام، سیرتِ ملا عمر، نیز اس موضوع پر اور بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، اور فی الوقت اگر میر جمال الدین محدث حسینی کی کتاب ''**روضة الأحباب**'' کا نسخۂ صحیحہ مل جائے جو الحاق اور تحریف سے پاک ہو تو وہ اس موضوع پر سب سے بہتر کتاب ہے، اور ''**مدارج النبوة**'' شیخ عبدالحق محدث، اور ''**سیرتِ شامیه**'' اور ''مواهب لدنيه'' سیرت کی کتابوں میں سب سے بڑی کتابیں ہیں۔

اور احادیث فتن کا نام علم الفتن ہے، نعیم بن حماد نے ''كتاب الفتن'' نہایت بسط وتفصیل سے لکھی ہے، جس میں رطب ویابس سب کچھ جمع کر دیا ہے، اور علماء نے بھی اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں۔

فضائل ومناقب کے ذخیرہ احادیث کو علم المناقب کہتے ہیں، اس موضوع پر بھی قسم قسم کی متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں، خصوصا بعد میں محدثین نے بعض آل واصحاب کے مناقب پر کسی خاص غرض سے مستقل کتابیں لکھی ہیں، جیسے "مناقب قريش" "مناقب الأنصار" "مناقب العشرة المبشرة" جو محبّ طبری کی تالیف ہے، جس کا نام ''الرياض

النضرة في مناقب العشرة المبشرة ‘‘ ہے،اور’’ذخائر العقبیٰ في مناقب ذوي القربیٰ ‘‘اور’’حلیة الکمیت في مناقب أهل البیت ‘‘اور’’الدیباج في مناقب الأزواج ‘‘اور بہت سی کتابیں خلفائے راشدین کے مناقب میں لکھی گئی ہیں،خصوصاً’’القول الصواب في مناقب أمیر المؤمنین عمر بن الخطاب ‘‘اور’’القول الجلي في مناقب أمیر المؤمنین علي ‘‘ہے،اورامام نسائیؒ نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب میں ایک مبسوط رسالہ لکھا ہے،اورشام کے ناصبیوں نے غیر معمولی تعصب اور عناد کی وجہ سے ان کو دمشق میں اسی بناء پر شہید کر دیا تھا،رحمۃ اللہ علیہ۔

غرض **جامع** وہ کتاب ہے جوان فنون میں سے سب کانمونہ رکھتی ہے،جیسے صحیح بخاری اور جامع ترمذی ہے، صحیح مسلم میں اگر چہ ان فنون کی حدیثیں موجود ہیں،مگر جو حدیثیں تفسیر وقرأت سے متعلق ہیں وہ اس میں نہیں ہیں اس لئے اس کو جامع نہیں کہتے ۔

حدیث کی کتابوں کی دوسری قسم **مسانید** ہے۔

محدثین کی اصطلاح میں مُسند حدیث کی وہ کتاب ہے جس میں حدیثیں صحابہ کی ترتیب پر مذکور ہوں وہ ترتیب حروفِ تہجی کے اعتبار سے ہو،یا اسلام لانے میں سبقت کے اعتبار سے،یا شرافتِ نسب کے لحاظ سے،لہٰذا اگر حروفِ تہجی کے اعتبار سے حدیثیں جمع کریں گے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیثوں کو پہلے لکھیں گے،اور پھر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیثوں کو (علیٰ ہذا القیاس) جلیل القدر صحابہؓ کی حدیثوں سے پہلے لکھیں گے،اور اگر سبقت اسلام کے اعتبار سے جمع کریں گے تو عشرہ مبشرہؓ کی حدیثیں پہلے لکھیں گے،اور خلفائے راشدینؓ کی حدیثیں خلافت کی ترتیب پر سب سے پہلے لکھیں گے،اس کے بعد بدری صحابہ سے مروی حدیثیں اور پھر اہل حدیبیہ اور ان کے بعد ان صحابہ کی جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے تھے،ان کے بعد صحابیات سے مروی حدیثیں مذکور ہوں،اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی حدیثیں تمام صحابیات کی حدیثوں پر مقدم ہوں گی،اور حضورِ اکرم ﷺ کی پاکیزہ صاحبزادیوں سے حدیثیں مروی نہیں ہیں،البتہ حضرت سیدہ زہرا (فاطمہ) رضی اللہ عنہا سے تھوڑی سی حدیثیں مروی ہیں،اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر صاحبزادیاں آنحضرت ﷺ کے سامنے داخلِ بہشت ہوگئی تھیں،اور سیدۃ النساءؓ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد چھ مہینے تک بقیدِ حیات رہیں،اور پھر اپنے والدِ بزرگوار سے جاملیں،لہٰذا ان سے بھی زیادہ حدیثیں مروی نہیں۔

اگر قبائل ونسب کی ترتیب پر مُسند کو مرتب کریں تو پہلے بنی ہاشم کی مسانید خاص طور پر حضراتِ حسنین اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیثوں کو مقدم کریں گے،اس کے بعد ہر اس قبیلے کی حدیثوں کو پہلے ذکر کریں گے جس کو نسب کے اعتبار سے آنحضرت ﷺ سے زیادہ قرب ہوگا،لہٰذا اس اعتبار سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیثیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی حدیثوں پر مقدم ہوں گی،اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی حدیثیں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی حدیثوں پر مقدم ہوں گی،وعلیٰ ہذا القیاس۔

تیسری قسم معاجم ہے۔

معجم ،محدثین کی اصطلاح میں وہ کتاب ہے جس میں حدیثیں شیوخ کی ترتیب پر ذکر کی جاتی ہیں، اور یہاں شیوخ کی وفات کے تقدم کا اعتبار کرتے ہیں، یا پھر حروفِ تہجی کے مطابق اس کو مرتب کرتے ہیں، یا ترتیبِ فضیلت اور علم وتقویٰ میں تقدم کا اعتبار کرتے ہیں، لیکن اکثر حروفِ تہجی کی ترتیب کا لحاظ رکھتے ہیں، طبرانی کی معاجم ثلاثہ اسی ترتیب پر مرتب ہیں۔ (الرسالة المستطرفة:١٣٥)

چوتھی قسم اجزاء ہے۔

جزء ،محدثین کی اصطلاح میں وہ ہے جس میں صرف ایک خاص شخص کی مروی حدیثوں کو جمع کیا جاتا ہے، وہ شخص صحابہؓ کے طبقے میں ہوں یا اُن کے بعد کے طبقے میں اس کا شمار ہو، مثلاً جزوحدیث ابوبکرؓ، جزءِ حدیث مالکؒ وعلیٰ ہذا القیاس۔ (الرسالة المستطرفة ص٨٦)

اس قسم کا بھی محدثین میں بڑا رواج ہے، کبھی ایسا کرتے ہیں کہ جامع میں مذکور آٹھ موضوعوں میں سے کسی خاص موضوع کو اختیار کرتے ہیں، اور اس پر ایک نہایت مبسوط کتاب مرتب کرتے ہیں، چنانچہ بـاب النية پر ابوبکر ابن ابی الدنیا نے ایک مبسوط کتاب لکھی ہے، اور آجری نے رؤیت باری تعالیٰ پر ایک ضخیم کتاب لکھی ہے، اسی طرح دنیا کی مذمت اور بے ثباتی پر ابن ابی الدنیا نے ایک ضخیم تالیف یادگار چھوڑی ہے۔

رسائل جزئیہ:

علیٰ ہذا القیاس مذکورۂ بالا آٹھ مطالب میں سے ہر موضوع پر مستقل اور جداگانہ رسالے لکھے گئے ہیں جن کا احاطہ اور شمار بھی دشوار ہے، حافظ ابن حجر اور شیخ جلال الدین سیوطیؒ کی تصانیف میں رسالوں کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔

اربعین:

تصانیف حدیث کی ایک دوسری قسم بھی ہے جس کو ''اربعین'' کہتے ہیں، یعنی چالیس حدیثوں کو ایک باب میں یا مختلف ابواب میں ایک ہی سند یا متعدد سندوں سے جمع کرتے ہیں، اربعینات بھی بے شمار ہیں جو دیکھی اور سُنی جاتی ہیں، لہٰذا تصنیفاتِ حدیث کی چھ قسمیں ہوئیں:

١-جوامع، ٢-مسانید، ٣- معاجم، ٤- اجزاء، ٥- رسائل،٦- اربعینات، رسائل کو کتابیں بھی کہتے ہیں۔

دوسرا امر، یعنی معانیِ احادیث کے سمجھنے میں احتیاط برتنا، تو اس کی حقیقت بھی اُمرِ اول کی تحقیق سے آشکارا ہوگئی، کیونکہ ''مشارق الأنوار'' مثلاً ''صحيحين وموطأ'' کی حدیثوں کے معانی کی توضیح کے لیے کافی ہے، اور صحاح ستہ کی تشریح کے لیے سب سے بے پرواہ کرنے والی کتاب ''جـامـع الأصول'' ہے، اور شیخ محمد طاہر کی کتاب ''مجمع البحار'' تمام کتبِ احادیث یعنی طبقاتِ مذکورہ کی تحقیق کے لیے کافی ہے۔

اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ حدیثوں کی شرح اور توجیہ میں ہر طرح کا کلام اور رطب و یابس سب کچھ لکھا گیا ہے، اس لئے اب ان علماء سے واقفیت ضروری ہے جو اس باب میں قابل اعتماد ہیں، اور ان کی تصانیف سے بھی پورا فائدہ اٹھانا چاہئے، علمائے شافعیہ میں سے امام نووی، محی السنہ البغوی اور ابوسلیمان خطابی نہایت قابل اعتماد ہیں، ان کا قول محکم اور ان کی بحثیں نہایت پُر مغز ہوتی ہیں، خاص طور سے بغوی کی "شــرح السنة" فقہِ حدیث اور حل مشکلات میں کافی وشافی ہے، گویا کہ مصابیح اور مشکوٰۃ کی شرح اسی سے ہو جاتی ہے، صحیح مسلم کی شرح امام نوویؒ کی تالیف ہے، اور "معالم السنن" سنن ابی داؤد کی شرح خطابی کی تصنیف ہے۔

علمائے حنفیہ میں سے امام طحاویؒ شرح احادیث میں سب سے مقدم اور سب کے پیشوا ہیں، اس باب میں ان کی کتاب ''معاني الآثار' حنفیہ کی گویا دستاویز ہے۔

ابن عبدالبرؒ مالکیہ میں سب سے پیش پیش ہیں، اور اس موضوع پر ''الاستذکار'' اور ''التمهيد'' ان سے یادگار ہیں۔

حدیث کی کتابوں کی شرح بہت سے علماء نے لکھی ہیں، جن کے ناموں اور ان کی کتابوں کا شمار سر دست امکان سے باہر ہے، ہر ایک کا اسلوبِ بیان نرالا ہے، لیکن وہ سب ان ہی چند علماء کے خوشہ چین اور زلّہ ربا ہیں، لہٰذا ان محققین علماء کی تصانیف دستیاب ہو جائیں تو متاخرین کے تکلّفات اور تصنّعات کی حاجت نہیں رہتی ہے۔

حضرت والد ماجد قدس سرہ نے معانیِ احادیث کے سمجھنے اور حدیثوں میں تعارض کو اٹھانے کے عجیب وغریب اصول تحریر فرمائے ہیں، اگر فرصت مل سکی تو ان شاء اللہ اس کا کچھ حصہ نقل کر کے برادر موصوف کو روانہ کروں گا، اور کتاب ''المغيث في مختلف الحديث'' بھی نمونے کے طور پر خوب ہے، اب ہم نے فصل اول کے مطالب سے فراغت پائی ہے، فصل دوم کے مطالب کا سلسلہ شروع کرتے ہیں۔

فصل دوم: علم حدیث کی سند کے بیان میں

جاننا چاہئے اس فقیر (عبدالعزیز) نے اس علم کو اور تمام علوم کو والد ماجد کی خدمت میں رہ کر حاصل کیا ہے، اور اِس علم کی بعض کتابیں مثلاً ''مصابيح السنة''، "مشكوٰة"، "مسوّى شرح موطأ" (جو حضرت والد ماجد کی تصنیف ہے) حصن حصین اور شمائل ترمذی موصوف کی خدمت میں قراءۃً اور سماعاً نہایت تحقیق و تدقیق کے ساتھ حاصل کی ہیں، صحیح بخاری کی ابتداء کا کچھ حصہ بطریق درایت ان سے سنا ہے، صحیح مسلم اور دوسری صحاح ستہ کی سماعت بھی ان سے ترتیب کے ساتھ اور مسلسل نہیں ہو سکی، جس کی وجہ یہ تھی کہ طالب علم ان کے سامنے پڑھتے تھے، اور ان میں مَیں بھی ہوتا تھا، اور ان کی تحقیقات اور تنقیحات کو گوش گذار کرتا رہتا تھا، تا آنکہ حدیث کے معانی کے سمجھنے اور سندوں کی باریکیوں تک رسائی حاصل

کرنے میں بفضلہٖ تعالیٰ ایک قابل اعتماد ملکہ پیدا ہو گیا، اس کے بعد رسمی طور سے ان کے بہترین دوستوں، جیسے شاہ محمد عاشق پھلتی اور خواجہ محمد امین ولی اللّٰہی سے بھی اجازت حاصل ہے۔

شاہ محمد عاشق پھلتی، شیخ ابو طاہر قدس سرہ اور دوسرے مشائخ حرمین شریفین سے قرأت اور سماعت میں حضرت والد کے شریک رہے ہیں، اور والد ماجد قدس سرہ نے ہندوستان میں بعض حدیث کی کتابوں، مثلاً مشکوٰۃ اور صحیح بخاری اپنے والد بزرگوار سے پڑھی تھیں، اور بطریقِ درایت اس علم کو حاصل کیا تھا، ان کی سند محمد زاہد کے واسطے سے ملّا جلال الدین دوانی تک پہنچتی ہے، جیسا کہ اس کی سند حدیث ''أنموذج العلوم'' کی ابتداء میں نہایت تفصیل سے مذکور ہے۔

میرے والد ماجد کو حاجی محمد افضل سے جو اس ملک کے صاحب السند علماء میں سے تھے، اجازت حاصل تھی، اور وہ سند موصوف کے رسائل میں مذکور ہے، آخر میں حضرت والد ماجد نے مدینہ منورہ اور مکہ معظّمہ میں بڑے بڑے مشائخ حرمین سے اس علم کو بتمام وکمال حاصل کیا تھا، اور وہاں انہوں نے زیادہ تر استفادہ شیخ ابو طاہر مدنی قدس سرہ سے کیا تھ... علم میں یکتائے روزگار تھے، ان پر اور ان کے اسلاف ومشائخ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو، حُسن اتفاق سے شیخ ابو طاہر قدس سرہ کا سلسلۂ سند صوفیاء وعارفین کے واسطے سے شیخ زین الدین زکریا انصاری تک متصل اور مسلسل ہے، اور وہ سند متصل یہ ہے کہ موصوف نے علم حدیث کی تحصیل اپنے والد بزرگوار شیخ ابراہیم کردی سے، اور انہوں نے شیخ احمد قشاشی سے، انہوں نے شیخ احمد شناوی سے، اور انہوں نے اپنے والد شیخ علی بن عبد القدوس شناوی سے کی ہے، نیز موصوف نے شیخ محمد بن ابی الحسن البکری، شیخ محمد بن احمد الرملی اور شیخ عبدالرحمٰن بن عبدالقادر بن فہد سے بھی استفادہ کیا ہے، اور ان تینوں بزرگوں نے نہایت جلیل القدر عارفین اور مشائخ سے کسبِ کمال کیا ہے، اور شیخ علی بن عبد القدوس نے شیخ ابن حجر مکی اور شیخ عبد الوہاب شعرائی سے استفادہ کیا ہے، اور ان دونوں بزرگوں نے شیخ الاسلام زین الدین زکریا انصاری سے تحصیل کی ہے، اور شیخ محمد بن بکری نے اپنے والد عارف باللہ ابوالحسن بکری سے، اور انہوں نے زین الدین زکریا سے، اسی طرح شیخ محمد رملی نے اپنے والد سے استفادہ کیا، اور انہوں نے زین الدین زکریا سے تحصیل کی ہے، لیکن شیخ عبدالرحمٰن بن عبدالقادر بن فہد نے اپنے چچا جار اللہ بن فہد سے استفادہ کیا، اور انہوں نے شیخ جلال الدین سیوطی سے تحصیل کی ہے۔

نیز شیخ ابو طاہر قدس سرہ نے شیخ حسن عُجیمی سے استفادہ کیا ہے، اور شیخ حسن عُجیمی شیخ عیسیٰ مغربی کے شاگرد تھے، اور وہ شیخ محمد بن علاء بابلی کے، اور وہ شیخ سالم سنہوری کے شاگرد تھے، اور انہوں نے شیخ نجم الدین غیطی سے، اور نجم الدین غیطی نے شیخ الاسلام زین الدین زکریا انصاری سے استفادہ کیا تھا، نیز شیخ عیسیٰ مغربی کئی واسطوں سے شیخ جلال الدین سیوطی کے شاگرد ہیں۔

نیز شیخ ابو طاہر نے شیخ احمد نخلی سے جو مکہ معظّمہ میں یکتائے زمانہ عالم تھے استفادہ کیا تھا، اور انہوں نے شیخ سلطان مزاجی سے، اور انہوں نے شیخ شہاب الدین احمد بن خلیل سُبکی سے، انہوں نے شیخ محمد مقدسی سے، اور انہوں نے

شیخ زین الدین زکریا انصاری سے تحصیل کی تھی۔

نیز شیخ ابوطاہر نے شیخ عبداللہ بن سالم بصری سے استفادہ کیا تھا، اور وہ اگرچہ شیخ احمد نخلی کے ہمعصروں میں سے تھے، مگر انہوں نے شیخ احمد نخلی کے مشائخ سے بھی استفادہ کیا تھا۔

اور شیخ ابوطاہر نے شیخ محمد بن محمد بن سلیمان مغربی سے استفادہ کیا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ان بزرگوں میں سے ہر ایک دو تین واسطوں سے اس شاخ در شاخ شجرہ اور متعدد طریقوں سے شیخ زین الدین زکریا، شیخ جلال الدین سیوطی، شیخ شمس الدین سخاوی، شیخ عبدالحق سنباطی اور سید کمال الدین محمد بن حمزہ حسینی تک پہنچتا ہے، اور ان بزرگوں میں سے ہر ایک اپنے وقت کا نہایت مستند عالم اور حافظ الحدیث تھا، اور ان کی تصانیف عالم میں ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں، اور ان کی سندیں دنیا بھر میں مشہور و معروف ہیں، اب بطور نمونہ چند کتابیں سپرد قلم کی جاتی ہیں، اور باقی کی چند در چند اسانید اور بیشتر طریقوں کو حضرت والد ماجد قدس سرہ کی تصنیف کتاب "الإرشاد إلى مهمات الإسناد" پر چھوڑتے ہیں۔

کتاب الموطأ: ۱-والد ماجد نے یہ کتاب بتمام وکمال ۲-شیخ محمد وفداللہ مکی سے پڑھی ہے، اور انہوں نے اپنے والد ۳-شیخ محمد بن محمد بن سلیمان مغربی سے پڑھی ہے، شیخ ابن سلیمان کی سند کتاب "صلة الخلف" میں مذکور ہے، شیخ محمد وفداللہ نے یہ کتاب، شیخ حسن عُجیمی سے، اور شیخ عبداللہ بن سالم بصری سے بھی پڑھی تھی، اور ان دونوں بزرگوں نے ۴-شیخ عیسیٰ مغربی سے، اور انہوں نے ۵-شیخ سلطان محمد بن احمد مزاحی سے پڑھی تھی، مزّاح بتشدید زائے منقوطہ "مصر" کے مضافات میں سے ہے، اور شیخ سلطان نے ۶-شیخ احمد بن خلیل سُبکی سے پڑھی ہے (سبکہ مصر کے مضافات میں سے ایک بستی ہے) اور ۷-شیخ محمد نجم الدین بن احمد غیطی سے بھی پڑھی تھی، غیطہ بھی مصر کے مضافات میں ایک بستی ہے، اور انہوں نے ۸-شیخ شرف الدین عبدالحق بن محمد سنباطی سے، اور انہوں نے ۹-شیخ ابو محمد حسن بن محمد بن ایوب حسنی النسابہ سے، اور انہوں نے اپنے چچا ۱۰-حسن بن ایوب النسابہ سے، اور انہوں نے ۱۱-شیخ ابوعبداللہ محمد جابر الوادیاشی سے، وادیاش مغرب میں ایک شہر کا نام ہے، اور انہوں نے ۱۲-شیخ ابوعبد اللہ بن محمد بن ہارون قرطبی سے، قُرطبہ قاف کے پیش اور طاء مہملہ اور حائے موحدہ کے ساتھ اندلس میں ایک شہر کا نام ہے، اور انہوں نے ۱۳-قاضی ابوالقاسم شیخ احمد بن یزید قرطبی سے، اور انہوں نے ۱۴-شیخ محمد بن عبدالرحمٰن بن عبدالحق خزرجی قرطبی سے، اور انہوں نے ۱۵-شیخ محمد بن فرج مولیٰ ابن الطلاع سے، اور انہوں نے ۱۶-قاضی ابوالولید یونس بن عبداللہ بن مغیث صفار سے، اور انہوں نے ۱۷-ابوعیسیٰ یحییٰ بن عبداللہ بن یحییٰ بن یحییٰ سے، اور انہوں نے اپنے باپ کے چچا ۱۸-عبیداللہ بن یحییٰ سے، اور انہوں نے اپنے باپ ۱۹-یحییٰ بن یحییٰ لیثی مصمودی اندلسی سے پڑھی تھی جو حضرت امام مالکؒ رحمۃ اللہ علیہ کے نہایت ممتاز شاگردوں میں سے تھے، ان ہی کی بدولت سرزمین مغرب میں مالکی مذہب کو حُسنِ قبول حاصل ہوا ہے، یحییٰ بن یحییٰ نے یہ کتاب ۲۰-امام مالکؒ سے پڑھی تھی، اور وہ صاحب نسخہ ہیں، مصمودہ سرزمین مغرب میں بَربَر کے ایک قبیلہ کا نام ہے، اور اس سند کے علاوہ اس کتاب کی دوسری

اسناد بھی ہیں جو کتاب "الإرشاد إلى مهمات الإسناد" میں مذکور ہیں، لیکن یہ سند قرأت اور سماع کے اعتبار سے مسلسل ہے، اس کے برعکس دوسری سندوں میں اکثر جگہ محض اجازت پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

صحیح البخاری: ۱- یہ حضرت شیخ ابوطاہر نے اپنے والد ۲- شیخ ابراہیم کردی سے پڑھی ہے، اور انہوں نے ۳- شیخ احمد قشاشی سے، اور انہوں نے ۴- شیخ ابوالمواہب احمد بن علی بن عبدالقدوس الشناوی سے، اور انہوں نے ۵- شیخ شمس الدین محمد بن احمد بن محمد رملی سے، اور انہوں نے ۶- شیخ الاسلام ابویحییٰ زکریا بن محمد انصاری سے، اور انہوں نے ۷- شیخ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر کنانی عسقلانی سے جو "فتح الباري شرح صحيح بخاري" کے مصنف ہیں، اور انہوں نے ۸- زین الدین ابراہیم بن احمد تنوخی سے، اور انہوں نے ۹- ابوالعباس احمد بن ابی طالب الحجار یعنی حجر فروش سے، اور انہوں نے ۱۰- شیخ سراج الدین حسین بن مبارک حنبلی زبیدی سے، (زبید یمن میں دریائے شور کے کنارے ایک مشہور شہر کا نام ہے) اور انہوں نے ۱۱- ابوالوقت عبدالاول بن عیسیٰ بن شعیب السجزی الہروی سے، اور انہوں ۱۲- ابوالحسن عبدالرحمٰن بن مظفر بن محمد بن داؤد الداؤدی سے، اور انہوں نے ۱۳- ابومحمد عبداللہ بن احمد سرخسی سے، اور انہوں نے ۱۴- ابوعبداللہ محمد بن یوسف بن مطر بن صالح بن بشر الفربری سے پڑھی تھی۔

فِرَبْر، فا کے زیر را کے زبر، اور بائے موحدہ کے سکون کے ساتھ ہے، اور یہ بخارا کے مضافات میں ایک گاؤں ہے۔

محمد بن یوسف امام بخاری کے نہایت ممتاز شاگرد ہیں، اور بخاری کے نسخہ کی شہرت انہی کی بدولت ہے، اور موصوف نے صاحبِ کتاب ۱۵- امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرۃ بن بردزبۃ الجعفی البخاری (جعفی کی نسبت ولاء کی نسبت ہے) سے پڑی ہے۔

بَرْدِزْبَہ بائے موحدہ کے زبر اور را مہملہ کے سکون اور دال مہملہ کے زیر نیز زائے منقوطہ کے سکون اور بائے موحدہ کے سکون اور باء موحدہ کے زبر کے ساتھ ہے، اور اس کے آخر میں ہاء ہے، قدیم پہلوی لغت میں اس کے معنی کارندہ اور کسان کے ہیں۔

جُعفی، جیم کے پیش اور عین مہملہ کے سکون اور فا کے ساتھ ہے۔

صحیح مسلم: ۱- حضرت شیخ ابوطاہر نے یہ کتاب اپنے والد بزرگوار ۲- شیخ ابراہیم سے پڑھی، اور انہوں نے ۳- شیخ سلطان مزاحی سے، اور انہوں نے ۴- شیخ شہاب الدین احمد بن خلیل سبکی سے، اور انہوں نے ۵- شیخ نجم الدین غیطی سے، اور انہوں نے ۶- شیخ زین الدین زکریا سے، اور انہوں نے ۷- شیخ ابن حجر عسقلانی سے، اور انہوں نے ۸- شیخ صلاح بن ابی عمر مقدسی سے، اور انہوں نے ۹- شیخ فخر الدین ابوالحسن علی بن احمد بن عبدالواحد مقدسی سے، جو ابن البخاری کے لقب سے مشہور ہیں، اور انہوں نے ۱۰- شیخ ابوالحسن موید بن محمد طوسی سے، اور انہوں نے ۱۱- فقیہ الحرم ابوعبداللہ محمد بن فضل بن احمد الفراوی سے، اور انہوں نے ۱۲- امام ابوالحسین عبدالغافر بن محمد الفارسی سے، اور انہوں

نے ۱۳- ابو احمد محمد بن عیسیٰ الجلو دی نیشاپوری سے، اور انہوں نے ۱۴- ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد بن سفیان الفقیہ الجلو دی سے، یہ جلّود کی طرف نسبت ہے جو جِلد کی جمع ہے، چونکہ نیشاپور میں چمڑے والوں کی گلی میں رہا کرتے تھے، انہوں نے خود مؤلفِ کتاب ۱۵- ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری النیسابوری سے پڑھی تھی۔

سنن ابی داؤد: ۱- شیخ ابوطاہر کردی نے اس کو ۲- شیخ حسن عُجیمی سے پڑھا، اور انہوں نے ۳- شیخ عیسیٰ مغربی سے، اور انہوں نے ۴- شیخ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی سے، اور انہوں نے ۵- بدر الدین کرخی سے جو مسند الوقت تھے پڑھی تھی، اور انہوں نے ۶- حافظ ابوالفضل جلال الدین سیوطی سے، اور انہوں نے ۷- شیخ محمد بن مقبل حلبی سے، اور انہوں نے ۸- شیخ صلاح بن ابی عمر مقدسی سے، اور انہوں نے ۹- ابوالحسن فخر الدین علی بن احمد بن البخاری سے، اور انہوں نے ۱۰- مسندِ وقت ابوحفص عمر بن محمد بن طبرزد البغدادی سے، اور انہوں نے دو بزرگوں ۱۱- ابراہیم بن محمد بن منصور کرخی اور ابوالفتح مفلح بن احمد بن محمد دومی سے، جو دومۃ الجندل کی طرف منسوب ہیں، اور وہ اس جگہ کا نام ہے جو شام اور عراق کے درمیان حدِ فاصل ہے، اسی جگہ تحکیم کا واقعہ پیش آیا تھا۔

ان دونوں بزرگوں نے ۱۲- حافظ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب بغدادی سے جو تاریخِ بغداد کے مصنف ہیں، اور علمِ حدیث میں بے شمار کتابوں کے مصنف ہیں پڑھی تھی، اور انہوں نے ۱۳- ابوعمر قاسم بن جعفر بن عبدالواحد ہاشمی سے، اور انہوں نے ۱۴- ابوعلی محمد بن لؤلؤی سے، اور انہوں نے مصنف کتاب ۱۵- امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی سے پڑھی تھی۔

جامع ترمذی: یہ کتاب ۱- شیخ ابوطاہر کردی نے ۲- شیخ محمد ابراہیم کردی سے پڑھی، اور انہوں نے ۳- شیخ سلطان مزّاحی سے، اور انہوں نے ۴- شیخ شہاب الدین احمد بن خلیل سُبکی سے، اور انہوں نے ۵- شیخ نجم الدین محمد غیطی سے، اور انہوں نے ۶- شیخ زین الدین زکریا بن محمد انصاری سے، اور انہوں نے ۷- شیخ عز الدین عبد الرحیم بن علی بن الفرات القاہری الحنفی سے، اور انہوں نے ۸- عمر بن الحسن المراغی سے پڑھی (مراغہ میم کے زبر سے ایران میں ایک شہر ہے) اور انہوں نے ۹- شیخ فخر الدین ابن البخاری سے، انہوں نے ۱۰- عمرو بن طبرزد البغدادی سے، اور انہوں نے ۱۱- شیخ ابوالفتح عبدالملک بن عبداللہ بن ابی سہل کروخی سے پڑھی، کروخ، کاف کے زبر اور رائے مہملہ مخففہ کے ساتھ نواحِ ہرات میں ایک شہر ہے، اور یہ شیخ ابوالفتح صاحبِ نسخۂ ترمذی ہیں، اور انہوں نے ۱۲- قاضی ابوعامر محمود بن القاسم بن محمد ازدی سے، اور انہوں نے ۱۳- شیخ ابومحمد عبدالجبار بن محمد بن عبداللہ بن ابی الجرح المروزی سے، یہ مروشاہجہان کی طرف نسبت ہے جو خراسان میں ایک مشہور شہر ہے، اور انہوں نے ۱۴- ابوالعباس محمد بن محبوب المحبوبی المروزی سے، اور انہوں نے صاحبِ کتاب ۱۵- ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پڑھی تھی۔

سنن نسائی: ۱- شیخ ابوطاہر نے ۲- شیخ ابراہیم کردی سے پڑھی ہے، اور انہوں نے ۳- شیخ احمد قشاشی سے، اور انہوں نے ۴- شیخ احمد بن علی بن عبدالقدوس شناوی سے، اور انہوں نے ۵- شیخ شمس الدین محمد بن احمد بن محمد رملی

سے، اور انہوں نے ۶- شیخ زین الدین زکریا سے، اور انہوں نے ۷- شیخ عزالدین عبدالرحیم بن محمد بن الفرات سے، اور انہوں نے ۸- عمر بن ابی الحسن المراغی سے، اور انہوں نے ۹- فخرالدین ابن البخاری سے، اور انہوں نے ۱۰- ابوالمکارم احمد بن محمد اللبّان (یہ اینٹیں بنانے والے کی طرف نسبت ہے) سے، اور انہوں نے ۱۱- ابوعلی حسن بن احمد الحداد سے، اور انہوں نے ۱۲- قاضی ابونصر احمد بن الحسین الکسار سے، اور انہوں نے ۱۳- حافظ ابوبکر سے جو ابن السنی کے نام سے مشہور ہیں، یعنی احمد بن محمد بن اسحٰق الدینوری سے، جو نہایت بلند پایہ محدثین میں سے ہیں، اور کتاب ''المجالسة الدينوري'' ان ہی کی تصنیف ہے، موصوف نے مصنفِ کتاب ۱۴- حافظ ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی النسائی سے پڑھی تھی، یہ نساء کی طرف منسوب ہیں، جو خراسان میں ابیورد کے قریب ایک مشہور شہر ہے۔

سنن ابن ماجه: ۱- شیخ زین الدین زکریا تک اس کی وہی سند ہے جو سنن نسائی میں بیان ہوئی ہے۔ انہوں نے ۷- شیخ ابن حجر عسقلانی سے پڑھی، اور انہوں نے ۸- ابوالحسن علی بن ابی المجد دمشقی سے، اور انہوں نے ۹- ابو العباس حجار سے، اور انہوں نے ۱۰- انجب بن ابی السعادات سے، اور انہوں نے ۱۱- ابوزرعہ طاہر بن طاہر مقدسی سے، اور انہوں نے ۱۲- فقیہ ابی منصور محمد بن حسین بن احمد مقومی قزوینی سے، اور انہوں نے ۱۳- ابوطلحہ قاسم بن المنذر الخطیب سے، اور انہوں نے ۱۴- ابوالحسن علی بن ابراہیم بن سلمہ بن بحر قطّان سے، اور انہوں نے خود مؤلف کتاب ۱۵- ابوعبداللہ محمد بن یزید سے جو ابن ماجہ قزوینی کے نام سے مشہور ہیں سے پڑھی تھی۔

قزوین، قاف کے زبر اور زائے منقوطہ کے سکون کے ساتھ عراقِ عجم میں ایک مشہور شہر ہے، اور "ماجہ" ابوعبد اللہ کے والد کا لقب ہے، ان کے دادا کا لقب نہیں ہے، اور نہ اُن کی والدہ کا نام ہے، اور اس کو جیم کی تخفیف کے ساتھ پڑھنا چاہئے، تشدید کے ساتھ درست نہیں، اس میں بڑی غلطیاں ہوئی ہیں۔

مشكوة المصابيح: یہ ۱- شیخ ابوطاہر کردی نے ۲- شیخ ابراہیم کردی سے پڑھی ہے، انہوں نے ۳- شیخ احمد قشاشی سے، اور انہوں نے ۴- شیخ احمد بن علی بن عبدالقدوس الشناوی سے، اور انہوں نے ۵- سید غضنفر بن سید جعفر نہروانی سے، اور انہوں نے ۶- شیخ محمد سعید عرف میر کلاں سے، جو اپنے وقت میں شیخ مکہ تھے پڑھی تھی، اور انہوں نے ۷- سید نسیم الدین میرک شاہ سے، اور انہوں نے اپنے والد بزرگوار ۸- سید جمال الدین عطاء اللہ بن سید غیاث الدین فضل اللہ بن سید عبدالرحمٰن سے، اور انہوں نے اپنے عالی مرتبت چچا ۹- سید اصیل الدین عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن عبداللطیف بن جلال الدین یحییٰ شیرازی حسینی سے، اور انہوں نے ۱۰- مسندِ وقت اور محدث عصر شرف الدین عبدالرحیم بن عبدالکریم الجرحی الصدیقی سے، اور انہوں نے ۱۱- علامۂ عصر امام الدین علی بن مبارک شاہ ساوَجی صدیقی سے، اور انہوں نے خود مؤلف کتاب ۱۲- ولی الدین محمد بن عبداللہ بن الخطیب التبریزی سے پڑھی۔

حصن حصين: ۱- شیخ ابوطاہر نے ۲- شیخ ابراہیم کردی سے پڑھی اور انہوں نے ۳- شیخ احمد قشاشی

سے، اور انہوں نے ۴- شیخ احمد بن علی بن عبدالقدوس شناوی سے، اور انہوں نے ۵- شیخ شمس الدین محمد بن احمد بن محمد رملی سے، اور انہوں نے ۶- شیخ زین الدین زکریا انصاری سے، اور انہوں نے ۷- حافظِ وقت تقی الدین محمد بن محمد بن فہد ہاشمی مکی سے، اور انہوں نے خود مصنف کتاب ۸- ابوالخیر محمد بن محمد بن محمد الجزری الشافعی سے پڑھی تھی، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے اور ان کی برکتیں ہم کو بھی نصیب فرمائے۔ آمین

خاتمہ

واضح رہے کہ حدیث کے موضوع ہونے اور راوی کے جھوٹے ہونے کی چند علامتیں ہیں:

۱- تاریخ مشہور کے خلاف روایت کرے، مثلاً یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے جنگ صفین میں ایسا کہا، حالانکہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ حضرت عثمان ؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پا چکے تھے۔

یہ شعر بھی اسی نوعیت کا ہے:

در جمل چوں معاویہ بگریخت   خون خلقے بسے بہ بیہدہ ریخت

اس قسم کی من گھڑت حدیثیں ادنیٰ تامل اور ذرا سی تاریخی جستجو سے پہچانی جاسکتی ہیں۔

۲- راوی رافضی ہو، اور وہ صحابہؓ پر طعن کے متعلق حدیث بیان کرے، یا ناصبی ہو، اور اہل بیت پر طعن کے سلسلہ میں حدیث روایت کرے، اور اس طرح اور مثالیں ہیں، لیکن یہاں یہ بات بھی لحاظ کے قابل ہے کہ اگر راوی روایت میں منفرد ہے، تو اس کی حدیث کا کوئی اعتبار نہیں، البتہ اگر دوسرے بھی وہی روایت کرتے ہیں، تو اس کی حدیث کو قبول کرنا چاہئے، اور اس حدیث کی معقول توجیہ اور تاویل پر غور کرنا چاہئے۔

۳- راوی ایسی بات روایت کرے جس کا جاننا اور اس پر عمل کرنا ہر مکلّف پر فرض ہے، اور وہ روایت میں منفرد ہو تو یہ حدیث کے جعلی اور راوی کے جھوٹے ہونے کا بڑا قرینہ ہے۔

۴- وقت اور حالت ہی راوی کے جھوٹے ہونے کا قرینہ ہو، جیسے غیاث بن میمون کا واقعہ ہے کہ وہ مہدی خلیفۂ عباسی کی مجلس میں حاضر ہوا، اور وہ اس وقت کبوتر اڑانے میں مشغول تھا، اس نے یہ دیکھ کر فوراً یہ حدیث بیان کی:

''لَا سَبَقَ إِلَّا فِي خف، أو نصل، أو حافر، أو جناح'' یعنی بازی جائز نہیں مگر اونٹ، تیتر، گھوڑے اور پرندہ میں۔

اس نے محض مہدی کی خوشامد میں ''جَناح'' کا لفظ اپنی طرف سے بڑھا دیا۔

۵- روایت عقل وشرع کے مقتضیٰ کے خلاف ہو، اور قواعدِ شرعیہ اس کی تکذیب کریں، جیسے قضاء عمری یا اسی جیسی باتیں، جیسے روایت کرتے ہیں: ''لاتأكلوا البِطيخ حتى تذبحوها'' جب تک خربوزے کو تراش نہ لو، نہ کھاؤ۔

۶- حدیث میں ایسا حسی واقعی قصہ مذکور ہو کہ اگر فی الواقع وہ پایا جاتا تو ہزاروں آدمی اس کو نقل کرتے، مثال کے طور پر ایک شخص روایت کرتا ہے کہ آج بروز جمعہ خطیب کو برسرِ منبر قتل کر ڈالا، اور اس کی کھال کھینچ لی، اور اس واقعہ کا راوی اس روایت میں منفرد اور تنہا ہے، اور دوسرا کوئی راوی نہیں۔

۷- لفظ اور معنی کا رکیک ہونا، مثلاً ایسے لفظ سے روایت کرے جو بلحاظ قواعدِ عربیہ درست نہ ہو یا اس کے معنی رسالت اور وقارِ نبوت کے مناسب نہ ہوں۔

۸- صغیرہ گناہ سے ڈرانے میں حد سے زیادہ مبالغہ کیا گیا ہو، یا تھوڑے سے عمل پر حد سے زیادہ ثواب کا مستحق قرار دیا گیا ہو، جیسا کہ کہا گیا ہے: ''مَن صَلّی رَکعَتَینِ فَلَهٗ سَبْعُونَ اَلْفَ دارٍ، وَفی کُلِّ دارٍ سَبْعُونَ اَلْفَ بَیتٍ، وَفی کلِّ بَیتٍ سَبعُونَ اَلْفَ سَرِیْرٍ، وَعَلٰی کُلِّ سَرِیْرٍ سَبعُونَ اَلْفَ جَارِیَة'' یعنی جس نے دو رکعت نماز پڑھی اس کے لیے ستر ہزار مکان ہیں، اور ہر مکان میں ستر ہزار کمرے ہیں، اور ہر کمرے میں ستر ہزار تخت ہیں، اور ہر تخت پر ستر ہزار لونڈیاں ہیں۔

اس قسم کی حدیثیں خواہ ثواب کے متعلق ہوں یا عذاب کے انہیں جعلی اور موضوع سمجھنا چاہئے۔

۹- ذرا سے عمل اور معمولی سے کام پر حج وعمرہ کے ثواب کی امید دلانا۔

۱۰-) خیر کے کام کرنے والوں کو یہ خوشخبری دینا، اور اُن سے یہ وعدہ کرنا کہ انہیں انبیاء علیہم السلام کا سا ثواب ملے گا، یا یہ کہے کہ ستر نبیوں کا سا ثواب ملے گا، یا اسی قسم کی بہت سی باتیں کرنا۔

۱۱- راوی نے حدیث کے وضع کرنے کا خود اقرار کیا ہو، جس طرح نوح بن ابی عصمہ کے ساتھ واقعہ پیش آیا ہے کہ اس نے قرآن کی ہر ایک سورت کی فضیلت میں حدیثیں گھڑیں، اور انہیں رواج اور شہرت دی ہے، جیسا کہ بیضاوی میں ہر سورت کے آخر میں اس کے فضائل کو بیان کیا ہے، جب نوح بن ابی عصمہ کو پکڑا، اور صحتِ سند کے بارے میں اس سے پوچھا گیا تو اس نے اعتراف کیا کہ ان حدیثوں کے وضع کرنے سے میری نیت خیر کی تھی، کیونکہ میں نے جب یہ دیکھا کہ قرآن کو چھوڑ کر لوگ تاریخ، تفسیر اور ابوحنیفہؒ کی فقہ میں مشغول ہیں، تو لوگوں کو ترغیب دینے کی غرض سے میں نے ان حدیثوں کو گھڑا، تاکہ علومِ قرآن کی طرف ان کا رجحان بڑھے، اور ثواب کے اعتقاد سے تلاوتِ قرآن اور اس کے درس میں مشغول ہوں، حالانکہ اس کا یہ عذر گناہ سے بھی بدتر تھا، کیونکہ فضائل قرآن میں جو صحیح حدیثیں وارد ہیں ترغیب کے لیے وہی کافی ہیں، اسی طرح تمباکو، حقہ اور قہوہ کے متعلق بہت سی حدیثیں گھڑی گئی ہیں، جن کے الفاظ اور معنی کی رکاکت ظاہر اور آشکار ہے۔

اغراضِ وضع حدیث

حدیثیں وضع کرنے والے کچھ کم نہیں ہوئے ہیں، اور اس طرح ان کی اغراض بھی مختلف تھیں۔

۱- مثلاً زندیقیوں کا فرقہ، ان کے پیش نظر محض شریعت کو باطل قرار دینا، اور اس کا مذاق اڑانا تھا، چنانچہ ابن الراوندی نے یہ حدیث گھڑی تھی: ''الباذِنجان لِما اُکِل لَه'' بینگن سے غرض یہ ہے کہ اس کو کھایا جائے۔

اور اس سے اُس کی غرض محض شریعت کا مذاق اڑانا، اور دراصل اس حدیث: ''القرآن لِما قُرِئَ له وَماءُ زَمزَم لِما شُرِبَ له'' قرآن اس لئے ہے کہ اس کو پڑھا جائے، اور آبِ زمزم اس لئے ہے کہ اس کو پیا جائے، پر تعریض ہے، اہل علم نے کہا ہے کہ زندیقیوں کی چودہ ہزار حدیثیں مشہور ہو چکی ہیں۔

۲- اور اہل بدعت اور خواہشات کے بندے محض اپنے مذہب کی نصرت اور مخالف کے مذہب پر طعن کرنے کے لیے اس عمل کے مُرتکب ہیں، اور رافضی، ناصبی اور کرامیہ اس عمل میں سب پر سبقت لے گئے ہیں، خارجی، معتزلہ اور زیدیہ تو پھر بھی اس اَمرِ قبیح کے اس قدر مرتکب نہیں ہوئے ہیں۔

۳- اہل علم کی ایک جماعت جسے علمِ حدیث سے مَس نہیں، اس نے جب یہ دیکھا کہ محدثین کو نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، اور ان کی بڑی تعظیم کی جاتی ہے، چاہا کہ خود بھی محدث بن بیٹھیں اس لئے یہ ناز یبا اور ناشائستہ عمل اختیار کیا، جیسے ابوالبختری، وہب بن وہب، سلیمان بن عمرو النخعی، حسین بن علوان، اور اسحٰق بن نجیح وغیرہ اور اس جماعت کے بیشتر علماء وعظ و نصیحت میں مشغول رہے۔

۴- ایک اور فرقہ جو زہد و عبادت اور دیانت میں مشہور تھا، انہوں نے خواب میں یا کسی معاملہ میں رسول اللہ ﷺ سے یا ائمہ اطہار سے کوئی بات سنی، تو انہوں نے اپنے خواب یا معاملہ پر یقین اور اعتماد کرتے ہوئے اس بات کو مبہم روایت کیا، اور لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ واقعی حدیث ہے جو از راہِ ظاہر ان تک پہنچی ہے، چنانچہ ابوعبدالرحمٰن سُلَمی اور دوسرے صوفیوں کو جو حدیث کا ذوق نہ رکھتے تھے، اس عیب سے متہم کیا گیا ہے اور ان کی روایت کو نا قابل اعتبار قرار دیا گیا ہے۔

۵- دوسرا فرقہ خلفاء، ملوک اور امراء کے ان مصاحبین کا ہے جنہوں نے محض ان کی دِلجوئی کے لیے حدیثیں گھڑیں اور دین کو دُنیا کے بدلے بیچا۔

۶- ایک فرقہ نے بغیر ارادہ بھی حدیثیں وضع کی ہیں، جس کی صورت یہ ہوئی کہ انہوں نے غفلت اور توہم کی وجہ سے کسی صاحبِ تجربہ شخص یا صوفی یا قدیم حکماء میں سے کسی حکیم کا کوئی کلام سنا، اور اس کو پیغمبر علیہ السلام سے منسوب کر دیا، صرف اس خیال سے کہ ایسا حکیمانہ کلام اور ایسی حکمت کی بات پیغمبر علیہ السلام کے سوا اور کسی کی نہیں ہو سکتی، اس فرقہ کی کوئی حد و نہایت نہیں ہے، اکثر عوام اسی مرض میں مبتلا ہیں، اور اللہ ہی توفیق دینے والا اور بچانے والا ہے۔

اب اِس رسالہ میں جو کچھ ذکر ہوا وہ بطور نمونہ کافی ہے، ورنہ اِن مطالب کی تفصیل کے لیے تو ایک دفتر درکار ہے، اور بفضلہٖ تعالیٰ اس علم کی اکثر ضروریات ہر طرف اور ہر ملک میں پائی جاتی ہیں، ملکۂ صحیح وسقیم میں تمیز، ذہن کی استقامت، طبیعت کی سلامتی نیز خطا کی طرف مائل نہ ہونا، اور ادنیٰ تنبیہ سے راہِ ثواب کو اختیار کرنا، ایک بڑی نعمت ہے، حق تعالیٰ ہم کو اور برادر موصوف کو ان امور سے بہرہ مند فرمائے، ورنہ علم اور موادِ علم بہت ہے، اور جو کمیاب ہیں وہ یہی امور ہیں۔

شعر:

چہ خوش گفت دانا کہ دانش بسے است ولیکن پراگندہ باہر کسے است

کسی عقلمند نے کیا خوب کہا ہے کہ علم بہت ہے، لیکن ہر ایک کے پاس الگ الگ پھیلا ہوا ہے۔

فوائد جامعہ

تالیف

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحلیم چشتی صاحب دامت برکاتہم العالیۃ
رئیس قسم التخصص فی علوم الحدیث
جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله وكفى، وسلام على عباده الذين اصطفى، خصوصاً على سيدنا ومولانا محمد المجتبى، وآله بدر الدجى، وصحبه نجوم الهدى.

امابعد،

یہ رسالہ جو علمِ حدیث کے فوائد پر مشتمل ہے، نہایت عجلت میں لکھا گیا ہے (۱)، بہت سودمند اور نہایت دل پسند رسالہ ہے۔

سببِ تالیف:

برادرِ عالی، جامعِ فضائل وکمالات سید قمر الدین حسینی (۲) جو شرافت کی آنکھ کا نور اور باغِ سیادت کا پھول ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو دین ودنیا کی سرداری عطا فرمائے اور دونوں جہاں کی سعادت نصیب کرے، انہی کا ذوق وشوق اس رسالہ کی تحریر وترتیب کا باعث ہوا ہے۔

اس زمانے میں آپ کے خاطرِ عاطر میں یہ خیال آیا کہ اس پاکیزہ فن اور شریف علم سے رابطہ قائم کریں، آپ کا یہ خیال عزمِ راسخ بن گیا، تو اس ناچیز سے جو مسندِ افادہ واستفادہ پر بیٹھا ہوا ہے، اپنے حسنِ ظن کی وجہ سے

فوائد جامعہ

(۱) شاہ عبد العزیزؒ نے اس رسالہ کا کوئی نام تو تجویز نہیں کیا، لیکن موصوف کے ان الفاظ:

''ایں رسالہ ایست رائعہ وعجالۂ ایست نافعہ''

نے رسالۂ مذکورہ کو ''عجالۂ نافعہ'' کے نام سے زبان زدِ خاص وعام کردیا ہے۔

(۲) سید قمر الدین حسینی کا آبائی وطن سونی پت تھا، انہوں نے دہلی میں آکر پڑھا، علوم عقلیہ اور نقلیہ کی تعلیم شاہ عبد القادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ سے پائی، حدیث کی تکمیل شاہ عبد العزیزؒ کے حلقۂ درس میں کی اور انہی سے روایتِ حدیث کی سند حاصل کی، ایک زمانہ تک موصوف کی صحبت میں رہ کر بہت کچھ استفادہ کیا، اذکار واشغال کی تعلیم وتلقین شاہ فخر الدین بن نظام الدین دہلویؒ سے پائی، اور دہلی ہی میں سکونت اختیار کی، شعر وسخن کا مزاج بھی خوب تھا اور نہایت پُرگو شاعر تھے، اخیر زمانے میں دہلی سے لکھنؤ آگئے، یہاں بھی کچھ زیادہ قیام نہ رہا، پھر حیدرآباد دکن چلے گئے، دکن میں چندو لعل نے ان کی بڑی قدر کی اور بڑے انعاموں سے سرفراز کیا، اخیر عمر میں قدرے تشیع کی طرف میلان ہوگیا تھا، ۱۲۸۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

ایک لاکھ پچاس ہزار اشعار کا ایک دیوان یادگار چھوڑا ہے، (حالات کیلئے ملاحظہ ہو: ''نزهة الخواطر'' از مولانا عبد الحی لکھنوی: ۷/۳۹۰ مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۹۵۹ء)

اس کام کیلئے اجازت کی درخواست کی اور اس بار کے اٹھانے میں مجھ سے مدد کیلئے فرمایا اس ارشاد کے بموجب:
''إن للّٰه في أيام دهركم نفحات، ألا! فتعرّضوا لها تعرضاً لنفحات اللّٰه ''[1]، بلاشبہ تمہارے زمانے میں اللہ تعالیٰ کی خوشبوئیں ہیں، دیکھو اللہ تعالیٰ کی ان خوشبوؤں سے مستفید ہوتے رہو۔

اس فن شریف کے تھوڑے سے متعلقات کو اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے، اور بقیہ کو ان کی روشن اور ہوشیار اور ذہین طبیعت پر چھوڑ دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہ ذکاوتِ طبع، لطافتِ مزاج اور ہوشمندی میں نہایت بلند مرتبہ پر فائز ہیں، چنانچہ ان کی نظم ونثر میں تصنیفات وتالیفات اس دعوے کی شاہد عادل گواہ صادق ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ جو کوئی اس رسالے کے مضامین پیش نظر رکھ کر فنونِ حدیث میں غور وفکر کرے گا وہ ان شاء اللہ تعالیٰ غلطی اور خطا سے محفوظ اور تصحیف وتحریف سے مامون رہے گا، نیز صحیح اور ضعیف حدیث کے پہچاننے کے واسطے اس کے ہاتھ میں ایک عمدہ کسوٹی اور بہتر معیار ہوگا، جس کی بدولت وہ صحیح اور غیر صحیح کو پہچان سکے گا۔

وما توفيقي إلا باللّٰه، عليه توكلت وهو حسبي ونعم الوكيل.

---

(۱) اس حدیث کی تخریج حافظ ابن ابی الدنیا اور امام طبرانی وغیرہ نے کی ہے، مگر ان کے الفاظ میں تھوڑا سا فرق ہے، حافظ ابن رجب حنبلی (المتوفی ۷۹۵ھ) "لطائف المعارف فيما لمواسم العام من الوظائف" میں رقمطراز ہیں: ''وقد أخرج ابن أبي الدنيا والطبراني وغيرهما من حديث أبي هريرة ﷺ مرفوعًا: اطلبوا الخير دهركم، وتعرضوا لنفحات رحمة ربكم، فإن للّٰه نفحات من رحمته يصيب بها من يشاء من عباده، وسلوا اللّٰه أن يستر عوراتكم ويؤمن روعاتكم، وفي رواية للطبراني من حديث محمد بن مسلمة مرفوعاً: إن للّٰه في أيام الدهر نفحات، فتعرضوا لها، فلعل أحدكم أن تصيبه نفحة فلا يشقى بعدها أبدًا'' (ص: ٦-٧، طبع قاهره ١٩٢٤ء)

اور ابن ابی الدنیا اور طبرانی وغیرہ نے بروایت ابو ہریرہ ﷺ مرفوعاً نقل کیا ہے کہ تم اپنے زمانے میں خیر طلب کرو، اللہ تعالیٰ کی رحمت کی ہواؤں کو لے لو، کیونکہ اللہ کی رحمت کی ہوائیں اس کے بندوں میں ان کو پہنچتی ہیں جن کو وہ چاہتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرو کہ وہ تمہارے عیوب کی پردہ پوشی فرمائے، اور تم کو خوف کی چیزوں سے امن نصیب فرمائے، طبرانی کی روایت جو محمد بن مسلمہ سے مرفوعا آئی ہے، اس میں یہ ہے کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے ہر زمانے میں رحمت کی ہوائیں چلتی رہتی ہیں، ان کو لیا کرو! کیونکہ تم میں سے جس کو وہ ہوا پہنچے گی وہ اس کے بعد کبھی بد نصیب نہیں رہے گا۔

فصل اول

علمِ حدیث کے فوائد میں

فصل اول، علمِ حدیث کے ان اغراض وفوائد کے بیان میں ہے جن سے طالبِ حدیث کا شوق بڑھ سکتا ہے، اور وہ رغبت کرنے والے کی طلب میں تحریک اور اضافہ کا موجب بن سکتے ہیں، نیز ان شرائط کا بیان ہے جو اس علم میں غور وخوض کے لیے درکار ہیں۔

واضح رہے علمِ حدیث ایسی بزرگی اور شرافت کا حامل ہے کہ کوئی علم اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتا، کیونکہ علم القرآن، عقائدِ اسلام، احکامِ شریعت اور اصولِ طریقت سب ہی رسول اللہ ﷺ کے بیان پر موقوف ہیں، تمام کشفی باتیں اور ساری عقلی چیزیں جب تک اس ترازو میں نہ تلیں اور اس کسوٹی پر نہ کسی جائیں وہ لائقِ اعتبار وقابلِ اعتماد نہیں ہوسکتی، لہٰذا یہی علم ایک ایسا صَرّاف (۱) ہے جو تمام علوم کے زر وجواہر کو پرکھتا ہے، جو بھی تفسیروں کے طریقے اور وجوہ، احکام شریعت کی دلیلیں، عقائدِ اسلام کے ماخذ اور سلوک الی اللہ کے طریقے اس صَرّاف کی پرکھ میں کھرے نکلیں گے وہی رواج پذیری کے لائق ہوسکتے ہیں، اور جو کھوٹے ثابت ہوں گے وہ پھینکنے کے قابل ہوتے ہیں، لہٰذا علم شریعت کا حکم ہی تمام علوم دینیہ پر چلتا ہے اور جناب رسالت مآب ﷺ کی اتباع اور پیروی اسی علم کی بدولت نصیب ہوتی ہے، جو حیات جاودانی کی دلیلِ راہ ہے، اور دونوں جہاں کا سرمایۂ سعادت ہے۔

---

(۱) اسی لئے نقادِ حدیث کو صیرفيّ الحدیث کہتے ہیں، امام اعمشؒ (المتوفی ۱۴۸ھ) ابراہیم نخعیؒ کو صیرفي الحدیث کہتے تھے، ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری (المتوفی ۴۰۵ھ) ''معرفة علوم الحدیث'' (ص:۱۶، طبع قاہرہ) میں امام اعمشؒ کا قول نقل فرماتے ہیں: ''قال: كان إبراهيم صيرفي الحديث، فكنت إذا سمعت الحديث من بعض أصحابنا، أتيته، فعرضته عليه''

اعمشؒ نے فرمایا ہے: ابراہیم نخعیؒ حدیث کے صراف تھے، جب میں اپنے استادوں سے کوئی حدیث سنتا، میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا، اور اسے ان کے سامنے پیش کرتا تھا۔

حافظ ابن رجب حنبلی ''جامع العلوم والحكم في شرح خمسين حديثًا من جوامع الكلم'' (ص:۲۴۰، طبع قاہرہ ۱۹۳۷ء) میں لکھتے ہیں: ''قال عمرو بن قيس: ينبغي لصاحب الحديث أن يكون صيرفي الحديث الذي ينقد الدرهم الزائف والبهرج وكذا الحديث، وقيل لعبد الرحمن بن مهدي: إنك تقول للشئ هذا يصح، وهذا لم يثبت، فعمن تقول ذلك؟ فقال: أرأيت لو أتيت الناقد فأدّيته دراهمك فقال: هذا

اگر غور وفکر کیا جائے اور گہری نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر علم کی ایک خاصیت ہوتی ہے، اور اس علم سے دل بستگی اور وابستگی کی وجہ سے نفس انسانی میں ایک خاص کیفیت، خواہ بری ہو یا بھلی، پیدا ہو جاتی ہے، علمِ حدیث سے وابستگی اور مزاولت، انسان میں صحابیت کی شان پیدا کرتی ہے؛ کیونکہ صحابیت کے معنی دراصل رسول اللہ ﷺ کے جملہ احوال سے واقفیت اور ہر عبادت اور ہر عادت میں آپ کے ڈھنگ اور طریقوں کا مشاہدہ کرنے کے ہیں، اور یہ بات امتدادِ زمانہ کی وجہ سے اس شخص کی قوتِ مدرکہ اور متخیلہ میں جو اس علم سے وابستگی رکھتا ہے، ایسی جم جاتی ہے اور پختہ ہو جاتی ہے کہ مشاہدہ کے حکم میں ہوتی ہے، چنانچہ حسب ذیل شعر میں اسی طرف اشارہ ہے:

أهل الحديث همو أهل النبي وإن   لم يصحبوا نفسه أنفاسه صحبوا

(اہل حدیث ہی اہل نبی ہیں اور انہیں گو رسالت مآب ﷺ کی صحبت حاصل نہیں، مگر آپ کے انفاس قدسیہ کے ساتھ شرف صحبت حاصل ہے۔)

اور محمد بن علی بن الحسین ؓ نے فرمایا ہے:

"من فقه الرجل بصيرتُه بالحديث أو فطنته للحديث" [1] عالم کی سمجھ کی بات یہ ہے کہ اس کو حدیث میں بصیرت حاصل ہو، یا فرمایا تھا کہ اس کی دانشمندی کی بات یہ ہیکہ وہ حدیث میں درک رکھتا ہو۔

جيد وهذا بهرج، أكنت تسأله عن ذلك أو تسلم الأمر إليه؟ فقال: لا بل كنت أُسلّم الأمر إليه، فقال: فهذا كذلك لطول المجادلة والمناظرة والخبرة."

عمرو بن قیس فرماتے ہیں کہ محدث کو صرّاف کی طرح ہونا چاہئے جو کھوٹے اور کھرے درہموں کو پرکھ لیتا ہے، اس طرح وہ بھی حدیث کو پرکھ سکتا ہو، عبد الرحمٰن بن مہدیؒ سے پوچھا گیا کہ کسی حدیث کی نسبت آپ فرماتے ہیں یہ صحیح ہے، اور کسی کے متعلق کہتے ہیں یہ ثابت نہیں ہے، یہ آپ کس طرح بتاتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: کیا تم نے غور کیا کہ جب تم کسی صرّاف کے پاس آتے ہو، اور اس کو درہم دکھاتے ہو تو وہ کہتا ہے کہ یہ کھرا ہے اور یہ کھوٹا ہے، کیا تم کبھی اس سے بھی اس کے متعلق پوچھتے ہو، یا معاملہ اسی پر چھوڑ دیتے ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں پوچھتا، بلکہ اسی پر چھوڑ دیتا ہوں، عبد الرحمٰن بن مہدی نے فرمایا: یہ فن بھی ایسا ہی فن ہے کہ زمانۂ دراز کی بحث وتکرار اور مہارت سے یہ بات پیدا ہو جاتی ہے۔

(۱) ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم نے "معرفة علوم الحديث" (ص:۱۶) میں اپنی سند سے حضرت باقرؒ کا یہ مقولہ حسب ذیل الفاظ میں نقل کیا ہے: "من فِقْه الرجل بَصَره بالحديث" مرد مومن کے سمجھ کی بات یہ ہے کہ اس کو حدیث میں بصیرت حاصل ہو۔

یہ علم چونکہ ایک قسم کی خبر ہے، اور خبر سچ اور جھوٹ دونوں باتوں کا احتمال رکھتی ہے، تو اس علم کو حاصل کرنے کیلئے دو باتوں کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے:

۱- راویانِ حدیث کے حالات کی چھان بین کرنا اور انہیں حاصل کرنا۔

۲- حدیث کے معنی سمجھنے میں نہایت احتیاط سے کام لینا۔

کیونکہ اگر پہلی بات میں کوتاہی ہوئی تو سچے اور جھوٹے میں تمییز باقی نہیں رہے گی، اور اگر دوسری بات میں احتیاط نہ کی گئی اور اس میں ذرا سی بھی کوتاہی ہوگئی تو مقصد غیر مقصد سے خلط ملط ہو جائے گا، اور ان دونوں صورتوں میں اس علم سے جس فائدہ کی توقع تھی، وہ حاصل نہ ہو سکے گا، بلکہ فائدہ کے بجائے نقصان ہوگا کہ خود بھی گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا، معاذ اللہ من ذلك (اس گمراہی سے اللہ کی پناہ)، لہٰذا ان دونوں باتوں سے بحث کرنا ضروری ہے۔

پہلی بات: (راویانِ حدیث کے حالات کی چھان بین) صدرِ اول یعنی تابعین اور تبع تابعین کے زمانے سے لے کر بخاریؒ و مسلمؒ کے زمانے تک (راویوں کے حالات کی دیکھ بھال کا) ڈھنگ کچھ اور رہا ہے، اس دور میں محدثین ہر شہر اور ہر زمانے کے کچھ راویوں کے حالات سے بحث کرتے اور ان کے حالات کی چھان بین کرتے تھے، جس کسی میں بد دیانتی، جھوٹ اور حافظہ کی کمزوری کی ذرا سی بھی بُو محسوس کرتے تھے، اس کی بیان کی ہوئی حدیث کو قبول نہیں کرتے تھے، اس وجہ سے انہوں نے راویوں کے حالات میں نہایت ضخیم اور مبسوط کتابیں لکھی ہیں، لیکن اِس زمانے میں ڈھنگ دوسرا ہے، اب وہ کتابیں جو صحاح کے ساتھ مخصوص ہیں، اور ان کے بعد وہ کتابیں جو قابل اعتبار ہیں ان کو جدا جدا جاننا چاہئے، اور وہ کتابیں جو نظر انداز کرنے کے لائق ہیں انہیں علیحدہ رکھنا چاہئے؛ تاکہ باہم خلط ملط نہ ہو جائیں۔

اکثر متاخرین محدثین کے یہاں سے جب یہ تمییز و ترتیب جاتی رہی، تو مجبوراً انہوں نے بعض مسائل میں جمہور سلف کا خلاف کیا، اور غیر معتبر کتابوں میں جو حدیثیں دیکھیں انہی کو اپنی دلیل اور سند قرار دیا، اس موقعہ پر ہم والد ماجد- قدس سرہ العزیز- کی عبارت پیش کرتے ہیں [1] اس سے حدیث کی کتابوں کی ترتیب اور ان کے مراتب

---

(۱) واضح رہے "باید دانست" سے شاہ ولی اللہؒ کی جو عبارت ہے وہ " الانتباہ في سلاسل أولياء الله وأسانيد وارثي رسول الله " کی قسم دوم میں موجود ہے، انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ کے تین حصے ہیں، پہلے حصے میں سلاسل تصوف کا بیان ہے، یہ حصہ طبع ہو چکا ہے، دوسرے میں اسانید کتب حدیث کا تذکرہ ہے، اور تیسرے میں فقہ کی سندوں کا ذکر ہے، دوسرا اور تیسرا حصہ ابھی شائع نہیں ہوا ہے، ہمارے مطالعے سے اس کے تینوں حصے گزرے ہیں، اس کا ایک قلمی

واضح ہو جائیں گے، وہ فرماتے ہیں:

طبقات کتب حدیث

جاننا چاہئے حدیث کی کتابیں صحت، شہرت اور قبولیت کے اعتبار سے کئی طبقوں پر مشتمل ہیں:

۱- صحت سے ہماری یہ مراد ہے کہ مؤلف کتاب نے اس بات کی پابندی کی ہو کہ وہ صحیح [(۱)] یا حسن [(۲)] حدیثوں کے سوا اور کوئی حدیث اس میں درج نہیں کرے گا، اور اگر اس میں کوئی ایسی حدیث درج کرتا ہے اور ساتھ وہ اس کے ضعف [(۳)]، غرابت [(۴)]، علت [(۵)] ....

نسخہ برادر محترم حضرت مولانا محمد عبدالرشید صاحب نعمانیؒ کے پاس ہے، جس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ شاہ اسماعیل شہیدؒ کے فرزند عمرؒ کے نسخے سے منقول ہے، اب اسے مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ نے مکتبہ سلفیہ سے شائع کیا ہے۔

(۱) محدثین کی اصطلاح میں صحیح وہ حدیث ہے جس کے تمام راوی عادل اور کامل الضبط ہوں، اس کی سند متصل ہو، شاذ اور معلل نہ ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) صحیح لذاتہ اور (۲) صحیح لغیرہ

(ملاحظہ ہو: شرح نخبة الفكر :٤٢-٤٣، مقدمة ابن الصلاح :٧٩، تدريب الراوي: ٥٨، شرح شرح نخبة الفكر للقاري :٢٩٣)

(۲) حسن وہ حدیث ہے جس کے راویوں میں ضبط ناقص ہو اور بقیہ تمام شرطیں صحیح کی اس میں موجود ہوں۔

(ملاحظہ ہو: شرح نخبة الفكر :٥٣، مقدمة ابن الصلاح :١٠٠، تدريب :١٣٦، شرح شرح نخبة الفكر :٢٩٣)

(۳) شرائط صحت وحسن میں سے کسی شرط کے نہ پائے جانے کا نام ضعف ہے، اور جس حدیث میں شرائط صحت وحسن نہیں پائے جاتے وہ حدیث ضعیف کہلاتی ہے۔

(ملاحظہ ہو: مقدمة ابن الصلاح :١١٢، الموقظة :٣٣، تدريب الراوي :١٥١)

(۴) غرابت اس کا نام ہے کہ صحابی تابعی اور تبع تابعی یا ان کے بعد کے راویوں میں سے سند میں کہیں نہ کہیں صرف ایک راوی رہ جائے، ایسی حدیث کو غریب کہتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو: شرح نخبة الفكر:٣١، الموقظة :٤٣)

(۵) علت وہ نقصان ہے جو صحت حدیث میں ضرر کا باعث ہوتا ہے، جس حدیث میں ایسی علت خفیہ موجود ہے جو باعث نقصان ہے اس کو معلّل کہتے ہیں۔

(ملاحظہ ہو: مقدمة ابن الصلاح :١٨٧، شرح نخبة الفكر :٤٤، ٨٩، تدريب :٢٢٣، شرح شرح نخبة الفكر :٤٥٩)

اور شذوذ[1] کو بھی بتا تا ہے تو پھر کچھ حرج نہیں، کیونکہ ضعیف، غریب اور معلول حدیث کو اس کی خرابی کی وضاحت کے ساتھ کتاب میں درج کرنا کسی قسم کی قباحت کا موجب نہیں۔

۲۔ شہرت سے ہماری مراد یہ ہے کہ محدثین کی جماعتیں یکے بعد دیگرے (ہر دور میں) اس کتاب کے ساتھ بطریقِ روایت، ضبطِ مشکل اور تخریج احادیث میں مشغول رہی ہوں تا آنکہ اس کی کوئی چیز بیان ہوئے بغیر نہ رہ گئی ہو۔

۳۔ قبولیت سے ہماری مراد یہ ہے کہ ناقدین حدیث اس کتاب کو تسلیم کریں، اور اس پر اعتراض نہ کریں، اور اس کتاب کی حدیثوں کے متعلق مؤلفِ کتاب کا حکم اور فیصلہ درست سمجھیں، اور فقہاء بغیر اختلاف اور بلا انکار اس سے استدلال کریں۔

پہلا طبقہ: اس میں حدیث کی صرف تین کتابیں داخل ہیں:

۱۔ موطأ امام مالک، ۲۔ صحیح بخاری، ۳۔ صحیح مسلم،

قاضی عیاض[2] نے "مشارق الأنوار" میں انہی تین کتابوں کی شرح کی ہے۔

---

(۱) شذوذ کسی امر میں اپنے سے زیادہ ثقہ کی مخالفت کا نام ہے، ایسی حدیث جس کا راوی ثقہ ہو مگر وہ جماعتِ کثیرہ کی (جو اس سے زیادہ ثقہ ہے) مخالفت کرتا ہو، اس کو شاذ کہتے ہیں، یعنی حافظہ کی کمی کو شذوذ سے تعبیر نہیں کرتے۔

(ملاحظہ ہو: مقدمة ابن الصلاح: ۱۶۳، شرح نخبة الفكر: ٤٤ – ٦٢، تدريب: ۲۰۳:۳، شرح شرح نخبة الفكر: ۲۵۳:۳)

(۲) حافظ الحدیث قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ الیحصبی (المتوفی ۵۴۴ھ) کی اس کتاب کا پورا نام "مشارق الأنوار في اقتفاء صحيح الآثار" ہے، اس کتاب میں موصوف نے موطأ امام مالک، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیثوں کے مغلق اور مشکل الفاظ کی تشریح کی ہے، ان کے معنی بتائے ہیں، راویوں کے نام کو ضبط کیا ہے، ان کے اوہام اور تصحیفات کی نشاندہی کی ہے، ابن خلکان (المتوفی ۶۸۱ھ) کا بیان ہے: "هو كتاب مفيد جدًا في تفسير غريب الحديث المختص بالصحاح الثلاثة وهي الموطأ والبخاري ومسلم." (وفيات الأعيان: ۱۵۲/۳)

یہ کتاب حدیث کی تشریح میں نہایت مفید ہے، خاص طور پر تین صحیح کتابوں کی حدیثوں کی تشریح میں جو موطأ، بخاری اور مسلم کے نام سے مشہور ہیں۔

ابن فرحون مالکی "الديباج المُذهَب" (ص: ۱۷۰، طبع قاہرہ ۱۳۵۱ھ) میں لکھتے ہیں: "كتاب مشارق الأنوار في تفسير غريب حديث الموطأ والبخاري ومسلم، وضبط الألفاظ، والتنبيه على مواضع الأوهام والتصحيفات، وضبط أسماء الرجال، وهو كتاب لو كتب بالذهب أو وزن بالجوهر لكان قليلا."

کتاب مشارق الانوار، موطأ، بخاری اور مسلم کے مشکل الفاظ کی تفسیر، ان کے ضبط، اوہام اور تصحیفات کے

یہ "مشارق الأنوار" صغانیؒ(۱) کی "مشارق الأنوار" کے علاوہ ہے جس میں صغانیؒ نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیثوں کو ان کی سندیں اور قصے حذف کر کے (عوامل کے اعتبار سے) جمع کیا ہے۔

مواقع پر تنبیہ وتوضیح اور اسماء رجال کے ضبط میں ہے، یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ اگر اس کو آبِ زر سے لکھیں یا جواہر سے تولیں تو بھی کم ہے۔

نواب صدیق حسن خانؒ "إتحاف النبلاء" (ص:۱۴۷، مطبع نظامی کانپور ۱۲۸۸ھ) میں رقم طراز ہیں:

"کتابے جلیل القدر است بغایت نافع ومفید، ودرحق وے گفتہ اند کہ اگر بآبِ زر نویسند وبجواہر وزن کنند حقِ او ادا نمی شود۔"

ایک جلیل القدر، نفع بخش اور کارآمد کتاب ہے، اور اسی کے متعلق علماء نے کہا ہے کہ اگر آبِ زر سے لکھیں اور جواہر سے تولیں تو بھی اس کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

قاضی عیاضؒ کی یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۳۲۸ھ میں فاس سے دو جلدوں میں شائع ہوئی تھی، پھر مطبعة السعادة مصر سے ۱۳۳۸ھ میں اس کی پہلی جلد شائع ہو کر رہ گئی، محدثین نے اس کتاب کا اختصار بھی کیا، اور قاضی عیاضؒ کی بعض فروگذاشتوں پر تنبیہ بھی کی ہے، حاجی خلیفہ "کشف الظنون" (۲/۱۶۸۷) میں رقمطراز ہیں: "حافظ ابن قرقول ابو اسحٰق ابراہیم الحمری (المتوفی ۵۶۹ھ) نے اس کا اختصار اور اس پر اضافہ کیا ہے اس کا نام "مطالع الأنوار علی صحاح الآثار" ہے، پھر علامہ شمس الدین محمد بن محمد موصلی (المتوفی ۷۷۴ھ) نے اس کو نظم کا جامہ پہنایا، اور ابن قرقول کے اوہام واغلاط کی نشاندہی کی اور بعض اضافے بھی کیے ہیں۔" (یہ دونوں کتابیں اب تک شائع نہیں ہوئی ہیں۔)

(۱) حسن بن محمد صغانی لاہوری (المتوفی ۶۵۰ھ) کی کتاب کا پورا نام "مشارق الأنوار النبوية من صحاح الأخبار المصطفوية" ہے، یہ صحیحین کی صرف قولی حدیثوں کا مجموعہ ہے جو عوامل نحویہ پر مرتب ہے، اس میں قصوں اور سندوں کو حذف کر دیا گیا ہے، یہ کتاب سب سے پہلے ہندوستان میں مولانا خرم علی بلہوری (المتوفی ۱۲۷۰ھ) کے ترجمہ اور شرح کے ساتھ لکھنؤ سے ۱۲۵۲ھ میں شائع کی گئی تھی، اور اس کتاب کا متن مطبعہ رشادیہ آستانہ سے ۱۳۲۹ھ میں شائع کیا گیا تھا۔

عز الدین عبد اللطیف المعروف بابن الملک (المتوفی ۷۹۷ھ) کی شرح "مبارق الأزهار في شرح مشارق الأنوار" بھی آستانہ سے ۱۳۲۸ھ میں دو جلدوں میں شائع کی گئی تھی، موصوف کے حالات کے لیے دیکھو: معارف اعظم گڑھ ۱۹۵۹ء، اس میں موصوف کے حالات پر راقمِ سطور کا نہایت مبسوط مقالہ سات قسطوں میں شائع ہوا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان تینوں کتابوں کی حدیثوں کی شرح اور ضبط اسماء کے لیے قاضی عیاضؒ کی کتاب "مشارق الأنوار" کافی وشافی ہے۔

ان تینوں کتابوں میں باہم نسبت یہ ہے کہ موطأ امام مالک گویا صحیحین کی اصل اور ان کی مأخذ ہے اور اس کی شہرت بھی کمال کو پہنچی ہوئی ہے، امام مالکؒ کے زمانہ ہی میں آپ سے امام شافعیؒ، امام محمدؒ، یحییٰ مصمودی، یحییٰ بن یحییٰ تمیمی (۱)، ....

(۱) واضح رہے یحییٰ کے دادا کا نام یحییٰ نہیں ہے، بلکہ دادا کے دادا کا نام یحییٰ ہے، سلسلۂ نسب یوں ہے: یحییٰ بن یحییٰ بن بکیر بن عبدالرحمٰن بن یحییٰ بن حماد تمیمی حنظلی نیشاپوری، ان کی کنیت ابوزکریا ہے۔

ولادت وکیفیت وتحصیل علم:

۱۴۲ھ = ۷۵۹ء میں پیدا ہوئے، امام مالکؒ اور ان کے ہمعصر محدثین سے حدیثوں کا سماع کیا، نہایت ثقہ اور صدوق ہیں، حفاظِ حدیث میں ان کا شمار ہے، موصوف نے موطأ کا سماع امام مالکؒ سے جس شوق سے کیا تھا اس کا اندازہ حسب ذیل واقعہ سے ہوسکتا ہے، حافظ عبدالکریم سمعانی (المتوفی ۵۶۲ھ) "أدب الإملاء والاستملاء" (طبع لیڈن ۱۹۵۲ء ص ۸-۹) میں بسند متصل ناقل ہیں: "الحسن بن علي بن بندار الزنجاني يقول: قرأ يحيى بن يحيى النيسابوري الحافظ كتاب "الموطّأ" على مالك، فلما فرغ منه، قال لمالك: ماسكن قلبي إلى هذا السماع، قال ولم؟ قال: لأني خشيت أنه سقط منه بعي! فقرأ مالك، فلما فرغ، قال: ماسكن قلبي إليه؛ لأني أخشى أنه سقط من أذني شيء! قال: فما تريد؟ قال أقرأه أنا ثانيا فتسمعه، فقرأه فتم له سماع ثلاث مرات."

حسن بن علی بن بندار زنجانی فرماتے تھے: حافظ یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوریؒ نے "موطأ" امام مالکؒ سے پڑھی، جب کتاب ختم ہوگئی تو امام مالکؒ سے عرض کیا: میرا دل اس سے مطمئن نہیں ہوا، امام موصوف نے پوچھا کیوں؟ کہنے لگے مجھے اندیشہ ہے میرے حافظہ اور یادداشت سے کچھ رہ نہ گیا ہو، اور سماع پورا نہ ہوسکا ہو، امام مالکؒ نے موطأ پھر پڑھ کر سنائی، جب پوری کتاب پڑھ کر سنادی تو انہوں نے پھر عرض کیا: میرا قلب ابھی تک مطمئن نہیں ہوا، میں ڈرتا ہوں کہیں کانوں سے سننے سے کچھ رہ نہ گیا ہو، اس پر امام مالکؒ نے فرمایا آخر تم چاہتے کیا ہو؟ عرض کیا میں پڑھوں اور آپ سنیں، انہوں نے شاگرد کی اس درخواست کو قبول کیا، انہوں نے پڑھا اور امام موصوف نے سنا، اس طرح انہوں نے موطأ کو امام مالکؒ سے تین مرتبہ سنا۔

....
....

علمی مقام:

امام ابوداؤدؒ نے امام احمدؒ سے نقل کیا ہے کہ خراسان سے دو ہی عالم پیدا ہوئے، عبداللہ بن مبارکؒ اور یحیٰ بن یحیٰ نیشاپوری۔

حافظ ذہبیؒ موصوف کے متعلق "العبر في خبر من غبر" (۳۹۷/۱، طبع کویت ۱۹۶۰ء) میں لکھتے ہیں:

''كان يُشبَّه بابن المبارك في وقته، قال ابن راهويه: مارأيت مثل يحيى بن يحيى ولا أحسبه رأى مثل نفسه، ومات وهو إمام أهل الدنيا.''

انہیں اپنے وقت میں عبداللہ بن مبارکؒ سے تشبیہ دی جاتی تھی، اسحٰق بن راہویہ کا بیان ہے کہ میں نے یحیٰ ابن یحیٰ کا مثل نہیں دیکھا، اور میں نہیں سمجھتا کہ انہوں نے اپنا مثل بھی دیکھا ہو، ان کا ایسے وقت میں انتقال ہوا جب کہ وہ اہل دنیا کے امام تھے۔

محدث شہاب الدین محمود خفاجی نے ''شرح الشفاء'' (۱۲/۱، طبع مصر) میں محدث برہان الدین حلبی سے نقل کیا ہے کہ اربابِ صحاح ستہ میں سے امام بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی امام مالکؒ کی روایت انہی کی سند سے نقل کرتے ہیں، یحیٰ بن کثیر مصمودی جن کو موطأ کی روایت میں غیر معمولی شہرت حاصل ہے، ان سے صحاح میں کوئی روایت نہیں ہے۔

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ "تاریخ الإسلام" (۲۹/۵-۲۳۱-۷) میں رقمطراز ہیں: ''قال الحاكم فيه: إمام عصره بلامدافعة، ...... وُلد سنة اثنتين وأربعين ومائة ...... وقال أحمد بن سَلَمة: سمعت إسحق بن راهويه يقول: مات يحيى بن يحيى يوم مات وهو إمام لأهل الدنيا ...... وقال يحيى بن محمد الذهلي: مارأيتُ أحدًا أجلّ ولا أخوف لربه من يحيى بن يحيى ...... وقال محمد بن يحيى الذهلي: لو شئتُ لقلتُ هو رأس المحدثين في الصدق."

وفات:

موصوف نے صفر ۲۲۶ھ، ۸۴۰ء میں نیشاپور میں وفات پائی۔

موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: تذكرة الحفاظ از شمس الدين ذہبیؒ: ۴۱۵/۲، ط: ۱۳۷۶ھ، تهذيب التهذيب: ۲۹۶/۱۱، مرآة الجنان: ۹۱/۲، تهذيب الكمال: ۲۵۳/۲۰، إكمال تهذيب الكمال: ۳۷۷/۱۲، تاريخ الإسلام: ۷۲۹/۵، سير أعلام النبلاء: ۵۱۲/۱۰، الكاشف: ۲۷۱/۳، المنتظم: ۱۱۳/۱۱، الإعلام بوفيات الأعلام: ۱۰۱.

یحییٰ بن بکیر، (۱) ....

(۱) نام ونسب:

یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر قرشی مخزومی نام، اور ابوزکریا کنیت ہے، موصوف اپنے دادا کی طرف نسبت سے بھی مشہور ہیں، چنانچہ اس نسبت سے اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

ولادت وتحصیل علم:

ابن یونس کا بیان ہے کہ ۱۵۴ھ=۷۷۱ء میں پیدا ہوئے، امام مالکؒ، لیثؒ، اور اس عصر کے نامور محدثین سے حدیث کا سماع کیا، لیکن زیادہ روایت امام مالکؒ اور لیثؒ سے کی ہے، حفاظِ حدیث میں ان کا شمار ہے، بقی بن مخلدؒ کا بیان ہے کہ یحییٰ بن بکیرؒ نے ''موطأ'' امام مالکؒ سے سترہ مرتبہ سنی تھی، امام بخاریؒ، ابوزرعہؒ اور ابو حاتمؒ ان سے بلاواسطہ روایت کرتے ہیں، اور امام مسلمؒ بالواسطہ راوی ہیں۔

فضل وکمال:

حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں: ''كان من أوعية العلم مع الصدق والأمانة '' وہ راست گوئی اور امانت کے ساتھ علم کا جامع تھا۔

موصوف کے متعلق حافظ ذہبیؒ ''تاریخ الإسلام'' (۹۶۳/۵-۹۶۴) میں رقمطراز ہیں: ''قال أبو حاتم: كان يفهم هذا الشان، يُكتب حديثه، ولا يُحتجّ به، قلت: قد احتجّ به صاحبا الصحيحين وكان غزير العلم، عارفًا بالحديث وأيام الناس بصيراً بالفتوى، وقد قال فيه النسائي: ضعيف، وقال في موضع آخر: ليس بثقة.''

ابو حاتم کہتے ہیں: کہ موصوف اس فن کا فہم رکھتے تھے، ان کی حدیث لکھی جائے گی، لیکن ان سے استدلال نہیں کیا جائے گا، میں کہتا ہوں کہ: امام بخاری ومسلم نے ان کی حدیثوں سے احتجاج کیا ہے، موصوف فرواں علم رکھتے، حدیث، تاریخی واقعات کے شناساں تھے، فتویٰ میں بصیرت رکھتے تھے، امام نسائی نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ: ضعیف ہیں، اور دوسری جگہ کہا ہے کہ: ثقہ نہیں ہیں۔

وفات:

صفر ۲۳۱ھ=۸۴۵ء میں انتقال ہوا۔

موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: تذكرة الحفاظ: ۲/ ۴۲۰، كتاب العبر: ۱/ ۴۱۰، تهذيب التهذيب: ۲۳۷/۱۱، تاريخ الإسلام: ۵/ ۹۶۳، تهذيب الكمال: ۱۳۶/۲۰، إكمال تهذيب الكمال: ۳۳۳/۱۲، سير أعلام النبلاء: ۶۱۲/۱۰، الكاشف: ۲۶۰/۳، الإعلام بوفيات الأعلام: ۱۰۴.

ابومصعب [۱] اور قعنبی [۲] وغیرہ کو روایت کا فخر حاصل ہے، نیز اس کتاب کی عدالت وضبطِ رجال پر سب کا

---

(۱) نام ونسب:

احمد نام اور ابومصعب کنیت ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے:

احمد بن قاسم بن الحارث بن زرارۃ بن مصعب بن عبدالرحمٰن بن عوف، زہری مدنی۔

ولادت وشیوخ:

موصوف ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے، امام مالکؒ کے پاس رہ کر فقہ وحدیث میں بصیرت حاصل کی، امام مالکؒ، ابراہیم بن سعد، اور یوسف بن ماجشون وغیرہ سے حدیثیں روایت کیں، ان کا شمار حفاظِ حدیث میں ہے، اربابِ صحاح ستہ ان سے روایت کرتے ہیں، امام نسائیؒ ان سے بالواسطہ راوی ہیں، دارقطنی ابومصعب کی موطأ کو یحییٰ بن یحییٰ کی موطأ پر ترجیح دیتے تھے۔

علامہ ابن حزم اندلسی فرماتے ہیں:

''امام مالکؒ سے موطأ کے آخری راوی ابومصعب اور ابوحذافہ ہیں، امام مالکؒ کے دوسرے شاگردوں کی موطأؤں کے مقابلے میں ابومصعب اور ابوحذافہ کی موطأ میں کم وبیش سو حدیثیں زیادہ ہیں۔''

فضائل وثقاہت:

زبیر بن بکار کہتے ہیں: ''ابومصعب بالاتفاق مدینہ کے فقیہ تھے اور تا آخرِ حیات عہدۂ قضا پر فائز رہے تھے۔''

علامہ ذہبیؒ ''تاریخ الإسلام'' (۵/۱۰۷۵) میں رقمطراز ہیں: ''قال أبو زرعة، وأبو حاتم: صدوق''

ابوزرعہ اور ابوحاتم کہتے ہیں کہ موصوف صدوق ہیں۔

وفات:

۹۲ سال کی عمر میں ۲۴۲ھ/۸۵۶ء میں انتقال ہوا۔

موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: تذكرة الحفاظ: ۲/ ۸٤۲، تهذيب التهذيب: ۱/ ۲۰، تاريخ الإسلام: ٥/ ۱۰۷٤ - ۱۰۷٥، العبر: ۱/۳٤۳، تهذيب الكمال: ۱/۱۱۹، سير أعلام النبلاء: ۱۱/٤۳٦، الكاشف: ۱/٥۳.

(۲) نام، ولادت، تحصیل علم واساتذہ:

عبداللہ بن مسلمۃ قعنبی مدنی نام، اور ابوعبدالرحمٰن کنیت ہے، ۱۳۰ھ/۷۴۸ء میں پیدا ہوئے، محدث افلح بن حمید، ابن ابی ذئب اور امام مالک رحمہم اللہ جیسے یکتاءِ زمانہ محدثین سے حدیثیں روایت کرتے ہیں، ابوحاتم کا بیان ہے کہ ''یہ ثقہ اور حجت ہیں اور ان سے زیادہ خداترس انسان میں نے نہیں دیکھا'' ان کا شمار حفاظِ حدیث میں ہے، حافظ ابوزرعہ، امام بخاریؒ اور مسلم بن الحجاج وغیرہ ان سے روایت کرتے ہیں، یحییٰ بن معین کا قول ہے: ''ہم نے وکیع اور قعنبی ہی کو دیکھا ہے جو حدیثیں بیان کرتے تھے''۔

اجماع ہے، مکہ معظّمہ، مدینہ منورہ، عراق، شام، یمن، مصراور دیارِ مغرب میں مشہور ہے اور (بکثرت) شہروں کے فقیہوں کا مدار اسی کتاب پر ہے، امام مالکؒ کے زمانے میں اور آپ کے بعد بھی علماء نے موطاً کی حدیثوں کی تخریج، اس کے متابعات اور شواہد کے جمع کرنے میں بڑی کوشش کی ہیں، اور اس کے الفاظِ غریبہ کی شرح، ضبطِ مشکلات اور ان کی وضاحت، فقیہانہ مسائل کا بیان، حدیث کی سندیں اور طرقِ روایت کے بیان میں اتنا اہتمام کیا ہے کہ اس سے زیادہ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، صحیح بخاری اور صحیح مسلم بسط وتفصیل اور حدیثوں کی تعداد کے اعتبار سے ہر چند موطاً سے دس گنی زیادہ ہوں گی۔

ثقاہت وعلمی مقام:

نصر بن مرزوق فرماتے ہیں: ''موطاً کی روایت میں قعنبی سب سے زیادہ معتبر راوی ہیں''، حنینی کا قول ہے: ''قعنبی جب کبھی سفر سے ملنے آتے تھے امام مالکؒ ان کے لیے کھڑے ہوجاتے تھے۔''

محدث زرقانی نے ''شرح مواهب اللدنيه'' (۳۴۳/۲، طبع مصر ۱۳۲۸ھ) میں تصریح کی ہے کہ نصف موطاً امام مالکؒ نے انہیں سنائی تھی، اور نصف انہوں نے امام مالکؒ کو پڑھ کر سنائی ہے۔

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ "تاريخ الإسلام" (۶۱۰/۵-۶۱۱) میں رقمطراز ہیں:

''قال أبو زرعة: ما كتبت عن أحد أجل في عيني من القعنبي، وقال أبو حاتم: ثقة حجة لم أر أخشع منه ...... وقال أبو حفص الفلّاس: كان القعنبي مجاب الدعوة .... وقال إسماعيل القاضي: كان القعنبي من المجتهدين في العبادة ...... وقال محمد بن سعد: كان القعنبي عابدًا فاضلاً قرأ على مالك كتبه ...... قيل: كان يسمى الراهب لعبادته وفضله.''

ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی سے نہیں لکھا جو میری نظر میں قعنبی سے زیادہ بڑا ہو، اور ابوحاتم کا بیان ہے کہ موصوف ثقہ، حجت ہیں، اور میں نے ان سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا کسی کو نہیں دیکھا، ابوحفص فلّاس کہتے ہیں کہ قعنبی مجاب الدعوات ہیں، اور اسماعیل قاضی کا قول ہے کہ قعنبی بڑے عبادت گذاروں میں سے تھے، اور محمد ابن سعد کہتے ہیں کہ قعنبی عابد، فاضل تھا، اپنی کتابیں امام مالکؒ کو پڑھ کر سنائیں، اور یہ اپنی عبادت وبزرگی کی وجہ سے راہب کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

وفات: ۲۲۱ھ = ۸۳۶ء میں مکہ میں وفات پائی۔

(تذكرة الحفاظ: ۳۸۵/۱، العبر: ۲۸۲/۱، تهذيب التهذيب: ۳۱/۶، تاريخ الإسلام: ۶۱۰/۵، الكاشف: ۱۳۱/۲، الإعلام بوفيات الأعلام: ۹۸)

لیکن حدیثوں کی روایت کا طریقہ، راویوں کی جانچ پڑتال کا ڈھنگ، اعتبار اور استنباط کا اسلوب، موطأ ہی سے سیکھا ہے، مگر اس کے باوجود یہ دونوں کتابیں تمام فرقِ اسلامیہ اور علمائے اسلام کی مخدوم ہیں، محدثین کی ایک جماعت نے ان کی متخرجات لکھی ہیں، جیسے اسماعیلی [1] ....

---

(۱) نام، ولادت وتحصیل علم:

احمد بن ابراہیم بن اسماعیل اسماعیلی جرجانی نام اور ابوبکر کنیت ہے، ۲۷۷ھ میں پیدا ہوئے، اور بچپن سے حدیث کی تحصیل میں مشغول ہوگئے، مورخ ذہبیؒ نے موصوف کی "معجم الشيوخ" سے ان کے حسب ذیل جملے نقل کئے ہیں: ''میں نے بچپن میں جب میں چھ برس کا تھا یعنی ۲۸۳ھ میں اپنے قلم سے حدیثیں لکھنا شروع کردی تھیں۔''

(بحوالہ تذکرۃ الحفاظ: ۳/ ۹۴۹)

وقت کے نامور محدثین سے حدیثوں کا سماع کیا، حدیث کی تحصیل میں دور دراز ممالک کا سفر طے کیا، پھر مسندِ درس پر بیٹھے، اور بڑا جاہ ومنصب ملا، حفاظِ حدیث میں ان کا شمار ہے۔

تبصرہ بر کتاب متخرج:

بہت سی کتابیں ان سے یادگار ہیں، ان ہی میں سے صحیح بخاری پر متخرج بھی ہے، جس کے متعلق حافظ ابن کثیرؒ "البدایه والنهاية" (۱۱/ ۲۹۸) میں لکھتے ہیں: ''صنّف كتاباً على صحيح البخاري، فيه فوائد كثيرة وعلوم غزيرة'' انہوں نے صحیح بخاری پر متخرج لکھا ہے جس میں بہت سے فوائد اور قیمتی معلومات ہیں۔

ان سے حدیثیں سننے کی غرض سے امام دارقطنیؒ نے کئی مرتبہ سفر کا ارادہ کیا، لیکن مقدر نہ ہوسکا، اور ہمیشہ اس پر ان کو افسوس رہا، علامہ ذہبیؒ موصوف کے متعلق "تاریخ الإسلام" (۸/ ۳۵۴) میں رقمطراز ہیں:

''قال حمزة: وسمعت أبا محمد الحسن بن علي الحافظ بالبصرة يقول: كان الواجب للشيخ أبي بكر الإسماعيلي أن يصنّف لنفسه سُنَنًا، ويختار على حسبِ اجتهاده، فانه كان يقدر عليه لكثرة ماكان كتب، ولغزارة علمه وفهمه وجلالته، وماكان ينبغي أن يتبع كتاب محمد بن إسماعيل، فإنه كان أجلّ من أن يتبع غيرَه أو كما قال، وقال أبو عبد الله الحاكم: كان أبو بكر واحد عصره، وشيخ المحدثين والفقهاء وأجلهم في الرياسة والمروئة والسخاء، ولا خلاف بين عُقلاء الفريقين من أهل العلم فيه.''

حمزہ کہتے ہیں کہ میں نے ابومحمد حسن بن علی الحافظ کو بصرہ میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ ابوبکر اسماعیلی کیلئے لازم تھا کہ وہ اپنے لیے ایک کتاب السنن تصنیف کرتے اور اپنے اجتہاد کے مطابق ترجیح کا کام کرتے؛ کیونکہ وہ کتابوں کی کثرت اور بے پایاں علم وفہم اور بزرگی کی وجہ سے اس کی قدرت رکھتے تھے، اور محمد بن اسماعیل کی کتاب کی پیروی کرنا ان کے لیے

اور ابوعوانہؒ(۱) اور بعض محدثین نے ان کے الفاظِ غریبہ کی شرح لکھی ہے، مشکل الفاظ اور اسماء کو ضبط کیا ہے، مشکل مقامات کو حل کیا ہے، مسائلِ فقہیہ کو بیان کیا ہے، اور راویوں کے حالات قلمبند کئے ہیں۔

مناسب نہیں تھا کہ وہ خود بلند پایہ شخصیت تھی، حاکم فرماتے ہیں کہ ابوبکر یکتائے زمانہ فقہاء ومحدثین کے شیخ، پیشوا تھے، سیادت علمی، مروت، اور سخاوت میں ان کی بڑی شان تھی، اور اہل علم میں سے فریقین کے نزدیک ان میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا ہے۔

وفات:

۹۴ سال کی عمر میں ۱۰ رجب ۳۷۱ھ=۹۸۲ء کو انتقال ہوا۔

ان کی تالیفات میں سے "المعجم" اور "مسند عمر" زیادہ مشہور ہیں۔

حالات کے لئے ملاحظہ ہو: تذكرة الحفاظ: ٣ / ٩٤٧، العبر: ٢ / ٢٥٨، تاريخ الاسلام: ٨ / ٣٥٤، البداية والنهاية بذيل واقعات ٣٧١ ھ، سير أعلام النبلاء: ١٦ / ٢٩٢، شذرات الذهب: ٨ / ٧٥، الإعلام بوفيات الأعلام: ١٥٦، المنتظم: ١٤ / ٢٨١، رقم: ٢٧٦٥)

(۱) نام وتحصیل علم:

ابوعوانہ یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم بن یزید اسفرائنی نیشاپوری حفاظِ حدیث میں سے ہیں، یونس بن عبدالاعلیٰ، محمد بن یحییٰ ذہلی اور اس طبقہ کے اکابر محدثین سے حدیثیں سنیں، اور اس فن کی تکمیل کے لیے دنیائے اسلام کا سفر کیا، حافظ احمد بن علی رازی، ابوعلی نیشاپوری، امام طبرانی، اسماعیلی وغیرہم ان سے روایت کرتے ہیں۔

موصوف امام مزنی اور ربیع کے شاگرد تھے، چنانچہ امام شافعیؒ کی کتابوں اور ان کے مسلک سے اہل اسفرائین کو سب سے پہلے ان ہی نے روشناس کرایا تھا۔

حافظ ذہبیؒ "العبر" (۲/۱۶۵) میں لکھتے ہیں: "وكان مع حفظه فقيهًا شافعيًا إمامًا." "وہ حافظ حدیث ہونے کے ساتھ فقہ شافعی کے فقیہ اور امام تھے۔

شیوخ وتلامذہ:

علامہ ذہبیؒ "تاریخ الإسلام" (۷/۳۱۵) میں رقمطراز ہیں:

"سمع بخراسان، والعراق، والحجاز، واليمن، والشام، والثغور، والجزيرة، وفارس، وأصبهان، ومصر، سمع محمد بن يحيى، ومسلم بن الحجاج، ويونس بن عبد الأعلى، وعمر بن شبة، وأحمد ابن أخي ابن وهب، وشعيب بن عمرو الضُّبعي، وعلي بن حرب، وعلي بن أشكاب، وسعدان بن نصر، والحسن بن محمد الزعفراني، والربيع المرادي، ومحمد بن عبد الله بن عبد الحكم، وخلقًا سواهم،

غرض یہ دونوں کتابیں شہرت اور قبولیت کے درجہ کو پہنچ گئی ہیں، صاحبِ ''جامع الأصول ''[1] نے فربری سے نقل کیا ہے کہ نوّے (۹۰) ہزار علماء نے امام بخاریؒ سے صحیح بخاری کا سماع کیا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ان تینوں کتابوں کی حدیثیں سب سے زیادہ صحیح ہیں، اگر چہ ان میں بعض حدیثیں بعض کی بنسبت زیادہ صحیح ہیں، اور اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو موطأ کی اکثر مرفوع حدیثیں صحیح بخاری میں موجود ہیں، اس اعتبار سے گویا صحیح بخاری موطأ کی جامع ہے، البتہ آثارِ صحابہ و تابعین موطأ میں زیادہ ہیں لہٰذا ان تینوں کتابوں کو طبقۂ اولیٰ میں رکھنا چاہئے۔

وعنه: أحمد بن علي الرازي الحافظ، وأبو علي النيسابوري، ويحيى بن منصور، وعبد الله بن عدي، والطبراني، وأبوبكر الإسماعيلي، وحُسَينك بن علي التميمي، وابنه أبو مصعب محمد بن يعقوب، وآخر من روى عنه ابن ابن اخته أبو نعيم عبد الملك بن الحسن الأسفرائني، ودخل دمشق مرات، قال الحاكم: وأبو عوانة من علماء الحديث وأثباتهم.''

موصوف نے خراسان، عراق، حجاز، یمن، شام، ثغور، جزیرۃ، فارس، اصبہان، اور مصر میں حدیث کا سماع کیا، محمد بن یحیٰ، مسلم بن حجاج، یونس بن عبد الاعلیٰ، عمر بن شبہ، احمد ابن اخی ابن وہب، شعیب بن عمرو الضبعی، علی بن حرب، علی بن اشکاب، سعدان بن نصر، حسن بن محمد زعفرانی، ربیع المرادی، محمد بن سبد اللہ بن عبد الحکم اور ان کے علاوہ لوگوں سے سماع کیا اور ان سے حافظ احمد بن علی رازی، ابوعلی نیشاپوری، یحیٰ بن منصور، عبد اللہ بن عدی، طبرانی، ابوبکر اسماعیلی، حسینک بن علی تمیمی اور ان کے بیٹے ابومصعب محمد بن یعقوب نے روایت کی ہے، اور آخری راوی جس نے ان سے روایت کی ہے وہ ان کے بہن کے پوتے ابونعیم عبد الملک بن حسن اسفرائینی ہیں، موصوف کئی مرتبہ دمشق آئے، حاکم کہتے ہیں کہ ابوعوانہ علماء حدیث اور علماء اثبات میں سے ہیں۔

وفات:

۳۱۶ھ = ۹۲۸ء میں وفات پائی، اسفرائین میں ان کا مزار ہے۔

ان کی تالیفات میں سے صحیح مسلم پر مستخرج زیادہ مشہور ہے، اور اس کی دو جلدیں حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکی ہیں۔

حالات کے لئے ملاحظہ ہو: تذكرة الحفاظ: ۳/ ۲، وفيات الأعيان: ۲ / ۳۰۸، مرآة الجنان: ۲/ ۲۶۹، معجم البلدان: ۱ /۲۲۸ ، تاريخ الإسلام: ۷/ ۳۱۵، سير أعلام النبلاء: ۱۴ / ۴۱۷، شذرات الذهب: ۲/ ۲۷۴، الإعلام بوفيات الأعلام: ۳۴.

دوسرا طبقہ : اس میں حدیث کی وہ تمام کتابیں داخل ہیں جن کی حدیثیں ان تینوں صفتوں (صحت، شہرت اور قبولیت) میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے درجہ کو نہ پہنچ سکی ہیں، لیکن مذکورۂ بالا صفات میں وہ ان کے قریب قریب ہیں، جیسے جامع ترمذی، سنن ابی داوٗد اور سنن نسائی کی حدیثیں ہیں کہ ان کے مؤلفین کا وثوق، عدالت، حفظ وضبط اور فنونِ حدیث میں تبحر مشہور ہے، اور ان کے مؤلفین نے ان کتابوں میں تساہل اور تسامح کو ہرگز روا نہیں رکھا ہے، اور جہاں تک ہوسکا ہے حدیث کی حالت اور علت بیان کی ہے، اس لئے علماءِ اسلام میں انہیں شہرت حاصل ہے، اور ان چھ کتابوں کو صحاح ستہ (چھ صحیح کتابیں) کہتے ہیں۔

ابن الاثیرؒ نے "جامع الأصول" [1] میں ان ہی چھ کتابوں کی حدیثوں کو جمع کیا ہے، اور الفاظِ غریبہ کی شرح کی ہے، مشکلات کو ضبط کیا ہے، راویانِ حدیث کے ناموں اور دیگر متعلقات کو بھی وضاحت سے بیان کیا ہے، اس لحاظ سے گویا "جامع الأصول" ان چھ کتابوں کی شرح ہے، جیسے "مشارق الأنوار" ان تینوں کتابوں (موطا اور صحیحین) کی شرح ہے۔

---

(۱) مشہور محدث مبارک بن محمد المعروف بابن الاثیر جزری (المتوفی ۶۰۶ھ) کی "جامع الأصول لأحاديث الرسول" نہایت مشہور اور مقبول کتاب ہے، اس کے متعلق یاقوت رومی (المتوفی ۶۲۶ھ) "معجم الأدباء" (۶/ ۲۴۱، طبع مصر ۱۹۳۰ء) میں رقمطراز ہیں:

''كتاب جامع الأصول في أحاديث الرسول عشر مجلدات، جمع فيه بين البخاري ومسلم والموطّأ وسنن أبي داؤد وسنن النسائي والترمذي، عمله على حروف المعجم، وشرح غريب الأحاديث ومعانيها وأحكامها، ووصف رجالها، ونبه على جميع مايحتاج اليه منها، قال المؤلف: أقطع قطعًا أنه لم يصنف مثله قط ولا يصنف''

کتاب جامع الأصول في أحاديث الرسول دس جلدوں میں ہے، اس میں ابن الاثیر نے بخاری، مسلم، موطا، سنن ابی داوٗد، سنن نسائی اور جامع ترمذی کی حدیثوں کو حروفِ معجم پر مرتب کیا ہے، اور حدیثوں کے مشکل الفاظ ومعانی کی تشریح کی ہے، احکامِ حدیث کو بیان کیا ہے، رجالِ حدیث کو بتایا ہے، اور ان تمام باتوں کی طرف جن کی احتیاج ہوتی ہے، تنبیہ کی ہے، مؤلف (یاقوت رومی) کہتا ہے کہ مجھے پکا یقین ہے کہ اس جیسی کتاب تصنیف نہیں ہوئی اور نہ ہوسکے گی۔

صاحبِ "جامع الأصول" نے "سنن ابن ماجه" (۱) کو صحاح میں شمار نہیں کیا ہے، اور "موطأ" کو صحاح میں چھٹی کتاب قرار دیا ہے، اور یہی بات درست ہے، لیکن حضرت والد ماجد قدس سرہ فرماتے ہیں:

''فقیر کے نزدیک "مسند أحمد" دوسرے طبقہ میں داخل ہے، اور وہ صحیح حدیث کے سقیم حدیث سے پہچاننے میں اصل اور مدار کی حیثیت رکھتی ہے، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کس حدیث کی اصل ہے، اور کس کی اصل نہیں ہے، اگر چہ "مسند أحمد" میں ضعیف حدیثیں بھی بہت ہیں جن کا حال بیان نہیں کیا ہے، تاہم جو ضعیف حدیثیں مسند میں پائی جاتی ہیں وہ ان حدیثوں سے بہتر نظر آتی ہیں جن حدیثوں کی متاخرین نے تصحیح کی ہے، علماءِ حدیث وفقہ نے ان کو پیشوا بنایا ہے، اور درحقیقت ''مُسند أحمد'' فنِ حدیث میں ایک رُکن اعظم ہے، اسی طرح ''سنن ابن ماجه''، گو اس کی بعض حدیثیں ضعیف ہیں، مگر اس کو اسی طبقہ میں شمار کیا جا سکتا ہے۔''

تیسرا طبقہ: اس طبقہ میں وہ حدیثیں داخل ہیں جنہیں علماءِ متقدمین نے جو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ سے پہلے ہوئے ہیں یا جو اِن کے معاصر تھے یا جو اِن کے بعد ہوئے ہیں، انہوں نے ان حدیثوں کو اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے، اور صحت کا التزام نہیں کیا ہے، اور نہ ان کی کتابیں شہرت اور قبولیت میں طبقۂ اولیٰ اور ثانیہ تک پہنچ سکی ہیں، اگر چہ ان کتابوں کے مؤلفین علومِ حدیث میں ماہر اور ثقہ تھے، اور ضبط وعدالت کی صفات سے متصف تھے، ان کتابوں میں صحیح، حسن، ضعیف حدیثیں ہی نہیں پائی جاتی ہیں، بلکہ ان میں بعض حدیثیں ایسی بھی موجود ہیں جن پر موضوع ہونے کی تہمت ہے، اور ان کتابوں کی حدیثوں کے اکثر راوی عدالت کی صفت سے متصف ہیں، بعض مستور الحال اور بعض مجہول ہیں، اور اکثر وہ حدیثیں ایسی ہیں جو فقہاء کے نزدیک معمول بہ نہیں ہیں، بلکہ ان کے خلاف عمل کرنے پر امت کا اجماع ہے، ان کتابوں میں بھی باہم فرقِ مراتب ہے، بعض کتابیں بعض سے قوی تر ہیں، ان کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں:

مسند شافعی (۲) ....

---

(۱) "سنن ابن ماجه" کا شمار صحاح ستہ میں ہے یا نہیں؟ اس موضوع پر میرے بڑے بھائی علامہ محمد عبد الرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''سنن ابن ماجہ اور علم حدیث'' میں سیر حاصل بحث کی ہے۔ ناظرین کو اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

(۲) ''مسندِ شافعی'' یہ امام شافعیؒ کی مرتب کردہ مسند نہیں ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ''تعجیل المنفعة'' (ص: ۴، طبع حیدرآباد دکن ۱۳۲۴ھ) میں لکھتے ہیں: ''إن الشافعي لم يعمل هذا المسند وإنما التقطه بعض النيسابوريين من (الأم) وغيرها من مسموعات أبي العباس الأصم التي كان انفرد بروايتها عن الربيع'' امام شافعیؒ نے یہ مسند مرتب نہیں کی ہے نیشاپوری علماء میں سے بعض نے کتاب الام وغیرہ کی ان حدیثوں کو جن کے سماع

سنن ابن ماجہ[1]، مسند دارمی[2]، مسند ابی یعلی موصلی[3]، مصنف عبد الرزاق[4] مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ،[5] مسند عبد بن حمید[6]،..

میں ابوالعباس اصم عن الشیخ ربیع میں منفرد تھے، یکجا کر دیا ہے۔

(ملاحظہ ہو: بستان المحدثین، نصرت المطابع دہلی ص:۱۳۰ور إتحاف السادة المتقین: ۳/۲۳۹۔)

(۱) سنن ابن ماجہ کے لیے دیکھو"ابن ماجہ اور علم حدیث" از محقق العصر علامہ محمد عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۲) "مسند دارمي"، یہ ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی سمرقندی (المتوفی ۲۵۵ھ) کی تالیف ہے، اس کی ترتیب مسانید پر نہیں ہے، بلکہ یہ فقہی ابواب پر مرتب ہے، اس کا شمار سنن میں بھی ہے، صحیح بخاری جس طرح "المسند الجامع" کے نام سے موسوم ہے، اس طرح سنن دارمی "مسند دارمي" کے نام سے مشہور ہے، یہ دو جلدوں میں شائع کی گئی ہے۔ (دیکھو: بستان المحدثین ص:۴۷-۴۸)

(۳) "مسند أبي يعلى موصلي"، یہ حافظ احمد بن علی تمیمی موصلی حنفی (المتوفی ۳۰۷ھ) کی تالیف ہے، موصوف کی دو مسندیں ہیں: ایک صغیر، دوسری کبیر، جس کے متعلق حافظ اسماعیل تیمی کا قول ہے: "قرأت المسانيد كمسند العدني ومسند ابن منيع، وهي كالأنهار ومسند أبي يعلى كالبحر، فيكون مجمع الأنهار."

میں نے بہت سی مسندوں کو پڑھا ہے، جیسے کہ مسند عدنی اور مسند ابن منیع، ان کی مثال نہروں کی سی ہے، اور مسند ابی یعلی کی مثال سمندر کی سی ہے، اس لیے کہ تمام نہریں اس میں آ کر گرتی ہیں۔

یہ ٦ جلدوں میں دار القبلة للثقافة الإسلامية، جدة سے شائع کی گئی ہے۔

(الرسالة المستطرفة ص:٦١، بستان المحدثین ص:۲۷-۳۸)

(۴) "مصنَّف عبد الرزاق" یہ حافظ ابو بکر عبدالرزاق بن ہمام صنعانی (المتوفی ۲۱۱ھ) کی تالیف ہے، اور مصنف ابن ابی شیبہ سے حجم میں چھوٹی ہے، ابواب پر مرتب ہے، موصوف کی ایک اور کتاب بھی ہے جو جامع عبدالرزاق کے نام سے موسوم ہے، مصنف عبدالرزاق مصر اور پاکستان سے ۱۱ جلدوں میں مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کی تعلیقات کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔

(بستان المحدثین ص:۵۱، والرسالة المستطرفة ص:۳٦)

(۵) "مصنَّف أبي بكر بن أبي شيبه" کے لیے ناظرین کو "امام ابن ماجہ اور علم حدیث" کا مطالعہ کرنا چاہئے، اس میں اس پر سیر حاصل بحث ہے، مجلس مجمع العلمی نے شیخ محمد عوامہ کی تعلیقات سے شائع کیا ہے۔

(٦) "مسند عبد بن حميد" واضح رہے عبد بن حمید کسّی (المتوفی ۲۴۹ھ) کی بڑی اور چھوٹی دو مسند ہیں جو ایک جلد میں منتخب ہے، اسی کا سماع ابراہیم بن حریم الشاشی کو حاصل ہے، مگر بہت سے صحابہؓ کی مسانید اس میں نہیں ہیں، جو

مسند ابی داؤد طیالسی (۱) ....

متداول اور مشہور ہے وہ صغیر ہے، یہ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کی تعلیقات سے مجلس مجمع العلمی نے شائع کی ہے۔
(ملاحظہ ہو: بستان المحدثین ص: ۳۴، اور الرسالة المستطرفة ص: ۵٦)

(۱) ''مسند أبي داؤد'' یہ مشہور محدث سلیمان بن داؤد بن جارود طیالسی (المتوفی ۲۰۴ھ) کی تالیف ہے، حاجی خلیفہ کا بیان ہے کہ یہ مسانید میں سب سے پہلی مسند ہے، یہ کتاب مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن سے ۱۳۲۱ھ میں شائع ہوچکی ہے، عصر حاضر کے محدث شیخ احمد عبد الرحمٰن البنا ساعاتی نے مسند ابو داؤد طیالسی کو فقہی ابواب پر مرتب کیا ہے، اس کا نام "منحة المعبود في ترتيب مسند الطيالسي أبي داؤد" ہے، یہ موصوف کی تصحیح اور تعلیقات کے ساتھ جس کا نام ''المحمود على منحة المعبود'' ہے، دو جلدوں میں مطبعہ منیریہ مصر سے ۱۳۷۲ھ میں شائع ہوئی تھی۔

موصوف ضرورتِ ترتیب کے متعلق کتاب مذکور (ص: ۱۵) میں لکھتے ہیں: ''كان الغرض من هذا الترتيب في العصر الأول هو جمع الأحاديث المتفرقة عند الصحابه والتابعين وتابعيهم فيما اتفق خوفًا من ضياعها، وكان هذا الترتيب مفيدًا في زمن السلف ؛لأنهم كانوا يعتمدون على الحفظ والاستظهار، فكانوا يعلمون موضع الكتاب ومواقع الأحاديث المتشابهة، أما الآن وقد صار اعتماد الناس على ضبط الكتاب، فلايفيدهم هذا الترتيب، فلستَ تستطيع أن تهتدي إلى حديث بعينه، ولستَ تقدر إذا كان مرويًا عن غير واحد من الصحابة، فلا بدّ لك من قرآة مسانيدهم جميعًا، هذا إذا كنت تعرف اسم راوي الحديث، أما إذا جهلته فلابدّ لك من قرآة الكتاب جميعه، وهذا لايتحمله أحد، لهذا قل الانتفاع الآن بالكتب المرتبة على المسانيد، وقل تداولها بين الناس، وهذا ما وفقني الى خدمة هذا الكتاب وإبرازه للناس في ثوب جميل.''

پہلے زمانہ میں اس ترتیب سے غرض صحابہؓ، تابعین اور تبع تابعین میں منتشر حدیثوں کو جمع کرنا تھا، تاکہ وہ ضائع نہ ہوسکیں، اور سلف کے زمانہ میں یہ ترتیب مفید بھی تھی؛ کیونکہ انہیں اپنے حافظہ اور بیان پر بھروسہ تھا، وہ کتاب کے مقام اور متشابہ حدیثوں کی جگہ سے واقف تھے، لیکن اب لوگوں کا اعتماد ضبط کتاب پر رہ گیا ہے، اس وجہ سے یہ ترتیب ان کے لیے مفید نہیں ہے، لہٰذا اب تمہاری استطاعت سے باہر ہے کہ تم حدیثِ مقصود کی طرف رہنمائی پاؤ، اور نہ تمہیں یہ قدرت ہے کہ اگر کوئی حدیث بہت سے صحابہؓ سے مروی ہو تو تم اس کو پاسکو، لہٰذا ضروری ہے کہ تم ان کی تمام مسندوں کو پڑھو اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ تمہیں اس حدیث کے راوی کا نام معلوم ہو، لیکن اگر تم کو اس کے راوی کا نام معلوم نہیں ہے، تو تمہارے لیے اس کے سوا چارۂ کار نہیں کہ تم پوری کتاب پڑھو، اور اس کا اب کوئی متحمل نہیں، لہٰذا اب ان کتابوں سے جو مسانید پر مرتب ہیں، انتفاع جاتا رہا،

سنن دار قطنی صحیح (۱) ابن حبان (۲)، مستدرک حاکم (۳)، کتب بیہقی، (۴) ....

اور لوگوں میں ان کا رواج بھی کم ہوگیا، اس بات نے مجھے اس کتاب کی خدمت پر آمادہ کیا، اور یہی اس کتاب کو نئے لباس میں جلوہ گر کرنے کی وجہ ہے۔

مسند ابوداؤد طیالسی ۱۹۹۱ء میں مکتبہ ادارۃ القرآن کراچی نے مولانا ابواحمد محمد دلپذیر صاحب کے ترجمہ اور راقم الحروف کے مبسوط مقدمہ کے ساتھ دو جلدوں میں شائع کی ہے۔

(۱) "سنن دار قطني" یہ حافظ الحدیث ابوالحسن علی بن عمر دار قطنی بغدادی (المتوفی ۳۸۵ھ) کی تالیف ہے، جس کے متعلق محدث محمد بن جعفر الکتانی (المتوفی ۱۳۴۵ھ) "الرسالة المستطرفة" (طبع کراچی) صفحہ ۳۱ میں لکھتے ہیں: "جمع فيها غرائب السنن، وأكثر فيها من رواية الأحاديث الضعيفة والمنكرة بل والموضوعة."

دار قطنی نے اس میں غرائب سنن کو جمع کیا ہے، اور کثرت سے ضعیف اور منکر حدیثوں کو روایت کیا ہے، بلکہ موضوع حدیثیں بھی نقل کر دی ہیں۔

یہ کتاب شیخ شمس الحق عظیم آبادی کی تعلیقات کے ساتھ جس کا نام "التعليق المغني" ہے، مطبع فاروقی دہلی سے ۱۳۱۰ھ میں شائع کی گئی تھی، اب بیروت سے بھی شائع کی گئی ہے۔

(۲) "صحيح ابن حبان" یہ حافظ الحدیث ابوحاتم محمد بن حبان بن احمد تمیمی دارمی بستی (المتوفی ۳۵۱ھ) کی مشہور تالیف ہے، اور اس کی ترتیب بھی نہایت عجیب انداز پر رکھی گئی ہے، نہ ابواب فقہ پر مرتب ہے، اور نہ موصوف نے اس کو مسانید پر ترتیب دی ہے، بلکہ اس کو اقسام و انواع پر ترتیب دیا ہے، اس لئے یہ کتاب "التقاسيم والأنواع" کے نام سے بھی موسوم ہے۔

محدث امیر علاء الدین ابوالحسن علی الفارسی الحنفی (المتوفی ۷۳۷ھ) نے اس کو ابواب فقہ پر مرتب کیا تھا، اور اس کا نام بھی "الإحسان في تقريب صحيح ابن حبان" رکھا تھا، اس کتاب کی پہلی جلد شیخ احمد محمد شاکر مرحوم کی تصحیح اور تعلیقات کے ساتھ دار المعارف قاہرہ سے بڑے اہتمام سے دیدہ زیب ٹائپ اور نہایت اعلیٰ کاغذ پر شائع کی گئی ہے۔

(۳) "مستدرك حاكم" یہ حافظ الحدیث محمد بن عبداللہ نیشاپوری جو ابن البیّع سے بھی مشہور ہیں، کی تالیف ہے جس میں موصوف نے ان حدیثوں کو جمع کیا ہے جو شیخین (بخاری و مسلم) کی شرط پر تھیں، اور انہوں نے ان کو چھوڑ دیا تھا، حافظ شمس الدین ابوعبداللہ محمد الذہبیؒ (المتوفی ۷۴۸ھ) نے اس کی تلخیص کی ہے، جس میں جا بجا حاکم پر سخت گرفت کی ہے، یہ "تلخيص المستدرك" کے نام سے مشہور ہے، مستدرک حاکم تلخیص ذہبیؒ کے ساتھ چار ضخیم جلدوں میں دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن سے ۱۳۳۴ھ میں شائع ہوئی تھی۔

(۴) "کتب بیہقی" سے مراد حافظ ابوبکر احمد بن الحسین البیہقي الشافعي (المتوفی ۴۵۸ھ) کی تالیفات ہیں، جن میں

کتب طحاوی، (۱) ....

سے مشہور کتابیں درج ذیل ہیں:

۱۔ كتاب الأسماء والصفات، ۲۔ السنن الكبرى، یہ دس ضخیم جلدوں میں مشہور حافظِ حدیث قاضی علاء الدین علی بن فخر الدین حنفی (المتوفی ۷۵۰ھ) کے اعتراض اور مباحث کے ساتھ جس کا نام ''الجوهر النقي في الرد على البيهقي'' ہے، دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکی ہے۔۳۔ السنن الصغرى، یہ اب چھپی ہے، ۴۔ شعب الإيمان، اس کا مختصر عربی میں مصر سے شائع کیا گیا ہے، اور اس کا اردو ترجمہ کارخانہ تجارت کتب نے شائع کیا ہے، ۵۔ كتاب الزهد الكبير، ٦۔ كتاب البعث والنشور، ٧۔ كتاب المعتقد، ٨۔ كتاب الآداب، ٩۔ نصوص الشافعي، یہ تین جلدوں میں ہے۔ ١٠۔ كتاب المدخل، ١١۔ كتاب الدعوات، ١٢۔ كتاب الترغيب والترهيب، ١٣۔ كتاب الخلافيات، ١٤۔ الأربعون الكبرى، ١٥۔ الأربعون الصغرى، ١٦۔ كتاب الرؤية، ١٧۔ كتاب الأسرى، ١٨۔ كتاب مناقب الشافعي، ١٩۔ كتاب مناقب أحمد بن حنبل، ٢٠۔ كتاب إثبات عذاب القبر، ٢١۔ بيان خطأ من أخطأ على الشافعي، ٢٢۔ جامع أبواب وجوه قرأة القرآن، ٢٣۔ كتاب ماورد في حياة الأنبياء بعد وفاتهم، (یہ رسالہ ''حیاۃ الانبیاء'' کے نام سے مصر سے شائع ہو چکا ہے۔) ٢٤۔ كتاب المبسوط في الفروع، ٢٥۔ المصنف في فضائل الصحابة، ٢٦۔ معرفة السنن والآثار، ٢٧۔ ينابيع الأصول، ٢٨۔ ترغيب الصلاة، ٢٩۔ كتاب الزهد الصغير۔

(تذکرة الحفاظ: ۱۱۳۲/۳-۱۱۳۳، هدية العارفين از اسماعیل پاشا بغدادی: ۷۸/۱)

(۱) **کتب طحاوی** سے مراد امام حافظ ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ بن عبد الملک ازدی طحاوی حنفی (المتوفی ۳۲۱ھ) کی تالیفات ہیں، جو درج ذیل ہیں:

۱۔ کتاب شرح معاني الآثار، یہ کتاب پہلی مرتبہ مطبع مصطفائی لکھنؤ سے ۱۳۰۰ھ میں دو جلدوں میں شائع ہوئی تھی، اس کا حاشیہ المتن اردو ترجمہ بھی لاہور سے شائع کیا گیا ہے۔

اس کتاب کے متعلق علامہ زاہد کوثری ''الحاوي في سيرة الإمام أبي جعفر الطحاوي'' (ص: ۳۱، مطبعۃ الانوار قاہرہ ۱۳۶۸ھ) میں لکھتے ہیں: ''كتاب معاني الآثار في المحاكمة بين أدلة المسائل الخلافية يسوق بسنده الأخبار التي يتمسك بها أهل الخلاف في تلك المسائل، ويخرج من بحوثه بعد نقدها إسناداً و متناً روايةً ونظرًا بما يقتنع به الباحث المنصف المتبريء من التقليد الأعمى، وليس لهذا الكتاب نظير في التفقيه، وتعليم طرق التفقه، وتنمية ملكة الفقه''

....

کتاب معانی الآثار مسائل خلافیہ کے دلائل میں محاکمہ کرنے کے لیے طحاوی اپنی سند سے ان حدیثوں کو نقل کرتے ہیں جن سے اہل الخلاف ان مسائل میں استدلال کرتے ہیں، اور سند اور متن پر عقلاً ونقلاً تنقید کرنے کے بعد ایسی باتیں پیش کرتے ہیں جو اندھی تقلید سے مبرّا، منصف مزاج بحث کرنے والے کو مطمئن کر دیتی ہیں، فقیہ بنانے کا طریقہ وتفقہ سکھانے اور فقہی ملکہ پیدا کرنے میں اس کتاب کی نظیر نہیں ہے۔

مولانا محمد یوسف دہلویؒ نے اس کتاب کی شرح "أماني الأحبار في شرح معاني الآثار" کے نام سے عربی میں لکھنی شروع کی تھی، جس کی چار جلدیں شائع ہوئی ہیں۔

۲۔ بيان مشكل الآثار، یہ مشکل الآثار کے نام سے بھی مشہور ہے، اس میں موصوف نے حدیثوں کے باہمی تعارض کو دور کیا، اور ان سے احکام دینیہ کا استنباط کیا ہے، یہ کتاب سات جلدوں میں ہے، اور استنبول مکتبہ فیض اللہ میں موجود ہے، اس کی چار جلدیں دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن سے ۱۳۳۳ھ میں شائع ہوئی تھیں، اس کا اختصار فقیہ وحافظ حدیث ابوالولید باجی مالکی نے کیا، اور ابواب فقہیہ پر مرتب فرمایا۔

پھر ابوالولید باجی کے اختصار کو قاضی یوسف بن موسیٰ حنفی نے "المعتصر من المختصر" کے نام سے مزید مختصر کیا، جسے مجلس دائرۃ المعارف حیدرآباد (دکن) نے ۱۳۱۷ھ میں دوجلدوں میں شائع کر دیا ہے۔

۳۔ أحكام القرآن، یہ ایک ہزار ورق کی کتاب ہے، ٤۔ كتاب الشروط الكبير في التوثيق، یہ بیس جلدوں میں ہے۔ ٥۔ الشروط الأوسط، ٦۔ مختصر الشروط، یہ پانچ جلدوں میں ہے اور مکتبہ شیخ الاسلام فیض اللہ میں موجود ہے۔ ۷۔ مختصر الطحاوي مجلس احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن سے شائع کی گئی تھی۔ ۸۔ النوادر الفقهية، یہ دس جلدوں میں ہے، ۹۔ كتاب النوادر والحكايات، یہ بیس جلدوں میں ہے۔ ۱۰۔ رسالة حكم أرض مكة، ۱۱۔ رسالة في قسم الفيء والغنائم، ۱۲۔ الرد على كتاب المدلسين لأبي علي الحسين بن علي الكرابيسي، ۱۳۔ كتاب الأشربة، ١٤۔ الرد على عيسى بن أبان، یہ دوجلدوں میں ہے۔ ۱٥۔ الرد على أبي عبيد في النسب، یہ ایک جلد میں ہے، ۱٦۔ اختلاف الروايات على مذهب الكوفيين، یہ دوجلدوں میں ہے، ۱۷۔ رسالة في الرزية، ۱۸۔ شرح الجامع الكبير، ۱۹۔ شرح الجامع الصغير، ۲۰۔ كتاب المحاضر والسجلات، ۲۱۔ كتاب الوصايا والفرائض، ۲۲۔ كتاب التاريخ الكبير، ۲۳۔ أخبار أبي حنيفة وأصحابه، یہی کتاب "مناقب أبي حنيفة" کے نام سے مشہور ہے۔ ۲٤۔ كتاب في النحل وأحكامها وصفاتها وأجناسها وماروي فيها من خبر، یہ بھی چالیس جزو میں ہے۔ ۲٥۔ عقيدة الطحاوي،

تصانیف طبرانی (۱) ....

۲۶۔ رسالة في التسوية بين حدّثنا وأخبرنا، ۲۷۔ كتاب سنن الشافعي، ۲۸۔ اختلاف العلماء، ۲۹۔ كتاب الفرائض، ۳۰۔ كتاب العزل .

مولانا محمد یوسف دہلویؒ نے ''أماني الأحبار في شرح معاني الآثار '' صفحہ ۶۲ و۶۳ میں دوناموں کا اور اضافہ کیا ہے، اول کتاب ''صحيح الآثار ''، جس کا تذکرہ بروکلمان نے عربی ادب کی تاریخ بزبان جرمنی میں بھی کیا ہے، لیکن واضح رہے بروکلمان کا "صحيح الآثار" کے نام سے طحاوی کی ایک جداگانہ تالیف قرار دینا غلط ہے، یہ کتاب معاني الآثار ہے جس کو موصوف نے غلطی سے "صحيح الآثار" سمجھا ہے، دوم ''شرح المغني '' کا نام لیا ہے، اور ثبوت میں حافظ ابن حجر عسقلانی کا حوالہ دیا ہے کہ موصوف نے "باب إذا صلى في الثوب الواحد فليجعل على عاتقه" میں تصریح کی ہے کہ طحاویؒ نے بھی "شرح المغني" میں اس موضوع پر ایک باب باندھا ہے، دراصل فتح الباری میں معانی کا الف رہ گیا ہے، یہ طباعت کی غلطی ہے، جیسا کہ "شرح معاني الآثار" سے ظاہر ہے، لہٰذا یہاں بھی شرح معانی الآثار صحیح ہے شرح المغنی درست نہیں۔

(الفهرست از ابن النديم ص: ۲۹۲، الجواهر المضيه :۱/ ۱۰۳ - ۱۰۵، الحاوي في سيرة الإمام أبي جعفر الطحاوي، هدية العارفين:۱/ ۵۸)

(۱) کتب طبرانی سے مراد حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب لخمی شافعی طبرانی (المتوفی ۳۶۰ھ) کی تالیفات ہیں، جن میں سے مشہور کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

"۱۔ كتاب الدعاء، ۲۔ كتاب المناسك، ۳۔ كتاب عشرة النساء، ٤۔ كتاب السنة، ٥۔ كتاب المطولات، ٦۔ كتاب النوادر، ۷۔ كتاب دلائل النبوة، ۸۔ كتاب مسندشعبة، ۹۔ كتاب مسند سفيان، ۱۰۔ كتاب حديث الشاميين، ۱۱۔ كتاب الأوائل، ۱۲۔ كتاب الرمي، ۱۳۔ المعجم الكبير، ۱٤۔ المعجم الصغير، ۱٥۔ المعجم الأوسط، ۱٦۔ مسند العشرة، ۱۷۔ معرفة الصحابة، ۱۸۔ فوائد معرفة الصحابة، ۱۹۔ مسند أبي هريرة، ۲۰۔ مسند عائشة، ۲۱۔ كتاب التفسير، ۲۲۔ حديث الأعمش، ۲۳۔ حديث الأوزاعي، ۲٤۔ حديث شيبان، ۲٥۔ حديث أيوب، ۲٦۔ مسند أبي ذر، ۲۷۔ كتاب الرؤية، ۲۸۔ كتاب الجود، ۲۹۔ العلم الولاية، ۳۰۔ فضل رمضان، ۳۱۔ كتاب الفرائض، ۳۲۔ الرد على المعتزلة، ۳۳۔ كتاب الرد على الجهمية، ۳٤۔ مكارم أخلاق العزاء، ۳٥۔ الصلاة على الرسول ﷺ، ۳٦۔ كتاب المأموم، ۳۷۔ كتاب الغسل، ۳۸۔ كتاب فضل العلم، ۳۹۔ كتاب ذم الرأي، ٤۰۔ كتاب تفسير الحسن، ٤۱۔ كتاب الزهري عن أنس، ٤۲۔ كتاب ابن المنكدر عن جابر،

چوتھا طبقہ: اس طبقہ میں وہ حدیثیں داخل ہیں جن کا قرونِ اولیٰ (دورِ صحابہ وتابعین) میں نام ونشان نہیں ملتا، مگر متاخرین علماء نے ان حدیثوں کو نقل کیا ہے، ان کے متعلق دو ہی صورتیں ممکن ہیں:

۱- یا تو سلف صالحین نے ان کی چھان بین کی ہے، اور انہیں ان کی کوئی اصل نہیں ملی کہ وہ ان کو روایت کرتے۔

۲- یا ان کی اصل تو پائی مگر ان میں علت اور قباحت دیکھ کر روایت سے گریز کیا، بہر حال دونوں صورتوں میں ان حدیثوں سے اعتماد اٹھ گیا، اور وہ اس قابل نہیں رہیں کہ کسی عقیدہ یا عمل کے ثبوت کے لیے انہیں دلیل بنایا جائے، ایسی ہی باتوں کے لیے بعض مشائخ نے کیا خوب کہا ہے:

فإن كنت لاتدري فتلك مصيبة　　　وإن كنت تدري فالمصيبة أعظم

(پس اگر تو نہیں جانتا تو یہ بھی مصیبت ہے　　　اور اگر تو جانتا ہے تو یہ بہت بڑی مصیبت ہے)

اس قسم کی حدیثوں نے بہت سے محدثین کو غلطی میں مبتلا کیا ہے، اور ان کتابوں میں حدیثوں کی بکثرت سندیں دیکھ کر دھوکہ کھا گئے، اور ان کے متواتر ہونے کا حکم لگا بیٹھے، اور جزم ویقین کے مواقع پر طبقۂ اولیٰ اور ثانیہ کی حدیثوں کو چھوڑ کر اس قسم کی حدیثوں کو سند قرار دے کر ایک نیا مذہب بنایا ہے، اس قسم کی حدیثوں کی کتابیں کثرت سے تصنیف ہوئی ہیں، چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

٤٣ـ مسند أبي إسحاق السبيعي، ٤٤ـ حديث يحيى بن أبي كثير، ٤٥ـ حديث مالك بن دينار، ٤٦ـ كتاب ماروى الحسن عن أنس، ٤٧ـ حديث ربيعة، ٤٨ـ حديث حمزة الزيات، ٤٩ـ حديث مسعر، ٥٠ـ حديث أبي سعد البقال، ٥١ـ طرق حديث من كذب عليّ، ٥٢ـ كتاب النوح، ٥٣ـ مسند ابن جحادة، ٥٤ـ كتاب من اسمه عطاء، ٥٥ـ كتاب من اسمه شعبة، ٥٦ـ كتاب أخبار عمر بن عبد العزيز، ٥٧ـ كتاب أخبار عبد العزيز بن رُفيع، ٥٨ـ مسند روح بن القاسم، ٥٩ـ كتاب فضل عكرمة، ٦٠ـ كتاب أمهات النبي ﷺ، ٦١ـ مسند عمارة بن غزية، ٦٢ـ مسند طلحة بن مصرف، وجماعة، ٦٣ـ مسند العبادلة، ٦٤ـ أحاديث أبي عمرو بن العلاء، ٦٥ـ كتاب غرائب مالك، ٦٦ـ جزء أبان بن تغلب، ٦٧ـ جزء حريث بن أبي مطر، ٦٨ـ وصية أبي هريرة، ٦٩ـ مسند الحارث العكلي، ٧٠ـ فضائل الأربعة الراشدين، ٧١ـ مسند ابن عجلان، ٧٢ـ كتاب الأشربة، ٧٣ـ كتاب الطهارة، ٧٤ـ كتاب الإمارة، ٧٥ـ مسند أبي أيوب الأفريقي، ٧٦ـ مسند زياد الجصاص، ٧٧ـ مسند زافر، ٧٨ـ حديث شعبة، ٧٩ـ كتاب من اسمه عبّاد۔

(تذكرة الحفاظ :٣/ ٩١٣ - ٩١٥ و هدية العارفين:١ / ٣٩٦)

کتاب الضعفاء از ابن حبان،(۱) ....

(۱) ''کتاب الضعفاء'' یہ حافظ ابوحاتم بن حبان بستی کی تالیف ہے، حاجی خلیفہ نے ''کشف الظنون عن أسامي الکتب والفنون'' میں علامہ بقاعی کے حواشی شرح الألفیة سے نقل کیا ہے کہ ابن حبان نے اس کے شروع میں ایک نہایت مبسوط مقدمہ لکھا ہے جس میں راویان حدیث کی بیس قسمیں بیان کی ہیں۔

موصوف کی تصانیف کے نام درج ذیل ہیں:

" ۱۔کتاب الصحابة، ۲۔ کتاب التابعین، ۳۔ کتاب أتباع التابعین، ٤۔کتاب الفصل بین النقلة، ٥۔ کتاب علل أوهام أصحاب التواریخ، ٦۔ کتاب تبع الأتباع، ۷۔کتاب علل حدیث الزهري، ۸۔ کتاب علل حدیث مالك، ۹۔ کتاب علل مناقب أبي حنیفة ومثالبه، ۱۰۔ کتاب علل ما استند إلیه أبو حنیفة، ۱۱۔کتاب ما خالف الثوريُّ شعبةَ، ۱۲۔ کتاب ما انفرد فیه أهل المدینة من السنن، ۱۳۔کتاب ما انفرد به أهل مکة من السنن، ۱٤۔ کتاب ما أغرب الکوفیون عن البصریین، ۱۷۔ کتاب ما أغرب البصریون عن الکوفیین، ۱۸۔ کتاب أسامي من یعرف بالکنی، ۱۹۔ کتاب کُنی من یعرف بالأسامي، ۲۰۔ کتاب الفصل والوصل، ۲۱۔ کتاب التمییز بین حدیث النضر الحداني والنضر الحزاز، ۲۲۔کتاب [illegible] صل بین حدیث أشعث ابن مالك وأشعث بن سوار، ۲۳۔ کتاب الفصل بین حدیث منصور بن المعت[illegible] ومنصور بن زاذان، ۲٤۔ کتاب الفصل بین مکحول الشامي ومکحول الأزدي، ۲٥۔ کتاب موقوف ما رفع، ۲٦۔ کتاب آداب الرجالة، ۲۷۔ کتاب ما أسند جنادة عن عبادة، ۲۸۔ کتاب الفصل بین حدیث نور بن یزید ونور بن زید، ۲۹۔ کتاب ما جعل عبد الله بن عمر عبید الله بن عمر، ۳۰۔ کتاب ماجعل شیبان سفیان أو سفیان شیبان، ۳۱۔ کتاب مناقب مالك بن أنس، ۳۲۔ کتاب مناقب الشافعي، ۳۳۔ کتاب المعجم علی المُدن، ۳٤۔ کتاب المقلّین من الحجازیین، ۳٥۔ کتاب المقلین من العراقیین، ۳٦۔ کتاب الأبواب المتفرقة، ۳۷۔ کتاب الجمع بین الأخبار المتضادة، ۳۸۔ کتاب وصف المعدَّل والمعدِّل، ۳۹۔ کتاب الفصل بین حدثنا وأخبرنا، ٤۰۔ کتاب وصف العلوم وأنواعها، ٤۱۔ کتاب الهدایة إلی علم السنن، ٤۲۔ کتاب الثقات، ٤۳۔ کتاب الجرح والتعدیل، ٤٤۔ کتاب شعب الإیمان، ٤٥۔ کتاب صفة الصلاة، ٤٦۔ کتاب الضعفاء، ٤۷۔ المسند الصحیح.

(المعجم البلدان : نسبت بستی، هدیة العارفین:۲/ ٤٤)"

تصانیف حاکم، (۱) کتاب الضعفاء ازعُقیلی، (۲) کتاب الکامل از ابن عدی، (۳) ....

(۱) ''تصانیف حاکم'' سے مراد حافظ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری (المتوفی ۴۰۵ھ) کی تصانیف ہیں، جن میں سے مشہور درج ذیل ہیں:

"۱ـ الأربعين، ۲ـ الإكليل (یہ حدیث میں ہے)، ۳ـ المدخل (یہ موصوف کی کتاب کا مقدمہ ہے جس میں اصول حدیث کی بحث ہے، شیخ محمد راغب طباخ نے اس کو حلب سے شائع کیا تھا)، ٤ـ أمالي العشيات، ٥ـ تراجم الشيوخ، ٦ـ تاريخ نيسابور، ٧ـ فضائل العشرة المبشرة، ٨ـ فضائل فاطمة الزهراء، ٩ـ فوائد الشيوخ، ١٠ـ كتاب المبتدأ من اللآلى الكبرى، ١١ـ المستدرك على الصحيحين (یہ کتاب تیسرے طبقہ کی ہے۔ یہاں تصانیف حاکم کے ضمن میں ذکر کردی گئی ہے) ١٢ـ مناقب الإمام الشافعي، ١٣ـ مناقب الصديق ﷺ، ١٤ـ كتاب الضعفاء، ١٥ـ معرفة علوم الحديث، ١٦ـ كتاب التفسير. (هدية العارفين: ۲/۵۹)"

(۲) ''كتاب الضعفاء للعقيلي'' یہ حافظ ابوجعفر محمد بن عمرو بن موسیٰ بن حماد العقیلی (المتوفی ۳۲۴ھ) کی نہایت ضخیم کتاب ہے، حافظ ذہبیؒ اس کے متعلق "ميزان الاعتدال في نقد الرجال" میں لکھتے ہیں: ''والعقيلي وله مصنَّف مفيد في معرفة الضعفاء'' اور حافظ عقیلیؒ کی ضعیف راویوں کی معرفت میں مفید تالیف ہے۔

یہ کتاب مکتبہ دار الکتب العلمیة بیروت سے چار جلدوں میں شائع ہوئی تھی۔

(۳) ''كتاب الكامل لابن عدي'' یہ حافظ ابواحمد عبداللہ بن عدی بن عبداللہ جرجانی (المتوفی ۳۶۵ھ) کی مشہور تالیف ہے، جس کا نام ''الكامل في معرفة الضعفاء والمتروكين من الرواة'' ہے، یہ اس موضوع پر نہایت جامع کتاب ہے، حافظ ذہبیؒ میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں: ''ولأبي أحمد بن عدي كتاب الكامل، هو أكمل الكتب وأجلّها في ذلك.'' اور ابواحمد بن عدی کی کتاب "الکامل" اس موضوع پر سب سے کامل اور سب سے بڑی کتاب ہے۔

حافظ سخاویؒ (المتوفی ۹۰۲ھ) ''فتح المغيث شرح ألفية الحديث'' (ص: ۴۷۷، مطبع انوار محمدی لکھنؤ،) میں رقمطراز ہیں: ''هو أكمل الكتب المصنفة قبله وأجلّها، ولكنه توسع لذكره كل من تُكُلِّم فيه وإن كان ثقة، ولذا لايحسن أن يقال الكامل للناقصين.'' یہ اس سے پہلے کی تصانیف میں سب سے کامل اور سب سے بڑی کتاب ہے، لیکن ابن عدی نے اس میں توسع اختیار کیا ہے کہ ہر متکلم فیہ کا ذکر کردیا گیا ہے، اگرچہ وہ ثقہ ہو، لہٰذا اس کو ناقصین کے لیے کامل کہنا مستحسن نہیں۔

حاجی خلیفہ ''كشف الظنون في أسامي الكتب والفنون'' (۲/۱۳۸۲ طبع استنبول ۱۹۴۳ء) میں لکھتے ہیں:

''هو أكمل كتب الجرح والتعديل وعليه اعتماد الأئمة، قال السبكي: طابق اسمه معناه، ووافق

....

لفظه فحواه بشهادته، بصحته حكم المحكمون، وإلى مايقول رضي المتقدمون والمتأخرون، وقال حمزة السهمي: سألت الدار قطني أن يصنف كتاباً في الضعفاء، قال: أليس عندك كتاب ابن عدي؟ قلت: نعم. قال: فيه كفاية لايزيد ولايزاد عليه. وقال الحافظ ابن عساكر: كتاب ابن عدي ثقة على لحن فيه. وقال الذهبي: كان يعرف العربية مع عجمة فيه، وأما في العلل والرجال فحافظ لايجارى. ''

یہ جرح وتعدیل کی کامل ترین کتاب ہے، اوراسی پر ائمہ فن کا اعتماد ہے۔

سبکیؒ فرماتے ہیں: یہ اسم با مسمی کتاب ہے، اس کے الفاظ اس کے مضمون کے مطابق ہیں، اسی کی صحت پر علماء نے فیصلہ کیا ہے، اور جو کچھ اس نے کہا اس پر متقدمین اور متاخرین راضی ہیں۔

حمزہ سہمیؒ کا بیان ہے کہ میں نے دار قطنیؒ سے درخواست کی کہ وہ اس موضوع پر کتاب لکھیں، تو انہوں نے جواب دیا: کہ کیا تمہارے پاس ابن عدی کی کتاب نہیں ہے؟ میں نے کہا: ہاں ہے، فرمایا: وہ کافی ہے، نہ وہ زائد بات کہتا ہے، اور نہ اس پر اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

حافظ ابن عساکر کا بیان ہے کہ ابن عدی کی کتاب لحن (خامی وغلطی) کے باوجود قابل اعتماد ہے۔

ذہبیؒ فرماتے ہیں: باوجودیکہ ان کی زبان میں عجمیت تھی، تاہم وہ عربیت سے واقفیت رکھتے تھے، لیکن علل اور رجال میں تو ایسے حافظ تھے کہ ان کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔

محمد بن جعفر الکتانی ''الرسالة المستطرفة'' (ص:۱۱۹-۱۲۰ (وص ۱۱۵ طبع دار الکتب العلمیۃ ۱۴۲۶ھ) میں فرماتے ہیں:

''هو أكمل كتب الجرح وعليه الاعتماد فيها وإلى مايقول رجع المتقدمون والمتأخرون، وكتابه هذا هو المعروف بالكامل، ذكر فيه كل من تُكُلِّم فيه، ولو كان من رجال الصحيحين، وذكر في ترجمة كل واحد حديثًا فأكثر من غرائبه ومناكيره، وهو في مقدار ستين جزأً في اثني عشر مجلدًا. ''

اور یہ جرح کی کامل ترین کتاب ہے، اوراسی پر سب کا اعتماد ہے، اور جو کچھ وہ کہتا ہے وہی متقدمین اور متاخرین کا مرجع ہے، اوراس کی یہ کتاب جو کامل کے نام سے مشہور ہے اس میں ہر متکلم فیہ کا ذکر کیا ہے، اگرچہ وہ صحیحین کے رجال میں سے ہو، اوراس نے ہر ایک کے ترجمے میں ایک حدیث ذکر کی ہے، چنانچہ اکثر وبیشتر اس کی غریب اور منکر روایت کو نقل کیا ہے، یہ ساٹھ اجزاء کی کتاب ہے اور بارہ جلدوں میں ہے۔

تصانیف ابن مردویہ،(۱) تصانیف خطیب،(۲) ....

حافظ ابن طاہر نے کتاب الکامل کی حدیثوں کو حروفِ معجم پر مرتب کیا ہے، اور ابن الرومیہ ابو العباس احمد بن محمد اندلسی (المتوفی ۶۳۷ھ) نے اس پر ذیل لکھا ہے جس کا نام ''الحافل في تكملة الكامل'' ہے۔

کتاب ''الكامل في ضعفاء الرجال'' آٹھ جلدوں میں دار الفکر بیروت سے شائع کی گئی ہے۔

موصوف کی بعض مشہور تالیفات کا نام درجِ ذیل ہے: ۱۔ علل الحديث، ۲۔ كتاب الانتصار على مختصر المزني في الفروع.

(۱) **تصانیف ابن مردویہ** سے مراد ابن مردویہ کبیر حافظ ابو بکر احمد بن موسیٰ بن مردویہ فورک اصبہانی (المتوفی ۴۱۰ھ) کی تصانیف ہیں، ان کی تالیفات میں سے مشہور کتابوں کے نام درجِ ذیل ہیں: ۱۔ تاريخ أصفهان، ۲۔ تفسير المسند للقرآن، ۳۔ الجامع المختصر في الطب، ٤۔ المستخرج على جامع الصحيح للبخاري. "

(۲) **تصانیف خطیب** سے حافظ ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن مہدی بغدادی (المتوفی ۴۶۳ھ) کی تالیفات مراد ہیں، جن کے نام حسب ذیل ہیں:

''۱۔ إبطال النكاح، ۲۔ إجازة المجهول والمعدوم، ۳۔ كتاب الأحاديث، ٤۔ الاحتجاج للشافعي، ٥۔ أخبار من حدّث ونسي، ٦۔ أدب الفقيه، ۷۔ إذا أقيمت الصلاة، ۸۔ أسماء من روى عن مالك، ۹۔ الأسماء المبهمة، ۱۰۔ الأسماء المتواطنة، ۱۱۔ اقتضاء العلم والعمل، ۱۲۔ أمالي الخطيب، ۱۳۔ أمالي الجوهري تخريج خطيب، ۱٤۔ باقي التلخيص، ۱٥۔ كتاب البخلاء، ۱٦۔ كتاب البسملة من الفاتحة، ۱۷۔ كتاب بيان أهل الدرجات، ۱۸۔ بيان حكم المزيد، ۱۹۔ تاريخ بغداد، ۲۰۔ أمالي التلخيص، ۲۱۔ البيان والتبيين لأسماء المدلسين، ۲۲۔ التطفيل (أو كتاب الطفلين)، ۲۳۔ التفصيل لمبهم المراسيل، ۲٤۔ تقييد العلم، ۲٥۔ تلخيص المتشابه في الرسم وحماية ما أشكل منه عن بوادر التصحيف والوهم، ۲٦۔ تمييز المزيد، ۲۷۔ التنبيه والتوقيف على فضائل الخريف، ۲۸۔ الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع، ۲۹۔ الجهر ببسم الله، ۳۰۔ حديث الإمام، ۳۱۔ حديث الستة، ۳۲۔ حديث عبد الرحمن، ۳۳۔ حديث محمد بن سوقة، ۳٤۔ حديث النزول، ۳٥۔ حديث نضّر الله، ۳٦۔ كتاب الحيل، ۳۷۔ كتاب خطبة العائشة، ۳۸۔ كتاب الخيل، ۳۹۔ كتاب الدلائل والشواهد على صحة العمل باليمين والشاهد، ٤۰۔ كتاب رافع الارتياب، ٤۱۔ كتاب الرباعيات، ٤۲۔ كتاب الرحلة، ٤۳۔ كتاب الرواة عن شعبة، ٤٤۔ كتاب الرواة عن مالك، ٤٥۔ كتاب روايات الصحابة والتابعين، ٤٦۔ كتاب رواية الآباء عن الأبناء، ٤۷۔ كتاب رياض الأنس،

تصانیف ابن شاہین[1]، ....

٤٨ـ كتاب السابق واللاحق، ٤٩ـ كتاب السراجيات، تخريجة، ٥٠ـ شرف أصحاب الحديث، ٥١ـ صحة العمل، ٥٢ـ صلاة التسبيح، ٥٣ـ صيام يوم الشك (أو النهي عن صوم يوم الشك)، ٥٤ـ طلب العلم، ٥٥ـ كتاب الغسل للجمعة، ٥٦ـ كتاب غنية المقتبس في تمييز الملتبس، ٥٧ـ كتاب الفصل، ٥٨ـ كتاب الفقيه والمتفقه، ٥٩ـ كتاب فوائد أبي القاسم النرسي تخريج خطيب، ٦٠ـ كتاب فوائد عبد الله الصوري تخريج خطيب، ٦١ـ كتاب الفوائد المنتخبة، ٦٢ـ كتاب القضاء باليمين، ٦٣ ـ كتاب القنوت، ٦٤ـ كتاب القول في علم النجوم، ٦٥ـ كتاب كشف الأسرار، ٦٦ـ كتاب الكفاية، ٦٧ـ كتاب الكلام في الإجازة، ٦٨ـ كتاب المتفق والمفترق، ٦٩ـ كتاب مجلس بن المسلمة تخريج خطيب، ٧٠ـ مختصر السنن، ٧١ـ كتاب المدرج، ٧٢ـ كتاب مسألة الاحتجاج، ٧٣ـ كتاب مسألة صوم يوم الغيم، ٧٤ـ كتاب المسلسلات، ٧٥ـ كتاب مسند، ٧٦ـ كتاب معجم الرواة عن شعبة، ٧٧ـ كتاب المفتون، ٧٨ـ كتاب مقلوب الأسماء، ٧٩ـ كتاب المكمل في بيان المهمل، ٨٠ـ كتاب من حدّث ونسي، ٨١ـ كتاب من وافقت كنيته، ٨٢ـ كتاب مناقب أحمد بن حنبل، ٨٣ـ كتاب مناقب الشافعي، ٨٤ـ كتاب منتخب الفوائد، ٨٥ـ كتاب منتخب من الزهد، ٨٦ـ كتاب منهج الصواب في أن التسمية من خاتمة الكتاب، ٨٧ـ كتاب المؤتلف تكملة المختلف، ٨٨ـ موضح أوهام الجمع والتفريق، ٨٩ـ كتاب النجوم، ٩٠ـ النصيحة لأهل الصواب وص ة طالب علم، ٩١ـ كتاب الوضوء من مس الذكر، ٩٢ـ الوفيات ."

(سِيَر أعلام النبلاء: ۱۸/۲۸۹-۲۹۲،هدية العارفين ۱/۷۹)

(۱) "تصانيف ابن شاهين" سے حافظ ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بن ارزاذ البغدادی الواعظ المعروف بابن شاہین (المتوفی ۳۸۵ھ) کی تالیفات مراد ہیں۔

ابتداءِ کتابت:

ابن شاہین ان محدثین میں سے ہیں جنہوں نے گیارہ برس کی عمر میں حدیثیں لکھنا شروع کردی تھیں، حافظ ابن الجوزی "المنتظم" (طبع حیدرآباد دکن: ۷/۱۸۲-۱۸۳) میں بسند متصل ناقل ہیں:

"قال: أول ماكتبتُ الحديث بيدي سنة ثمان وثلثمائة، وكان لي إحدى عشرة سنة، وكذا كتب ثلاثة من شيوخي في هذه السن فتبركت بهم: أبو القاسم البغوي، وأبومحمد بن صاعد، وأبوبكر بن أبي داؤد، وقال المصنف: وكذلك أنا كتبت الحديث ولي إحدى عشرة سنة، وسمعت قبل

تفسیر ابن جریر[1]، ....

ذلك. قال لنا أبو حفص بن شاهين: صنفت ثلاثمائة وثلاثين مصنفاً ...... يقول يوماً حسبت ما اشتريت من الحبر إلى هذا الوقت فكان سبعمائة درهم. قال الداؤدي: وكنا نشترى الحبر أربعة أرطال بدرهم، ومكث ابن شاهين بعد ذلك يكتب زماناً''

ابن شاہین کا بیان ہے کہ سب سے پہلے میں نے اپنے ہاتھ سے ۳۰۸ھ میں حدیث لکھی تھی، اور اس وقت میں گیارہ برس کا تھا، اسی طرح میرے تین شیخ ابوالقاسم بغویؒ، ابو محمد بن صاعد اور ابوبکر بن ابی داؤد نے اسی عمر میں حدیثیں لکھی تھیں، میں نے ان کے اس طریقہ کو اپنے لیے نیک شگون سمجھا، مصنف (ابن جوزی) فرماتے ہیں: اسی طرح میں نے بھی حدیث لکھی، جب کہ کاروانِ عمر گیارہویں منزل میں تھا، حدیثیں تو اس سے بھی پہلے سنی تھیں۔

ابوحفص بن شاہین نے ہم سے بیان کیا کہ میری تین سوتیس تصنیفات ہیں، ان کا بیان ہے جس دن سے میں نے سیاہی خریدی اس وقت تک کا حساب کیا تو سات سو درہم ہوئے، داؤدی کا بیان ہے کہ ہم چار رطل سیاہی ایک درہم میں خریدتے تھے، اور ابن شاہین اس کے بعد بھی ایک زمانہ تک بقید حیات رہے اور لکھتے رہے ہیں۔

ان کی تالیفات میں سے چار کتابیں زیادہ مشہور ہیں: ۱-التفسير الكبير، ایک ہزار اجزء کی کتاب ہے۔ ۲-كتاب التاريخ، یہ ڈیڑھ سو اجزاء کی کتاب ہے۔ ۳-المسند یہ تیرہ جزو کی کتاب ہے۔ ۴-كتاب الزهد، یہ ایک سو جزو کی کتاب ہے۔

(۱) '' تفسیر ابن جریر'' سے حافظ ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید بن خالد طبری بغدادی (المتوفی ۳۱۰ھ) کی کتاب ''جامع البيان في تفسير القرآن'' مراد ہے۔

تفسیر طبری کے متعلق علماء کے اقوال:

حافظ جلال الدین سیوطیؒ اس کتاب کے متعلق ''الإتقان في علوم القرآن'' (۱۷۸/۲، طبع مصر) میں لکھتے ہیں:

''هو من أجل التفاسير وأعظمها قدرًا.'' اس کی تفسیر باعتبار قدر و منزلت تفسیروں میں سب سے بڑی کتاب ہے۔

حاجی خلیفہ ''كشف الظنون'' (۴۳۷/۱) میں لکھتے ہیں: ''فإنه يتعرض لتوجيه الأقوال وترجيح بعضها على بعض، والإعراب، والاستنباط، فهو يفوق بذلك على تفاسير الأقدمين. قال النووي: أجمعت الأمة على أنه لم يصنِّف مثل تفسير الطبري. وعن أبي حامد الإسفرائني أنه قال: لو سافر رجل إلى الصين حتى يحصل له تفسير ابن جرير لم يكن ذلك كثيرًا.''

۱- وہ اقوال کی توجیہ سے تعرض کرتا ہے بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دیتا ہے،

فردوس دیلمی بلکہ اس کی تمام تصانیف [1]، ....

۲- اعراب سے بحث کرتا ہے،

۳- استنباطِ مسائل کرتا ہے، لہٰذا وہ ان وجوہ سے متقدمین کی تفسیروں سے فائق ہے۔

نوویؒ فرماتے ہیں: امت کا اس پر اتفاق ہے کہ تفسیر طبری کی طرح کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی ہے، ابو حامد اسفرائینی سے منقول ہے وہ کہتے تھے اگر کوئی شخص چین تک تفسیر طبری حاصل کرنے کی خاطر سفر کرے تو یہ بھی کچھ زیادہ نہیں ہے۔

یہ کتاب پہلی مرتبہ مطبعۂ میمنیہ مصر سے ۱۹۰۰ء میں ۳۱ جلدوں میں شائع ہوئی تھی، پھر ۱۳۲۲ھ مطبعہ امیریہ بولاق مصر سے ۳۰ جلدوں میں شائع ہوئی، نیز ۱۳۷۴ھ سے دار المعارف قاہرہ سے شیخ محمود محمد شاکر وغیرہ کی تعلیقات کے ساتھ شائع ہو رہی ہے، اب تک اس کی ۱۵ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

موصوف نے تین سو کتابیں تصنیف کی ہیں، بعض تصانیف کے نام درج ذیل ہیں:

"١- آداب الحميدة و الأخلاق النفيسة، ٢- اختلاف الفقهاء، اس کا ایک ٹکڑا مصر میں ۱۳۲۰ھ میں شائع ہوا تھا، ٣- تاريخ الأمم و الملوك، مصر سے ١٣٣٦ھ میں شائع ہوئی، اس سے پہلے جرمنی میں شائع کی گئی تھی، ٤- تهذيب الآثار، ٥- كتاب البسيط، یہ فقہ میں ہے، ٦- الجامع في القراء ات، ٧- كتاب التبصير في الأصول، ٨- كتاب الخفيف في الفقه، ٩- كتاب الزكاة، ١٠- كتاب الشذوذ، ١١- كتاب الشروط، ١٢- كتاب الصلاة، ١٣- كتاب الطهارة، ١٤- كتاب عدد آي التنزيل، ١٥- كتاب المحاضر و السجلات، ١٦- كتاب المسترشد، ١٧- كتاب الوصايا." وغير ذلك.

(ملاحظہ ہو: هدية العارفين: ۲/۲٦-۲۷)

(۱) "فردوس دیلمی" سے حافظ ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ بن فناخسرو دیلمی شافعی ہمدانی (۴۴۵ھ-۵۰۹ھ) کی کتاب "الفردوس" مراد ہے، جس کے متعلق محمد بن جعفر الکتانی "الرسالة المستطرفة" (ص:٦٦، دار الکتب العلمیۃ بیروت ١٤٢٦ھ) میں لکھتے ہیں: "أورد فيه عشرة آلاف حديث من الأحاديث القصار مرتبة على نحو من عشرين حرف من حروف المعجم من غير ذكر إسناد في مجلد أو مجلدين، و سمّاه "فردوس الأخبار بمأثور الخطاب المخرج على كتاب الشهاب""

اس میں مؤلف نے دس ہزار چھوٹی چھوٹی حدیثوں کو جمع کیا ہے، جو حروف معجم میں سے تقریباً بیس حروف پر مرتب ہیں، اس میں سندیں نقل نہیں کی ہیں، یہ ایک یا دو جلد میں ہے، اور اس نے اسی کا نام "فردوس الأخبار بمأثور الخطاب المخرج على كتاب الشهاب" رکھا ہے۔

تصانیف ابی نعیم،(۱) تصانیف جوزقانی،(۲) تصانیف ابن عساکر،(۳) ....

ان کے فرزند محدث ابو منصور شہردار بن شیرویہ (المتوفی ۵۵۸ھ) نے "فردوس الأخبار" کو اسماء صحابہ پر مرتب کیا اور ہر حدیث کو بسندہ بیان کیا ہے، جس کا نام "إبانة الشبه في معرفة كيفية الوقوف على ما في كتاب الفردوس من علامة الحروف" ہے، اور یہی کتاب مسند فردوس دیلمی کے نام سے مشہور ہے، اس کا حافظ ابن حجرؒ نے اختصار بھی کیا ہے، جو "تسديد القوس في مختصر مسند الفردوس" کے نام سے موسوم ہے۔

موصوف کی تالیفات میں حسب ذیل کتابیں مشہور ہیں: "۱- تاريخ همذان، ۲- رياض الأنس لعقلاء الإنس في معرفة أحوال النبي ﷺ وتاريخ الخلفاء، ۳- كتاب حكايات المنامات."

(۱) "تصانیف ابونعیم" سے، حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحٰق بن موسیٰ بن مہران الاصبہانی (المتوفی ۴۳۰ھ) کی تالیفات مراد ہیں، جن میں سے مشہور کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

"۱- حلية الأولياء وبهجة الأصفياء، ۲- كتاب دلائل النبوة، ۳- المستخرج على صحيح البخاري، ٤- كتاب المستخرج على صحيح مسلم، ٥- كتاب تاريخ أصبهان، ٦- كتاب صفة الجنة، ۷- كتاب الطب، ۸- كتاب فضائل الصحابة، ۹- كتاب المعتقد، ۱۰- كتاب حرمة المساجد، ۱۱- كتاب فضل العالم العفيف، ۱۲- كتاب معجم الشيوخ، ۱۳- كتاب الرياضة والأدب، ۱٤- كتاب المهدي، ۱٥- كتاب علوم الحديث، ۱٦- كتاب رياضة المتعلمين."

(ملاحظہ ہو: هدية العارفين: ۱/ ۷٤، تدریب الراوی، ص: ۵۱۷- ۵۱۸، طبع قاہرہ ۱۹۵۹ء = ۱۳۷۹ھ)

(۲) "تصانیف جوزقانی" سے حافظ ابوعبداللہ حسین بن ابراہیم بن جعفر جوزقانی ہمدانی (المتوفی ۵۴۳ھ) کی تالیفات مراد ہیں، موصوف کی تالیفات میں سے "كتاب الأباطيل" اور "كتاب التكليف في الفروع" زیادہ مشہور ہیں۔

(۳) "تصانیف ابن عساکر" سے حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن الدمشقی (المتوفی ۵۷۱ھ) کی تصانیف مراد ہیں، جن کے نام درج ذیل ہیں:

"۱- إجابة السؤال في أحاديث شعبة، ۲- أحاديث أبي الأشعث الصنعاني، ۳- أحاديث جماعة من كفر سوسية، ٤- أحاديث حنش والمطعم وحفص الصنعانيين، ٥- الأحاديث الخماسيات وأخبار ابن أبي الدنيا، ٦- أحاديث صنعاء الشام، ۷- الأحاديث المتخيرة في فضائل العشرة، ۸- أخبار أبي عمرو الأوزاعي وفضائله، ۹- أخبار أبي محمد سعد بن عبد العزيز وعواليه، ۱۰- أربعون حديثاً عن أربعين شيخًا من أربعين مدينة، ۱۱- الأربعون حديثًا مساواة الإمام أبي عبد الله الفراوي، ۱۲- الأربعون الطوال،

....

۱۳ـ الأربعون في الجهاد، اس کا نام الاجتهاد في إقامة فرض الجهاد ہے، ١٤ـ الإشراف على معرفة الأطراف، ١٥ـ الاعتزاز بالهجرة، ١٦ـ الاقتداء بالصادق في حفر الخنادق، ١٧ـ الإنذار بحدوث الزلزال، ١٨ـ تاريخ مدينة دمشق وأخبارها وأخبار من حلها أو وردها(التاريخ الكبير) اس کتاب کی دو جلدیں صلاح الدین منجد کی تحقیق کے ساتھ مجمع العلمی دمشق سے بڑے آب وتاب کے ساتھ ۱۹۵۱ء میں شائع ہو چکی ہیں، اس مبسوط تاریخ میں سے اسانید اور تکرار کو حذف کر کے شیخ عبدالقادر بدران نے "تهذيب تاريخ ابن عساكر" کے نام سے ۱۳۲۹ھ میں شائع کرانا شروع کیا تھا جس کی اب تک ۷ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ ١٩ـ التالي لحديث مالك العالي، ٢٠ـ تبيان الوهم والتخليط الواقع في حديث الأطيط، ٢١ـ تبيين الامتنان في الأمر بالامتنان، ٢٢ـ تبيين كذب المفتري في مانسب إلى الإمام أبي الحسن الأشعري، پہلی مرتبہ یہ کتاب ۱۸۷۸ء میں لیڈن سے شائع ہوئی تھی، اب دمشق سے بھی شائع ہو چکی ہے۔ ٢٣ـ تخريج المجالس السبعة لشيخه أبي الحسن السلمي مع الكلام عليها، ٢٤ـ ترتيب الصحابة في مسند أحمد، ٢٥ـ ترتيب الصحابة في مسند أبي يعلى، ٢٦ـ تشريف يوم الجمعة، ٢٧ـ تقوية المنة على إنشاء دار السنة، ٢٨ـ تكميل الإنصاف والعدل بتعجيل الإسعاف بالعزل، ٢٩ـ تهذيب المتلمس من عوالي مالك بن أنس، ٣٠ـ ثواب الصبر على المصاب بالولد، ٣١ـ الجواب المبسوط لمن ذكر حديث الهبوط، ٣٢ـ الجواهر واللآلي في الأبدال العوالي ٣٣ـ حديث أبي بكر بن محمد بن رزق الله المنيني المقري، ٣٤ـ حديث أهل قرية البلاط، ٣٥ـ حديث أهل بيت سدا، ٣٦ـ حديث جماعة من أهل بيت لهيا، ٣٧ـ حديث جماعة من أهل جوبر، ٣٨ـ حديث جماعة من أهل حرستا، ٣٩ـ حديث أهل قرية الحميريين وقينية، ٤٠ـ حديث أهل دقانية وحجرأو عين شرما، وجديا و طرميس، ٤١ـ حديث دومة وسرابا والقصير، ٤٢ـ حديث أهل زبدين وجسرين، ٤٣ـ حديث سعد بن عبادة، ٤٤ـ حديث سلمة بن علي الحسني البلاطي، ٤٥ـ حديث أهل فذيا وبيت أرانس وبيت قوفا، ٤٦ـ حديث أهل كفر بطنا، ٤٧ـ حديث يحيى بن حمزة البتلهي وعواليه، ٤٨ـ حديث بُسرة بن صفوان وابنه وابن ابنه، ٤٩ـ دفع التثريب على من فسر معنى التثويب، ٥٠ـ ذكر البيان عن فضل كتابة القرآن، ٥١ـ ذكرماوجدت في سماعي ممايلتحق بالجزء الرباعي، ٥٢ـ ذم من لايعمل بعلمه، ٥٣ـ روايات ساكني داريا، ٥٤ـ الزهادة في بذل الشهادة، ٥٥ـ السداسيات، ٥٦ـطرق حديث عبد الله بن عمر، ٥٧ـ عوالي حديث سفيان الثوري وخبره، ٥٨ـ فضائل مقام إبراهيم ومن حديث أهل برزه،

....

٥٩ـ فضل أصحاب الحديث، ٦٠ـ فضل الربوة والنيرب ومن حدث بهما، ٦١ـ فضل عاشوراء والمحرم، ٦٢ـ فضل الكرم على أهل الحرم، ٦٣ـ القول في جملة الأسانيد في حديث المؤيد، ٦٤ـ كشف المغطا في فضل الموطّأ، ٦٥ـ ماوقع للأوزاعي من العوالي، ٦٦ـ مجموع من أحاديث جماعة من أهل بعلبك، ٦٧ـ مجموع الرغائب مما وقع من أحاديث مالك الغرائب، ٦٨ـ مجموع من حديث محمد بن يحيى بن حمزة الحضرمي البتلهي، ٦٩ـ المستفيد في الأحاديث السباعية الأسانيد، ٧٠ـ المسلسلات، ٧١ـ مسلسل العيدين ."

موصوف نے مجالس درس میں بہت سے مباحث پر کلام کیا ہے، وہ سو مجلسیں مجالسِ املاء کے نام سے مشہور ہیں، ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

"٧٢ـ مجلس في نفي التشبيه، ٧٣ـ مجلس في التوبة، ٧٤ـ مجلس في فضل عبد الله بن مسعود ﷺ ٧٥ـ مجلس في فضيلة ذكر الله، ٧٦ـ مجلس في التنزيه، ٧٧ـ المشيخات الإحدى عشر ،یہ وہ گیارہ مشیخے (فہرست شیوخ) ہیں جو موصوف نے اپنے شیخ ابوغالب بن البناء کے لیے تخریج کئے تھے۔ ٧٨ـ مشيخة شيخه أبي المعالي عبد الله بن أحمد الحلواني الأصولي، ٧٩ـ مصافحة لأبي سعد السمعاني وأربعين حديثاً، ٨٠ـ معجم أسماء القرى والأمصار التي سمع بها، ٨١ـ معجم الشيوخ النبلاء، ٨٢ـ معجم من سمع منه أو أجاز له، ٨٣ـ معنى قول عثمان ماتعنيت ولاتمنيت، ٨٤ـ المقالة الفاضحة للرسالة الواضحة، ٨٥ـ مناقب الشبان، ٨٦ـ من سمع منه من النسوان، ٨٧ـ من لايكون مؤتمناً لايكون مؤذناً، ٨٨ـ من نزل المزة وحدث بها، ٨٩ـ من وافقت كنيته كنية زوجته، ٩٠ـ الموافقات على الأئمة الثلاث الثقات ."

ان کی تالیفات جو پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچیں ان کے نام حسب ذیل ہیں:

"١ـ الأبدال، ٢ـ ذم الرافضة، ٣ـ كتاب الصفات، ٤ـ فضل بيت المقدس، ٥ـ فضل الجهاد، ٦ـ فضل قريش وأهل البيت والأنصار والأشعريين، ٧ـ فضل المدينة، ٨ـ فضل مكة، ٩ـ مسند مكحول، ١٠ـ مسند أبي حنيفة ."

اس کے علاوہ اور بھی ہیں جن کی تعداد چالیس تک پہنچی ہے۔

(تبيين كذب المفتري، ص:۳-۶، ۱۳۴۷ھ، هدية العارفين:۱/۷۰۱۔)

تصانیف ابوالشیخ [1] اور تصانیف ابن نجار [2]۔

مناقب [3] ومثالب کے بیان میں اکثر حدیثیں گھڑی گئی ہیں، اور صحت میں تساہل سے کام لیا گیا ہے، اسی طرح تفسیر اور اسباب نزول کے بیان میں، تاریخ اور بنی اسرائیل کے واقعات، انبیاء سابقین کے قصوں میں،

---

(۱) تصانیف ابوالشیخ سے حافظ ابو محمد عبداللہ بن محمد بن جعفر بن حیان اصفہانی (المتوفی ۳۶۹ھ) کی تالیفات مراد ہیں، موصوف کی بعض مشہور تصانیف کے نام درج ذیل ہیں:

"١- كتاب تاريخ أصبهان، ٢- كتاب الثواب لأعمال الزكية، ٣- كتاب السنن المعظمة والأخلاق النبوية، ٤- كتاب العظمة، ٥- كتاب التاريخ على السنين."

(۲) تصانیف ابن النجار سے حافظ محبّ الدین ابوعبداللہ محمد بن محمود المعروف بابن النجار بغدادی شافعی (المتوفی ۶۴۳ھ) کی تالیفات مراد ہیں، جن میں سے مشہور کتابوں کے نام درجِ ذیل ہیں:

"١- أخبار المشتاق إلى أخبار العشاق، ٢- الأزهار في أنواع الأشعار، ٣- إظهار نعمة الإسلام وإشهار نقمة الإجرام، ٤- منظومة سينية في أحكام الذمة، ٥- أنساب المحدثين، ٦- تاريخ مدينة الإسلام في الذيل على تاريخ الخطيب، ٧- جنة الناظرين في معرفة التابعين، ٨- الدرة الثمينة في أخبار المدينة، ٩- المختلف والمؤتلف ذيل تاريخ ابن ماكولا، ١٠- روضة الأولياء في مسجد إيلياء، ١١- الزهر في محاسن شعر أهل العصر، ١٢- سلوة الوحيد، ١٣- الشافي في الطب، ١٤- شرح حرز الأماني للشاطبي، ١٥- شرح المفصل للزمخشري، ١٦- العقد الفائق في عيون أخبار الدنيا ومحاسن تواريخ الخلائق، ١٧- العوالي، ١٨- عيون الفرائد، ١٩- غرر الفوائد، ٢٠- القمر المنير في المسند الكبير، ٢١- الكمال في معرفة الرجال، ٢٢- كنز الأنام في معرفة السنن والأحكام، ٢٣- المتفق والمفترق، ٢٤- معجم الشيوخ، ٢٥- مناقب الإمام الشافعي، ٢٦- نزهة الطرف في أخبار أهل الظرف، ٢٧- نزهة الورى في أخبار أم القرى، ٢٨- كتاب المستدرك على تاريخ الخطيب، ٢٩- السابق واللاحق، ٣٠- نهج الإصابة في معرفة الصحابة.

(تذكرة الحفاظ: ۱۴۲۹/۴، وهدية العارفين: ۱۲۲/۲)"

(۳) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (المتوفی ۸۵۲ھ) "لسان الميزان" (۱۳/۱، طبع حیدرآباد دکن ۱۳۲۹ھ) میں لکھتے ہیں: "قال الإمام أحمد: ثلاثة كتب ليس لها أصول: وهي المغازي والتفسير والملاحم، قلت: ينبغي أن يضاف إليها الفضائل، فهذه أودية الأحاديث الضعيفة والموضوعة، إذ كانت العمدة في المغازي على مثل الواقدي، وفي التفسير على مثل مقاتل والكلبي، وفي الملاحم على الإسرائيليات، وأما الفضائل

شہروں کے فضائل، کھانے پینے کی چیزوں اور حیوانات کے تذکرہ میں اکثر موضوع حدیثیں ہیں، طب، ٹو ٹکے،

فلاتحصی کم وضع الرافضة في فضل أهل البيتؓ، وعارضهم جهلة أهل السنة بفضائل معاويةؓ وبفضائل الشيخينؓ، وقد أغناهما الله وأعلى مرتبتهما عنها. ''

امام احمدؒ کا قول ہے کہ تین کتابوں کی اصل نہیں ہے، اور وہ مغازی، تفسیر اور ملاحم ہیں، میں کہتا ہوں کہ اس میں فضائل کا اضافہ کرنا بھی مناسب ہے، یہ ضعیف اور موضوع حدیثوں کی وادیاں ہیں؛ کیونکہ مغازی میں واقدی جیسے شخص پر اعتماد ہے، اور تفسیر میں مقاتل اور کلبی جیسے لوگوں پر ہے، اور ملاحم میں اسرائیلیات پر ہے، رہے فضائل، تو اس میں شمار نہیں کیا جاسکتا کہ رافضیوں نے اہل بیتؓ کی فضیلت میں کتنی حدیثیں گھڑی ہیں، اور جاہل سنیوں نے ان سے مقابلے کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے فضائل میں وضع کی ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے شیخین کو اس سے مستغنی کردیا، اور ان کا رتبہ اس سے بلند و بالا رکھا ہے۔

شیخ محمد طاہر پٹنی (المتوفی ۹۸۶ھ) ''تذکرة الموضوعات '' (ص: ۸۲-۸۴، شائع کردہ مکتبہ قیمہ بمبئی ۱۳۴۳ھ) میں حافظ سیوطیؒ سے امام احمد بن حنبل کے مذکورہ بالا قول کی علت حسب ذیل نقل کرتے ہیں:

''ليس لها أصول بأن الغالب عليها المراسيل، وقال محققو أصحاب أحمد: مراده أن الغالب ليس لها أسانيد صحاح متعلقة، وإلّا فقد صحّ من ذلك كثير، كتفسير الظلم بالشرك، والحساب اليسير بالعرض، والقوة بالرمي. قلت: الذي صح من ذلك قليل جدًا، بل أصل المرفوع منه في غاية القلة .... قال: ومن المفسرين طوائف مبتدعة صنّفوا تفاسير على مذهبهم، مثل عبد الرحمن بن كيسان الأصم، والجبائي، والرمّاني، والزمخشري، ومنهم من يدس البدع في كلامه، وأكثر الناس لايعلمون ذلك، كصاحب الكشاف حتى إنه يروج على خلق كثير من أهل السنة كثير من تفاسيرهم الباطلة . ''

ان کے اصول نہیں ہیں، یعنی ان میں اکثر مرسل حدیثیں ہی، امام احمدؒ کے محقق شاگردوں کا قول ہے کہ امام احمدؒ کی اس سے مراد یہ ہے کہ اکثر روایتوں کی سندیں صحیح نہیں ہیں، اور نہ ان میں سے بہت سی باتیں صحیح سند سے ثابت ہیں، جیسے ظلم کی تفسیر شرک سے اور حساب یسیر کی عرض سے، اور قوت کی تفسیر رمی (تیراندازی) سے، میں کہتا ہوں ان میں صحیح بہت ہی کم ہیں، بلکہ مرفوع الاصل نہایت قلیل ہیں، اور فرمایا کہ مفسرین کے بہت سے گروہ مبتدع ہیں جنہوں نے تفسیریں اپنے مسلک کے اعتبار سے لکھی ہیں، جیسے کہ عبدالرحمٰن بن کیسان اصم، جبائی، رمانی اور زمخشری ہیں، اور ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ انہوں نے اپنے کلام میں بدعت کی آمیزش اس طرح کی ہے کہ اکثر لوگوں کو پتہ بھی نہیں چلتا، جیسے صاحبِ کشاف ہے، تا آنکہ بہت سے اہل سنت کے یہاں ان کی باطل تفسیریں رواج پا گئی ہیں۔

جھاڑ پھونک، منتر، عزیمت، دعوات اور نوافل کے اجر و ثواب میں بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آیا ہے، ابن الجوزیؒ نے کتاب "الــمــوضــوعــات" میں اس قسم کی بیشتر حدیثوں پر جرح وقدح کی ہے، اوران کے موضوع ہونے کے دلائل

آگے لکھتے ہیں: ''ورأيت في بعض الرسائل لابن تيمية- قدس سره -كما أن للحديث أدلة تقطع بصحته، فله أدلة تقطع بكذبه، مثل ماروا‌ه الوضاعون من أهل البدع والغلو في الفضائل، كحديث يوم عاشوراء وصلاته، وفي التفسير من هذه الموضوعات كثير كما يرويه الثعلبي، والواحدي، والزمخشري في فضل السور، والثعلبي في نفسه كان ذا خير ودين، لكن كان حاطب ليل ينقل ما وجد في كتب التفسير من صحيح وضعيف وموضوع، والواحدي صاحبه كان أبصر منه بالعربية لكن هو أبعد عن اتباع السلف، والبغوي تفسيره مختصر من الثعلبي، لكن صان تفسيره من الموضوع والبدع.''

اور میں نے امام ابن تیمیہؒ قدس سرہ کے بعض رسالوں میں دیکھا ہے کہ جس طرح حدیث کے لیے دلیلیں ہیں کہ جن سے ان کی صحت کا قطعی فیصلہ ہو جاتا ہے، اسی طرح اس کی بھی دلیلیں ہیں، جن سے اس کے کذب کا یقین ہو جاتا ہے، جیسے ان باتوں کا تذکرہ جن کو اہل بدعت وضاع روایت کرتے ہیں، اور فضائل میں حد سے تجاوز کرنا، جیسے کہ یوم عاشوراء اور اس کی نماز کی بابت حدیث ہے، اور تفسیر میں اس قسم کی موضوع حدیثیں بہت ہیں، جیسے وہ باتیں جن کو ثعلبی، واحدی اور زمخشری سورتوں کی فضیلت میں نقل کرتے ہیں، حالانکہ ثعلبی فی نفسہ اہل خیر اور متدین عالم ہے لیکن وہ حاطب لیل ہے، جو کچھ تفسیروں میں صحیح ضعیف اور موضوع پاتا ہے نقل کر دیتا ہے، اور اس کا شاگرد واحدیؔ ہے جو عربیت میں اس سے زیادہ بصیرت رکھتا ہے، لیکن وہ اتباع سلف میں اس سے دور ہے، اور بغویؔ کی تفسیر ثعلبیؔ کی تفسیر کا اختصار ہے، لیکن اس نے اپنی تفسیر کو موضوعات اور بدعت سے محفوظ رکھا ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ ''كتاب الرد على البكري'' میں رقمطراز ہیں:

''ومن يجمع الموضوعاتِ الكثيرةَ والأكاذيبَ العظيمة، مثل مصنِّف كتاب "وسيلة المتعبدين" الذي صنّفه الشيخ عمر الموصلي، ومثل "تنقلات الأنوار" للبكري الذي فيه من الكَذِب مالايخفى على فطن لبيب، ومثل القاضي عياض بن موسى البستي مع علمه وفضله ودينه أنكر العلماءُ عليه كثيرًا مما ذكره في شفائه من الأحاديث والتفاسير التي يعلمون أنها من الموضوعات والمناكير ...... وإذا كان تفسير الثعلبي وصاحبه الواحدي ونحوهما فيها من الغريب الموضوع في الفضائل والتفسير مالم يجز معه الاعتماد على مجرد عزوه إليها، فكيف بغيرها، كتفسير أبي القاسم القشيري وأبي الليث السمر قندي و"حقائق التفسير" لأبي عبد الرحمن السُّلَمي.'' (الرد على البكري بحوالہ كتاب الشريعة ص: ٤٢٢ بتحقيق محمد

....

حامد الفقي ،مطبعۃ السنۃ المحمدیۃ ۱۹۵۰ء)

وہ جو کثرت سے جھوٹی اور گھڑی ہوئی حدیثیں جمع کرتے ہیں، جیسے ''وسيلة المتعبدين '' کا مصنف ہے، یہ کتاب عمر موصلی کی تصنیف ہے، اور اس طرح ''تنقلات الأنوار '' جو بکری کی تالیف ہے، اس میں جیسا کچھ جھوٹ ہے وہ کسی سمجھ دار اور دانشمند سے مخفی نہیں ہے، اور قاضی عیاضؒ بن موسیٰ السبتی کی طرح جو باایں ہمہ علم و فضل و دینداری ''شفا'' میں بہت سی ایسی تفسیریں اور حدیثیں ذکر کر گئے جن کے متعلق علماء نے ہمیں بتایا ہے کہ وہ موضوع اور منکر حدیثیں ہیں، اور جب کہ وہ ثعلبی اور اس کے شاگرد واحدی اور ان ہی جیسے مفسرین کی تفسیریں ہوں کہ جن میں غریب اور موضوع روایتیں فضائل اور تفسیر کے سلسلے میں موجود ہیں، تو محض ان کی طرف کسی حدیث کی نسبت سے اعتماد کرنا جائز نہیں، اور ان کے علاوہ ابوالقاسم قشیری، ابو اللیث سمرقندی کی تفسیر اور ابو عبدالرحمٰن سلمی کی حقائق التفسیر جیسی تفسیروں پر بھلا کیوں کر اعتماد کرنا جائز ہوسکتا ہے۔

قاضی محمد بن علی الشوکانی (المتوفی ۱۲۵۰ھ) ''الفوائد المجموعة في بيان الأحاديث الموضوعة '' (باب فضائل الأمكنة والأزمنة ،مطبع صديقى لاهور ،۱۳۰۵ھ) میں لکھتے ہیں:

''وقد توسّع المؤرخون في ذكر الأحاديث الباطلة في فضائل البلدان، ولاسيما بلدانهم، فإنهم يتساهلون في ذلك غاية التساهل، ويذكرون الموضوع، ولا يُنبّهون عليه، كما فعل الديبع في تاريخه الذي سمّاه "قرة العيون بأخبار اليمن الميمون"، وتاريخه الآخر الذي سماه "بُغية المستفيد بأخبار مدينة زبيد" مع كونه من أهل الحديث، وممن لايخفى عليه بطلان ذلك، فليحذر المتدين من اعتقاد شئ منها أو روايته، فإن الكذب في هذا، قد كثر، وجاوز الحد، وسببه ماجبلت عليه القلوب من حب الأوطان والشغف بالمنشاء.''

مورخین نے شہروں کی فضیلت میں باطل حدیثوں کے ذکر کرنے میں بہت توسع کیا ہے، خاص طور پر اپنے شہروں کے متعلق بڑے ہی تساہل سے کام لیا ہے کہ موضوع حدیث ذکر کرتے ہیں، اور اس پر تنبیہ نہیں کرتے ہیں، جیسے کہ دیبع نے اپنی تاریخ میں جس کا نام ''قرّة العيون بإخبار اليمن الميمون '' ہے، اور دوسری تاریخ جس کا نام اس نے ''بغية المستفيد بأخبار مدينة زبيد '' رکھا ہے، باوجودیکہ وہ محدث تھا، اور ان علماء میں سے تھا جن پر ان کا بطلان مخفی نہ تھا، لہٰذا متدین کو ایسی باتوں کی روایت اور اعتقاد سے بچنا چاہئے، کیونکہ اس میں جھوٹ بہت ہے، اور حد سے تجاوز کرنا ہے، اور اس کا سبب یہ ہے کہ دلوں میں وطن کی محبت اور جائے تربیت کی الفت جبلی ہے۔

پیش کئے ہیں، اور کتاب ''تنزیه الشریعة''[۱] ایسی حدیثوں کی نشاندہی کے لیے کافی ہے۔

اکثر شاذ و نادر مسائل جیسے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا اسلام لانا، یا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پیروں پر مسح کرنے کی روایتیں، یا ان ہی جیسے شاذ و نادر مسائل انہی کتابوں کی حدیثوں سے نکلے ہیں، شیخ جلال الدین سیوطی کے رسائل و نوادر کا سرمایہ یہی کتابیں ہیں، لہٰذا ان کتابوں کی حدیثوں میں مشغول رہنا اور ان سے احکام کا استنباط کرنا مفید کام نہیں ہے، اس پر بھی اگر کسی کے دل میں ان کتابوں کی تحقیق کی خواہش ہو تو ان حدیثوں کے راویوں کا پتہ چلانے کے لیے ذہبی کی کتاب ''میزان الاعتدال''[۲] ....

---

(۱) ''تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأخبار الشنيعة الموضوعة''، محدث ابوالحسن علی بن محمد بن عراق کنانی (المتوفی ۹۶۳ھ) کی موضوعاتِ حدیث پر نہایت مبسوط و جامع کتاب ہے، یہ ابن جوزی کی ''الموضوعات''، سیوطی کی ''اللآلي المصنوعة''، ''ذيل اللآلي'' اور ''النكت البديعات'' وغیرہ کی نہایت کامیاب تلخیص ہی نہیں، بلکہ اس پر ابن عراق کے جابجا استدراکات اور اضافے بھی ہیں، نیز شروع میں نہایت مفید مقدمہ ہے جس میں موضوعِ حدیث کی تعریف، وضعِ حدیث کے اسباب اور واضعینِ حدیث کی اقسام سے بحث کی ہے، اور پھر واضعین حدیث کے ناموں کی فہرست دی ہے، اس کتاب کے دو نہایت قدیم خوشخط اور صحیح نسخے کتب خانہ پیر جھنڈو (حیدر آباد سندھ) میں ہمارے مطالعہ سے گذر چکے ہیں، اب یہ شیخ عبدالوہاب عبداللطیف اور عبداللہ محمد الصدیق کی تصحیح اور مقدمہ کے ساتھ مکتبۃ القاہرۃ مصر سے دو جلدوں میں شائع ہوگئی ہے۔

(۲) "ميزان الاعتدال في نقد الرجال"، حافظ شمس الدین ذہبیؒ (المتوفی ۷۴۸ھ) کی اس موضوع پر نہایت مشہور اور مقبول کتاب ہے، یہ کتاب پہلی مرتبہ مطبع انوارِ احمدی لکھنؤ سے شائع ہوئی تھی، پھر ۱۳۲۵ھ میں قاہرہ سے تین جلدوں میں شائع ہوئی، حافظ سخاویؒ (المتوفی ۹۰۲ھ) ''فتح المغيث بشرح ألفية الحديث'' صفحہ ۴۷۷ میں رقمطراز ہیں:

''واختصره الذهبي، بل وذيل عليه في تصنيفين، وجمع معظمها في ميزانه، فجاء كتابًا نفيسًا، عليه معول من جاء بعده مع أنه تبع ابن عدى في إيراد كل من تُكلِّم فيه، ولو كان ثقةً، ولكنه التزم أن لايذكر أحدا من الصحابة ولا الأئمة المتبوعين، وقد ذيل عليه المصنف في مجلد، والتقط شيخنا منه من ليس في "تهذيب الكمال" وضم إليه ما فاته من الرواة والتتمات مع انتقاد وتحقيق في كتاب سماه "لسان الميزان" مما كتبته، وأخذته عنه، وعم النفع به.''

حافظ ذہبیؒ نے کامل ابن عدی کا اختصار کیا، بلکہ دو تالیفوں میں اس پر ذیل بھی لکھا ہے، اور اس کا بڑا حصہ ''میزان الاعتدال'' میں جمع کیا ہے جس سے وہ ایسی نفیس کتاب بن گئی ہے کہ ان کے بعد آنے والوں کا اسی پر اعتماد ہے،

اور ابن حجر عسقلانی کی ''لسان المیزان''(۱) اس کے کام آسکتی ہیں، اور الفاظِ غریبہ کی شرح اور مادوں کی تحقیق نیز حدیثوں کی توجیہوں کے لیے شیخ محمد طاہر بوہرہ گجراتی کی کتاب "مجمع البحار"(۲) سب سے بے پروا کر دیتی ہے۔

جب حدیث کی کتابوں کی ترتیب معلوم ہوگئی، اور موطأ اور صحیحین کا طبقۂ اولیٰ میں ہونا معلوم ہوگیا تو ان ہی تین کتابوں کی تحقیق میں زیادہ اہتمام مناسب ہے، اور ان کے بعد بقیہ صحاح ستہ میں مشغول ہونا چاہئے، ظنِ غالب یہی ہے کہ موطأ اور صحیحین کی تحقیق کے بعد صحاح ستہ کی تحقیق کا دو تہائی حصہ ختم ہو جاتا ہے، اور بہت ہی تھوڑا حصہ باقی رہ جاتا ہے، اس لئے بحث ان ہی تین کتابوں کے متعلقہ فوائد پر منحصر ہے۔

باوجودیکہ انہوں نے اس امر میں بھی ابن عدی کی پیروی کی ہے کہ ہر متکلم فیہ کو خواہ وہ ثقہ ہو، ذکر کیا ہے مگر اس امر کا لحاظ ہر جگہ رکھا ہے کہ صحابہؓ اور ان ائمہ کا جن کی امت میں پیروی کی جاتی ہے کسی کا ذکر نہیں کیا، اور مصنف نے اس پر ایک جلد میں ذیل بھی لکھا ہے، اور ہمارے شیخ ابن حجرؒ نے اس سے ان راویوں کا انتخاب کر کے جو "تهـذيب الكمال" میں نہیں ہیں، اور اس میں وہ راوی جو ان سے رہ گئے تھے، اس میں شامل کر دیے ہیں، اور تحقیق اور تنقید کر کے تتمہ بھی کر دیا ہے، اور اس کا نام انہوں نے "لسان الميزان" رکھا ہے، یہ ان کتابوں میں سے ہے جن کو میں نے لکھا، اور ان سے اخذ واقتباس کیا، اور اس سے نفع بھی بہت ہوا ہے۔

(۱) "لسـان الميـزان"، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی اس موضوع پر نہایت مشہور تالیف ہے، یہ چھ جلدوں میں دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن سے ۱۳۲۹ھ میں شائع ہو چکی ہے۔

(۲) ''مـجـمـع البِحار'' یہ شیخ محمد بن طاہر پٹنی (المتوفی ۹۸۶ھ) کی تالیف ہے، جس کا پورا نام ''مـجـمـع بحار الأنوار في غرائب التنزيل ولطائف الأخبار'' ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ''أخبار الأخيار'' (ص: ۲۸۰، مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۳۲ھ میں لکھتے ہیں:

''ازاں جملہ کتابے است کہ متکفل شرح صحاح ستہ مسمی بمجمع البحار''، منجملہ ان کے ایک کتاب جو صحاح ستہ کی جامع شرح ہے، وہ مجمع البحار کے نام سے موسوم ہے۔

نواب صدیق حسن خان قنوجی ''إتـحـاف الـنـبـلاء المتقين بإحياء مآثر الفقهاء المحدثين'' (مطبع نظامی کانپور ۱۲۸۸ھ) صفحہ ۱۳۴ میں لکھتے ہیں:

''بالجملہ ایں کتاب مستطاب جامع غریب سنت وکتاب است بروجہے کہ باوجود آں حاجت بکتاب دیگر دریں نمی شود، گویا شرح صحاح ستہ است''

خلاصہ یہ ہے کہ یہ کتاب مستطاب قرآن وسنت کے مشکل الفاظ کی جامع ہے اس طور پر کہ اس کے ہوتے ہوئے اس موضوع پر دوسری کتاب کی ضرورت نہیں، گویا یہ صحاح ستہ کی شرح ہے۔

فائدہ: بعض راویوں کے ناموں کی تحقیق اور ضبط کے بیان میں

قاعدہ یہ ہے کہ حدیث کی کتابوں میں ہر جگہ لفظ سلّام کو لام کی تشدید کے ساتھ پڑھنا چاہئے، مگر پانچ جگہ لام مشدد نہیں ہے:

(تدريب ص: ٥٦١، الإكمال: ٤/٤٠٢، محاسن: ٣٠١، مقدمة لابن الصلاح: ٤٥١- ٤٥٢، المقنع لابن الملقن: ٥٩٣ - ٥٩٤، المشتبه للذهبي: ٣٧٨، تبصير المنتبه بتحرير المشتبه لابن حجر: ٧٠٢- ٧٠٣- ٧٠٤، التقييد والإيضاح للعراقي: ٣٣٣ -٣٣٤، شرح التبصرة والتذكرة للعراقي: ٢/٢١٧- ٢١٨)

۱- عبداللہ بن سلامؓ[1] کے والد کا نام ''سلام'' ہے جو علماء یہود میں زبردست عالم تھے، حضور ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد ایمان لائے اور دنیا ہی میں جنتی ہونے کی خوشخبری سنی۔

حکیم سید عبدالحیٔ لکھنوی ''نزهة الخواطر'' (۴/۳۰۱، طبع حیدرآباد دکن ۱۹۵۴ء) میں تحریر فرماتے ہیں:

''وله مصنفات جليلة ممتعة، أشهرها وأحسنها كتابه "مجمع بحار الأنوار في غرائب التنزيل ولطائف الأخبار" ...... جمع فيه كل غريب الحديث وما أُلِّف فيه، فجاء كالشرح للصحاح الستة، وهو كتاب متفق على قبوله بين أهل العلم منذ ظهر في الوجود، وله منة عظيمة بذلك العمل على أهل العلم. ''

اور ان کی جلیل القدر اور مفید تصانیف ہیں جن میں سے مشہور اور عمدہ کتاب "مجمع بحار الأنوار في غرائب التنزيل ولطائف الأخبار" ہے، اس میں ہر مشکل حدیث کے الفاظ کو اس طرح سے جمع کیا ہے کہ جو کچھ اس کے متعلق لکھا گیا ہے، وہ سب اس میں آگیا ہے، جس کی وجہ سے وہ صحاح ستہ کی شرح بن گئی ہے، اور یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کے عالم وجود میں آنے کے بعد سے علماء کا اس کی قبولیت پر اتفاق ہوگیا ہے، اور مؤلف کا یہ کارنامہ اہلِ علم پر بہت بڑا احسان ہے۔

یہ کتاب ''تکملہ'' کے ساتھ تین جلدوں میں مطبع نولکشور لکھنؤ سے ۱۲۸۳ھ میں شائع کی گئی تھی، آج کل نایاب ہے، پھر مکتبۃ الایمان نے مدینہ منورہ سے شائع کی ہے۔

اسماءِ راویانِ صحاح ستہ

(۱) محدثین کا یہ نہایت عظیم الشان کارنامہ ہے کہ انہوں نے حدیث کی خدمت کے سلسلہ میں راویانِ حدیث کے ناموں کو بھی ایسا مرتب اور منضبط کیا، تاکہ حدیث پڑھنے والے کے لیے کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے، چنانچہ محدثین کی اصطلاح میں راویوں کے ناموں کی ایسی نوع کو جو خط اور صورت کے اعتبار سے ایک ہوتی ہے، اور ان کا تلفظ مختلف ہوتا ہے مؤتلِف ومُختلِف کہتے ہیں۔

....

محدثین کے یہاں اس فن سے ناواقفیت بہت عیب سمجھی جاتی ہے؛ کیونکہ اس فن سے ناآشنائی کے باعث انسان کا علمی وقار گر جاتا ہے، اس وجہ سے اس موضوع پر ائمہ فن نے قلم اٹھایا، اور سب سے پہلے اس موضوع پر حافظ عبدالغنی بن سعید مصری نے کتاب لکھی، پھر دارقطنی نے کتاب مرتب کی، مگر سب سے زیادہ جامع اور بہتر کتاب اس موضوع پر حافظ ابن ماکولا کی "الإکـمـال" ہے جو دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی ہے، حافظ ابوبکر بن نقطہ کا ذیل بھی اس پر نہایت مفید ہے۔

مطبوعہ کتابوں میں حافظ عبدالغنی کی کتاب ''المـؤتـلِف والـمـختلِف'' اور حافظ شمس الدین ذہبیؒ کی کتاب "الـمشتبـه" بڑی اہم کتابیں ہیں، اول الذکر الہ آباد، ہندوستان میں چھپی ہے، ذہبی کی کتاب ''الـمشتبـه'' لیڈن سے ۱۸۶۳ء میں شائع کی گئی تھی، اب قاہرہ سے شائع کی گئی ہے۔

ہندوستان میں اس فن سے اعتناء شیخ محمد بن طاہر پٹنی نے کیا، اور کتاب "المغني" لکھی جو ہندوپاک میں کئی بار شائع ہوئی ہے، یہ اسماء متداولہ کے سلسلے میں بہت مفید ہے۔

سَلَام، سَحَاب کے وزن پر ہے، حافظ ابوالقاسم عبدالرحمٰن السہیلی (المتوفی ۵۸۱ھ) ''الروض الأنف'' (۲/ ۲۵، طبع مصر ۱۳۳۲ھ) میں رقمطراز ہیں: ''سـلام هـو بتـخفيف اللام، ولايوجد من اسمه سلام بالتخفيف في الـمسـلـمين، لأن السلام من أسماء الله، فيقال عبد السلام، ويقال سلّام بالتشديد وهو كثير، وإنما سلام بالتخفيف في اليهود، وهو والد عبد الله بن سلام.''

''سـلام'' یہ تخفیف لام کے ساتھ ہے، اور مسلمانوں میں تخفیف لام کے ساتھ کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کا نام سلام ہو، کیونکہ سـلام اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہے، اس لئے عبدالسلام کہتے ہیں، اور تشدید لام کے ساتھ سلّام کا لفظ بطور علم کے بکثرت موجود ہے، سلام تخفیف لام کے ساتھ یہودیوں میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے والد ماجد کا نام ہے۔

لیکن یہ قاعدہ صحیح معلوم نہیں ہوتا، اس لئے کہ عجالہ نافعہ کے مطبوعہ نسخہ میں صفحہ ۳۹ پر سلام بن محمد بن ناہض کا نام مذکور ہے، جو محدث ہیں اور ان سے حافظ ابوطالب اور طبرانی نے روایت کی ہے، اور امام ذہبیؒ نے تاریخ الاسلام (۶/ ۷۵۴) میں ان کا تذکرہ کیا ہے، نیز بلقینیؒ نے "مـحـاسـن الاصـطـلاح" صفحہ ۳۰۱ پر سلام بن ابی الالف اور والد جعفر السندی کا تذکرہ کیا ہے جو نامور عالم ہیں۔

حضرت عبداللہ بن سلام بن الحارث اسرائیلی رسالت مآب ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کے وقت اسلام لائے تھے، ان کا نام حصین تھا، حضور ﷺ نے اسے بدل کر عبداللہ رکھا، بیت المقدس اور جابیہ کی فتح کے موقعہ پر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

....

حضرت عمرؓ کے ہم رکاب تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ ابوعروبہ نے ان کو بدری صحابہؓ میں شمار کیا ہے، لیکن ابن سعد نے ان کو طبقۂ ثالثہ یعنی ان صحابہ میں ذکر کیا ہے جو غزوۂ خندق وغیرہ میں شریک تھے، حافظ ذہبیؒ نے (کتاب العبر :۱/۵۱) میں ان کا سالِ وفات ۴۳ ہجری قرار دیا ہے، اور یہ بھی لکھا ہے: ''وقد شهد له النبي ﷺ بالجنة '' (اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو زندگی ہی میں جنت کی بشارت سنائی تھی)۔

سید مرتضیٰ زَبیدی نے ''تاج العروس'' مادہ ''سلم'' میں لکھا ہے کہ ان کے فرزند حضرت یوسفؑ کو رسول اللہ ﷺ نے گود میں بٹھایا، اور ان کے سر پر ہاتھ پھیرا ان کا نام یوسف رکھا تھا، اور ان کے دوسرے فرزند محمدؒ کو بھی حضور ﷺ کی زیارت اور رسالت مآب ﷺ سے روایت کی سعادت حاصل ہے، حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے ۴۳ھ میں مدینہ میں وفات پائی۔

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے گو تین کتابوں کے رجال کے ناموں کو خصوصیت سے ذکر کیا، لیکن بعض جگہ صحاح کے علاوہ دوسری کتابوں کے راویوں کی بھی نشان دہی کی ہے، اس مناسبت سے یہاں ایک اور نام کا اضافہ کرنا کچھ بے جا نہیں، حافظ ابن حجر کے استاد مجد الدین فیروز آبادی نے ''قاموس'' کے مادہ ''سلم'' میں صحابہ میں سے سلام بن عمرو صحابی کے نام کا ذکر کیا ہے، جس کے متعلق حافظ سید مرتضیٰ بلگرامی لکھتے ہیں: ''روى أبوعوانة عن أبي بشر عنه'' (ابوعوانہ نے بواسطۂ ابوبشر ان سے روایت کی ہے)۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے علاوہ جن چار ناموں کو شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے بالاتفاق سلاّم بتخفیف لاّم لکھا ہے اُن میں اختلاف ہے، البتہ شیخ بخاری محمد بن سلام بیکندی کے متعلق جمہور محدثین کی رائے یہی ہے کہ اس کو بتخفیف لام پڑھنا ہی زیادہ صحیح ہے، حافظ سید مرتضیٰ زَبیدی تاج العروس (مادہ سلم) میں رقمطراز ہیں:

''اختلف في سلام بن أبي الحقيق، وسلام بن محمد بن ناهض، وقيل سلامة، روى عنه أبو طالب الحافظ (وسعد بن جعفر بن سلام) السيدي عن ابن البطي، مات سنة أربع عشرة ومائتين (ومحمد بن سلام البيكندي) الحافظ شيخ البخاري صاحب الصحيح، روى عن إسماعيل بن جعفر وطبقته، مات سنة خمس وعشرين ومأتين .... ضبط الخطيب وابن ماكولا والد شيخ البخاري بالتخفيف، وقال صاحب المطالع: "نقله الأكثر. وهكذا ذكره غنجار في تاريخ بخارا بالتخفيف، قال الحافظ: وإليه المفزع والمرجع.

قلت: وقد ضبطه بعض بالتشديد، وكأنّه اشتبه عليه بمحمد بن سلام بن السكن البيكندي

٢- محمد بن سلام (١) بیکندی کے والد جو امام بخاریؒ کے استاد تھے، بیکند، بؔ کے زیر اور یؔ کے سکون کے ساتھ ہے، یہ تاشکند کی طرح ایک بستی کا نام ہے، جو بخارا کے مضافات میں سے ہے۔

الصغير الراوي عن الحسن بن سوّار البغوي وعنه عبيد الله بن واصل، وهو من أقرانه، وقد ألف فيه الحافظ، معيار النسب ابن الجواني رسالة نفيسة في بابها سماها "رفع الملام عمن خفف والد شيخ البخاري محمد بن سلام"، رجح فيها التخفيف، وأورد النقول بما في إيراده طول.''

سلاؔم بن ابی الحقیق اور سلاؔم بن محمد بن ناہض میں اختلاف ہے، اور بعض نے سلام بن محمد کا نام سلاؔمہ ذکر کیا ہے، یہ حافظ ابو طالب سے راوی ہیں، اور سعد بن جعفر سیدی از ابن بطی (المتوفی ٢١٤ھ) اور حافظ محمؔد بن سلام بیکندی جو بخاری صاحب ''الصحیح'' کے شیخ ہیں، اسماعیل بن جعفر اور اس طبقہ کے علماء سے راوی ہیں، ان کا انتقال ٢٥٢ھ میں ہوا ہے، خطیؔب اور ابن ماکولا نے شیخ بخاری کے والد کا نام تخفیف لام سے ضبط کیا ہے، اور صاحب المطالع کا بیان ہے کہ اکثر نے اس کو نقل کیا ہے، اور اس طرح غنجار نے اس کو اپنی تاریخ بخارا میں تخفیفِ لام کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

حافظ ابن حجر کا قول ہے کہ اس معاملہ میں غنجار ہی پر دارو مدار ہے۔

میں کہتا ہوں (مرتضیٰ زبیدی) کہ بعض نے اس کو تشدید لام کے ساتھ بھی ضبط کیا ہے، یہ گویا انہیں محمد بن سلام بیکندی صغیر سے جو حسن بن سوّار بغوی اور عبید اللہ بن واصل سے راوی ہے، دھوکہ ہوا ہے حالانکہ وہ سلام بیکندی کے معاصرین میں سے ہے، اور حافظ معیار النسب ابن الجوانی نے اس بحث میں ایک نفیس رسالہ سپرد قلم کیا ہے، اور اس کا نام ''رفع الملام عمن خفف والد شيخ البخاري محمد بن سلام '' رکھا ہے، اس میں بہت سے اقتباس پیش کئے ہیں جن کا نقل کرنا موجبِ طوالت ہے۔

(١) ''محمد بن سلام بیکندی'' حفاؔظ حدیث میں سے ہیں، سہل بن المتوکل کا بیان ہے کہ میں نے محمد بن سلام کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے حدیث کی طلب میں چالیس ہزار دینار خرچ کئے تھے، اور اتنے ہی اس کی نشر و اشاعت میں خرچ کئے ہیں۔

محدث بیکندی اصلاً بیکندی نہ تھے، ابن القیسراني (المتوفی ٥٠٧ھ) کتاب ''الجمع بين رجال الصحيحين'' (٢/٤٥٩، طبع حیدر آباد دکن ١٣٢٣ھ) میں لکھتے ہیں:

''يقال له البيكندي ولم يكن منهم، كان نازلاً فيهم وهو مولى أسامة بن لوئ من قريش بصري. ''(اس کو بیکندی کہا جاتا ہے اگر چہ وہ بیکندیوں میں سے نہیں ہے، وہ ان میں آ کر ٹھہرے، موصوف کو اسامہ ابن لوئ قریشی سے ولاء کی نسبت حاصل ہے اور وہ بصری ہیں)۔

حافظ شمس الدین محمد الذہبیؒ ''المشتبه'' (ص: ٢٨٢، طبع لیڈن ١٨٦٣ء) میں تحریر فرماتے ہیں:

۳......سلام بن محمد بن ناہض المقدسی، یہ صحاح ستہ کے راویوں میں سے نہیں ہیں، لیکن حافظ ابو طالبؔ اور طبرآنی نے ان سے روایت کی ہے، اوران کو سلاؔمہ کے نام سے یاد کیا ہے۔

۴......محمد بن عبدالوہاب بن سلام [۱] مغربی معتزلی، محمد کا دادا یہ بھی صحاح ستہ کے راویوں میں سے نہیں ہے۔

۵......سلام [۲] بن ابی الحقیق، یہودی تھا اور حضور اکرم ﷺ سے دشمنی اور عداوت رکھتا تھا، اس کی شرارت، فساد کا ذکر بہت سی حدیثوں میں آیا ہے۔

''محمد بن سلام البيكندي الحافظ، شيخ البخاري ماذكر فيه الخطيب وابن ماكولا سوى التخفيف، وقال صاحب المطالع: ثقّله الأكثر، كذا قال ولم يتابع، وقد ذكره غنجار في تاريخ بخارا وإليه المَفزع والمرجع بالتخفيف، بَلَى المثقل محمد بن سلّام بن السكن البيكندي الصغير عن الحسن بن سوّار البغوي، وعنه عبيد الله بن واصل وهو من أقرانه.''

حافظ محمد بن سلام بیکندی شیخ بخاری کے متعلق خطیب اور ابن ماکولا نے تخفیف لام کے سوا کچھ نہیں ذکر کیا، اور صاحب المطالع کا بیان ہے کہ اکثر علماء نے اس کو تشدیدِ لام سے نقل کیا ہے، اور صاحب مطالع نے بھی اسی طرح کہا ہے، لیکن کسی نے ان کی متابعت نہیں کی، غنجار نے تاریخ بخارا میں اس کا ذکر تخفیفِ لاؔم سے کیا ہے، اور انہی کے بیان پر دارومدار ہے، ہاں مشدّد محمد بن سلاّم بن سکن بیکندی صغیر ہے جو حسن بن سوّار بغوی سے اور اس سے عبیداللہ بن واصل راوی ہے، وہ ان کے ہمعصروں میں سے ہے۔

۶۴ سال کی عمر میں صفر ۲۲۵ھ میں انتقال ہوا

حالات کے لئے ملاحظہ ہو: تذكرة الحفاظ:۲ /٤٢٢، كتاب العبر:۱/ ۳۹٥، تهذيب التهذيب:۹/ ۲۱۲، إعلام بوفيات الأعيان: ۱۰۰، سير أعلام النبلاء: ۱۰/ ٦۲۸، تاريخ الإسلام:٥ /٦٧٤، تهذيب الكمال:١٦/٣٤٢.

(۱) ابوعلی الجبائی ۲۳۵ھ میں پیدا ہوا، مشہور معتزلی ہے، امام ابوالحسن علی اشعریؒ کا استاد تھا، امام اشعری نے سب سے پہلے اس کی تردید میں قلم اٹھایا، ۳۰۳ھ میں اس کا انتقال ہوا تھا۔

واضح رہے جُبی کی طرف جُبائی کی نسبت خلافِ قیاس ہے، یاقوت رومی "معجم البلدان" میں لکھتے ہیں:

''جُبيّ بالضم ثم التشديد والقصر بلد أو كورة من عمل خوزستان''

جُبی میں جیؔم مضموم، بؔ مشدد اور یؔ میں قصر ہے، یہ خوزستان کے مضافات میں شہر یا قصبہ ہے۔

حالات کے لئے ملاحظہ ہو: وفيات الأعيان: ٤ /٢٦٧، البداية والنهاية: ١١/ ١٢٥، المنتظم: ١٣/ ١٦٤.

(۲) ''سلام بن ابی الحقیق''، یہ ایک نہایت بااثر اور مالدار تاجر تھا، خیبرؔ میں رہتا تھا اور حضور اکرم ﷺ کو بڑی اذیت

اِن پانچ ناموں کوتخفیفِ لام کے ساتھ پڑھنا چاہئے۔(محاسن الاصطلاح میں سراج الدین بلقینیؒ نے سَلاَم بتخفیف اللام چھٹا اور ساتواں بھی ذکر کیا ہے، چنانچہ ص:۳۰۱ پر رقمطراز ہیں: فائدہ: اور سلام لام کی تخفیف کے ساتھ) چھٹا یہ ہے کہ سلاَم بن ابی الدلف جو ابوالحسن علی بن یوسف صوفی بغدادی کے جدامجد ہیں، علی بن یوسف سے ابومحمد تونی نے روایت کیا ہے، اورانہوں نے سلام بن ابی الدلف کو تخفیف کے ساتھ ضبط کیا ہے، اور ساتواں جعفر سندی کا والد ماجد ہے، ابن نقطہؒ فرماتے ہیں کہ موصوف کا انتقال ۲ جمادی الاولیٰ ۴۱۷ھ کو ہوا ہے اور موصوف کا سماع صحیح ہے۔)

قاعدہ: عمارَہ جس جگہ بھی ہوگا عین مہملہ کے پیش کے ساتھ ہوگا مگر ابی بن عمارہ [1] صحابیؓ کے والد کا نام عین کے زیر (کسرہ) کے ساتھ ہے۔

(دیکھئے: محاسن الاصطلاح: ۳۰۲، تدريب الراوي: ٥٦٢، الإكمال: ٦/ ٢٧١، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٥٢، التقييد: ٣٨٢، المقنع: ٥٩٥، المشتبه للذهبي: ٤٧٠-٤٧١، تبصير المنتبه لابن حجر: ٩٦٩، التقييد والإيضاح للعراقي: ٣٣٤-٣٣٥، شرح التبصرة والتذكرة للعراقي: ٢/ ٢١٩)

پہنچاتا تھا، غزوۂ خندق میں اس نے کفار کی خوب مدد کی تھی، قبیلۂ خزرج کے بعض صحابہؓ نے اس کو اس کے محل میں جا کر قتل کیا تھا، محدث ابن الصلاح (المتوفی ۶۴۳ھ) معرفة أنواع علم الحديث المعروف بالمقدمة (ص:۱۷۲) میں رقمطراز ہیں:

"قال المبرد في "كامله": وليس في العرب سلام مخفف اللام إلّا والد عبدالله بن سلام وسلام بن أبي الحقيق" مبرد نے کتاب الکامل میں کہا ہے کہ کلام عرب میں سلام تخفیفِ لام کے ساتھ بجز عبداللہ بن سلام اور سلام بن ابی الحقیق کے اور کوئی نہیں ہے۔

جستجو اور تلاش کے باوجود الکامل کے مطبوعہ نسخوں میں یہ عبارت نہیں ملی، البتہ ابن ماکولا نے "الإكمال" میں مبرد کا یہ قول ذکر کیا ہے۔

(۱) عجالۂ نافعہ کے مطبوعہ نسخوں میں عـمـارَ چھپا ہے، لیکن صحیح عـمـارَہ ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ "تهذيب التهذيب" (۱/ ۱۸۷) میں لکھتے ہیں:

"أبي بن عمارة بكسر العين وقيل بضمها والأول أشهر، يقال ابن عبادة المدني سكن مصر"

ابی بن عمارہ کسرۂ عین سے ہے، بعض کا قول ہے کہ ضمۂ عین کے ساتھ ہے، اول زیادہ مشہور ہے، اور کہا جاتا ہے کہ ابن عبادہ مدنی مصر میں رہے ہیں۔

حافظ سخاویؒ فتح المغيث (ص:۴۳۲، طبع انوار محمدی لکھنؤ، ۱۳۰۳ھ) میں تحریر فرماتے ہیں:

"أبي بالضم مصغر بن عمارة الصحابي المخرج حديثه في "أبي داؤد" و"ابن ماجة"

قاعدہ: کریز جہاں بھی ہوگا کاف کے زبر (فتحہ) سے آئے وہ قبیلۂ خزاعہ میں سے ہے، اور جہاں کاف کے پیش کے ساتھ آئے گا اور مصغر ہوگا وہ قبیلہ عبدشمس سے ہے، یعنی جس کا نام کریز ہے اس کا نسب دیکھنا چاہئے، اگر خزاعی ہے تو وہ کاف کے زبر (فتحہ) کے ساتھ ہے، اور عبشمی (قبیلۂ عبدشمس سے) ہے تو اس کو کُریز پڑھنا چاہئے (۱)۔

(دیکھئے: محاسن الاصطلاح: ۳۰۲، تدریب الراوي: ٥٦٢، الإكمال: ٧/ ١٣٠، معرفة أنواع علم الحديث لابن الصلاح: ٤٥٢، الموتلف والمختلف: ٤/ ١٩٥٧، كتاب الثقات لابن حبان: ٦/٥٤، الموتلف والمختلف لعبدالغني: ١٠٨، المقنع لابن الملقن: ٥٩٦، المشتبه للذهبي: ٥٥١، تبصير المنتبه لابن حجر: ١١٩٣ - ١٢١٤، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/٢٢٠)

و "الحاكم"، وقيل إنه صلى القبلتين خاصةً "ابی بن عمارہ صحابی ہیں، ابی پیش کے ساتھ مصغر ہے، یہ وہ صحابی ہیں جن سے ابوداؤد، ابن ماجہ اور حاکم نے حدیث نقل کی ہے، بعض کا قول ہے کہ انہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی ہے۔

محمد بن طاہر پٹنی (المتوفی ۹۸۶ھ) کتاب المغنی مطبع فاروقی دہلی ص ۲۴۵ میں لکھتے ہیں:

"عمارة كله بضم عين ...... وهو كله بالضم والخفة إلّا أبي بن عمارة فكسره أشهر، وقيل عبادة بموحدة إلّا جماعة ذكرهم ابن ماكولا فيفتح وشدة، وعمم ابن الصلاح الضم فيمن عداه."

عمارہ نامی سب کے سب ضمۂ عین اور تخفیف میم کے ساتھ ہیں البتہ ابی بن عمارہ میں کسرہ زیادہ مشہور ہے، اور بعض کا قول ہے کہ یہ عبادہ بائے موحدہ کے ساتھ ہے، مگر ایک جماعت ہے کہ جس کا ذکر ابن ماکولا نے کیا ہے، وہ مفتوح اور مشدد ہے، اور ابن صلاح نے اس نام کے سوا ہر ایک میں ضمہ عام کردیا ہے۔

شمس الدین الذہبی کتاب "المشتبه" میں لکھتے ہیں: "عُمارة كثير، وبالكسر عِمَارة: أبي بن عِمَارة صحابي، وبالتثقيل: جعفر بن أحمد بن عمّارة." (صفحہ ۳۷۲) عمارہ بہت سے ہیں، اور عمارہ ابی بن عمارہ کسرہ کے ساتھ صحابی کا نام ہے، اور تشدید میم کے ساتھ جعفر بن احمد بن عمّارہ ہے۔

مذکورہ بالا بحث میں شاہ عبدالعزیزؒ نے محدث ابن صلاح کے قول کو اختیار کیا ہے، نیز راویوں کے ناموں کی اس بحث میں موصوف نے مقدمہ ابن الصلاح کی نہایت کامیاب تلخیص کی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس میں ناموں کی ترتیب بھی وہی ہے جو مقدمہ ابن صلاح میں مذکور ہے۔

(ملاحظہ ہو: تهذيب الكمال: ۱/۲۶۵، الكاشف في معرفة من له رواية في كتب الستة: ۱/۹۸)

(۱) یہ اصول ابوعلی الغسانی نے کتاب "تقييد المهمل" میں محدث محمد بن وضاح سے نقل کیا ہے۔

محدث ابن صلاح المقدمة ص: ۳۳۵ میں لکھتے ہیں:

....

''حكى أبو علي الغساني في كتابه "تقييد المهمل" عن محمد بن وضاح أن كَريزا بفتح الكاف في خزاعة، و كُريزا بضمها في عبد شمس بن عبد مناف.''

ابوعلی غسانی نے اپنی کتاب ''تقييد المهمل '' میں محمد بن وضاح سے نقل کیا ہے کہ خزاعہ میں کریز فتح کاف کے ساتھ ہے، اور عبد شمس بن عبد مناف میں ضمہ کاف کے ساتھ ہے۔

واضح رہے ان دونوں جگہ کے علاوہ بھی کُریز بالضم موجود ہے، ابن صلاح لکھتے ہیں:

''كُريز بضمها موجود أيضا في غيرهما '' کُریز ضمۂ کاف کے ساتھ ان دونوں قبیلوں کے علاوہ اوروں میں بھی موجود ہے۔

ابن الخطیب الدہشۃ (المتوفی ۸۳۴ھ) ''تحفة ذوي الأرب'' (ص:۶۹ طبع لیڈن ۱۹۰۵ء) میں رقمطراز ہیں:

''كَريز بالفتح طلحة بن عبيد بن كريز، عن أبي الدرداء وابن عمر ورواه بعضهم بالضم وهو وهم، وكان بعضهم يقول: كريز في قريش على وزنه، وكريز في خزاعة، وبعضهم يقول: التصغير في عبيد الله مع التكبير في كريز والتكبير في عبد الله مع التصغير في كريز وطلحة بن عبد الله بن كريز.''

کریز فتحہ کے ساتھ طلحہ بن عبید اللہ بن کریز ہے، یہ حضرت ابوالدرداء اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، اور بعض نے اس میں ضمہ بیان کیا ہے اور یہ وہم ہے، بعض کہتے ہیں قریش میں کریز بروزن قریش ہے، اور کریز خزاعہ میں ہے، بعض کہتے ہیں عبید اللہ مصغر کے ساتھ کریز مکبر ہے، اور عبد اللہ مکبر کے ساتھ کریز مصغر ہے، اور طلحہ بن عبد اللہ بن کریز ہے۔

حضرت طلحہ بن عبد اللہ بن کریز کی روایت صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد میں موجود ہے، عبد اللہ بن عامر بن کریز (المتوفی ۵۹ھ) کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہوا ہے، لیکن حدیث کا سننا ثابت نہیں ہے، اس لئے ان کی روایتیں مرسل ہیں۔

علامہ زین الدین عراقی ''التقييد'' (ص:۵۲۳، طبع حلب ۱۹۳۱ء، وص:۲۳۱، طبع عباس احمد الباز) میں لکھتے ہیں:

'' أمّا عبد الله بن عامر بن كريز فإن النبي ﷺ أتِي به وهو صغير فتفل في فيه من ريقه، قال ابن عبد البرّ: وما أظنه سمع منه ولا حفظ عنه، بل حديثه مرسل.''

لیکن عبد اللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا جب کہ بچہ تھے تو آپ نے اپنا لعاب دہن ان کے منہ میں ڈالا، حافظ ابن عبد البر کا بیان ہے کہ میں نہیں سمجھتا کہ انہوں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہو اور آپ سے کچھ یاد رکھا ہو، بلکہ ان کی حدیث مرسل ہے۔

حالات کیلئے دیکھئے: العبر: ۱/ ۶۴، تهذيب الكمال: ۹/ ۲۵۹، تهذيب التهذيب: ۵/ ۲۰، تاريخ الإسلام: ۳/ ۴۳۵.

قاعدہ: حزام اگر یہ راوی قرشی ہے تو اس کو زائے معجمہ اور حائے مہملہ کے زیر (کسرہ) کے ساتھ پڑھنا چاہئے، اور اگر انصاری ہے تو حائے مہملہ کے زبر (فتحہ) اور رائے مہملہ کے ساتھ پڑھنا چاہئے [1]۔

(دیکھئے: معرفة أنواع علم الحديث لابن الصلاح: ٤٥٢، التقييد: ٣٨٢، محاسن الاصطلاح: ٥٣١، المقنع: ٥٩٦، المشتبه للذهبي: ٢٢٤، تبصير المنتبه: ٤٢٣– ٤٢٥، التقييد والإيضاح للعراقي: ٣٣٦، شرح التبصرة والتذكرة للعراقي: ٢/٢٢١)

قاعدہ: عسل ہر جگہ عین مہملہ اور سین مہملہ کے سکون کے ساتھ ہے، مگر عسل بن ذکوان الاخباری البصری عین اور سین مہملہ کے زبر (فتحہ) کے ساتھ ہے، البتہ اس کا ذکر صحیحین میں نہیں ہے [2]۔

(دیکھئے: معرفة أنواع علم الحديث لابن الصلاح: ٤٥٣، المؤتلف والمختلف: ٣/١١٨٥، المقنع: ٥٩٨، المشتبه للذهبي: ٤٦٢، تبصير المنتبه لابن حجر: ٩٥٤–٩٥٥، التقييد والإيضاح للعراقي: ٣٣٩، شرح التبصرة والتذكرة للعراقي: ٢/٢٢٣)

قاعدہ: غَـنّام ہر جگہ غین معجمہ کے زبر (فتحہ) اور نون مشددہ پر زبر (فتحہ) کے ساتھ ہے مگر عثام بن علی العامری [3] الکوفی عین مہملہ اور ثائے مثلثہ کی تشدید کے ساتھ ہے،..........................

---

(۱)　واضح رہے حـزام اور حـرام کا جو قاعدہ بیان کیا گیا ہے یہ قریش اور انصار کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ بعض اور قبیلوں میں بھی ان ناموں کے راوی موجود ہیں، مگر حرام نام کے راویوں کی تعداد زیادہ ہے، (التقييد والإيضاح ص۳۳۶۔)

(۲)　"عِسل" نام کا صرف ایک راوی ابوقرہ عسل بن سفیان تمیمی بصری ہے جو عطاء بن ابی رباح اور ابن ابی ملیکہ سے راوی ہے، اور ان سے ابراہیم بن طہمان اور شعبہ وغیرہ روایت کرتے ہیں، ابوداؤد اور امام ترمذی نے ان سے حدیث نقل کی ہے۔

ابوعلی عسل بن ذکوان عسکری اہل عسکر مکرم سے ہے، مازنی اور ریاشی وغیرہ سے روایت کرتا ہے، محمد بن اسحٰق نے اس کا ذکر کیا ہے مگر تاریخ وفات بیان نہیں کی ہے، یہ مبرد کا معاصر تھا، "الجواب المسكت" اور "كتاب أقسام العربيه" اس کی تالیفات میں سے ہیں۔

دیکھئے: معجم الأدباء: ٥/ ٥٦، تاريخ الإسلام: ٣/ ٩٢٨، تهذيب الكمال: ١٣/٣٤، الإكمال: ٦/٣٠٦.

(۳)　ابوعلی عثام بن علی بن ہجیر عامری کوفی، ثقہ اور صدوق ہیں، حضرت اعمش، ہشام بن عروۃ وثوری اور یونس ابن ابی اسحٰق وغیرہم سے روایت کرتے ہیں، امام ترمذی فرماتے ہیں: ۱۹۴ھ میں وفات پائی، اور ابن سعد کا بیان ہے کہ ۱۹۵ھ میں انتقال ہوا۔

حالات کے لئے ملاحظہ ہو: العبر: ۱/۳۱۹، تهذيب التهذيب: ۷/۱۰۶، الجمع بين رجال الصحيحين: ۱/۴۰۷، تهذيب الكمال: ۱۲/۳۸۱)

اور پہلی قسم سے حضرت غنّام بن اوسؓ[1] صحابی بدری کا نام ہے۔

(مقدمة ابن الصلاح : ٤٥٣، المقنع: ٥٩٨، المشتبه للذهبي: ٤٨٧، تبصير المنتبه: ١٠٤٨-١٠٤٩، التقييد والإيضاح للعراقي: ٣٣٩، شرح التبصرة والتذكرة : ٢/٢٢٣-٢٢٤)

قاعدہ: قمیر ہر جگہ قمر کی تصغیر ہے، اور مرد کا نام ہے مگر قَمِیر[2] مسروق بن الاجدع کی بیوی اور عمرو کی بیٹی کا نام ہے، اس کو طویل کے وزن پر پڑھنا چاہئے۔

(تدريب: ٥٦٤، محاسن: ٣٠٤، الإكمال: ٧/١٠٠، مقدمة ابن الصلاح: ٤٥٣، المقنع: ٥٩٨، المشتبه للذهبي: ٥٣٤، تبصير المنتبه: ١١٣٧، شرح التبصرة والتذكرة للعراقي: ٢/٢٢٤-٢٢٥)

قاعدہ: مسور ہر جگہ اسم آلہ مِضْرَبٌ کے وزن پر ہے، مگر دو راویوں کا نام جن میں سے ایک مُسَوَّر بن یزید[3] صحابی، اور دوسرے مُسَوَّر بن عبدالملک[4] الیربوعی ہیں ان دونوں کو محمد کے وزن پر پڑھنا چاہئے۔

(محاسن الاصطلاح: ٣٠٤، تدريب: ٥٦٤، الإكمال: ٧/ ١٨٩، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٥٣، المقنع: ٥٩٨، المشتبه: ٥٨٩، تبصير المنتبه: ١٢٨٦، التقييد والإيضاح: ٣٣٩- ٣٤٠)

واضح رہے کہ ان کے فرزند علی بن غنام (المتوفی ۲۲۵ھ) امام مسلم اور امام نسائیؒ کے شیوخ میں سے ہیں، اور ان کے پوتے کا نام غنام بن علی بن غنام ہے۔ (تاریخ الإسلام: ۴/۱۱۶۶)

(۱) غنام بن اوس بن غنام خزرجی بیاضی، ابن کلبی اور واقدی کے قول کے مطابق بدری صحابہؓ میں سے ہیں۔

(۲) "قمیر بنت عمرو الکوفیۃ" مشہور تابعی حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ ہیں، اپنے شوہر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں، شعبی، محمد بن سیرین اور عبداللہ بن شبرمہ رحمہم اللہ ان سے روایت کرتے ہیں، سنن ابوداؤد اور سنن نسائی میں ان کی روایات موجود ہیں۔ (تهذيب التهذيب: ۱۲/۴۴۶، تهذيب الكمال: ۲۲/۴۰۵)

(۳) مسور بن یزید اسدی کاہلی صحابی ہیں، کوفہ میں سکونت اختیار کر لی تھی، یحییٰ بن کثیر کاہلی ان سے روایت کرتے ہیں، ابن سعد نے "الطبقات الکبری" میں طبقاتِ کوفیین میں ان کا تذکرہ کیا ہے، حافظ ابن عبدالبرؒ مالکی نے اس کو بکسر میم قرار دیا ہے، محمد بن طاہر پٹنی کتاب "المغنی" صفحہ ۲۷۱ میں لکھتے ہیں: "وابن عبد البر بمكسورة فساكنة، وميل البخاري إلى الأول، مسور كله بكسر ميم وخفة واو إلا ابنا يزيد وعبدالملك، فبضم وتشديد كمحمد" محدث ابن عبدالبر کے نزدیک میم مکسورہ اور سین ساکنہ کے ساتھ ہے، اور بخاری کا میلان اول کی طرف ہے، مِسْوَر ہر جگہ بکسر میم اور تخفیف واو کیساتھ وارد ہے، مگر یزید اور عبدالملک کے فرزند بضم میم اور تشدید واو کے ساتھ محمد کے وزن پر آئے ہیں۔

(۴) مسور بن عبدالملک اور مسور بن مرزوق کی تشدید میں امام بخاری کی تاریخ کبیر کے نسخوں کے باہمی اختلاف

فائدہ بعض نسبتوں کے بیان میں

قاعدہ: جس جگہ بھی لفظ جمّال آئے وہ جیم کے ساتھ ہے مگر موسیٰ بن ہارون [(۱)] الحمال کے باپ کا نام حائے مہملہ کے ساتھ ہے۔

(تدريب: ٥٦٤، محاسن الاصطلاح: ٣٠٥، مقدمة ابن الصلاح: ٤٥٤، المقنع: ٥٩٩، المشتبه للذهبي: ١٧١- ١٧٢، تبصير المنتبه بتحرير المشتبه: ٣٤٧، التقييد والإيضاح: ٣٤١، شرح التبصرة والتذكرة للعراقي: ٢/٢٢٥- ٢٢٦)

سے اختلاف رونما ہوا ہے، چنانچہ سید مرتضیٰ زبیدی تاج العروس مادہ ''سور'' میں رقمطراز ہیں: ''مسور (کمعظم) بن عبد الملك اليربوعي محدّث حدّث عنه معن القزاز. قال الحافظ ابن حجر: واختلفت نسخ البخاري في هذا وفي المسور ابن مرزوق، هل هما بالتخفيف أو التشديد، والمسور بن يزيد الأسدي المالكي الكاهلي صحابي، وحديثه في كتاب مسند ابن أبي عاصم وفي المسند.''

مسوّر (معظم کے وزن پر ہے) ابن عبد الملک یربوعی محدث ہیں، اور معن القزاز ان سے راوی ہیں، حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ ان کے متعلق بخاری کے نسخوں میں اختلاف ہے، اور مسوّر بن مرزوق کے متعلق بھی، کہ آیا یہ دونوں نام مخفف ہیں یا مشدد ہیں، اور مسور بن یزید اسدی مالکی کاہلی صحابی ہیں، اور ان کی حدیث ابن ابی عاصم کی مسند میں اور مسند احمد میں موجود ہے۔

واضح رہے کہ محدثین نے ان دونوں ناموں کو مشدد ہی ضبط کیا ہے، حافظ ذہبی کتاب ''المشتبه'' کے صفحہ ۴۸۲ میں لکھتے ہیں:

''مِسور طائفة، وبالتشديد مُسوَّر بن يزيد، له صحبة، ومُسوَّر بن عبد الملك اليربوعي حدث عنه معن القزاز'' مِسور نام کی ایک جماعت ہے، اور تشدید کے ساتھ مسور بن یزید نامی ایک صحابی ہیں، اور مسوّر بن یزید یربوعی محدث، معن قزاز کے شیخ ہیں جن سے وہ روایت کرتے ہیں۔

(۱) موسیٰ بن ہارون بن عبد اللہ البغدادی ۲۱۴ھ میں پیدا ہوئے، فن حدیث کی تحصیل اپنے والد اور علی بن جعد، امام احمد بن حنبل اور اس طبقہ کے دوسرے محدثین سے کی۔

ابو سہل القطان، ابو طاہر الذہلی، ابو بکر الشافعی اور امام طبرانی ان سے روایت کرتے ہیں، محدث ضبعی کا قول ہے: ہم نے حفاظِ حدیث میں موسیٰ بن ہارون سے زیادہ پرہیزگار اور خدا ترس نہیں دیکھا، ایک سال بغداد میں گزارتے اور

....

دوسرے سال مکہ میں رہتے تھے، شعبان ۲۹۴ھ میں وفات پائی۔ (ملاحظہ ہو: تذکرۃ الحفاظ: ۲/ ۶۷۰)

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ تاریخ الاسلام (۶/ ۱۰۵۹-۱۰۶۰) میں رقمطراز ہیں:

''کان إمام عصره في الحفظ والإتقان ...... قال الضبعي: مارأيت في حفاظ الحديث أهيب، ولا أورع من موسى بن هارون، قال الخطيب: كان ثقة حافظًا''

موصوف حفظ واتقان میں اپنے عصر کے امام تھے، ضبعی فرماتے ہیں کہ میں نے حفاظ حدیث میں موسیٰ بن ہارون سے زیادہ خداترس و پرہیزگار کوئی نہیں دیکھا، خطیب نے فرمایا: موصوف ثقہ اور حافظ حدیث تھے۔

موسیٰ بن ہارون باپ اور بیٹے دونوں حمّال کہلاتے ہیں، حافظ شمس الدین الذہبیؒ ''المشتبه'' (ص: ۱۱۳-۱۱۴) میں فرماتے ہیں: ''الحمّال...... هارون بن عبدالله الحمال، وابنه موسى بن هارون الحمّال، الحافظ هارون بن عبد الله المعروف بالحمال'' حمال سے ہارون بن عبداللہ الحمال اور ان کے فرزند موسیٰ بن ہارون الحافظ مشہور ہیں۔

ہارون بن عبداللہ المعروف بالحمال ۱۹ شوال ۱۷۱ھ یا ۱۷۲ھ میں پیدا ہوئے، ابن عیینہ، روح بن عبادہ، ابوداؤد طیالسی وغیرہ سے راوی ہیں، امام بخاریؒ کے علاوہ امام مسلم، نسائی، ابوحاتم، ابوزرعہ ان سے روایت کرتے ہیں، ۲۴۹ھ میں انتقال ہوا، لیکن حافظ ذہبیؒ نے "العبر" (۱/ ۴۳۹) میں موصوف کا ذکر ۲۴۳ھ کی وفیات میں کیا ہے۔

حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں: عبدالغنی سے منقول ہے کہ موصوف بزاز تھے، جب زہد وتقویٰ اختیار کیا تو حمالی کر کے پیٹ بھرنے لگے، اس لئے حمال مشہور ہوگئے، حافظ خلیل اور ابن الفلکی کا خیال ہے کہ انہوں نے چونکہ بارِ علم اٹھایا تھا اس وجہ سے حمال لقب پڑ گیا تھا، ابن الصلاح کے نزدیک یہ توجیہ صحیح نہیں، اگرچہ ابن الصلاح کا مذکورہ بیان خود محل نظر ہے۔

حافظ عراقی ''التقييد والإيضاح'' (ص: ۳۴۱) میں لکھتے ہیں: ''موصوف کے فرزند حافظ موسیٰ بن ہارون اپنے باپ کو زیادہ جانتے تھے، ابومحمد بن الجارود نے "الکنی" میں ان کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ ہارون پہلے حمالی کرتے تھے، پھر پارچہ فروشی کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔''

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ تهذيب التهذيب (۱۲/ ۳۴۳) میں لکھتے ہیں: ''الحمّال هو هارون بن عبدالله البزاز، قيل له: "الحمال" لأنه حمل رجلاً على ظهره في طريق مكة، قاله الدار قطني، وقيل غير ذلك''

حمال وہ ہارون بن عبداللہ بزاز ہیں، ان کو حمال اس لئے کہا گیا کہ انہوں نے مکہ کے راستہ میں ایک شخص کو اپنی پشت پہ اٹھالیا تھا، یہ دارقطنی کا بیان ہے، اور اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔

واضح رہے کہ مذکورۂ بالا ضابطہ کا تعلق صفت کے ساتھ ہے ورنہ علَم کی صورت میں چند نام اور بھی ہیں، حافظ عراقی

قاعدہ: عبشي (۱) اس شکل میں اگر بصریوں کی سندوں میں آجائے، ....

(المتوفی ۸۰۶ھ) "التقیید والإیضاح" (ص:۳۴۱) میں لکھتے ہیں: "حمال بن مالك الأسدي شهد القادسية، وأبيض بن حمال المازني صحابي، له في السنن أحاديث." "حمال بن مالک اسدی جنگ قادسیہ میں شریک ہوئے تھے، اور ابیض بن حمال مازنیؓ صحابی ہیں، ان کی متعدد حدیثیں سنن میں موجود ہیں۔

موصوف کے متعلق علامہ شمس الدین الذہبیؒ "تاريخ الإسلام" (۱۲۶۹/۵) میں رقمطراز ہیں:

"عن سفيان بن عيينة وأبي أسامة، وعبدالله بن نُمير، وأبي داؤد الطيالسي وغيرهم، وعنه مسلم وغيره ...... وقال النسائي ثقة."

موصوف سفیان بن عیینہ، ابواسامہ، عبداللہ بن نمیر اور ابوداؤد طیالسی وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے مسلم وغیرہ نے روایت کی ہے، امام نسائی فرماتے ہیں کہ موصوف ثقہ ہیں۔

ان کے علاوہ اور بھی محدثین ہیں جن کو حافظ عراقیؒ نے "التقييد والإيضاح" میں اور حافظ سخاویؒ نے "فتح المغيث بشرح ألفية الحديث" طبع انوار محمدی لکھنؤ ص ۴۳۷ میں نام بنام گنایا ہے۔

(المنتظم: ۵۷/۱۳، الإعلام بوفيات الأعلام: ۱۲۸)

(۱) عبسی: عبس بن بغیض کی طرف نسبت ہے، یہ قبیلہ کوفہ میں آکر آباد ہو گیا تھا، اسی وجہ سے کوفیوں کی سند میں تو عبسی پڑھتے ہیں، علامہ سمعانیؒ "الانساب" مادہ العبسی میں لکھتے ہیں

: "العَبسي بفتح العين المهملة وسكون الباء الموحدة وكسر السين المهملة إلى عبس بن بغيض بن ريث بن غطفان بن سعد بن قيس عيلان بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان، وهي القبيلة المشهورة التي ينسب إليها العبسيون بالكوفة، ولهم بها مسجد، وفيهم كثرة."

عَبسی میں عین مہملہ مفتوح، بائے منقوطہ ساکن اور سین مہملہ مکسور ہے، یہ عبس بن بغیض بن ریث بن غطفان بن سعد بن قیس عیلان بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان کی طرف نسبت ہے، یہ مشہور قبیلہ ہے جس کی طرف کوفہ کے عبسی منسوب ہیں، اور ان کی اس میں مسجد ہے، اور ان کی بڑی کثرت ہے۔

سید مرتضیٰ زبیدی تاج العروس "مادہ عبس" میں رقمطراز ہیں:

"عبس (محلة بالكوفة) نزلها بنو عبس، ومنها العبسيون المحدّثون، ومن الضوابط أن من كان من أهل الكوفة فهو بالموحدة منسوب إلى هذه المحلة، ومن كان من أهل الشام فهو بالنون، ومن كان من أهل البصرة فهو بالشين المعجمة، نقله الحافظ."

اس کو عیشی (۱) پڑھنا چاہئے یہ عیش کی طرف نسبت ہے جو موت کی ضد ہے، اور اگر کوفیوں کی سندوں میں آئے تو عبسی بائے موحدہ اور سین مہملہ سے پڑھا جائے۔

عبس کوفہ میں ایک محلّہ ہے جہاں بنو عبس آ کر اترے تھے، اور انہی میں سے عبسی محدثین ہیں، اور یہ بات قواعد کلیہ میں سے ہے کہ جو راوی اہل کوفہ میں سے ہوتا ہے وہ بائے موحدہ کے ساتھ اس محلّہ کی طرف منسوب ہے، اور جو شامی ہیں وہ نون کے ساتھ ہیں، اور جو اہل بصرہ ہیں وہ شین کے ساتھ ہیں، حافظ نے یہی نقل کیا ہے۔

(۱) "عیشی" ابن عائشہ کی طرف نسبت ہے، اور وہ بصری تھا، اس لئے یہ بھی بصری سے مشہور ہیں۔

حافظ عبدالکریم سمعانیؒ "الأنساب" مادہ العیشی میں لکھتے ہیں: ''العيشي بفتح العين المهملة وسكون الياء المنقوطة باثنتين من تحتها، وفي آخرها الشين المعجمة، هذه النسبة إلى عايشة والمشهور بها أبو عبد الرحمن عبيد الله بن محمد بن حفص بن عمر بن موسى بن عبيد الله بن معمر التيمي العيشي، يقال له ابن عايشة القرشي لأنه من ولد عائشة بنت طلحة بن عبيد الله التيمي من أهل البصرة، وجماعة ينتسبون إلى بني عايش، وهم نزلوا البصرة، وصارت محلة تنسب إليهم.''

عیشی عین مہملہ مفتوح اور یائے منقوطہ ساکن اور آخر میں شین معجمہ ہے، یہ عائشہ کی طرف نسبت اور اس نسبت سے ابو عبدالرحمٰن عبیداللہ بن محمد بن حفص بن عمر بن موسیٰ بن عبیداللہ بن معمر تیمی عیشی مشہور ہے، اس کو ابن عائشہ القرشی بھی کہا جاتا ہے؛ کیونکہ وہ اہل بصرہ میں عائشہ بنت طلحہ بن عبیداللہ تیمی کی اولاد میں تھا، اور ایک جماعت بنی عائش کی طرف منسوب ہے، اور یہ وہ لوگ تھے جو بصرہ میں اترے تھے، جہاں وہ اترے وہ جگہ بھی ان کی طرف منسوب ہوگئی ہے۔

شرف الدین یحییٰ نوویؒ (المتوفی ۶۷۶ھ) شرح مسلم مطبع اصح المطابع (۱/۳۷) میں لکھتے ہیں:

''وأما العيشي فبالشين المعجمة، وهو منسوب إلى بني عائش بن مالك بن تيم الله بن ثعلبة، وكان أصله العايشي، ولكنهم خففوه''

لیکن عیشی شین معجمہ سے بنی عائش بن مالک بن تیم اللہ بن ثعلبہ کی طرف منسوب ہے، اور عیشی اصل میں عائشی تھا، لیکن علماء نے اس کو مخفف کر کے عیشی بنالیا۔

واضح رہے یہ قاعدہ کلیہ نہیں، ابن الصلاح فرماتے ہیں: ''قلت: وقد قاله قبله الحاكم أبو عبد الله وهذا على الغالب'' (میں کہتا ہوں اور اس سے پیشتر حاکم بھی یہ کہہ چکے ہے اور یہ قاعدہ اکثری ہے)۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ نے ''البداية والنهاية'' میں محدثِ خراسان حسن بن سفیان (المتوفی ۳۰۳ھ) کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ یہ قاعدہ موصوف کے فوائد میں سے ہے، فرماتے ہیں:

اوراگر شامیوں کی سندوں میں آئے تو عنسی [1] پڑھنا چاہئے یعنی بائے موحدہ کے بجائے نون کے ساتھ پڑھیں۔
اس فن کی ایک پُر لطف بات یہ ہے کہ بعض جگہ ایسی ہیں جہاں اگر تصحیف (لفظی تغیر) ہو جائے تو غلطی شمار نہیں ہوتی، جس طرح سے بھی پڑھ لیں ٹھیک ہے، جیسے عیسیٰ [2] بن ابی عیسیٰ الحناط ....

''ومن فوائده : العبسي كوفي، والعيشي بصري ،والعنسي مصري''
اورانہی کے فوائد میں سے ہے کہ عبسی کوفی ہوتا ہے، اور عیشی بصری اور عنسی مصری ہوتا ہے۔
مذکورہ بالانسبتوں سے منسوب راویوں کے نام ابن الخطیب الدہشۃ نے ''تحفة ذوي الأرب' میں تفصیل سے لکھے ہیں۔

(۱) ''عنسی'' دراصل یمنی ہیں، یہ لوگ شام میں آکر آباد ہو گئے تھے اس لئے شامی عنسی سے مشہور ہیں، کتاب ''الأنساب'' میں ہے: ''العنسي بفتح العين المهمله وسكون النون، وفي آخرها سين مهملة، هذه النسبة إلى عنس ابن مالك بن أدد بن زيد، وهو من منحج في اليمن، وجماعة منهم نزل الشام أكثرها بهم.'' (کتاب الأنساب مادہ عنسی) عنسی میں عین مفتوح نون ساکن اور آخر میں سین مہملہ ہے، اور یہ عنس بن مالک بن اُدد بن زید کی طرف منسوب ہیں، اور مذحج یمن میں تھا، ان میں سے ایک جماعت شام میں آگئی، اس جماعت کے اکثر لوگ ان ہی میں سے ہیں۔

(۲) ابوموسیٰ عیسیٰ بن ابی عیسیٰ غفاری، اپنے والد میسرہ، انس، شعبی، عمرو بن شعیب اور ہشام بن عروہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے مروان بن معاویہ، وکیع، ابوخالد الاحمر وغیرہم راوی ہیں، ابوالشیخ نے تصریح کی ہے کہ موصوف نے ۱۵۱ھ میں وفات پائی ہے۔
شرف الدین یحییٰ نووی شرح صحیح مسلم (مطبع اصح المطابع ج ا ص ۲۰) میں لکھتے ہیں:
''وأما عيسى بن أبي عيسى فهو عيسى بن ميسرة أبو موسى، ويقال أبو محمد الغفاري المدني، أصله الكوفي، يقال له: الخيّاط والحنّاط والخبّاط، الأول إلى الخياطة، والثاني إلى الحنطة، والثالث إلى الخبط، قال يحيى بن معين: كان خياطاً ثم ترك ذلك، وصار حناطاً ثم ترك ذلك، وصار يبيع الخبط.''
اور بہر حال عیسیٰ بن ابی عیسیٰ تو وہ عیسیٰ بن میسرہ ابوموسیٰ ہے، اور ان کو ابومحمد غفاری مدنی بھی کہا جاتا ہے، اصل باشندے کوفہ کے تھے، اور موصوف خیاط، حناط، اور خباط تینوں نسبتوں سے مشہور ہیں، اول خیاطۃ کپڑے سینے کی طرف، اور دوم حنطہ گندم فروشی کی طرف، اور سوم خبطہ پتے بیچنے کی طرف نسبت ہے، یحییٰ بن معین کہتے ہیں: موصوف خیاط تھے پھر اس پیشے کو چھوڑ دیا، اور گندم فروش بن گئے، پھر اس کو بھی خیر باد کہا اور پتے بیچنے لگے۔
حافظ ابن حجرؒ تہذیب التهذيب (۸/۲۲۵) میں ابن سعد سے ناقل ہیں: ''قال ابن سعد: كان يقول:

اور مسلم حباط [1] اگر ان دونوں کو گندم فروشی کی نسبت کے اعتبار سے حنّاط پڑھیں تو بھی ٹھیک ہے، اور اگر حبط فروشی کی حیثیت سے حباط پڑھیں تو بھی صحیح ہے، حَبط حائے مہملہ کے زبر (فتحہ) اور بائے موحدہ اور آخر میں طاء مہملہ کے ساتھ بَبول کے پتوں کو کہتے ہیں، جن کو چوپایوں کے لیے اکٹھا کر کے بیچتے ہیں، اور سلائی کے پیشہ کی نسبت سے اگر خیّاط پڑھیں تو بھی درست ہے؛ کیونکہ ان دونوں راویوں نے یکے بعد دیگرے تینوں پیشے اختیار کئے تھے، لیکن اول میں حنّـاط گندم فروشی کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہے، اور دوسرے میں حباط یعنی حبط فروشی زیادہ معروف ہے۔

(تدریب: ٥٦٥، محاسن الاصطلاح: ٣٠٥، الإكمال: ٦/ ٣٥٢-٣٥٣-٣٥٦، مقدمة ابن الصلاح: ٤٥٢، المقنع: ٥٩٧، المشتبه للذهبي: 435 - 436، تبصير المنتبه: ٩٨٧ -٩٨٨، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/٢٢١-٢٢٢)

أنا خباط، و حناط، و خياط كلاً قد عالجت "ابن سعد نے کہا: وہ کہتے تھے میں نے پتے بھی بیچے ہیں، میں گندم فروش اور درزی بھی رہا ہوں، میں نے یہ سب کام کئے ہیں۔

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ تاریخ الإسلام (۱۷۹/۴) میں رقمطراز ہیں:

"وقال الفلاس والدار قطني: متروك الحديث." فلاس اور دارقطنی کہتے ہیں کہ موصوف متروک الحدیث ہیں۔

(تاریخ الإسلام: ۱۷۹/۴، الكاشف في معرفة من له رواية في الكتب الستة: ۳۷۰/۲)

(۱) مسلم بن ابی المسلم الخباط المکی، مدینہ میں سکونت پذیر تھے، حضرت ابو ہریرہ، ابوسعید، اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے راوی ہیں، اور ان سے عبدالرحمٰن بن اسحٰق، محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذئب اور ابن عیینہ وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

(ملاحظہ ہو: تعجيل المنفعة: ۴۰۱، طبع حیدرآباد دکن ۱۳۲۴ھ)

حافظ شمس الدین ذہبی "المشتبه" (ص: ۱۷۶) میں لکھتے ہیں:

"(الخباط) مسلم الخباط عن ابن عمر، ويقال: إنه عالج الأسباب الثلاثة."

مسلم الخباط حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ انہوں نے تینوں پیشے اختیار کئے تھے۔

(ملاحظہ ہو: كتاب الثقات: ۳۹۸/۵، التاريخ الكبير الجزء الرابع القسم الثاني: ۲۷۲)

فائدہ دیگر ناموں کے بیان میں

موطأ اور صحیح میں جہاں بھی یسار آئے گا تو اس کو سین مہملہ سے پہلے یائے تحتیہ کے ساتھ پڑھنا چاہئے، مگر محمد بن بشار کے [1] باپ کا نام بائے موحدہ اور شین معجمہ کے ساتھ ہے، اور موصوف امام بخاری اور امام مسلم کے استاد ہیں۔

(تدریب: ٥٦٦، محاسن الاصطلاح: ٣٠٥ - ٣٠٦، مقدمة ابن الصلاح: ٤٥٤، المقنع: ٦٠٠، المشتبه للذهبي: ٧٧-٧٨، تبصير المنتبه: ٨٢، التقييد والإيضاح للعراقي: ٣٤٢، شرح التبصرة والتذكرة للعراقي: ٢/٢٢٧- ٢٢٨)

---

(۱) ابوبکر محمد بن بشار بن عثمان العبدی البصری، حفاظِ حدیث میں سے ہیں، ۱۶۷ھ میں پیدا ہوئے، والدہ کی زندگی میں ان کی خدمت اور کفالت کرتے رہے، اس لئے حدیث کے لیے سفر نہ ہو سکا، ان کے انتقال کے بعد ان کی رحلت کا آغاز ہوا، موصوف مرحوم بن عبدالعزیز العطاء، معتمر بن سلیمان، غندر، اور یحییٰ بن سعید اور اس طبقہ کے نامور محدثین سے حدیثیں روایت کرتے ہیں، انہوں نے اٹھارہ برس کی عمر سے حدیثیں بیان کرنی شروع کی تھیں، ابن خزیمہ ابوالعباس السراج، ابن صاعد، ابن ابی داؤد وغیرہ ان سے روایت کرتے ہیں، امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے بھی ان سے کثرت سے روایتیں کی ہیں، ابوداؤد فرماتے ہیں: ''كتبت عن بندار خمسين ألف حديث.'' (تذكرة الحفاظ: ۲/۵۱۱)

میں نے بندار سے پچاس ہزار حدیثیں لکھی ہیں۔

موصوف اپنے لقب ''بندار'' سے زیادہ مشہور تھے، بندار کے معنی تھوک فروش کے ہیں۔

سید مرتضیٰ زبیدی ''تاج العروس'' میں فصل الباء من باب الراء میں تحریر فرماتے ہیں: ''في كتاب ابن الصلاح "معرفة أنواع علم الحديث": البندار من يكون مكثراً من شئ يشتريه منه هو دونه ثم يبيعه، قاله الطيبي في أول الدخان من حواشي الكشاف ...... و(بُندار) بالضم لقبه (محدِّث) حافظٌ، أحد أئمة السنة، ولذلك لقب بنداراً لأنه جمع حديث مالك، روى له أصحاب الأصول الستة، وبندار معناه الحافظ.''

ابن الصلاح کی کتاب "معرفة علوم الحديث" میں ہے: بندار وہ تاجر ہے جو مال کا ذخیرہ رکھ کر فروخت کرتا ہے، اور اس سے چھوٹے تاجر خرید کر فروخت کرتے ہیں، یہ معنی طیبی نے حواشی "کشاف" میں سورۂ دخان کے آغاز میں لکھے ہیں ......اور بُندار پیش سے محمد بن بشار کا لقب ہے، اور وہ حفاظ ائمہ حدیث میں سے تھا، اور ان کا بندار لقب اس وجہ سے مشہور ہوا کہ موصوف نے امام مالکؒ کی حدیثیں جمع کی تھیں، اور ان سے ارباب صحاح ستہ نے روایت کی، اور بندار کے معنی حافظ کے ہیں۔

موطأ اور صحیحین میں جہاں لفظ بشــــر آئے اس کو بائے موحدہ کے زیر (کسرہ) اور شین معجمہ کے ساتھ پڑھنا چاہئے، مگر چار راویوں کے نام بائے موحدہ کے پیش اور سین مہملہ کے ساتھ وارد ہیں: ۱- عبداللہ بن بسرؓ صحابی، (۱) ۲- بسر بن سعید، (۲) ....

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ تاریخ الإسلام (۶/ ۱۶۵-۱۶۶) میں تحریر فرماتے ہیں:

''كان بُندار عارفاً مُتقناً بصيراً بحديث البصرة ...... قال أبو حاتم: صدوق، وقال العجلي: ثقة، كثير الحديث، حائك.''

بندار عارف، متقن تھا، بصرہ کی احادیث میں بصیرت رکھتا تھا، ابوحاتم کہتے ہیں کہ موصوف صدوق ہیں، اور عجلی کہتے ہیں کہ موصوف ثقہ، کثیر الحدیث، جولاہے تھے۔

(۱) ابوصفوان عبداللہ بن بسر المازنی باپ اور بیٹے دونوں صحابی ہیں، اور آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں، ابو الزاہریہ حدیر بن کریب، خالد بن معدان، سلیم بن عامر، محمد بن عبدالرحمٰن الیحصبی، صفوان بن عمرو اور حریز بن عثمانؒ ان سے روایت کرتے ہیں۔ (تهذيب التهذيب: ۵/ ۱۵۹)

علامہ ابن القيسراني "الجمع بين رجال الصحيحين" (۱/ ۲۴۳) میں لکھتے ہیں کہ: ۸۸ھ میں وضو کرتے ہوئے اچانک ان کا انتقال ہوگیا، اور صحابہؓ میں شام کے اندر سب سے آخر میں انہی نے وفات پائی تھی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی تهذيب التهذيب (۵/ ۱۵۹) میں لکھتے ہیں: ''قلت: وقال أبو القاسم عبد الصمد بن سعيد الحمصي في الصحابة الذين نزلوا حمص: مات عبد الله بن بسر سنة ۹٦ وله مائة سنة. وكذا ذكر أبو نعيم في معرفة الصحابة.''

میں کہتا ہوں ابوالقاسم عبدالصمد بن سعید حمصی نے ان صحابہؓ کے تذکرہ میں جو حمص میں اترے تھے، لکھا ہے کہ عبداللہ بن بسر نے ۹۶ھ میں جب کہ وہ ۱۰۰ برس کے تھے وفات پائی، اور اسی طرح ابونعیم نے ''معرفة الصحابة'' میں بیان کیا ہے۔ (الإعلام بوفيات الأعلام: ۵۲، سير أعلام النبلاء: ۴/ ۴۱۰-۴۱۱)

(۲) بسر بن سعید المدنی تابعی ہیں، چونکہ دار الحضارمہ میں ان کی اقامت تھی اس لئے اس کی طرف منسوب ہیں، موصوف بلند پایہ محدث اور بڑے عابد و زاہد تھے، زید بن خالد، زید بن ثابت اور ابو ہریرہؓ سے راوی ہیں، ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن، زید بن اسلم، محمد بن ابراہیم تیمی وغیرہ ان سے روایت کرتے ہیں، امام مالکؒ فرماتے ہیں: جس وقت انتقال فرمایا کفن تک کے لیے کچھ نہیں تھا، واقدی کا بیان ہے کہ ۱۰۰ھ میں ۷۸ سال کی عمر میں وفات پائی۔

(تهذيب التهذيب: ۱/ ۴۳۷)

۳۔ بسر بن عبیداللہ حضرمی [۱] ہے۔ بسر بن محجن [۲]۔

(محاسن الاصطلاح: ۳۰۶، تدریب: ۵۶۶، مقدمة ابن الصلاح: ۴۵۵، المقنع: ۶۰۰/۱، المشتبه للذهبي: ۷۸-۷۹، تبصير المنتبه: ۸۴- ۷۶۹، التقييد والإيضاح للعراقي: ۳۴۲-۳۴۳، شرح التبصرة والتذكرة: ۲۲۸/۲- ۲۲۹)

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ نے تاریخ الإسلام (۱۰۶۵/۲) میں لکھا ہے: روى عن عثمان، وسعد بن أبي وقاص، وزيد بن ثابت، وأبي هريرة، وطائفة، روى عنه بُكير، ويعقوب ابنا عبد الله ابن الأشج، وسالم أبو النضر، وأبو سلمة بن عبد الرحمن، ومحمد بن إبراهيم التيمي، وزيد بن أسلم، وآخرون، وثّقه النسائي، وقبله يحيى بن معين. وقال محمد بن سعد: كان من العباد المنقطين والزهّاد، كثير الحديث، وَرد أن الوليد سأل عمر بن عبد العزيز مَن أفضل أهل المدينة؟ قال: مولى لبني الحضرمي يُقال له: بُسر.''

موصوف نے عثمانؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، زید بن ثابتؓ، ابو ہریرہؓ اور صحابہ ﷺ کی ایک جماعت سے روایت کیا ہے، ان سے بکیر، یعقوب ابنا عبداللہ بن الاشج، سالم ابوالنضر، ابوسلمة بن عبدالرحمٰن، محمد بن ابراہیم تیمی، اور زید بن اسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے، امام نسائی نے موصوف کی توثیق کی ہے، اور ان سے پہلے یحییٰ بن معین نے کی ہے، اور محمد بن سعد کہتے ہیں کہ موصوف بہت عبادت گزار اور پرہیز گاروں میں سے تھے، کثیر الحدیث تھے، اور یہ بھی مروی ہے کہ ولید نے عمر بن عبدالعزیز سے پوچھا کہ اہل مدینہ میں کون افضل ہے؟ فرمایا: کہ بنو حضرمی کا مولیٰ جس کا نام بسر ہے۔

(تهذيب الكمال: ۴۵/۳، سير أعلام النبلاء: ۵۹۴/۴)

(۱) بسر بن عبیداللہ الحضرمی الشامی، محدث واثلہ، عمرو بن عنبسہ، اور ابوادریس الخولانی وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے عبداللہ بن العلاء بن زبر، عبدالرحمٰن بن یزید اور زید بن واقد وغیرہ راوی ہیں، ابومسہر کا بیان ہے کہ ابوادریس خولانی کے شاگردوں میں موصوف سب سے بڑھ کر حافظ ہیں۔ (ملاحظہ ہو: تهذيب التهذيب: ۴۳۸/۱)

موصوف کے متعلق علامہ ذہبی تاریخ الإسلام: (۱۰۶۶/۲) رقمطراز ہیں:

''وكان ثقة جليل القدر، قال أبو مسهر: هو أحفظ أصحاب أبي ادريس، رحمه الله''

موصوف ثقہ اور بڑی قدر و منزلت والے تھے، ابومسہر کہتے ہیں کہ ابوادریس رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سب سے بڑھ کر حافظ تھے۔ (تهذيب الكمال: ۴۷/۳)

(۲) بسر بن محجن الدئلی مدینہ میں رہتے تھے، اپنے والد سے راوی ہیں اور ان سے زید بن اسلم روایت کرتے ہیں۔ تهذيب التهذيب (۴۳۸/۱) میں حافظ ابن حجرؒ کے بیان سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نام

ان تینوں کتابوں میں جہاں بھی لفظ بشیــر جو بشارت بمعنی خوشخبری سے ماخوذ ہے، اس کو طویل کے وزن پر پڑھنا چاہئے، مگر چار راویوں کے نام مصغر آئے ہیں، ان میں سے دو: ۱- بشیر بن کعب عدوی، (۱) ۲- اور بشیر بن یسار، (۲) شین معجمہ کے ساتھ ہیں، ....

میں اختلاف ہے، لیکن "الـمشتبــه" (ص:۹۷) میں ذہبیؒ نے بسر بن محجن ہی نقل کیا ہے، اور حافظ ابن حجر کے شیخ مجد الدین فیروز آبادی نے بھی الـقـامـوس المحیط میں بسر ہی کا لفظ اختیار کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے بسر بن محجن ہی محدثین کے یہاں مختار اور پسندیدہ ہیں۔ (تاریخ الإسلام: ۲/۱۰۶۶، تهذيب الكمال: ۳/۴۷)

(۱) ابوایوب بشیر بن کعب عدوی بصری، تابعی ہیں۔

اساتذہ وتلامذہ:

حضرت ابوہریرہ، ابوالدرداء، اور ابوذر ﷺ سے روایت کرتے ہیں، ابن بریدہ، قتادہ، ثابت بنانی، طلق بن حبیب اور علاء بن زیاد وغیرہ ان سے راوی ہیں۔

ابن حجر ''تهذيب التهذيب'' میں رقمطراز ہیں: ''قال ابن المديني: معروف، وقال النسائي: ثقة، ذكره ابـن سـعد في الطبقة الثانية من أهل البصرة، وقال: كان ثقة إن شاء الله. ''ابن المدینی فرماتے ہیں کہ موصوف معروف ہیں اور امام نسائی فرماتے ہیں کہ ثقہ ہے، ابن سعد نے موصوف کو اہل بصرہ کے طبقہ ثانیہ میں سے شمار کیا ہے، اور کہا ہے کہ ان شاء اللہ موصوف ثقہ ہیں۔

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ تاریخ الإسلام (۲/۹۲۶) میں رقمطراز ہیں: ''وكـان أحد القراء الزهاد، وثقه النسائي. ''موصوف قراء اور پرہیزگار لوگوں میں سے تھے، امام نسائیؒ نے ان کی توثیق کی ہے۔

(تهذيب الكمال: ۳/۱۱۹، الكاشف: ۱/۱۶۰)

(۲) بشیر بن یسار حارثی انصاری نے حضرت انس، جابر، رافع بن خدیج ﷺ سے حدیثوں کا سماع کیا ہے، اور ان سے ربیعۃ الرأی، سعید بن عبید طائی، یحییٰ بن سعید وغیرہ روایت کرتے ہیں، ابن سعد فرماتے ہیں: ''كـان شـيـخـاً كبيراً فقيها، وكان قد أدرك عامة أصحاب رسول الله ﷺ، وكان قليل الحديث. وقال النسائي: ثقة. ''

موصوف جلیل القدر شیخ اور فقیہ تھے بہت سے صحابہ ﷺ کو پایا تھا، اور کم حدیث بیان کرتے تھے، اور امام نسائی کا بیان ہے کہ موصوف ثقہ ہیں۔

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ ''تاریخ الإسلام'' (۳/۱۸) میں رقمطراز ہیں: ''قال ابن معين ثقة. ''

ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ موصوف ثقہ ہیں۔ (تهذيب الكمال: ۳/۱۲۱، تهذيب التهذيب: ۱/۴۱۴)

اور دوسین مہملہ سے وارد ہیں جنہیں یائے تحتیہ کے ساتھ پڑھنا چاہئے: ۳- یسیر بن عمرو[1] ۴- اور دوسرے کو نون مضمومہ کے ساتھ پڑھنا چاہئے، وہ قطن بن نسیر[2] کے باپ کا نام ہے۔

(دیکھئے: محاسن الاصطلاح: ۳۰۶، تدریب الراوي: ٥٦٦- ٥٦٧، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٥٥، المقنع: ٦٠١، المشتبه للذهبي: ٨١، تبصير المنتبه: ٩١، التقييد والايضاح: ٣٤٣، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/ ٢٣٠)

قاعدہ: یزید کا ہم شکل لفظ جہاں آئے وہ زیادۃ سے مضارع معروف غائب کا صیغہ ہے مگر تین راوی:

۱- بُرید بن عبداللہ بن ابی بردہ[3]، بائے موحدہ کے پیش اور رائے مہملہ کے فتحہ کے ساتھ ہے جو برد بمعنی اولہ کی تصغیر ہے،

---

(۱) یسیر بن عمرو الکوفی رضی اللہ عنہ، حضرت عمر بن الخطاب، علی، ابن مسعود، سہل بن حنیف، سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، اور قیس بن یسیر، حمید بن ہلال، ابوقتادہ العدوی وغیرہ ان سے راوی ہیں، علی بن المدینی فرماتے ہیں: اہل بصرہ ان کو اسیر بن جابر کہتے ہیں، اور اہل کوفہ ان کو اسیر بن عمرو کہتے ہیں، ۸۵ھ میں وفات پائی۔

(ملاحظہ ہو: تهذيب التهذيب: ۱۱/ ۳۷۸، تهذيب الكمال: ۲۰/ ۴۱۱، الكاشف: ۳/ ۲۸۹)

(۲) ابو عباد قطن بن نسیر بصری حضرت جعفر بن سلیمان ضبعی، بشر بن منصور سلیمی، عمرو بن النعمان الباہلی وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے امام مسلم، اور ابوداؤد وغیرہم نے روایت کی ہے، امام ترمذی بواسطہ امام ابوداؤد ان سے روایت کرتے ہیں۔ (تهذيب التهذيب: ۳۸۲)

اس نام کے دیگر راویوں کا ذکر ذہبیؒ نے کتاب المشتبہ (ص: ۴۶) میں کیا ہے۔

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ "تاريخ الإسلام" (۵/ ۹۰۳-۹۰۴) میں رقمطراز ہیں:

"قال ابن عدي: كان يسرق الحديث ويوصله." ابن عدی فرماتے ہیں کہ حدیث چوری کر کے حدیث کو متصل بیان کرتے تھے۔ (تاريخ الإسلام: ۵/ ۹۰۳، تهذيب الكمال: ۱۵/ ۲۸۸)

(۳) برید بن عبداللہ بن ابی بردہ الاشعری حضرت حسن بصری، عطاء اور ابوایوبؒ سے روایت کرتے ہیں، امام ترمذیؒ نے جامع میں ان کی توثیق کی ہے۔

شیوخ، تلامذہ وائمہ فن کے اقوال:

موصوف کے متعلق علامہ شمس الدین الذہبیؒ "تاريخ الإسلام" (۳/ ۸۲۲) میں رقمطراز ہیں: "عن جده أبي بردة، والحسن، وعطاء، وعنه السفيانان، وابن المبارك، وأبو معاوية، وحفص بن غياث، وأبو أسامة، وأبو نعيم، خَلقٌ، وهو صدوق موثّق إلّا أن أبا حاتم قال: لايحتج به، وقال النسائي: ليس بالقوي."

۲- محمد بن عرعرۃ بن البِرِند [1] کے دادا کا نام ہے، جو بائے موحدہ کے زیر (کسرہ) اور رائے مہملہ اور نون ساکن کے ساتھ وارد ہے، بعض محدثین دونوں (با اور را) پر فتحہ پڑھتے ہیں۔
۳- علی بن ہاشم بن البَرِید [2] کے دادا کا نام بائے موحدہ کے زبر (فتحہ) اور یائے تحتیہ کے زیر (کسرہ) سے پڑھتے ہیں۔
(مقدمة لابن الصلاح: ٤٥٥-٤٥٦، المقنع: ٦٠١-٦٠٢، المشتبه للذهبي: ٦٦٧، تبصير المنتبه: ١٤٩٠، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/٢٣١-٢٣٢)

موصوف اپنے جد امجد ابو بردہ، حسن اور عطا سے روایت کرتے ہیں، ان سے سفیانین (ثوریؒ اور ابن عیینہ)، ابن المبارک، ابو معاویہ، حفص بن غیاث، ابو اسامہ، اور ابو نعیم وغیرہ روایت کرتے ہیں، موصوف صدوق، قابل اعتماد شخصیت ہیں، مگر ابو حاتم ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان کی روایات سے احتجاج نہیں کیا جائے گا، اور امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ موصوف قوی نہیں ہیں۔
(تهذيب الكمال: ۳/۲۸، كتاب الثقات: ۶/۱۱۶، التاريخ الكبير القسم الثاني الجزء الاول: ۱۴۰)

(۱) ابو عبداللہ محمد بن عرعرۃ بن البرند الشامی البصری، ان کی کنیت ابو عمرو بھی مشہور ہے، جریر بن حازم، ابو الاشہب، داؤد بن ابی الفرات، ابن عون، شعبہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی نے "تهذيب التهذيب" (۹/۳۴۳) میں کتاب "الزهرة" کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ امام بخاریؒ نے موصوف سے صحیح بخاری میں بیس حدیثیں روایت کی ہیں، امام مسلم اور ابوداؤد بواسطہ ابو موسیٰ وغیرہ ان سے راوی ہیں، ۵۷ سال کی عمر میں ۲۱۳ھ میں وفات پائی۔
حافظ ذہبیؒ نے "المشتبه" (ص: ۵۵۶) میں لکھا ہے کہ جس طرح محمد بن عرعرہ "برندی" کی نسبت سے مشہور ہیں، اسی طرح عرعرہ کے پوتے حافظ ابراہیم بن محمد (المتوفی ۲۳۱ھ جن سے امام مسلمؒ وغیرہ راوی ہیں) اور ان کے پوتے اسحٰق بن ابراہیم بھی "برندی" کی نسبت سے مشہور ہیں، واضح رہے کہ برند فرند کے وزن پر ہے جس میں با اور را دونوں مکسور ہیں اور نیز با پر فتحہ اور را پر کسرہ بھی درست ہے۔
موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ "تاريخ الإسلام" (۵/۴۴۶) میں فرماتے ہیں:
"قال أبو حاتم: ثقة." ابو حاتم کہتے ہیں کہ موصوف ثقہ ہیں۔
(التاريخ الكبير القسم الأول من الجزء الأول: ۲۰۳، تهذيب الكمال: ۱۷/۵۷، الثقات: ۹/۶۹، تهذيب التهذيب: ۱/۳۷۷)

(۲) علی بن ہاشم بن البرید الکوفی، ہشام بن عروہ، محمد بن عبدالرحمٰن، اعمش، طلحہ بن یحییٰ، یزید بن کیسان وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، اور موصوف امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، ابو معاویہ اور ابو بکر بن ابی شیبہ وغیرہ کے استاد ہیں، ابن المثنیٰ کا بیان ہے کہ ۱۸۱ھ میں انتقال ہوا تھا، حافظ ابن حجر نے "تهذيب التهذيب" (۷/۳۹۲) میں محدث لالکائی

قاعدہ: جہاں بھی براء آئے اس کو مخفف پڑھنا چاہئے، اور اس کی با کو مفتوح سمجھنا چاہئے، مگر دو راویوں کے نام: ۱- ابوالعالیۃ البرّاء (۱) ....

سے نقل کیا ہے کہ صحیح مسلم میں موصوف سے صرف دو حدیثیں مروی ہیں۔

واضح رہے قاموس میں علی بن ہاشم بن البرند ہے، مگر صحیح برید بروزن امیر ہے۔

ائمہ فن کے اقوال:

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ "تاریخ الإسلام" (۹۳۲/۴) میں رقمطراز ہیں: "وثقه ابن معين، وغيره، وكان شيعياً بغيضيًا، قال أبو داؤد: ثبت يتشيع ...... وقال ابن حبان: روى المناكير عن المشاهير. قلت: مات سنة إحدى وثمانين ومئة."

ابن معین وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے، اور موصوف قابل نفرت شیعہ ہے، ابوداؤد فرماتے ہیں کہ ثبت ہیں، تشیع کی طرف میلان ہے، ابن حبان کہتے ہیں کہ مشاہیر سے مناکیر روایت کرتا ہے، میں کہتا ہوں کہ موصوف کا انتقال ۱۸۱ھ میں ہوا۔

علامہ ابن حجر "تهذيب التهذيب" (۳۹۲/۷) میں موصوف کے متعلق لکھتے ہیں:

"قال حنبل عن أحمد: ليس به بأس، وقال عبد الله بن أحمد عن أبيه: ماأرى به بأساً، وقال ابن أبي خَيْثَمة وغير واحد عن ابن معين: ثقة، وقال أبو الحسن بن البراء عن ابن المديني: كان صدوقاً ...... وقال أبوزرعة: صدوق، وقال أبو حاتم: كان يتشيّع ويكتب حديثه."

حنبل، احمد سے نقل کر کے کہتے ہیں موصوف میں کوئی حرج نہیں ہے، اور عبداللہ بن احمد اپنے والد سے ما أرى به بأساً کے الفاظ نقل کرتے ہیں، ابن ابی خیثمہؒ وغیرہ ابن مدینی سے نقل کر کے کہتے ہیں کہ موصوف ثقہ ہیں، اور ابوالحسن بن البراء ابن المدینی سے نقل کر کے کہتے ہیں کہ موصوف ثقہ ہیں، ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ صدوق ہیں، اور ابوحاتم فرماتے ہیں کہ تشیع کی طرف میلان ہیں ان کی حدیث لکھی جائے گی۔"

حالات کیلئے ملاحظہ ہو: ۱- تاريخ بغداد:۱۲/ ۱۱٦، ۲- تاريخ الإسلام:٤ /۹۳۲، ۳- تهذيب التهذيب :۷/ ۳۹۲، ٤- كتاب الثقات:۷/ ۲۱۳، ٥- ميزان الاعتدال:۳/ ۱٦۰، ٦- المنتظم :۹/٦٤، ۷- الإعلام بوفيات الأعلام:۸۲، ۸- تهذيب الكمال: ۱۳/٤۱٦، ۹- التاريخ الكبير القسم الثاني من الجزء الثالث: ۳۰۰)

(۱) ابوالعالیہ زیاد بن فیروز القرشی البصری تابعی ہیں اور ثقہ ہیں، حضرت ابن عباس، ابن عمر اور انس ﷺ سے روایت کرتے ہیں، ۹۰ھ میں وفات پائی، موصوف نام کی بنسبت کنیت سے زیادہ مشہور ہیں، براء کی شہرت کی نسبت ابن القیسر انی کتاب "الجمع بين رجال الصحيحين" (۱۴۹/۱) میں لکھتے ہیں: "إنما سمي البراء لأنه يبري النبل."

۲- اور ابومعشر البرّاء[1] کو با کے فتحہ اور را کی تشدید سے پڑھنا چاہئے۔

(دیکھئے: تدريب الراوي: ٥٦٧، محاسن الاصطلاح: ٣٠٦، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٥٦، المقنع: ٦٠٢، المشتبه للذهبي: ٥٥، تبصير المنتبه: ٧٢، التقييد والإيضاح: ٣٤٣-٣٤٤، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/ ٢٣٢-٢٣٣)

قاعدہ: حارثة کی شکل کے نام کو حائے مہملہ، رائے مکسورہ اور ثائے مثلثہ مفتوحہ سے پڑھنا چاہئے، مگر چار جگہ جیم، رے اور یائے تحتیہ کے ساتھ سمجھنا چاہئے: ۱- جارية بن قدامه،[2] ....

موصوف براء سے اس لئے موسوم ہیں کہ نیزے بناتے تھے۔

(۱) ابومعشر یوسف بن یزید البراء العطار البصری، حضرت عبداللہ بن الأخنس، سعید بن عبیداللہ اور خالد بن ذکوان وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، موصوف کی براء سے شہرت کی وجہ بھی ابن القیسرانی ''الجمع بين رجال الصحيحين'' (۲/۵۸۱) میں لکھتے ہیں: ''كان يبري العود فلذلك قيل البراء.''

آپ عود خوشبو کی لکڑی جس کو بطور بخور استعمال کیا جاتا ہے، تراش خراش کر بیچتے تھے اس لئے براء سے مشہور ہوئے۔

یہی توجیہ حافظ سید مرتضیٰ زَبیدی نے ''تاج العروس'' میں نقل کی ہے۔

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ ''تاريخ الإسلام'' (۴/۵۷۷) میں لکھتے ہیں: ''روى عن حنظلة السدوسي، وأبي حازم الأعرج، وخالد بن ذكوان، ويونس بن عبيد، وعنه سيدان بن مضارب، وإبراهيم بن محمد بن عرعرة، وأبو كامل الجحدري ولُوين، ويحيى بن يحيى، ومحمد بن أبي بكر المقدمي، وآخرون ثقة، ورُوِيَ أن يحيى بن معين ضعّفه.''

موصوف نے حنظلہ سدوسی، ابوحازم اعرج، خالد بن ذکوان اور یونس بن عبید سے روایت کی ہے، اور ان سے سیدان بن مضارب، ابراہیم بن محمد بن عرعرہ، ابوکامل جحدری، یحییٰ بن یحییٰ اور محمد ابی بکر المقدمی وغیرہ نے روایت کی ہے، موصوف ثقہ ہیں، اور کہا گیا ہے کہ یحییٰ بن معین نے ان کی تضعیف کی ہے۔

حالات کے لئے ملاحظہ ہو: التاريخ الكبير القسم الثاني من الجزء الرابع: ۳۸۵، تهذيب الكمال: ۲۰/ ۵۱۷، تهذيب التهذيب: ۱۱/ ۳۷۸۔

(۲) ابوایوب جاریۃ بن قدامۃ التمیمی البصری، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ''تهذيب التهذيب'' میں ان کو صحابی قرار دیا ہے، موصوف حضور اکرم ﷺ اور حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں۔ نہایت فصیح اور جانباز تھے، جنگِ صفین میں بنی تمیم کے امیر تھے، یزید کے دور حکومت میں انتقال کیا۔

۲- یزید بن جاریۃ،[۱] ۳- عمرو بن ابی سفیان بن اسید بن جاریۃ[۲]،۴- الاسود بن العلاء بن جاریۃ[۳].

(تدريب الراوي: ٥٦٧، محاسن الاصطلاح: ٣٠٦، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٥٦، المقنع: ٦٠٢، المشتبه للذهبي: ١٢٧ -١٢٦، تبصير المنتبه: ٢٣٠، التقييد والإيضاح: ٣٤٤)

قاعدہ: جریر کی صورت ہر جگہ جیم اور رائے مہملہ کی تکرار کے ساتھ سمجھنی چاہئے، مگر دو راویوں کے نام ایسے آئے ہیں جن کے پہلے حائے مہملہ اور آخر میں زائے منقوطہ ہے۔

(ملاحظہ ہو: تهذيب التهذيب: ۲/۵۴-۵۵، تهذيب الكمال: ۳/۳۱۴، التاريخ الكبير القسم الثاني من الجزء الأول: ۲۳۷، الإكمال: ۲/۱)

(۱) یزید بن جاریۃ الانصاری المدنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں، نسائیؒ نے کہا ہے کہ ثقہ ہیں۔ شمس الدین ذہبیؒ "المشتبه" (ص: ۸۱) میں لکھتے ہیں:

''جارية جماعة، وفي الصحيحين منهم اثنان: جارية بن قدامة، ويزيد بن جارية.''

جاریہ نامی محدثین کی ایک جماعت ہے، اور صحیحین میں ان میں سے صرف دو ہیں: ۱- جاریہ بن قدامہ اور ۲- یزید بن جاریہ۔

تعجب ہے علامہ ابن القیسرانی نے کتاب ''الجمع بين رجال الصحيحين'' میں مذکورہ بالا دونوں راویوں کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔

(۲) عمرو بن ابی سفیان بن اسید بن جاریۃ الثقفی المدنی، حضرت ابوموسیٰ اشعری اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، اور زہری، حجاج بن فرافصہ اور ہشام بن سعد وغیرہ ان کے شاگرد ہیں، ان سے بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے روایت کی ہے۔ (تهذيب التهذيب: ۸/۴۱)

واضح رہے ''عجالۂ نافعہ'' کے مطبوعہ نسخوں میں "عمرو" بالواو کے بجائے "عمر" اور ''ابو سفیان'' کے بجائے ''سفیان'' چھپا ہے، جو صحیح نہیں ہے۔

(تهذيب الكمال: ۱۴/۲۳۴، التاريخ الكبير القسم الثاني من الجزء الثالث: ۳۳۶)

(۳) اسود بن العلاء بن جاریۃ الثقفی، حضرت ابوسلمہ اور عمرۃ بنت عبدالرحمٰن وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، نسائی نے "كتاب التمييز" میں کہا ہے کہ یہ ثقہ ہیں۔

(ملاحظہ ہو: تهذيب التهذيب: ۱/۲۹۷-۲۹۸، تهذيب الكمال: ۲/۲۲۸، التاريخ الكبير القسم الأول من الجزء الأول: ۴۴۷)

۱۔حریز بن عثمان الرحبی (۱) جوکوفہ کے محلّہ رحب کی طرف منسوب ہیں۔

---

(۱) حریز بن عثمان الرحبی الشامی ۸۰ھ میں پیدا ہوئے، مشہور تابعی ہیں اور حفاظِ حدیث میں ان کا شمار ہے، حضرت عبداللہ بن بسر المازنی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، شام اور عراق میں حدیثیں بیان کرتے تھے، ۸۳ سال کی عمر پائی، اور ۱۶۳ھ میں انتقال ہوا۔

واضح رہے ''رَحبی''، رَحَبہ (متحرک) کی طرف نسبت ہے جو قبیلہ حمیر کی شاخ رحبہ بن زرعہ بن الاصغر بن سبا کی طرف منسوب ہے، حافظ سید مرتضیٰ زبیدی نے ''تاج العروس'' مادہ ''رَحب'' میں اپنے شیخ کے حوالہ سے حریز بن عثمان رحبی کی نسبت یہی نقل کیا ہے۔

موصوف کے متعلق علامہ شمس الدین الذہبیؒ ''تاریخ الإسلام'' (۴/ ۳۲۸-۳۳۱) میں رقمطراز ہیں: ''قال أبو حاتم: لايصح عندي ما يقال عنه في رأيه، ولا أعلم بالشام أثبت منه. وقال أحمد بن حنبل: ثقة ثقة ...... وقال معاذ بن معاذ: لاأحسبني رأيتُ شامياً أفضل منه ...... قال أحمد بن محمد بن عيسى في "تاريخ حمص": لم يكن لحريز كتاب، إنما كان يحفظ، مولده سنة ثمانين ...... وقال يحيى بن المغيرة: قال جرير: إن حريزاً كان يشتم علياً رضي الله عنه على المنبر ...... وقال عبد الله بن حماد الآملي: سمعت يحيى بن صالح أن حريز بن عثمان لم أكتب عنه، صلّيت معه الفجر سبع سنين، فكان لايخرج من المسجد حتى يلعن عليا رضى الله عنه سبعين مرة كل يوم، قلت: صح أنه ترك ذلك......، عباس الدُّوري: سمعت ابن معين قال:سمعت علي بن عياش يقول: سمعت حريز بن عثمان الرَّحَبي يقول لرجل: ويحك أما تتقى الله تزعم أني شتمت علياً، ولا والله ما شتمت علياً قط.''

ابو حاتم نے کہا ہے کہ میرے نزدیک ان کی جو رائے ان سے نقل کی جاتی ہے صحیح نہیں ہے، اور میں شام میں ان سے زیادہ متقن آدمی نہیں جانتا، امام احمد بن حنبل نے ان کے متعلق ثقة ثقة کہا ہے، معاذ بن معاذ کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ میں نے کسی شامی کو ان سے افضل دیکھا ہو، احمد بن محمد بن عیسیٰ تاریخ حمص میں فرماتے ہیں کہ حریز کے پاس کوئی کتاب نہیں تھی وہ زبانی یاد کیا کرتے تھے، ان کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی، یحییٰ بن مغیرہ کہتے ہیں کہ جریر نے کہا حریز حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منبر پر سب وشتم کرتا تھا، عبداللہ بن حماد آملی کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن صالح سے سنا کہ حریز بن عثمان سے میں نہیں لکھتا، میں نے اس کے ساتھ سات سال تک فجر کی نماز ادا کی وہ مسجد سے نہیں نکلتا جب تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روزانہ ستر مرتبہ لعنت نہ بھیجے، میں کہتا ہوں کہ ان کا اپنی یہ روش چھوڑنا ثابت ہے۔

عباس دوری کہتے ہیں کہ میں نے ابن معین سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عیاش کو فرماتے ہوئے سنا

۲۔ اور ابو حریز عبداللہ بن حسین (۱) جو عکرمہؒ سے راوی ہیں۔

(تدريب الراوي::٥٦٨، محاسن الاصطلاح: ٣٠٧، معرفة أنواع علم الحديث :٤٥٦، المقنع: ٦٠٣، المشتبه: ١٥١، تبصير المنتبه: ٢٤٩، التقييد والإيضاح: ٣٤٤، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/ ٢٣٤ – ٢٣٥)

قاعدہ: خراش ہر جگہ خائے معجمہ کے ساتھ آیا ہے، مگر ربعی بن حراش (۲) کے باپ کا نام حائے مہملہ سے وارد ہوا ہے۔

(تدريب الراوي: ٥٦٨، محاسن الاصطلاح:٣٠٧، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٥٦، المقنع: ٦٠٣، المشتبه: ٢٢٣، تبصير المنتبه: ٤٢٢، شرح التبصرة والتذكرة :٢/٢٣٣ –٢٣٤)

کہ میں نے حریز بن عثمان کو ایک شخص سے یہ کہتے ہوئے سنا تیرا ناس ہو! کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتا تو یہ کہتا ہے کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کہتا ہوں، اللہ کی قسم! میں نے کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالی نہیں دی۔

(ملاحظہ ہو: تهذيب الكمال: ۲۳۳/۴، تهذيب التهذيب: ۲/ ۲۳۷، التاريخ الكبير القسم الأول من الجزء الثاني: ۹۶، الإكمال: ۲/ ۸۵، الإعلام بوفيات الأعلام: ٦٢، سير أعلام النبلاء: ۷/ ۷۹)

(۱) ابو حریز عبداللہ بن حسین ازدی بصری بجستان کے قاضی تھے، شعبی، ابو اسحٰق سبیعی، ابراہیم نخعی، عکرمہ، سعید بن جبیر اور حسن بصری وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے فضیل بن میسرہ، سعید بن ابی عروبہ، عفان بن جبیر طائی وغیرہ راوی ہیں۔

(تهذيب التهذيب: ۵/ ۱۸۸ نیز خلاصة الخزرجي: ۱۹۵، تهذيب الكمال: ۱۰/ ۸۷، الثقات: ۷/ ۲۴، إكمال تهذيب الكمال: ۷/ ۳۰۷)

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ تاريخ الإسلام (۳/ ٦٧٦) میں رقمطراز ہیں: ''هو صالح الحديث قوّاه بعضهم، وقال أبوداوٗد: ليس حديثه بشيً، وقيل كان يؤمن بالرجعة. ''موصوف صالح الحدیث ہیں، بعض نے ان کی توثیق کی ہے، امام ابوداوٗد فرماتے ہیں: ليس حديثه بشيء. اور بعضوں نے کہا کہ موصوف رجعت کے قائل تھے۔

(۲) ربعی بن حراش العبسی الکوفی المخضرمی نہایت عابد وزاہد تابعی تھے، حضرت عمر، علی، ابو موسیٰ اشعری اور ابو بکرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں، ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ ۱۰۰ھ میں انتقال ہوا، ابن معین فرماتے ہیں: ۱۰۴ھ میں وفات پائی ہے، مشہور ہے کہ مرنے کے بعد بھی انہوں نے کلام کیا تھا۔

واضح رہے حِراش بروزن کتاب ہے ''عجالہ نافعہ'' کے مطبوعہ نسخوں میں حرّاش چھپا ہے، یہ صحیح نہیں۔

(تهذيب التهذيب: ۳/ ۲۳٦)

قاعدہ: حصین ہر جگہ مصغر ہے، اور صاد مہملہ کے ساتھ ہے مگر ابوحَصین [1] عثمان بن عاصم، طویل کے وزن پر ہے، اور حُضین [2] بن المنذِر ابوساسان بصیغۂ تصغیر ضاد معجمہ کے ساتھ ہے۔

(تدريب الراوي: ٥٦٨، محاسن الاصطلاح: ٣٠٧، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٥٦، المقنع: ٦٠٣، المشتبه: ٢٤٠، تبصير المنتبه: ٤٤٢، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/ ٢٣٥ – ٢٣٦)

علامہ ذہبیؒ "تاریخ الاسلام" (۳/۴۵) میں موصوف کے متعلق لکھتے ہیں: "قال عبد الرحمن بن خراش: ربعيّ بن حراش صدوق، وقال العِجلي ثقة." "عبدالرحمٰن بن خراش فرماتے ہیں کہ ربعی بن حراش صدوق ہیں، اور عجلی فرماتے ہیں: کہ موصوف ثقہ ہیں۔ (المنتظم ۷/۹۰، تہذیب الکمال: ۶/۱۲۱، کتاب الثقات: ۴/۲۴۰)

(۱) ابوحصین عثمان بن عاصم الاسدی الکوفی، علامہ ذہبیؒ نے "المشتبہ" (ص: ۱۶۵) میں ان کو تابعی لکھا ہے، بعض نے ان کو تبع تابعین میں شمار کیا ہے، اس صورت میں ان کی حضرت جابر بن سمرہ، ابن الزبیر، ابن عباس اور حضرت انس ﷺ سے روایت مرسل ہوگی، شعبہ، سفیان ثوریؒ، اور سفیان بن عیینہ ان کے شاگرد ہیں۔

عبدالرحمٰن بن مہدیؒ کا قول ہے کہ کوفیوں میں سے چار شخص ایسے ہیں جن کی روایات میں اختلاف کی گنجائش نہیں، جو ان کی روایات میں اختلاف کرتا ہے وہ خطا کار ہے، ان میں سے ایک یہ ہیں، یحییٰ بن بکیر اور واقدی نے تصریح کی ہے کہ ۱۲۸ھ میں وفات پائی ہے۔ (تہذیب التہذیب: ۷/۱۲۶)

"تاج العروس" میں تاریخ وفات ۱۱۸ھ طباعت کی غلطی ہے۔

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ "تاریخ الاسلام" (۳/۴۶۰) میں لکھتے ہیں: "عثمان بن عاصم ...... الأسدي الكوفي أحد الأشراف والأئمة ...... وكان من أركان المحدثين وثقاتهم، عثمانياً صالحاً خيّراً، وكان سيّد بني أسد بالكوفة ...... قال الدار قطني: أبو حَصين سمع ابن عباس وزيد بن أرقم وابن الزبير ...... توفي أبو حصين على الصحيح سنة ثمان وعشرين ومئة."

عثمان بن عاصم اسدی کوفی بڑے لوگوں اور ائمہ میں سے ہیں، موصوف عثمانی، صالح اور بہت نیک آدمی تھے، اور کوفہ میں بنو اسد کے سردار تھے، دارقطنی کہتے ہیں کہ ابوحصین نے ابن عباس، زید بن اَرقم اور ابن زبیر سے حدیث کا سماع کیا، صحیح قول کے مطابق ابوحصین کا انتقال ۱۲۸ھ کو ہوا۔

دیکھیے: الإعلام بوفيات الأعلام: ٦٤، سير أعلام النبلاء: ٥/ ٤١٢، تهذيب الكمال: ١٢/ ٤٢١، كتاب الثقات: ٧/ ٢٠٠.

(۲) ابوالیقظان حُضین بن المنذر رقاشی اشعری تابعی ہیں، ان کی کنیت ابومحمد اور لقب ابوساسان ہے، کہتے ہیں:

حــازم ان تینوں کتابوں میں ہر جگہ حائے مہملہ اور زائے منقوطہ کے ساتھ ہے، مگر ابو معاویہ [1] محمد بن خازم کا باپ جو ضریر کوفی سے مشہور ہے، اور اعمش کا شاگرد ہے، وہ خائے معجمہ سے ہے۔

(مقدمة لابن الصلاح: ٤٥٦، المقنع: ٦٠٣ – ٦٠٤، المشتبه: ٢٠٠، تبصير المنتبه: ٣٨٦، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/٢٣٣)

فارسی بھی جانتے تھے، بڑے بہادر تھے۔

ابن بری کا بیان ہے کہ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جھنڈا ان کے ہاتھ میں دیا تھا، اور اس وقت یہ ۱۹ برس کے تھے، حضرت عثمان، علی اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے حضرت حسن بصریؒ وغیرہ راوی ہیں۔

ابو احمد العسکری فرماتے ہیں ان کے اور ان کی اولاد کے سوا ان کا ہمنام کوئی نہیں۔ (تهذیب : ۲/۳۹۵)

ابن الدہشۃ "تحفة ذوي الأرب" (ص: ۳۸) میں لکھتے ہیں: ''هو فرد في كتب الحديث كلها كما أشار اليه أبو الحجاج الحافظ في تهذيب الكمال.''

وہ حدیث کی کتابوں میں اپنے نام میں یکتا ہیں جیسا کہ حافظ ابو الحجاج نے ''تهذيب الكمال'' میں اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(تهذيب الكمال: ٥ /٢٧، كتاب الثقات: ٤ /١٩١، تاريخ الإسلام: ٢ /١١٩٦، الإكمال: ٢ /٤٨١)

(۱) ابو معاویہ محمد بن خازم التمیمی الکوفی، عاصم احول، ہشام بن عروہ اور ابو مالک اشجعی وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، علی بن مدینی، محمد بن سلام بیکندی، قتیبہ اور مسدد وغیرہ ان کے شاگرد ہیں، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے تھے، علی بن المدینی وغیرہ کا قول ہے ۱۹۵ھ میں وفات پائی۔ (تهذيب التهذيب: ۹ /۱۳۷)

اس نام کے تمام راویوں کو ذہبیؒ نے "المشتبه" (ص: ۱۳۵) میں جمع کر دیا ہے۔

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ "تاريخ الإسلام" (۴/۱۲۶۸-۱۲۶۹) میں رقمطراز ہیں: ''قال أبو نعيم: سمعت الأعمش يقول لأبي معاوية: أما أنت فقد ربطت رأس كيسك، وكان شعبة إذا حدث بحضرة أبي معاوية يراجعه في حديث الأعمش، ويقول: أليس كذا، أليس كذا؟ وقال أبو نعيم: لزم أبو معاوية الأعمشَ عشرين سنة ...... قال أحمد: كان أبو معاوية إذا سئل عن حديث الأعمش يقول: قد صار في فمي عَلْقَماً، قال أحمد: وكان والله حافظًا للقرآن، وكان يضطرب في غير الأعمش .... وقال أحمد بن الحسن السُكَّري: أبو معاوية أعرف من سفيان ومن شعبة بالأعمش ...... وقال علي بن خشرم: قال لي وكيع: إن تركتَ أبا معاوية ذهب علم الأعمش على أنه مرجئ، فقلت: قد دعاني إلى الإرجاء، وعن ابن المبارك: أبو معاوية مُرجئ كبير. وقال يعقوب بن شيبة:

حبان بن منقذ (۱) اور محمد بن یحییٰ بن حبان (۲) کا دادا..

أبو معاوية من الثقات، وربّما دلّس، وكان يرى الإرجاء، قال: فيقال: إن وكيعاً ما حضر جنازته لذلك.''

ابونعیم کہتے ہیں کہ میں نے اعمشؒ کو ابومعاویہ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بہر حال آپ نے تو اپنے تھیلے کا منہ بند کرلیا، اور شعبہ جب ابومعاویہ کی موجودگی میں اعمش کی حدیث بیان کرتے، تو مراجعت کرتے اور کہتے: کیا اس طرح نہیں، کیا اس طرح نہیں؟ اور ابونعیم کہتے ہیں کہ ابومعاویہ بیس سال اعمش کی صحبت میں رہے تھے، احمدؒ کا قول ہے کہ ابو معاویہ سے جب اعمش کی حدیث کے متعلق پوچھا جاتا تو فرماتے کہ یہ بات مجھے کڑوی لگی، احمدؒ فرماتے ہیں کہ موصوف اللہ کی قسم حافظ قرآن تھے، اور موصوف اعمش کے علاوہ اوروں میں تردد کرتے تھے۔

احمد بن حسن السکری کا بیان ہے کہ ابومعاویہ اعمش کو سفیان اور شعبہ کی بنسبت اچھی طرح جانتے ہیں، اور ابن المبارک فرماتے ہیں کہ ابومعاویہ بڑا مبلغ تھا، اور یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں کہ ابومعاویہ ثقات میں سے ہیں، اور بسا اوقات تدلیس کرتے ہیں، اور ارجاء کی رائے رکھتے تھے، کہا جاتا ہے کہ وکیع اس وجہ سے ان کے جنازہ میں نہیں آئے تھے۔

حالات کے لئے ملاحظہ ہو: المنتظم: ۱۰/۲۱، سير أعلام النبلاء: ۹/۷۳، الإعلام: ۸۸، تهذيب الكمال: ۱۶/۲۳۳، كتاب الثقات: ۷/۴۴۱، التاريخ الكبير، القسم الأول من الجزء الأول: ۷۵.

(۱) حبان بن منقذ بن عمرو خزرجی مازنی ﷛ صحابی ہیں، جنگ احد میں شریک ہوئے تھے، حضرت عثمان ﷛ کے دور خلافت میں وفات پائی۔

ملاحظہ ہو: الإصابة في تمييز الصحابة: ۱/۳۰۳، أسد الغابة في معرفة الصحابة: ۱/۳۶۵.

(۲) محمد بن یحییٰ بن حبان بن منقذ اپنے والد اور چچا واسع، انس بن مالک، رافع بن خدیج، عباد بن تمیم ﷛ سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے زہری، یحییٰ بن سعید وغیرہ راوی ہیں، امام ترمذی فرماتے ہیں ۱۲۱ھ میں وفات پائی۔

(تهذيب التهذيب: ۹/۵۰۷)

موصوف کے متعلق علامہ شمس الدین الذہبیؒ "تاریخ الإسلام" (۳/۵۳۱) میں لکھتے ہیں: ''وهو مجمع على ثقته. قال الواقدي: كانت له حَلقةٌ للفتوى، وكان ثقةً كثير الحديث عاش أربعاً وسبعين سنة.''

ان کی ثقاہت پر علماء کا اتفاق ہے، واقدی کہتے ہیں کہ ان کا فتویٰ کا ایک حلقہ ہوتا تھا، اور موصوف ثقہ، کثیر الحدیث ہیں، موصوف نے ۷۴ سال کی عمر پائی۔

ملاحظہ ہو: الإعلام بوفيات الأعلام: ۶۰، تهذيب الكمال: ۴/۹۲، التاريخ الكبير، القسم الأول من الجزء الأول: ۲۶۵، الثقات: ۵/۳۷۶.

اورحبان بن واسع [۱] اوراس کا دادا نیز حبان بن ہلال [۲] میں اس جگہ حاء پر زبر (فتحہ) اور باء کو مشدد پڑھنا چاہئے، اور حِبان بن عِطیہ [۳]، حِبان بن موسیٰ [۴]

---

(۱) حبان بن واسع بن حبان بن منقذ بن عمرو انصاری مازنی مدنی، اپنے والد اور خلاد بن السائب سے راوی ہیں، ان سے عمرو بن حارث اور ابن لہیعہ روایت کرتے ہیں، مسلم، ابو داؤد اور ترمذی نے ان سے حدیثیں نقل کی ہیں، ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔

ملاحظہ ہو: تاریخ الإسلام:۳/ ۲۲۰، تهذيب الكمال:۳۱٦/۱۷، التاريخ الكبير، القسم الأول من الجزء الأول: ۲٦٥، كتاب الثقات:۳۷٦/۵، تهذيب التهذيب:۲/ ۱۷۰.

(۲) ابوحبیب حبان بن ہلال الکنانی البصری، حماد بن سلمہ، شعبہ، جریر بن حازم وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، احمد بن سعید رباطی، احمد بن سعید دارمی وغیرہ ان کے شاگرد ہیں، امام احمد بن حنبل کا قول ہے بصرہ میں اعتماد اور حجت کی حیثیت سے موصوف حرفِ آخر تھے، وفات سے پیشتر حدیث بیان کرنا چھوڑ دی تھی، ۲۱٦ھ میں وفات پائی۔

(تهذيب التهذيب :۲/۱۷۰)

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ "تاریخ الإسلام" (۲۹۰/۵) میں لکھتے ہیں: "قال ابن سعد: كان ثقة، حجة، ثبتاء امتنع من التحديث قبل موته ...... قال أحمد بن حنبل: حبان إليه المنتهى بالبصرة في التثبّت. قال بكار بن قتيبة: مارأيتُ نحوياً يُشبه الفقهاء إلّا حبان بن هلال والمازني."

ابن سعد فرماتے ہیں کہ موصوف ثقہ، حجہ، قابل اعتماد ہیں، اپنی وفات سے پہلے حدیث بیان کرنے سے رک گئے تھے، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ بصرہ میں موصوف کی ٹکر کا کوئی آدمی نہیں ہے، بکار بن قتیبہ کہتے ہیں کہ میں نے فقہاء کے مشابہ کسی نحوی کو نہیں دیکھا بجز حبان بن ہلال اور مازنی کے۔

ملاحظہ ہو: الإعلام:۹۷، تهذيب الكمال:۹۱/٤، التاريخ الكبير، القسم الأول من الجزء الثاني:۱۰٤، الثقات: ۲۱٤/۸، سير أعلام النبلاء: ۲۳۹/۱۰، الإكمال۳۰۳/۲.

(۳) حِبان بن عطیہ السلمی کا ذکر صحیح بخاری میں راوی کی حیثیت سے نہیں آیا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کے حالات رجال صحاح ستہ کی کتابوں میں مذکور نہیں ہیں۔

(تهذيب التهذيب: ۲/ ۱۷۲، تهذيب الكمال: ۹۷/٤، الكاشف:۲۰۱/۱، الإكمال:۳۰۸/۲)

(۴) ابومحمد حبان بن موسیٰ بن سوار السلمی المروزی، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ اور ابوحمزہ السکری وغیرہ کے شاگرد ہیں، امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے استاد ہیں، امام بخاری کا بیان ہے کہ ۲۳۳ھ میں وفات پائی ہے۔

اور حِبان بن العرفہ[1] میں حاءِ مکسورہ اور با کو مشدد پڑھنا چاہئے۔

(محاسن الاصطلاح: ۳۰۸، تدريب الراوي: ٥٦٩، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٥٧، المقنع: ٦٠٤، المشتبه للذهبي: ١٣١، تبصير المنتبه: ٢٧٦ - ٢٨٢، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/ ٢٣٦ -٢٣٨)

حبیب کو ہر جگہ حائے مہملہ پر زبر (فتحہ) اور بائے موحدہ پر زیر (کسرہ) کے ساتھ سمجھنا چاہئے، یہ حُبٌّ اور محبۃ سے طویل کے وزن پر ہے، مگر تین جگہ خائے معجمہ کے پیش کے ساتھ مصغر سمجھنا چاہئے جو خبابت بمعنی دانائی مصدر سے بنایا ہے: ا- خُبیب بن عدی[2]،..................................

ابن الدہشہ نے تصریح کی ہے: ''امام بخاریؒ کے شیوخ میں حبان اور حیان نام کا کوئی شیخ نہیں ہے، اس لئے امام بخاریؒ ''قال: حدثنا حبان'' فرماتے ہیں، اور ان کی نسبت بیان نہیں کرتے، لیکن مراد ابن موسیٰ ہوتے ہیں۔''

(تاريخ الإسلام: ٥/ ٨٠٤، الإعلام بوفيات الأعلام: ١٠٤)

(۱) حبان بن العرفہ راویان حدیث میں سے نہیں ہیں، اس لئے رجال صحاح ستہ کی کتابوں میں ان کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے، مگر یہ وہ ہیں جنہیں حضرت سعد بن معاذ ﷛ نے جنگ خندق میں تیر مارا تھا، موسیٰ بن عقبہ نے کتاب المغازی میں ان کا نام جبار بن العرفہ لکھا ہے، لیکن ابن الاثیر کا بیان ہے کہ صحیح نام حبان بن العرفہ ہے، محدث ابن الصلاح ''معرفة أنواع علم الحديث'' (ص:۳۴۵) میں رقمطراز ہیں: ''ومن عدا هولاء فهو حيان بالياء المثناة من تحت، والله أعلم.'' اور ان کے علاوہ باقی نام حیان یائے تحتانیہ کے ساتھ ہیں، واللہ اعلم

واضح رہے اس نام کے جو دو راوی ہیں ان سے صرف امام مسلم نے روایت کی ہے، ان کے نام حسب ذیل ہیں:

۱- ابوالہیاج حیان بن حصین الاسدی الکوفی تابعی ہیں، یہ حضرت عمار ﷛ کے کاتب تھے، حضرت علی اور عمار رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے ان کے فرزند جریر و منصور اور ابووائل اور شعبی وغیرہ راوی ہیں۔

(تهذيب التهذيب: ۳/٦٧)

۲- ابوالعلاء حیان بن عمیر الجریری البصری، حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور سمرہ بن جندبؓ سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے سلیمان التیمی، سعید الجریری اور قتادہ وغیرہ راوی ہیں، امام بخاریؒ نے ان کے تذکرہ ۹۰ھ اور ۱۰۰ھ کے درمیان وفات پانے والے راویوں میں کیا ہے۔

(تهذيب التهذيب: ۳/٦٧)

(۲) خبیب بن عدی انصاری اوسی ﷛ بدری صحابہ میں سے ہیں، حضور اکرم ﷺ نے دس مجاہدین کی ایک جماعت جنگ پر روانہ کی، اس میں موصوف بھی شریک تھے، مشرکین نے ان کو پکڑ کر قتل کرنا چاہا، جب وہ ان کو قتل کرنے لگے

۲- خبیب بن عبدالرحمٰن [۱] ۳- ابوخبیب [۲] حضرت عبداللہ بن الزبیر کی کنیت ہے

(دیکھئے: محاسن الاصطلاح: ۳۰۸، تدریب الراوي: ۵۶۹، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٥٧، المقنع: ٦٠٥، المشتبه: ٢١٤ –٢١٥، تبصير المنتبه: ٤٠٧، شرح التبصرة ٢/٢٣٩– ٢٤٠)

حکیم ہر جگہ حکمت سے طویل کے وزن پر پڑھنا چاہئے، مگر والد رزیق [۳] بن حُکیم بن عبداللہ،

تو انہوں نے ان سے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت لی، دوگانہ ادا کرنے کے بعد بدبختوں نے ان کو شہید کردیا، اور ان کا منھ بھی قبلہ سے پھیر دیا، مگر ان کا چہرہ پھر قبلہ کی طرف ہوگیا ﷺ۔ (سیر أعلام النبلاء: ۱/۲۴۶)

ملاحظہ ہو: الإصابة في تمييز الصحابة: ١ /٤١٨، أسد الغابة في معرفة الصحابة: ٢/١٠٣، الإكمال: ٢/٣٠١.

(۱) ابوالحارث خبیب بن عبدالرحمٰن انصاری خزرجی، حضرت حفص بن عاصم، عبدالرحمٰن بن مسعود وغیرہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے امام مالک، ابن اسحٰق، یحییٰ بن سعید انصاری، اور شعبہ وغیرہم راوی ہیں، ابن معین اور نسائی ان کو ثقہ کہتے ہیں، واقدی کا بیان ہے کہ مروان بن محمد کے دورِ حکومت میں ان کا انتقال ہوا تھا، ابن حبان کہتے ہیں ۱۳۲ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو: تاریخ الإسلام: ٣ / ٤٠٤، تهذيب الكمال: ٥/٤٤٥، كتاب الثقات: ٦/٢٧٤، التاريخ الكبير، القسم الأول من الجزء الثاني: ١٩١، الإكمال: ٢/٣٠١، تهذيب التهذيب: ٣/ ١٣٦.

(۲) عبداللہ بن الزبیر قرشی ﷺ، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے فرزند اور حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کے نواسے تھے، ہجرت کے سال مہاجرین کے یہاں موصوف ہی سب سے پہلے پیدا ہوئے تھے، نہایت عابد اور بڑے بہادر تھے، کچھ عرصہ سریر آرائے خلافت بھی رہے تھے۔

ان کے فرزند حضرت خبیبؓ کی وجہ سے ان کی کنیت ابوخبیب ہے، انہوں نے بچپن ہی سے حضور اکرم ﷺ کی حدیثیں یاد کرنا شروع کی تھیں، ۷۳ھ میں شہید ہوئے۔

ملاحظہ ہو: المنتظم: ٦/١٣٧، الإعلام: ٤٤، تهذيب الكمال: ١٠/١٣٦، تاريخ الإسلام: ٢/٢٨٩، إكمال المغلطائي: ٧ / ٣٥٠، تهذيب التهذيب: ٥/ ٢١٣.

(۳) رزیق بن حکیم الایلی، حضرت عمر بن عبدالعزیز، عمرةً بنت عبدالرحمٰن اور سعید بن المسیب وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے ابراہیم بن رُزیق، مالک اور ابن عیینہ وغیرہ راوی ہیں، ان کا ذکر بخاری میں راوی کی حیثیت سے نہیں آیا ہے، موصوف امام نسائیؒ کے شیوخ میں سے ہیں۔

ملاحظہ ہو: تهذيب: ٣/ ٢٧٣، تاريخ الإسلام: ٣/ ٤٠٨، تهذيب الكمال: ٦/١٩٨، التاريخ الكبير، القسم الأول من الجزء الثاني: ٢٩١، الثقات: ٦/٣٤٧.

اور حُکَیم [1] ابن عبداللہ حَکَم کی تصغیر ہے ۔

(محاسن الاصطلاح: ۳۰۸، تدریب الراوي: ۵۷۰، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٥٧، المقنع: ٦٠٥، المشتبه: ٢٤٣، تبصير المنتبه: ٤٤٦، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/٢٤١-٢٤٢)

رَباح ہر جگہ بائے موحدہ اور رے کے زبر (فتحہ) کے ساتھ ہے، مگر ابوقیس [2] زیاد بن رِیاح کے باپ کا نام یائے تحتیہ اور را کے زیر (کسرہ) کے ساتھ ہے۔

(محاسن الاصطلاح: ۳۰۸، التدریب: ۵۷۰، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٥٧، المقنع: ٦٠٥، المشتبه: ٣٠٢-٣٠٣، تبصير المنتبه: ٥٨٧، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/٢٤٠-٢٤١، التقييد والإيضاح للعراقي: ٣٤٦، ٣٤٧)

---

(۱) حکیم بن عبداللہ بن قیس المطلبی المصری، حضرت عبداللہ بن عمر، نافع بن جبیر، عامر بن سعد وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، یزید بن ابی حبیب، لیث، ابن لہیعہ وغیرہ ان کے شاگرد ہیں، ابن یونس کا بیان ہے کہ انہوں نے مصر میں ۱۱۸ھ میں وفات پائی ہے۔ (تهذيب التهذيب: ۲/۴۵۳)

ابن خطیب الدہشہ "تحفة ذوی الأرب" (ص:۳۹) میں رقمطراز ہیں: ''امام نوویؒ فرماتے ہیں: حکیم بن عبداللہ اور رزیق بن حکیم، حا پر پیش اور کاف پر زبر کے ساتھ ہے۔''

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ "تاريخ الإسلام" (۳/۲۲۵) میں رقمطراز ہیں:

''وثّقه ابن حبان، توفي سنة ثماني عشرة ومئة'' ابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے، موصوف کا انتقال ۱۱۸ھ میں ہوا

دیکھیے: تهذيب الكمال: ٥/١٥١، التاريخ الكبير، القسم الأول من الجزء الثاني: ٨٨، كتاب الثقات: ٤/١٨٢.

(۲) ابوقیس زیاد بن ریاح البصری تابعی ہیں، حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے حسن بصری، غیلان بن جریر وغیرہ راوی ہیں، واضح رہے موصوف نام کی بنسبت کنیت سے زیادہ مشہور ہیں۔

(تهذيب التهذيب: ۳/۳۶۶)

ذہبیؒ "المشتبه" (ص:۲۱۲) میں رقمطراز ہیں: ''زياد بن رياح عن أبي هريرة، وليس في الصحيحين سواه، له في أشراط الساعة، وحكى فيه البخاري موحدة.'' زیاد بن ریاح حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے روایت کرتے ہیں، اور صحیحین میں ان کے سوا اس نام کا کوئی اور راوی نہیں، ان کی حدیث "باب أشراط الساعة" میں مذکور ہے، امام بخاریؒ سے منقول ہے کہ ان کا نام رباح بائے موحدہ کے ساتھ ہے۔

ملاحظہ ہو: تهذيب الكمال: ٦/٣٧٥، التاريخ الكبير، القسم الأول من الجزء الثاني: ٣٢١، كتاب الثقات: ٤/٢٥٤.

زُبَید [1]، اس کو صحیحین میں زائے منقوطہ کے پیش اور بائے موحدہ کے زبر سے پڑھنا چاہئے، یہ زبد بمعنی مکھن کی تصغیر ہے، اور موطأ میں زُبید پڑھنا چاہئے جو مشہور نام زید کی تصغیر ہے۔

(محاسن الاصطلاح: ۳۰۸، تدريب الراوي: ۵۷۱، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٥٨، المقنع: ٦٠٦، المشتبه: ۳۳۳، تبصير المنتبه: ٦٣٩، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/ ٢٤٢ - ٢٤٣)

سُلیم ان تینوں کتابوں میں ہر جگہ تصغیر کے صیغہ کے ساتھ وارد ہے، مگر سَلیم بن حیان [1] طویل کے وزن پر ہے۔ (بحوالہ بالا)

سَلم ہر جگہ سین کے زبر (فتحہ) اور لام کے سکون کے ساتھ آیا ہے۔ (بحوالہ بالا)

شُرَیح ہر جگہ شین معجمہ کے پیش اور آخر میں حائے مہملہ کے ساتھ آیا ہے، مگر تین راوی سین مہملہ (مضمومہ) اور جیم سے بھی وارد ہیں:

---

(۱) ابن الخطیب الدہشہ نے "تحفة ذوي الأرب" میں تصریح کی ہے کہ ابن ماکولا کا بیان ہے کہ أبو الصلت زبيد بن الصلت، كثير بن الصلت کے بھائی ہیں، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے ان کے فرزند صلت بن زبید بن الحارث راوی ہیں۔

زبيد بن الصلت الكندي کبار تابعین میں سے ہیں، حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے عروہ بن الزبیر راوی ہیں۔

ملاحظہ ہو: تعجيل المنفعة: ١٤٣، تهذيب الكمال: ١٥/ ٣٦٤، تهذيب التهذيب: ٨/ ٣٧٥، كتاب الثقات: ٤/ ٢٧٠.

(۲) سلیم بن حیان الہذلی البصری اپنے والد اور عمرو بن دینار اور قتادہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، اور عبدالرحمٰن بن مہدی، یحییٰ القطان اور ابوداؤد طیالسی ان کے شاگرد ہیں، امام احمد بن حنبل، ابن معین اور نسائی کہتے ہیں: یہ ثقہ ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ "تهذيب التهذيب" (۴/ ۱۴۸) میں موصوف کے متعلق لکھتے ہیں: "قال أحمد وابن معين والنسائي: ثقة، وقال أبو حاتم: مابه بأس. وذكره ابن حبان في الثقات."

احمد، ابن معین اور نسائی نے فرمایا: کہ موصوف ثقہ ہیں، اور ابو حاتم نے فرمایا کہ مابه بأس ان سے روایت کرنا درست ہے، اور ابن حبان نے موصوف کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔

ملاحظہ ہو: تاريخ الإسلام: ٤ / ٦٩، الثقات: ٦/ ٤٣٥، تهذيب الكمال: ٧/ ٤٧٨، التاريخ الكبير، القسم الثاني من الجزء الثاني: ٢١٣، الإكمال لابن ماكولا: ٤/ ٣٢٩.

۱- سُریج بن یونس (۱)، ۲- سُریج بن النعمان (۲)، ....

(۱) ابوالحارث سریج بن یونس المروزی بغداد میں سکونت پذیر تھے، ہشیم، ولید بن مسلم، ابن ادریس، مروان ابن معاویہ، وکیع اور ابن عیینہ وغیرہ سے راوی ہیں، امام مسلم ان کے شاگرد ہیں، اور امام بخاری اور امام نسائی ایک واسطہ سے ان کے شاگرد ہیں، امام بخاری کا بیان ہے کہ انہوں نے ۲۳۵ھ میں انتقال فرمایا۔ (تهذيب التهذيب: ۳/ ۳۹۷)

موصوف کے متعلق حافظ ابن حجرؒ "تهذيب التهذيب" (۳/ ۳۹۸) میں رقمطراز ہیں: "قال ابن أبي خيثمة: ليس به بأس، كذا قال يعقوب بن شيبة عن ابن معين وزاد: وهو كيس. وقال الغلابي عن ابن معين: سريج بن النعمان ثقة وسريج بن يونس أفضل منه. وقال أبو حاتم: صدوق، وقال النسائي: ليس به بأس."

ابن ابی خیثمہ نے موصوف کے متعلق "ليس به بأس" (اس سے روایت کرنے میں کوئی خرابی نہیں)، کے الفاظ استعمال کئے ہیں، ایسے ہی یعقوب بن شیبہ نے ابن معین سے روایت کرتے ہیں، اور یہ زیادتی کی ہے کہ موصوف ذہین اور تیز فہم تھے، اور غلابی نے ابن معین سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ سریج بن نعمان ثقہ ہیں، اور سریج بن یونس ان سے افضل ہیں، اور ابوحاتم فرماتے ہیں کہ صدوق ہیں، اور امام نسائی نے موصوف کے متعلق "ليس به بأس" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

علامہ ذہبیؒ موصوف کے متعلق "تاريخ الإسلام" (۵/ ۸۲۵) میں ان اوصاف کے ساتھ گویا ہیں: "قلت: وكان سريج من الزهاد والعُبّاد ببغداد، له حكايات شِبه الكرامات، وكان إماماً في السنة."

میں کہتا ہوں کہ سریج بغداد کے پرہیزگار اور عابد لوگوں میں سے تھے، ان کے کچھ واقعات ایسے ہیں جو کرامات کے مشابہ ہیں، اور موصوف سنت کے امام تھے۔

ملاحظہ ہو: تهذيب الكمال: ۷/ ۵۹، سير أعلام النبلاء: ۱۱/ ۱٤٦، كتاب الثقات: ۸/ ۳۰۷، الإكمال: ٤/ ۲۷۲، المنتظم: ۱۱/ ۲۲٦.

(۲) ابوالحسن سریج بن النعمان الجوہری البغدادی، فلیح بن سلیمان، حمادین وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، امام بخاری وغیرہ ان کے شاگرد ہیں، امام حنبل بن اسحٰق وغیرہ کا بیان ہے کہ انہوں نے بقرہ عید کے دن ۲۱۷ھ میں وفات پائی۔

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ "تاريخ الإسلام" (۵/ ۳۱۷) میں فرماتے ہیں: "وثّقه أبو داود، وقال: غلط في أحاديث، وقال النسائي: ليس به بأس." امام ابوداود نے ان کی توثیق کی ہے، اور فرمایا کہ احادیث میں ان سے غلطی ہوئی ہے، اور امام نسائی نے موصوف کے متعلق "ليس به بأس" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

ملاحظہ ہو: المنتظم: ۱۱/ ٦، الإعلام بوفيات الأعلام: ۹٦، تهذيب الكمال: ۷/ ۵۸، تهذيب التهذيب: ۳/ ۳۹۷، سير أعلام النبلاء: ۱۰/ ۲۱۹، كتاب الثقات: ۸/ ۳۰۷.

۳- احمد بن ابی سُریج (۱)۔ 　　　(بحوالہ بالا)

سُلیمان ہرجگہ (یائے تحتانیہ کے ساتھ) مشہور پیغمبر کا نام ہے، مگر چھ راوی: ۱-سلمان فارسی (۲)،

---

(۱) احمد بن ابی سریج الصباح النہشلی الرازی، محدث ابن عُلَیّہ، وکیع، مروان، یحییٰ بن سعید وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، ان سے امام بخاری، ابوداؤد اور نسائی نے روایت کی ہے، موصوف نے ۲۴۰ھ کے بعد وفات پائی۔

ملاحظہ ہو: الجمع بين رجال الصحيحين: ١/ ١٠، تهذيب التهذيب: ١/ ٤٤، تهذيب الكمال ١/ ١٦٩، كتاب الثقات: ٣٨/٨، تاريخ الإسلام: ١٠٧/٥.

(۲) ابوعبداللہ سلمان بن الاسلام الفارسی رضی اللہ عنہ اس وقت ایمان لائے تھے، جب حضور اکرم ﷺ مدینہ تشریف لائے تھے، سب سے پہلے غزوۂ خندق میں شریک ہوئے تھے، موصوف آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں، اور حضرت انس، ابن عجرہ، ابن عباس، ام الدرداء اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم ان سے روایت کرتے ہیں۔ (تهذيب التهذيب: ۴/۱۳۷)

مشہور ہے دوسو پچاس برس کی عمر پائی تھی، لیکن سید مرتضیٰ زبیدی "تاج العروس" مادہ "سلم" میں ذہبیؒ سے ناقل ہیں:

"قال الذهبي: أكثر ماقيل في عمره ثلثمائة وخمسون. وقيل مائتان وخمسون. ثم ظهر أنه من أبناء الثمانين لم يبلغ المائة."

ذہبیؒ فرماتے ہیں ان کی عمر کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہا گیا ہے کہ ساڑھے تین سو برس کے تھے، اور بعض کا قول ہے کہ ڈھائی سو برس زندہ رہے تھے، پھر یہ معلوم ہوا کہ اسی (۸۰) سال کی عمر میں انتقال ہوا تھا، سو تک بھی نہیں پہنچے تھے۔

یحییٰ بن ابی بکر العامی (المتوفی ۸۹۳ھ) "الرياض المستطابة في جملة من روى في الصحيحين من الصحابة" (ص: ۲۶، مطبع شاہجہانی بھوپال ۱۳۰۳ھ) میں لکھتے ہیں: "كان مبجلاً عند الخلفاء، فكان عطاؤه خمسة آلاف، وكان يفرقها، ويأكل من عمل يديه الخوص."

موصوف خلفاء کے یہاں بڑے معزز تھے ان کی بخشش بھی پانچ ہزار ہوتی تھی، اور اس کو بانٹ دیا کرتے تھے، کھجوریں بیچ کر اپنے دست وبازو کی کمائی سے پیٹ بھرتے تھے۔

۳۳ھ میں وفات پائی، موصوف سے صحیحین میں سات حدیثیں مروی ہیں، بخاری میں چار ہیں جن میں سے ایک مسند اور تین مرسل ہیں، اور صحیح مسلم میں تینوں روایتیں مسند ہیں۔

ملاحظہ ہو: تهذيب الكمال ٧ /٤١٤، سير أعلام النبلاء: ٥٠٥/١، التاريخ الكبير، القسم الثاني من الجزء الثاني: ١٣٥.

۲-سلمان بن عامر [1] ضبی ،۳-سلمان [2] الاغر،۴-عبدالرحمٰن بن سلمان [3]، ۵-ابو حازم [4] جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں ان کا نام بھی سلمان ہے، ۶-ابو رجاء [5] مولائے حضرت ابو قلابہ کا نام بھی سلمان ہے (کہ یہ سب حذف یاء کے ساتھ ہیں)۔

(دیکھئے: تدریب الراوي: ۵۷۲، محاسن: ۳۰۹، معرفة أنواع علوم الحديث: ۴۵۸، المقنع لابن الملقن: ۶۰۶-۶۰۷، التقييد والايضاح: ۳۴۸)

---

(۱) سلمان بن عامر بن اوس الضبی رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، امام مسلم کا قول ہے کہ صحابہ میں ان کے سوا کوئی ضبی نہیں ہے، موصوف رسالت مآب ﷺ سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے ان کی بھتیجی ام الرائح الرباب، عبدالعزیز بن بشر اور محمد بن سیرین وغیرہ راوی ہیں، دولابی فرماتے ہیں: جنگ جمل میں سو برس کے تھے، اسی معرکہ میں شہید ہوئے۔ (تهذيب التهذيب: ۴/۱۳۷)

شیخ یحییٰ بن ابی بکر نے ''الرياض المستطابة'' (ص: ۲۸) میں لکھا ہے کہ موصوف بصرہ میں جامع مسجد کے پاس رہتے تھے، صحیح بخاری میں ان سے ایک حدیث مروی ہے۔

ملاحظہ ہو: تهذيب الكمال: ۷/ ۴۱۳، التاريخ الكبير، القسم الثاني من الجزء الثاني: ۱۳۶.

(۲) ابو عبداللہ سلمان الاغر مدنی تابعی ہیں، حضرت ابو ہریرہ، عبداللہ بن عمرو بن العاص، ابو الدرداء، عمار اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں، ان سے ان کے فرزند عبداللہ، عبیداللہ، عبید، زیاد بن رباح، زہری اور ابو بکر بن حزام وغیرہ راوی ہیں۔

ملاحظہ ہو: تهذيب الكمال: ۷/۴۲۱، التاريخ الكبير، القسم الأول من الجزء الثاني: ۱۳۷، الكاشف: ۱/۳۸۲، تهذيب التهذيب: ۴/ ۱۳۹.

(۳) عبدالرحمٰن بن سلمان الحجری المصری، عمرو بن ابی عمرو، یزید بن عبداللہ، عقیل بن خالد وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے ابن وہب راوی ہیں، صحیح مسلم میں ان سے ایک حدیث مروی ہے۔

ملاحظہ ہو: تهذيب التهذيب: ۶/ ۱۸۷، تهذيب الكمال: ۱۱/۲۱۵.

(۴) ابو حازم سلمان الاشجعی الکوفی تابعی ہیں، حضرت ابن عمر، ابو ہریرہ، حسن، حسین اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں، اعمش، منصور، ابو مالک الاشجعی اور عدی بن ثابت وغیرہ ان سے راوی ہیں، موصوف نے خلافت عمر بن عبد العزیز میں وفات پائی، موطا اور صحیحین میں ان کا نام مذکور نہیں ہے، بلکہ کنیت مذکور ہے۔

ملاحظہ ہو: تاريخ الإسلام: ۲/ ۱۱۹۴، تهذيب الكمال: ۷/ ۴۲۲، سير أعلام النبلاء: ۵/۷، التاريخ الكبير، القسم الثاني من الجزء الثاني: ۱۳۷، تهذيب التهذيب: ۴/ ۱۴۰.

(۵) ابو رجاء سلمان مولیٰ ابی قلابہ جرمی بصری اپنے مولیٰ اور عمر بن عبدالعزیز سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے

سلمہ ہر جگہ تینوں حروف کے زبر کے ساتھ وارد ہے، مگر دو جگہ اس کو لام کے زیر (کسرہ) کے ساتھ پڑھنا چاہئے: ۱- عمرو بن سَلِمہ الجرمی [1] جو بصرہ کی مسجد کا امام تھا، اور ۲- بنوسَلِمہ جو انصار کا قبیلہ تھا۔

(دیکھئے: معرفة أنواع علم الحديث: ٤٥٩، المقنع لابن الملقن: ٦٠٧، المشتبه للذهبي: ٣٦٥، تبصير المنتبه: ٦٨٨، التقييد والايضاح للعراقي: ٣٤٨، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/٢٢٧)

ایوب، حجاج الصواف، ابن عون اور حمید الطویل روایت کرتے ہیں۔

موطا اور صحیحین میں ان کا نام مذکور نہیں ہے، بلکہ کنیت مذکور ہے۔

ملاحظہ ہو: تهذيب الكمال:٧/٤٢٣، كتاب الثقات:٦/٤١٧، التاريخ الكبير، القسم الثاني من الجزء الثاني:١٣٩، تهذيب التهذيب:٤/ ١٤٠.

(۱) ابو یزید عمرو بن سلمہ الجرمی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے ابو قلابہ الجرمی، عاصم الاحول، ابوالزبیر، مسعر بن حبیب الجرمی وغیرہ راوی ہیں۔ (تھذیب التھذیب: ۸/۴۲)

واضح رہے اس امر میں سب کا اتفاق ہے کہ حضور ﷺ سے ان کا سماع اور روایت ثابت نہیں، لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ موصوف صحابی ہیں یا نہیں، جو ان کو صحابی مانتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ بچپن میں اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ ایک وفد میں جو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوآئے تھے۔

"تهذيب التهذيب" (۸/۴۲) میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا رجحان یہی ہے کہ موصوف صغار صحابہ میں داخل ہیں۔

واضح رہے بنوسلمہ کی طرف نسبت میں لام پر کسرہ محدثین کے یہاں نحویوں کے قیاس کے خلاف ہے، حافظ عبدالکریم السمعانی "الأنساب" (ص:۳۰۳) میں رقمطراز ہیں: ''السَّلَمي: هذه النسبة بفتح السين المهملة وفتح اللام إلى بني سلمة حيّ من الأنصار، خرج منها جماعة وهم سلميون، وهذه النسبة وردت على خلاف القياس كما في سفرة سفري، وكما في نمرة نمري، وهذه النسبة عند النحويين، وأصحاب الحديث يكسرون اللام على غير قياس النحويين، وهو سلمة بن سعد بن علي بن أسد بن سادر بن تزيد بن جشم بن الخزرج.''

"سَلَمی" اس میں سین مہملہ اور لام ہر دو مفتوح ہیں، یہ بنی سلمہ کی طرف نسبت ہے جو انصار کا ایک قبیلہ ہے، ایک جماعت اس نسبت سے سلمی کہلاتی ہے، یہ نسبت بھی خلافِ قیاس مستعمل ہے، جس طرح سفرہ میں سفری اور نمرہ میں نمری خلافِ قیاس ہے، یہ نسبت نحویوں کے نزدیک بفتح لام ہے، اور محدثین کے یہاں کسرۂ لام سے مستعمل ہے جو نحویوں کے قاعدہ کے خلاف ہے، بنوسلمہ کا سلسلہ نسب یہ ہے: سلمہ بن سعد بن علی بن اسد بن سادرة بن تزید بن جشم بن الخزرج۔

یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ان کا نام "عمرو" ہے، ''عجالۂ نافعہ'' کے مطبوعہ نسخوں میں "عمر" چھپا ہے جو صحیح نہیں۔

عُبَیدَۃ ہر جگہ مصغر آیا ہے، مگر چار جگہ: ۱- عَبِیدۃ[1] سلمانی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے،

ملاحظہ ہو: تهذيب الكمال: ١٤/ ٢٣٧، سير أعلام النبلاء: ٣/ ٥٢٣، أسد الغابة: ٤/ ١١٠.

(۱) ابوعمرو عبیدہ بن عمرو السلمانی ثقہ تابعی ہیں، انہوں نے زمانۂ جاہلیت بھی پایا تھا، حضور اکرم ﷺ کی وفات سے دو سال پیشتر اسلام لائے تھے، مگر زیارت سے محروم رہے، حضرت علی، ابن مسعود اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں، عبد اللہ بن سلمہ المرادی، ابراہیم النخعی، ابو اسحٰق سبیعی، محمد بن سیرین اور عامر شعبی وغیرہ ان کے شاگرد ہیں، شعبیؒ فرماتے ہیں: "كان شريح أعلمهم بالقضاء، وكان عبيدة يوازيه" "شریح ان میں قضا کے سب سے زیادہ عالم تھے، اور عَبِیدہ اس میں ان کے ہمسر تھے۔ (تهذيب التهذيب: ۷/ ۸۴)

ابن سیرینؒ نے ان سے بکثرت روایت کی ہے علی بن المدینیؒ نے موصوف کو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے فقیہ شاگردوں میں شمار کیا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ "تهذيب التهذيب" (۷/ ۸۵) میں عجلی سے ناقل ہیں: "كل شيئ روى محمد عن عَبيدة سوى رأيه فهو عن علي، وكل شيئ روي عن إبراهيم عن عبيدة سوى رأيه فإنه عن عبد الله إلّا حديثاً واحدًا." "ہر وہ بات جو محمد محدث عَبِیدۃ سے ان کی رائے کے علاوہ روایت کرتے ہیں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہوتی ہے، اور ہر وہ بات جو ابراہیم از عبیدۃ ان کی رائے کے علاوہ نقل کرتے ہیں وہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے، البتہ ایک حدیث جو ابراہیم از عبیدۃ ہے وہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے۔

واضح رہے سلمانی قبیلہ کی طرف نسبت ہے اور اس کا لام محدثین کے یہاں ساکن نہیں ہے، عبد الکریم سمعانی "الأنساب" (ص: ۳۰۲) میں لکھتے ہیں: "السَّلْماني: بفتح السين المهملة وسكون اللام وفتح الميم وفي آخرها النون، هذه النسبة إلى سلمان، وسلمان حيّ من مراد، ويقال: سلمان في قضاعة، قاله محمد بن حبيب بإسكان اللام، وأصحاب الحديث يحرِّكون اللام ...... والمشهور بهذه النسبة عَبيدة بن عَمرو السَّلماني."

سلمانی میں سین مہملہ مفتوح، لام ساکن، میم مفتوح اور آخر میں نون ہے، یہ سلمان کی طرف نسبت ہے، اور سلمان مراد کا ایک قبیلہ ہے، بعض کہتے ہیں سلمان قضاعۃ میں ایک قبیلہ ہے، محمد بن حبیب، سلمان کو بسکون لام بولتے ہیں، اور محدثین لام پر حرکت پڑھتے ہیں...... اس نسبت سے عبیدہ بن عمرو سلمانی مشہور ہیں۔

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ "تاریخ الإسلام" (۲/ ۸۶۱) میں رقمطراز ہیں: "كان أحد الفقهاء الكبار بالكوفة ...... وتوفي على الصحيح سنة اثنتين وسبعين."

موصوف کوفہ کے کبار فقہاء میں سے تھے، اور صحیح مذہب کے مطابق موصوف کا سال وفات ۷۲ھ ہے۔

ملاحظہ ہو: الإعلام بوفيات الأعلام: ٤٤، المنتظم: ٦/ ١٢٢.

۲-عبیدۃ بن حُمید [۱]، ۳- عبیدۃ بن سفیان [۲]،۴- عامر بن عَبِیدۃ الباہلی [۳] مصغر نہیں ہیں۔

(تدريب: ٥٧٣، محاسن الاصطلاح: ٣١٠، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٥٩، المقنع لابن الملقن: ٦٠٨، المشتبه للذهبي: ٤٣٧ -٤٣٩، تبصير المنتبه: ٩١٣ - ٩١٥، التقييد والإيضاح: ٣٥٠، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/ ٢٤٥)

---

(۱) ابوعبد الرحمٰن عبیدۃ بن حمید بن صہیب التیمی، موصوف الحذاء کی نسبت سے بھی مشہور ہیں، ۱۰۷ھ یا ۱۰۹ھ میں پیدا ہوئے تھے۔

اسود بن قیس، عبد العزیز بن رفیع، عبد الملک بن عمیر، منصور اور اعمش سے روایت کرتے ہیں، سفیان ثوری، امام احمد بن حنبل، احمد بن منیع، حسن بن الصباح اور عمرو الناقد وغیرہ ان کے شاگرد ہیں، بغداد میں یہ محمد بن ہارون کے اتالیق مقرر کئے گئے تھے، اور تاحیات اسی عہدہ پر مامور رہے، موصوف کو نحو، عربیت اور قرأت میں کمال حاصل تھا، ۱۹۰ھ میں وفات پائی۔ (تهذيب التهذيب: ۷/۸۱)

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ "تاريخ الإسلام" (۴/۱۳۰) میں رقمطراز ہیں: "وثقه أحمد ويحيى، وكان حجة، ثبتا، عالما، صاحب حديث ونحو وعربية وقرآن ...... وقال عبد الله بن علي المديني، عن أبيه: أحاديثه صحاح، ومارويت عنه شيئا وضعّفه، وقال في موضع آخر: مارأيت أصح حديثًا منه".

احمد اور یحییٰ نے موصوف کی توثیق کی ہے، اور موصوف حجۃ، ثبت، عالم اور محدث، نحو اور عربیت کے عالم اور قاری ہیں، عبداللہ بن علی المدینیؒ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ان کی احادیث صحاح ستہ میں موجود ہیں، میں نے ان سے کوئی روایت نقل نہیں کی اور ان کی تضعیف کی، دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے زیادہ صحیح حدیث والا کسی کو نہیں دیکھا۔

ملاحظہ ہو: تهذيب الكمال: ١٢/ ٣٣٢، سير أعلام النبلاء: ٨ /٥٠٨، الإكمال: ٦/ ٥١، المنتظم: ٩/ ١٨٧

(۲) عبیدۃ بن سفیان الحضرمی المدنی تابعی ہیں، حضرت ابو ہریرہ، ابوالجعد ضمری اور زید بن خالد جہنی ﷺ سے راوی ہیں، اور ان سے ان کے فرزند عمرو، اسماعیل بن ابی حکیم، بسر بن سعید اور محمد بن عمرو بن علقمہ وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

ملاحظہ ہو: تهذيب التهذيب: ٧ / ٨٣، تاريخ الإسلام: ٣ / ٩٧، تهذيب الكمال: ١٢ / ٣٣٧، التاريخ الكبير، القسم الثاني من الجزء الثالث: ٨٢، الإكمال: ٦/ ٤٨.

(۳) عامر بن عبیدۃ الباہلی البصری، بصرہ کے قاضی تھے، موصوف حضرت انس، ابوالملیح الہذلی، عبد الملک بن یعلی لیثی سے روایت کرتے ہیں اور ان سے شعبہ، معاویہ بن عبدالکریم وغیرہ راوی ہیں۔ (تهذيب التهذيب: ۵/۷۹)

عُباد ۃ ہر جگہ عین کے پیش اور بائے موحدہ کے تخفیف کے ساتھ ہے، مگر محمد بن عبادۃ الواسطی[1] جو امام بخاری کے استاد ہیں، وہ عین کے زبر (فتحہ) کے ساتھ ہے۔

(معرفة أنواع علم الحديث: ٤٥٩، المقنع لابن الملقن: ٦٠٨، المشتبه للذهبي: ٤٣٠، تبصير المنتبه: ٨٩٥، شرح التبصرة والتذكرة للعراقي: ٢/ ٢٤٩)

(ابن ماکولاؒ نے ان کے علاوہ تین آدمی اور بھی بتلائے ہیں، جو امام بخاریؒ کے شیوخ میں سے تو نہیں ہیں، البتہ عین کے فتحہ کے ساتھ ہیں، ۱- عَبادۃ بن عُمر بن ابی ثابت، ۲- عَبادۃ بن زیاد اسدی کوفی، ۳- یحییٰ بن عَبادۃ) (الإکمال: ٦/ ٢٧)

عَبْدۃ ہر جگہ عین کے زبر (فتحہ) اور بائے موحدہ کے سکون سے ہے، مگر عامر بن عبدہ[2] جو صحیح مسلم کے خطبہ میں وارد ہے، اس کو عین اور بے دونوں پر زبر (فتحہ) کے ساتھ پڑھنا چاہئے، اور اسی طرح بجالہ[3] بن عبدہ بھی ہے۔

(محاسن الاصطلاح: ٣١٠، تدريب الراوي: ٥٧٣، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٥٩، المقنع لابن الملقن: ٦٠٨، المشتبه للذهبي: ٤٣٤، تبصير المنتبه لابن حجر: ٩٠٧، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/ ٢٤٧)

---

(۱) ابو جعفر محمد بن عبادۃ الواسطی، موصوف ابو احمد زبیری، ابو اسامہ، اسحٰق الازرق، یزید بن ہارون، یعقوب ابن اسحٰق، اصمعی وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، ابوداؤد، ابن ماجہ، ابو حاتم، اسلم بن سہل، ابن کعب اور ابو بکر بن ابی داؤد نے ان سے روایت کی ہے۔ (تہذیب التہذیب: ۹/ ۲۴)

علامہ شمس الدین الذہبیؒ موصوف کے متعلق "تاریخ الإسلام" (۶/ ۱۷۸) میں رقمطراز ہیں: "قال أبو حاتم: صدوق، صاحب نحو وأدب" ابو حاتم کہتے ہیں کہ موصوف صدوق، ادیب ونحوی تھے۔

(۲) ابو ایاس عامر بن عبدۃ البجلی الکوفی، تابعی ہیں، موصوف حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے راوی ہیں، اور ان سے مسیّب بن رافع روایت کرتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب: ۵/ ۷۸)

واضح رہے عامر بن عبدۃ بجلی کی روایت صحیح بخاری میں موجود ہے، ابن خطیب الدہشہ "تحفة ذوی الأرب" (ص: ۸۰) میں رقمطراز ہیں: "قلت: والبخاري في باب الشهادة على الخط في كتاب الأحكام آخر الصحيح".

میں کہتا ہوں امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کے آخر میں کتاب الأحکام باب الشہادۃ علی الخط میں عامر بن عبدہ بجلی کی سند سے روایت نقل کی ہے۔

(۳) بجالۃ ابن عبدۃ التمیمی البصری، حضرت ابن عباس، عبدالرحمٰن بن عوف اور عمران بن حصینؓ سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے عمرو بن دینار، قتادہ اور قشیر بن عمرو وغیرہ راوی ہیں، موصوف ۷۰ھ تک بقید حیات رہے۔ (تہذیب التہذیب: ١/ ٣٦٥)

عَبّـاد ہر جگہ عین کے زبر (فتحہ) اور بائے موحدہ کی تشدید کے ساتھ وارد ہے، مگر قیس بن عُباد[1]، عین کے پیش اور بائے موحدہ کی تخفیف کے ساتھ آیا ہے۔

(المحاسن: ۳۱۰، تدریب: ۵۷۳، مقدمة ابن الصلاح: ٤٦٠، المقنع: ٦٠٨، المشتبه: ٤٢٩، تبصير المنتبه: ٨٩٢)

عَقیل عین کے زبر (فتحہ) اور قاف کے زیر (کسرہ) کے ساتھ آیا ہے مگر تین راوی مصغر وارد ہیں:

۱: زُہری کے شاگر عُقیل بن خالد[2]، ....

---

(۱) ابوعبداللہ قیس بن عباد الضبعی البصری، کبار تابعین میں سے ہیں، عہدِ فاروقی میں مدینہ آئے تھے، موصوف حضرت عمر بن الخطاب، علی، عمار، ابوذر، عبداللہ بن سلام، سعد بن ابی وقاص، ابن عمرو اور ابی بن کعب ﷺ سے راوی ہیں، عبداللہ بن مطر، ابومجلز، حسن، ابن سیرین اور ابونضرہ عبدی، ان سے روایت کرتے ہیں۔

(تهذيب التهذيب: ٨/ ٤٠٠)

موصوف کے متعلق علامہ شمس الدین الذہبیؒ "تاریخ الإسلام" (۹۹۱/۲) میں رقمطراز ہیں: "كان كثير العبادة والغزو، ولكنه شيعي، وقد رحل إلى المدينة، وصلى مع عمر ...... وقال ابن سعد: كان ثقة قليل الحديث."

موصوف عبادت اور جہاد زیادہ کرتے تھے، لیکن شیعیت کا الزام بھی ہے، موصوف نے مدینہ کا سفر کیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز میں شریک ہوئے...... ابن سعد فرماتے ہیں کہ موصوف ثقہ اور قلیل الحدیث ہیں۔

(۲) عُقیل ابن خالد بن عَقیل الاموی تابعی ہیں، یہ اپنے والد خالد اور اپنے چچا زیاد، نافع، عکرمہ، حسن، سعید ابن ابی سعید خدری سے روایت کرتے ہیں، امام زہری کے معتبر شاگردوں میں ان کا شمار ہے، ابراہیم، سلامۃ بن روح، مفضل بن فضالہ، لیث بن سعد، یونس بن یزید ایلی وغیرہ ان سے راوی ہیں، موصوف مدینہ میں شرطی (سپاہی) تھے، ۱۴۴ھ میں مصر میں وفات پائی۔

واضح رہے ان کا نام عُقیل (مصغر) ہے، اور ان کے دادا کا نام عَقیل (مکبر) ہے۔

(تهذيب التهذيب: ٢٥٦/٧)

موصوف کے متعلق حافظ ابن حجرؒ "تهذيب التهذيب" (۲۲۸/۷، طبع دار الفکر) میں رقمطراز ہیں: "قال أحمد ومحمد بن سعد والنسائي: ثقة ...... وقال أبو زرعة: صدوق، ثقة ...... وفي رواية ابن أبي مريم عن ابن معين: عقيل ثقة حجة ...... وذكره ابن حبان في الثقات"

احمد، محمد بن سعد، اور نسائی فرماتے ہیں کہ موصوف ثقہ ہیں، اور ابوزرعہ فرماتے ہیں صدوق اور ثقہ ہیں، اور ابن ابی مریم کی ایک روایت میں یحییٰ بن معین سے منقول ہے کہ عُقیل ثقہ حجت ہیں، اور ابن حبان نے ان کا تذکرہ ثقات میں کیا ہے۔

۲- یحییٰ بن عُقیل [۱]،۳- بنو عُقیل [۲] مشہور قبیلہ ہے۔

(دیکھئے: محاسن الاصطلاح: ۳۱۰، تدریب الراوي: ۵۷۳، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٦٠، المقنع: ٦٠٨، المشتبه: ٤٦٦، تبصير المنتبه: ٩٥٩-٩٦٠، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/ ٢٤٨-٢٤٩)

واقد ہر جگہ قاف کے ساتھ ہے۔

(معرفة أنواع علم الحديث: ٤٦٠، المقنع: ٦٠٨، المشتبه: ٦٥٧، تبصير المنتبه: ١٤٦٥، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/ ٢٤٩)

نصر اگر لام تعریف کے ساتھ آئے تو ضاد معجمہ سے پڑھنا چاہئے، جیسے ابی النضر [۳] ....

علامہ ذہبیؒ موصوف کے متعلق "تاریخ الإسلام" (۳/۹۲۹) میں لکھتے ہیں: ''وكان إمامًا حافظًا ثبتاً ثقةً، لازم الزهري حضراً وسفراً، زميلاً له في المحمل ...... وقال أبو حاتم الرازي: عُقيل لم يكن بالحافظ كان صاحب كتاب محله الصدق.''

موصوف امام، حافظ، ثبت اور ثقہ ہیں، اور سفر وحضر میں ہمیشہ زہری کے ساتھی رہے تھے، اور ابو حاتم رازی فرماتے ہیں کہ عُقیل حافظ نہیں تھے، موصوف صاحبِ کتاب اور صدوق تھے۔

ملاحظہ ہو: الإرشاد: ١/ ١٩٢ الإعلام بوفيات الأعلام: ٧٠.

(۱) یحییٰ بن عُقیل الخزاعی البصری، موصوف حضرت عمران بن حصین، عبداللہ بن ابی اوفی، انس بن مالک، یحییٰ بن یعمر رضی اللہ عنہم وغیرہ سے راوی ہیں، اور ان سے سلیمان تیمی، عزرہ بن ثابت، عبداللہ بن کیسان مروزی اور حسین بن واقد وغیرہ روایت کرتے ہیں، ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔

ملاحظہ ہو: تهذيب التهذيب: ١١/ ٢٥٩، تاريخ الإسلام: ٣/ ٣٣٨.

(۲) بنو عُقیل کی طرف نسبت میں عقیلی بولتے ہیں، عبدالکریم سمعانی "الأنساب" (۳۹۵) میں رقمطراز ہیں: ''العُقَيلي بضم العَين وفتح القاف وسكون الياء المنقوطة باثنتين من تحتها، هذه النسبة إلى عقيل بن كعب بن عامر بن ربيعة بن عامر بن صعصعة بن معاوية بن بكر''.

عُقیلی: ضمہ عین، فتحہ قاف اور سکون یائے منقوطہ کے ساتھ ہے، اور یہ عُقیل بن کعب بن عامر بن ربیعہ بن عامر بن صعصعۃ بن معاویہ بن بکر کی طرف نسبت ہے۔

(۳) ''ابو النضر سالم بن ابی امیۃ التیمی المدنی''، حضرت انس، سائب بن یزید، عوف بن مالک اور عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہم سے راوی ہیں، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوریؒ، امام مالکؒ اور لیث وغیرہ ان سے روایت کرتے ہیں، ابن سعد

اور النضر بن الحارث (۱) اور اگر بغیر لام تعریف کے آئے تو صاد مہملہ سے پڑھنا چاہئے، یہ اصطلاحی فرق ہے جو کتابت میں امتیاز کی غرض سے اختیار کیا گیا ہے، جیسے عُمر اور عَمرو میں کیا ہے۔

عُبید اور حُمید ہر جگہ مصغر ہے۔

اَیـلـي (۲)، اَیلہ کی طرف منسوب ہے جو حدودِ شام میں ایک شہر ہے، یہ ہمزہ کے زبر (فتحہ) اور یائے تحتیہ کے سکون اور لام تخفیف کے ساتھ وارد ہوا ہے، یہ اس صورت میں اُبُلّی سے جو ابلہ (۳) ہمزہ اور بائے موحدہ کے پیش اور لام مشدد سے مشتبہ ہو جاتا ہے، لیکن صحیحین میں کوئی راوی اُبُلّی کی نسبت والا نہیں آیا ہے، اور جو ہے بھی تو اس کی نسبت مذکور نہیں ہے۔

فرماتے ہیں: ''یہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے''، ۱۲۹ھ میں وفات پائی۔

ملاحظہ ہو: تهذيب التهذيب: ٣ / ٤٣١، الإعلام بوفيات الأعلام: ٦٤.

(۱) النضر بن الحارث بن عبد رزاح الاوسی ﷺ صحابی ہیں، حافظ سید مرتضیٰ حسن زبیدی تـاج الـعـروس (مادہ نضر) میں "تبصير المنتبه" سے ناقل ہیں: ''نـضـر بـن الحارث بن عبد رزاح الأوسي له صحبة، هكذا ذكره الحافظ ابن حجر في "التبصير" من غير ألف ولام. وفي "معجم الصحابة" لابن فهد: هو النضر باللام. قال: وحكي فيه "نصر" بالصاد المهملة.''

نضر بن الحارث بن عبد رزاح اوسی صحابی ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی نے التبصیر میں بغیر الف لام کے ذکر کیا ہے، اور ابن فہد نے "معجم الصحابه' میں "النضر" الف لام کے ساتھ لکھا ہے، اور کہا ہے کہ اس کو "نصر" صاد مہملہ کے ساتھ بیان کیا ہے۔

(۲) واضح رہے ''ایلی'' نسبت کے راویوں اور محدثوں کو علامہ ذہبیؒ نے "المشتبه ص: ٤" میں یکجا نقل کیا ہے۔

(۳) ابلہ بصرہ سے چار فرسخ پر نہایت قدیم بستی تھی، "الأنساب" (۱۷) میں ہے: ''الأبـلـي هـذه الـنسبة إلى الأبـلة: بـلدة قديمة على أربعة فراسخ من البصرة ...... وممن اشتهر بالانتساب إليها ...... أبو محمد شيبان بن أبي شيبة، واسم أبي شيبة فروخ من ثقات أهل الأبلة''

.ابلی یہ ایک قدیم شہر ابلہ کی طرف منسوب ہے جو بصرہ سے چار فرسخ مسافت پر واقع ہے، اس کی طرف نسبت سے ابو محمد شیبان بن ابی شیبہ فروخ مشہور ہیں، اور ثقات اہل ابلہ سے ہیں۔

یاقوت "معجم البلدان" میں لکھتے ہیں: ''بلدة عـلـى شـاطـئ دجلة البصرة العظمى في زاوية الـخـليـج الـذي يـدخـل منه إلى مدينة البصرة، وهي أقدم من البصرة ، لأن البصرة مصرت في أيام

جیسے شیبان بن فروخ[۱] کہ ان سے امام مسلم نے روایت کی ہے، مگر ان کی نسبت میں لفظ اُبُلّی ذکر نہیں کیا ہے۔

(محاسن الاصطلاح: ۳۱۰، تدریب الراوي: ۵۷٤، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٦٠، المقنع: ٦٠٩، المشتبه: ٦، تبصير المنتبه: ۳۳، التقييد والإيضاح: ۳٥۱، شرح التبصرة والتذكرة: ۲/ ۲٤۹)

بــزّاز ہر جگہ دو زائے منقوطہ سے ہے یعنی کپڑا بیچنے والا، یہ بزٌّ سے مشتق ہے جو کپڑے کے معنی میں آتا ہے، مگر دو راوی بزار[۲] ہیں، بزار عربی میں بزر فروش کو کہتے ہیں یعنی تخم فروش کو بولتے ہیں، اور ایسے پیشے والے کو ہندی میں پنساری کہتے ہیں۔

(تدريب الراوي : ٥٧٤، محاسن الاصطلاح :٣١١، معرفة أنوع علوم الحديث: ٤٦٠، المقنع: ٦٠٩ –٦١٠، المشتبه: ٧١، تبصير المنتبه: ١٤٧– ١٤٨، التقييد والإيضاح: ٣٥٢، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/ ٢٥٠)

عمر بن الخطاب رضي الله عنه، وكانت الأبلة حينئذ مدينة فيها مسالح من قبل كسرى وقائد.''

یہ شہر بصرہ کے عظیم تر دجلہ کے کنارے پر زاویہ خلیج میں جس سے شہر بصرہ میں داخل ہوتے ہیں واقع ہے، یہ بصرہ سے قدیم تر شہر ہے، کیونکہ بصرہ عمر بن الخطاب ﷺ کے زمانہ میں آباد ہوا ہے، اور ابلہ اس وقت ایک شہر تھا، اس میں شاہان کسریٰ اور قائد کی مسلح افواج رہا کرتی تھیں (یہ چھاؤنی تھی)۔

(۱) شیبان بن ابی شیبۃ فروخ الحبطی ۱۴۰ھ میں پیدا ہوئے، جریر بن حازم، ابوالأشہب العطاردی، ابان بن یزید، حماد بن سلمہ وغیرہ سے راوی ہیں۔

ابویعلی، حسن بن سفیان، بقی بن مخلد، جعفر بن محمد الفریانی وغیرہ ان سے روایت کرتے ہیں، ۲۳۶ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ (تهذيب التهذيب: ۴/ ۳۷)

علامہ ذہبیؒ موصوف کے متعلق "تاريخ الإسلام" (۵/ ۸۳۹) میں رقمطراز ہیں: ''وكان صدوقاً مكثراً''. موصوف صدوق، اور کثرت سے حدیث بیان کرنے والے ہیں۔

(۲) ا- ابوعلی حسن بن صباح البزار الواسطی البغدادی، ابن عیینہ، ابوالنضر، وکیع، ولید بن مسلم، زید بن الحباب، اسحٰق بن یوسف الازرق، احمد بن حنبل اور علی بن المدینی وغیرہ سے راوی ہیں۔

اور ان سے امام بخاری، ابوداؤد، ترمذی، ابراہیم حربی، ابوبکر البزار، ابوبکر الصغانی وغیرہ روایت کرتے ہیں، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: بزار ہر روز کوئی نہ کوئی نیک کام کرتے تھے، ابوحاتم کہتے ہیں، صدوق ہیں، بغداد میں ان کا بڑا جاہ وجلال تھا، ۲۴۹ھ میں انتقال ہوا ہے۔ (تهذيب التهذيب: ۲/ ۲۸۹)

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ "تاريخ الإسلام" (۵/ ۱۱۱۷) میں رقمطراز ہیں: ''قال أبو حاتم:

البصری ہرجگہ بائے موحدہ کے ساتھ، شہر بصرہ کی طرف نسبت ہے، مگر تین راوی نون سے آئے ہیں، اور وہ ایک مشہور قبیلہ بنی نصر کی طرف منسوب ہیں: ۱- مالک بن اوس النصری [1] ....

صدوق، وكانت له جلالة عجيبة ببغداد، كان أحمد بن حنبل يرفع من قدره ويُجلّه ...... وقال ابن الإمام أحمد بن حنبل عن أبيه: ماياُتي على ابن البزار يوم إلّا وهو يعمل فيه خيراً، ولقد كنا نختلف إلى فلان، فكنا نقعد نتذاكر إلى خروج الشيخ، وابن البزار قائم يصلي''.

ابو حاتم کہتے ہیں کہ موصوف صدوق ہیں، بغداد میں ان کی عجیب شان وشوکت تھی، اور امام احمد بن حنبل ان کی بڑائی بیان کرتے تھے، امام احمد بن حنبل کے بیٹے اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ابن بزار پر کوئی دن نہیں گذرتا تھا، مگر یہ کہ وہ اس میں خیر کا عمل ضرور کرتا تھا، اور تحقیق ہم فلاں کے پاس جاتے وہاں بیٹھ کر شیخ کے آنے تک آپس میں مذاکرہ کرتے تھے، اور ابن بزار کھڑے ہو کر نماز میں مشغول رہتے تھے۔

ملاحظہ ہو: الإعلام بوفيات الأعلام: ۱۱۰، المنتظم: ۱۲ /۲۵، رقم: ۱۵۲۱.

۲- خلف بن ہشام بن ثعلب البزار البغدادی المقری، حماد بن زید، امام مالک، ہشیم، ابوعوانہ، اور ابوشہاب وغیرہ سے راوی ہیں، اور ان سے امام مسلم، ابوداؤد، ابن ابی خیثمہ، ابراہیم حربی، عباس دوری، ابوزرعہ اور ابوحاتم وغیرہ روایت کرتے ہیں، نہایت عابد وزاہد اور بڑے باکمال قاری تھے، جمادی الآخرہ ۲۲۹ھ میں انتقال ہوا۔

(تهذيب التهذيب: ۱۵۶/۳)

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ "تاريخ الإسلام" (۵۶۵/۵) میں رقمطراز ہیں: ''قلت: وثّقه ابن معين، والنسائي، وقال الدارقطني: كان عابدًا فاضلاً ...... وقال الحسين بن فَهم: مارأيت أنبل من خلف بن هشام، كان يبدأ بأهل القرآن، ثم يأذن لأصحاب الحديث ...... وقيل: إن خلفاً كان يسرد الصوم ...... توفي في سابع جمادى الآخرة سنة تسع وعشرين، وولد سنة خمسين ومئة''.

میں کہتا ہوں کہ ابن معین اور نسائی نے موصوف کی توثیق کی ہے، اور دارقطنی فرماتے ہیں کہ موصوف عابد، فاضل تھے، اور حسین بن فہم فرماتے ہیں کہ میں نے خلف بن ہشام سے زیادہ شرافت وعزت والا کسی کو نہیں دیکھا، موصوف پہلے قراء کو بلاتے پھر اصحاب حدیث کو بلاتے، اور یہ بھی کہا گیا کہ موصوف مسلسل روزہ رکھتے تھے، ان کا انتقال سات جمادی الثانیہ ۲۲۹ھ کو ہوا، اور ولادت ۱۵۰ھ میں ہے۔

ملاحظہ ہو: الإعلام بوفيات الأعلام: ۱۰۲، المنتظم: ۱۴۵/۱۱، ۳۲۱.

(۱) ابوسعید مالک بن اوس بن الحدثان النصری المدنی، ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے، لیکن اس امر

۲- عبدالواحد بن عبداللہ النصری، (۱)۳- سالم بن فلاں (۲) جونصریین کا مولیٰ (غلام) ہے۔

(محاسن الاصطلاح: ۳۱۱، تدريب الراوي: ۵۷٤، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٦٠، المقنع: ٦١٠، المشتبه: ۸۳، تبصير المنتبه: ۱۵۷ - ۱٦٠، شرح التبصرة والتذكرة: ۲/ ۲۵۰ - ۲۵۱)

الثوری ہر جگہ ثائے مثلثہ سے ہے، مگر ابویعلیٰ محمد (۳) بن الصلت التوزی جو تائے مثناۃ فوقانیہ اور تشدیدِ واو کے ساتھ ہے، توز کی طرف نسبت ہے جس کے آخر میں زائے منقوطہ ہے۔

(محاسن الاصطلاح: ۳۱۱، تدريب الراوي: ۵۷٤، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٦١، المقنع: ٦١٠، المشتبه: ۹۸، تبصير المنتبه: ۱۷۸، شرح التبصرة والتذكرة: ۲/ ۲۵۱ - ۲۵۲.

میں سب کا اتفاق ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے ان کی روایت ثابت نہیں، نیز حضرت ابوبکر ؓ کو انہوں نے دیکھا ہے، حضرت عمر، عثمان، علی، عباس، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص اور ابوذر ؓ سے راوی ہیں، ان سے زہری، محمد بن عمرو بن عطا، عکرمہ بن خالد، محمد بن جبیر وغیرہ روایت کرتے ہیں، ۹۲ھ میں وفات پائی۔

ملاحظہ ہو: تهذيب التهذيب: ۱۰/ ۱۰، تاريخ الإسلام: ۲/ ۱۱٦۲، الإعلام بوفيات الأعلام: ۵۰.

(۱) عبدالواحد بن عبداللہ بن کعب النصری اپنے والد عبداللہ، واثلۃ بن الاسقع، عبداللہ بن بسر المازنی وغیرہ سے راوی ہیں، اور ان سے امام اوزاعیؒ، سلیمان بن حبیب المحاربی وغیرہ روایت کرتے ہیں، موصوف ۱۰۴ھ تک مکہ، مدینہ اور طائف میں گورنر بھی رہے ہیں۔ (تهذيب التهذيب: ٦/ ٤٣٦)

تعجب ہے ابن القیسرانی نے ان کا تذکرہ "الجمع بین رجال الصحیحین" میں نہیں کیا ہے۔

(تاريخ الإسلام: ۳/ ۹۵)

(۲) "سالم مولی النصریین" تابعی ہیں، ۱۱۰ھ میں انتقال ہوا ہے۔ (ملاحظہ ہو تهذيب التهذيب: ۳/ ٤۳۸)

(۳) "ابویعلی محمد بن الصلت بن الحجاج الاسدی الکوفی"، اصل میں توّز کے باشندے تھے، بصرہ میں سکونت اختیار کی تھی، ولید بن مسلم، ابوصفوان اُموی اور ابن عیینہ وغیرہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، اور ان سے امام بخاری، عثمان بن ابی شیبہ، ابوزرعہ اور ابوحاتم وغیرہ نے روایت کی ہے، ۲۲۸ھ میں وفات پائی۔ (تهذيب التهذيب: ۹/ ۲۳۳)

"توز" توّج کا معرب ہے، یہ فارس میں ایک شہر تھا جو پارچہ بافی میں بہت مشہور تھا، یاقوت "معجم البلدان" میں رقمطراز ہیں: "تـوّج بفتح أوله، وتشديد ثانيه، وفتحه أيضاً، وجيم، وهي توز بالزاي ...... مدينة بفارس قريبة من كازرون شديدة الحر؛ لأنها في غور من الأرض ذات نخل، وبناؤها باللبن، بينها وبين شيراز اثنان وثلاثون فرسخاً، ويعمل فيها ثياب كتان تنسب إليها، وأكثر من يعمل هذا الصنف بكازرون

جُریری [1] ہر جگہ جیم کے ساتھ ہے اور مصغر ہے، مگر یحییٰ بن ایوب جریری [2] جیم کے زبر (فتحہ) سے آیا ہے،

لكن اسم توّج غالب عليه؛ لأن أهل توج أحذق بصناعته ...... وهي مدينة صغيرة، واسمها كبير، وقد فتحت في أيام عمر بن الخطاب ﷺ في ١٨ أو ١٩ هـ''.

توج میں پہلا حرف مفتوح دوسرا مشدد اور مفتوح ہے اور آخر میں جیم ہے، توز حرفِ زا کے ساتھ ہے، یہ فارس میں گازرون سے قریب نہایت گرم شہر ہے، کیونکہ یہ نہایت نشیب میں واقع ہے، یہاں کھجوروں کے درخت بہت ہیں، یہ کچی اینٹوں کا بنا ہوا ہے، اس کے اور شیراز کے درمیان بتیس فرسخ کی مسافت ہے، یہاں کتان کے کپڑے بُنے جاتے ہیں، اور اس کی نسبت سے مشہور ہے، اور اس صنعت کے کاری گر گازرون میں بہت آباد ہیں، لیکن اس پر توج کا نام غالب ہے؛ کیونکہ اہل توج اس صنعت میں بڑے ماہر ہوتے ہیں، اور یہ اگرچہ چھوٹا سا شہر ہے، لیکن اس کا نام بڑا ہے، اور حضرت عمر ﷺ کی خلافت کے زمانہ (۱۸یا۱۹ھ) میں فتح ہوا ہے۔

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ "تاریخ الإسلام" (۵/۶۷۷) میں رقمطراز ہیں: ''قال أبو حاتم: صدوق، كان يُملي علينا من حفظه التفسير وغيره، وربما وهم.'' ابوحاتم فرماتے ہیں کہ موصوف صدوق ہیں، ہمیں زبانی تفسیر اور اس کے علاوہ فنون کی املاء کرواتے تھے، اور بسا اوقات ان کو وہم لاحق ہو جاتا تھا۔

(۱) جُریری یہ جُریر بن عباد کی طرف نسبت ہے، حافظ عبدالکریم السمعانی "الأنساب" (۱۲۹) میں لکھتے ہیں:

''الجُريري: بضم الجيم، وفتح الراء الأولى، وسكون الياء المنقوطة باثنتين تحتها، بعدها راء أخرى، هذه النسبة إلى جرير بن عباد ...... صعب بن علي بن بكر بن وائل''.

''جُریری'' ضمہ جیم، فتحہ رائے اول اور سکون یائے منقوطہ سے ہے، اور اس کے بعد بھی را ہے، یہ جُریر بن عباد ......صعب بن علی بن بکر بن وائل کی طرف نسبت ہے۔

(۲) ''یحییٰ بن ایوب بن ابی زرعۃ الجریری البجلی الکوفی'' حضرت جریر بن عبداللہ البجلی ﷺ کی اولاد میں سے تھے اسی لئے جریری سے مشہور ہیں۔

موصوف نے اپنے دادا، نیز زیاد بن علاقہ اور شعبی وغیرہ سے حدیث کی سماعت کی ہے، ابن المبارک، مروان بن معاویہ اور ابوقتیبہ وغیرہ ان سے روایت کرتے ہیں۔ (تهذيب التهذيب: ۱۱/۱۸۶)

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ "تاریخ الإسلام" (۴/۲۵۱) میں رقمطراز ہیں:

''قال ابن معين: ليس به بأس، وقال مرّة ضعيف.''

ابن معین فرماتے ہیں کہ ان سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور ایک مرتبہ فرمایا کہ ضعیف ہیں۔

اور یحییٰ [1] بن بشر حریری جو بخاری اور مسلم کے استاد ہیں، حائے مہملہ کے زبر (فتحہ) سے آئے ہیں، اور حریر (ریشم) کی طرف منسوب ہیں۔

(محاسن الإصطلاح: ۳۱۱، تدریب الراوي: ۵۷۵، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٦١، المقنع: ٦١٠، المشتبه: ١٤٩ – ١٥٠، تبصير المنتبه: ٣١٩ – ٣٢١، التقييد والإيضاح: ٣٥٢ – ٣٥٥، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/ ٢٥٢ – ٢٥٣)

السَّلَمي [2] ہر جگہ لام کے زبر (فتحہ) سے آیا ہے، اور محدثین ان راویوں کو جو انصار کے قبیلہ بنی سلمہ کی طرف منسوب ہیں، لام کے زیر (کسرہ) کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

(محاسن الاصطلاح: ۳۱۲، تدریب الراوي: ۵۷۵، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٦١ – ٤٦٢، المقنع: ٦١٢، المشتبه: ٣٦٥، تبصير المنتبه: ٧٣٩ – ٧٤٠)

---

(۱) ''ابو زکریا یحییٰ بن بشر بن کثیر حریری کوفی محدث''، معاویہ بن سلام، سعید بن بشیر، ولید بن مسلم وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

امام مسلم، عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی، محمد بن ابی بکر بن ابی شیبہ، بقی بن مخلد وغیرہ ان کے شاگرد ہیں، ابن سعد کا بیان ہے کہ ۲۲۹ھ میں وفات پائی۔ (تهذيب التهذيب: ۸۹/۱۱)

واضح رہے موصوف امام بخاری کے شیوخ میں سے نہیں ہیں، امام بخاری کے شیوخ میں یحییٰ بن بشر بجلی ہیں، محدث ابن القیسرانی نے ''رجال الصحيحين'' (۵۵۸/۲) کے حاشیہ میں حافظ ابن رشید سے نقل کیا ہے کہ یحییٰ بن بشر نام کے دو راوی ہیں: ایک امام مسلم کے شیوخ میں سے ہیں جن کا تذکرہ اوپر گذرا، دوسرے ابو زکریا یحییٰ بن بشر بجلی البلخی الزاہد (التوفی ۲۳۲ھ) ہیں، جو امام مسلم کے شیوخ میں سے نہیں امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں، لہٰذا یحییٰ بن بشر کوفی کو امام مسلم اور امام بخاری کا شیخ قرار دینا صحیح نہیں۔

موصوف کے متعلق علامہ شمس الدین الذہبیؒ "تاريخ الإسلام" (۲۳/۵ ۷) میں لکھتے ہیں:

''قال صالح جزرة: صدوق، وقال الدار قطني: ثقة ''صالح جزرۃ کا قول ہے کہ موصوف صدوق ہیں، دارقطنی فرماتے ہیں کہ ثقہ ہیں۔

(التقييد و الإيضاح لما أطلق وأغلق من مقدمة ابن الصلاح: ۳۵۴)

(۲) بنو سلمہ کی طرف نسبت میں محدثین کا لام کو مکسور پڑھنا، اور ابن صلاح کا اس کو لحن قرار دینا صحیح نہیں ہے، تفصیل گذر چکی ہے۔

الهمداني (1)، ہر جگہ سکون میم کے ساتھ قبیلہ ہمدان کی طرف منسوب ہے، لیکن ہمذان میم کے زبر (فتحہ) سے عراقِ عجم کے شہروں میں سے ایک شہر کا نام ہے، اور صحیحین میں اس شہر کی طرف نسبت نہیں آئی ہے۔

(دیکھئے: تدريب: ٥٧٦، محاسن: ٣١٢، معرفة أنواع علم الحديث: ٤٦٢، المقنع: ٦١٢، المشتبه: ٦٥٤، تبصير المنتبه: ١٤٦٠ – ١٤٦٢)

---

(1) همدان یہ ہمدان بن مالک کی طرف نسبت ہے، قلقشندی "نهاية الأرب" (ص: ۴۳۸) میں لکھتے ہیں:

''بنو هَمدان بإسكان الميم، بطن من كهلان من القحطانية، وهم بنوهمدان بن مالك بن زيد بن أوسلة بن ربيعة بن الجبار بن زيد بن كهلان.''

بنوہمدان سکون میم کے ساتھ قبیلہ قحطانیہ کی ایک شاخ کہلان کا ایک گروہ ہے، ان کا سلسلۂ نسب: همدان بن مالك بن زيد بن أوسلة بن ربيعة بن خيار بن زيد بن كهلان ہے۔

ابن الصلاح فرماتے ہیں: ''ليس في الصحيحين والموطأ الهمذاني بالذال المنقوطة، وجميع مافيها على هذه الصورة فهو الهمداني بالدال المهملة وسكون الميم، وقد قال أبو نصر بن ماكولا: "الهمداني" فی المتقدمين بسكون الميم أكثر، وبفتح الميم فی المتأخرين أكثر وهو كما قال والله أعلم.''

صحیحین اور موطأ میں ہمذانی ذال منقوطہ کے ساتھ نہیں ہے، اور اس کے ہمشکل نام ہمدانی دال مہملہ اور سکون میم کے ساتھ وارد ہیں، ابونصر بن ماکولا فرماتے ہیں: متقدمین میں ہمدانی سکون میم سے زیادہ مستعمل ہے، اور متاخرین کے یہاں فتحہ میم سے زیادہ استعمال ہوا ہے، اور وہ ایسا ہے جیسا انہوں نے فرمایا ہے۔ واللہ اعلم

(ملاحظہ ہو: الإكمال لابن ماكولا: ٣٢٢/٧)

موصوف ان فروق کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''هذه جملة لو رحل الطالب فيها لكانت رحلة رابحة- إن شاء الله تعالى-، ويحق على الحديثي إيداعها في سويداء قلبه، وفي بعضها من خوف الانتقاض ماتقدم في الأسماء المفردة، وأنا في بعضها مقلد كتاب القاضي عياض، ومعتصم بالله فيه وفي جميع أموري، وهو سبحانه أعلم.''

یہ تمام اسماء وہ ہیں کہ اگر کوئی طالب علم ان کی تلاش میں سفر کرے تو اس کا سفر ان شاءاللہ سراسر فائدہ ہی فائدہ ہے، اور حدیث کے شوقین پر لازم ہے کہ وہ ان کو اپنے دل میں نقش کرے، گذشتہ بعض مفرد ناموں میں اشتباہ کا اندیشہ اور خطرہ ہے، اس لیے انہیں بیان کیا گیا ہے، اور میں بعض ناموں میں قاضی عیاض کی کتاب "مشارق الأنوار" کا مقلد ہوں، اس میں اور تمام امور میں اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتا ہوں، اس کی پاک ذات کو سب سے زیادہ علم ہے۔

فائدہ: محدثین کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ راوی کی کنیت، نسب، نسبت، نام، صنعت کا ذکر کرتے ہیں، اور ان کی غرض اس عمل سے احتیاط کامل کا اظہار ہوتا ہے، کیونکہ کبھی تو نام مشترک ہوتا ہے، اور کبھی فقط کنیت مشترک ہوتی ہے [1]، ایسی صورت میں راوی اور غیر راوی میں امتیاز بغیر مبالغہ اور کامل احتیاط برتے نہیں ہوسکتا ہے (لہٰذا ایسی صورت میں کنیت، نسب، نسبت، نام، اور صنعت کا ذکر ضروری ہوتا ہے۔)، بلکہ بعض جگہ راوی کا نام اور اس کے باپ کا نام بھی مشترک ہوتا ہے، چنانچہ محدثین نے لکھا ہے کہ خلیل بن احمد [2] نام کے چھ شخص گزرے ہیں۔

---

(۱) جب دو راوی ہمنام اور ہمعصر ایک استاد کے شاگرد ہوتے ہیں تو سخت اشتباہ ہوتا ہے، محدثین کی اصطلاح میں اسماء کی ایسی قسم کو جو خط اور لفظ کے اعتبار سے ایک ہوتی ہے، اور مسمی کے اعتبار سے مختلف ہوا سے ''المتفِق والمفترِق'' کہتے ہیں۔

محدثین کا یہ نہایت عظیم الشان کارنامہ ہے کہ انہوں نے ایسے تمام راویوں کو اپنی مستقل تصانیف میں یکجا کردیا ہے، خطیب بغدادی کی اس موضوع پر "تلخیص المتشابه" نہایت مفید کتاب ہے۔

(۲) "المتفق والمفترق" کی حسب ذیل اقسام ہیں:

ایسے راوی کہ ان کے اور ان کے باپ کے نام مشترک ہیں، جیسے خلیل بن احمد کہ اس نام سے حسب ذیل چھ اشخاص ہیں:

۱- خلیل بن احمد بصری، ۱۰۰ھ میں پیدا ہوا، مشہور نحوی ہے، سیبویہ کا استاد تھا، عروضی اور نحوی کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہے، عاصم بن احول سے روایت کرتا ہے، ۱۷۰ھ میں وفات پائی۔

۲- ابو بشر خلیل بن احمد المزنی البصری، محدث مستنیر بن اخضر کے شاگرد اور عباس العنبری کے استاد تھے۔

۳- خلیل بن احمد اصبہانی، روح بن عبادہ کے شاگرد تھے، حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ روح بن عبادہ کے شاگرد کا نام خلیل بن محمد العجلی ہے، اور خلیل بن احمد اصبہانی کو ان کا شاگرد قرار دینا ابن الصلاح کا وہم ہے۔

۴- ابوسعید خلیل بن احمد السجزی الحنفی (المتوفی ۳۸۷ھ) سمرقند میں قاضی تھے، حافظ ابن خزیمہ، ابن صاعد اور بغوی کے شاگرد اور حاکم کے استاد تھے۔

۵- ابوسعید خلیل بن احمد البستی المہلبی القاضی، خلیل بصری اور احمد بن المظفر بکری کے تلمیذ اور امام بیہقی کے استاد تھے۔

۶- ابوسعید خلیل بن احمد البستی الشافعی، محدث ابوالعباس احمد بن عمر العذری سے روایت کرتے ہیں۔

واضح رہے ان چھ ناموں پر صرف اس لئے اکتفاء کیا گیا ہے کہ یہ زیادہ مشہور ہیں۔

(ملاحظہ ہو: تدریب الراوي، طبع قدیم: ۲۴۲)

اور انس بن مالک (۱) نام کے پانچ شخص ہوئے ہیں، اور کسی راوی کا نام، اس کے باپ کا نام اور اس کے دادا کا نام بھی مشترک واقع ہوا ہے، چنانچہ احمد بن جعفر بن حمدان (۲) نام کے چار شخص ہیں، اور خود ان کا نام اور ان کے باپ کا نام اور ان کے دادا کا نام ایک ہی ہے، اور محمد بن یعقوب بن یوسف (۳) دو شخص ہیں، اور بعض کنیت اور نسبت ایک سی ہوتی ہیں،

---

(۱) انس بن مالک نام کے دس علماء ہیں، لیکن جن سے حدیثیں روایت کی گئی ہیں وہ پانچ ہیں، ان میں دو صحابی ہیں، تفصیل حسب ذیل ہے:

۱- حضرت ابوحمزہ انس بن مالک انصاری، خزرجی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۹۲ھ)، تمام ارباب صحاح نے ان سے روایت نقل کی ہے۔

۲- ابوامیہ انس بن مالک کعبی، قشیری رضی اللہ عنہ، موصوف بصرہ میں آکر بس گئے تھے، تمام ارباب سنن نے ان سے روایت نقل کی ہے۔

۳- ابو مالک انس بن مالک الفقیہ۔ ۴- انس بن مالک حمصی۔ ۵- انس بن مالک کوفی۔

(تدريب الراوي في شرح تقريب النواوي: ۲۴۳)

(۲) یہ وہ قسم ہے جس میں راوی، اس کا باپ، دادا سب ہم نام ہیں، احمد بن جعفر بن حمدان چار ہیں، اور چاروں ہم عصر ہیں، اور سب ایسے محدثین سے روایت کرتے ہیں جن کے نام عبداللہ ہیں، یہ چار محدث حسب ذیل ہیں:

۱- ابوبکر احمد بن جعفر بن حمدان قطیعی، بغدادی (المتوفی ۳۶۸ھ)، موصوف ابونُعیم اصفہانی کے استاد اور امام احمد بن حنبل کے فرزند، عبداللہ کے شاگرد تھے، اور ان سے روایت کرتے ہیں۔

۲- ابوبکر احمد بن جعفر بن حمدان سقطی بصری (المتوفی ۳۰۴ھ) حافظ ابونعیم اصفہانی کے استاد اور عبداللہ بن احمد ورقی کے شاگرد تھے۔

۳- احمد بن جعفر بن حمدان دینوری، محدث علی بن القاسم رازی کے استاد اور عبداللہ محمد بن سنان کے شاگرد تھے۔

۴- ابوالحسن احمد بن جعفر بن حمدان، محدث عبداللہ بن جابر طرسوسی سے راوی ہیں، اور قاضی ابوالحسن خصیب نصیبی ان سے روایت کرتے ہیں۔

(تدريب الراوي: ۲۴۳)

(۳) اس طرح محمد بن یعقوب بن یوسف بھی دو ہیں جن سے ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری راوی ہیں:

۱- ابوالعباس محمد بن یعقوب بن یوسف نیشاپوری اصم (المتوفی ۳۴۶ھ) حفاظِ حدیث میں ان کا شمار ہے، حافظ ذہبیؒ نے "تذكرة الحفاظ" (۸۶۰/۳) میں موصوف کا نہایت مبسوط تذکرہ کیا ہے۔

(الإعلام بوفيات الأعلام: ۱۴۶)

۲- ابوعبداللہ محمد بن یعقوب بن یوسف نیشاپوری اخرم (المتوفی ۳۴۴ھ) موصوف کا شمار بھی حفاظ حدیث میں ہے۔

ملاحظہ ہو: تذكرة الحفاظ: ۳ / ٤٦٤، و كتاب العبر: ۲ / ۳۱۷، الإعلام بوفيات الأعلام: ١٤٦.

چنانچہ ابوعمران جونی (۱) دو شخص ہیں: ایک کا نام عبدالملک بن حبیب (۲) ہے، اور دوسرے کا موسیٰ بن سہل (۳) ہے،

حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے تدريب الراوي شرح تقريب النواوي میں علامہ عراقی سے بصراحت نقل کیا ہے کہ یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ محمد بن جعفر بن محمد نامی تین محدث ہیں، اور تینوں ہمعصر ہیں، اور تینوں کی وفات بھی ایک ہی سال میں ہوئی یعنی تینوں کی وفات ۳۶۰ھ میں ہوئی۔

۱- ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد بن الہیثم الانباری۔ ۲- حافظ ابوعمرو محمد بن جعفر بن محمد بن مطر النیسابوری۔

۳- ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد بن کنانۃ البغدادی۔

(۱) یہ وہ قسم ہے جس میں کنیت اور نسبت دونوں ایک ہوتی ہیں، چنانچہ ابوعمران جونی حسب ذیل دو راوی ہیں:

۱- ابوعمران عبدالملک بن حبیب جونی، ۲- ابوعمران موسیٰ بن سہل بن عبدالحمید جونی بصری

(۲) ابوعمران عبدالملک بن حبیب جونی (المتوفی ۱۲۹ھ) تابعی ہیں۔

موصوف کے متعلق علامہ شمس الدین الذہبیؒ "تاريخ الإسلام" (۳/۴۵۶) میں رقمطراز ہیں:

''رأى عمران بن حصين، وروى عن جندب بن عبد الله، وأنس بن مالك، وعبد الله بن الصامت، وأبي بكر بن أبي موسى وغيرهم. وعنه شعبة وأبان العطار، والحمادان، وسهيل بن أبي حزم، وعبد العزيز بن عبد الصمد العمي، وآخرون. وثّقه ابن معين وغيره ...... تُوفي أبو عمران الجوني سنة ثمان وعشرين ومئة، وقيل: سنة ثلاث وعشرين.''

موصوف نے عمران بن حصین کی زیارت کی ہے، اور جندب بن عبداللہ، انس بن مالک، عبداللہ بن صامت اور ابوبکر بن ابی موسیٰ وغیرہ سے روایت کی ہے، اور ان سے شعبہ، ابان عطار، حمادان، سہیل بن ابی حزم اور عبدالعزیز بن عبد الصمد العمی وغیرہ نے روایت کی ہے، ابن معین وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے، ابوعمران جونی کا انتقال ۱۲۸ھ کو ہوا، اور بعض نے ۱۲۳ھ بتایا ہے۔

(۳) ابوعمران موسیٰ بن سہل بن عبدالحمید جونی بصری، موصوف ربیع بن سلیمان سے راوی ہیں، اور ان سے اسماعیلی اور طبرانی روایت کرتے ہیں، موصوف کا انتقال ۳۰۷ھ میں ہوا۔ (تدريب الراوي: ۵۸۰)

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ "تاريخ الإسلام" (۷/۱۲۷) میں لکھتے ہیں:

''سمع عبدالواحد بن غِياث، وهشام بن عمار، وطالوت بن عباد، ومحمد بن رُمح المصري، وجماعة، وسكن بغداد. روى عنه دَعلَج، وعبد الله بن إبراهم الزَّبِيبي، ومحمد بن المظفر، وعلي الحربي، وابن المقري. وثّقه الدار قطني، وتوفي في رجب، وكان حافظاً، عالي الإسناد، سمع بمصر، والشام، والعراق، وعُمّر.''

اوراس طرح ابوبکر بن عیاش (۱) بھی تین راوی ہیں۔

(تدريب الراوي: ٥٧٦، محاسن الاصطلاح :٣١٣، المقنع: ٦١٤ - ٦١٧، التقييد والإيضاح: ٣٥٦ - ٣٥٩، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/ ٢٥٨ -٢٦٦)

غرض محدثین کی اس قدر چھان بین کو بیکار نہیں سمجھنا چاہئے، ان کا اس سے مقصد راویوں میں باہم امتیاز کرنے میں پوری احتیاط کرنا ہوتا ہے تاکہ ضعیف راوی، اور ثقہ راوی سے اشتباہ نہ ہوسکے، اوراگر دونوں راوی عدالت اور

موصوف نے عبدالواحد بن غیاث، ہشام بن عمار، طالوت بن عباد، محمد بن رمح مصری اور محدثین کی ایک جماعت سے حدیث کا سماع کیا، بغداد میں قیام پذیر تھے۔

ان سے دعلج، عبداللہ بن ابراہیم زبیبی، محمد بن مظفر، علی حربی، اورابن المقرئ نے روایت کی ہے، دارقطنی نے ان کی توثیق کی ہے، رجب ۳۰۷ھ میں انتقال ہوا، اور موصوف حافظ اور عالی الاسناد تھے، مصر، شام اور عراق میں سماع کیا، اور بڑی لمبی عمر پائی۔

(۱) اس طرح ابوبکر بن عیاش بھی تین ہیں:

۱- ابوبکر بن عیاش القاری۔

۲- ابوبکر بن عیاش الحمصی، ان سے جعفر بن عبدالواحد راوی ہیں، ابن الصلاح فرماتے ہیں: ''ابوبکر بن عیاش الحمصی مجہول ہیں، اور جعفر ثقہ نہیں ہیں۔''

۳- ابوبکر بن عیاش السلمی الباجدائی (المتوفی ۲۰۴ھ) یہ غریب الحدیث کے مصنف ہیں، ان کا نام حسین ہے، علامہ سیوطیؒ ''تدریب الراوي'' (ص:۲۴۴) میں لکھتے ہیں:

حافظ عراقی اس نوع کو ایک جداگانہ قسم قرار دیتے ہیں، جس میں کنیت اور باپ کا نام ایک ہوتا ہے، یہ قسم وہ ہے جس کے اندر راویوں کا نام اوران کے باپ کی کنیتیں ایک ہوتی ہیں، جیسے صالح بن ابی صالح، یہ چار ہیں اور چاروں تابعی ہیں:

۱- ابومحمد صالح بن ابی صالح المدنی مولی التوأمہ، ان کے والد کا نام نبہان ہے، موصوف حضرت ابوہریرہ، ابن عباس اور انس ﷡ سے راوی ہیں۔

۲- ابوعبدالرحمٰن صالح بن ابی صالح المدنی، ان کے والد بزرگوار کا نام ذکوان السمان ہے، حضرت انس ﷜ سے راوی ہیں، امام مسلم نے ان سے روایت نقل کی ہے۔

۳- صالح بن ابی صالح السدوسی، حضرت علی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، اوران سے خلاد بن عمرو روایت کرتے ہیں، امام بخاری نے ''التاریخ الکبیر'' (۲۳۳/۴) میں اورابن حبان نے کتاب ''الثقات''

وثوق کی صفت میں برابر ہوں تو اشتباہ مضر نہیں ہوتا، لیکن محدثین کے یہاں اس میں امتیاز کے لیے قرائن اور اشارات ہیں، مثلاً سفیان ثوری [1] ....

(۲۳۴/۲) میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

۴- صالح بن ابی صالح مولیٰ عمرو بن حریث، ان کے والد کا نام مہران ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں، اوران سے ابوبکر بن عیاش روایت کرتے ہیں، امام بخاریؒ نے التاریخ الکبیر میں ان کا تذکرہ کیا ہے، اس طرح صالح بن ابی صالح اسدی بھی ہیں جو شعبیؒ سے روایت کرتے ہیں، اِن سے نسائی نے روایت کی ہے۔

(۱) ابوعبداللہ سفیان بن سعید ثوریؒ، حفاظِ حدیث کے سرتاج ہیں، ۱۶۱ھ میں وفات پائی، علامہ ذہبیؒ نے "تذکرة الحفاظ" (۲۰۳/۱) میں ان کا تذکرہ "سید الحفاظ" کے الفاظ سے کیا ہے۔

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ "تاریخ الإسلام" (۳۸۳/۴-۳۸۶) میں رقمطراز ہیں: "سمع الثوري من عمرو بن مرة، وسلمة بن كهيل، وحبيب بن أبي ثابت وغيرهم. وعنه ابن عجلان، وأبوحنيفة، وابن جريج، وابن إسحق، ومسعر -وهم من شيوخه-، وشعبة، والحمادان، ومالك، وابن المبارك وغيرهم. فعن وكيع أن والدة سفيان قالت له: يابني! اطلب العلم وأنا أعولك بمغزلي، وإذا كتبت عشرة أحرف فانظر هل ترى في نفسك زيادة في الخير، فإن لم تر ذلك فلا تتعنّ ...... وقال ابن مهدي: مارأيت صاحب حديث أحفظ من سفيان ...... وقال شعبة وابن معين وجماعة: سفيان أمير المؤمنين في الحديث ...... وقال وكيع: كان بحراً ...... وقال أبوداؤد الطيالسي: سمعت سفيان قال: مأخاف على نفسي أن يدخلني النار إلا الحديث ...... وقال محمد بن عبد الله بن نمير: خاف الثوري على نفسه من الحديث لأنه كان يحدث عن الضعفاء."

سفیان ثوریؒ نے عمرو بن مرة، سلمة بن کہیل اور حبیب بن ابی ثابت وغیرہ سے حدیث کا سماع کیا، ان سے ابن عجلان، امام ابوحنیفہ، ابن جریج، ابن اسحٰق، مسعر اور یہ سب ان کے شیوخ میں سے ہیں، اور شعبہ، حمادان، مالک اور ابن مبارک وغیرہ نے روایت کی ہے۔

وکیع سے مروی ہے کہ: سفیان کی والدہ نے ان سے کہا بیٹا علم طلب کر، میں چرخہ کات کر تیرے اخراجات پوری کرتی رہوں گی، اور جب تو دس حروف لکھ دے تو دیکھ لینا کہ کیا تو نے اپنے جی میں مزید خیر محسوس کی ہے اگر تجھے اس کا احساس نہیں ہوا تو اپنے آپ کو تکلیف اور دشواری میں نہ ڈال۔

ابن مہدی فرماتے ہیں کہ میں نے سفیان سے زیادہ یادداشت والا کسی صاحب حدیث کو نہیں دیکھا، اور شعبہ،

....

ابن معین اور محدثین کی ایک جماعت کا قول ہے کہ سفیان امیر المومنین فی الحدیث ہیں، اور وکیع فرماتے ہیں کہ موصوف علم کے سمندر تھے، اور ابوداؤد طیالسی کہتے ہیں کہ میں نے سفیان کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے اپنی جان کا خطرہ جہنم میں داخل کرنے کا بجز حدیث کے اور کسی چیز سے نہیں ہے، اور محمد بن عبداللہ بن نمیر فرماتے ہیں کہ ثوری کو اپنی جان پر خوف حدیث کی وجہ سے اس لئے تھا کہ وہ ضعفاء سے روایت کرتے ہیں۔

علامہ شمس الدین الذہبیؒ موصوف کے متعلق "سیر أعلام النبلاء" (۲۷۹-۲۲۹/۷) میں فرماتے ہیں: ''هو شيخ الإسلام، إمام الحافظ، سيد العلماء العاملين في زمانه، أبو عبدالله الثوري، الكوفي، المجتهد، مصنف كتاب "الجامع"، وُلد سنة سبع وتسعين اتفاقاً ...... ويقال: إن عدد شيوخه ست مئة شيخ ......وقال ابن المبارك: كتبت عن ألف ومئة شيخ، ماكتبت عن أفضل من سفيان ...... وقال يحيى القطان: ليس أحد أحبّ إليّ من شعبة، ولا يعدله أحد عندي، وإذا خالفه سفيان أخذت بقول سفيان، وقال عباس الدّوري: رأيت يحيى بن معين لايقدم على سفيان أحدا في زمانه في الفقه والحديث والزهد وكل شيء ...... سفيان بن وكيع: حدثنا أبو يحيى الحِماني سمع أبا حنيفة يقول: لو كان سفيان الثوري في التابعين، لكان فيهم له شأن، وعن أبي حنيفة قال: لو حضر علقمة والأسود لاحتاجا إلى سفيان، ...... قال الخريبي: ما رأيت أفقه من سفيان ...... قلت: قد كان سفيان رأساً في الزهد والتألّه، والخوف، رأساً في الحفظ، رأسًا في معرفة الآثار، رأساً في الفقه، لايخاف في الله لومة لائم، من أئمة الدين ...... قال وكيع: وُلد سفيان سنة ثمان وتسعين، ومات وله ثلاث وستون سنة.''

موصوف شیخ الاسلام، امام الحافظ، اپنے زمانے میں علماء عاملین کے سردار، ابوعبداللہ ثوری، کوفی، مجتہد ہیں جو "الجامع" کتاب کے مصنف ہیں، ۹۷ھ میں پیدا ہوئے، اور کہا جاتا ہے کہ ان کے شیوخ کی تعداد چھ سو ہے، اور ابن مبارک فرماتے ہیں کہ میں نے گیارہ سو شیوخ سے لکھا لیکن سفیان سے افضل کسی سے نہیں لکھا، اور یحییٰ قطان فرماتے ہیں کہ مجھے شعبہ سے زیادہ محبوب کوئی نہیں ہے، اور میرے نزدیک اس کا ہم پلہ کوئی نہیں ہے، اور جب سفیان ان کی مخالفت کرے تو میں سفیان کے قول کو لیتا ہوں، اور عباس دوری فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین کو دیکھا کہ وہ اپنے زمانہ میں فقہ، حدیث، زہد، اور ہر چیز میں سفیان پر کسی کو مقدم نہیں رکھتے تھے، سفیان بن وکیع فرماتے ہیں کہ ابو یحییٰ حمانی نے ہم سے بیان کیا انہوں نے ابوحنیفہؒ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر سفیان ثوری تابعین میں ہوتے تو ان کی بڑی عزت اور قدر ہوتی، اور ابوحنیفہ سے مروی ہے فرمایا کہ اگر علقمہ اور اسود موجود ہوتے تو البتہ سفیان کے محتاج ہوتے، خریبی کہتے ہیں کہ

اورسفیان بن عیینہ[1] میں ان کے شیوخ اور شاگردوں سے تمیز ہوتی ہے، اور اگر استاد اور شاگرد بھی ہم نام اور ہم نسبت ہوں تو امتیاز نہایت دشوار ہوتا ہے اور ایسے ہی مواقع پر محدث ہونے کا امتحان ہوتا ہے۔

میں نے سفیان سے زیادہ فقیہ کسی کو نہیں دیکھا، میں کہتا ہوں کہ سفیان زہد، عبادت، خوف، حفظ، آثار کی معرفت، اور فقہ میں چوٹی کے بلند پایہ آدمی تھے، اللہ کے معاملہ میں ائمہ دین میں سے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے گھبراتے نہیں تھے، وکیع فرماتے ہیں کہ سفیان ۹۸ھ کو پیدا ہوئے، اور جب ان کا انتقال ہوا تو ان کی عمر تریسٹھ (۶۳) سال تھی۔

ملاحظہ ہو: المنتظم في تاریخ الملوك والأمم :۸/۲۵۳، الإعلام بوفیات الأعلام:۷٦.

(۱) ابومحمد سفیان بن عیینہ الہلالی الکوفی (المتوفی ۱۹۸ھ) بھی حفاظِ حدیث میں سے ہیں۔

علامہ ذہبیؒ موصوف کے متعلق "تاریخ الإسلام" (۴/۱۱۱۰-۱۱۱۲) میں لکھتے ہیں:

''سمع من الزهري، وعمرو بن دينار، وزياد بن علاقة، والأسود بن قيس وغيرهم، روى عنه الأعمش، وابن جريج، وشعبة، وهم من شيوخه ، وابن المبارك، وابن مهدي، والشافعي، وابن المديني، والحميدي، وسعيد بن منصور، ويحيى بن معين وأحمد وإسحق وغيرهم ...... قال الشافعي: لولامالك وسفيان بن عيينة لذهب علم الحجاز ......وقال الترمذي: سمعت محمدا يعني البخاري يقول: ابن عيينة أحفظ من حماد بن زيد ...... وقال ابن وهب: لاأعلم أحداً أعلم بالتفسير من ابن عيينة، وقال أحمد: ما رأيت أعلم بالسنن منه ...... وقال ابن المديني: مافي أصحاب الزهري أتقن من سفيان ...... وقال سفيان ابن عيينة : حج بي أبي وعطاء حيّ، وقال أحمد بن عبد الله العجلي: كان ابن عيينة ثبتاً في الحديث، وكان حديثه نحواً من سبعة آلاف، ولم يكن له كتب ...... وقال ابن مهدي: عند ابن عيينة من معرفته بالقرآن وتفسير الحديث مالم يكن عند سفيان الثوري ...... وقال مجاهد بن موسى: سمعت ابن عيينة يقول: ماكتبت شيئا إلا وحفظته قبل أن أكتبه.''

موصوف نے زہری، عمرو بن دینار، زیاد بن علاقہ، اور اسود بن قیس وغیرہم سے سماع کیا، ان سے اعمش ابن جریج، شعبہ نے اور یہ ان کے شیوخ میں سے ہیں، اور ابن المبارک، ابن مہدی، شافعی، ابن المدینی، حمیدی، سعید بن منصور، یحییٰ بن معین، احمد، اسحٰق وغیرہ ان سے روایت کرتے ہیں، امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز کا علم ختم ہو جاتا، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے محمد یعنی امام بخاریؒ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ابن عیینہ حماد بن زید سے حفظ میں زیادہ ہیں، اور ابن وہب فرماتے ہیں کہ میں ابن عیینہ سے تفسیر کا بڑا عالم کسی کو نہیں جانتا، اور احمد فرماتے ہیں کہ میں نے سنن کا ان سے بڑا عالم کسی کو نہیں دیکھا، ابن المدینی فرماتے ہیں کہ زہری کے شاگردوں میں

بصرہ میں فن حدیث کے ایک زمانے میں دوامام موجود تھے جنہیں حمادین[1] کہتے ہیں:
۱- حماد بن زید بن درہم، اور ۲- حماد بن سلمہ، لہٰذا صحیحین میں جہاں بھی عارم[2] کی روایت حماد سے آئے، اس

سفیان سے ماہر وحاذق کوئی نہیں ہے، اور سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ میرے والد مجھے حج پر لے گئے، اور حضرت عطاء زندہ تھے، اور احمد بن عبداللہ عجلی فرماتے ہیں کہ ابن عیینہ حدیث میں معتبر وقابل اعتماد عالم تھے، اور ان کی احادیث سات ہزار کے قریب ہیں، اور ان کے پاس کتابیں نہیں تھیں، ابن مہدی فرماتے ہیں کہ ابن عیینہ کو قرآن کی معرفت اور حدیث کی تفسیر کا علم حاصل ہے جو سفیان ثوری کو نہیں، مجاہد بن موسیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عیینہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: کہ میں نے کوئی چیز نہیں لکھی مگر میں نے اس کو یاد کیا ہے قبل اس سے کہ میں اس کو لکھوں۔

ملاحظہ ہو: المنتظم: ۱۰ /٦٦، الإعلام بوفيات الأعلام:۸۹.

(۱) یہ ایک ایسی قسم ہے جس میں رواۃ اسم میں یا کنیت میں ایک ہوتے ہیں، اور سند میں راوی کو باپ کے ذکر کے بغیر یا نسبت کے بغیر ذکر کیا جاتا ہے، جیسے حماد بن زید، اور حماد بن سلمہ، ان کی تعیین ان کے شاگردوں سے کی جاتی ہے، چنانچہ محمد بن یحییٰ ذہلی فرماتے ہیں: کہ جب حماد سے سلیمان ابن حرب یا عارم روایت کرتے ہیں تو وہ حماد بن زید ہوتے ہیں، اور اگر موسیٰ بن اسماعیل التبوذکی راوی ہوں تو حماد بن سلمہ مراد ہوتے ہیں۔

(۲) ابوالنعمان محمد بن الفضل السدوسی البصری، موصوف عارم کے نام سے مشہور ہیں، حفاظِ حدیث میں ان کا شمار ہے، انہوں نے جریر بن حازم، مہدی بن میمون، وہیب بن خالد اور ابن المبارک وغیرہ سے حدیثیں سنی ہیں، یہ امام بخاری کے استاد ہیں۔

واضح رہے عارم حماد بن زید اور حماد بن سلمہ دونوں سے روایت کرتے ہیں، لیکن حماد بن زید کے شاگردوں میں موصوف زیادہ قابل اعتبار ہیں، اخیر عمر میں حافظہ میں فرق آ گیا تھا، چنانچہ محدثین نے تصریح کی ہے کہ ۲۲۰ھ سے پہلے کی بیان کی ہوئی روایتیں نہایت عمدہ ہیں، انہوں نے ۲۲۴ھ میں وفات پائی،

حماد بن زید

امام بخاری موصوف سے بکثرت روایت کرتے ہیں۔

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ "تاریخ الإسلام" (۴/ ۶۰۸-۶۱۰) میں رقمطراز ہیں:

"قال ابن مهدي: أئمة الناس في زمانهم أربعة: الثوري بالكوفة، ومالك بالحجاز، والأوزاعي بالشام، وحماد بن زيد بالبصرة، قال ابن معين: ليس أحد أثبت من حماد بن زيد، وقال يحيى بن يحيى: ما رأيت شيخاً أحفظ منه، وقال أحمد: حماد بن زيد من أئمة الدنيا من أهل الدين، هو أحب إليّ من

....

حماد بن سلمة، وقال ابن مهدي: لم أر أحداً قط أعلم بالسنة ولا بالحديث الذي يدخل في السنة من حماد بن زيد، وقال أيضا: ما رأيت أعلم منه ومن مالك وسفيان، وقال: مارأيت بالبصرة أفقه منه ...... وقال يزيد بن زُريع يوم مات حماد بن زيد: مات سيد المسلمين، قال ابن حبان: كان ضريراً، يحفظ كل حديثه، قال ابن مصفى: حدثنا بقية قال: مارأيت بالعراق مثل حماد بن زيد، قلت: ومن خاصية حماد بن زيد أنه لا يدلِّس أبداً ...... قال ابن الطباع: مارأيت أعقل من حماد بن زيد، وقال أحمد العجلي: حماد بن زيد ثقة، كان حديثه أربعة آلاف، وكان يحفظها ولم يكن له كتاب، وقال فيه عبد الرحمن بن خراش، لم يخطئ في حديث قط ......أخبرنا محمد بن علي السلمي ...... قال سمعت ابن المبارك يقول:

قل لمن يطلب علماً ايتِ حماد بن زيد

تلتمس حكماً وعلماً ثم قيِّده بقيدِ

قلت: وقع لي أحاديث عالية من طريق حماد قد أفردتها، وكان مولده في سنة ثمان وتسعين، وعاش إحدى وثمانين سنة ...... وقال عارم: مات لعشر ليال خلون من رمضان سنة تسع وسبعين، في يوم الجمعة ."

ابن مہدی فرماتے ہیں کہ اپنے زمانے میں اہل علم کے امام چار تھے: ثوری کوفہ میں، اور مالک حجاز میں، امام اوزاعی شام میں اور حماد بن زید بصرہ میں، ابن معین فرماتے ہیں کہ حماد بن زید سے مضبوط رائے والا کوئی نہیں، اور یحییٰ بن یحییٰ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی شیخ کو ان سے زیادہ حفظ والا نہیں دیکھا، امام احمد کہتے ہیں کہ حماد بن زید دنیا میں اہل دین کے ائمہ میں سے ایک امام ہیں، وہ مجھے حماد بن سلمہ سے زیادہ محبوب ہیں، ابن مہدی فرماتے ہیں کہ میں نے سنت اور حدیث کو حماد بن زید سے زیادہ جاننے والا کسی کو نہیں دیکھا، اور ایسے ہی یہ بھی فرمایا کہ میں نے ان سے اور امام مالکؒ اور سفیان سے زیادہ حدیث کا جاننے والا کسی کو نہیں دیکھا، اور فرمایا کہ میں نے ان سے زیادہ فقیہ کسی کو نہیں دیکھا، اور جس دن حماد بن زید کا انتقال ہوا تو یزید بن زریع نے فرمایا: کہ آج سید المسلمین کا انتقال ہوا، ابن حبان فرماتے ہیں کہ موصوف نابینا تھے ہر حدیث زبانی یاد کرتے تھے، ابن مصفی فرماتے ہیں کہ ہمیں بقیہ نے بیان کیا کہ میں نے عراق میں حماد بن زید جیسا کسی کو نہیں دیکھا، میں کہتا ہوں کہ حماد بن زید کی خاصیت یہ ہے کہ اس نے کبھی تدلیس نہیں کی، ابن الطباع فرماتے ہیں کہ میں نے حماد بن زید سے زیادہ قابل اعتماد کسی کو نہیں دیکھا، اور احمد عجلی کہتے ہیں کہ حماد بن زید ثقہ ہیں، ان کی مرویات چار ہزار ہیں، اور موصوف ان کو یاد کرتے تھے، ان کی کوئی کتاب نہیں تھی، ان کے متعلق عبدالرحمٰن بن خراش فرماتے ہیں کہ کبھی کسی حدیث میں غلطی کی نوبت نہیں آتی تھی، ہم کو محمد بن علی السلمی نے بیان کیا وہ فرماتے تھے کہ میں نے ابن مبارک کو

....

فرماتے ہوئے سنا کہ: ترجمۂ شعر

علم کے طلب کرنے والوں سے کہہ دو کہ حماد بن زید کے پاس آؤ۔
تم بہت حکمتیں اور علم پاؤ گے پھر اس کو محفوظ کرو۔

میں کہتا ہوں کہ حماد کے طریق سے مجھے کچھ حدیثیں عالی سند سے پہنچی ہیں جس کو میں نے الگ ذکر کیا ہے، موصوف کا سنِ پیدائش ۹۸ھ ہے، اور اکیاسی ۸۱ھ سال عمر پائی ہے، عارم فرماتے ہیں کہ موصوف بروز جمعہ دس رمضان المبارک ۱۷۹ھ میں دنیا سے پردہ فرما گئے۔

حافظ ابن حجرؒ "تهذيب التهذيب (۱۰/۳، طبع دار الفکر)" میں موصوف کے متعلق رقمطراز ہیں:

"وقال أبو زرعة: حماد بن زيد أثبت من حماد بن سلمة بكثير وأصح حديثاً وأتقن ...... وقال محمد بن سعد: كان عثمانياً، وكان ثقةً، ثبتاً، حجةً، كثيرَ الحديث ...... وقال ابن أبي خيثمة: سأل إنسان عبيد الله بن عمر: كان حماد أمياً؟ قال: أنا رأيته وأتيته يوم مطر فرأيته يكتب ثم ينفخ فيه ليجف، قال: وسمعت يحيى يقول: لم يكن أحد يكتب عند أيوب إلّا حماد، قلت: فهذا يدل على أن العمي طرأ عليه، وقال الخليلي: ثقة، متفق عليه، رضيه الأئمة."

ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ حماد بن زید، حماد بن سلمہ سے اکثر مسائل میں مضبوط اور مستحکم ہیں، اور حدیث میں زیادہ مہارت رکھنے والے ہیں، اور محمد بن سعد فرماتے ہیں کہ موصوف عثمانی تھے، اور موصوف ثقہ، ثبت، حجت اور کثیر الحدیث ہیں، اور ابن ابی خیثمہ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے عبیداللہ بن عمر سے پوچھا کہ حماد اَن پڑھ تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے ان کو دیکھا ہے اور میں ان کے پاس بارش کے دن آیا تو میں نے ان کو دیکھا کہ وہ لکھ رہے ہیں پھر اس میں پھونک مارتے تاکہ خشک ہو جائے، فرمایا کہ میں نے یحییٰ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایوب کے پاس لکھنے والا حماد کے سوا کوئی نہیں تھا، میں کہتا ہوں کہ یہ بات دلالت کرتی ہے کہ اندھا پن ان پر طاری ہوا تھا، اور خلیلی فرماتے ہیں کہ ثقہ ہیں، متفق علیہ ہیں، ائمہ نے ان کو پسند کیا ہے۔

علامہ شمس الدین الذہبیؒ موصوف کے متعلق "سير أعلام النبلاء" (۴۵۹/۷) میں لکھتے ہیں:

"قال أحمد بن سعيد الدارمي: سمعت أبا عاصم النبيل يقول: مات حماد بن زيد يوم مات، ولا أعلم له في الإسلام نظيراً في هيئته ودلّه، أظنه قال: وسمته ...... قلت: لا أعلم بين العلماء نزاعاً في أن حماد بن زيد من أئمة السلف، ومن أتقن الحفاظ، وأعدلهم، وأعدمهم غلطاً ...... قال الخليلي:

کوحماد بن زید سے سمجھنا چاہئے۔اوراگر موسیٰ بن اسمٰعیل تبوذکی [1] راوی ہوگا تو پھر حماد بن سلمہ مراد ہوتا ہے۔

(دیکھئے:تدریب الراوي:۵۸۲، محاسن الاصطلاح: ۳۱۶، المقنع: ۶۱۸ - ۶۱۹، التقييد والإيضاح: ۳۶۰ -۳۶۱، شرح التبصرة والتذكرة: ۲/ ۲۶۸- ۲۷۰)

سمعت عبد الله بن محمد الحافظ، سمعت أبا عبيد محمد بن محمد بن أخي هلال الرأي، سمعت هشام ابن علي يقول: كانوا يقولون: كان علم حماد بن سلمة أربعة دوانيق، وعقله: دانقين، وعلم حماد بن زيد دانقين، وعقله أربعة دوانيق .''

احمد بن سعید دارمی فرماتے ہیں کہ میں نے ابوعاصم نبیل کوفرماتے ہوئے سنا کہ حماد کا انتقال ہوگیا،لیکن میں اسلام میں ان کی نظیران کی ہیئت اور وقار وسنجیدگی میں نہیں جانتا، میں کہتا ہوں کہ مجھے اس بات میں علماء کے باہمی اختلاف کاعلم نہیں کہ حماد بن زید ائمہ سلف میں سے ہیں،اور ماہر وعادل حفاظ اورعدم الغلط علماء میں سے ہیں،خلیلی فرماتے ہیں کہ میں نے حافظ عبداللہ بن محمد کوسنا،انہوں نے ابوعبید محمد بن محمد بن اخی ہلال الرائی کوسنا،انہوں نے ہشام بن علی کو فرماتے ہوئے سنا کہ علماءفرماتے ہیں کہ حماد بن سلمہ کاعلم چار''دوانیق''(چھ رتی) ہے،اورعقل دو''دانق''(دورتی) ہے، اورحماد بن زید کاعلم دو''دانق''(دورتی) ہے،اورعقل چار''دوانیق''(چار رتی) ہے۔

ملاحظہ ہو: تاريخ الإسلام:۵ / ۶۸۵، تهذيب التهذيب:۹ / ۴۰۲، الإعلام بوفيات الأعلام: ۱۰۰.

(۱) ابوسلمہ،موسیٰ بن اسماعیل المنقری التبوذکی البصری، حافظ الحدیث ہیں، جریر بن حازم،مہدی بن میمون، مبارک بن فضالہ،ہمام بن یحییٰ اورحماد بن سلمہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں،اوران سے امام بخاری،ابوداؤد بلاواسطہ اور امام مسلم وغیرہ بالواسطہ روایت کرتے ہیں،رجب ۲۲۳ھ میں انتقال ہوا۔

واضح رہے! تذکرہ نگاروں نے ان کے تذکرہ میں''حمادین'' کالفظ نہیں استعمال کیا ہے،جس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حماد بن زید سے روایت نہیں کرتے۔

حماد بن سلمہ

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ''تاریخ الإسلام''(۳۴۲/۴-۳۴۶)میں رقمطراز ہیں:

''سمع خاله حميداً الطويل، وثابتاً البناني، وابن أبي مليكة بمكة، وقتادة ، وأنس بن سيرين وغيرهم. وعنه ابن المبارك، ويحيى القطان، وابن مهدي، وعفان، وأبو نعيم وغيرهم ...... وقال وُهيب: حماد بن سلمة سيدنا وأعلمنا، وقال أحمد بن حنبل: هو أعلم الناس بثابت البناني، وأثبت الناس في حميد الطويل ...... وقال الكوسج: قال ابن معين: حماد بن سلمة ثقة ...... قال عبد الله بن معاوية الجمحي: حدثنا الحمادان: حماد بن

....

سلمة بن دينار، وحماد بن زيد بن درهم، وفضل حماد بن سلمة على الآخر كفضل الدينار على الدرهم ...... وقال شهاب بن معمر البلخي: كان حماد بن سلمة يُعدّ من الأبدال، وقال غيره: كان إماماً، رأساً في العربية، فقيهاً، فصيحاً، بليغاً، كبيرَ القدر، شديداً على المبتدعة، صاحبَ أثرٍ وسنةٍ، له تصانيف ...... وقال علي بن المديني: من تكلّم في حماد بن سلمة فاتهموه ...... وقال ابن معين: حماد أثبت الناس في ثابت ...... وقال عفان: قد رأيت من هو أعبد من حماد بن سلمة، ولكن ما رأيت أشد مواظبةً على الخير وقرأة القرآن والعمل لله منه، وقال التبوذكي: لو قلت لكم: إني مارأيت حماد بن سلمة ضاحكاً لصدقت، كان مشغولا، إما يحدث، أو يقرأ، أو يسبح، أو يصلّي، قد قسم النهار على ذلك، رضي الله عنه، وقال يونس المؤدب: مات حماد بن سلمة وهو في الصلاة ...... وقال حجاج بن منهال: حدثنا حماد بن سلمة وكان من أئمة الدين، وروي أن حماد بن سلمة تزوّج سبعين امرأة ولم يولد له، كان عقيما ...... وقيل: كان حماد بن سلمة مجاب الدعوة ...... قال البخاري: توفي حماد بن سلمة حين بقي من سنة سبع وستين أحد عشر يوما.''

موصوف نے اپنے ماموں حمید طویل، ثابت بنانی، ابن ابی ملیکہ سے مکہ میں اور قتادہ، انس بن سیرین وغیرہ سے سماع کیا، اوران سے ابن المبارک، یحییٰ القطان، ابن مہدی، عفان اور ابونعیم وغیرہ نے سماع کیا۔

وُہیب کہتے ہیں کہ حماد بن سلمہ ہمارے سردار اور ہم میں سب سے بڑے عالم ہیں، اورامام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ موصوف ثابت بنانی کو لوگوں میں سب سے جاننے والے ہیں، اور حمید طویل کے شاگردوں میں اس کی روایت میں سب سے معتمد ہیں، اور کوسج کہتے ہیں کہ ابن معین نے فرمایا کہ حماد بن سلمہ ثقہ ہیں، اور عبداللہ بن معاویہ جمحی کہتے ہیں کہ ہمیں حماد بن سلمہ بن دینار کو حماد بن زید بن درہم دونوں نے حدیثیں بیان کی، لیکن حماد بن سلمہ کی فضیلت دوسرے پر ایسی ہے جیسے دینار کی فضیلت درہم پر، اور شہاب بن معمر کہتے ہیں کہ حماد بن سلمہ ابدال میں سے شمار کئے جاتے تھے، اوران کے سوا دوسرے علماء کا بیان ہے کہ موصوف امام اور عربیت میں چوٹی کے عالم تھے، موصوف فصیح، بلیغ، قدر ومنزلت والے اور مبتدعہ پر متشدد اور آثار وسنن کے شیدائی ومتبع سنت تھے، اور موصوف کی کئی تصانیف ہیں۔

علی بن المدینی فرماتے ہیں کہ جو حماد بن سلمہ کے بارے میں کلام کرے وہ خود متہم ہے، اور عفان کہتے ہیں کہ میں نے حماد بن سلمہ سے زیادہ عبادت گذار تو دیکھا ہے، لیکن ان سے زیادہ خیر کے کاموں پر کار بند، قرآن پڑھنے اور اخلاص سے عمل کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا، تبوذکی کہتے ہیں اگر میں تم سے کہوں کہ حماد بن سلمہ کو میں نے ہنستے ہوئے نہیں دیکھا تو میں سچا ہوں، موصوف ہمیشہ کسی نہ کسی کام میں لگے رہتے یا تو حدیث بیان کرتے، یا مطالعہ کرتے، یا تسبیح پڑھتے، یا

صحیحین میں عبداللہ [1] بغیر کسی قید کے آئے تو صحابہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ مراد ہوتے ہیں، اور ائمہ حدیث میں عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ۔

نماز پڑھتے تھے، انہوں نے دن کو ان اعمال پر تقسیم کر رکھا تھا (ﷺ)، اور یونس مؤدب کہتے ہیں کہ حماد بن سلمہ کا انتقال نماز کی حالت میں ہوا، مشہور ہے کہ وہ مستجاب الدعوات تھے، امام بخاری کہتے ہیں کہ حماد بن سلمہ کاروانِ عمر کی ۶۷ منزل پوری کرنے میں گیارہ دن باقی تھے کہ وہ اللہ کو پیارے ہوگئے۔

نیز علامہ ذہبیؒ ''سیر أعلام النبلاء'' (۷/۴۴۶-۴۵۳) میں لکھتے ہیں: ''قلت: كان بحراً من بحور العلم، وله أوهام في سعة ما روى وهو صدوق، حجة إن شاء الله، وليس هو في الإتقان كحماد بن زيد ...... قال أبو عبد الله الحاكم: وقد قيل في سوء حفظ حماد بن سلمة وجمعه بين جماعة في الإسناد بلفظ واحد ...... قلت: كانت أوقاته معمودة بالتعبد والأوراد ...... قال أحمد بن عبد الله العجلي: حدثني أبي قال: كان حماد بن سلمة لايحدّث حتى يقرأ مئة آية نظراً في المصحف، قال أبوسلمة التبوذكي: مات حماد بن سلمة، وقد أتى عليه ست وسبعون سنة.

قلت: فعلى هذ يكون مولده في حياة أنس بن مالك، وقال أبو الحسن المدائني: مات حماد بن سلمة يوم الثلاثاء في ذي الحجة، سنة سبع وستين ومئة، وصلى عليه إسحق بن سليمان.''

میں کہتا ہوں کہ موصوف علم کے سمندر میں سے ایک سمندر ہے، ان کے لیے اپنی مرویات میں اوہام ہیں، موصوف صدوق، حجۃ ہیں ان شاء اللہ، اور اتقان میں حماد بن زید کے پایہ کے نہیں ہیں، اور حاکم ابوعبداللہ کہتے ہیں کہ حماد بن سلمہ کے سوءِ حفظ اور سند میں ایک جماعت کو ایک لفظ کے ساتھ جمع کرنے میں کلام کیا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ موصوف کے تمام اوقات عبادت گذاری اور وظائف میں مصروف رہتے تھے، اور احمد بن عبد اللہ عجلی کہتے ہیں مجھے میرے والد نے بیان کیا کہ حماد بن سلمہ حدیث بیان نہ کرتے تھے یہاں تک کہ قرآن میں دیکھ کے سو آیتوں کی تلاوت کر لیتے تھے، ابوسلمہ تبوذکی کہتے ہیں حماد بن سلمہ کا انتقال ۷۶ سال کی عمر میں ہوا۔

میں کہتا ہوں کہ ان کی پیدائش حضرت انس بن مالک ﷺ کی زندگی میں ہوئی، اور ابوالحسن المدائنی کہتے ہیں کہ حماد بن سلمہ کا انتقال منگل کے دن ذوالحجہ کے مہینے میں ۱۶۷ھ کو ہوا، اور نماز جنازہ اسحٰق بن سلیمان نے پڑھائی۔

(۱) واضح رہے شاہ عبدالعزیزؒ نے اس موقعہ پر نہایت اختصار اور اجمال سے کام لیا ہے، حافظ سیوطیؒ ''تدريب الراوي'' (ص:۵۸۴) میں لکھتے ہیں:

سلمہ بن سلیمان کا بیان ہے کہ عبداللہ جب مطلق ہو، اور اس کا تعلق مکہ سے ہو تو حضرت عبداللہ بن الزبیر ﷺ

أبـو جـمـرة (۱) جیم اور رائے مہملہ سے حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد ہیں، اور ابوحمزۃ حائے مہملہ اور زائے منقوطہ سے بھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد (مراد) ہے، شعبہ نے ان دونوں سے روایت کی ہے، لہٰذا اصطلاح یہ ہے کہ شعبہ جس وقت مطلق ابوجمرۃ کہتے ہیں تو نصر بن عمران مراد ہوتے ہیں جو کہ جیم سے ہیں، اور جس وقت وہ نسب سے مقید کرتے ہیں تو ابوحمزۃ حائے مہملہ سے مراد ہوتے ہیں، واللہ اعلم (۲)۔

(المقنع: ٦١٩ – ٦٢٠، المشتبه: ٢٤٧، التقييد والإيضاح: ٣٦٤، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/ ٢٧١)

مراد ہوتے ہیں، اور مدینہ سے ہو تو عبداللہ بن عمرؓ اور کوفہ سے ہو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، اور جب بصرہ سے ہو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مراد ہوتے ہیں، اور جب خراسان سے ہوتا ہے تو مشہور تبع تابعی حضرت عبداللہ بن مبارک مراد ہوتے ہیں، حافظ خلیلیؒ نے ''الإرشاد'' میں کہا ہے: جب مصری بولتا ہے تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، اور کوئی مکی کہتا ہے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ، اور جب کوئی کوفی بولتا ہے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مراد ہوتے ہیں، اور جب کوئی مدنی بولتا ہے تو عبداللہ بن عمرؓ مراد ہوتے ہیں، نضر بن شمیل فرماتے ہیں: جب شامی کہتا ہے تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ مراد ہوتے ہیں، اور مدنی کہتا ہے تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ مراد ہوتے ہیں، خطیب بغدادی کہتے ہیں یہ قول درست ہے۔

(۱) واضح رہے خطیب بغدادی نے اس موضوع پر ایک نہایت مفید کتاب لکھی ہے جس کا نام ''المكمل في بيان المهمل'' ہے۔

ابوجمرۃ نصر بن عمران الضبعی البصری، حضرت ابن عباس، ابن عمر، انس بن مالک اور ابوموسیٰ اشعریؓ سے راوی ہیں، اور ان سے ان کے فرزند علقمہ، مرۃ بن خالد، شعبہ، ابراہیم بن طہمان وغیرہ روایت کرتے ہیں، نہایت ثقہ ہیں، امام مسلم فرماتے ہیں سرخس میں انتقال ہوا ہے، امام ترمذیؒ کا بیان ہے کہ ۱۲۸ھ میں وفات پائی۔

ملاحظہ ہو: تهذيب التهذيب: ١٠ / ٤٣٧، الإعلام بوفيات الأعلام: ٦٤.

(۲) حافظ عراقی فرماتے ہیں یہ قاعدہ بھی اکثری ہے، کہیں اس کے خلاف بھی موجود ہے، چنانچہ مسند احمد بن حنبل کی حسب ذیل روایت میں ایسا ہی ہے: ''ثنا محمد بن جعفر، ثنا شعبة، عن أبي حمزة، سمعت ابن عباس يقول: مرَّ بي رسول الله ﷺ وأنا ألعب مع الغلمان، فاختبأت منه خلف باب، الحديث.''

محمد بن جعفر نے بواسطہ شعبہ بیان کیا کہ ابوحمزہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میرے پاس سے رسول خدا ﷺ گزرے اور میں اس وقت بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، تو میں آپ سے دروازے کی اوٹ میں چھپ گیا۔

کسی جگہ ماں کا نام باپ کے نام سے مشتبہ ہوجاتا ہے لیکن غور وخوض سے پتہ چلتا ہے کہ ماں کا نام ہے باپ کا نام نہیں ہے، جیسا کہ حدیث میں معاذ[1] اور مُعَوَّذ ابنی عفراء آیا ہے، اور حضرت معاذ اور معوذ رضی اللہ عنہما دونوں عفراء کے بیٹے ہیں، اس میں عفراء ان کی ماں کا نام ہے، اور ان کے باپ کا نام حارث ہے، بعض روایتوں میں بلال ابن حمامہ آیا ہے، یہ وہ بلال بن رباح ہیں جو پیغمبر خدا ﷺ کے خادم تھے، ان کی والدہ کا نام حمامہ ہے، نیز صحیحین میں عبداللہ بن بحینہ کا نام آیا ہے، بحینہ ان کی ماں کا نام ہے، اور ان کے باپ کا نام مالک ہے، اور بعض جگہ اس طرح جمع کر کے کہہ دیا گیا ہے، عبداللہ بن مالک ابن بحینہ، ایسی صورت میں ان کی ماں اور ان کے دادا کے نام میں اشتباہ ہوجاتا ہے، لہٰذا یہ اصول بنایا گیا ہے کہ مالک اور بحینہ میں ابن کے الف کو قائم رکھتے ہیں، اور گراتے نہیں ہیں، تاکہ معلوم رہے کہ یہ عبداللہ کی صفت ہے مالک کی صفت نہیں ہے، اس طرح محمد ابن الحنفیہ[2] میں ہے کہ ان کے والد بزرگوار حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں، اور حنفیہ ان کی ماں کی طرف نسبت ہے، اور ان کا نام خولۃ بنت جعفر تھا، اور جعفر یمامہ اور بنی حنفیہ کے سردار تھے، جس طرح اسماعیل بن عُلَیہ ہے کہ ان کے باپ کا نام ابراہیم ہے۔

(تدريب الراوي: ۵۹۱، محاسن الاصطلاح: ۳۲۱، المقنع: ٦٢٦ -٦٢٧، التقييد والإيضاح: ۳۷۳، شرح التبصرة والتذكرة: ۲/ ۲۸۱)

یہاں شعبہ نے ابوحمزہ سے مطلق روایت کی ہے، اور وہ نصر بن عمران نہیں ہیں، بلکہ یہ عمران بن ابی عطاء ہیں، جیسا کہ امام مسلم نے اپنی روایت میں تصریح کی ہے۔

(مقدمة ابن الصلاح مع التقييد والإيضاح: ٣٦٤)

واضح رہے صحیحین میں ابوحمزہ کنیت کے تین راوی ہیں:

۱- ابوحمزۃ عبدالرحمٰن۔ ۲- ابوحمزۃ القصاب عمران۔ ۳- ابوحمزۃ محمد بن میمون۔

(ملاحظہ ہو: الإعلام بوفيات الأعلام: ۱۰۰)

(۱) یہ وہ نوع ہے جو اصطلاح میں "معرفة المنسوبين إلى غير آبائهم" کے نام سے موسوم ہے، اس کی بھی متعدد قسمیں ہیں:

پہلی قسم وہ ہے جس میں انتساب ماں کی طرف ہوتا ہے، جیسے حضرت معاذ، معوذ، عوذ سب بدری صحابہ ہیں ان کی ماں کا نام عفراء بنت عبید بن ثعلبہ اور باپ کا نام حارث بن رفاعہ بن الحارث ہے، حضرت معوذ رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں شہید ہوگئے تھے، اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت تک زندہ رہے۔ (تدریب: ۵۹۱)

(۲) محمد بن الحنفیہ سے تابعین کے ناموں کی مثالیں بیان فرمارہے ہیں۔

ایک شخص کی نسبت اس کے دادا کی طرف کرنا حدیث کی کتابوں میں بکثرت موجود ہے، بلکہ محاوراتِ عرب میں نہایت عام اور مشہور ہے، چنانچہ "أنا ابن عبد المطلب"[۱] اس کی نہایت واضح دلیل ہے، اور اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ کبھی دادی کی طرف بھی نسبت کر دیتے ہیں، جیسے یعلی بن مُنیہ کہ مُنیہ[۲] ان کی دادی کا نام ہے، جو ان کے باپ کی ماں تھیں، اور بشیر بن الخصاصیہ[۳] بھی اس طرح سے ہے، اور جو دادا سے منسوب ہیں وہ تو بہت ہیں، جیسے ابوعبیدۃ بن الجراح[۴] کہ ان کے والد کا نام عبداللہ بن الجراح ہے، اور مثلاً ابن جریج کہ ان کا نام عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج ہے، اور احمد بن حنبل کہ ان کے والد کا نام محمد ہے۔

اور متبنیٰ[۵] ہونے کی وجہ سے اس شخص کی طرف نسبت کر دیتے ہیں جس کا وہ منہ بولا بیٹا ہوتا ہے، جیسے مقدادؓ بن الاسود کہ اصل میں مقداد بن عمرو بن ثعلبۃ الکندی ہے، ان کی پرورش چونکہ اسود بن عبد یغوث زہری قرشی نے کی تھی، اور اس نے انہیں گود لے لیا تھا، اس لئے اس کی طرف نسبت سے مشہور ہو گئے، اور اسی طرح حسن بن دینار ہے کہ اصل میں حسن بن واصل ہے، اور دینار ان کی ماں کا خاوند تھا۔

(دیکھئے: المقنع: ٦٢٧ - ٦٢٩، التقييد والإيضاح: ٣٧٣ - ٣٧٤، شرح التبصرة والتذكرة: ٢/ ٢٨٢ - ٢٨٤)

---

(۱) دوسری قسم وہ ہے جس میں دادا اور دادی کی طرف نسبت ہوتی ہے خواہ وہ برتر ہو یا کمتر ہو، حضور اکرم ﷺ کا ارشاد "أنا ابن عبد المطلب"، ہے اس میں دادا کی طرف نسبت ہے۔

(۲) يعلى بن مُنية مشہور صحابی ہیں اس میں دادی کی طرف نسبت ہے، ان کے والد کا نام امیہ ہے۔

(۳) بشير بن الخصاصية بھی صحابی ہیں، اور خصاصیہ ان کی دادی کا نام ہے، والد کا نام معبد تھا۔

(۴) ابوعبیدۃ بن الجراح عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

(۵) تیسری قسم وہ ہے جس میں کسی سبب کی وجہ سے اجنبی کی طرف انتساب ہوتا ہے، جیسے منہ بولا بیٹا کہ اس میں پرورش انتساب کا باعث ہے۔

فائدہ: واضح رہے کہ حدیث کی کتابوں کی کئی قسمیں ہیں، ایک قسم کو جامع کہتے ہیں، جامع محدثین کی اصطلاح میں وہ کتاب ہے جس میں مقررہ آٹھ قسم کی حدیثیں پائی جاتی ہیں۔

یعنی ۱- عقائد کی حدیثیں، ۲- احکام کی حدیثیں، ۳- رقاق کی حدیثیں، ۴- کھانے پینے، سفر وحضر، نشست وبرخاست کے آداب کی حدیثیں، ۵- تفسیر سے متعلق حدیثیں، ۶- تاریخ وسیر سے متعلق حدیثیں، ۷- فتنوں سے متعلق حدیثیں، ۸- فضائل ومناقب سے متعلق حدیثیں یکجا ہوتی ہیں۔ (الرسالة المستطرفة)

محدثین نے ان مذکورہ بالا آٹھ فن میں سے ہر فن پر جداگانہ تالیفات کی ہیں، عقائد کی حدیثوں کو علم التوحید والصفات کے نام سے یاد کرتے ہیں، جیسے ابوبکر بن خزیمہ کی کتاب "التوحید"(۱) مشہور کتاب ہے، اور امام بیہقیؒ کی کتاب "الأسماء والصفات"(۲) ہے۔

---

(۱) "كتاب التوحيد وإثبات الصفات"، یہ حافظ ابوبکر محمد بن اسحٰق بن خزیمہ نیشاپوری (المتوفی ۳۳۱ھ) کی تالیف ہے، یہی وہ کتاب ہے جسے امام فخر الدین رازی "كتاب الإشراك" کہتے تھے، محدثِ ناقد محمد زاہد کوثریؒ نے اس پر بڑا سیر حاصل کلام کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: مقالات الكوثري طبع قاہرہ)

(۲) ابوبکر احمد بن حسین بیہقی (المتوفی ۴۵۸ھ) کی "كتاب الأسماء والصفات" اس موضوع پر نہایت جامع کتاب ہے، پہلی مرتبہ ہندوستان میں حیدرآباد دکن سے ۱۳۱۳ھ میں شائع ہوئی تھی، پھر مصر سے شیخ محمد زاہد کوثریؒ کی مفید تعلیقات کے ساتھ شائع ہوئی ہے، اس کتاب کے متعلق علامہ کوثری اپنے مقدمہ (ص: ب) میں رقمطراز ہیں: "قام بتأليف كتاب الأسماء والصفات ساعياً في استقصاء ماورد في أبواب من الأحاديث مع تبيين الصحيح والسقيم منها، وتثبت وجه الكلام في النصوص الواردة في الأسماء والصفات ناقلاً عن قادة النظر وسادة التاويل المعاني المرادة منها، فأحسن حد الإحسان وأجاد كل الإجادة إلّا في مواضع يسيرة مغمورة في بحر إفضاله المواج، فالله سبحانه يكافئه على هذا العمل المبرور جزاء من أحسن عملاً؛ فإنه بعمله هذا انتشل عقلاء الرواة من أهل عصره ومن بعده مما تورطوا فيه من الزيغ، وعرف أهل النظر الأخبار الصحاح التي لايسوغ لهم إنكارها من الروايات الكاذبة الواجب ردها، فشفى وكفى."

"كتاب الأسماء والصفات" کی تالیف میں علامہ بیہقیؒ لگے رہے، کوشش یہ رہی کہ ان ابواب سے متعلق جتنی حدیثیں آئی ہیں ان سب کو اس میں جمع کردیں، صحیح اور غیر صحیح کو بتائیں اور ان نصوص کی توجیہ اور مرادی معانی کو جو اسماء وصفات کے متعلق آئی ہیں اہل نظر وماہرینِ فن تاویل سے نقل کرکے مرادی معانی کو پیش کردیں، انہوں نے یہ کام نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے کیا ہے، سوائے ان چند مقامات کے (جہاں وہ اپنی اس روش پر قائم نہ رہ سکے یہ چند جگہیں وہ ہیں)

اور احادیث احکام کا نام سنن ہے[1]، یہ کتاب الطہارات سے کتاب الوصایا تک فقہی ابواب کی ترتیب پر مرتب ہوتی ہیں، اس موضوع پر نہایت کثرت سے کتابیں لکھی گئی ہیں۔

اور احادیث رقاق کا نام علم الزہد والسلوک ہے، امام احمدؒ، عبد اللہ بن المبارکؒ وغیرہ محدثین نے "کتاب الزھد"[2] کے نام سے جداگانہ کتابیں لکھیں ہیں۔

جو ان کے فضل وکمال کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں گم ہو کر رہ گئی ہیں، ہر جگہ خوب کلام کیا ہے، پس اللہ تعالیٰ انہیں اس مبارک خدمت پر وہ بہتر جزا دے جو وہ بہتر کام کرنے والے کو دیتا ہے، کیوں کہ انہوں نے اپنی اس حسن کارکردگی سے اپنے زمانہ کے عقلمند راویوں (محدثین) اور بعد کے آنے والوں کو کجی اور کج روی کے ایسے گرداب سے نکالا ہے کہ جس میں وہ پھنسے ہوئے تھے، اور اہل نظر (متکلمین) کو ان جھوٹی روایتوں کے مقابلہ میں کہ جن کا رد کرنا واجب ہے ایسی صحیح حدیثوں سے متعارف کرایا کہ جن سے انکار کی ان کے لیے گنجائش نہیں، اور بڑا شافی وکافی کلام کیا ہے۔

(۱) سنن اصطلاح میں ان کتابوں کو کہتے ہیں جو ابواب فقہیہ پر مرتب ہوتی ہیں، اور ان میں ایمانیات سے لے کر وصایا تک ہر ایک باب ہوتا ہے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ کتبِ سنن اور کتب السنۃ دونوں جداگانہ قسمیں ہیں، اور ان دونوں میں باہم بڑا فرق ہے۔

کتب سنن کی تعریف اوپر گزر چکی، کتب السنۃ اصطلاح میں ان کتابوں کو کہا جاتا ہے جو ایسی حدیثوں کی جامع ہوتی ہیں کہ جن سے صدر اول کے بعد جو بدعات امت میں رائج ہوئیں ان کی بیخ کنی ہوتی ہے، اور فرق باطلہ، خوارج، معتزلہ وغیرہ کے عقائد کا فساد ظاہر ہو جاتا ہے، اعتصام بالکتاب والسنۃ (کتاب وسنت کی اتباع) کا جذبہ ابھرتا ہے، جیسا کہ امام احمد بن حنبلؒ کی "کتاب السنة" وغیرہ ہیں۔ (الرسالة المستطرفة : ۳۳)

(۲) امام احمد کی کتاب الزہد کا مختصر "کتاب الزهد" کے نام سے حجاز سے شائع ہو چکا ہے، اور یہ اپنے موضوع پر نہایت اہم کتاب ہے، حاجی خلیفہ "کشف الظنون" (۱۴۲۳/۲) میں لکھتے ہیں:

"قال ابن تيمية: والذين جمعوا الأحاديث في الزهد والرقاق يذكرون ما روي في هذا الباب، ومن أجل ماصنف في ذلك كتاب الزهد لعبد الله بن المبارك، وفيه أحاديث واهية، وكذلك كتاب الزهد لهناد، ولأسد بن موسى وغيرهما، وأجود ما صنف فيه "كتاب الزهد" للإمام أحمد، لكنه مكتوب على الأسماء، وزهد ابن المبارك على الأبواب، وهذه الكتب يذكر فيها زهد الأنبياء والصحابة والتابعين. ثم إن المتأخرين على صنفين: منهم من ذكر زهد المتقدمين والمتأخرين، كأبي نعيم في "الحلية"

اوراحادیث آداب کا نام علـم الأدب ہے،اس فن میں امام بخاریؒ کی نہایت مبسوط کتاب موجود ہے جس کو''الأدب المفرد''(۱) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

وأبي الفرج في "صفة الصفوة"، ومنهم من اقتصر على ذكر المتأخرين من حين حدث اسم الصوفية ،كما فعله أبو عبد الرحمن السلمي في "طبقات الصوفية" والقشيري في "رسالته"، ثم الحكايات التي يذكرها هؤلاء يجردها(يجردونها)، مثل ابن حميس وأمثاله، فيذكرون حكايات مرسلة، بعضها صحيح وبعضها باطل قطعاً، مثل ذكرهم أن الحسن البصري كان يقص، ودخل عليه علي بن أبي طالب ﷺ وأنه صحب علياً، وقد اتفق أهل المعرفة أن الحسن لم يلق علياً، وإنما أخذ عن أصحابه ،كالأحنف بن قيس.''

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: وہ محدثین جنہوں نے زہدورقاق کے موضوع پر حدیثیں جمع کی ہیں، وہ ان حدیثوں کوذکر کرتے ہیں، جواس باب میں مروی ہوتی ہیں،اس غرض سے جوکتابیں اس موضوع پر تالیف ہوئی ہیں، ان میں عبداللہ بن مبارک کی''کتـاب الـزهـد'' ہے،اوراس میں کمزورحدیثیں ہیں،اس طرح ہنادکی''کتـاب الـزهـد'' اوراسد بن موسیٰ وغیرہ کی کتابیں ہیں،اس موضوع پرسب سے بہتر کتاب امام احمد بن حنبل کی''کتـاب الزهد'' ہے،لیکن وہ اسماء پرمرتب ہے،اورابن المبارک کی کتـاب الـزهد ابواب پرمرتب ہے، یہ وہ کتابیں ہیں جن میں انبیاء،صحابہ اور تابعین کے زہد کا بیان ہے ، پھر متاخرین میں دوقسمیں ہوگئی ہیں: بعض ان میں سے وہ ہیں جو متقدمین اورمتاخرین دونوں کے زہد کے واقعات نقل کرتے ہیں،جیسے ابونعیم نے''حـلية الأولياء'' میں،اورابوالفرج ابن الجوزیؒ نے''صفة الـصـفوة'' میں کیا ہے،بعض وہ ہیں جنہوں نے صرف متاخرین کے واقعاتِ زہد کے بیان پر اکتفا کیا ہے،جس وقت سے صوفیہ کا نام عالم وجود میں آیا،جیسے ابوعبدالرحمٰن سلمی نے''طبـقـات الصوفية'' میں،اور قشیری نے''رسالہ قشیریہ'' میں کیا ہے، پھروہ قصے جنہیں یہ علماء ذکر کرتے ہیں ابن حمیس جیسے اشخاص مجرد نقل کرتے ہیں، اوروہ مرسل ہوتے ہیں،بعض صحیح ہوتے ہیں اور بعض غلط ہوتے ہیں،مثلاً ان کا یہ نقل کرنا کہ حضرت حسن بصریؒ قصہ بیان کررہے تھے کہ حضرت علی ﷺ ان کے پاس آئے ،اور وہ حضرت علی ﷺ کے ساتھ رہے ہیں، حالانکہ اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت حسن بصریؒ کی حضرت علی ﷺ سے ملاقات ثابت نہیں ،اور انہوں نے حضرت علی ﷺ کے اصحاب اورشاگردوں سے علم حاصل کیا تھا،جیسا احنف بن قیس ہیں۔

(۱) '' الأدب المفرد '' یہ اپنے موضوع پرنہایت مفیداورمقبول کتاب ہے،اس میں مرفوع حدیثیں ہی نہیں بلکہ آثار موقوفہ بھی ہیں، یہ سب سے پہلے ہندوستان میں مطبع خلیلی آرہ سے ۱۳۰۶ھ، پھر آستانہ (ترکی) ۱۳۰۹ھ=۱۸۹۱ء،اورالقاہرہ ۱۹۲۰ء میں شائع کی گئی تھی، پھر متعدد مرتبہ مصر سے طبع ہوئی ہے،م اردوزبان میں اس کا سب سے پہلے ترجمہ غالباً نواب

تفسیر سے متعلق حدیثوں کو تفسیر کہتے ہیں، تفسیر ابن مردویہ[1]، تفسیر دیلمی[2] اور تفسیر ابن جریر وغیرہ حدیث کی تفسیروں میں بہت مشہور کتابیں ہیں، اور شیخ جلال الدین سیوطی کی کتاب ''الدر المنثور''[3] ان تمام کتابوں کی جامع ہے۔

تاریخ وسیر کی حدیثوں کی دو قسمیں کی گئی ہیں:

۱۔ وہ حدیثیں جو آسمان وزمین، حیوانات، جنات، شیاطین، فرشتوں کی پیدائش، گذشتہ انبیاء علیہم السلام اور پہلی امتوں سے متعلق ہیں، اس قسم کی حدیثوں کو بدء الخلق[1] کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

۲۔ وہ حدیثیں جو ہمارے پیغمبر ﷺ کے وجود با مسعود اور صحابہ کرام ﷺ اور آپ کی عظیم آل واولاد سے متعلق ہیں، اور

صدیق حسن خان قنوجی نے کیا تھا، جو شائع ہو چکا ہے، پھر اس کا ترجمہ کسی اور نے بھی کیا تھا، وہ بھی چھپ چکا ہے، تیسرا ترجمہ عبد القدوس ہاشمی ندوی نے ''کتاب زندگی'' کے نام سے کیا ہے، جو نفیس اکیڈمی کراچی سے شائع کیا گیا ہے، چوتھا ترجمہ خلیل الرحمٰن نعمانی مظاہری نے کیا ہے، جو دار الاشاعت کراچی سے شائع کیا گیا ہے، مولانا فضل اللہ بہاری ثم حیدر آبادی نے اس کی نہایت مبسوط شرح ''فضل اللّٰہ الصمد'' کے نام سے عربی میں لکھی، جس کی دو جلدیں قاہرہ سے ۱۳۷۸ھ=۱۹۶۰ء میں شائع کی گئی تھیں۔

(۱) "تفسیر ابن مردویہ" یہ حافظ ابوبکر احمد بن موسیٰ بن مردویہ اصفہانی (المتوفی ۴۱۶ھ) کی تالیف ہے۔

(۲) "تفسیر دیلمی" یہ حافظ ابوشجاع شیرویہ بن شہردار دیلمی (المتوفی ۵۰۹ھ) کی تالیف ہے۔

(۳) ''الدر المنثور في تفسير المأثور بالمأثور'' یہ کتاب دراصل علامہ سیوطی کی "ترجمان القرآن" کا مختصر ہے، اور متقدمین کی تفسیروں کا خلاصہ ہے، اس میں تمام باتیں بحوالہ منقول ہیں، مصر (قاہرہ) سے ۱۳۱۴ھ =۱۸۹۷ء، پھر اس کا فوٹو طہران سے ۱۳۷۷ھ=۱۹۵۸ء، بیروت دار المعرفۃ سے ۱۹۷۹ء میں، دوبارہ ۱۳۱۵ھ میں ۶ جلدوں میں شائع کی گئی تھی، دار الفکر بیروت سے ۱۴۰۳ھ=۱۹۸۳ء میں ۸ جلدوں میں شائع کی گئی ہے۔

(۴) بدء الخلق کے موضوع پر امام بخاری کی بھی ایک مستقل تالیف ہے، جس کا نام "كتاب بدء المخلوقات" ہے، البدء والتاريخ کے نام سے ابوزید احمد بن سہل بلخی (المتوفی ۳۴۰ھ) کی ایک تصنیف ہے، جس کے متعلق صاحب "کشف الظنون" (۱/۲۲۷) لکھتے ہیں: ''وهو كتاب مفيد مهذب عن خرافات العجائز وتزاوير القصاص؛ لأنه تتبع فيه صحاح الأسانيد في مبدأ الخلق ومنتهاه، فابتدأ بذكر حدود النظر والجدل وإثبات القديم، ثم ذكر ابتداء الخلق وقصص الأنبياء -عليهم السلام- وأخبار الأمم وتواريخ الملوك والخلفاء إلى زمانه في ثلاثة وعشرين فصلاً، وهو في مجلد واحد.''

سرورِ کائنات ﷺ کی پیدائش سے وفات تک کے حالات پر مشتمل ہیں، وہ "سِیَــر" کے نام سے موسوم ہیں، جیسے سیرتِ ابن اسحٰق (۱)، سیرت ابن ہشام، سیرتِ ملا عمر، نیز اس موضوع پر اور بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔

یہ مفید کتاب ہے اور بڑی بوڑھیوں کے قصے کہانیوں اور داستان سراؤں کی داستانوں سے پاک ہے، کیونکہ اس میں آفرینش عالم اور فنائے عالم کے متعلق تتبع اور تلاش سے، صحیح سندوں سے مروی حدیثوں کو جمع کیا ہے، اس کی ابتداء حدود، نظر، وجدل اور اثبات قدیم سے کی ہے، پھر مخلوقات کی پیدائش، انبیاء علیہم السلام کے قصے، گذشتہ اقوام کے حالات، ملوک اور خلفاء کے واقعات، اپنے زمانہ تک ۲۳ فصلوں میں ایک جلد میں بیان کئے ہیں، یہ کتاب ۱۹۱۹ء میں پیرس سے ترجمہ کے ساتھ ۶ جلدوں میں، اور اب بغداد سے سات حصوں میں شائع ہوئی ہے۔

(۱) حاجی خلیفہ کشف الظنون (۱۰۱۲/۲) میں رقمطراز ہیں: "أول من صنف فيه الإمام المعروف بمحمد بن إسحق، رئيس أهل المغازي، المتوفى ١٥١هـ ...... وهذّبه أبو محمد عبد الملك بن هشام الحميري المتوفى ٢١٨ هـ فأحسن وأجاد."

سب سے پہلے اس موضوع پر امام فن محمد بن اسحٰق (المتوفی ۱۵۱ھ) نے جو اہل مغازی کے پیشوا اور امام ہیں، کتاب لکھی، جس کی ترتیب وتہذیب ابومحمد عبدالملک بن ہشام حمیری (المتوفی ۲۱۸ھ) نے بڑی عمدگی اور خوبی سے کی ہے۔

ابوالقاسم عبدالرحمٰن سہیلی (المتوفی ۵۸۱ھ) کی تحقیق یہ ہے کہ سیرت کے موضوع پر سب سے پہلے امام زہریؒ نے قلم اٹھایا ہے، موصوف "الروض الأنف" (۱۲۲/۱) میں لکھتے ہیں: "هي أول سيرة ألفت في الإسلام" یہ سب سے پہلی سیرت ہے جو اسلام میں لکھی گئی ہے۔

عصر حاضر کے نامور متکلم شیخ الاسلام مصطفیٰ صبری کی تحقیق یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت سب سے پہلے ابان بن عثمانؓ نے لکھی تھی، چنانچہ موصوف "موقف العقل والعلم والعالم من رب العالمين" (۴۷/۱، طبع مصر) ۱۹۵۰ء میں رقمطراز ہیں: "إن المؤلفين كثيرون، وليس ابن هشام المتوفى ٢١٨هـ أقدمهم، فالتأليف يبتدئ من أبان بن عثمان ﷺ المولود ٢٠هـ، ثم عروة بن الزبير المولود بعد أبان بقليل، ثم شرحبيل بن سعد، ثم الزهري المولود ٥٠هـ، وهو أستاذ أستاذ البخاري، وإمام كبير في الحديث، لقي عبد الملك بن مروان، وعمر بن عبد العزيز، ويحتمل أن يكون تأليفه في المغازي بإشارة الأخير."

سیرت نگار بہت ہیں، ابن ہشام (المتوفی ۲۱۸ھ) ان میں سب سے مقدم نہیں ہیں، سیرت نگاری کا آغاز حضرت ابان بن عثمان ﷺ سے ہوا ہے، جن کی ولادت ۲۰ھ میں ہوئی تھی، پھر عروہ بن زبیر نے جو ابان کے تھوڑے عرصہ کے بعد پیدا ہوئے تھے، اس موضوع پر قلم اٹھایا، پھر شرحبیل بن سعد کا نمبر ہے، پھر زہری نے، جن کا سال ولادت ۵۰ھ ہے،

فی الوقت اگر میر جمال الدین محدث حسینی کی کتاب "روضۃ الأحباب "(۱) کا نسخۂ صحیحہ مل جائے جو الحاق اور

اور وہ بخاری کے استاد کے شیخ ہیں، حدیث کے بلند پایہ امام ہیں، جن کی عبد الملک بن مروانؒ اور عمر بن عبد العزیزؒ سے ملاقات ثابت ہے، ان کا نمبر ہے، اور اس امر کا احتمال ہے کہ مغازی میں ان کی تالیف حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے اشارے سے ہوئی ہو۔

(۱) سید جمال الدین حسینی کی کتاب "روضة الأحباب في سير النبي والآل والأصحاب" شاہ صاحب کے انہی تعریفی جملوں کی وجہ سے ہندوستان میں کئی مرتبہ چھپی، سید تیغ بہادر خاں کے مطبع انوار محمدی لکھنؤ سے دو مرتبہ شائع ہوئی، دوسری مرتبہ ۱۳۱۰ھ میں شائع کی گئی تھی، لیکن یہ کتاب کبھی پوری شائع نہیں ہوئی، اس کی صرف دو جلدیں شائع ہوئی ہیں، جو مقصد دوم پر ختم ہو جاتی ہیں، مقصد سوم شائع نہیں ہوا ہے، یہ کتاب مطبع نولکشور لکھنؤ سے بھی چھپی ہے مگر ناتی ہی۔

شاہ عبد العزیزؒ نے الحاق کا ذکر کیا ہے، وہ بالکل صحیح ہے، اس میں بعض باتیں مسلّمات کے خلاف ہیں، چنانچہ مصححِ کتاب مولانا محمد صادق علی نے حواشی میں بعض مقامات پر گرفت کی ہے، کتاب کے طبع ہونے کے بعد کتاب اور صاحب کتاب دونوں کے متعلق شاہ عبد العزیزؒ کے شاگرد قاری عبد الرحمٰن پانی پتیؒ سے ۱۲۶۴ھ میں استفسار کیا گیا کہ اس کتاب کی حیثیت کیا ہے، اور اس کے مصنف کا مسلک کیا ہے؟ موصوف اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: "مصنف کتاب روضۃ الاحباب ملا عطاء اللہ سنی مؤرخ است، در روضۃ الاحباب بشان دیگر کتب تاریخ از رطب ویابس مملوء است، نسبت دیگر کتب تواریخ معتبر است، نہ آنکہ آن را مدارِ مذہب ودین قرار دھند، ھر قولش کہ موافق احادیثِ صحاح معمول بہا افتد، مقبول است، والاحکم اقوال ضعیفہ دارد۔" (فتاویٰ قیام الملّۃ والدین: ۲۵۷، مرتبہ محمد قیام الدین عبد الباری طبع لکھنؤ ۱۲۳۵ھ)

روضۃ الاحباب کا مصنف ملا عطاء اللہ سنی مورخ ہے، روضۃ الاحباب دوسری تاریخ کی کتابوں کی طرح رطب ویابس سے پُر ہے، اور تاریخ کی کتابوں کی طرح یہ بھی معتبر ہے، یہ بات نہیں کہ اس کو مذہب اور دین کا مدار قرار دے لیں، اس کا ہر قول جو صحیح حدیثوں کے مطابق ہو لائق عمل وقابل قبول ہے، وگرنہ ضعیف اقوال کا حکم رکھتا ہے۔

شاہ عبد العزیزؒ نے اوپر جس امر کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ زیادہ قرین قیاس ہے، کیونکہ بعض اہلِ تسنن کی کتابوں میں محض اس لئے الحاق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، تاکہ وہ بدنام ہو جائیں، اگر ان میں تشیع ہوتا تو ناممکن تھا کہ سنی علماء اس کی طرف اشارہ نہ کرتے، جب کہ وہ ان کے سلسلۂ سند میں داخل ہیں، اس کے برعکس اہل تشیع نے ان کے تشیع کو بصراحت بیان کیا ہے، مشہور شیعہ تراش نور اللہ شوستری نے "مجالس المؤمنین" میں اس امر کو صراحت سے لکھا ہے، لیکن مشہور تذکرہ نگار شیعی مورخ ملا محمد باقر موسوی خوانساری نے نور اللہ شوستری کے بیان کو تسلیم نہیں کیا، بلکہ اس نے "روضات الجنات في أحوال العلماء والسادات" طبع طہران میں محدث جمال الدین عطاء اللہ کو علماء اہل سنت میں شمار کیا ہے۔

تحریف سے پاک ہوتو وہ اس موضوع پر سب سے بہتر کتاب ہے، اور "مدارج النبوۃ" (۱) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی

حامد حسین کنٹوری (المتوفی ۱۳۰۶ھ) نے محدث جمال الدین کی کتاب "الأربعین" سے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب میں ان کی تصنیف بیان کی جاتی ہے، ان کے شیعہ ہونے پر یہ دلیل پیش کی ہے کہ اس میں موصوف نے صاحب العصر کی امامت کے متعلق اپنے عقیدہ کی تصریح حسب ذیل الفاظ میں کی ہے:

''واعلموا أيها المؤمنون الكاملون! أن اعتقادي في شان أمير المؤمنين علي- عليه السلام- ما يقتضيه مضمون تلك الأحاديث التي جمعتها في هذه الأوراق، فأقول رضيت بالله رباً وبالإسلام ديناً وبمحمد ﷺ رسولاً وبأمير المؤمنين علي بن أبي طالب إماماً وبالإمامين الهمامين الحسن المجتبى، والحسين الشهيد بكربلا، وعلي بن الحسين زين العابدين السجاد، ذي الثقات، ومحمد بن علي الباقر، وجعفر بن محمد الصادق، وموسى بن جعفر الكاظم، وعلي بن موسى الرضا، ومحمد بن علي التقي، وعلي بن محمد النقي، والحسن بن علي الزكي العسكري، ومحمد بن الحسن الحجة المهدي صاحب الزمان أئمة و سادة وقادة، اللّهم هؤلاء أئمتي وسادتي وقادتي و كبرائي وشفعائي الأئمة الهداة الأبرار الأتقياء الأخيار، بهم أتولّى ومن أعدائهم أتبرّء في الدنيا والآخرة.'' (استقصاء الأفحام: ۱/۱۱۳)

اور کامل مؤمنو! جان لو کہ امیر المومنین علی علیہ السلام کی شان میں میرا اعتقاد ان حدیثوں کے مضمون کے مطابق ہے، جن کو میں نے ان اوراق میں جمع کیا ہے، چنانچہ میں کہتا ہوں کہ میں اللہ کے رب ہونے، دین اسلام کے برحق ہونے محمد ﷺ کے رسول ہونے، امیر المومنین علی کے امام ہونے، حسن مجتبیٰ، حسین شہید کربلا، زین العابدین علی بن حسین سجاد ذی ثقات، محمد بن علی بن باقر، جعفر بن محمد صادق، موسیٰ بن جعفر کاظم، علی بن موسیٰ رضا، محمد بن علی تقی، علی بن محمد نقی، حسن بن علی زکی عسکری، محمد بن حسن حجت مہدی صاحب الزمان کے ائمہ قائدین کے سردار ہونے پر راضی ہوگیا ہوں، یا اللہ! یہ سب میرے امام، سردار، قائد، معظم ومحترم، شفیع، نیک متقی، سب سے افضل، ہادی امام ہیں، مجھے ان ہی سے دوستی اور محبت ہے، اور ان کے دشمنوں سے دنیا اور آخرت میں بیزار ہوں۔

حامد حسین کنٹوری کا بیان ہے کہ انہوں نے یہ اقتباس کتاب الاربعین کے ایک ایسے قدیم نسخہ سے جو ۹۷۰ھ کا لکھا ہوا ان کے کتب خانہ میں موجود تھا نقل کیا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ بھی کسی کا الحاق ہے، ورنہ اس کتاب کے نسخے ان کے سنی شاگردوں کے مطالعہ سے گذرے ہوں گے، اگر ان کا ایسا عقیدہ ہوتا تو وہ مخفی نہیں رہ سکتا تھا، یہ امر ہی اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ یہ سب الحاق ہے، اسی وجہ سے محمد باقر موسوی خوانساری نے ان کو شیعی علماء میں سے تسلیم نہیں کیا ہے۔

(۱) مدارج النبوۃ، فارسی زبان میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی نہایت مقبول اور مشہور کتاب دو ضخیم جلدوں

اور ''سیرتِ شامیة ''(۱) ....

میں ہے، یہ پہلی مرتبہ ۱۲۶۹ھ میں فخر المطابع دہلی، اور پھر ۱۲۷۱ تا ۱۲۷۴ھ میں مظہر العجائب پریس سے طبع ہوکر شائع ہوئی تھی، اس کے بعد ۱۸۶۷ء اور ۱۸۸۰ء میں لکھنؤ سے دو مرتبہ شائع ہوئی، اور نولکشور نے اس کے متعدد ایڈیشن شائع کئے، پاکستان میں بھی دو جلدوں میں سکھر سے شائع کی گئی ہے، خواجہ عبد الحمید نے ''منهاج النبوة '' کے نام سے اس کا اردو میں ترجمہ کیا تھا، وہ بھی شائع ہو چکا ہے، مدارج النبوۃ کا اصل ماخذ "المواهب اللدنية" ہے۔

(۱) سیرتِ شامیہ کا اصل نام "سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد" ہے، یہ محدث محمد بن یوسف الدمشقی الشافعی (المتوفی ۹۴۲ھ) کی تالیف ہے، اور سیرت کے موضوع پر سب سے زیادہ مبسوط کتاب ہے، حاجی خلیفہ ''کشف الظنون '' (۲/۹۷۸) میں اس کے متعلق رقمطراز ہیں: ''هو أحسن كتب المتأخرين وأبسطها في السيرة النبوية من الأعلام للقطب المكي، وذكر في آياته العظيمة أنه منتخب من أكثر من ثلاثمائة كتاب، وآت من الفوائد بالعجب العجاب، وقد زادت أبوابه على سبعمائة باب، وأن اسمه سبل الرشاد. ''

سیرتِ نبویہ پر بلند پایہ متاخرین کی کتابوں میں سب سے اچھی اور سب سے مبسوط کتاب قطب الدین مکی کی ہے، اس کی عظمت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ یہ تین سو سے زیادہ کتابوں کا انتخاب ہے، اور عجیب وغریب فوائد کی جامع ہے، اس کے ابواب کی تعداد بھی سات سو سے زیادہ ہے، اور اس کا نام "سبل الرشاد" ہے۔

اس کے متعلق ابو سالم عیاشی لکھتے ہیں: ''السيرة الشامية التي هي أجمع وأفيد ما ألفه المتأخرون في السيرة النبوية والأحوال المصطفية في نحو سبع مجلدات ضخمة، سمّاها "سبل الرشاد في سيرة خير العباد"، وذكر فضائله وأعلام نبوته وأفعاله وأحواله في المبدأ والمعاد، جمعها من ألف كتاب، وتحرى فيها الصواب، وختم كل باب بإيضاح ما أشكل فيه، وبعض ما اشتمل عليه من النفائس المستجدات مع بيان غريب الألفاظ وضبط المشكلات، خرج بعضها من مسودة المؤلف تلميذه العلامة الشمس محمد بن محمد بن أحمد الفيشي المالكي من أثناء باب السرايا. '' (فهرس الفهارس والأثبات: ۲/۱۰۶۳)

متاخرین نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور حالات میں جو کتابیں لکھی ہیں، سیرتِ شامیہ ان میں سب سے جامع اور سب سے مفید کتاب ہے، یہ سات ضخیم جلدوں میں ہے، مؤلف نے اس کا نام "سبل الرشاد في سيرة خير العباد" رکھا ہے، اور اس میں حضور اکرم ﷺ کے فضائل، علاماتِ نبوت، افعال اور احوال شروع سے آخر تک سب لکھے ہیں، اور اس کی تالیف میں ہزار کتابوں سے فائدہ اٹھایا ہے، اور اس میں ٹھیک ٹھیک باتوں کو لیا ہے، اور ہر بات میں وضاحت طلب امور کی تشریح کی ہے، اور عمدہ باتوں کو نقل کرکے اس باب کو ختم کیا ہے، ساتھ ہی غریب الفاظ کو بیان کیا

اور ''المواهب اللدنية ''،[1] سیرت کی کتابوں میں سب سے بڑی کتابیں ہیں۔

ہے، مشکل اسماء کو ضبط کیا ہے، اس کی کچھ بحثوں کو مؤلف کے مسودہ سے ان کے شاگرد شمس الدین محمد بن محمد بن احمد فیشی مالکی نے باب السرایا میں بیان کیا ہے۔

یہ سیرت کا دائرۃ المعارف ہے، اس کی متفرق تین جلدیں کتب خانۂ پیر جھنڈو (وہب اللہ کے کتب خانہ) میں ہماری نظر سے گذر چکی ہیں۔

(۱) ''المواهب اللدنية بالمنح المحمدية ''، یہ شیخ شہاب الدین ابوالعباس احمد بن محمد قسطلانی (المتوفی ۹۲۳ھ) کی مشہور تالیف ہے، اس کے متعلق حاجی خلیفہ کشف الظنون (۱۸۹۶/۲) میں لکھتے ہیں: ''هو كتاب جليل القدر، كثير النفع، ليس له نظير في بابه.''

یہ بلند پایہ اور نہایت مفید کتاب اور اپنے موضوع پر بے نظیر ہے۔

عبدالقادر عیدروس (المتوفی ۱۰۳۸ھ) النور السافر (ص: ۱۱۴، طبع بغداد ۱۹۳۴ء) میں رقمطراز ہیں: ''كتاب جليل القدر، عظيم الوقع، كثير النفع، ليس له نظير في بابه.'' یہ جلیل القدر، عظیم المرتبت اور کثیر المنفعت کتاب ہے، اور اپنے موضوع پر نظیر نہیں رکھتی ہے۔

شیخ ابوسالم عیاشی مغربی نے ''مسالك الهداية'' میں اس کتاب کے متعلق حسب ذیل اشعار نقل کئے ہیں:

''كتاب المواهب ما مثله　　كتاب جليل وكم قد جمع

إذا قال غمر له مشبه　　يقول الورى منك لا يستمع''

(فهرس الفهارس: ۹۶۸/۲)

المواهب اللدنية بے نظیر کتاب ہے، بڑی کتاب ہے، اور کس قدر جامع ہے، اگر کوئی ناواقف کہے کہ اس جیسی کتاب ہے؟، تو خلق خدا تجھ سے کہے گی کہ تیری یہ بات نہیں سنی جاسکتی۔

یہ کتاب پہلی مرتبہ دو جلدوں میں بولاق سے ۱۲۷۸ھ=۱۸۶۱ء میں شائع کی گئی تھی، پھر مطبع مصطفیٰ شاہین مصر سے ۱۲۸۱ھ میں شائع ہوئی تھی، پھر کئی مرتبہ چھپی، اس کی شرح شیخ نورالدین شبراملسی نے بھی لکھی ہے، اس پر صفی الدین قشاشی، برہان الدین ابراہیم میمونی، شمس الدین محمد شوبری مصری، نورالدین علی قاری وغیرہ نے حواشی بھی لکھے ہیں، لیکن محدث محمد بن عبدالباقی زرقانی مالکی (المتوفی ۱۱۲۲ھ) نے اس کی نہایت مبسوط شرح لکھی ہے، جو مصر سے ۱۳۲۸ھ میں آٹھ جلدوں میں شائع کی گئی تھی۔

(ذخائر التراث العربي الإسلامي، تالیف: عبدالجبار عبدالرحمٰن جامعۃ البصرہ ۱۴۰۱ھ=۱۹۸۱ء)

اوراحادیث فتن کا نام علم الفتن ہے، نعیم بن حماد نے ''کتاب الفتن '' [۱] نہایت بسط وتفصیل سے لکھی ہے، جس میں رطب ویابس سب کچھ جمع کر دیا ہے، اور علماء نے بھی اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں۔

فضائل ومناقب کے ذخیرہ احادیث کو علم المناقب کہتے ہیں، اس موضوع پر بھی قسم قسم کی متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں، خصوصا بعد کے محدثین نے بعض آل واصحاب کے مناقب پر کسی خاص غرض سے مستقل کتابیں لکھی ہیں، جیسے "مناقب قریش" "مناقب الأنصار" "مناقب العشرة المبشرة" جو محبّ طبری کی تالیف ہے، جس کا نام ''الریاض النضرة فـي فضائل العشرة '' [۲] ہے اور ''ذخـائـر العقبى في مناقب ذوي القربى '' [۳] اور ''حلية الكميت في مناقب أهل البيت '' اور ''الديباج في مناقب الأزواج '' اور بہت سی کتابیں خلفائے راشدین کے مناقب میں لکھی گئی ہیں، خصوصاً ''القول الصواب في مناقب أمير المؤمنين عمر بن الخطاب '' اور ''القـول الجلـي فـي مناقب أمير المؤمنين علي '' ہے، اور امام نسائیؒ نے امیر المؤمنین حضرت علی ﷺ کے مناقب میں ایک مبسوط رسالہ [۴] لکھا ہے، اور شام کے ناصبیوں نے غیر معمولی تعصب اور عناد کی وجہ سے ان کو دمشق میں اسی بناء پر شہید کر دیا تھا، رحمۃ اللہ علیہ۔

غرض **جامع** وہ کتاب ہے جو ان فنون میں سے سب کا نمونہ رکھتی ہے، جیسے صحیح بخاری اور جامع ترمذی [۵] ہے۔

---

(۱) "كتـاب الفتن والملاحم"، یہ امام بخاریؒ کے شیخ حافظ نعیم بن حماد مروزی (المتوفی ۲۲۹ھ) کی تالیف ہے، حافظ ابوعمرو عثمان بن سعید دانی (المتوفی ۴۴۴ھ) نے بھی اس موضوع پر اس نام سے ایک کتاب یادگار چھوڑی ہے۔
(كشف الظنون: ۲/۱۴۴۵)

(۲) "الـريـاض الـنـضـرة في فضائل العشرة" محدث محبّ الدین ابوجعفر احمد بن محمد بن عبداللہ بن محمد طبری مکی شافعیؒ (المتوفی ۶۹۴ھ) کی تصنیف مطبع حسینیہ مصر سے ۱۳۲۷ھ میں دو جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔
(دیکھئے: كشف الظنون: ۱/۹۳۷)

(۳) "ذخائر العقبى في مناقب ذوي القربى"، یہ شیخ محبّ الدین کی تالیف ہے۔
ملاحظہ ہو: كشف الظنون (۱/۸۲۱) مصر سے متعدد مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔

(۴) امام نسائی کا یہ رسالہ مصر سے اور پھر نجف سے شائع ہو چکا ہے، اردو میں بھی اس کا ترجمہ پاکستان میں شائع ہو گیا ہے۔

(۵) واضح رہے شاہ عبدالعزیزؒ نے جامع کی جو تعریف کی ہے، وہ غالبًا ان کی اپنی تعریف ہے، یا پھر وہ انہوں نے اساتذہ سے سن کر نقل کی ہے، کیونکہ جامع کا لفظ اس معنی میں قدماء کے یہاں نہیں بولا جاتا تھا، متاخرین ائمہ فن کی کتابوں

میں اس قسم کی بحثیں نہیں ملتی ہیں، "تدریب الراوي" سیوطی، "فتح المغیث" سخاوی اور "توضیح الأفکار" امیر یمانی بھی اس قسم کی بحثوں سے یکسر خالی ہیں، اس کے برعکس متقدمین کے یہاں سنن اور مصنّف دونوں پر جامع کا اطلاق ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ائمہ فن نے موطأ کو جوامع میں شمار کیا ہے، حافظ جلال الدین سیوطیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ) "تدریب الراوي" میں لکھتے ہیں: "وأهم الجوامع الموطّأ." اور جوامع میں اہم کتاب موطأ ہے۔

موصوف ایک اور موقعہ پر فرماتے ہیں: "صرّح الخطيب وغيره بأن الموطّأ مقدم على كل كتاب من الجوامع والسنن." (تدریب الراوي: ۵۴ طبع مصر)

اس وجہ سے محدث سفیان ثوریؒ (المتوفی ۱۶۱ھ) کی کتاب کو جامع سفیان ثوریؒ کہتے ہیں، امام ابوداؤد سجستانی (المتوفی ۲۷۵ھ) نے اس کو جوامع میں شمار کیا ہے، موصوف لکھتے ہیں: "جامع سفيان الثوري، فإنه أحسن ما وضع الناس في الجوامع."

(رسالة أبي داود السجستاني في وصف تأليفه لكتاب السنن: ۷، طبع مصر ۱۳۴۹ھ)

محدثین نے اس موضوع پر جتنی کتابیں لکھی ہیں، سفیان ثوریؒ کی جامع ان سب میں اچھی کتاب ہے۔

اس طرح ابومحمد سفیان بن عیینہ (المتوفی ۱۹۸ھ) کی کتاب بھی جامع سفیان کے نام سے مشہور ہے، ابوعروبہ معمر بن راشد بصری (المتوفی ۱۵۴ھ) کی کتاب کو بھی جامع ابی عروبہ کے نام سے یاد کرتے ہیں، ابوبکر احمد بن محمد الخلال کی کتاب بھی جامع کے نام سے موسوم ہے، شاہ عبدالعزیزؒ کے یہاں سب مصنف اور سنن میں داخل ہیں، اس طرح شاہ عبدالعزیزؒ نے موطأ کو سنن میں شمار کیا ہے، حالانکہ وہ بالاتفاق جوامع میں داخل ہیں، حافظ سیوطیؒ "تدریب الراوی" میں لکھتے ہیں: "وأهم الجوامع الموطّأ ثم سائر الكتب المصنفة في الأحكام، ككتاب ابن جريج وابن أبي عروبة وسعيد بن منصور وعبد الرزاق وابن أبي شيبة وغيرهم."

جوامع میں اہم کتاب موطأ ہے، پھر وہ تمام کتابیں ہیں جو احکام پر تصنیف ہوئی ہیں، جیسے ابن جریج، ابن ابی عروبہ، سعید بن منصور، عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ وغیرہ کی کتابیں ہیں۔

امام اسحٰق بن راہویہ کے حسب ذیل واقعہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ موطأ کا شمار جوامع میں ہے۔

ایک مرتبہ امام اسحٰق بن راہویہ سے موطأ اور جامع سفیان ثوریؒ کے متعلق سوال ہوا کہ ان دونوں کتابوں میں کون سی کتاب زیادہ بہتر ہے؟ موصوف نے جواب دیا: موطأ زیادہ بہتر ہے، حافظ جلال الدین سیوطیؒ "تزيين الممالك في مناقب الإمام مالكؒ" (ص: ۴۴ طبع مصر ۱۳۲۵ھ) میں لکھتے ہیں: "أيّ كتابين أحسن كتاب مالك أو صحيح

مسلم میں اگر چہ ان فنون کی حدیثیں موجود ہیں، مگر جو حدیثیں تفسیر وقرأت سے متعلق ہیں، وہ اس میں نہیں ہیں، اس لئے اس کو جامع نہیں کہتے (۱)۔

کتاب سفیان؟ قال: کتاب مالك.''

دونوں کتابوں میں کون سی کتاب زیادہ اچھی ہے، مالک کی یا سفیان کی؟ کہنے لگے امام مالک کی کتاب بہتر ہے۔

ہمارے مذکورۂ بالا خیال کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام ابوعیسیٰ ترمذی کی کتاب کو جس طرح جامع ترمذی کہا جاتا ہے، اس طرح اس کو سنن ترمذی بھی کہتے ہیں، حاجی خلیفہ کشف الظنون (۱/ ۵۵۹) میں لکھتے ہیں: ''قد اشتهر بالنسبة إلى مؤلفه، فيقال: جامع الترمذي، ويقال له: السنن أيضا، والأول أكثر.''

یہ کتاب اپنے مؤلف کی نسبت سے بھی مشہور ہے، چنانچہ اس کو جامع الترمذی کہتے ہیں، اور اس کو سنن بھی کہا جاتا ہے، لیکن پہلا قول زیادہ مشہور ہے۔

یہاں یہ بتا دینا بھی کچھ بے جا نہیں کہ علماء نے جامع کی تعریف یہ کی ہے کہ حدیث کی وہ کتاب جو ابواب فقہ پر مرتب ہو وہ جامع ہے، یہی وجہ ہے کہ صحاح ستہ کا شمار جوامع میں ہوتا ہے، چنانچہ شیخ محمود محمد خطاب سبکی فرماتے ہیں:

''الجامع ما كان مرتباً على أبواب الفقه، كالكتب الستة أو على ترتيب الحروف في أوائل الترجمة، ككتاب الإيمان والبرّ والتوبة والثواب، وهكذا كما فعله صاحب جامع الأصول، أو باعتبار رعاية الحروف في أوائل الحديث، كما فعل السيوطي في الجامع الصغير، وقد جمع في جامعه الكبير بين الجامع والمسند، فجعل القسم القولي على ترتيب الحروف، والقسم الفعلي على ترتيب المسانيد.''

(مقدمة كتاب المنهل العذب المورود شرح سنن أبي داود: ۱/۱۵، طبع قاہرہ ۱۳۵۱ھ)

جامع وہ کتاب ہے جو ابواب فقہ پر مرتب ہوتی ہے، جیسے صحاح ستہ ہیں، یا حروف پر اوائل ترجمہ کے اعتبار سے مرتب ہو، جیسے کتاب الایمان، کتاب البر، کتاب التوبہ اور کتاب الثواب ہیں، اور اس طرح صاحب جامع الاصول نے کیا ہے، یا اوائل حدیث میں حروف کی رعایت ملحوظ ہو، جیسا کہ سیوطی نے جامع صغیر میں کیا ہے، اور انہوں نے اپنی جامع کبیر کو جامع اور مسند دونوں بنایا ہے، چنانچہ قولی حدیثیں حروف کی ترتیب پر مرتب کی ہیں، اور فعلی حدیثیں مسانید کی ترتیب پر مرتب کی ہیں۔

(۱) شاہ عبدالعزیزؒ نے صحیح مسلم کو بھی جامع تسلیم نہیں کیا، حالانکہ محدثین نے اس کو جوامع میں شمار کیا ہے، شیخ مجدالدین فیروز آبادی نے صحیح مسلم کو دمشق میں تین دن میں ختم کیا ہے، اس پر چند شعر کہے ان شعروں میں صحیح مسلم کے لیے ''جامع مسلم'' کا لفظ باندھا ہے، فرماتے ہیں:

"قـرأت بـحـمـد الله جـامـع مسـلـم ... بـجـوف دمشـق الشـام جـوف الإسـلام
عـلـى نـاصـر الـديـن الإمـام بن جهبل ... بـحـضـرة حـفـاظ مشـاهـيـر أعـلام
وتــم بتــوفـيـق الإلـــه وفـضـلـــه ... قراءة ضبط في ثلاثة أيام"

مذکورۂ بالا اشعار میں صحیح مسلم کو جامع کے نام سے ذکر کیا ہے، شارح صحیح مسلم علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کو شاہ عبدالعزیز کے اس قول سے اتفاق نہیں، موصوف شیخ مجدالدین فیروز آبادی کے مذکورۂ بالا قول کی توجیہ فرماتے ہوئے فتح الـمـلـهـم (۱/۱۰۵) میں رقمطراز ہیں:

''قـلـت: قد أطلق عليه اسم الجامع الشيخ مجد الدين الشيرازي – صاحب القاموس –، حيث قال "ختـمـت بحمد الله جامع مسلم"، فكأنه لم يلتفت إلى قلة التفسير فيه، ولعل سبب هذه القلة قلة الأحاديث الصحيحة الواردة فيـه الـمستـجـمـعة لشروط مسلم، وأكثر مايورده البخاري وغيره في أبواب التفسير، إما أحـاديـث قد ذكرت مراراً في سائر أبواب الكتاب لشدة مناسبتها بتراجمها، ثم كررت في كتاب التفسير، و إمـا آثار موقوفة، وأقوال لغوية غير مرفوعة، وما دون ذلك قليل، و"مسلم" متجانب عن التكرار، ومتباعد عن نقل الأقوال والآثار التي ليست بمسندة إلى النبي ﷺ، فلهذا قلّ مادة التفسير في بابه، والله أعلم.''

میں کہتا ہوں کہ صحیح مسلم پر جامع کا اطلاق کیا گیا ہے، شیخ مجدالدین شیرازی مؤلف قاموس نے کہا: ''ختـمـت بـحـمـد الله جامع مسلم'' اللہ کا شکر ہے میں نے جامع مسلم کو ختم کردیا، انہوں نے بھی اس میں قلت تفسیر کا خیال نہیں کیا، اور شاید اس کمی کا سبب ابوابِ تفسیر میں ایسی صحیح حدیثوں کی کمی ہے، جو ان شروط کی جامع ہوں، جن کا امام مسلم نے ہر جگہ خیال رکھا ہے، وہ بہت سی حدیثیں جنہیں امام بخاری وغیرہ ابواب تفسیر میں نقل کرتے ہیں، وہ یا تو وہ حدیثیں ہیں جو کتاب کے مختلف ابواب میں تراجم ابواب کی مناسبت سے متعدد بار گزر چکی ہوتی ہیں، پھر انہیں ابواب التفسیر میں ذکر کردیا جاتا ہے، یا وہ آثار موقوفہ اور لغوی اقوال ہیں جو مرفوع نہیں، اور اس کے علاوہ جو ہیں وہ بہت کم ہیں، امام مسلم اس سے بڑا پرہیز کرتے ہیں، اور ایسے اقوال اور آثار کے بیان کرنے سے گریز کرتے ہیں، اسی وجہ سے تفسیر سے متعلق حدیثیں باب التفسیر میں نہایت کم مذکور ہیں۔

حاجی خلیفہ نے کشف الـظنون (۱/۵۵۵) میں صحیح مسلم کو الـجـامـع الصحيح کے لفظ سے ذکر کیا ہے، ملا علی قاریؒ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) نے بھی ''مـرقاة المفاتيح'' (۱/۱۶، طبع مصر) میں اس کو ''الـجامع الصحيح'' کے نام سے یاد کیا ہے، موصوف کے الفاظ ہیں: ''ولـه الـمـصـنـفـات الـجـلـيـلـة غيـر جـامـعـه الـصـحيح كـالمسند الكبير''

حدیث کی کتابوں کی دوسری قسم **مسانید** ہے۔

محدثین کی اصطلاح میں مُسند حدیث کی وہ کتاب ہے، جس میں حدیثیں صحابہ کی ترتیب پر مذکور ہوں، وہ ترتیب حروفِ تہجی کے اعتبار سے ہو، یا اسلام لانے میں سبقت کے اعتبار سے، یا شرافتِ نسب کے لحاظ سے، لہٰذا اگر حروفِ تہجی کے اعتبار سے حدیثیں جمع کریں گے، تو حضرت ابوبکرؓ سے مروی حدیثوں کو پہلے لکھیں گے، اور پھر حضرت اسامہ بن زیدؓ، اور پھر حضرت انسؓ سے روایت کردہ حدیثوں کو (علیٰ ہذا القیاس) جلیل القدر صحابہؓ کی حدیثوں سے پہلے لکھیں گے، اور اگر سبقت اسلام کے اعتبار سے جمع کریں گے، تو عشرہ مبشرہؓ کی حدیثیں پہلے لکھیں گے، اور خلفائے راشدینؓ کی حدیثیں خلافت کی ترتیب پر سب سے پہلے لکھیں گے، اس کے بعد بدری صحابہ سے مروی حدیثیں، اور پھر اہل حدیبیہ اور ان کے بعد ان صحابہ کی جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے تھے، ان کے بعد جو صحابیات سے مروی حدیثیں مذکور ہوں، اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی حدیثیں تمام صحابیات کی حدیثوں پر مقدم ہوں گی، اور حضورِ اکرم ﷺ کی پاکیزہ صاحبزادیوں سے حدیثیں مروی نہیں ہیں، البتہ حضرت سیدہ زہرا (فاطمہ) رضی اللہ عنہا سے تھوڑی سی حدیثیں مروی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر صاحبزادیاں آنحضرت ﷺ کے سامنے داخلِ بہشت ہوگئی تھیں، اور سیدۃ النساءؓ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد چھ مہینے تک بقیدِ حیات رہیں، اور پھر اپنے والدِ بزرگوار سے جاملیں، لہٰذا ان سے بھی زیادہ حدیثیں مروی نہیں۔

نواب صدیق حسن خاں قنوجی نے بھی اس کو جوامع میں شمار کیا ہے، إتحاف النبلاء (ص:۵۷) میں اس کو ''الجامع الصحیح للإمام الحافظ الخ'' کے نام سے ذکر کیا ہے۔

شاہ عبدالعزیزؒ صحیح مسلم کو اس لئے جامع نہیں کہتے کہ وہ تفسیر وقرأت کے ابواب سے خالی ہے، تفسیر کا باب گو صحیح مسلم میں موجود ہے، لیکن نہایت قلیل ہے، یہی بات جامع سفیان ثوری اور جامع سفیان بن عیینہ میں پائی جاتی ہے، جن کا شمار بالاتفاق جوامع میں ہوتا ہے۔

محمد بن جعفر الکتانی (المتوفی ۱۳۴۵ھ) "الرسالة المستطرفة" (ص:۹) میں قوت القلوب کے حوالہ سے ناقل ہیں: ''فأوّل تأليف وضع، كتاب ابن جريج، وضعه بمكة في الآثار وشئ من التفسير عن عطاء، ومجاهد، وغيرهما من أصحاب ابن عباس، ثم كتاب معمر بن راشد اليماني باليمن، فيه سنن، ثم الموطأ، ثم جامع سفيان الثوري، وجامع سفيان بن عيينة في السنن والآثار وشئ من التفسير، فهذه الخمسة أول شئ وضع في الإسلام.''

سب سے پہلی کتاب جو تالیف ہوئی وہ ابن جریج کی کتاب ہے، انہوں نے اس کو مکہ میں حدیث اور کچھ تفسیر

اگر قبائل ونسب کی ترتیب پر مُسند کو مرتب کریں، تو پہلے بنی ہاشم کی مسانید خاص طور پر حضراتِ حسنین اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیثوں کو مقدم کریں گے، اس کے بعد ہر اس قبیلے کی حدیثوں کو پہلے ذکر کریں گے جس کو نسب کے اعتبار سے آنحضرت ﷺ سے زیادہ قرب ہوگا، لہٰذا اس اعتبار سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیثیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی حدیثوں پر مقدم ہوں گی، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی حدیثیں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی حدیثوں پر مقدم ہوں گی، وعلیٰ ہٰذا القیاس (۱)۔

میں لکھی ہے، تفسیر کی باتیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگردوں میں عطاء اور مجاہد وغیرہ سے منقول ہیں، پھر معمر بن راشد یمانی نے یمن میں سنن لکھی، پھر موطأ، پھر جامع سفیان ثوریؒ اور جامع سفیان بن عیینہ سنن وآثار اور تھوڑی بہت تفسیر میں لکھی گئیں، پس اسلام میں یہ پانچ کتابیں سب سے پہلے تالیف ہوئی ہیں۔

جب ان کتابوں کو جوامع میں شمار کیا گیا تو کوئی وجہ نہیں کہ صحیح مسلم کو جوامع میں داخل نہ کیا جائے۔

(۱) یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس طرح اسماء صحابہ پر حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کتاب کو مسند کہتے ہیں، اس طرح مسند کا اطلاق کبھی اس کتاب پر بھی ہوتا ہے جو صحابہ کے ناموں پر مرتب نہیں ہوتی، بلکہ ابواب فقہیہ پر مرتب ہوتی ہے، یا اس کی ترتیب حروف وکلمات پر ہوتی ہے، اور اس میں ہر حدیث کی سند حضور اکرم ﷺ تک مذکور ہوتی ہے، چونکہ وہ مسند اور مرفوع حدیثوں کا مجموعہ ہوتا ہے، اس لئے اس کو مسند کہہ دیتے ہیں، امام بخاری نے اپنی کتاب کا نام ''الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله ﷺ وسننه وأيامه'' غالباً اس اعتبار سے رکھا ہے، امام مسلمؒ نے بھی صحیح مسلم کو مسند ہی کے نام سے تعبیر کیا ہے، امام مسلمؒ کا بیان ہے: ''يقول: صنفت هذا المسند الصحيح من ثلاثمائة ألف حديث مسموعة.'' (تاريخ بغداد: ۱۳/۱۰۱)

امام مسلم نے فرمایا میں نے یہ مسند صحیح تین لاکھ سنی ہوئی حدیثوں سے مرتب کی ہے۔

اس طرح سنن دارمی کو مسند دارمی کے نام سے ذکر کرتے ہیں، حالانکہ اس میں تمام حدیثیں مرفوع نہیں ہیں، مرسل، منقطع اور معضل سب ہی کچھ ہیں مگر مرفوعات کا ذخیرہ زیادہ ہے، اس لئے اس کو بھی مسند کہتے ہیں۔

واضح رہے کہ مسندِ اصطلاحی جس طرح اسماء صحابہ پر حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب ہوتی ہے، اس طرح اگر وہ ابواب فقہیہ پر بھی مرتب ہو تو ایسی کتاب بیک وقت مسند بھی کہلاتی ہے، اور اسے مصنَّف اور سنن بھی کہتے ہیں، گو ایسی کتابیں بہت کم لکھی گئی ہیں، لیکن تصنیف ہوئی ہیں، شیخ الاسلام ابوعبدالرحمٰن بقی بن مخلد اندلسی (المتوفی ۲۷۶ھ) کی مسند جس سے زیادہ جامع اور بہتر کتاب احادیث کے ذخیرہ میں نہیں ہے، اس قسم کی کتاب ہے جو بیک وقت مسند بھی ہے اور مصنف بھی، علامہ ابن حزم فرماتے ہیں: ''قال لنا أبو محمد علي بن أحمد ...... ومنها في الحديث كتاب

تیسری قسم معاجم ہے۔

معجم،محدثین کی اصطلاح میں وہ کتاب ہے جس میں حدیثیں شیوخ کی ترتیب پر ذکر کی جاتی ہیں،اور یہاں شیوخ کی وفات کے تقدم کا اعتبار کرتے ہیں،یا پھر حروفِ تہجی کے مطابق اس کو مرتب کرتے ہیں، یا ترتیبِ فضیلت اور علم وتقویٰ میں تقدم کا اعتبار کرتے ہیں،لیکن اکثر حروفِ تہجی کی ترتیب کا لحاظ رکھتے ہیں،طبرانی کی معاجم ثلاثہ [1] اسی ترتیب پر مرتب ہیں۔ (الرسالة المستطرفة:١٣٥)

المصنف الكبير الذي رتبه على أسماء الصحابة، فروى فيه عن ألف و ثلاثمائة صاحب و نيّف، ثم رتّب حديث كل صاحب على أسماء الفقه و أبواب الأحكام، فهو مصنّف و مسند، و ما أعلم هذه الرتبة لأحد قبله مع ثقته و ضبطه و إتقانه و احتفاله في الحديث و جودة شيوخه؛ فإنه روى عن مائة رجل و أربعة و ثمانين رجلاً ليس فيهم عشرة ضعفاء، و سائرهم أعلام مشاهير.'' (معجم الأدباء: ۳۶۸/۲،طبع مصر)

ابن حزمؒ کا بیان ہے موصوف کی تصانیف میں سے حدیث کے موضوع پر ان کی کتاب مصنف کبیر ہے،جس کو مؤلف نے صحابہ کے ناموں پر مرتب کیا ہے،اور اس میں ایک ہزار تین سو سے اوپر صحابہ سے روایتیں مذکور ہیں،پھر ہر صحابی کی حدیث کو عنواناتِ فقہ اور ابوابِ احکام پر مرتب کیا ہے،جس کی وجہ سے وہ مصنف اور مسند بن گئی ہے، مجھے نہیں معلوم کہ یہ مرتبہ اس سے پہلے کسی کو حاصل ہوا ہو،ان کی ثقاہت،ضبط،اتقان،حدیث میں جامعیت اور جودۃ شیوخ کے باوجود کہ ایک سو چوراسی راویوں سے روایت کی ہے،جن میں سے دس بھی ضعیف نہیں ہیں،سب کے سب مشہور اور بلند پایہ محدث ہیں۔

(۱) حافظ ابوالقاسم سلیمان طبرانی کی تینوں معجموں کے متعلق شاہ عبدالعزیزؒ ''بستان المحدثين في تذكرة كتب الحديث و المحدثين" (ص:۵۷) میں رقمطراز ہیں:''معاجم ثلاثہ طبرانی کہ کبیر واوسط وصغیر است،باید دانست کہ معجم کبیر او مسند است بر ترتیب مرویات صحابہ،مگر ابوھریرہ ﷺ کہ از مرویات او ہیچ نیاوردہ،ومنظور داشت کہ مسند ابو ہریرہؓ راجداگانہ تصنیف نماید،امامیسرش نشد،یا میسر شد ومشہور نگشت۔

ومعجم اوسط او در شش جلد است،ھر جلد کتاب کلان است،وآن بترتیب شیوخ است،واز ھر شیخ خود کہ قریب ھزار کس باشند آنچہ از غرائب وعجائب شنیدہ است می آرد،وایں کتاب اونظیر کتاب الافراد از دارقطنی است،وافراد وغرائب در اصطلاح محدثین عبارت از احادیثی است کہ نزدیک شیخ باشند،ونزد دیگری نباشند،وھمیں کتاب را یعنی معجم اوسط را می گفت کہ جانِ من است،وفی الواقع فضیلت او در علمِ حدیث ووسعت روایت او ازین معلوم می شود،امامحققین اھلِ حدیث گفتہ اند کہ دروے منکرات بسیار است،ومنشائش آنست کہ غرابت مقتضی ہمیں است،وتفرد ثقہ کہ آں را غریب صحیح گویند یک باب است،ومعجم صغیر او نیز بر ترتیب شیوخ است،امادرآن کتاب بیان شیوخ راذکر کردہ کہ از آنہا

....

یک یک حدیث استفادہ نمودہ۔''

علامہ طبرانی کی معاجم ثلاثہ کبیر، اوسط اور صغیر ہیں، جاننا چاہئے کہ ان کی معجم کبیر صحابہ کی مرویات کی ترتیب پر مسند ہے، ان کے پیش نظر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مسند کو علیحدہ ترتیب دینا تھا، اس وجہ سے ان کی مرویات میں۔ یہ کسی روایت کو اس میں بیان نہیں کیا، لیکن اس کا ان کو موقع نہ مل سکا، یا اگر موقع ملا تو وہ مشہور نہ ہوئی۔

معجم اوسط چھ جلدوں میں ہے، اور ہر جلد ایک ضخیم کتاب ہے، اور یہ شیوخ کے ناموں پر مرتب ہے، ان کے شیوخ کی تعداد تقریباً ایک ہزار ہے، انہوں نے اپنے ہر شیخ سے جو عجائب وغرائب سنے تھے ان کو اس میں بیان کیا ہے، یہ کتاب دارقطنی کی کتاب الافراد کی طرح ہے، محدثین کی اصطلاح میں افراد وغرائب ان حدیثوں کو کہتے ہیں جو اپنے شیخ کے سوا اور کسی کے پاس نہ ہوں۔

طبرانیؒ اس کتاب کی نسبت یہ فرماتے تھے کہ یہ معجم اوسط میری جان ہے، اور فی الواقع علم حدیث میں ان کی فضیلت علمی اور وسعت روایت کا پتہ اسی سے چلتا ہے، لیکن محققین اہل حدیث نے کہا ہے کہ اس میں منکرات بہت ہیں، اس کا منشاء یہ ہے کہ غرائب اسی کو مقتضی ہے، اور تفرد ثقہ کا جس کو اصطلاح میں غریب صحیح بھی کہتے ہیں، ایک باب ہے۔

اور معجم صغیر بھی شیوخ ہی کی ترتیب پر مرتب ہے، اس کتاب میں ان شیوخ کا بھی ذکر ہوا ہے جن سے صرف ایک ایک حدیث کا استفادہ کیا ہے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ معجم کبیر محدثین میں زیادہ متداول نہیں رہی ہے، حافظ سید مرتضی بلگرامی إتحاف السادة المتقین (۳/۷۷۴) میں رقمطراز ہیں: ''وقد ذكر الحافظ العراقي في شرح التقريب أن المعجم الكبير لقلّة تداوله في أيدي المحدثين كثر فيه الخطأ والقلب من النساخ.''

حافظ عراقیؒ نے شرح ''التقریب'' میں تصریح کی ہے کہ معجم کبیر کا محدثین کے یہاں چونکہ کم رواج رہا ہے، لہٰذا نقل نویسوں کے ہاتھوں اس میں بہت سی غلطیاں ہوئیں، اور بڑا تغیر وتبدل ہوا ہے۔

معجم صغیر مطبع انصاری دہلی سے ۱۳۱۱ھ میں شائع ہوئی تھی، پھر مصر سے شائع کی گئی ہے۔

حافظ سید عبدالحی کتانی فهرس الفهارس والأثبات (۲/۶۰۹) میں لکھتے ہیں: ''المعجم عبارة عن الكتاب الذي يترجم فيه الشيخ شيوخه مرتبين على حروف المعجم، ويذكر ما رواه عن كل واحد في ترجمته من حرفه، وتوسع المتأخرون فسمّوا المعجم الكتاب الذي يخصّه الشيخ بشيوخه وأقرانه، أو من أخذ عنه، أو يفرده أحد المحدثين بشيوخ حافظ، أو تلاميذه كمعجم شيوخ الصدفي لعياض، ومعجم

....

....

تلاميذه لابن الأبّار، سمي بذلك لذكرهم الرواة فيه على ترتيب حروف المعجم، تسهيلاً للمطالع والمستفيد، وقال الحافظ السخاوي في شرحه على الجزرية: ومن نسخة كُتِبت في حياته، نقلت المعاجم الكتب المصنفة على حروف المعجم في شيوخ المصنف، كالمعجم الصغير، والأوسط للطبراني أو في أسماء الصحابة، كالمعجم الكبير له أيضاً، وهو أعظمها وأوسعها والكبير صفة للمعجم لاللمؤلف.''

معجم اس کتاب سے عبارت ہے جس میں شیخ اپنے شیوخ کو حروف معجم پر مرتب کرتا ہے، اور ہر ایک شیخ کے زیر نام اس کی روایت نقل کرتا ہے، متاخرین نے توسع کیا ہے، اور انہوں نے اس کتاب کا نام بھی معجم رکھا ہے، جس میں شیخ اپنے شیوخ ومعاصرین یا شاگرد یا کسی محدث کسی حافظ کے شیوخ یا اس کے شاگردوں کو جمع کر دیتا ہے، جیسے کہ معجم شیوخ (حسین بن محمد) صدفی ہے، اور اس کے شاگردوں کی معجم جو ابن الابّار نے مرتب کی ہے، اس کا معجم اس لئے نام رکھا گیا ہے کہ اس میں راویوں کو حروفِ معجم پر مرتب کر کے ذکر کیا ہے، تا کہ مطالعہ کرنے اور استفادہ کرنے والے کو سہولت ہو، حافظ سخاویؒ نے شرح جزریہ میں بیان کیا ہے کہ میں نے اس نسخہ سے یہ عبارت نقل کی ہے جو ان کی زندگی میں لکھا گیا تھا، کہ معاجم وہ کتابیں ہیں جو مصنف کے شیوخ پر باعتبار حروف معجم تصنیف ہوئی ہیں، جیسے طبرانی کی معجم صغیر اور اوسط ہے، یا اسماء صحابہ پر مرتب ہو، جیسے معجم کبیر طبرانی کی ہے، یہ معجم سب سے بڑی اور مبسوط معجم ہے، اور کبیر معجم کی صفت ہے مؤلف کی نہیں ہے۔

نواب صدیق حسن خان ''الحطة في ذكر صحاح الستة'' (ص:۳۱) میں لکھتے ہیں:

''قلت: والمشيخات في معنى المعاجم، إلا أن المعاجم يرتب المشايخ فيها على حروف المعجم في أسمائهم بخلاف المشيخات، قاله الحافظ ابن حجر، كذا في ثبت شيخ شيوخنا محمد عابد السندي.''

میں کہتا ہوں کہ مشیخات بھی معاجم کے معنی میں آتا ہے، مگر معاجم میں شیوخ کے اسماء حروف تہجی پر مرتب ہوتے ہیں مشیخات میں نہیں ہوتے، یہ حافظ ابن حجرؒ کا قول ہے، جیسا کہ ہمارے استاذ الاساتذۃ ملا عابد سندھی نے اپنے ثبت میں نقل کیا ہے۔

معجم کبیر بارہ جلدوں میں ہے، اور اس میں ساٹھ ہزار حدیثیں ہیں، ابن دحیہ کا بیان ہے کہ یہ دنیا کی سب سے بڑی مسند ہے، علامہ ابن عابدین شامی ''عقود اللآلي'' (ص:۱۲۷) میں رقمطراز ہیں: ''المعجم الكبير ...... وهو مرتب على حروف المعجم في أسماء الصحابة، قيل: إن فيه ستين ألف حديث تجزئة اثني عشر مجلداً، وفيه قال ابن دحية: هو أكبر مسانيد الدنيا.''

چوتھی قسم اجزاء ہے۔

جزء ،محدثین کی اصطلاح میں وہ ہے جس میں صرف ایک خاص شخص کی مروی حدیثوں کو جمع کیا جاتا ہے، وہ شخص صحابہؓ کے طبقے میں سے ہوں یا اُن کے بعد کے طبقے میں اس کا شمار ہو، مثلاً جزء حدیث ابوبکرؓ، جزءِ حدیث مالکؒ وعلیٰ ہٰذا القیاس۔ (۱) (الرسالة المستطرفة:٨٦)

اس قسم کا بھی محدثین میں بڑا رواج ہے، کبھی ایسا کرتے ہیں کہ جامع میں مذکور آٹھ موضوعات میں سے کسی خاص موضوع کو اختیار کرتے ہیں، اور اس پر ایک نہایت مبسوط کتاب مرتب کرتے ہیں، چنانچہ باب النية پر ابوبکر ابن ابی الدنیا نے ایک مبسوط کتاب لکھی ہے، اور آجرّی نے رؤیت باری تعالیٰ پر ایک ضخیم کتاب لکھی ہے، اسی طرح دنیا کی مذمت اور بے ثباتی پر ابن ابی الدنیا نے ایک ضخیم تالیف یادگار چھوڑی ہے۔

رسائل جزئیہ:

علیٰ ہٰذا القیاس مذکورۂ بالا آٹھ مطالب میں سے ہر موضوع پر مستقل اور جداگانہ رسالے لکھے گئے ہیں، جن کا احاطہ اور شمار بھی دشوار ہے، حافظ ابن حجر (۲) ....

معجم کبیر اسماء صحابہ پر حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب ہے، بیان کیا گیا ہے کہ اس میں ساٹھ ہزار حدیثیں ہیں، اور یہ بارہ جلدوں میں ہے، اس کے متعلق ابن دحیہ کا بیان ہے کہ یہ دنیا کی سب سے بڑی مسند ہے۔

(۱) محمود محمد خطاب سبکی مقدمہ کتاب المنهل العذب المورود شرح سنن أبي داود (١/٦٥) میں رقمطراز ہیں: ''الجزء يطلق على ما هو أعمّ من الجامع والمسند، وقد يطلق على ما أُلّف في نوع خاص.''

جزء کا اطلاق اس کتاب پر ہوتا ہے جو جامع اور مسند دونوں سے عام ہوتی ہے، اور کبھی اس پر بھی ہوتا ہے جو کسی خاص موضوع پر تالیف کی جاتی ہے۔

(۲) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور جلال الدین سیوطیؒ کے رسالے اور کتابیں سینکڑوں سے کم نہیں ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ کے رسالے، حافظ سیوطیؒ کے رسالوں کے مقابلے میں کم سہی، مگر جتنے بھی رسالے اور کتابیں ہیں پُر مغز اور معلومات آفریں ہیں۔

چنانچہ شاہ عبدالعزیز ''بستان المحدثين في تذكرة كتب الحديث والمحدثين'' (ص:۱۲۸، نصرت المطابع دہلی ۱۲۹۳ھ) میں لکھتے ہیں: ''تصانیف ابن حجر زیادہ بر یک صد و پنجاہ کتاب است، وبہتر ومحکم تر از تصانیف جلال الدین سیوطی است، زیرا کہ تصانیف جلال الدین سیوطی ہر چند در عدد بیشتر است، اما تصانیف ابن حجر اکثر کلان وکبیر الحجم واقع اند، ومضامین جدیدہ وفوائد مفیدہ دارند، بخلاف تصانیف جلال الدین سیوطی، چنانچہ بر عالم متبحر پوشیدہ نمی ماند، واتقان وضبط در علم حافظ ابن حجر بیشتر از علم جلال الدین سیوطی است، ہر چند در عبور واطلاع فی الجملہ جلال الدین سیوطی راز یادہ باشد۔''

....

ابن حجرؒ کی تصانیف ڈیڑھ سو سے زائد ہیں، اور جلال الدین سیوطی کی تصانیف سے بہتر اور محکم تر ہیں، کیونکہ جلال الدین سیوطی کی تصانیف اگرچہ تعداد میں زیادہ ہیں، لیکن ابن حجر کی تصانیف اکثر بڑی اور ضخیم ہیں، اور ان میں نئے نئے مضامین اور معلومات آفریں فوائد موجود ہیں، اس کے برعکس جلال الدین سیوطی کی تصانیف میں یہ بات نہیں ہے، چنانچہ متبحر عالم پر یہ بات بخوبی روشن ہے، نیز حافظ ابن حجر کا اتقان وانضباطِ علوم بھی جلال الدین سیوطی کے علم سے بڑھا ہوا ہے، گو جلال الدین سیوطی عبور، اطلاع میں ان سے فی الجملہ زیادہ ہیں۔

حافظ ابن حجر کی تصانیف کے نام درج ذیل ہیں:

١ ـ اتباع الأثر في رحلة ابن حجر، ٢ ـ إتحاف المهرة بأطراف العشرة، یہ صحاح ستہ اور مسانید اربعہ کا اطراف ہے، اس کی چند جلدیں حافظ ابن حجر کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتب خانہ پیر جھنڈو (محب اللہ) سندھ میں ہماری نظر سے گزری ہیں، اب کتاب مختلف مطابع سے شائع کی گئی ہے۔ ٣ ـ الإتقان في فضائل القرآن، ٤ ـ الأجوبة المشرقة عن الأسئلة المفرقة، ٥ ـ الإحكام لبيان ما في القرآن من الإبهام، ٦ ـ أسباب النزول، ٧ ـ الأسئلة الفائقة بالأجوبة اللائقة، ٨ ـ الاستنصار على الطاعن المعتار، ٩ ـ الإصابة في تمييز الصحابة، ١٠ ـ ترتيب أطراف الصحيحين، ١١ ـ أطراف المختارة، ١٢ ـ أطراف المسند المعتلي بأطراف المسند الحنبلي، ١٣ ـ الإعجاب ببيان الأسباب، ١٤ ـ الإعلام بمن ذكر في البخاري من الأعلام، ١٥ ـ الإعلام بمن ولي مصر في الإسلام، ١٦ ـ الإفصاح بتكميل النكت على ابن الصلاح، ١٧ ـ إقامة الدلائل على معرفة الأوائل، ١٨ ـ ألقاب الرواة، أو نزهة الألباب في الألقاب یہ دونوں ایک کتاب کے نام ہیں، ١٩ ـ الأمالي، ٢٠ ـ الإمتاع بالأربعين المتباينة بشرط السماع، ٢١ ـ الإنارة في الزيارة، ٢٢ ـ إنباء الغمر بأبناء العمر، ٢٣ ـ الانتفاع بترتيب العلل للدارقطني على الأنواع، ٢٤ ـ انتقاض الاعتراض، ٢٥ ـ الأنوار في معرفة خصائص المختار، ٢٦ ـ الإيناس بمناقب العباس، ٢٧ ـ تلخيص البداية والنهاية، ٢٨ ـ أبسط المبثوث لخبر البرغوث، ٢٩ ـ بلوغ المرام من أحاديث الأحكام، ٣٠ ـ تبصير المنتبه بتحرير المشتبه، ٣١ ـ تبيين العجب فيما ورد في فضل رجب، ٣٢ ـ تحرير الميزان في مختصر ميزان الاعتدال، ٣٣ ـ تحفة أهل التحديث عن شيوخ الحديث، ٣٤ ـ تخريج الأربعين النووية، ٣٥ ـ تسديد القوس في مختصر مسند الفردوس، ٣٦ ـ التعريج على التدبيج، ٣٧ ـ تعجيل المنفعة بزوائد رجال الأئمة الأربعة، ٣٨ ـ تعريف الأجود بأوهام من جمع من رجال المسند، ٣٩ ـ تعريف أولي التقديس

....

بمراتب الموصوفين بالتدليس، ٤٠ـ تعريف الفئة بمن عاش من هذه الأمة مائة، ٤١ـ التعليق على الموضوعات (ابن جوزي)، ٤٢ـ تغليق التعليق، ٤٣ـ تقريب التهذيب، ٤٤ـ تقريب المنهج بترتيب المدرج، ٤٥ـ توالي التأسيس بمعالي ابن إدريس (الشافعي)، ٤٦ـ توضيح المشتبه للأزدي، ٤٧ـ الترفيق إلى وصل التعليق، ٤٨ـ الجواب الجليل عن حكم بلد الخليل، ٤٩ـ الجواب الشافي عن السؤال الخافي، ٥٠ـ الخصال المكفرة للذنوب المقدمة والمؤخرة، ٥١ـ الخصال الواردة بحسن الاتصال، ٥٢ـ الدراية في منتخب تخريج أحاديث الهداية، ٥٣ـ الدرر الكامنة في أعيان المائة الثامنة، ٥٤ـ الدرر في نفقة قليلة، ٥٥ـ ديوان منظوم، ٥٦ـ ردع المحرم عن سب المسلم، ٥٧ـ الرسالة العزية، ٥٨ـ رفع الإصر عن قضاة مصر، ٥٩ـ الزهر المطلول في الخبر المعلول، ٦٠ـ زهر النضر في بناء الخضر، ٦١ـ السبعة السيارة النيرات في سبعة أسئلة عن السيد الشريف في مباحث الموضوع، ٦٢ـ سلوت في ثبت كلوت التقطها من ثبت أبي الفتح القاهري، ٦٣ـ شفاء الغلل في بيان العلل، ٦٤ـ الشمس المنيرة في معرفة الكبيرة، ٦٥ـ عرائس الأساس في مختصر أساس البلاغة، ٦٦ـ عشرة العاشرة، ٦٧ـ فتح الباري بشرح صحيح البخاري، ٦٨ـ فوائد الاحتفال في أحوال الرجال المذكورة في البخاري زيادة على تهذيب الكمال، ٦٩ـ الفوائد الجمة فيمن يجدد الدين لهذه الأمة، ٧٠ـ قذى العين من نظم غريب البين، ٧١ـ القصارى في الحديث، ٧٢ـ القصد الأحمد فيمن كنيته أبو الفضل واسمه أحمد، ٧٣ـ القول المسدد في الذب عن المسند للإمام أحمد، ٧٤ـ الكافي الشاف في تخريج أحاديث الكشاف، ٧٥ـ كشف الستر عن حكم الصلاة بعد الوتر، ٧٦ـ لذة العيش بجمع طرق حديث الأئمة من قريش، ٧٧ـ لسان الميزان، ٧٨ـ المجمع المؤسس للمعجم المفهرس، ٧٩ـ المرحمة الغيثية عن ترجمة الليثية، ٨٠ـ مزيد النفع مما رجح فيه الوقف على الرفع، ٨١ـ المطالب العالية بزوائد المسانند الثمانية، ٨٢ـ المقترب في بيان المضطرب، ٨٣ـ الممتع في مناسك المتمتع، ٨٤ـ المنحة فيما علق الشافعي القول به على الصحة، ٨٥ـ النبأالأنبه في بناء الكعبة، ٨٦ـ نتائج الأفكار في تخريج أحاديث الأذكار، ٨٧ـ نخبة الفكر في مصطلح أهل الأثر، ٨٨ـ نزهة الألباب في الأنساب، ٨٩ـ نزهة القلوب في معرفة المبدل والمقلوب، ٩٠ـ نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر، ٩١ـ هداية الرواة إلى تخريج أحاديث المصابيح والمشكوٰة، ٩٢ـهدي الساري مقدمة فتح الباری .

اور شیخ جلال الدین سیوطیؒ کی تصانیف میں رسالوں کا دائرہ نہایت وسیع ہے (۱)۔

حافظ صاحب کی تصانیف کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ابن حجر العسقلاني و دراسة مصنفاته و منهجه و موارده في كتابه "الإصابة".

(۱) تصانیف شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ (واضح رہے کہ میم سے مراد مطبوعہ ہیں)

تفسیر اور متعلقات قرآن

۱۔ الدر المنثور في التفسير بالمأثور (م)، ۲۔ التفسير المسند، (جس کا نام ترجمان القرآن ہے) یہ کتاب پانچ جلدوں میں ہے۔(م)،۳۔ الإتقان في علوم القرآن (م)، ٤۔ الإكليل في استنباط التنزيل (م)، ٥۔ لباب النقول في أسباب النزول (م)، ٦۔ الناسخ والمنسوخ في القرآن (م)، ٧۔ مفحمات الأقران في مبهمات القرآن (م)، ٨۔ أسرار التنزيل، جس کا نام قطف الأزهار في كشف الأسرار ہے، یہ صرف آخر أسراء تک ہے۔ ۹۔ تناسق الدرر في تناسب السور، ۱۰۔ نواهد الأبكار و شواهد الأفكار، یہ تفسیر بیضاوی پر پانچ جلدوں میں مبسوط حاشیہ ہے۔ ۱۱۔ التحبير في علوم التفسير، ۱۲۔ معترك الأقران في مشترك القرآن، ۱۳۔ المهذب فيما وقع عن القرآن من المعترب، ١٤۔ شمائل الزهر في فضائل السور، ١٥۔ مراصد المطالع في تناسب المطالع والمقاطع، ١٦۔ ميزان المعدلة في شأن البسملة، ١٧۔ شرح الاستعاذة والبسملة، ١٨۔ الأزهار الفائحة على الفاتحة، ١٩۔ (ب) متشابه القرآن (م)، ٢٠۔ فتح الجليل للعبد الذليل في قوله تعالىٰ "الله وليّ الذين آمنوا يخرجهم من الظلمات إلى النور "الآية (اس میں فن بدیع کی ایک سو بیس انواع کا بیان ہے۔)، ٢١۔ المعاني الدقيقة في إدراك الحقيقة، یہ آیت شریفہ "وعلّم آدم الأسماء" الآية کی تشریح و تفسیر ہے۔ ٢٢۔ دفع التأسف عن إخوة يوسف (م)، ٢٣۔ إتمام النعمة في اختصاص الإسلام بهٰذه النعمة (م)، ٢٤۔ الحبل الوثيق في نصرة بصديق، یہ آیت پاک "وأسبغ عليكم نعمه ظاهرة وباطنة" کی تفسیر ہے (م)، ٢٥۔ المحرر في قوله تعالىٰ "ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تأخر" ٢٦۔ مفاتيح الغيب، یہ سَبِّح سے آخر قرآن تک کی تفسیر ہے۔ ٢٧۔ میدان الفرسان في شواهد القرآن، یہ بھی مکمل نہیں ہوسکی۔ ٢٨۔ مجاز الفرقان إلى مجاز القرآن، یہ شیخ عزالدین بن عبدالسلام کی کتاب "الإیجاز" کی تلخیص ہے، لیکن مکمل نہ ہوسکی۔ ٢٩۔ شرح الشاطبيه، ٣٠۔ الدر النثير في قراءة ابن كثير، ٣١۔ منتقى من تفسير الفرياني، ٣٢۔ منتقى من تفسير ابن أبي حاتم، ٣٣۔ القول الفصيح في تعيين الذبيح (م)، ٣٤۔ الكلام على أول سورة الفتح، یہ ایک مقدمہ ہے، ٣٥۔ المتوكلي (م)، ٣٦۔ اليد البسطى في تعيين الصلاة الوسطى.

فن حدیث اور متعلقات علم حدیث

۳۷۔ التوشیح علی الجامع الصحیح، ۳۸۔ الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج (م)، ۳۹۔مرقاة الصعود الی سنن أبي داود، ۴۰۔ قوت المغتذي علی جامع الترمذي (م)، ۴۱۔ زهر الربی علی المجتبی(م)، ۴۲۔ مصباح الزجاجة علی سنن ابن ماجه (م)، ۴۳۔ إسعاف المبطأ برجال الموطأ (م)، ۴۴۔تنویر الحوالك علی موطأ مالك (م)،۴۵۔ التعليقة المنيفة علی مسند أبي حنيفة، ۴۶۔شافي العيّ علی مسند الشافعي، ۴۷۔ زهر الخمائل علی الشمائل، ۴۸۔ المعجزات والخصائص النبوية، ۴۹۔ شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور (م)، ۵۰۔ الفوز العظيم في لقاء الكريم، ۵۱۔ بشری الكئيب بلقاء الحبيب (م)، ۵۲۔ البدور السافرة عن أمور الآخرة (م)، ۵۳۔ درر البحار في الأحاديث القصار، ۵۴۔الجامع الصغير من حديث البشير والنذير ،یہ حروف مجم پر دس ہزار حدیثوں کا مجموعہ ہے۔(م)،۵۵۔ المرقاة العلية في شرح الأسماء النبوية، ۵۶۔ بديع الصنع، ۵۷۔ الرياض الأنيقة في شرح أسماء خير الخليقة، ۵۸۔ لمّ الأطراف وضم الأتراف ،اس میں ہر حدیث کے پہلے ٹکڑے کو حروف مجم پر مرتب کیا ہے۔۵۹۔ النهجة السوية في الأسماء النبوية، ۶۰۔اللآلي المصنوعة في الأخبار الموضوعة، ابن جوزی کی موضوعات کی تلخیص اور اس پر اضافہ اور تنقید ہے۔۶۱۔ النكت البديعات علی الموضوعات، ۶۲۔ القول الحسن في الذب عن السنن، ۶۳۔ منهاج السنة ومفتاح الجنة ،یہ مکمل نہیں ہوسکی۔ ۶۴۔ الروض الأنيق في مسند الصديق، ۶۵۔ مناهل الصفا في تخريج أحاديث الشفاء (م)، ۶۶۔ الأزهار المتناثرة في أخبار المتواترة (م)، ۶۷۔ عقود الزبرجد ،یہ حدیث کے اعراب پر ہے۔۶۸۔ مفتاح الجنة في الاعتصام بالسنة، ۶۹۔ تمهيد الفرش في الخصال الموجبة لظل العرش، ۷۰۔ بزوغ الهلال في الخصال الموجبة للظلال ،یہ مذکورہ بالا رسالہ کا اختصار ہے۔۷۱۔ ما رواه الواعون في أخبار الطاعون، ۷۲۔ خصائص يوم الجمعة، ۷۳۔ أنموذج اللبيب في خصائص الحبيب، ۷۴۔ الدرر المنتثرة في الأحاديث المشتهرة (م)، ۷۵۔ الآية الكبریٰ في قصة الإسراء، ۷۶۔ الكلم الطيب والقول المختار في المأثور من الدعوات والأذكار، ۷۷۔ الطب النبوي (م)، ۷۸۔ المنهج السوي والمنهل الروي في الطب النبوي، ۷۹۔ الهيئة السنية في الهيئة السنيةفي الأخبار، ۸۰۔ وظائف اليوم والليلة (عمل اليوم والليلة) (م)، ۸۱۔ داعي الفلاح في أذكار المساء والصباح، ۸۲۔ تخريج أحاديث شرح العقائد، ۸۳۔ الأسفار عن قلم الأظفار، ۸۴۔الظفر بقلم الظفر، ۸۵۔ المسلسلات الكبری، ۸۶۔ جياد المسلسلات، ۸۷۔ المصابيح في صلوٰة التراويح (م)،

....

۸۸۔ جزء في صلاة الضحى (م)، ۸۹۔ وصول الأماني بأصول التهاني (م)، ۹۰۔ أعمال الفكر في فضل الذكر (م)، ۹۱۔ نتيجة الفكر في الجهر بالذكر (م)، ۹۲۔ الخبر الدال على وجود القطب والأوتاد والنجباء والأبدال (م)، ۹۳۔ المنحة في السبحة (م)، ۹٤۔ جزء رفع اليدين في الدعاء، ۹٥۔ القول الجلي في حديث الولي (م)، ۹٦۔ رفع الصوت في ذبح الموت (م)، ۹۷۔ القول الأشبه في حديث من عرف نفسه فقد عرف ربّه (م)، ۹۸۔ الجواب الحاتم عن سوال الخاتم (م)، ۹۹۔ الجواب الحزم عن حديث التكبير جزم (م)، ۱۰۰۔ شد الأثواب في سد الأبواب (م)، ۱۰۱۔انتباء الأذكياء بحياة الأنبياء (م)، ۱۰۲۔ الإعلام بحكم عيسى عليه السلام (م)، ۱۰۳۔ لبس اليلب في الجواب عن إيراد حلب (م)، ۱۰٤۔ تزيين الأرائك في إرسال النبي إلى الملائك (م)، ۱۰٥۔ التعظيم والمنة في أن والدي المصطفى في الجنة (م)، ۱۰٦۔ مسالك الحنفاء في والدي المصطفى (م)، ۱۰۷۔ الدرج المنيفة في الآباء الشريفة (م)، ۱۰۸۔ سبل النجاة، ۱۰۹۔ نشر العلمين المنيفين في إحياء الأبوين الشريفين (م)، ۱۱۰۔ إفادة الخبر بنصه في زيارة العمر ونقصه، ۱۱۱۔ ادوات الفتيا، ۱۱۲۔ذم القضاء، ۱۱۳۔ذم زيارة الأمراء، ۱۱٤۔ العشاريات، ۱۱٥۔ التنفيس في الاعتذار عن ترك الإفتاء والتدريس، ۱۱٦۔ مطلع البدرين فيمن يؤتى أجرين، ۱۱۷۔الكلام على حديث" احفظ الله يحفظك"، یہ ایک تعارف اور مقدمہ ہے۔(۱۱۸۔ الأخبار المأثورة في الاطلاء بالنورة (م)، ۱۱۹۔ جزء في موت الأولاد، ۱۲۰۔ أبواب السعادة في أسباب الشهادة، ۱۲۱ ۔كشف العمى في فضل الحمى، ۱۲۲۔الأحاديث الحسان في فضل الطيلسان، ۱۲۳۔ طي اللسان عن ذم الطيلسان، ۱۲٤۔ التضلع في معنى التقنع ۱۲٥۔ سهام الإصابة في الدعوات المستجابة، ۱۲٦۔ الثغور الباسمة في مناقب السيدة فاطمة (م)، ۱۲۷۔إنشاب الكتب في أنساب الكتب، اس کو فہرسۃ المرویات کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔۱۲۸۔ زاد المسير في الفهرس الصغير ۱۲۹۔أذكار الأذكار، ۱۳۰۔ أربعون حديثاً في ورقة، ۱۳۱۔ أربعون حديثاً من رواية مالك عن نافع عن ابن عمر، ۱۳۲۔ أربعون حديثاً في الجهاد، ۱۳۳۔الأساس في فضل بني العباس، ۱۳٤۔ الإنافة في رتبة الخلافة، ۱۳٥۔ كشف الصلصلة عن وصف الزلزلة، ۱۳٦۔ جزء في ذم المكس، ۱۳۷۔ جزء في الشتاء، ۱۳۸۔ الحجيج المنيفة في التفضيل بين مكة والمدينة، ۱۳۹۔ بغية الرائد في الذيل على مجمع الزوائد، یہ کتاب پایہ تکمیل کو نہیں پہنچی۔ ۱٤۰۔ تطريز العزيز في تخريج مافيه من الأحاديث المستغربة،

....

۱۴۱۔ تخریج أحادیث شرح المواقف، ۱۴۲۔ العنایة بتخریج أحادیث الکفایة ،یہ کتاب مکمل نہیں ہوسکی۔ ۱۴۳۔ توضیح المدرك في تصحیح المستدرك ،یہ ایک تہائی کے قریب لکھی گئی ہے۔ ۱۴۴۔ زوائد شعب الإیمان للبیهقي علی الکتب الستة، اس کا بھی کچھ حصہ مرتب ہوا ہے۔ ۱۴۵۔ تجرید أحادیث الموطأ، ۱۴۶۔إنجاز الوعد بالمنتقی من طبقات ابن سعد، ۱۴۷۔ الباحة في السیاحة، ۱۴۸۔ المسارعة إلی المصارعة، ۱۴۹۔ النضر في أحادیث الماء والریاض والخضر، ۱۵۰۔ عین الإصابة فیما استدرکته علی الصحابة (م)، ۱۵۱۔ المنتقی من الأدب المفرد للبخاري، ۱۵۲۔ المنتقی من مستدرك الحاکم، ۱۵۳۔المنتقی من شعب الإیمان للبیهقي، ۱۵۴۔ آداب الملوك، ۱۵۵۔ الزجر بالهجر، ۱۵۶۔ المنتقی من مصنف عبد الرزاق، ۱۵۷۔ جامع المسانید ،اس کتاب کا صرف ایک جزء لکھا ہے۔ ۱۵۸۔ الحبائك في أخبار الملائك (م)، ۱۵۹۔ الدر المنظم في الاسم الأعظم (م)، ۱۶۰۔ حصول الرفق بأصول الرزق، ۱۶۱۔ الأمالي المطلقة، ۱۶۲۔الأمالي علی القرآن الکریم، ۱۶۳۔ الأمالي علی الدرة الفاخرة، ۱۶۴۔جزء في حدیث" ارحموا ثلاثة :عزیز قوم ذلّ، وغنی قوم افتقر وعالمًا بین جهال، ۱۶۵۔ بلوغ المآرب في أخبار العقارب، ۱۶۶۔ التنبئة بمن یبعثه اللّٰه علی رأس کل مائة، ۱۶۷۔ فضل الجلد عند فقد الولد، ۱۶۸۔ الاحتفال بالأطفال (م)، ۱۶۹۔ طلوع الثریا بإظهار ماکان خفیا (م)، ۱۷۰۔ ضوء الثریا، یہ مذکورہ بالا رسالہ کا اختصار ہے۔ ۱۷۱۔ التثبیت عند التبییت ،یہ ایک منظوم رسالہ ہے جس میں قبر کے فتنوں کا بیان ہے۔۱۷۲۔ تشنیف السمع بتعدید السبع، ۱۷۳۔ الأحادیث المنیفة في فضل السلطنة الشریفة، ۱۷۴۔تحذیر الخواص من أکاذیب القصاص، ۱۷۵۔ قطف الثمر في موافقات عمر ،یہ ایک منظوم رسالہ ہے۔(م)،۱۷۶۔ المنتخب في طرق حدیث من کذب، ۱۷۷۔ جرّ الذیل في علم الخیل، ۱۷۸۔ غرس الإنشاب في الرمي بالنشاب، ۱۷۹۔ السماح في أخبار الرماح، ۱۸۰۔ الکشف عن مجاوزة هذه الأمة الألف (م)، ۱۸۱۔ ثلج الفؤاد في أحادیث لبس السواد (م)، ۱۸۲۔ طرح السقط ونظم اللقط، ۱۸۳۔ جزء یسمی شعلة نار، ۱۸۴۔ التسمیط، ۱۷۵۔ الفانید في حلاوة الأسانید، ۱۷۶۔ الدرة التاجیة علی الأسئلة الناجیة (م)، ۱۸۷۔ ماروا‌ه الأساطین في عدم المجيء إلی السلاطین، ۱۸۸۔ الرسالة السلطانیة، ۱۸۹۔ الأوج في أخبار عوج (م)، ۹۰۔ شرف الإضافة في منصب الخلافة، ۱۹۱۔ أعذب المناهل في حدیث "من قال: أنا عالم فهو جاهل"، ۱۹۲۔ حسن التسلیك في حسن التشبیك، ۱۹۳۔ مسامرة السموع

....

في ضوء الشموع، ١٩٤ـ جزء في الخصيان، ١٩٥ـ إحكام العقيان في أحكام الخصيان، ١٩٦ـ الأرج في الفرج، ١٩٧ـ ضوء البدر في إحياء ليلة عرفة والعيدين ونصف شعبان وليلة القدر، ١٩٨ـ حسن السمت في الصمت، ١٩٩ـ الوديك في الديك، ٢٠٠ـ الطرثوث في فوائد البرغوث، ٢٠١ـ طوق الحمامة الشريفة، ٢٠٢ـ التطريف في التصحيف، ٢٠٣ـ نور الشقيق في العقيق، ٢٠٤ـ جزء في طرق حديث "أنا مدينة العلم وعليّ بابها"، ٢٠٥ـ جزء في طرق حديث "طلب العلم فريضة على كل مسلم"، ٢٠٦ـ الازدهار فيما عقده الشعراء من الآثار، ٢٠٧ـ خادم النعل الشريف، ٢٠٨ـ جزء في الغالية، ٢٠٩ـجزء في طريق "من حفظ على أمتي أربعين حديثا"، ٢١٠ـ طرق حديث" أطلبوا الخير عند حسان الوجوه"، ٢١١ـ أربعون حديثا في الطيلسان، ٢١٢ـ حياء الميت بفضل أهل البيت، ٢١٣ـ إتحاف الفرقة بلبس الخرقة (م)، ٢١٤ـ بلوغ المآرب في قص الشارب، ٢١٥ـ رفع الحذر عن قطع السدر (م)، ٢١٦ـكشف الريب عن الجيب، ٢١٧ـ العرف الوردي في أخبار المهدي (م)، ٢١٨ـ لقط المرجان في أخبار الجان، ٢١٩ـ المثابة في آثار الصحابة، ٢٢٠ـ الإغضاء عن دعاء الأعضاء، ٢٢١ـ مسند الصحابة الذين ماتوا في حياة النبيﷺ، ٢٢٢ـ منتهى الآمال في شرح حديث إنما الأعمال الخ،

اصول حدیث اور اس کے متعلقات

٢٢٣ـ تدريب الراوي في شرح تقريب النواوي (م)، ٢٢٤ـ شرح الألفية العراقي ممزوج، ٢٢٥ـ نظم الدرر في علم الأثر، وهي الألفية شرحها يسمى البحر الذي زخر، یہ شرح مکمل نہیں ہوئی، ٢٢٦ـالتذنيب في الزوائد على التقريب، ٢٢٧ـلب اللباب في تحرير الأنساب (م)،٢٢٨ـ المدرج إلى المدرج، ٢٢٩ـ تذكرة المؤتسي بمن حدث ونسي،٢٣٠ـ حسن التخليص لتالي التلخيص، ٢٣١ـجزء في أسماء المدلسين، ٢٣٢ـ جزء فيمن وافقت كنيته كنية زوجه من الصحابة، ٢٣٣ـ ريح النسرين فيمن عاش من الصحابة مأة وعشرين، ٢٣٤ـ عين الإصابة في معرفة الصحابة ، یہ کتاب بھی پایہ تکمیل کو نہیں پہنچی ٢٣٥ـ در السحابة فيمن دخل مصر من الصحابة، ٢٣٦ـ اللمع في أسماء من وضع (الحديث)، ٢٣٧ـ جزء فيمن غير النبي ﷺ أسماءهم، ٢٣٨ـ الدر النثير ، یہ نہایہ ابن الاثیر کا مختصر ہے (م)،٢٣٩ـ التعريف بآداب التأليف، ٢٤٠ـالتذييل والتذنيب على نهاية الغريب، ٢٤١ـ زوائد اللسان على الميزان ، ٢٤٢ـ كشف التلبيس عن قلب أهل التدليس .

علم الفقہ

۲٤۳۔ شرح التنبیہ، ۲٤٤۔ الوافي، یہ التنبیہ کا مختصر ہے۔ ۲٤٥۔ المعاني الدقیقة في إدراك الحقیقة، ۲٤٦۔ الأشباه والنظائر (م)، ۲٤۷۔ الحواشي الصغرى، ۲٤۸۔ الینبوع فیما زاد علی الروضة من الفروع، ۲٤۹۔ الغنیة ، یہ الروضة کا مختصر اضافہ کے ساتھ ہے، کتاب الحیض تک بھی پورا نہیں ہے، صرف جراح سے سرقہ تک ہے۔ ۲٥۰۔ رفع الخصائص، یہ منظومہ کی شرح ہے، ۲٥۱۔ شرح القدر الذي نظم فی مجلدین أولا فأولا، ۲٥۲۔ مختصر الخادم، جس کا نام "تحصین الخادم" ہے، یہ کتاب الزکوٰۃ سے آخر حج تک ہے۔ ۲٥۳۔ العذب المسلسل في تصحیح الخلاف المرسل في الروضة، ۲٥٤۔ شوارد الفرائد في الضوابط والقواعد، ۲٥٥۔ المقدمة، ۲٥٦۔ الابتهاج في نظم المنهاج، یہ کتاب بھی مکمل نہیں ہوسکی۔ ۲٥۷۔ مختصر الأحکام السلطانیة، ۲٥۸۔ شرح الروض لابن المقري، اس کا بھی کچھ حصہ مکمل نہ ہوسکا۔ ۲٥۹۔ اللوامع والبوارق في الجوامع والفوارق، ۲٦۰۔ الحاوي للفتاوی (م)، ۲٦۱۔ اللمعة في نکت القطعة، ۲٦۲۔ تحفة الناسك بنکت المناسك، ۲٦۳۔ مناسك الشیخ محي الدین النواوي الکبری، ۲٦٤۔ تحفة الأنجاب بمسئلة السنجاب (م)، ۲٦٥۔ المستظرفة في أحکام دخول الحشفة، ۲٦٦۔ الروض الأریض في طهر المحیض، ۲٦۷۔ نیل العسجد لسؤال المسجد، ۲٦۸۔ بسط الکف في إتمام الصف (م)، ۲٦۹۔ الحظ الوافر من المغنم في استدراك الکافر إذا أسلم (م)، ۲۷۰۔ القذاذة في تحقیق محل الاستعاذة (م)، ۲۷۱۔ دفع التشنیع في مسئلة التسمیع (م)، ۲۷۲۔ ضوء الشمعة في عدد الجمعة (م)، ۲۷۳۔ اللمعة في تحقیق الرکعة لإدراك الجمعة (م)، ۲۷٤۔ الفوائد الممتازة في صلاة الجنازة (م)، ۲۷٥۔ بلغة المحتاج في مناسك الحاج، ۲۷٦۔ قطع المجادلة عن تغییر المعاملة (م)، ۲۷۷۔ قدح الزند في السلم في القند، ۲۷۸۔ إزالة الوهن في مسئلة الرهن، ۲۷۹۔ البارع في قطع الشارع (م)، ۲۸۰۔ الإنصاف في تمییز الأوقاف (م)، ۲۸۱۔ المباحثة الزکیة في مسئلة الدورکیة (م)، ۲۸۲۔ کشف الضبابة في مسئلة الاستنابة (م)، ۲۸۳۔ القول المشید في وقف المؤید (م)، ۲۸٤۔ البدر الذي انجلی في مسئلة الولاء (م)، ۲۸٥۔ الجهر بمنع البروز علی شاطئ البحر (م)، ۲۸٦۔ النهر لمن رام البروز علی شاطئ البحر ، یہ قصیدہ رائیہ ہے، (م) النهر لمن برز علی شاطئ البحر، اس رسالہ کا موضوع بھی مسئلہ بروز ہے ، اور اس میں حدیث، فقہ اور انشاء سب ہی کچھ ہے، ۲۸۷۔ إعلام النصر في أعلام سلطان العصر، ۲۸۸۔ الزهر الباسم فیما

....

يزوج به الحاكم، ۲۸۹۔ القول المغني في الحنث المعني، ۲۹۰۔ فتح المغالق من أنت طالق (م)، ۲۹۱۔حسن المقصد في عمل المولد (م)، ۲۹۲۔حسن التصريف في عدم التحليف (م)، ۲۹۳۔ تنزيه الأنبياء عن تسفية الأغبياء (م)، ۲۹۴۔ الطلعة الشمسية في تبيين الجنسية من شرط البيبرسيّة، ۲۹۵۔ جزيل المواهب في اختلاف المذاهب، ۲۹۶۔ إرشاد المهتدين إلى نصرة المجتهدين، ۲۹۷۔ تقرير الإسناد في تيسير الاجتهاد، ۲۹۸۔ الرد على من أخلد إلى الأرض وجهل أن الاجتهاد في كل عصر فرض، ۲۹۹۔ جزء في رد شهادة الرافضة، ۳۰۰۔ القول المشرق في تحريم الاشتغال بالمنطق (م)، ۳۰۱۔ صون المنطق والكلام عن فن المنطق والكلام، ۳۰۲۔ رفع منار الدين وهدم بناء المفسدين، ۳۰۳۔ هدم الجاني على الباني (م) ۳۰۴۔ سيف النظار في الفرق بين الثبوت والتكرار، ۳۰۵۔ النقول المشرقة في مسئلة النفقة (م)، ۳۰۶۔ شرح الرحبية في الفرائض، ۳۰۷۔ السلالة في تحقيق المقر والاستحالة، ۳۰۸۔ العجاجة الزرنبيّة في السلالة الزينبيّة (م)، ۳۰۹۔ مر النسيم إلى ابن عبد الكريم ۳۱۰۔ فتح المطلب المبرور وبرد القلب المحرور في الجواب عن أسئلة التكرور (م)، ۳۱۱۔ رفع البأس وكشف الالتباس في ضرب المثل من القرآن والاقتباس (م)، ۳۱۲۔المعتصر في تقرير عبارة المختصر، ۳۱۳۔ بذل المجهود في خزانة المحمود (م)، ۳۱۴۔ الأزهار الغضة في حواشي الروضة، یہ صرف کتاب الاذان تک مکمل ہوسکی ہے۔

فن اصول فقہ، اصول دین اور تصوف

۳۱۵۔ شرح الكوكب الوقاد في الاعتقاد، یہ رسالہ مذکورہ بالا کی شرح ہے۔ ۳۱۶۔ النصيحة فيما ورد من الأدعية الصحيحة، ۳۱۷۔ تشييد الأركان من ليس في الإمكان أبدع مما كان، ۳۱۸۔ تأييد الحقيقة العلية وتشييد الطريقة الشاذلية، ۳۱۹۔ تنزيه الاعتقاد عن الحلول والاتحاد (م)، ۳۲۰۔ اللوامع المشرقة في ذم الوحدة المطلقة، ۳۲۱۔ المعتلي في تعديد صور الولي، ۳۲۲۔ المنجلي في تطور الولي (م)، ۳۲۳۔ تنوير الحلك في إمكان رؤية النبي والملك (م)، ۳۲۴۔ جهد القريحة في تجريد النصيحة ،یہ کتاب نصیحة أهل الإيمان في الرد على منطق اليونان لابن تيمية کی مختصر ہے۔ ۳۲۵۔ تنبيه الغبي بتبرئة ابن عربي، ۳۲۶۔ البرق الوامض في شرح يائية ابن الفارض ،جس کا مطلع حسب ذیل ہے:

سائق الأظعان يطوي البيد طي   منعماً عرّج على كثبان طي

۳۲۷۔ جزء في رؤية النساء (تحفة الجلساء برؤية الله للنساء) (م)، ۳۲۸۔ رفع الأسا عن

....

النساء (یہ رسالہ مذکورۂ بالا کا مختصر ہے)، ۳۲۹۔ اللفظ الجوهري في ردخياط" خبط" الجوجري، ۳۳۰۔النكت اللوامع على المختصر والمنهاج وجمع الجوامع، ۳۳۱۔ الكوكب الساطع في نظم جمع الجوامع۔

فن لغت اور نحو وصرف

۳۳۲۔ المزهر في علوم اللغة (م)، اس کے متعلق موصوف کا یہ دعویٰ ہے کہ اس نوع پر اس کو انہی نے سب سے پہلے مدون کیا ہے، اور علوم حدیث کی طرح اس کو بھی پچاس نوعوں پر تقسیم کیا ہے۔ ۳۳۳۔ غاية الإحسان في خلق الإنسان، ۳۳٤۔ الإفصاح في أسماء النكاح، ۳۳۵۔ ضوء الصباح في لغات النكاح، ۳۳٦۔ الإفصاح في زوائد القاموس على الصحاح، ۳۳۷۔ جمع الجوامع في النحو والتصريف والخط، اپنے موضوع پر واحد کتاب ہے۔ ۳۳۸۔ همع الهوامع، یہ مذکورہ بالا کتاب کی شرح ہے۔ ۳۳۹۔ شرح ألفية ابن مالك (البهجة المرضية) (م)، ۳٤۰۔ الفريدة، علم نحو میں الفیہ ہے۔ ۳٤۱۔ المطالع السعيدة، یہ مذکورہ بالا کتاب کی شرح ہے۔ ۳٤۲۔ النكت على الألفية والكافية والشافية وشذور الذهب والنزهة، ۳٤۳۔ الأشباه والنظائر، یہ علم نحو میں ہے، اور سات حسب ذیل رسالوں کا مجموعہ ہے۔ (م)، ۳٤٤۔ (الف) المصاعد العلية في القواعد النحوية، ۳٤۵۔ (ب) تدريب أولي الطلب في ضوابط كلام العرب، ۳٤٦۔ (ت) سلسلة الذهب في البناء من كلام العرب، ۳٤۷۔ (ث) اللمع والبرق في الجمع والفرق، ۳٤۸۔ (ج) الطراز في الألغاز، ۳٤۹۔ (ح) المناظرات والمجالسات والمطارحات، ۳۵۰۔(خ)التبر الذائب في الإفراد والغرائب، ۳۵۱۔ الفتح القريب في حواشي مغني اللبيب، ۳۵۲۔شرح شواهد المغني (م)، ۳۵۳۔ تحفة الحبيب بنجاة مغني اللّبيب، ۳۵٤۔ الاقتراح، یہ بھی اصول نحو میں ہے۔(م)، ۳۵۵۔ التوشيح على التوضيح، یہ کتاب بھی پایہ تکمیل کو نہیں پہنچی، ۳۵٦۔ حاشية في شرح نثر الزهور، ۳۵۷۔ سد الزبور على شرح الشذور، ۳۵۸۔ درر التاج في إعراب مشكل المنهاج، ۳۵۹۔ الوفية باختصار الألفية، ۳٦۰۔ دقائق الوفية باختصار الألفية، ۳٦۱۔شرح ملحة الإعراب، ۳٦۲۔شرح القصيدة الكافية، یہ علم تصریف میں ہے۔ ۳٦۳۔ تعريف الأعجم بحروف المعجم، ۳٦٤۔ الشمعة المضية في علم العربية، ۳٦۵۔ موشحة، یہ علم نحو میں ہے۔ ۳٦٦۔ قطر الندا في ورود الهمزة للنداء، ۳٦۷۔ مختصر الملحة، ۳٦۸۔ الوية النصر في خصيصي بالقصر (م)، ۳٦۹۔ القول المجمل في الرد على المهمل، ۳۷۰۔ الأخبار المروية في سبب وضع العربية، ۳۷۱۔المنى في الكنى، ۳۷۲۔ رفع السنة في نصب الزنة (م)، ۳۷۳۔ تحفة النجباء في قولهم "هذا بسر أطيب

....

....

منـه رطبـا"، ٣٧٤ـ الزند الوري في الجواب عن السؤال الإسكندري (م)، ٣٧٥ـ فجر الثمد في إعراب أكـمـل الـحـمـد (م)، ٣٧٦ـ الـكـرّ عـلـى ابن عبـد البـرّ ،اس میں ایک آیت کے اعراب سے بحث ہے۔٣٧٧ـالإعـراض والتولي عمن لايحسن أن يصلي، ٣٧٨ـ حسن السير في ما في الفرس من أسماء الـطير، ٣٧٩ـ حـاشية عـلـى شـرح الـتـصـريف، ٣٨٠ـ توجيه العزم إلى اختصاص الاسم بالجر والفعل بـالجزم، ٣٨١ـ ديوان الحيوان، ٣٨٢ـ عنوان الديوان في أسماء الحيوان (ذيل)، ٣٨٣ـ نظام اللسد في أسـامـي الأسد، ٣٨٤ـ التهذيب في أسماء الذئب، ٣٨٥ـ اليواقيت في حروف الإذن إلى توجيه قولهم: لاهـا الله إذن، ٣٨٦ـ التبرّي من معرفة المعرّي ،یہ کتاب کتے کے ناموں پر ہے۔(٣٨٧ـ الطراز اللازوردي في حواشي الجاربردي، ٣٨٨ـ الإلماع في الاتباع).

فن معانی وبیان وبدیع

٣٨٩ـ عـقـود الـجـمان في المعاني والبيان ،یہ ایک الفیہ ہے(م)، ٣٩٠ـ حـل العقود ،یہ مذکورہ بالا کتاب کی شرح ہے۔ ٣٩١ـ مفتاح التلخيص ،یہ کتاب النکت علی تلخیص المفتاح کے نام سے مشہور ہے، ٣٩٢ـنظم البـديع في مدح الشفيع مرويا فيها باسم النوع ،یہ "البديعة" کے نام سے بھی مشہور ہے۔٣٩٣ـالجمع والتفريق بين الأنواع البديعة،یہ مذکورہ بالا کتاب کی شرح ہے۔٣٩٤ـ التخصيص في شواهد التلخيص .

متعدد علوم وفنون کی جامع کتابیں

٣٩٥ـ نـفـح الطيب من أسئلة الخطيب ٣٩٦ـ الـفلك المشحون ،یہ کتاب پچاس علوم کی جامع ہے،اور ''تذکرۃ'' کے نام سے بھی مشہور ہے۔ ٣٩٧ـ إتمام الدراية ،یہ مذکورہ بالا کتاب کی شرح ہے۔(م)،٣٩٨ـ قلائد الفوائد، ٣٩٩ـ الـلـمـعة في أجوبة الأسئلة السبعة (م)، ٤٠٠ـ الأجوبة الزكيّة عن الألغاز السبكية (م)، ٤٠١ـ تعريف الفئة بأجوبة الأسئلة المائة (م)،٤٠٢ـ النقاية،اس میں چودہ علوم ہیں۔

فنِ ادب ونوادر وانشاء وشعر

٤٠٣ـنزهة النديم، ٤٠٤ـ اليـواقيـت الثـمينة في صفات السمينة، ٤٠٥ـ شقائق الأترنج في رقـائق الغنج، ٤٠٦ـ رفع شأن الحبشان، ٤٠٧ـ أزهار العروش في أخبار الحـوش، ٤٠٨ـ الوسائل إلى مـعـرفة الأوائل (م)، ٤٠٩ـ المحاضرات والمحاورات، ٤١٠ـ النفحة المكية على نمط عنوان الشرف، ٤١١ـ درر الـكـلـم وغـرر الـحـكـم، ٤١٢ـ الـمـقـامـات الـمـجـمـوعة ،یہ سات مقامات ہیں۔

....

٤١٣۔ المقامات المفردة ، یہ تیس مقامات ہیں، ٤١٤۔ ساجعة المحرم، یہ ایک مقامہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے اوصاف میں ہے۔ ٤١٥۔ المقامة السندسية في والدي النبي ﷺ، ٤١٦۔ المقامة الأزواد في موت الأولاد، ٤١٧۔ النجح في الإجابة إلى الصلح، ٤١٨۔ المقامة المستنصرية، ٤١٩۔ الكاوي في تاريخ السخاوي، ٤٢٠۔ المقامة الذهبية في الحمى، ٤٢١۔ بلبل الروضة ، یہ مقامہ روضہ مصر کے وصف میں ہے۔ ٤٢٢۔ مقامة الرياحين، اس کا نام المقامة الوردية في الورد والنرجس والياسمين والبان والنسرين والبنفسج والنيلوفر والآس والريحان والفاغية، ٤٢٣۔ مقامة الطيب ، یہ المقامة المكية في المسك والعنبر والزعفران والزباد کے نام سے مشہور ہے، ٤٢٤۔ رشف الماء الزلال من السحر الحلال ، یہ مقامة الطيب کے نام سے بھی مشہور ہے۔ ٤٢٥۔ المقامة التفاحية، ٤٢٦۔ المقامة الزمردية، ٤٢٩۔ المقامة الفستقية، ٤٢٨۔ المقامة الياقوتية، ٤٢٩۔ المقامة اللؤلؤية، ٤٣٠۔ المقامة البحرية، ٤٣١۔ المقامة الدرية، ٤٣٢۔ الفتاش على القشاش، ٤٣٣۔ الاستنصار بالواحد القهار، ٤٣٤۔ قمع المعارض في نصرة ابن الفارض، ٤٣٥۔ الدوران الفلكي على ابن الكركي، ٤٣٦۔ الصارم الهندكي في عنق ابن الكركي، ٤٣٧۔ مقامة نفيسة إلى الهندكي على ابن الكركي، ٤٣٨۔ منهل اللطائف في الكنافة والقطائف، ٤٣٩۔ مختصر شفاء الغليل في ذمّ الصاحب والخليل ، یہ "الشهاب الثاقب" کے نام سے بھی مشہور ہے۔(م)، ٤٤٠۔ تحفة الظرفآء بأسمآء الخلفاء، یہ قصیدہ رائیہ ہے۔ ٤٤١۔ كوكب الروضة، ٤٤٢۔ المزدهي في روضة المشتهي، ٤٤٣۔ أحاسن الاقتناس في محاسن الاقتباس، ٤٤٤۔ نور الحديقة، ٤٤٥۔ شعري ونثري ، ديوان، ٤٤٦۔ ديوان خطب مقاطع الحجاز، ٤٤٧۔ فجر الدياجي في الأحاجي، ٤٤٨۔ وصف الدال في وصف الهلال، ٤٤٩۔ وقع الأسل في ضرب المثل، ٤٥٠۔ مختصر معجم البلدان لياقوت ، یہ کتاب بھی مکمل نہ ہوسکی۔ ٤٥١۔ قطف الوريد في أمالي ابن دريد، ٤٥٢۔ طرز العمامه في التفرقة بين المقامة والقمامة، ٤٥٣۔ الجواب الزكي عن قمامة ابن الكركي، ٤٥٤۔ الافتراض في ردّ الاعتراض، ٤٥٥۔ نزول الرحمة في التحدث بالنعمة، ٤٥٦۔ منع الثوران عن السغران، ٤٥٧۔ الصواعق على النواعق، ٤٥٨۔ الفارق بين المصنف والسارق، ٤٥٩۔ المقامة الكلاجية في الأسئلة التاجية، ٤٦٠۔ صاحب سيف على صاحب حيف، ٤٦١۔ الفرج القريب، ٤٦٢۔ إتحاف النبلاء في أخبار الثقلاء، ٤٦٣۔ نزهة العمر في التفضيل بين البيض والسود والسمر، ٤٦٤۔ نزهة الجلساء في أشعار النساء (م)، ٤٦٥۔ المستظرف في أخبار الجواري، ٤٦٦۔ ذو الوشاحين، ٤٦٧۔ نثل الكتان في الخشلثان،

....

٤٦٨ـ زبدة اللبن، ٤٦٩ـ البارق في قطع يد السارق، ٤٧٠ـ الوشاح في فوائد النكاح،

فن تاریخ

٤٧١ـ طبقات الحفاظ (م)، ٤٧٢ـ بغية الوعاة في طبقات اللغويين والنحاة، ٤٧٣ـ الوجيز في طبقات الفقهاء الشافعية، ٤٧٤ـ طبقات المفسرين، یہ مکمل نہیں ہوسکی، ٤٧٥ـ تاريخ الخلفاء (م)، ٤٧٦ـ حسن المحاضرة في أخبار مصر والقاهرة، ٤٧٧ـ الزبرجدة، یہ مذکورہ بالا کتاب کا اختصار ہے۔ ٤٧٨ـ رفع البأس عن بني العباس، ٤٧٩ـ الشماريخ في علم التاريخ (م)، ٤٨٠ـ المنهج السوي في ترجمة النووي، ٤٨١ـ ترجمة شيخنا البلقيني، ٤٨٢ـ المنجم في المعجم، یہ موصوف کے شیوخ کی معجم ہے۔ ٤٨٣ـ نظم العقيان في أعيان الأعيان (م)، ٤٨٤ـ التحدث بنعمة اللّٰه، ٤٨٥ـ الملتقط من الدرر الكامنة، ٤٨٦ـ الملتقط من الخطط، ٤٨٧ـ جزء في جامع عمرو، ٤٨٨ـ جزء في جامع ابن طولون، ٤٨٩ـ جزء في المدرسة الصلاحية، ٤٩٠ـ جزء في الزاوية الخشابية، ٤٩١ـ جزء في الخانقاه الشيخونية، ٤٩٢ـ جزء في الخانقاه البيبرسية، ٤٩٣ـ جزء في الخانقاه الصلاحية، ٤٩٤ـ جزء في أخبار أسيوط، ٤٩٥ـ المضبوط، ٤٩٦ـ المكنون في ترجمة ذي النون، ٤٩٧ـ تحفة الكرام بأخبار الأهرام، ٤٩٨ـ نثر الهميان في وفيات الأعيان، ٤٩٩ـ الورقات في الوفيات، ٥٠٠ـ تبييض الصحيفة بمناقب الإمام أبي حنيفة (م)، ٥٠١ـ تزيين الممالك بمناقب الإمام مالك، (م) ٥٠٢ـ جزء السلام من سيد الأنام عليه أفضل الصلوٰة والسلام، ٥٠٣ـ حسن التعهد في أحاديث التسمية والتشهد، ٥٠٤ـ الأسئلة الوزيرية وأجوبتها، ٥٠٥ـ بلوغ المامول في خدمة الرسول، ٥٠٦ـ بذل الهمه في طلب براءة الذمة.

اربعین:

تصانیف حدیث کی ایک دوسری قسم بھی ہے جس کو "اربعین" کہتے ہیں، یعنی چالیس حدیثوں کو ایک باب میں یا مختلف ابواب میں ایک ہی سند یا متعدد سندوں (۱) سے جمع کرتے ہیں، اربعینات بھی بے شمار ہیں جو دیکھی اور سُنی جاتی ہیں، لہٰذا تصنیفاتِ حدیث کی چھ قسمیں ہوئیں:

۱- جوامع ،۲- مسانید ،۳- معاجم ،۴- اجزاء ،۵- رسائل ،۶- اربعینات، رسائل کو کتابیں بھی کہتے ہیں (۲)۔

---

(۱) عالی سند کی وجہ سے رسالت مآب ﷺ تک واسطے کمتر ہوتے ہیں، اس لئے وہ پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے، اس وجہ سے محدثین نے اس موضوع پر بہ کثرت کتابیں لکھی ہیں، حافظ جلال الدین سیوطیؒ "النادریات عن العشاریات" میں لکھتے ہیں: "فإن الإسناد العالي سنة محبوبة، وللقرب من رسول الله ﷺ رتبة مطلوبة، ولذلك اعتنى أهل الحديث بتخريج عواليهم وأعلاها وأرفعها في الدرجة وأسناها، فخرجوا الثلاثيات، ثم الرباعيات، ثم الخماسيات، ثم السداسيات، ثم السباعيات، ثم الثمانيات، وكلها قبل السبعمائة سنة، وخرجوا بعد السبعمائة سنة التساعيات والعشاريات". (النادریات بحوالہ عقود اللآلی: ۱۱۳)

عالی اسناد ایک محبوب طریقہ ہے، اور رسالت مآب ﷺ سے قرب کی وجہ سے مطلوب ہے، اس وجہ سے اہل حدیث نے اپنی عالی سندوں کی تخریج کی ہے، اور عمدہ اور اونچی سندوں کو بیان کیا ہے، چنانچہ پہلے ثلاثیات کو، پھر رباعیات کو، پھر خماسیات کو، پھر سداسیات کو، پھر سباعیات کو اور پھر ثمانیات کو نقل کیا ہے، اور یہ سب کچھ ۷۰۰ھ سے پیشتر ہوا ہے، ۷۰۰ھ کے بعد تساعیات اور عشاریات کو بیان کیا گیا ہے۔

اسی قبیل سے وحدانیات امام اعظم ابوحنیفہ اور ثنائیات امام مالک رحمہما اللہ وغیرہ ہیں۔

(۲) اقسامِ کتب حدیث پر سب سے پہلے علامہ ابن الاثیر جزری (المتوفی ۶۳۰ھ) نے "مقدمہ جامع الأصول لأحاديث الرسول" میں قدرے تفصیل سے لکھا ہے، اس کو حاجی خلیفہ نے "کشف الظنون" میں نقل کیا ہے، اور شیخ محمد طاہر بن محمد صالح جزائری (۱۲۶۸ھ-۱۳۳۸ھ) نے اس کو اپنے انداز میں بیان کیا ہے، ان سے کتب حدیث کے اقسام اور ان کی ترتیب واضح ہو جاتی ہے، اس لئے وہ بھی ہدیۂ ناظرین ہے۔

"کشف الظنون" (۱/۶۳۸) میں ہے: "یہ علم حدیث اپنی عظمت وشرافت کی وجہ سے نہایت بھرپور علم ہے، اس کے الفاظ اور معانی مشکل ہیں، اس وجہ سے محدثین کی تالیفات مختلف اغراض اور مقاصد کے پیش نظر عالم وجود میں آئیں، چنانچہ بعض محدثین کی کوشش یہ رہی کہ جس طرح بھی ہوسکے حدیثوں کو جمع کیا جائے تاکہ انہیں یاد کیا جاسکے، اور ان سے احکام مستنبط ہوسکیں، جیسا کہ عبد اللہ بن موسیٰ العبسی اور ابوداؤد الطیالسی وغیرہ نے کیا، پھر امام احمد بن حنبل اور

....

ان کے بعد کے علماء نے یہ کیا کہ انہوں نے حدیثوں کو روایت کرنے والوں کے ناموں پر مرتب کیا، مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مسند ذکر کرتے ہیں، تو اس میں ان سب راویوں کو نام بنام گناتے ہیں، جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، اور پھر دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی مسندیں ایک ترتیب سے بیان کرتے جاتے ہیں۔

بعض محدثین ہر حدیث کو اس کے مناسب مقام پر ذکر کرتے ہیں، وہ حدیث ایک دلیل اور رہبر کا کام کرتی ہے، لہٰذا ہر حدیث کے لیے اس کے مناسب باب باندھتے ہیں، جو اس حدیث کے ساتھ خاص ہوتا ہے۔

چنانچہ وہ حدیث اگر نماز کے احکام سے متعلق ہوتی ہے، تو اس کو باب الصلوٰۃ میں لکھتے ہیں، اور زکوٰۃ کی وضاحت کرتی ہے، تو اس کو باب الزکوٰۃ میں ذکر کرتے ہیں، جس طرح کہ موطأ میں کیا گیا ہے، اس میں چونکہ حدیثیں کم ہیں، لہٰذا اس کے ابواب بھی کم ہیں، اسی طرح بعد کے محدثین نے بھی کیا تا آنکہ امام بخاری وامام مسلم کا زمانہ آیا، ان دونوں بزرگوں نے اپنی اپنی کتابوں میں حدیثیں بکثرت نقل کیں، لہٰذا ابواب بھی بہت ہو گئے، ان کے بعد محدثین نے ان کی اقتداء کی، جس کی وجہ یہ تھی کہ یہ ترتیب اور یہ نوع پہلی ترتیب اور تقسیم کے مقابلہ میں زیادہ سہل اور زیادہ مفید تھی، پھر یہ ترتیب ایسی ہے جس کی وجہ سے قاری اس کے معنی سمجھ لیتا ہے، گو راوی سے واقف نہیں ہوتا، بلکہ اکثر راوی کو جاننے کی ضرورت بھی نہیں ہوتی ہے، اگر کوئی نماز کے متعلق حدیث چاہتا ہے تو اس کو کتاب الصلوٰۃ میں دیکھ لیتا ہے، کیونکہ جب حدیث کو کتاب الصلوٰۃ میں بیان کیا جاتا ہے، تو ہر پڑھا لکھا سمجھ لیتا ہے کہ یہ حدیث اس حکم کی دلیل ہے، اور اس طرح وہ غور وفکر کی تکلیف نہیں اٹھاتا، اس کے برعکس پہلی صورت میں اسے ہر حدیث پر غور کرنا پڑتا تھا؛ کیونکہ مسند کی ترتیب ابواب فقہ پر نہیں ہوتی، بلکہ اسمائے صحابہؓ پر ہوتی ہے۔

بعض محدثین نے صرف ایسی حدیثوں کو جمع کیا جن کے معانی مشکل تھے، اور وہ الفاظ لغت کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتے، چنانچہ انہوں نے جو کتابیں مرتب کیں ان میں یہی کوشش کی کہ حدیث کے متن کو لکھ کر اس کے غریب الفاظ کی تشریح کر دی، اعراب کو بتایا، اور اس کے معانی کو سمجھایا، مگر احکام سے تعرض نہیں کیا، ابوعبید القاسم بن سلام اور ابومحمد عبد اللہ بن مسلم ابن قتیبہ وغیرہ نے غریب الحدیث میں یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔

بعض محدثین نے مذکورۂ بالا نوع میں احکام کو بھی بیان کیا، اور فقہاء کی آراء اور ان کے اقوال کا بھی اس میں اضافہ کیا، جیسے ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی وغیرہ نے "معالم السنن" اور "إعلام السنن" میں کیا۔

بعض محدثین نے ترغیب وترہیب کی حدیثوں کے ساتھ کچھ احکام کی حدیثوں کو بھی یکجا کیا، اور ان کے متون کے ذکر پر اکتفاء کیا، جیسا کہ ابومحمد حسین بن مسعود بغوی نے "المصابیح" میں کیا ہے۔

قدماء محققین جو بجا طور پر سابقین اولین کہلانے کے مستحق ہیں، ان کی تصانیف بہمہ وجوہ کامل نہیں ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا اولین مقصد حدیثوں کا یاد کرنا، اور انہیں بقاءِ دوام کا خلعت بخشنا، کذب وافتراء کی بیخ کنی کرنا، اور طرق حدیث کو بتانا، ان کے رجال کو محفوظ کرنا، اور ان کے حالات سے واقف ہونا، امور داخلیہ کی تفتیش کرنا، جرح وقدح کرنا، اور لوگوں کی عدالت کو بیان کرنا تھا، ان سب باتوں کو علماء نے بڑی احتیاط، نہایت ضبط، اور انتہائی تدبر کے بعد کیا، ان ہی وجوہ کی بناء پر وہ اپنی تصانیف کو ہر لحاظ سے کامل بنا کر پیش نہیں کر سکے ہیں، مگر جو کام ان کے مطمحِ نظر تھا اس کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا، اور ان اہم امور کی انجام دہی میں جو باتیں ان کے پیش نظر تھیں، انہوں نے اپنی تمام عمر اس میں لگائی، کیونکہ اس وقت اس سے زیادہ اہم خدمت کوئی نہ تھی، وہ اس فن کے لوازم اور توابع میں مشغول نہیں ہوئے؛ کیونکہ پہلے ذات کا اثبات ضروری ہوتا ہے، اور پھر اس کی صفات کی ترتیب ہوتی ہے، اصل مقصد حدیثوں کی تدوین اور ان کا (موقف) متعین کرنا تھا، جسے متقدمین نے کیا بعض محدثین کی زندگی نے وفا نہیں کی، اس لئے ترتیب کی خامیاں رہ گئیں، اور بعض کتابیں پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکیں، پھر ان کے جانشینوں نے ان علوم کی جن کی جمع وتدوین میں انہوں نے عمریں صرف کی تھیں، انہیں انوکھی ترتیب یا عمدہ طریقہ یا احکام کا استنباط کر کے یا غریب الفاظ کی شرح کر کے پیش کیا، اور یہی متاخرین کا کارنامہ ہے۔

شیخ محمد طاہر جزائری فرماتے ہیں: "کتب حدیث کی تصنیف وتالیف اور جمع وتدوین میں علماء کے دو طریقے ہیں:

اول: ابواب پر تصنیف کرنا، اور احکام فقہیہ وغیرہ کے مطابق حدیثوں کی تخریج کرنا، اور ان کو قسم در قسم اور نوع بنوع قرار دینا، اور ہر حکم کے متعلق جتنی حدیثیں وارد ہوئی ہیں، انہیں یکجا کرنا، نیز ہر نوع کو ایسے باب کے تحت یکجا کرنا کہ نماز کے متعلق حدیثیں روزے سے متعلق حدیثوں سے ممتاز رہیں، اس طریقہ کے پابند علماء میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے صرف ایسی حدیثوں کے بیان کرنے پر اکتفاء کیا ہے، جو ان کے نزدیک صحیح تھیں، جیسے امام بخاری اور امام مسلم ہیں، اور ان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے صرف اس قسم کی صحیح حدیثوں کے نقل کرنے پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ انہوں نے صحیح اور حسن وغیرہ کو بھی اپنی کتابوں میں جمع کیا ہے، جیسا کہ امام ابوداود، ترمذی اور نسائی نے کیا ہے۔

دوم: مسانید پر تصنیف کرنا، اور یہ طریقہ وہ ہے جس میں ہر صحابی کے نام کے تحت اس سے تمام مروی حدیثوں کو بیان کیا جاتا ہے، خواہ وہ حدیثیں اس کی نظر میں صحیح ہوں یا غیر صحیح، اور ان کو ایک علیحدہ جگہ ذکر کیا جاتا ہے، خواہ ان کی انواع مختلف ہوں، اس طریقہ پر عامل وہ علماء ہیں جنہوں نے صحابہ کے ناموں کو حروف تہجی پر ترتیب دے کر کتابیں لکھی ہیں، چنانچہ امام طبرانی نے "المعجم الکبیر"، اور ضیاء مقدسی نے "کتاب المختارۃ" میں اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے، اور یہ نہایت آسان طریقہ ہے، ان ہی مصنفین میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اس کو قبائل پر مرتب کیا ہے، انہوں نے بنی

ہاشم کو مقدم کیا، پھر ان کو ذکر کیا جو نسب کے اعتبار سے حضور اکرم ﷺ سے زیادہ قریب تھے، ان ہی میں سے بعض نے ترتیب کے اندر اسلام میں سبقت کا اعتبار کیا ہے، اس وجہ سے انہوں نے سب سے پہلے عشرۂ مبشرہ کی حدیثوں کو بیان کیا، پھر بدریوں کو لیا، پھر اہل حدیبیہ کو، پھر انہیں جو صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے زمانے میں اسلام لائے اور ہجرت اختیار کی، پھر وہ جو فتح مکہ کے موقعہ پر اسلام لائے، پھر صغیر السن صحابہؓ، جیسے سائب بن یزیدؓ اور ابوالطفیلؓ ہیں، اور خواتین پر کتاب کو ختم کر دیا۔

ابن حبانؒ نے اپنی صحیح میں ایک تیسرا طریقہ اختیار کیا ہے، انہوں نے اس کو پانچ قسموں پر مرتب کیا ہے، ۱- اوامر ونواہی ۲- اور وہ اخبار جن کی معرفت کی احتیاج ہوتی ہے، جیسے بدء الوحی، اسراء، ۳- اور وہ باتیں جن کی وجہ سے ہمارے نبی ﷺ کو تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت حاصل ہے، ۴- اور مباحات، ۵- اور حضور اکرم ﷺ کے وہ اعمال جو آپ کے ساتھ مخصوص ہیں، ان اقسام خمسہ میں سے ہر نوع کی مختلف نوعیں ہیں، ابن حبان نے اپنی صحیح کی ترتیب میں نرالا طریقہ اختیار کیا ہے، وہ نہ ابواب پر مرتب ہے، اور نہ اس کی ترتیب مسانید پر ہے، اس لئے اس نے اس کو ''التقاسیم والأنواع'' کے نام سے موسوم کیا ہے، اور اس کا سبب یہ تھا کہ وہ علم کلام، نجوم اور فلسفہ کا ماہر تھا، اس وجہ سے علماء نے اس پر اعتراض کیا، اور اسے زندیق تک کہا گیا، قریب تھا کہ وہ اس کے قتل کا بھی حکم دیدیتے، پھر بھی اس کو سجستان سے سمرقند کی طرف جلاوطن کرا ہی دیا تھا، صحیح ابن حبان کے محاسن اور باریکیوں کو بیان کرنا نہایت مشکل کام ہے، بعض متاخرین نے اس کو ابواب پر مرتب کیا ہے، ابوالفضل عراقی نے اس کا اطراف لکھا ہے، اور حافظ ابوالحسن ہیثمی نے صحیحین پر اس کے زوائد کو ایک جلد میں جمع کر دیا ہے۔

حدیثوں کی جمع وترتیب میں محدثین کے اور بھی کئی طریقے ہیں:

پہلا طریقہ: حدیثوں کو حروف تہجی کی ترتیب پر بیان کرنا ہے، مثلاً ''انما الأعمال بالنیات'' کو حرف الف میں ذکر کرنا، وعلیٰ ہٰذا القیاس، اس طریقہ کو ابو منصور دیلمی نے مسند الفردوس میں اختیار کیا ہے، اور ابن طاہر نے ابن عدی کی کتاب ''الکامل'' میں اس طریقہ کو اپنایا ہے۔

دوسرا طریقہ: حدیثوں کو اطراف پر مرتب کرنا ہے، جس کا قاعدہ یہ ہے کہ پہلے ہر حدیث کا ایک سرا یعنی ابتدائی حصہ بیان کیا جاتا ہے، پھر اس کی سندوں کو بیان کیا جاتا ہے، خواہ اس میں خاص کتابوں کا حوالہ دیا جائے، یا نہ دیا جائے، یہی وہ طریقہ ہے جسے ابوالعباس احمد بن ثابت عراقی نے کتب خمسہ کے اطراف میں اختیار کیا ہے، اور حافظ مزی نے صحاح ستہ کے اطراف میں اپنایا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے کتب عشرہ کے اطراف میں بھی اس طریقہ کو برتا ہے۔

تصانیف حدیث میں سب سے اعلیٰ تصنیف وہ ہے، جس میں علل کے بیان کے ساتھ ہر حدیث کے جملہ طرق

دوسرا امر: یعنی معانیِ احادیث کے سمجھنے میں احتیاط برتنا، تو اس کی حقیقت بھی اَمرِ اول کی تحقیق سے آشکارا ہوگئی، کیونکہ ''مشارق الأنوار'' مثلاً ''صحیحین وموطأ'' کی حدیثوں کے معانی کی توضیح کے لیے کافی ہے، اور صحاح ستہ کی تشریح کے لیے سب سے بے پرواہ کرنے والی کتاب ''جامع الأصول'' ہے، اور شیخ محمد طاہر کی کتاب ''مجمع بحار الأنوار'' تمام کتبِ احادیث یعنی طبقاتِ مذکورہ کی تحقیق کے لیے کافی ہے۔

واسانید اور راویوں کے اختلافات کو بیان کیا جاتا ہے، کیونکہ علل کی معرفت انواعِ حدیث میں سب سے اہم چیز ہے، اس سے متصل کے مرسل اور مرفوع کے موقوف ہونے کا اور اسی قسم کے اہم امور کا پتہ چلتا ہے، جن محدثین نے علل پر کتابیں لکھی ہیں، ان میں سے بعض تو وہ ہیں، جنہوں نے اس کو ابواب پر مرتب کیا ہے، جیسے ابن ابی حاتم کی کتاب ہے، اس سے فائدہ اٹھانا آسان کام نہیں ہے۔

ان ہی میں سے بعض وہ ہیں، جنہوں نے اپنی کتابوں کو مسانید پر مرتب کیا ہے، جیسے حافظ کبیر، فقیہ مالکی، یعقوب بن شیبہ بصری نزیل بغداد، جنہوں نے امام احمد بن حنبل، ابن المدینی، یحییٰ بن معین سے کمال حاصل کیا، اور ۲٦۲ھ میں وفات پائی، انہوں نے ایک ایسی مسند لکھی ہے، جس میں علل کو بیان کیا ہے، مگر وہ اس کو مکمل نہیں کر سکے، اگر وہ مکمل ہو جاتی، دو سو جلدوں میں کامل ہوتی، ان میں سے جو پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہیں، وہ ۱- مسند عشرۂ مبشرہ، ۲- مسند ابن عباس، ۳- مسند ابن مسعود، ۴- مسند عتبہ بن غزوان، ۵- ومسند بعض الموالی اور ٦- مسند عمار ہیں، کہا جاتا ہے کہ مسند علی پانچ جلدوں میں ہے، مشہور یہ ہے کہ ان کے گھر میں چالیس لحاف تھے، جو اس لئے بنائے گئے تھے کہ نقل نویس ان کے یہاں شب کو آ کر اس مسند کو صاف کریں، اور وہ انہیں اوڑھ سکیں، انہوں نے اس کی تخریج پر دس ہزار دینار خرچ کئے تھے، بعض مشائخ کا قول ہے کہ انہوں نے مسند معلل مکمل نہیں کی۔

یہ بھی محدثین کی عادت ہے کہ وہ بعض ابواب، شیوخ، تراجم اور طرق پر مستقل کتابیں لکھتے ہیں۔

ابواب میں سے ہر باب پر ائمہ فن نے جداگانہ کتابیں لکھی ہیں، چنانچہ رفع الیدین پر امام بخاریؒ کی مستقل تالیف ہے، اس طرح باب القرأة خلف الإمام پر بھی ہے، باب القضاء باليمين مع الشاهد پر امام دارقطنی کی کتاب ہے، اس طرح قنوت کے موضوع پر ابن مندہ کی مستقل تصنیف ہے، بسملہ کے موضوع پر ابن عبد البر وغیرہ کی کتاب ہے۔

شیوخ: بعض علماء نے بعض خاص خاص شیوخ میں سے ہر ایک کی حدیثوں پر جداگانہ کتاب لکھی ہے، چنانچہ محدث اسماعیلی نے صرف امام اَعمش کی حدیثوں پر کتاب لکھی ہے، امام نسائی نے فضیل بن عیاض کی حدیثوں کو کتابی صورت میں جمع کیا ہے۔

اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ حدیثوں کی شرح اور توجیہ میں ہر طرح کا کلام اور رطب و یابس سب کچھ لکھا گیا ہے، اس لئے اب ان علماء سے واقفیت ضروری ہے، جو اس باب میں قابل اعتماد ہیں، اور ان کی تصانیف سے بھی پورا فائدہ اٹھانا چاہئے، علمائے شافعیہ میں سے امام نووی (۱)، ....

تراجم: محدثین نے ایک ترجمہ قائم کر کے اس کے ضمن میں ان سے مروی حدیثوں کو ایک جداگانہ کتاب میں جمع کیا ہے، جیسے ۱۔ مالك عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنهما، ۲۔ سهيل بن أبي صالح عن أبيه عن أبي هريرة رضي الله عنه، ۳۔ هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة رضي الله عنها.

طرق: محدثین نے بعض حدیثوں کے طرق اور سندوں کو ایک علیحدہ کتاب میں جمع کیا ہے، جیسے "حديث قبض العلم"، طوسی نے اس حدیث کے طرق اور اسانید پر ایک کتاب لکھی ہے، اور حدیث "من كذب عليّ متعمدا" کے طرق کو امام طبرانی نے جمع کیا ہے، اور حدیث "طلب العلم فريضة" کے طرق پر بعض محدثین نے جداگانہ کتابیں لکھی ہیں۔

(۱) نام و نسب:

یحییٰ نام، ابوزکریا کنیت، اور محی الدین لقب ہے، سلسلہ نسب یہ ہے: "یحییٰ بن شرف بن حسن بن حسین بن جمعۃ بن حزام بن مری الحورانی الشافعی۔"

ولادت و کیفیتِ تحصیلِ علم:

محرم ۶۳۱ھ میں حوران کے ایک چھوٹے سے شہر نویٰ میں پیدا ہوئے، ۶۴۹ھ میں دمشق میں آئے، اور رواحیہ میں فروکش ہوئے، یہیں پڑھنا شروع کیا، اور مدرسہ کی روٹیوں پر گذر بسر کرنے لگے، ساڑھے چار مہینے میں "التنبيه" کو جو فقہ شافعیہ کا مختصر ہے یاد کر لیا، چھ مہینے میں "المهذب" کا ایک چوتھائی حصہ شیخ کمال الدین اسحٰق بن احمد سے زبانی پڑھا، پھر اپنے والد ماجد کے ساتھ حرم چلے گئے، حج کیا، اور ڈیڑھ مہینے مدینہ میں قیام کے بعد واپس آ گئے، حصول تعلیم میں لگ گئے، شیخ ابوالحسن بن العطار کا بیان ہے موصوف ہر روز بارہ فنون کا سبق پڑھتے تھے، اسباق اس طرح پڑھتے تھے کہ کوئی اشکال باقی نہیں رہتا تھا۔

شیخ نووی اپنی تعلیم کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "كنت أعلّق جميع ما يتعلق بها من شرح مشكل، ووضوح عبارة، وضبط لغة، وبارك الله في وقتي، وخطر لي أن أشتغل في الطب واشتريت كتاب القانون، فأظلم قلبي وبقيت أيامًا لا أقدر على الاشتغال، فأفقت على نفسي، وبعت القانون، فأنار قلبي." (تذکرۃ الحفاظ: ۱۴۷۰)

وہ تمام باتیں جن کا تعلق مشکل مقامات کی شرح، عبارت کی وضاحت اور لغت سے تھا، مجھے ان سے بڑا شغف تھا، اور اللہ نے میرے وقت میں بہت برکت عطا کی تھی، ایک دفعہ میرے دل میں طب پڑھنے کا خیال گذرا، اور میں نے

قانونِ شیخ خرید لیا، میرے قلب پر ظلمت چھا گئی، چند دن اس حالت میں گذر گئے، جب میں اس کے پڑھنے میں مصروف نہ ہو سکا، تو نفس نے افاقہ محسوس کیا، پھر قانون شیخ بیچ دیا، تو میرا قلب منور ہو گیا۔

اصول کی تحصیل قاضی نفیسی سے کی، فقہ کمال الدین اسحٰق مغربی اور عبدالرحمٰن بن نوح وغیرہ سے پڑھی، نحو کی تعلیم شیخ احمد مصری اور ابن مالک سے حاصل کی، شیخ رضی الدین، عبدالعزیز انصاری، زین الدین بن عبدالدائم، عماد الدین عبدالکریم حرستانی، جمال الدین ابن صیرفی اور اس طبقہ کے دیگر نامور علماء سے صحاح ستہ، مسند احمد، موطأ، شرح السنۃ، سنن دارقطنی وغیرہ کا سماع کیا، اور جب ان علوم میں کمال حاصل ہو گیا، تو درس وتدریس عبادت وریاضت اور تصنیف وتالیف میں لگ گئے۔

خصائل حمیدہ وعلمی کمالات:

حافظ ذہبیؒ "تذکرة الحفاظ" (۱۴۷۱/۴) میں رقمطراز ہیں: "لازم الاشتغال، والتصنيف، ونشر العلم، والعبادة، والأوراد، والصيام، والذكر، والصبر على العيش الخشن في المأكل والملبس ملازمة كلية لا مزيد عليها، ملبسه ثوب خام، وعمامته شختانية صغيرة، تخرّج به جماعة من العلماء".

موصوف نے اپنے آپ کو پورے طور پر تصنیف وتالیف، درس وتدریس، علم کی نشر و اشاعت، عبادت، وظائف، روزے اور یادِ الٰہی میں مصروف رکھا تھا، عسرت کی زندگی گذارتے، روکھا سوکھا کھاتے، اور موٹا جھوٹا پہنتے تھے، وہ بھی ایسا کہ جس سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا، ان کی پوشاک کورا لٹھا اور چھوٹا سا "شختانيه" عمامہ تھا، ان سے علماء کی بڑی جماعت نے تعلیم وتربیت پائی ہے۔

موصوف حیات مستعار کی قدر وقیمت سے اچھی طرح واقف تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کی زندگی کا کوئی لمحہ ضائع نہیں ہوتا تھا، ہمہ وقت مصروف رہتے تھے، شیخ ابن العطار اپنے شیخ سے ناقل ہیں: "ذكر لي شيخنا - رحمه الله تعالى - أنه كان لايضيع له وقتا، لا في ليل، ولا في نهار، إلّا في اشتغال حتى في الطرق، وأنه دام على هذا ست سنين، ثم أخذ في التصنيف والإفادة والنصيحة وقول الحق، قلت: مع ماهو عليه من المجاهدة بنفسه، والعمل بدقائق الورع، والمراقبة، وتصفية النفس من الشوائب، ومحقها من أغراضها، كان حافظاً للحديث، وفنونه، ورجاله، وصحيحه، وعليله، رأسًا في معرفة المذهب". (تذكرة الحفاظ: ۱۴۷۲/۴)

موصوف شب وروز میں کوئی گھڑی ضائع نہیں کرتے تھے، ہمہ وقت تا آنکہ راستہ میں بھی مصروف ہی رہتے تھے، اور پورے چھ برس اس طرح گذارے تھے کہ درس وتدریس، تصنیف وتالیف، خیر خواہی اور حق گوئی میں لگے رہتے تھے، اور اس کے ساتھ ان باتوں پر بھی سختی سے عمل تھا، جن کو اپنے اوپر لازم کر رکھا تھا، وہ مجاہدۂ نفس بتقویٰ کی ادنیٰ سے

....

ادنیٰ بات پر عمل، مراقبۂ نفس کا تزکیہ اور اغراضِ نفسانیہ کی پامالی وغیرہ تھا، نوویؒ حدیث اور فنونِ حدیث کے حافظ، رجال، صحیح اور سقیم حدیث کے ماہر تھے، اور شافعی مذہب کے چوٹی کے عالم تھے۔

شیخ نوویؒ ایسے اعلیٰ مراتب پر فائز تھے کہ اگر کسی کو ان میں سے کوئی ایک مرتبہ بھی حاصل ہوجاتا تو وہ مرجع خلائق بن جاتا۔

علامہ ذہبیؒ کے شیخ ابن فرح فرماتے ہیں: ''نوبة الشيخ محيي الدين قد صار إلى ثلاث مراتب، كل مرتبة لو كانت لشخص لشدت إليه الرحال: العلم، والزهد، والأمر بالمعروف والنهى عن المنكر''.

(تذکرۃ الحفاظ: ۴/۱۴۷۳)

شیخ محی الدین نووی کو تین مرتبے اور مقامات حاصل تھے، اور ہر مرتبہ ایسا ہے کہ اگر وہ کسی شخص کو حاصل ہوتو اس کی طرف سفر کرکے پہنچنا چاہئے: ۱-علم، ۲-زہد، ۳-امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔

شیخ قطب الدین یونینی کا بیان ہے: ''كان أوحد زمانه في العلم والورع والعبادة والتقلّل وخشونة العيش، واقف الملك الظاهر بدار العدل غير مرة ...... ولي مشيخة دار الحديث، قلت: وليها سنة خمس وستين بعد أبي شامة إلى أن مات.'' (تذكرة الحفاظ: ۴/۱۴۷۳)

موصوف، علم، ورع، کم کھانے، سخت تر زندگی بسر کرنے میں یکتائے زمانہ تھے، اور ملک ظاہر کو کئی مرتبہ ایوانِ عدل میں کھڑا کرنے والے تھے، دمشق میں دار الحدیث کے متولی اور صدر بھی رہے تھے، اس منصب پر ان کا تقرر حافظ ابو شامہ کی وفات کے بعد ۶۶۵ھ میں ہوا، اور وفات تک اسی منصب پر فائز رہے تھے۔

فخر ابن البخاری فرماتے ہیں: ''كان إمامًا، بارعًا، حافظاً، متقناً، علوماً جمّة، وصنف التصانيف الجمّة، وكان شديد الورع والزهد، تاركاً لجميع الرغائب من المأكول، إلّا ما يأتيه به أبوه من كعك وتين، وكان يلبس الثياب الرثة المرقعة ...... وترك الفواكه جميعها، ولم يتناول من الجهات درهماً.''

(تذكرة الحفاظ: ۴/۱۴۷۳، ۱۴۷۴)

نوویؒ ماہر فن امام اور زبردست حافظِ حدیث تھے، تمام علوم میں پختہ تھے، بہت سی کتابیں تصنیف کی تھیں، بڑے متقی اور پرہیزگار تھے، کھانے پینے کی تمام مرغوبات کو چھوڑ رکھا تھا، وہی کھاتے تھے جو روٹی اور انجیر باپ بھیجتے تھے، گھٹیا پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے، اور پھلوں کو بالکل چھوڑ رکھا تھا، کوئی درہم ادھر ادھر کا نہیں لیتے تھے۔

مورخ ذہبیؒ نے موصوف کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے: ''الإمام، الحافظ، الأوحد، القدوة، شيخ

....

الإسلام، عَلَم الأولياء، محي الدين أبو زكريا يحيى بن شرف النووي.''

اوراکیسویں طبقہ کے آغاز میں لکھتے ہیں: ''النووي شيخ الإسلام، محي الدين هو سيد أهل هذه الطبقة، إنما ذكرته في الطبقة العشرين لتقدم موته -رحمة الله عليه-.''

حافظ ابن کثیرؒ ''البداية والنهاية'' (۱۳/۲۷۸) میں رقمطراز ہیں: ''الشيخ محيي الدين النووي ...... الشافعي، العلامة، شيخ المذهب، وكبير الفقهاء في زمانه ...... وقد كان من الزهادة والعبادة والورع والتحري والانجماح عن الناس على جانب كبير، لا يقدر عليه أحد من الفقهاء غيره، وكان يصوم الدهر، ولايجمع بين إدامين.''

شیخ محی الدین نوویؒ ...... شافعی، علامہ، شیخ المذہب اوراپنے زمانہ کے بلند پایہ فقیہوں میں سے تھے، بڑے زاہد وعابد، متقی اور پرہیز گار محتاط اور بہت خلوت پسند، لوگوں سے بہت ہی دور رہنے والے تھے اتنے کہ اس پر ان کے سوا کوئی فقیہ قادر نہیں ہوسکا، صائم الدہر تھے، اور دو سالن کو جمع نہیں کرتے تھے۔

مجاہدہ وریاضت:

ابوبکر بن ہبۃ اللہ کورانی ''طبقات الشافعية'' (ص:۸۷) میں لکھتے ہیں: ''مكث قريباً من السنتين، لا يضع جنبه على الأرض ...... وتفقه على جماعة ...... فجدّ في طلب العلم، حتى فاق على أقرانه وأهل زمانه ...... وكان لاياكل إلا أكلة واحدة بعد العشاء، ولايشرب إلا شربة واحدة عند السحر، ولم يتزوج ...... وحج مرتين ...... وكان ذا وقار في البحث مع العلماء، وكان صغير العمامة عظيم الشان''.

موصوف نے دو برس اس طرح گزارے کہ زمین پر کبھی پہلو نہیں ٹکایا، فقہاء کی ایک جماعت سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، اور علم کی تحصیل میں ایسی سعی وکوشش کی کہ اپنے ہم عصروں اور ہمسروں سے فائق ہوگئے، بس ایک مرتبہ عشا کے بعد کھاتے، اور ایک ہی مرتبہ سحری کے وقت پانی پیتے تھے، شادی نہیں کی تھی، دو مرتبہ حج کیا تھا، علماء کے ساتھ بحث میں وقار قائم رکھتے تھے، عمامہ چھوٹا سا باندھتے تھے مگر شان بڑی رکھتے تھے۔

حافظ سید مرتضیٰ زبیدی ''تاج العروس'' (مادہ ن وی) میں رقمطراز ہیں: ''ونوي: تكتب بالياء، ومنهم من يكتبها بالألف، والنسبة إليها نواوي، ونوائي، ونووي، ومنها في المتأخرين شيخ الإسلام، أستاذ المتأخرين، حجة الله على اللاحقين أبوزكريا يحيى بن شرف بن مرة بن جمعة بن حزام النووي الأصل الدمشقي الشافعي- قدس الله سره وروحه وأوصل الينا بره وفتوحه-، ترجمه الحافظ الذهبي في

....

"تـاريـخـه"والتاج السبكي في "طبقاته الكبرى" و"الوسطى"إلى أن قال في آخر كلامه: فكان قطب زمانه، وسيد أوانـه، وسـر الـلّـه بين خلقه، والتطويل بذكر كراماته تطويل في مشهور، وإسهاب في معروف، قال-القائل التاج السبكي- : ومازال الوالد كثير الأدب معه، والمحبة له، والاعتقاد فيه، قلت: ونُسب إلى والده قوله:

وفـي دار الـحـديـث لـطيف مـعـنـى		أطــوف فــي جــوانبــه وآوي

لـعـلـي أن أمـــسّ بـحـرّ وجـهـي		مـكـانـاً مسّـه قـدمُ الـنـواوي

وقـد ألّف كـل من الحافظين السخاوي والسيوطي في ترجمته مجلدا، توفي ليلة الأربعاء ١٤ رجب ٦٧٦هـ بقريته، وبها دفن، قال التاج السُّبكي: وقد سافرت إليها، وزرتُ بها قبره الشريف، وتبركت به".

اورنوی...... یاء کے ساتھ لکھا جاتا ہے، اور بعض علماء الف کے ساتھ لکھتے ہیں، اس کی طرف نسبت نواوی، نوائی اورنووی ہے، اس بستی کے رہنے والے متاخرین میں سے شیخ الاسلام استاذ المتاخرین اور آنے والوں پر اللہ کی حجت ابو زکریا یحییٰ بن شرف بن مرہ بن جمعۃ بن حزام نووی شافعی قدس سرہ ہیں، یہ اصل میں نویٰ کے تھے، اور دمشق میں سکونت اختیار کر لی تھی، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان کی خیر و برکت سے نوازے، ان کا تذکرہ ذہبی نے "تـاریـخ الإسلام" میں اور تاج الدین سبکی نے "الـطبقات الکبریٰ" اور وسطیٰ میں کیا ہے، اور آخر میں لکھا ہے کہ نووی قطبِ زمانہ، سیدِ دوراں اور اللہ کی مخلوق میں اس کا ایک بھید تھے، ان کی کرامات کا تذکرہ کرنا مشہور و معروف باتوں کو طول دینا ہے، اور کہا ہے کہ والد (سبکی کے باپ) بھی ان کا بڑا ادب کرتے، ان سے بڑی محبت رکھتے، اور ان کے جناب میں بڑے خوش عقیدہ تھے، میں کہتا ہوں ان کے والد کی طرف یہ شعر منسوب ہیں:

دارالحدیث میں ایک لطیف معنی پنہاں ہیں، میں اس کے اطراف میں گھومتا اور ٹھکانا پکڑتا ہوں، شاید میں اپنے چہرے کی گرمی سے اس جگہ کو چھولوں جس کو نووی کے قدم لگے ہیں۔

اور ان کے حالات میں حافظ سخاویؒ اور سیوطیؒ نے مجلد کتاب لکھی ہے، نوویؒ نے شب چہار شنبہ ۱۴ رجب ۶۷۶ھ میں اپنے گاؤں (نوی) میں وفات پائی، وہیں دفن ہوئے، تاج الدین سبکی کا بیان ہے کہ میں سفر کر کے وہاں گیا، ان کے مرقد مبارک کی زیارت کی، اور برکت حاصل کی ہے۔

وفات:

علامہ نوویؒ بیت المقدس کی زیارت کر کے نویٰ میں اپنے والد ماجد کے پاس آئے، اور بیمار ہو گئے یہی ۱۴ رجب ۶۷۶ھ میں انتقال ہو گیا، شیخ ابن العطار نے ان کے حالات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔

....

تصنیفات:

موصوف کی تالیفات میں مندرجہ ذیل کتابیں مشہور ہیں:

١ ـ الأربعين، ٢ ـ الإرشاد في أصول الحديث، ٣ـ الإرشارات إلى بيان الأسماء المبهمات في متون الأسانيد، ٤ ـ الأصول والضوابط في المذهب، ٥ـ الإيضاح في مناسك الحاج، ٦ ـ بستان العارفين، ٧ـ التبيان في آداب حملة القرآن، ٨ـ التحرير في شرح التنبيه، ٩ـ تحفة الطالب النبيه في شرح التنبيه، ١٠ ـ تحفة الوالد وبغية الرائد، ١١ ـ التحقيق والترخيص في الإكرام بالقيام لذوي الفضل والمزية من أهل الإسلام، ١٢ ـ التقريب والتيسير لمعرفة سنن البشير والنذير، ١٣ ـ قريب الإرشاد إلى علم الإسناد، ١٤ ـ تهذيب الأسماء واللغات، ١٥ ـ حلية الأبرار وشعار الأخيار في تلخيص الدعوات الأذكار، ١٦ ـ خلاصة الأحكام في مهمات السنن وقواعد الإسلام، ١٧ ـ روح المسائل في الفروع، ١٨ ـ روضة الطالبين وعمدة المتقين في الفروع، ١٩ ـ رياض الصالحين، ٢٠ ـ شرح الجامع الصحيح للبخاري إلى آخر كتاب الإيمان، ٢١ ـ عيون المسائل المهمة، ٢٢ ـ غيث النفع في القراء ات السبع، ٢٣ـ فضل القيام لأهل العلم والحديث والزهاد والعباد والصلحاء والفقراء من أهل الإسلام، ٢٤ ـ المبهم على حروف المعجم، ٢٥ ـ المجموع في شرح المهذب للشيرازي، ٢٦ ـ مرآة الزمان في تاريخ الأعيان، ٢٧ـ مناسك الحج ثلاثة الصغرى والكبرى والوسطى، ٢٨ـ المنثورات وعيون المسائل المهمات، ٢٩ـ المنهاج لشرح صحيح مسلم بن الحجاج، ٣٠ـ منهاج الطالبين في الفروع.

موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: ١ـ تذكرة الحفاظ:٤/ ٢٥٠ - ٢٥٤، ٢ـ طبقات الشافعية:٥/ ١٦٧ - ١٦٨، ٣ـ كتاب السلوك:١/٢٤٨، ٤ـ البداية والنهاية:١٣ /٢٧٨-٢٧٩، ٥ـ مرآة الجنان:٢/ ١٨٢ - ١٨٣، ٦ـ النجوم الزاهرة: ٦٧٦/٧، ٧ـ طبقات الشافعية:٨٧، ٨ـ شذرات الذهب:٥/ ٣٥٤ - ٣٥٦، ٩ـ الدارس في المدارس:١/٢٤ - ٢٥، ١٠ـ مفتاح السعادة از طاش كبرى زاده:١/٣٩٨، ١٧/٢، ١١ـ إتحاف النبلاء المتقين از نواب صديق حسن خان:٤٣٩ - ٤٤٠، ١٢ـ آداب اللغة العربية:٢٤٣/٣، ١٣ـ هدية العارفين:٢/٥٢٤، ١٤ـ تاريخ الإسلام:١٥/٣٣٢ - ٣٣٤، ١٥ـ الإعلام بوفيات الأعلام:٢٨٢.

محی السنہ البغوی (۱) ....

---

(۱) نام ونسب:

حسین نام، ابومحمد کنیت، محی السنۃ رکن الدین لقب، الفراء اور ابن الفراء عرف ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''حسین بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوی الشافعی۔''

ولادت وتحصیل علم:

۴۳۶ھ میں ''بغا'' میں (جو ہرات اور مرو کے درمیان خراسان کا ایک گاؤں ہے) پیدا ہوئے، ارباب کمال سے علوم دینیہ کی تحصیل کی، حدیث وفقہ اور تفسیر میں کمال حاصل کیا، پھر درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا مشغلہ اختیار کیا، حفاظ حدیث میں ان کا شمار ہے۔

علمی کمالات، عادات واخلاق:

حافظ ذہبیؒ ''تذکرۃ الحفاظ'' (۱۳۵۸/۴) میں موصوف کا تذکرہ ان الفاظ ''الإمام الحافظ الفقيه المجتهد محيي السنة'' سے شروع کرنے کے بعد، لکھتے ہیں:

''بورك له في تصانيفه لقصده الصالح، فإنه كان من العلماء الربانيين، كان ذا تعبد ونسك وقناعة باليسير، وكان يأكل كسرة وحدها، فعذلوه، فصار يأكلها بزيت، وكان أبوه يعمل الفراء ويبيعها، ولعل محيي السنة بلغ ثمانين سنة، ويلقبونه أيضًا ركن الدين، وآخر من روى عنه بالإجازة أبو المكارم فضل الله بن محمد التوقاني شيخ حيّ إلى حدود الستمائة، وأجاز لشيخنا الفخر علي المقدسي''۔

بغویؒ کی نیک نیتی کی وجہ سے ان کی تصانیف میں بڑی برکت ہوئی، کیونکہ یہ ربانی علماء میں سے تھے، بڑے صابر وشاکر اور عابد وزاہد تھے، ایک ٹکڑا روٹی کا کھاتے تھے، جب لوگوں نے بہت کچھ کہا سنا تو اس کے ٹکڑے کو زیتون کے تیل سے کھانا شروع کیا تھا، ان کے والد پوستین بناتے، اور انہیں بیچا کرتے تھے، غالبا محی السنہ اسّی (۸۰) سال کی عمر کو پہنچے تھے، ان کو رکن الدین کے لقب سے بھی یاد کرتے تھے، ان کا آخری شاگرد جس کو ان سے روایت کی اجازت تھی، وہ ابوالمکارم فضل اللہ بن محمد توقانی تھا، جو چھٹی صدی ہجری تک طالقان میں بقید حیات تھا، اس سے ہمارے شیخ فخر الدین علی مقدسی کو اجازت حاصل تھی۔

عبدالوہاب السبکی ''طبقات الشافعية الكبرى'' (۲۱۴/۴-۲۱۵) میں رقمطراز ہیں:

''كان إماماً، جليلاً، ورعاً، زاهداً، فقيهاً، محدثاً، مفسراً، جامعاً بين العلم والعمل، سالكاً سبيل السلف، له في الفقه اليد الباسطة، تفقه على القاضي الحسين، وهو أخص تلامذته به، وكان رجلاً

....

مخشونا، وكان لا يلقي الدرس إلّا على طهارة، سمع الحديث من جماعات ...... ولم يدخل بغداد، ولو دخلها لاتسعت ترجمته، وقدره غال في الدين وفي التفسير والحديث وفي الفقه، متسع الدائرة نقلاً وتحقيقاً، وكان الشيخ الإمام يحل مقداره جدا، ويصفه بالتحقيق مع كثرة النقل، وقال في باب الرهن من تكملة شرح المهذب: اعلم أن صاحب التهذيب (البغوي) قل إن رأيناه يختار شيئاإلّا وإذا بحث عنه وجد أقوى من غيره، وهذا مع اختصار كلامه، وهو يدل على نبل كبير، وهو حري بذلك، فإنه جامع لعلوم القرآن والسنة والفقه– رحمه الله ورحمنا به– إذا صرنا إلى ما صار إليه. انتهى، قال شيخنا الذهبي: ولم يحج، قال: وأظنه جاوز الثمانين، (قلت:) هما إمامان من تلامذة القاضي صاحب التتمة لم يتجاوز اثنين وخمسين سنة، وصاحب التهذيب أظنه أشرف على التسعين."

بغوی جلیل القدر امام، متقی، زاہد، فقیہ، محدث، مفسر اور علم وعمل کے جامع اور سلف کے طریقے کے متبع تھے، فقہ میں بڑی دستگاہ حاصل تھی، قاضی حسین سے فقہ پڑھی تھی، اور ان کے خاص الخاص شاگرد تھے، عسرت سے زندگی گذارتے اور باوضو درس دیتے تھے، حدیث، محدثین کی بہت سی جماعتوں سے سنی تھی، بغداد نہیں پہنچے اگر بغداد میں آ گئے ہوتے تو ان کا نہایت مبسوط تذکرہ لکھا جاتا، دین میں اور تفسیر وحدیث میں ان کا اونچا مقام ہے، اور فقہ میں معلومات کا دائرہ نقل وتحقیق میں بڑا وسیع ہے، اور شیخ امام بھی ان کی بڑی قدر کرتے تھے، اور کثرتِ نقول کے باوجود ان کی تحقیق کی تعریف کرتے تھے، "تکملۃ شرح المهذب" کے باب الرهن میں لکھا ہے کہ: جان لو! ہم نے صاحب التہذیب بغوی کو بہت ہی کم ایسا دیکھا ہے کہ انہوں نے کسی قول کو اختیار کیا ہو، مگر جب اس سے بحث کی گئی تو اس کو اور اقوال کے مقابلہ میں زیادہ قوی پایا، ان کا کلام مختصر ہوتا ہے، اور یہ بات ان کی مہارتِ فن پر دلالت کرتی ہے، وہ اس کے زیادہ لائق ہیں، کیونکہ وہ علومِ قرآن وسنت وفقہ کے جامع تھے، اللہ تعالیٰ ان پر بھی اور ہم پر بھی رحم فرمائے، جب کہ ہم اس کی طرف جائیں جس کی طرف وہ گئے ہیں، انتہیٰ، ذہبیؒ کا قول ہے کہ انہوں نے حج نہیں کیا، اور انہی کا بیان ہے، میرا خیال ہے کہ وہ اسّی سے گذر چکے تھے، میں (امام سبکی) کہتا ہوں وہ دونوں امام قاضی صاحب التتمہ کے شاگرد تھے، جو باون سے متجاوز نہیں ہوئے، اور صاحب التہذیب کے متعلق میرا خیال ہے کہ وہ نوے تک پہنچے تھے۔

وفات:

شوال ۵۱۶ھ = ۱۱۲۲ء میں مرو الرّوذ میں وفات پائی، اور اپنے شیخ قاضی حسینؒ کے پاس طالقان میں دفن ہوئے۔

اور ابوسلیمان خطابی[1] نہایت قابل اعتماد ہیں، ان کا قول محکم اور ان کی بحثیں نہایت پُرمغز ہوتی ہیں، خاص طور سے بغوی کی "شرح السنة" فقہِ حدیث اور حلِ مشکلات میں کافی وشافی ہے، گویا کہ مصابیح اور مشکوٰۃ کی شرح اسی سے ہوجاتی ہے، صحیح مسلم کی شرح امام نوویؒ کی تالیف ہے، اور "معالم السنن" سنن ابی داوٗد کی شرح خطابی کی تصنیف ہے۔

موصوف کے متعلق ابن نقطہ "التقييد" (۱/۳۰۵) میں رقمطراز ہیں: ''وهو إمام من أئمة أهل النقل، حسن التصانيف ''موصوف ائمہ نقل میں سے ایک امام ہیں، بہترین تصانیف والے ہیں۔

موصوف کی تصانیف کے نام درجِ ذیل ہیں:

١۔ إرشاد الأنوار في شمائل النبي المختار، ٢۔ ترجمة الأحكام في الفروع، ٣۔ التهذيب في الفروع، ٤۔ الجمع بين الصحيحين البخاري ومسلم، ٥۔ شرح السنة، ٦۔ الكفاية في الفقه، ٧۔ الكفاية في القرأة، ٨۔ مصابيح السنة، ٩۔ معالم التنزيل، ١٠۔ معجم الشيوخ .

موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: ۱- وفيات الأعيان: ۱/۴۰۲، ۲- طبقات الشافعية: ۴/۲۱۴-۲۱۷، ۳- تذكرة الحفاظ: ۴/۵۲-۵۳، ۴-البداية والنهاية: ۱۲/۱۹۳، ۵- المختصر في أخبار البشر: ۲/۲۱۳، ۶- طبقات الشافعية: ۷۴، ۷- مرآة الجنان: ۳/۲۱، ۸-النجوم الزاهرة: ۵/۲۲۳-۲۲۴، ۹- شذرات الذهب: ۴/۴۸-۴۹، ۱۰- مفتاح السعادة: ۱/۴۳۵، ۱۱- روضات الجنات: ۲۴۶-۲۴۸، ۱۲- إتحاف النبلاء: ۲۴۴، ۱۳- هدية العارفين: ۱/۳۱۲، ۱۴- تاريخ الإسلام: ۱۱/۲۵۰، ۱۵- الإعلام بوفيات الأعلام: ۲۱۱۔

(۱)　نام ونسب:

حمد نام، ابوسلیمان کنیت ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''حمد بن محمد بن ابراہیم بن خطاب البستی الخطابی الشافعی''

ولادت وتحصیل علم:

۳۱۹ھ=۹۳۱ء میں بُست جو بلادِ کابل میں سے ہے پیدا ہوئے، اور علوم دینیہ کی تحصیل میں بلادِ اسلامیہ حجاز، بغداد، بصرہ اور نیشاپور وغیرہ کا سفر کیا، ائمہ فن سے علوم وفنون کی تکمیل کی، پھر درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا شغل اختیار کیا۔

تبحر علمی:

حافظ ذہبیؒ تذكرة الحفاظ (۳/۱۰۱۸) میں لکھتے ہیں: ''كان ثقةً متثبتًا من أوعية العلم، قد أخذ اللغة عن أبي عمر الزاهد ببغداد، والفقه عن أبي علي بن أبي هريرة والقفال، وله شعر جيّد. ''

خطابی متقن، ثقہ اور علم کے خزانہ تھے، لغت کی تعلیم بغداد میں ابوعمر زاہد سے پائی تھی، اور فقہ ابوعلی بن ابو ہریرہ اور قفال سے پڑھی تھی، اور ان کے شعر بھی اچھے ہیں۔

عبدالکریم السمعانی "الأنساب" (نسبت بستی) میں رقمطراز ہیں: " أدرك أبا سعيد بن الأعرابي وأبابكر بن داسة بالبصرة، روى عنه عبد الغافر بن محمد الفارسي، وأبو عمرو محمد بن عبد الله الرزجاهي. "

مکہ معظمہ میں ابوسعید بن الاعرابی سے اور بصرہ میں ابوبکر بن داسہ سے استفادہ کیا، ان سے عبدالغافر بن محمد فارسی اور ابوعمرو محمد بن عبداللہ رزجاہی روایت کرتے ہیں۔

یاقوت رومی "معجم الأدباء" میں ابوالمظفر سمعانی سے ناقل ہیں، وہ فرماتے ہیں: "كان حجةً صدوقًا، رحل إلى العراق والحجاز، وجال في خراسان، وخرج إلى ماوراء النهر. "

خطابی صدوق اور حجت تھے، عراق وحجاز تک سفر کیا تھا، خراسان میں گھومے پھرے تھے، اور ماوراء النہر کی طرف بھی گئے تھے۔

ابومنصور ثعالبی (المتوفی ۴۲۹ھ) "يتيمة الدهر" (۳۳۴/۴) میں لکھتے ہیں: "كان يُشبّه في عصرنا بأبي عبيد القاسم بن سلّام في عصره علما، وأدبا، وزهدا، وورعا، وتدريسا، وتأليفا، إلّا أنه كان يقول شعراً حسنا، وكان أبو عبيد مفحما ...... كتابه غريب الحديث هو في غاية الحسن والبلاغة. "

خطابی کو ہمارے زمانے میں علم، ادب، زہد وورع، درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں ابوعبید بن القاسم بن سلام سے تشبیہ دی جاتی تھی، مگر اتنا فرق تھا کہ خطابی شعر بھی اچھے کہتے تھے، اور ابوعبید شعر کہنے پر قادر نہیں تھا، ان کی کتاب غریب الحدیث بہت ہی عمدہ ہے، اور بلاغت کے اعتبار سے بھی خوب ہے۔

حافظ ابن کثیر "البداية والنهاية" (۳۲۴/۱۱) میں رقمطراز ہیں: "أبوسليمان حمد ...... البستي أحد المشاهير الأعيان والفقهاء المجتهدين المكثرين " ربیع الاول ۳۸۸ھ = ۹۹۸ء میں بست میں انتقال ہوا۔

ان کی تالیفات میں سے حسب ذیل کتابیں مشہور ہیں:

۱- "معالم السنن "، جو سنن ابی داؤد کی شرح ہے، حلب سے شائع ہوچکی ہے، اس کے متعلق محمد بن حسن صغانی لاہوری (المتوفی ۶۵۰ھ) فرماتے تھے: "إن الخطابي جمع لهذا الكتاب جراميزه " خطابی نے اس کتاب میں سب ہی کچھ لے لیا (معجم الادباء: ۱۲۸/۳، طبع مصر ۱۹۲۷ء) ۲۔ إصلاح غلط المحدثين، ۳۔ إعلام السنن، ٤۔ شرح أسماء الله الحسنى، ٥۔ عجالة العالم من كتاب المعالم، ٦۔ غريب الحديث، ۷۔ كتاب الجهاد، ۸۔ كتاب العزلة، ۹۔ كتاب النجاح، ۱۰۔ كتاب الغيبة عن الكلام وأهله.

موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: ۱۔ يتيمة الدهر: ٤/ ۳۳٤، ۲۔ الأنساب: (نسبت بستی)،

علمائے حنفیہ میں سے امام طحاوی [1] شرح احادیث میں سب سے مقدم اور سب کے پیشوا ہیں، اس باب میں ان کی کتاب ''معاني الآثار'' حنفیہ کی گویا دستاویز ہے۔

۳۔ فهرست ابن خير: ۱۰۲،طبع سرقسطه، ٤۔ المنتظم:٦/۳۹۷، ٥۔ وفيات الأعيان:۱/۲۰۸-۲۰۹، ٦۔معجم الأدباء: ٤/ ٢٤٦ - ٢٦٠، ٧۔ أنباه الرواة للقفطي:١/١٢٥، ٨۔ البداية والنهاية:١١/٢٣٦، ٩۔ طبقات الشافعية الكبرى:٢ /٢١٨ - ٢٢٢، ١٠۔ تذكرة الحفاظ:٣/ ٢٠٩ - ٢١١، ١١۔ بغية الوعاة: ٢٣٩ ، ١٢۔شذرات الذهب:٣ /١٢٧ - ١٢٨، ١٣۔ مفتاح السعادة:١/ ٤٠٣، ١٤۔ روضات الجنات: ٢٦٢، ١٥۔هدية العارفين:١/ ٦٨، ١٦۔ تاريخ الإسلام:٨/ ٦٣٢ ، ١٧۔ الإعلام بوفيات الأعلام:١٦٤.

(۱) امام احمد بن محمد بن سلامہ طحاویؒ کے متعلق علامہ ذہبیؒ "تاريخ الاسلام" (۷/۴۳۹) میں رقمطراز ہیں:

''أحمد بن محمد بن سلامة ...... الطحاوي الفقيه، الحنفي، المحدث، الحافظ ، أحد الأعلام ...... قال ابن يونس: وُلِد سنة تسع وثلاثين ومئتين، وتوفّي في مستهل ذي القعدة، قال: وكان ثقةً ثبتًا، فقيهاً عاقلاً لم يُخلف مثله، وقال أبو اسحق الشيرازي: انتهت إلى أبي جعفر رياسة أصحاب أبي حنيفة بمصر ...... ومن نظر في تصانيف أبي جعفر- رحمه الله- علم محله من العلم وسعة معرفته.''

احمد بن محمد بن سلامۃ طحاوی ،فقیہ، حنفی، محدث، حافظ، علماء اعلام میں سے ایک ہیں، ابن یونس کہتے ہیں کہ موصوف کی ولادت ۲۳۹ھ کو ہوئی، اور ذیقعدہ کے شروع میں انتقال ہوا، فرمایا کہ موصوف ثقہ، ثبت، فقیہ اور قابل اعتماد تھے، اپنے جیسا کوئی خلیفہ نہیں چھوڑا، ابو اسحٰق شیرازی کہتے ہیں کہ مصر میں امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں کی سیادت ان پر ختم ہوگئی، جو ابوجعفر رحمہ اللہ کی تصانیف کا غور سے مطالعہ کریں، وہ علم میں ان کے مقام اور وسعت ومعرفت کو پہچان لے گا۔

موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: ١۔ الحاوي في سيرة الإمام أبي جعفر الطحاوي ازمحمد زاہد کوثری، ٢۔ مقدمة أماني الأحبار شرح معاني الآثار ازمولانا محمد یوسف دہلویؒ، ٣۔ الفهرست:٢٠٧، ٤۔ طبقات الفقهاء للشيرازي:١٢٠، ٥۔ الجواهر المضيئة:١/١٠٢ - ١٠٥، ٦۔ وفيات الأعيان:١/٢٣، ٧۔ تذكرة الحفاظ:٣/٢٨- ٢٩، ٨۔ البداية والنهاية:١١/١٧٤، ٩۔ النجوم الزاهرة:٣/٢٤، ١٠۔ المختصر في أخبار البشر:٢ /٢٨، ١٣۔ تاج التراجم لقاسم بن قطلوبغا الحنفي:٦، ١٤۔ الفوائد البهية:٣١ - ٣٤، ١٥۔ المنتظم ١٣/ ٣١٨، رقم: ٢٣٢١، ١٦۔ الإعلام بوفيات الأعلام:١٣٦.

ابن عبدالبرؒ [1] مالکیہ میں سب سے پیش پیش ہیں، اور اس موضوع پر ''الاستذکار'' اور ''التمہید'' ان سے یادگار ہیں۔

---

(۱) نام ونسب:

یوسف نام، ابوعمر کنیت اور ابن عبدالبر عرف ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر ابن عاصم النمری القرطبی۔''

ولادت وتحصیل علم:

موصوف ۳۶۸ھ = ۹۷۸ء میں پیدا ہوئے، علوم اسلامیہ کی تحصیل ائمہ فن سے کی، اور ہر فن میں بصیرت ومہارت پیدا کی، پھر درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا شغل اختیار کیا، ایک زمانہ تک عہدۂ قضا پر بھی فائز رہے، مگر درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا سلسلہ برابر جاری رہا، ان کے علم سے عالَم کو فائدہ پہنچا ہے، ابوعلی حسین غسانی کا بیان ہے:

''وأبو عمر شيخنا ...... من أهل قرطبة، بها طلب وتفقه، ولزم أبا عمر أحمد بن عبد الملك بن هاشم الفقيه الأشبيلي، وكتب بين يديه، ولزم أبا الوليد بن الفرضي الحافظ، وعنه أخذ كثيراً من علم الحديث، ودأب أبو عمر في طلب العلم، وافتنّ فيه، وبرع براعة فاق فيها من تقدمه من رجال الأندلس، وألف في الموطأ كتبا مفيدا، منها كتاب "التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد"، ورتبه على أسماء شيوخ مالك على حروف المعجم، وهو كتاب لم يتقدمه أحد إلي مثله وهو سبعون جُزأ.'' (كتاب الصلة: ۲/۶۴۱)

اہل قرطبہ میں سے ہمارے شیخ ابن عبدالبر نے قرطبہ میں فقہ کی تحصیل کی، اور اس میں بصیرت پیدا کی، اور فقیہ اشبیلی ابوعمر احمد بن عبدالملک بن ہاشم کی صحبت اختیار کی، اور ان کے سامنے بیٹھ کر لکھا، حافظ ابوالولید ابن فرضی کی صحبت میں رہے، ان سے ادب اور حدیث کی بہت کچھ تحصیل کی، اور علم کی طلب میں لگے رہے، پختہ استعداد پیدا کر لی، اور ایسی مہارت بہم پہنچائی کہ علوم میں قدماءِ اندلس سے آگے نکل گئے، موطأ کے مباحث میں کئی مفید کتابیں تالیف کیں، ان میں سے کتاب ''التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد'' ہے، جس کو موصوف نے امام مالکؒ کے شیوخ پر حروفِ تہجی کے اعتبار سے مرتب کیا ہے، یہ ایسی کتاب ہے کہ اس سے پہلے کسی نے ایسی کتاب نہیں لکھی ہے، یہ ستر جزء میں ہے۔

فقیہ ابوالولید باجی فرماتے ہیں: ''لم يكن بالأندلس مثل أبي عمر في الحديث''

(تذكرة الحفاظ: ۳/۱۱۲۹)

اندلس کے اندر حدیث میں ابوعمر کے مثل نہیں تھا۔

علامہ ابن حزم اندلسیؒ سے منقول ہے: ''التمهيد لصاحبنا أبي عمر لا أعلم في الكلام على فقه

....

الحديث مثله أصلاً فكيف أحسن منه، وكتاب الاستذكار وهو اختصار التمهيد، وله تواليف لامثل لها في جمع معانيها." (تذكرة الحفاظ: ۳/۱۱۲۹)

فقہ حدیث پر کلام میں ہمارے استاد ابوعمر کی کتاب "التمهيد" کے مثل میرے علم میں ہرگز کوئی کتاب ہی نہیں ہے، اس سے بہتر تو کیا ہوسکتی ہے، اور کتاب "الاستذکار" وہ تمہید کا خلاصہ ہے، اوران کی دیگر تالیفات کی بھی معانی اور حقائق کی جامعیت کے اعتبار سے نظیر نہیں ہے۔

حافظ ابوعبداللہ حمیدیؒ کا بیان ہے: "أبو عمر فقيه، حافظ، مكثر، عالم بالقراء ات، وبالخلاف وبعلوم الحديث والرجال، قديم السماع، يميل في الفقه إلى أقوال الشافعي- رحمه الله-." (تذكرة الحفاظ: ۳/۱۱۳۰)

ابوعمر فقیہ، حافظ، بکثرت روایتیں بیان کرنے والے، قرأت، خلافیات، علوم حدیث اور علم رجال کے عالم اور قدیم السماع تھے، فقہ میں امام شافعی کے اقوال کی طرف میلان رکھتے تھے۔

ابوسعد عبدالکریم السمعانی "الأنساب" (نسبت قرطبی) میں رقمطراز ہیں: "أبوعمر يوسف بن عبد الله ابن عبد البر النمري الأندلسي القرطبي الحافظ، كان إمامًا، فاضلاً، جليل القدر، صنّف التصانيف".

حافظ ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر نمری اندلسی قرطبی، امام وفاضل اور جلیل القدر تھے، بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔

شمس الدین احمد بن خلکان (المتوفی ۶۸۱ھ) "وفيات الأعيان" (۶/۶۹) میں لکھتے ہیں: "كان موفقا في التأليف، معاناعليه ونفع الله به وكان مع تقدمه في علم الأثر وبصره بالفقه ومعاني الحديث له بسطة كثيرة في علم النسب، وفارق قرطبة وجال في غرب الأندلس مدة، ثم تحول إلى شرق الأندلس، وسكن دانية من بلادها، وبلنسية وشاطبة في أوقات مختلفة، وتولى قضاء الأشبونة وشنترين في أيام ملكها المظفر بن الأفطس."

تصنیف وتالیف میں توفیق الٰہی موصوف کے شاملِ حال تھی، اوراس میں انہیں تائید الٰہی حاصل تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کی تصانیف سے فائدہ پہنچایا، علم حدیث میں برتری اور فقہ ومعنی حدیث میں بصیرت کے باوجود ان کو علم الانساب میں بڑی دستگاہ حاصل تھی، انہوں نے قرطبہ کو چھوڑا، اور ایک زمانہ تک غرب اندلس میں گھومے، پھر شرق اندلس میں آ گئے، اور مختلف اوقات میں دانیہ، بلنسیہ اور شاطبہ میں رہے، اور سلطان مظفر بن افطس کے دور حکومت میں اشبونہ اور شنترین میں عہدۂ قضا پر بھی فائز رہے۔

مورخ شمس الدین ذہبیؒ ''تذكرة الحفاظ'' (ص:۱۱۳۰) میں تحریر فرماتے ہیں: ''كان ديّناً صيّناً ثقةً حجة، صاحب سنة واتباع، وكان أولا ظاهريا أثريا، ثم صار مالكياً مع ميل كثير إلى فقه الشافعي.''

ابن عبدالبر متدین محتاط، ثقہ، حجت، سنت کے متبع اور والا وشیدا تھے، ابتدا میں ظاہری اثری تھے، پھر مالکی بن گئے، ساتھ ساتھ فقہ شافعی کی طرف بھی بہت میلان تھا۔

مورخ موصوف ''العبر في خبر من غبر'' (۳/۲۵۵) میں رقمطراز ہیں: ''ليس لأهل المغرب أحفظ منه مع الثقة والدين والنزاهة والتبحر في الفقه والعربية والأخبار.''

ثقاہت، دین داری، پاکیزگی، فقہ، عربیت اور تاریخ میں مہارت وتبحر کے باوجود اہل مغرب میں حدیث کا ان سے بڑھ کر کوئی حافظ نہ تھا۔

علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی (المتوفی ۱۰۹۹ھ) ''شرح المواهب اللدنية'' (۱/۱۲۷) میں لکھتے ہیں:

''شيخ الإسلام أبو عمر الحافظ ...... الفقيه المكثر العالم بالقراء ات والحديث والرجال والخلاف، الديّن، الصين، صاحب السنة والاتباع والتصانيف الكثيرة، ساد أهل الزمان في الحفظ والإتقان، وانتهى إليه مع إمامته علو الإسناد .''

شیخ الاسلام ابوعمر حافظ ......فقیہ، کثرت سے حدیثیں بیان کرنے والے، قرأت، حدیث، رجال اور خلافیات کے عالم، متدین محتاط، سنت کے شیدا ودلدادہ اور بہت سی کتابوں کے مصنف تھے، اہل زمانہ سے حفظ واتقان میں فائق تھے، علو اسناد کی امامت ان پر ختم تھی۔

حافظ سید عبدالحی کتانی ''فهرس الفهارس والأثبات'' (۲/۸۴۲-۸۴۳) میں لکھتے ہیں:

''هو الإمام، حافظ الأندلس، فخر المالكية، شيخ الإسلام أبو عمر ...... المالكي صاحب التآليف العديمة النظير في الإسلام ، ولد سنة ٣٦٨هـ، ومات ٤٦٣هـ، فعاش مائة سنة، قال فيه الحافظ الذهبي في كتابه "سير أعلام النبلاء": علاسنده، وجمع، وصنف، ووثق، وضعف، وسارت بتصانيفه الركبان، وخضع لعلمه علماء الزمان، وكان أولاً ظاهرياً فيما قيل، ثم تحول مالكياً مع ميل بيّن إلى فقه الشافعي في مسائل، ولاينكر له ذلك؛ فإنه ممن بلغ رتبة الأئمة المجتهدين، ومن نظر مصنفاته بَانَ له منزلته من سعة العلم وقوة الفهم وسيلان الذهن، اهـ وقد ترجمه الحافظ ابن كثير في طبقات الشافعية، قال: ولايشك أنه مالكي المذهب، والحامل على إيراده مع الشافعية قول أبي عبدالله الحميدي: كان

....

يـميل في الفقه إلى مذهب الشافعية، ومن جملة ميله تصنيفه في الجهر بالبسملة، وانتصاره لذلك، اهـ وفی "الرحلة الـنـاصرية" لابن عبد السلام: ياعجباً من غيرة الشافعية على من رأوه حافظًا في مذهب غيرهم، فهذا السبكي ترجم لابن عبد الحكم وابن دقيق العيد وغيرهم من المالكية في طبقات الشافعية، بل وترجموا للمجتهدين الذين لم يتمذهبوا إلّا بالحديث، كبعض أرباب الكتب الستة، كابن خزيمة وأضرابهم اهـ وأقول من تتبع كتب ابن عبد البر علم أنه أبعد الناس عن التقليد الأعمى، والاسترسال فيه، وتحقق أنه كان يختار مع اعتماده ورجوعه لأصول مالك ومذهبه،- رحمه الله- وأقل نظرة يرسلها الرجل في كتاب فضل العلم له يرى الأمر جلياً''.

وہ امام حافظ اندلس، فخرِ مالکیہ، شیخ الاسلام ابوعمر...... مالکی، اسلام میں بے مثل تصانیف کے مصنف ۳۶۸ھ میں پیدا ہوئے، اور ۴۶۳ھ میں وفات پائی، سو برس تک زندہ رہے تھے، ان کے متعلق حافظ ذہبیؒ نے اپنی کتاب ''سیــر أعــلام الـنبـلاء'' میں لکھا ہے کہ ان کی سند عالی ہے، انہوں نے حدیثیں جمع کیں، کتابیں لکھیں، توثیق وتضعیف کی، ان کی تصانیف کو سوار لے اڑے، علماءِ زمانہ نے ان کی علمیت کا لوہا مانا، یہ ابتداء میں ظاہری تھے، جیسا کہ بعض علماء کا بیان ہے، پھر مالکی ہو گئے تھے، اس طرح پر کہ مسائل میں فقہ شافعی کی طرف میلان تھا، اور اس کا کوئی انکار نہیں کرتا ہے، کیونکہ یہ تو ائمہ مجتہدین کے مرتبہ کو پہنچے ہوئے تھے، جو کوئی ان کی تصانیف میں غور کرے گا، اس کو ان کی وسعتِ علمی، قوتِ فہم اور ذہن کی سرعت وتیزی کا اندازہ ہو جائے گا، ان کا مرتبہ روشن ہو جائے گا، حافظ ابن کثیر نے طبقات الشافعیہ میں ان کا تذکرہ کیا ہے، اور لکھا ہے کہ بلاشبہ ان کا مسلک مالکی ہے، لیکن ان کو طبقات الشافعیہ میں ذکر کرنے کا سبب ابوعبداللہ حمیدی کا یہ قول ہے کہ یہ فقہ میں مذہب شافعی کی طرف مائل تھے، ان کے میلان کی منجملہ اور باتوں کے ایک یہ بھی ہے کہ انہوں نے جہر بسملہ پر کتاب لکھی ہے، اور اس میں مخالفین کی خوب خبر لی ہے، ابن عبدالسلام نے رحلۂ ناصریہ میں لکھا ہے کہ شافعیہ کی غیرت پر کس قدر تعجب ہے کہ انہوں نے جس کسی کو غیر مذہب میں حافظ دیکھا، اس کو شافعیہ میں سے قرار دے لیا، چنانچہ اس سبکی نے ابن عبدالحکم، ابن دقیق العید وغیرہ مالکیہ کو طبقات الشافعیہ میں ذکر کیا ہے، بلکہ ان ائمہ مجتہدین کو جن کا مسلک عمل بالحدیث تھا، جیسے بعض ارباب صحاح ستہ مثلاً ابن خزیمہ اور ان کے ہم عصر، میں کہتا ہوں: جس نے ابن عبدالبر کی کتابوں کا تتبع کیا ہے، اس کو علم ہو گیا ہوگا کہ وہ اندھی تقلید سے کوسوں دور تھا، اور اس پر یہ حقیقت واضح ہوگئی ہوگی کہ وہ اصول مالک اور مذہب مالک سے مراجعت کر کے اپنے اعتماد پر کوئی قول اختیار کرتا، جو شخص کم از کم اس کی کتاب فضل العلم ہی پر ایک نظر ڈالے گا وہ اس حقیقت کو کھلم کھلا دیکھے گا۔

ابن عبدالبر اور ابوبکر خطیب بغدادی دونوں معاصر تھے، ایک حافظ مغرب اور دوسرا حافظ مشرق کے لقب سے علمی دنیا میں مشہور ہیں، دونوں امام فن تھے۔

....

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ "تاریخ الاسلام" (۱/۲۰۰-۲۰۲) میں لکھتے ہیں: "قال طاهر بن مُفوز: سمعته يقول: وُلدت يوم الجمعة والإمام يخطب لخمس بقين من ربيع الأول سنة ثمان وستين وثلاث مأة ...... وكان مع إمامته وجلالته أعلى أهل الأندلس إسنادًا في وقته ...... قلت: وجميع شيوخه الذين حمل عنهم لايبلغون سبعين نفساً، ولارحل في الحديث، ومع هذا فما هو بدون الخطيب، ولا البيهقي، ولا ابن حزم في كثرة الاطلاع، بل قد يكون عنده ماليس عندهم مع الصدق والديانة والتثبت وحسن الاعتقاد."

طاہر بن مفوز کہتے ہیں کہ میں نے موصوف کو فرماتے ہوئے سنا کہ میری پیدائش جمعہ کے دن خطبہ کے دوران ۲۵ ربیع الاول ۳۶۸ھ کو ہوئی، اور امامت وجلالت کے باوجود اپنے زمانے میں اہل اندلس میں سب سے عالی سند رکھتے تھے، میں کہتا ہوں کہ موصوف کے تمام شیوخ کی تعداد جن سے انہوں نے روایت لی ہے ستر کو بھی نہیں پہنچتی، انہوں نے طلب حدیث کے لیے سفر بھی نہیں کیا، اس کے باوجود کثرت اطلاع میں خطیب، بیہقی اور ابن حزم سے کم نہیں، بلکہ کبھی ان کے پاس ان کے صدق، دیانت، تثبت اور حسن اعتقاد کے باوجود وہ چیزیں مل جاتی ہیں جو ان کے پاس نہیں ملتی ہیں۔

نواب صدیق حسن خان "إتحاف النبلاء المتقين" (ص:۴۴) میں لکھتے ہیں:

"وی اگر چہ معاصر خطیب بغدادی ست، اما طلبش علم حدیث را قبل از تولّد خطیب است، اکثر مورّخین نوشتہ اند کہ از اندلس نہ برآمدہ، وجز ہفتاد کس را از علمائے وقتِ خود ندیدہ، واز غیر ایشاں علم نیاموختہ، وبا ایں ہمہ در علم کمتر از خطیب وبیہقی بلکہ ابن حزم نیست، بلکہ بعض چیزہا نزد اوست کہ نزدِ دیگراں نیست، وصدق ودیانت وحُسنِ اعتقاد واتباعِ سنت کہ اورا نصیب بود کم کسی را از علماء روزی شدہ۔"

وہ اگر چہ خطیب بغدادی کے معاصر ہیں لیکن حدیث کی تحصیل انہوں نے خطیب کی ولادت سے پہلے کی ہے، اکثر مورخین نے لکھا ہے کہ وہ اندلس سے باہر نہیں نکلے، اور بجز اپنے وقت کے ستر علماء کے اور کسی کو نہیں دیکھا، اور نہ ان کے سوا کسی سے کچھ سیکھا، اس کے باوجود وہ خطیب اور بیہقی بلکہ ابن حزم سے بھی کم نہیں ہیں، بعض چیزیں ان کے یہاں ایسی ہیں کہ اوروں کے پاس نہیں ہیں، راست گفتاری، دیانت داری، حسن اعتقاد اور اتباع سنت سے بھی انہیں حصہ وافر ملا تھا کہ علماء میں سے کم کسی کو ملا ہوگا۔

علامہ ابن عبد البر کا انتقال شبِ جمعہ کو ربیع الآخر ۴۶۳ھ = ۱۰۷۱ء میں ہوا، اور اس سال حافظِ مشرق علامہ خطیب بغدادی نے وفات پائی۔

حدیث کی کتابوں کی شرح بہت سے علماء نے لکھی ہیں[1]، جن کے ناموں اور ان کی کتابوں کا شمار سردست امکان سے باہر ہے، ہر ایک کا اسلوب بیان نرالا ہے، لیکن وہ سب ان ہی چند علماء کے خوشہ چین اور زلّہ ربا ہیں، لہٰذا ان محققین علماء کی تصانیف دستیاب ہو جائیں تو متاخرین کے تکلّفات اور تصنّعات کی حاجت نہیں رہتی ہے۔

تالیفات:

موصوف کی تالیفات میں سے حسب ذیل کتابیں مشہور ہیں:

١ ـ الأجوبة المرعبة على المسائل المستغربة من صحيح البخاري، ٢ ـ الاستذكار لمذاهب أئمة الأمصار وفيما تضمنه الموطأ من المعاني والآثار، ٣ ـ الاستيعاب في معرفة الأصحاب، ٤ ـ الانتقاء في فضائل الأئمة الثلاثة الفقهاء، ٥ ـ الإنصاف فيما بين العلماء من الاختلاف، ٦ ـ بهجة المجالس وأنس الجالس، ٧ ـ البيان في تأويلات القرآن، ٨ ـ التغطّا بحديث الموطأ، ٩ ـ التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد، ١٠ ـ جامع بيان العلم وفضله وما ينبغي في روايته وحمله، ١١ ـ الدرر في اختصار المغازي والسير، ١٢ ـ القصد والأمم إلى أنساب العرب والعجم، ١٣ ـ الكافي في فروع المالكية، ١٤ ـ كتاب الاستظهار في حديث عمار، ١٥ ـ كتاب العقل، ١٦ ـ كتاب الفرائض، ١٧ ـ كتاب الكنى، ١٨ ـ كتاب المدخل في القراءات، ١٩ ـ كتاب الشواهد في إثبات خبر الواحد، ٢٠ ـ كتاب الاكتفاء في قراءة نافع وأبي عمرو .

موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: ١ ـ كتاب الصلة: ٤٠ - ٤٢، ٢ ـ بغية الملتمس: ٤٧٦ - ٤٧٧، ٣ ـ جذوة المقتبس: ٣٤٤ - ٣٤٦، ٤ ـ مطمح الأنفس: ٦١ - ٦٢، ٥ ـ وفيات الأعيان: ٢/٤٥٨، ٦ ـ تذكرة الحفاظ: ٣/٣٠٦ - ٣٠٩، ٧ ـ البداية والنهاية: ١٢/١٠٤، ٨ ـ شذرات الذهب: ٣/٣١٤ - ٣١٦، ٩ ـ الديباج المذهب: ٣٥٧ - ٣٥٩، ١٠ ـ روضات الجنات: ٢٣٩، ١١ ـ فهرس الفهارس: ٢/٨٤٢ - ٨٤٣، ١٢ ـ التاج المكلل: ١٥٣ - ١٥٥، طبع بمبئی، ١٣ ـ أخبار وتراجم أندلسية: ٤٣ - ٤٤، ١٤ ـ الإعلام بوفيات الأعلام: ١٩١.

(۱) فقہاء محدّثین: شاہ عبدالعزیزؒ نے فقہاء محدّثین کے سلسلے میں چند ہی ناموں پر اکتفا کیا ہے، ہم نے اس سلسلہ میں چند ناموں کا اضافہ کر کے بڑی حد تک اس خلاء کو پُر کیا ہے جو اس میں رہ گیا تھا، احنافؔ میں سے ان ممتاز فقہاءِ محدثین کا تذکرہ کیا ہے، جن کو توجیہ اور شرح حدیث میں امامت کا درجہ حاصل ہے، مالکیہؔ میں سے بعض ایسے علماء کا ذکر کیا ہے، جن کو شرح معانی حدیث میں پوری پوری دستگاہ حاصل تھی، شافعیہؔ میں سے بھی چند علماء کے حالات لکھے ہیں جن

کی دقیقہ سنجی اور نکتہ آفرینی کا ہر شخص کو اعتراف ہے، اس طرح حنبلی فقہاء محدثین میں سے معدودے چند علماء کے متعلق کچھ لکھا ہے، جن کو توجیہ اور شرح حدیث میں خاص ملکہ حاصل تھا، ظاہری علماء میں سے ابن حزم کو لیا ہے، یہ بھی بعض موقع پر بڑی عمدہ شرح کرتے ہیں۔

فقہاء محدثین حنفیہ

۱- ملک العلماء کاشانی

نام ونسب:

ابوبکر کنیت ہے، لیکن یہ بطور علَم استعمال ہوتی ہے، علاء الدین اور ملک العلماء لقب ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے:

''ابوبکر بن مسعود احمد الکاسانی۔''

شرح تحفۃ الفقہاء:

موصوف ''کاشان'' میں پیدا ہوئے، اور اپنے زمانہ کے اربابِ کمال سے علوم کی تحصیل کی، فقیہ علاء الدین محمد صاحب ''تحفة الفقهاء'' ابوالمعین، میمون، مکحول اور مجد الائمہ سرخسی سے فقہ کی تکمیل کی، اور فقہ میں ایسا کمال بہم پہنچایا کہ تحفة الفقهاء کی ''بدائع الصنائع'' کے نام سے بے نظیر شرح لکھ کر اپنے استاد علاء الدین محمد سمرقندی کی دختر نیک اختر فاطمہ سے جو اپنے زمانے میں حسن وجمال میں یکتا ہی نہ تھی، بلکہ فضل وکمال اور فقیہانہ بصیرت میں بھی اپنی نظیر نہیں رکھتی تھی، چنانچہ باپ کے فتوے پر اس کے بھی دستخط ہوتے تھے، شادی کی، شاہانِ روم کی طرف سے فاطمہ کے پیغام آئے، لیکن علامہ علاء الدین سمرقندیؒ نے ان کی غیر معمولی شرح کو جب دیکھا، تو خوش ہو کر اپنی لڑکی کو ان سے بیاہ دیا، اور اس شرح کو مہر قرار دیا، جب شادی ہوگئی تو فتویٰ باپ بیٹی اور داماد تینوں کے دستخطوں سے شائع ہونے لگا، فاطمہ ایسی فقیہ اور محدثہ تھیں کہ جب علامہ کاشانی سے فتویٰ میں غلطی ہو جاتی، تو وجہ غلطی کو یہی بتاتی تھیں۔

علامہ کاشانی کی وسعتِ نظر کا اندازہ مورخ ابن العدیم کے بیان سے ہوسکتا ہے، وہ لکھتے ہیں: ''علامہ کاشانی جب دمشق پہنچے تو وہاں کے فقہاء بھی ان سے بحث کرنے آئے، علامہ نے فرمایا: میں اس مسئلہ میں بحث نہیں کروں گا جس کی طرف امام ابوحنیفہ کے شاگردوں میں سے کوئی گیا ہوگا، چنانچہ انہوں نے بہت سے مسائل ان کے سامنے پیش کئے، اور انہوں نے ہر ایک مسئلہ میں یہ ثابت کیا کہ اس کی طرف امام اعظمؒ کا فلاں فلاں شاگرد گیا ہے، بس اسی پر مناظرہ ختم ہوگیا''

(الجواہر المضیۃ: ۲/۲۴۵)

....

حافظ ابن ابی الوفا قرشی (المتوفی ۷۷۵ھ) نے ''الجواهر المضية في طبقات الحنفية'' میں فقیہ رضی الدین سرخسی صاحب المحیط کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ جب حلب میں فضا سرخسیؒ کے موافق نہ رہی، تو ملک نور الدین محمود زنگیؒ نے حلاویہ میں منصب تدریس کے لیے علامہ علاء الدین کاشانی کا انتخاب کیا، اور موصوف نے تاحیات اسی مدرسہ میں درس دیا۔

وفات:

ان کے انتقال کا بھی عجیب واقعہ ہے، مورخ ابن العدیم فرماتے ہیں: ''میں نے ضیاء الدین حنفی سے سنا ہے، وہ کہتے تھے کہ جب علامہ کاشانی کی موت کا وقت قریب تھا، تو میں ۱۰ رجب ۵۸۷ھ کو ان کے پاس گیا، اس وقت وہ سورۂ ابراہیم پڑھ رہے تھے، جب آیتِ کریمہ ''يثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت'' پر پہنچے، تو روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی۔'' (الجواہر المضیہ: ۲/۲۴۵)

علامہ کاشانیؒ حلب کے قبرستان ظاہریہ میں مقام ابراہیم خلیل اللہ میں اپنی بیوی فاطمہ کے پاس مدفون ہیں، ان کی بیوی چونکہ پہلے فوت ہوئی تھی، لہٰذا ان کا دستور تھا کہ ہر جمعرات کو ان کی قبر کی زیارت کرتے تھے، حلب میں آج بھی دونوں قبریں زیارت گاہِ خلائق ہیں، اور لوگوں میں خاوند بیوی کی قبر کے نام سے مشہور ہیں۔

مؤرخ حلب محمد راغب طباخ نے ''أعلام النبلاء بتاريخ حلب الشهباء'' (۴/۳۰۷، طبع حلب ۱۳۴۳ھ) میں لکھا ہے کہ ان کی قبر مقام ابراہیم خلیل اللہ کی طرف داخل ہوتے وقت دائیں جانب کو ہے، اور ان کی قبر پر جو کتبہ لگا ہوا ہے اس میں حسب ذیل عبارت کندہ ہے:

۱۔ بسم الله الرحمن الرحيم، أمر بعمارة مولانا الملك .

۲۔ الظاهر غياث الدنيا والدين أبو الفتح غازي.

۳۔ ابن الملك الناصر خلّد الله ملكه في سنة أربع وتسعين وخمس مائة .

فقہ حنفی کا دائرۃ المعارف:

موصوف کی تالیفات میں سے ''بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع'' بڑی معرکۃ الآراء اور مقبول کتاب ہے، اس میں مسائل فقہ سے بحث ہے، لیکن جابجا حدیث کی شرح اور توجیہ بھی خوب کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ متون حدیث کی شرح میں موصوف کو خاص ملکہ حاصل تھا، حاجی خلیفہ ''کشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون'' (۱/۳۷۱) میں لکھتے ہیں: ''هذا الشرح تأليف يطابق اسمه معناه'' یہ شرح ایسی تالیف ہے جو اسم با مسمّٰی ہے۔

فقیہ شام علامہ ابن عابدین ''رد المحتار على الدر المختار'' میں رقمطراز ہیں: ''هذا الكتاب جليل

....

الشان لم أر له نظيراً في كتبنا'' یہ ایسی جلیل القدر کتاب ہے جس کی نظیر ہماری کتابوں میں نہیں ہے۔

حافظ سید عبدالحی کتانی کا بیان ہے: ''بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع للإمام علاء الدين بن مسعود الكاشاني وهو كتاب عظيم، ليس له نظير في كتب الحنفية'' (۱/۲۲،التراتيب الادارية،طبع فاس ۱۳۴۰ھ)

امام علاء الدین بن مسعود الکاشانی کی کتاب ''بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع'' نہایت عظیم الشان کتاب ہے، حنفیوں کی کتابوں میں اس کی نظیر نہیں ہے۔

محمد راغب طباخ ''أعلام النبلاء'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''بالجملة فهو كتاب جليل في بابه، لايستغني عنه من يرغب التوسع في فقه السادة الحنفية، والوقوف على أدلتهم في المذاهب وقواعدهم.''

مختصر یہ ہے کہ یہ اپنے موضوع پر بڑی عظیم الشان کتاب ہے، جو شخص فقہِ حنفی میں وسعت نظر کا خواہشمند ہے، اوران کے مسلک کے دلائل اور قواعد سے واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہے، وہ اس کتاب سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔

یہ کتاب سات جلدوں میں قاہرہ سے شائع ہوچکی ہے، مولانا خلیل احمد محدث سہارن پوریؒ نے شرح حدیث کے سلسلہ میں اپنی مشہور کتاب ''بذل المجهود بحل سنن أبي داؤد'' میں اس کتاب سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا ہے۔

ان کی دوسری تالیف ''المبين في أصول الدين'' ہے جو شائع نہیں ہوئی ہے۔

موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: ١ـ الجواهر المضية:٢/ ٢٤٤، ٢ـ أعلام النبلاء بتاريخ حلب الشهباء:٤/ ٣٠٧، ٣ـ الفوائد البهية: ٥٣، ٤ـ حدائق الحنفية: ٢٢٩.

۲- فضل اللہ تورپشتی

نام ونسب:

فضل اللہ نام، اور شہاب الدین لقب ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''فضل اللہ بن حسین التوربشتی الحنفی۔''

ولادت وتحصیل علم ووقت نظر:

موصوف تورپشت (جس کو تورانِ پشت اور تورانِ بشت بھی بولتے ہیں) میں پیدا ہوئے، یہ کرمان میں یزد کے جنوب مغربی جانب ۲۵ کلومیٹر پر سنگ مرمر کی کان کے پاس تین چار سو افراد کی ایک چھوٹی سی بستی ہے، جو زیادہ تر سنگتراش افراد پر مشتمل ہے، شیخ فضل اللہ نے کرمان اور شیراز میں علوم وفنون کی تکمیل کی، اور حدیث وفقہ میں بصیرت حاصل کی، پھر شیراز میں درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا مشغلہ اختیار کیا، اور اخیر عمر میں شیراز سے کرمان آگئے، یہاں

....

درس وتدریس کا سلسلہ قائم رہا، موصوف کو شرح حدیث میں امامت کا درجہ حاصل ہے، ان کی ژرف نگاہی، دقیقہ سنجی، نکتہ آفرینی سب کے نزدیک مسلّم ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

علامہ سبکیؒ بھی پوری واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے طبقات الشافعیہ میں ان کا تذکرہ دو چار سطروں سے زیادہ نہ کر سکے، لیکن طبقات الشافعیہ میں ان کا تذکرہ کر دینے کی وجہ سے علامہ تورپشتی کا شمار بھی فقہاءِ شافعیہ میں ہونے لگا، حالانکہ موصوف وسیع النظر اور دقیقہ سنج حنفی تھے، چنانچہ ان کی کتابیں اس امر کا بیّن ثبوت ہیں، اسی وجہ سے حاجی خلیفہ نے ''كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون '' میں ''مصابيح السنة'' کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے نام کے ساتھ حنفی لکھ کر اس غلطی کا ازالہ کیا ہے، علامہ ابوالخیر طاش کبری زادہ ''مفتاح السعادة ومصباح السيادة '' (۱۹/۲، طبع دکن ۱۳۲۹ھ) میں لکھتے ہیں: ''التوربشتي شارح المصابيح، هو رجل محدث فقيه من أهل شيراز، شرح مصابيح البغوي شرحا حسنا، وروى صحيح البخاري عن عبد الوهاب بن صالح بن محمد بن المعزم إمام الجامع العتيق، عن الحافظ أبي جعفر محمد بن علي، أنا أبو الخير محمد بن موسى الصفار، أنا أبو الهيثم الكشميهني، أنا الفربري، قال ابن السبكي: وأظن هذا الشيخ مات في حدود الستين وستمأة، وواقعة التتار أوجبت عدم المعرفة بكماله.''

تورپشتی، مصابیح کا شارح اہل شیراز میں سے ہے، اور محدث اور فقیہ ہے، اس نے مصابیح کی نہایت عمدہ شرح لکھی ہے، وہ صحیح بخاری عبدالوہاب بن صالح بن محمد بن معزم جو جامع عتیق کے امام تھے، ان سے روایت کرتے ہیں، ان کا سلسلہ حافظ ابوجعفر محمد بن علی از ابوالخیر محمد بن موسیٰ صفار از ابوالہیثم کشمیہنی از فربری ہے، ابن سبکیؒ نے فرمایا ہے کہ میرا خیال ہے کہ شیخ مذکور کا وصال چھٹی صدی ہجری کے لگ بھگ ہوا ہے، تاتار کے واقعہ نے ان کے کمال سے واقفیت کا سلسلہ منقطع کیا ہے۔

حالات:

آٹھویں صدی ہجری کے مشہور مورخ شیخ ابوالقاسم جنید شیرازی کی کتاب ''شدّ الإزار في حطّ أوزار عن زُوّار المزار '' میں علامہ تورپشتی کے بعض نامور شاگردوں کے سلسلہ میں شیخ موصوف کا ذکر بھی آیا ہے، اور مولّفِ کتاب نے ان کے متعلق نہایت شاندار الفاظ لکھے ہیں، یہ کتاب علامہ محمد قزوینی کی تعلیقات کے ساتھ چاپ خانہ مجلس طہران سے ۱۳۶۸ھ میں شائع ہوئی ہے، موصوف نے بھی اپنی تعلیقات میں سبکی کی اتباع میں ان کو شافعی لکھا ہے، فرماتے ہیں:

....

”شیخ شہاب الدین فضل اللہ تورپشتی ...... از فقہاء شافعیہ، ومحدثین معروف قرنِ ہفتم، وی بتصریح مجمل فصیح خوافی ابتداء ساکن شیراز بودہ است، وسپس درعہد سلطنت قتلغ ترکان خاتون (۶۵۵-۶۸۱) از ملوک قراختائیان کرمان باستدعاء ملکہ مزبور بکرمان آمد، ودران جا سکنیٰ گزید، ودرھماں شہر سنہ ۶۶۱ ششصد وشصت ویک وفات یافت، وتااواخر قرن ہشتم نام بعضے از اولاد واحفاد صاحب ترجمہ کہ غالباً از علماء وفضلاء بودہ اند، احیانا درضمن وقائع تاریخی کرمان وفارس دیدہ میشود، وشرح احوال صاحب ترجمہ راجز درطبقات سبکی واز روی آن درمفتاح السعادہ طاش کبری زادہ درجائی دیگر نیافتم ...... فصیح خوافی درحوادث سنہ ۶۵۶ گفتہ کہ صاحب ترجمہ اھل شیراز یاساکن شیراز بودہ، وسپس از آن جا بکرمان آمدہ، ودرآنجا اقامت گزیدہ، ظاھراچناں استنباط می شود کہ مسقط الراس اوتورپشت یاتوران پشت مزبور بایستی یادر فارس یادر یکی از نواحی مجاورۂ آں ولادت واقع باشد۔“ (شد الإزار: ۱۹۰- ۱۹۱)

شیخ شہاب الدین فضل اللہ تورپشتی ...... ساتویں صدی ہجری کے مشہور شافعی فقہاء اور محدثین میں سے ہیں، مورّخ فصیح خوافی کی اجمالی تصریح سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدا میں وہ شیراز میں سکونت پذیر تھے، اس کے بعد قتلغ ترکان خاتون کے دورحکومت یعنی ۶۵۵ھ تا ۶۸۱ھ میں جو شاہانِ قراختائی کرمان میں سے تھی، مذکورۂ بالا ملکہ کی استدعاء پر کرمان میں آئے، اور یہیں سکونت اختیار کی، اور اسی شہر میں ۶۶۱ھ میں وفات پائی، آٹھویں صدی ہجری کے اواخر میں صاحب تذکرہ کے بیٹے پوتوں میں سے بعض کے نام جو غالباً علماء وفضلاء میں سے تھے، کرمان اور فارس کے تاریخی واقعات کے ضمن میں کبھی کبھی دکھائی دے جاتے ہیں، اور صاحبِ تذکرہ کے حالات سبکی کی طبقات اور اسی کے واسطہ سے طاش کبری زادہ کی مفتاح السعادۃ کے علاوہ میں دوسری جگہ مجھے نہیں ملے ...... فصیح خوافی نے ۶۵۶ھ کے واقعات میں کہا ہے کہ صاحبِ تذکرہ اہلِ شیراز یاساکنِ شیراز سے تھے، اور اس کے بعد اس جگہ سے کرمان میں آکر اقامت گزیں ہوئے تھے، اس سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی جائے ولادت تورپشت یاتوران پشت مذکور ہونی چاہئے یا فارس یا اس کے نواح سے متصل کسی شہر میں ہوگی۔

علامہ حافظ سید انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: ”قال ابن دقيق العيد- رحمة الله عليه-: لو وُجِدت تصانيف هذا الفاضل لنفعت الأمة جدا، ولكنها تلفت في فتنة التتار، وزعم الناس أنه شافعي- رحمه الله تعالى-، قلت: بل هو خلاف الواقع، وهو حنفي تلميذ البغوي، متقدم على الإمام الرازي، وإنما توهّم من توهّم لذكره في طبقات الشافعيه و كونه محدثاً. “ (فیض الباری علی صحیح البخاری: ۲/ ۳، مطبع حجازی، قاہرہ ۱۹۳۸ء)

ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر اس فاضل شخص کی تصانیف پائی جاتیں تو امت کو بہت فائدہ ہوتا،

....

مکران کی کتابیں تا تار کے فتنہ میں برباد ہوگئیں، لوگ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ کو شافعی سمجھتے ہیں، میں (سید انور شاہ کشمیریؒ) کہتا ہوں یہ بات حقیقت کے خلاف ہے، یہ حنفی ہیں بغوی کے شاگرد ہیں، اور امام رازی سے پہلے ہوئے ہیں، یہ وہم جس کو بھی ہوا وہ محض طبقات الشافعیہ میں ان کے تذکرہ اور ان کے محدث ہونے کی وجہ سے ہوا ہے۔

علامہ تورپشتی کا امام بغوی (المتوفی ۵۱۶ھ) سے بلاواسطہ تلمذ اور فخر الدین رازیؒ (المتوفی ۶۱۶ھ) سے متقدم ہونا باعتبارِ تاریخ محلِ نظر ہے۔

موازنہ:

صاحب "بـدر السـاري" نے حافظ سید انور شاہ کشمیریؒ سے فضل اللہ تورپشتی کے متعلق نقل کیا ہے کہ موصوف علامہ تورپشتی کو بڑے درجہ کے حفاظ میں سے سمجھتے تھے، لکھتے ہیں:

''الطيبي أيضا يوجد، وهو أحسن الشروح باعتبار النكات العربية، وإن لم يكن مصنِّفه حافظا، أما فضل الله التوربشتي شارح المصابيح، فمن كبار الحفاظ، وهو حنفيّ لا كما زُعم''.

(حاشية البدر الساري إلى فيض الباري: ۲/۱۶۱)

طیبی کی شرح بھی ہندوستان میں مل جاتی ہے، اور نکات عربیہ کے اعتبار سے نہایت عمدہ شرح ہے، اگرچہ اس کا مصنف طیبی حافظ نہیں ہے، لیکن فضل اللہ تورپشتی کبار حفاظ میں سے ہے، اور وہ حنفی ہے، ایسا نہیں جیسا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ شافعی ہے۔

"العرف الشذي على جامع الترمذي" (ص: ۴۶۰، طبع رائپور) میں علامہ تورپشتیؒ کے متعلق حافظ سید انور شاہ کشمیریؒ سے یہ بھی منقول ہے: ''فضل الله التوربشتي حاذق في الكلام''، فضل اللہ تورپشتی علم کلام میں بھی حاذق ہیں۔

وفات:

فقیر محمد جہلمی ''حدائق الحنفیہ'' (ص: ۲۵۸، طبع نول کشور لکھنؤ ۱۹۰۶ء) میں لکھتے ہیں: ''فضل اللہ بن حسین تورپشتی، شہاب الدین لقب تھا، اپنے زمانہ کے امام محقق شیخ مدقق، محدث ثقہ، فقیہ، صاحبِ تصانیف کثیرہ تھے، بغوی کی ''مـصـابيح السنة'' کی مسمّی ''بـالـميسر'' نہایت عمدہ شرح تصنیف کی، اور کتاب ''مـطـلـب النـاسك في علم المناسك'' چالیس ابواب میں تصنیف فرمائی...... ۶۶۱ھ میں وفات پائی، آپ کی تاریخ وفات زیبا ملک ہے۔''

موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: ۱۔ طبقات الشافعية الكبرى: ۵/۱٤٦، ۲۔ مفتاح السعادة: ۲/۱۹، ۳۔ شدّ الإزار في حط الأوزار عن زوّار المزار: ۱۹۰، ٤۔ فيض الباري: ۲/۳، ٥۔ حدائق الحنفية: ۲٥۸.

۳- ابن الہمام

نام ونسب:

محمد نام، کمال الدین لقب، اور ابن ہمام عرف ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید بن مسعود السیواسی ثم القاہری الحنفی۔''

ولادت و تعلیم وتربیت:

ابن ہمام ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے، ان کے والد عبد الواحد، سیواس کے (جو روم میں ایک شہر ہے) قاضی تھے، ان کی ولادت ۷۹۰ھ میں یہیں ہوئی، بچپن میں قاہرہ آ گئے، اور مختصراتِ فن کو یاد کر کے استادوں کو سنایا، اور کچھ زمانہ اپنے گھر واپس آ کر رہے، لیکن ۸۱۳ھ میں دوبارہ وطن سے واپس آ کر قاہرہ میں علوم عقلیہ اور نقلیہ کی تحصیل اہل فن علماء وفضلاء سے کی، فقہ اور اصول کو سراج الدین قاری ہدایہ وغیرہ سے پڑھا، عربیت کی تعلیم جمال الدین حمیدی سے پائی، قرآت کی تحصیل علامہ زراتیتی سے کی، علامہ شمنی، جلال الدین ہندی، عز الدین بن جماعۃ، ابوزرعہ عراقی، جمال الدین حنبلی، شمس الدین شافی اور حافظ ابن حجرؒ عسقلانی کے حلقۂ درس میں شرکت کی، اور استفادہ کیا، علامہ مراغی اور ابن ظہیرہ نے روایتِ حدیث کی سند دی، تصوف اور سلوک کی تکمیل مشہور خدا رسیدہ بزرگ خوافی سے کی، ۸۱۳ھ میں قاضی محبؒ الدین شحنہ سے پڑھا، قدس کا سفر کیا، اور وہاں کے علماء سے بھی استفادہ کیا، نیز اجازت حدیث حاصل کی۔

علوم میں مہارت:

جملہ علوم وفنون میں کمال بہم پہنچایا، پھر درس وتدریس کا مشغلہ اختیار کیا، سلطان اشرف نے اپنے مدرسہ میں منصب تدریس کے لیے ان کا انتخاب کیا، کچھ زمانہ شیخونیہ میں صدارت کے فرائض انجام دیئے، ان کی جلالتِ علمی، وسعتِ نظر اور ژرف نگاہی، تقویٰ پرہیز گاری کا تمام اہل عصر کو اعتراف ہے، حافظ سخاویؒ کو اس حقیقت کا بھی اعتراف ہے کہ فن حدیث اور اصول میں ان کا پایہ اتنا بلند تھا کہ جب ولی الدین عراقی نے شرح الفیہ کا درس دینا شروع کیا، تو ابن ہمامؒ نے بھی درس میں بحث ونظر کی اجازت چاہی، مگر ولی الدین عراقی نے اس کی اجازت نہیں دی، موصوف لکھتے ہیں:

''ورام أولا التدقيق في البحث بحيث يشكك في الاصطلاح، فلم يوافقه الولي على الخوض في ذلك.'' (الضوء اللامع: ۸/۱۲۸)

اور انہوں نے پہلے اس طرح بحث ونظر سے پڑھنا چاہا کہ مصطلحات میں کلام کریں، تو ولی الدین عراقی نے اس طرح غور وفکر سے پڑھنے کی اجازت نہیں دی۔

....

اس کے باوجود سخاویؒ نے ''الضوء اللامع '' میں جو یہ لکھا ہے کہ انہیں فن حدیث میں درک نہیں تھا، یہ ان کے اندازِ طبیعت کی بات ہے، کیونکہ شیوخ اور تلامذہ کے علاوہ معاصرین اور دیگر ائمہ فن کے ساتھ ان کا طرزِ عمل کچھ ایسا ہی رہا ہے، کہ انہوں نے تذکرہ نگاری میں ان کے ساتھ کبھی انصاف نہیں کیا، چنانچہ مورّخ ابن ایاس مصری اور قاضی محمد شوکانی کو ان سے اسی امر کا گلہ ہے جیسا کہ سخاوی کے حالات میں ہم نے اس حقیقت کو واضح طور پر بیان کیا ہے، تاہم قاضی محمد شوکانی نے سخاوی کے اس جملہ کی جو ظاہر بینوں کے لیے غلط فہمی کا باعث بن سکتا تھا، وضاحت کردی ہے۔

موصوف ''البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع '' (۲۰۱/۲) میں رقمطراز ہیں: '' ولم يكثر من علـم الرواية، وتبحر في غيره من العلوم، وفاق الأقران، وأشير إليه بالفضل التام، حتى قال بعضهم في حقه: لو طلبت حجج الدين ماكان في بلدنا من يقوم بها غيره، وكان دقيق الذهن، عميق الفكر، يدقق المباحث حتى يحيّر شيوخه فضلاً عن من عداهم، بحيث كان يشكّك عليهم في الاصطلاح، ونحوه حتى لايدرون ما يقولون، وقال يحيىٰ بن العطار: لم يزل يضرب به المثل في الجمال المفرط مع الصيانة، وفي حسن النعمة مع الديانة، وفي الفصاحة واستقامة البحث مع الأدب.

وبالجملة فقد تفرّد في عصره بعلومه، وطار صيته، واشتهر ذكره، وأذعن له الأكابر فضلاً عن الأصاغر، وفضّله كثير من شيوخه على أنفسهم، وقد درّس بمدارس ...... وكان إماماً في الأصول والتفسير والفقه والفرائض والحساب والتصوف والنحو والصرف والمعاني والبيان والبديع والمنطق والجدل والأدب ...... حتى قال السخاوي في حقه: إنه عالم أهل الأرض ومحقق أولي العصر. ''

انہوں نے حدیث کا کثرت سے سماع نہیں کیا، اور اس کے علاوہ دیگر علوم میں تبحر حاصل کیا، اور معاصرین سے فائق ہوگئے، فضیلت تامہ میں انہی کی طرف اشارے ہوئے، یہاں تک کہ بعض نے ان کے متعلق کہا ہے کہ: اگر تم دین کی دلیلیں طلب کرو تو ہمارے شہر میں ان کے علاوہ کوئی اس کے لیے کھڑا نہیں ہوسکتا، یہ بلا کے ذہین اور سمجھ دار تھے، دقیق مباحث کو اس طرح بیان کرتے تھے کہ ان کے شیوخ کو حیرت ہوتی تھی، اوروں کا تو ذکر ہی کیا ہے، وہ ان کو اصطلاحی امور وغیرہ میں اس طرح سے شک میں ڈال دیتے تھے کہ وہ شیوخ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں، یحییٰ بن عطار کا بیان ہے کہ حفاظتِ نفس کے ساتھ بے پناہ جمال میں اور دیانت کے ساتھ خوش عیشی میں ادب کے ساتھ فصاحت سے صحیح طریقہ پر بحث کرنے میں ہمیشہ ضرب المثل رہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ موصوف اپنے زمانے میں اپنے علوم میں یگانہ و یکتا تھے، دور دوران کا شہرہ اور چرچا تھا، اکابر

....

نے ان کا لوہا مانا ہے، چھوٹوں کا تو ذکر ہی کیا، ان کے بہت سے شیوخ نے ان کو اپنے پر فضیلت دی ہے، متعدد مدرسوں میں درس دیا، اصول، تفسیر، فقہ، فرائض، حساب، تصوف، نحو، صرف، معانی، بیان و بدیع، منطق، مناظرہ اور ادب میں امام تھے، سخاویؒ نے ان کے متعلق یہاں تک کہا ہے کہ یہ عالم دنیا اور محقق دوراں ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ) ''بغية الوعاة في طبقات اللغويين والنحاة '' (ص:۷۰، طبع مصر ۱۳۲۶ھ) میں لکھتے ہیں: ''وتقدم على أقرانه، وبرع في العلوم، وتصدى نشر العلم، فانتفع به خلق، وكان علامة في الفقه والأصول والنحو والتصريف والمعاني والبيان والتصوف ...... وغيرها، محققا جدليا نظارا، وكان يقول: لا أقلد في المعقولات أحدا.''

اپنے معاصرین سے آگے نکل گئے، علوم میں مہارت حاصل کی، اور علم کی نشر و اشاعت میں لگے رہے، ان سے ایک خلقت نے فائدہ اٹھایا، فقہ، اصول، نحو و صرف، معانی و بیان اور تصوف وغیرہ میں علامہ، محقق، مناظر اور صاحبِ نظر تھے، فرماتے تھے کہ میں معقولات میں کسی کی اقتدا نہیں کرتا۔

علامہ محمود بن سلیمان کفوی (المتوفی ۹۹۰ھ) نے ''كتائب أعلام الأخيار من فقهاء مذهب النعمان المختار '' میں محقق ابن ہمام کو حافظِ حدیث لکھا ہے، موصوف کے الفاظ ہیں: ''كان إماما نظّارا فارسا في البحث فروعيا أصوليا محدثا مفسرا حافظا نحويا كلاميا منطقيا جدليا، وله تصانيف مقبولة معتبرة.''

(كتائب أعلام الأخيار بحوالہ الفوائد البهية: ۱۸۰)

موصوف امام، صاحبِ نظر، مناظرہ کے مردِ میدان، مسائل فروعیہ کے ماہر، اصولی، محدث، مفسر، حافظ، نحوی، کلامی، منطقی، جدلی تھے، ان کی تصانیف مقبول اور معتبر ہیں۔

"مختصر طبقات الحنفية" کے مؤلف کا بیان ہے: ''كمال الدين ...... العالم المشتهر بابن الهمام، أخذ عن قارئ الهداية، واشتغل على علماء عصره إلى أن برع، وصار محبوب زمانه في علوم كثيرة بلا مدافعة.'' (طبقات الفقہاء طبع موصل: ۱۳۲)

کمال الدین...... عالم جو ابن الہمام سے مشہور ہیں، انہوں نے قاریِ ہدایہ سے پڑھا، اور اپنے زمانے کے فضلاء سے علوم کی تحصیل کی، یہاں تک کہ خود بھی کامل ہو گئے، اور بالاتفاق بہت سے علوم میں اپنے زمانہ کے محبوب بن گئے۔

اجتہاد:

فقیہِ شام ابن عابدین شامی (المتوفی ۱۲۵۲ھ) ''رد المحتار'' باب إنكاح الرقيق (۵۲۰/۲، طبع قاہرہ

....

۱۳۲۴ھ) میں تحریر فرماتے ہیں:

''إن الكمال بن الهمام بلغ رتبة الاجتهاد'' بلاشبہ کمال الدین بن ہمام اجتہاد کے رتبہ کو پہنچے ہیں۔

مورّخ شہاب الدین مرجانی (المتوفی ۱۳۰۶ھ) کتاب ''ناظورة الحق في فريضة العشاء وإن لم يغب الشفق'' میں لکھتے ہیں: ''وقد قال ابن الرفعة: لايختلف اثنان في أن ابن عبد السلام وابن دقيق العيد بلغا رتبة الاجتهاد، انتهى، وابن عبدا لسلام من رجال المأة السابعة، وابن دقيق مات سنة اثنتين وسبع مأة، وابن الهمام ليس شأوه دون شأوهما، بل هو أحق بذلك منهما.''

ابن رفعہ کا بیان ہے کہ کسی دو شخصوں کا بھی اس امر میں اختلاف نہیں کہ ابن عبد السلام اور ابن دقیق العید درجۂ اجتہاد کو پہنچے ہیں، ابن عبد السلام ساتویں صدی ہجری کے علماء میں سے تھے، اور ابن دقیق العید کا انتقال ۷۰۲ھ میں ہوا، ابن ہمام کی پہنچ اور رسائی ان دونوں کی رسائی سے کم نہیں ہے، بلکہ وہ اس کے ان دونوں سے زیادہ حقدار ہیں۔

(ناظورۃ الحق ورق ۱۸) یہ کتاب پیر جھنڈو (وہب اللہ) کے کتب خانہ میں ہمارے مطالعہ سے گذر چکی ہے، یہ وہ کتاب ہے جس کے مطالعہ کا حافظ سید انور شاہ کشمیریؒ کو بھی اشتیاق تھا، یہ کتاب چھپ چکی ہے، اس کا مطبوعہ نسخہ بھی پیر جھنڈو (ضیاء الدین شاہ) کے کتب خانہ میں ہماری نظر سے گزر چکا ہے۔

مخدوم عبد اللطیف ٹھٹھوی (المتوفی ۱۱۸۹ھ) اپنی معرکۃ الآراء تصنیف ''ذب ذبابات الدراسات عن المذاهب الأربعة المتناسبات'' (۳۶۳/۲) شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ، کراچی ۱۹۶۱ھ میں تحریر فرماتے ہیں:

''والإمام ابن الهمام كان من العارفين وقدوتهم، كما كان من المحققين والمحدثين والفقهاء وأئمتهم كما صرح به صاحب التيسير في شرح التحرير.''

امام ابن الہمام جس طرح محققین، محدثین، فقہاء اور ائمہ میں سے تھے، اس طرح عارفین میں سے بھی تھے، جیسا کہ صاحب تیسیر نے شرح التحریر میں بصراحت لکھا ہے۔

اہل نظر سے یہ بات مخفی نہیں کہ حدیث میں بھی ابن ہمام کا پایہ نہایت بلند ہے، اور اصول فقہ میں ان کے زمانہ ہی سے ایسا دقیق النظر عالم غالباً مذاہب اربعہ میں کوئی نہیں ہوا، ''فتح القدير'' اور ''تحرير الأصول'' ان کی فن اصول فقہ اور حدیث میں وسیع معلومات اور دقّتِ نظر کا بیّن ثبوت ہیں۔

مولانا عبد الحی فرنگی محلی ''الفوائد البهية'' (:۱۸۰، طبع قاہرہ) میں لکھتے ہیں: ''عدّه ابن نجيم في البحر الرائق من أهل الترجيح، وعدّه بعضهم من أهل الاجتهاد، وهو رأي نجيح تشهد بذلك تصانيفه وتأليفه

(قال الجامع:) قد طالعت من تصانيفه فتح القدير من الابتداء إلى كتاب الوكالة، وهو مبلغ تأليفه، وتحرير الأصول، والمسايرة في العقائد، وزاد الفقير مختصر في مسائل الصلاة، ورسالة في إعراب سبحان الله وبحمده، وكلها مشتملة على فوائد قلما توجد في غيرها، وقد سلك في أكثر تصانيفه لاسيما في فتح القدير مسالك الإنصاف مجتنباً عن التعصب المذهبي، والا عتساب إلّا ما شاء الله، وقد أطال السيوطي في ترجمته في البغية ...... وقال: ...... فكان له نصيب وافر مما لأرباب الأحوال من الكشف والكرامات.''

ابن نجیم نے ''بحر الرائق '' میں ان کو اہل ترجیح میں سے شمار کیا ہے، جس طرح بعض نے ان کو اہل اجتہاد میں سے قرار دیا ہے، اور یہ بالکل صائب رائے ہے، اس پر ان کی تصنیفات اور تالیفات شاہد ہیں، جامع (عبد الحی) کہتا ہے میں نے ان کی تصانیف میں فتح القدیر کا شروع سے کتاب الوکالۃ تک، اور اس کی تالیف یہیں تک ہوئی ہے، تحریر الاصول، عقائد میں مسایرہ، نماز کے مسائل میں زاد الفقیر اور ایک رسالہ سبحان اللہ وبحمدہ کے اعراب میں ہے، ان کا مطالعہ کیا ہے یہ تمام کتابیں ایسے فوائد اور معلومات سے پُر ہیں جو دوسری کتابوں میں مشکل ہی سے ملتے ہیں، اور اکثر تصانیف میں خاص طور پر فتح القدیر میں انصاف کی راہ پر گامزن رہے ہیں، تعصب مذہبی اور بے انصافی سے پرہیز کیا ہے، سیوطیؒ نے "بغیۃ الوعاۃ" میں ان کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ان کو کشف وکرامات سے بڑا حصہ ملا تھا جو صاحبِ حال لوگوں کو ملتا ہے۔

وفات:

اخیر عمر میں افتاء اور درس وتدریس کو یکبارگی چھوڑ کر تصنیف وتالیف میں منہمک ہو گئے، اور جمعہ کے دن ۷، رمضان المبارک ۸۶۱ھ میں انتقال ہوا، ''نور خدا'' اور ''رونق شہر'' تاریخ وفات معلوم ہوتی ہے، جنازے میں بڑا مجمع تھا، عوام وخواص سب کو صدمہ تھا۔

موصوف کی تالیفات میں دو اور کتابیں بھی مشہور ہیں:

۱۔ شرح بديع النظام لابن الساعاتي في الفروع، ۲۔ فواتح الأفكار في شرح لمعات الأنوار

موصوف کے حالات کے لیے دیکھو: ۱۔ الضوء اللامع: ۱۲۷/۸ - ۱۳۲، ۲۔ حسن المحاضرة: ۲۷۰/۱، ۳۔ بغية الوعاة: ۷۰ - ۷۱، ٤۔ شذرات الذهب: ۲۹۸/۷ - ۲۹۹، ٥۔ مفتاح السعادة: ۱۳۲/۲ - ۱۳٤، ٦۔ البدر الطالع: ۲۰۱/۲ - ۲۰۲، ۷۔ الفوائد البهية: ۱۸۰ - ۱۸۱، ۸۔ حدائق الحنفية: ۳۲٤، ۹۔ هدية العارفين: ۲۰۱/۲، ۱۰۔ ذب ذبابات الدراسات عن المذاهب الأربعه المتناسبات (اشاریہ)، ۱۱۔ إتحاف النبلاء: ۳٦٤.

....

۴- محمد بن عبد الہادی السندی

نام ونسب:

محمد نام، ابوالحسن کنیت، اور نورالدین لقب ہے، سلسلہ نسب یہ ہے: ''محمد بن عبد الہادی السندی التتوی ثم المدنی الحنفی۔''

تعلیم وتربیت، سفرِ حجاز:

موصوف ٹھٹھہ میں پیدا ہوئے، یہیں تعلیم وتربیت پائی، ٹھٹھہ کے علماء وفضلاء سے علوم کی تحصیل کی، تکمیلِ علوم کے بعد درس وتدریس کا شغل اختیار کیا، اور جلد طلبہ کا مرجع بن گئے، محققین علماء میں شمار ہونے لگے، پھر حجاز کا سفر کیا، اور وہاں شیوخِ حرم سے حدیثوں کا سماع کیا، محدّثِ حرم علامہ ابراہیم کورانی، محمد بن عبد الرسول برزنجی اور عبداللہ بن سالم وغیرہ سے استفادہ کیا اور سَنَد لی، دو (۲) برس تک حرم میں مجاورت اور قیام کے بعد مدینہ منورہ میں اقامت گزیں ہوگئے، حرم نبوی میں حدیث وتفسیر اور فقہ کا درس دینا شروع کیا، علم وفضل اور فہم وفراست کے ساتھ زہد وورع، صلاح وتقویٰ، اتباعِ سنت اور اخلاص کی صفات سے بھی متصف تھے، حرم میں بھی ان کی ذات سے طلبہ کو بہت فائدہ ہوا۔

فضائل وکمالات:

مؤرّخ ابوالفضل محمد خلیل مرادی نے ''سلك الدرر في أعيان القرن الثاني عشر'' (۶۶/۴، طبع مصر ۱۳۰۱ھ) میں موصوف کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے:

''محمد بن عبد الهادي السندي الأصل والمولد، الحنفي، نزيل المدينة المنورة، الشيخ الإمام العالم العامل العلامة المحقق المدقق النحرير الفهامة أبو الحسن نور الدين.''

اور پھر لکھا ہے: ''رحل إلى المدينة المنورة، وتوطنها، وأخذ بها عن جملة من الشيوخ، كالسيد محمد البرزنجي، والملّا إبراهيم الكوراني، وغيرهما، ودرّس بالحرم الشريف النبوي، واشتهر بالفضل والذكاء والصلاح ...... وكان شيخاً جليلاً ماهراً محققاً بالحديث، والتفسير، والفقه، والأصول، والمعاني، والمنطق، والعربية وغيرها، أخذ عنه جملة من الشيوخ، منهم: الشيخ محمد حياة السندي المتقدم ذكره، وكان عالماً عاملاً ورعاً زاهداً.''

موصوف نے مدینہ منورہ کا سفر کیا، اور اس کو وطن بنایا، اور یہیں بہت سے شیوخ جیسے سید محمد برزنجی، ملا ابراہیم کورانی وغیرہ سے استفادہ کیا، اور حرم شریف میں درس دیا، فضیلت، ذکاوت اور نیکی میں شہرت پائی...... موصوف جلیل القدر شیخ تھے، حدیث، تفسیر، فقہ، اصول، معانی، منطق اور عربیت وغیرہ میں ماہر اور محقق تھے، ان سے بہت سے شیوخ نے استفادہ کیا، جن

....

میں شیخ محمد حیات سندھی (جن کا ذکر پہلے گذر چکا ہے) موصوف عالم، عامل، متقی اور زاہد تھے۔

علامہ عبدالرحمن جبرتی حنفی (المتوفی ۱۲۳۷ھ) ''عجائب الآثار في التراجم والأخبار'' (۱/۸۵) میں رقمطراز ہیں: ''العلامة صاحب الفنون أبو الحسن ...... وسمع الحديث على البابلي وغيره من الواردين.''

علامہ صاحب فنون ابوالحسن ...... نے حدیث بابلی اور دوسرے محدثین واردینِ حرم سے سنیں۔

علامہ محمد عابد سندھی فرماتے ہیں: ''كان عالما ضابطا متقنا، حوى جميع العلوم، وخاض في منطوقها والمفهوم، واختص بعلم الحديث وبلغ فيه الغاية.''

موصوف عالم، ضابط اور متقن تھے، تمام علوم کے جامع تھے، منطوق اور مفہوم میں غور وخوض کیا تھا، خاص طور سے علمِ حدیث میں اور اس میں تو انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔

حافظ سید عبدالحی الکتانی ''فهرس الفهارس'' (۱/۱۰۳) میں لکھتے ہیں: ''نور الدين محمد بن عبد الهادي التتوي، المدني، هو محدث المدينة المنورة، وأحد من خدم السنة من المتأخرين خدمة لايستهال بها.''

میرے بڑے بھائی وقت کے نامور فاضل مولانا محمد عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''علامہ سندھی کو تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، نحو، عربیت، معانی، منطق، تمام علوم میں تبحر کا درجہ حاصل تھا، اور وہ ان سب فنون میں محققانہ امتیاز رکھتے تھے، خاص طور پر فقہ وحدیث میں ان کا درجہ بہت اونچا تھا، علامہ سندھی کی متعدد تصانیف اب چھپ کر منظر عام پر آ گئی ہیں، جن سے ان کی جلالتِ علمی کا آج بھی اہل علم کو اندازہ ہوسکتا ہے۔

موازنہ:

صحاحِ ستہ پر حافظ سیوطیؒ نے بھی تعلیقات لکھی ہیں، اور علامہ سندھی نے بھی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ پر ان دونوں حضرات کے حواشی طبع ہو چکے ہیں، دونوں کا موازنہ کرلیا جائے، اس میں شک نہیں کہ سیوطی کے یہاں غررِ نقول موجود ہیں، اور علامہ سندھی نے خود ان کی شروح سے کافی فائدہ اٹھایا ہے، لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جہاں نقل سے نہیں بلکہ عقل سے کام پڑتا ہے، اور فہم مراد اور توضیح مطالب کی باری آتی ہے، وہاں کس کا پلہ بھاری ہے،...... اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ سیوطی اگر وسعت نظر میں بڑھے ہوئے ہیں تو علامہ دقتِ نظر میں فائق ہیں، جہاں دوسرے شارحین توجیہ سے عاجز ہوتے ہیں وہاں علامہ بہترین توجیہ پیش کر دیتے ہیں، سیوطی کو سات علوم میں اجتہاد کا دعویٰ تھا، منجملہ ان کے نحو وعربیت بھی ہیں، لیکن نسائی کے دونوں حاشیے اس بات کے شاہد ہیں کہ متعدد مقامات پر علامہ سیوطی نے تحلیل صرفی یا ترکیب نحوی یا وجوہ معانی کے لحاظ سے کسی ایک خاص توجیہ کی صحت سے انکار کیا، اور ہمارے علامہ نے اسی خاص توجیہ کو صرف یا نحو یا علم

....

معانی کی روشنی میں مدلل ومبرہن کردیا، سنن نسائی کے تراجم وابواب پر جس طرح علامہ سندھی نے کلام کیا ہے کسی نے نہیں کیا، اس طرح سنن ابن ماجہ کے زوائد پر حافظ بوصیریؒ کی تحقیقات کو نقل کر کے سیوطیؒ کے مقابلہ میں انہوں نے اپنی شرح کو آسمان پر پہنچا دیا ہے۔

علم حدیث پر علامہ سندھی نے خاص توجہ کی ہے، اور اس فن میں انہوں نے بڑی شان دار خدمات انجام دی ہیں، برصغیر پاک وہند میں بھی ایک بزرگ ایسے ہیں جن کو صحاح ستہ کی تمام کتابوں پر شرح لکھنے کا فخر حاصل ہے، ان کی جلالتِ قدر کا اعتراف عرب وعجم کے علماء کو ہے، شیخ اسماعیل بن محمد سعید نے جب اپنے مشہور شاگرد دمتی کو علم حدیث کی سند دی تو علامہ سندھی کے متعلق یہاں تک لکھ دیا ہے کہ: ''كان أحد الحفاظ المحققين والجهابذة المدققين.''

علامہ ممدوح کے محقق ومدقق اور جہبذ ہونے میں تو ہمیں کلام نہیں، البتہ ان کو حافظ حدیث کہنا مبالغہ سے خالی نہیں، حافظ کی جو تعریف کتبِ اصول حدیث میں بیان کی گئی ہے وہ ان پر صادق نہیں آتی، کیونکہ ان پر روایت سے زیادہ درایت کا غلبہ ہے، ہمارے نزدیک علم حدیث میں ان کا وہی درجہ ہے جو علامہ طیبی شارح مشکوٰۃ کا، حافظ سیوطیؒ نے علامہ طیبیؒ کے متعلق یہ رائے ظاہر کی ہے: ''وله إلمام بالحديث، لكنه لم يبلغ فيه درجة الحفاظ، ومنتهى نظره الكتب الستة ومسند أحمد والدارمي، لايخرج من غيرها.''

ان کو علم حدیث پر توجہ رہی ہے، لیکن یہ اس فن میں حفاظِ حدیث کے درجہ پر نہ پہنچ سکے، ان کا منتہائے نظر صحاح ستہ، مسند احمد اور دارمی ہیں، ان کے علاوہ اور کتابوں سے یہ تخریج حدیث نہیں کرتے۔

علامہ طیبیؒ کی طرح علامہ سندھیؒ کا منتہائے نظر بھی صحاح ستہ اور مسند احمد پر آکر ختم ہوجاتا ہے، اس لئے حافظِ حدیث کے بجائے ان کو محدّث فقیہ کہنا زیبا ہے، کتبِ مذکورہ کے متون احادیث پر ان کی بڑی گہری نظر ہے، وہ شرحِ حدیث کے من الوادرین سے خوب توجیہ اور عمدہ سے عمدہ نکتے بیان کرتے ہیں۔

(ملاحظہ ہو مقالہ امام ابوالحسن کبیر سندھی، جو پاکستان ہسٹری کانفرنس کے گیارہویں سالانہ اجلاس میں ۱۹۶۱ء میں پڑھا گیا)

وفات:

سال وفات میں اختلاف ہے، ملا عابدؔ سندھی نے ۱۱۴۱ھ لکھا ہے، ملا حیاتؔ ۱۱۳۹ھ بتاتے ہیں، مرادیؔ نے ۱۱۳۸ھ اور جبرتی نے ۱۱۳۶ھ بیان کیا ہے، عبدالحی کتانی اور صاحب "اليانع الجني" کا خیال ہے کہ ۱۱۳۹ھ میں انتقال ہوا۔

موصوف کی تالیفات میں حسب ذیل کتابیں مشہور ہیں:

۱ - ۶- حواشي على الصحاح الستة، حاشیہ صحیح بخاری، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن ابی داؤد مصر سے

....

شائع ہو چکے ہیں، اورنسائی اور مسلم کے حاشیے ہندوستان اور پاکستان میں چھپ چکے ہیں، سنن ابی داؤد کا حاشیہ جس کا نام فتح الودود ہے، پیر جھنڈو (کتب خانہ پیر محبّ اللہ) میں ہماری نظر سے گذر چکا ہے، یہ بھی کئی بار شائع ہو گیا ہے، اوراب دارالینہ مصر سے فتح الودود کے نام سے چار جلدوں میں شائع ہو چکا ہے، جامع ترمذی کا حاشیہ ناقص تھے، ۷۔حاشية على مسند الإمام أحمد ،اس کا ربع اول عبدالحی کتانی کے پاس موجود تھا، ۸۔حاشية على تفسير البيضاوي، ۹۔حاشية على فتح القدير شرح الهداية ،یہ کتاب النکاح تک ہے،اس کے مخطوطے کا عکس قاسمیہ لائبریری کنڈیارو نوشہرو فیروز سندھ میں موجود ہے، ۱۰۔حاشية على كتاب الأذكار للإمام النووي، ۱۱۔حاشية على الزهراوين، لملّا علي القاري، ۱۲۔تفسير لطيف، ۱۳۔حاشية على الجلالين، ۱۴۔حاشية على شرح جمع الجوامع لابن القاسم ،اس کا نام الآیات البیّنات ہے۔۱۵۔مختصر تحفة الباري بشرح صحيح البخاري لشيخ الإسلام زكرياالأنصاري (المتوفى ۹۲۶)، اور یہ مختصر اسی شرح کے حاشیہ پر قاہرہ سے چھپ چکا ہے۔۱۶۔الوجازة في الإجازة لكتب الحديث مع ذكر بعض الأحاديث الممتازة

موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: ۱۔ سلك الدرر: ۴/ ۶۶، ۲۔ فهرس الفهارس: ۱/ ۱۰۳، ۳۔ تاريخ الجبرتي: ۱/۸۵، ۴۔ اليانع الجني في أسانيد الشيخ عبد الغني، ۵۔ مقاله إمام أبو الحسن كبير ازمحقق العصر حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ، ۵۔جهود علماء السند في علم الحديث ازعبدالباقی ادریس سندھی

۵- ملا علی قاری

نام ونسب:

علی (بن سلطان محمد القاری الہروی المکی الحنفی) نام، نورالدین لقب اور قاری عرف ہے، موصوف ہرات میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم وطن میں ہوئی، پھر مکہ معظمہ میں حافظ ابن حجر ہیتمی مکی، شیخ ابوالحسن بکری، عبداللہ سندھی، قطب الدین مکی، علی متقی برہانپوری، میر کلان عطیۃ سلمی، وغیرہ سے حدیث کی تکمیل کی، تفسیر، قرأت، حدیث وفقہ میں کمال حاصل کیا، علوم معقولہ میں مہارت پیدا کی، پھر حرم ہی میں درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا شغل اختیار کیا، جس سے عالم کو فائدہ پہنچا، فنِ خطاطی مشہور خطاط شیخ حمداللہ اماسی (المتوفی ۹۳۶ھ) سے سیکھا، اور اس فن میں بھی بڑا کمال پیدا کیا، اور یہی فن شریف گذر بسر کا ذریعہ ہوا، سال میں ایک قرآن شریف لکھتے اور اس کا جو ہدیہ ملتا اس سے سال بھر کی ضروریاتِ زندگی پوری کرتے تھے، شیخ محمد طاہر بن عبدالقادر خطاط کردی مکی ''تاريخ الخط العربي وآدابه'' (مطبعۃ التجاریۃ الحدیثۃ ۱۳۵۸ھ) میں رقمطراز ہیں: ''كان يكتب الخط الحسن، والغالب أنه أخذ الخط عن الشيخ

....

حمدالله الأماسي، وكان يكتب في سنة مصحفاً واحداً، ويبيعه ويصرف ثمنه على نفسه طول السنة ......
ويوجد في كتبخانة علي باشا بالآستانه جميع مصنّفاته۔''

موصوف بہت عمدہ لکھتے تھے، غالب خیال یہ ہے کہ انہوں نے اس فن کی تحصیل شیخ حمد اللہ اماسی سے کی تھی، ہر سال ایک مصحف لکھتے، اور اسے ہدیہ کرتے، اور جو ہدیہ ملتا اسے سال بھر تک اپنی ذات پر خرچ کرتے رہتے تھے، ان کی تمام تالیفات علی پاشا کے کتب خانہ میں آستانہ میں موجود ہیں۔

علمی مقام:

علامہ موصوف کو معانی حدیث کی وضاحت اور مطالب کی تشریح میں یدطولیٰ حاصل ہے، حدیث کی توجیہ اور فقہ حدیث پر خوب کلام کرتے ہیں، ان کی ژرف نگاہی اور جلالت علمی پر تذکرہ نگاروں کا اتفاق ہے۔

مورخ عبدالملک عصامی شافعی مکی (المتوفی ۱۱۱۱ھ) ''سمط النجوم العوالي في أنباء الأوائل والتوالي'' (۳۹۴/۴) میں موصوف کے متعلق رقمطراز ہیں: ''الجامع للعلوم النقلية والعقلية، والمتضلع من السنة النبوية، أحد جماهير الأعلام، ومشاهير أولي الحفظ والأفهام۔''

نقلی وعقلی علوم کے جامع، سنت نبوی کے زبردست عالم، نامور جمہور علماء میں سے ایک تھے، اور مشہور حافظہ والے اور سمجھداروں میں ایک تھے۔

شیخ محمد امین محبّی حنفی (المتوفی ۱۱۱۱ھ) ''خلاصة الأثر في أعيان القرن الحادي عشر'' (۱۸۵/۳) میں لکھتے ہیں: ''أحد صدور العلم، فرد عصره، الباهر السمت في التحقيق وتنقيح العبارات، وشهرته كافية عن الإطراء في وصفه ...... واشتهر ذكره، وطار صيته، وألّف التآليف الكثيرة اللطيفة التأدية المحتوية على الفوائد الجليلة''۔

موصوف رئیس العلماء اور یکتائے زمانہ عالم، راہ تحقیق اور عبارتوں کی تشریح وتوضیح میں سبقت لے جانے والے تھے، ان کی شہرت زیادہ تعریف کرنے سے مستغنی ہے...... ان کا نام مشہور ہے، اور ہر جگہ ان کا چرچا ہے، انہوں نے بہت سی لطیف اور جلیل القدر فوائد کی جامع کتابیں لکھی ہیں۔

فقیر محمد جہلمی ''حدائق الحنفية'' (ص:۴۰۱) میں لکھتے ہیں: (ملا علی قاریؒ) ''اپنے زمانے کے وحید العصر، فرید الدہر، محقق، مدقق، منصف مزاج، محدّث، فقیہ، جامع علوم عقلیہ ونقلیہ اور متضلع سنت نبویہ، جماہیر اعلام اور مشاہیر أولي الحفظ والإفهام میں سے تھے، خصوصاً آپ کو تحقیق فقہ وحدیث اور دریافت علوم کلام ومعقول میں یدطولیٰ حاصل تھا، اور تحریر عبارت عربی میں ایسی طرزِ خاص رکھتے تھے کہ کئی ایک جزو ایک وضع پر مسجع ومقفیٰ لکھ جاتے تھے...... مکہ معظمہ میں آکر

....

خاتمۃ المحققین احمد بن حجر ہیتمی مکی...... سے علم پڑھا اور مشہور زمانہ ہو کر سن ہزار کے سرے پر درجہ مجدّ دیت کو پہنچے۔''

موصوف بڑے ہی صاف گو تھے، تحقیق مسائل میں اگر شافعیہ اور مالکیہ کو کہیں مخالف پایا، تو اپنی تالیفات میں ان پر بھی اعتراض کر دیا، جس کی وجہ سے ان کے معاصر شافعیہ اور مالکیہ ان کے بڑے مخالف ہو گئے تھے، اور انہوں نے ان کی تصانیف کے مطالعہ سے بھی لوگوں کو منع کر دیا تھا، مورّخ عصامی شافعی جو ان کی جامعیت اور مہارتِ فن کے بڑے قایل ہیں، اس تعصب کی وجہ سے لکھ گئے ہیں: ''امتحن بالاعتراض على الأئمة لا سيما الشافعي وأصحابه، واعترض على الإمام مالك في إرسال يديه، ولهذا تجد مؤلفاته ليس عليها نور العلم، ومن ثمة نهي عن مطالعتها كثير من العلماء والأولياء.'' (سمط النجوم العوالي: ۳۹۴/۴)

موصوف ائمہ پر اعتراض کی وجہ سے آزمائش میں آ گئے تھے، خاص طور پر امام شافعی اور ان کے اصحاب پر اعتراض کی وجہ سے، موصوف نے ارسالِ ید کے مسئلہ میں امام مالک پر بھی اعتراض کیا، اس لئے تم ان کی تالیفات کو نورِ علم سے خالی پاؤ گے، اور اس وجہ سے بہت سے علماء اور اولیاء اللہ نے ان کی کتابوں کے مطالعہ سے منع کیا ہے۔

اس قسم کا اختلاف متقدمین ومتاخرین علماء میں ہمیشہ رہا ہے، یہ اختلاف چونکہ واضح دلائل کی روشنی میں ہوتا ہے، اس لئے مذموم نہیں ہے، تاہم ملا علی قاریؒ کی یہ روش ان کے غیر حنفی معاصر علماء کو پسند نہ آئی، اور انہوں نے بڑی مخالفت کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ موصوف کی تالیفات سے زیادہ اعتناء نہیں رہا، مورّخ محبی کا بیان ہے: ''ولولاها لاشتهرت مؤلفاته بحيث ملأت الدنيا لكثرة فائدتها وحسن انسجامها.''

(خلاصة الأثر: ۱۸۶/۳)

اگر یہ باتیں نہ ہوتیں تو کثرتِ افادیت اور حسن ترتیب کی وجہ سے ان کی تالیفات سارے عالم میں چھا جاتیں۔

قاضی محمد بن علی شوکانی (المتوفی ۱۲۵۰ھ) نے ''البدر الطالع '' (۴۴۵/۱) میں اسی امر کو موصوف کے مجتہدِ فن ہونے کی دلیل قرار دیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''وأقول هذا دليل على علو منزلته، فإن المجتهد شأنه أن يبين مايخالف الأدلة الصحيحة، ويعترضه سواء كان قائله عظيماً أو حقيراً. ؎

تلك شكاة ظاهر عنك عارها

وكان وفاة صاحب الترجمة ١٠١٤هـ أربع عشرة آلاف ''

میں کہتا ہوں کہ یہی ان کی جلالت قدر کی دلیل ہے کیونکہ مجتہد کی شان ہی یہ ہے کہ وہ ان باتوں کو جو صحیح دلائل کے خلاف ہیں بیان کرے، اور ان پر اعتراض کرے خواہ اس کا قائل بڑا ہو یا چھوٹا

....

یہ بات (عیب) باعث ننگ وشرم نہیں ہے۔

صاحب تذکرہ کا سالِ وفات ۱۰۱۴ھ ہے۔

علم رجال میں بے بضاعتی:

با ایں ہمہ جلالتِ شان ملا علی قاریؒ کو فن رجال میں زیادہ بصیرت حاصل نہیں ہے، اور اس امر میں ان سے اکثر غلطی ہو جاتی ہے،

مولانا عبدالحی فرنگ محلی ''مقدمة التعليق الممجد على موطأ محمد'' (طبع کراچی) میں تحریر فرماتے ہیں:

''له شرح على موطأ محمد في مجلدين، مشتمل على نفائس لطيفة وغرائب شريفة، إلّا أن فيه في تنقيد الرجال مسامحات كثيرة.''

موصوف نے موطأ امام محمدؒ کی شرح دو جلدوں میں لکھی ہے، جو عجیب وغریب فوائد کی جامع ہے، مگر یہ بات بھی ہے کہ اس میں تنقید رجال میں موصوف سے بہت زیادہ تسامح ہوا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ موصوف بعض موقعوں پر صحیح اور ضعیف دونوں قسم کی روایتیں نقل کر دیتے ہیں، اور تنقیح سے عہدہ برا نہیں ہوتے، لیکن احادیث کی تشریح وتوجیہ اچھی کرتے ہیں، مولانا عبدالحی فرنگ محلیؒ نے ان کی مفید تالیفات کو موصوف کے مجدد ہونے کی دلیل قرار دیا ہے، چنانچہ ''التعليقات السنية على الفوائد البهية'' (ص:۶، طبع قاہرہ) میں لکھتے ہیں:

''وكلها مفيدة، بلغت إلى مرتبة المجددية على رأس الألف.''

ان کی تمام تالیفات مفید ہیں، اور ان کے مجدد الف ثانی کے مرتبہ پر فائز ہونے کو بتاتی ہیں۔

وفات:

ملا علی قاریؒ کا انتقال شوال ۱۰۱۴ھ میں مکہ معظمہ میں ہوا، اور جنت المعلاۃ میں دفن کئے گئے، ''محقق درست ایمان'' تاریخ وفات ہے، ان کی قبولیت کا یہ عالم تھا کہ جب ان کے انتقال کی خبر مصر پہنچی، تو جامع ازہر میں چار ہزار سے زیادہ مسلمانوں نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

موصوف کی مشہور تالیفات کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ إتحاف الناس بفضل وجّ وابن عباس، ۲۔ الأجوبة المحررة في البيضة الخبيثة المنكرة، ۳۔ الأحاديث القدسية، ٤۔ الأدب في رجب المرجب، ٥۔ الاستئناس بفضائل ابن عباس، ٦۔ الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة، ۷۔ الاصطناع في الاضطباع، ۸۔ الأصول المهمة في حصول المتمة، ۹۔ إعراب القاري على

....

أول باب البخاري، ١٠ـ الإعلام لفضائل بيت الله الحرام، ١١ـ الإنباء بأن العصا من سنن الأنبياء، ١٢ـ أنوار الحجج في أسرار الحج، ١٣ـ أنوار القرآن وأسرارالفرقان ، یہ تفسیر ہے۔ ١٤ـ بداية السالك في نهاية المسالك في شرح المناسك، ١٥ـ بهجة الإنسان ومهجة الحيوان، ١٦ـ بيان فعل الخير إذا دخل مكة من حج عن الغير، ١٧ـ البينات في تباين بعض الآيات، ١٨ـ التائبيه في شرح التائية لابن المقري، ١٩ـ التبيان في بيان ما في ليلة النصف من شعبان، ٢٠ـ التجريد في إعراب كلمة التوحيد، ٢١ـ تحفة الحبيب في موعظة الخطيب، ٢٢ـ تحقيق الاحتساب في تدقيق الانتساب، ٢٣ـ تزيين العبادة في تحسين الإشارة، ٢٤ـ تسلية الأعمى عن بلية العمى، ٢٥ـ تشييع فقهاء الحنفية في تشنيع سفهاء الشافعية، ٢٦ـ التصريح في شرح التسريح، ٢٧ـ تطهير الطوية في تحسين النية، ٢٨ـ تعليقات القاري على ثلاثيات البخاري، ٢٩ـ التهدين ذيل التزيين على وجه التبيين، ٣٠ـ الجمالين على تفسير الجلالين، ٣١ـ جمع الأربعين في فضل القرآن المبين، ٣٢ـ جمع الوسائل في شرح الشمائل، ٣٣ـ حاشية على فتح القدير، ٣٤ـ حاشية على المواهب اللدنية، ٣٥ـ حدود الأحكام، ٣٦ـ الحرز الثمين للحصن الحصين، ٣٧ـ الحزب الأعظم والورد الأفخم، ٣٨ـ الحظّ الأوفر في الحج الأكبر، ٣٩ـ الدرة المضية في الزيارة المصطفوية، ٤٠ـ دفع الجناح وخفض الجناح في فضائل النكاح، ٤١ـ الذخيرة الكثيرة في رجاء المغفرة للكبيرة، ٤٢ـ ذيل الرسالة الوجودية في نيل مسألةالشهودية، ٤٣ـ رد الفصوص، ٤٤ـ رسالة الاقتداء في الصلاة للمخالف، ٤٥ـ رسالة البرة في الهرة، ٤٦ـ رسالة المصنوع في معرفة الموضوع (من الحديث)، ٤٧ـ الزبدة في شرح قصيدة البردة، ٤٨ـ سلاسة الرسالة في ذم الروافض من أهل الضلالة، ٤٩ـ شرح الجامع الصغير للسيوطي، ٥٠ـ شرح حزب البحر، ٥١ـ شرح رسالة بدر الرشيد في ألفاظ الكفر، ٥٢ـ شرح الرسالة القشيرية، ٥٣ـشرح صحيح مسلم، ٥٤ـ شرح الشفاء للقاضي عياض، ٥٥ـ شرح مختصر المنار لابن حبيب الحلبي، ٥٦ـ شرح الوقاية في مسائل الهداية، ٥٧ـ شفاء السالك فيإرسال مالك، ٥٨ـ شم العوارض في ذم الروافض، ٥٩ـ صلات الجوائز في صلاة الجنائز، ٦٠ـ ضوء المعالي في شرح بدء الأمالي، ٦١ـ الصنيعة الشريفة في تحقيق البقعة المنيفة، ٦٢ـ الطواف بالبيت ولو بعد الهدم، ٦٣ـ العفاف عن وضع اليد في الطواف، ٦٤ـ العلامات البينات في فضائل بعض الآيات، ٦٥ـ عمدة الشمائل، ٦٦ـ فتح الأسماع في شرح السماع، ٦٧ـ فتح باب الإسعاد في شرح قصيدة بانت سعاد،

....

۶۸۔ فتح باب العناية شرح كتاب النقاية، ۶۹۔ فتح الرحمان بفضائل شعبان، ۷۰۔ فرائد القلائد على أحاديث شرح العقائد، ۷۱۔ فر العون ممن يدعى إيمان فرعون، ۷۲۔ الفصل المعول في الصف الأول، ۷۳۔ حاشية على فتح القدير لابن الهمام، ۷۴۔ فيض الفائض في شرح الروض الرائض، ۷۵۔ قوام الصوام للقيام الصيام، ۷۶۔ القول الحقيق في موقف الصديق، ۷۷۔ القول السديد في خلف الوعيد، ۷۸۔ كشف الخدر عن حال الخضر، ۷۹۔ لب لباب المناسك في نهاية المسالك، ۸۰۔ لسان الاهتداء في بيان الاقتداء، ۸۱۔ مبين المعين في شرح الأربعين، ۸۲۔ المختصر الأوفى في شرح الأسماء الحسنى، ۸۳۔ المرتبة الشهودية في منزلة الوجودية، ۸۴۔ مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، ۸۵۔ المسلك الأول فيما تضمنه الكشف للسيوطي، ۸۶۔ المسلك المتقسط في المنسك المتوسط، ۸۷۔ المسألة في شرح البسملة، ۸۸۔ المشرب الوردي في مذهب المهدي، ۸۹۔ مصطلحات أهل الأثر على نخبة الفكر لابن حجر، ۹۰۔ معرفة النساك في معرفة المسواك، ۹۱۔ المقالة العذبة في العمامة والعذبة، ۹۲۔ مقدمة السالمة في خوف الخاتمة، ۹۳۔ منح الروض الأزهر في شرح الفقه الأكبر، ۹۴۔ المنح الفكرية على مقدمة الجزرية، ۹۵۔المورد الروي في المولد النبوي، ۹۶۔ المعدن العدني في فضل أويس القرني، ۹۷۔ الناموس في تلخيص القاموس، ۹۸۔ نزهة الخاطر الفاتر في ترجمة الشيخ عبد القادر (الجيلي)، ۹۹۔ النسبة المرتبة في المعرفة والمحبة، ۱۰۰۔ النعت المرصع في المجنس المسجع، ۱۰۱۔ الهيئة السنيات في تبيين أحاديث الموضوعات، ۱۰۲۔ الهية السنية العلية على أبيات الشاطبية الرائية.

خط نسخ میں ملاعلی قاریؒ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک حمائل شریف خانقاہ مجددیہ ٹنڈو سائیں داد (سندھ) میں محترم ہاشم جان صاحب مجددی کے پاس میری نظر سے گذرا ہے، اس حمائل پر سن کتابت بھی تحریر ہے۔

موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: ۱۔ خلاصة الأثر: ۳/ ۱۸۵—۱۸۶، ۲۔ البدر الطالع: ۱/ ۴۴۵—۴۴۶، ۳۔ الفوائد البهية مع التعليقات السنية: ۸، ۴۔ الموطأ للإمام محمد- رحمه الله- مع التعليق الممجد: ۲۷، ۵۔ طرب الأماثل بتراجم الأفاضل: ۲۲۵- ۲۲۷، ۶۔ تذكرة الراشد برد تبصرة الناقد: ۱۹۳، ۷۔ إبراز الغي الواقع في شفاء العي: ۱۳، ۸۔ حدائق الحنفية: ۳۹۹ - ۴۰۱، ۹۔ هدية العارفين: ۱/ ۷۵۱ - ۷۵۳، ۱۰۔ محبوب الألباب في تعريف الكتب والكتاب: ۷۰۹، مطبع مقفن حیدرآباد دکن ۱۳۱۴ھ، ۱۱۔ فهرست کتب خانه رامپور: ۲/ ۹۳، ۱۲۔ سمط النجوم العوالي في إنباء الأوائل والتوالي: ۴/ ۳۹۴، ۱۲۔ إتحاف النبلاء: ۳۲۵- ۳۲۶.

۶- شیخ عبدالحق محدث دہلوی

نام ونسب:

عبدالحق نام، ابوالمجد کنیت، حقی تخلص اور محدث دہلوی عرف ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''عبدالحق بن سیف الدین بن سعدالدین بن فیروز بن موسی بن معزالدین بن محمد الترک البخاری الدہلوی الحنفی۔''

ولادت وتعلیم وتربیت:

موصوف محرم ۹۵۸ھ=۱۵۵۱ء میں دہلی میں پیدا ہوئے، شیخ الاولیاء تاریخ ولادت ہے، ان کے والد ماجد شیخ سیف الدین، صاحب نسبت بزرگ، جید عالم اور بلند پایہ مربی تھے، ان کی آرزو یہ تھی کہ وہ سعادت مند فرزند کو وقت کا نامور محقق اور بلند پایہ صوفی بنائیں، اس لئے انہوں نے ان کی تربیت خود کی، اور ابتدائی کتابیں بھی خود پڑھائیں، تصوف کے اعمال واشغال بھی خود سکھائے، تیرہ برس کی عمر میں شیخ موصوف نے نحو میں الارشاد، منطق میں شرح شمسیہ اور عقائد میں علامہ سعدالدین تفتازانی کی شہرۂ آفاق کتاب شرح العقائد النسفی وغیرہ پڑھیں، اور پندرہ برس کی عمر میں مختصر ومطول ختم کرلیں، پھر دیگر درسی کتابیں شیخ محمد مقیم تلمیذ امیر محمد مرتضیٰ شریفی وغیرہ سے دہلی میں پڑھیں، اور کم وبیش بیس برس کی عمر میں جملہ درسیات سے فراغت پائی، اس کے بعد برس سوا برس کے عرصہ میں قرآن مجید حفظ کرلیا۔

آپ بیتی:

اس سلسلہ میں شیخ موصوف کا وہ بیان جس سے شیخ سیف الدین کے طریقہ تعلیم وتربیت اور شیخ عبدالحق کے ذوق طلب، علم سے شغف، عبادت وریاضت، حافظہ وذکاوت، سعی پیہم اور تحصیل علم کی غرض وغایت پر روشنی پڑتی ہے، ہدیہ ناظرین ہے، فرماتے ہیں:

''والدم را اواخر عمر کہ زمان ضعف وپیری بود مشغولی خاطر منحصر در فقیر بود، سہ چہار سالہ بودم کہ ایشاں را مرضی صعب از گذشتن ایام جوانی، ورفتن یارانِ وغمگساران جانی عارض شد، درآن مرض باعث دفع دل گیری ورفع کلفت ضعف وپیری ھمیں فقیر بود، شب وروز در کنار مرحمت وجوار عنایت ایشان تربیت می یافتم، وھم دراں ایام طفولیت سخنان این طائفہ را درکام جان این حقیر ریختہ، تربیت باطنی راضمیمہ شفقت ظاھری می ساختند، ومن نیز بحکم فطرت مقتضی جبلت والہ ودیوانہ آن کلمات بودم آندکی خاموش می شدند، وخود را فراموش می کردم، وچون آگاھان طلب اعادۂ این افادہ می کردم، بعضی ازآن سخناں باخصوصیات وقت ھنوز درخزینہ خیال من ماندہ است، خالی ازغرابتی نیست، وغریب تر ازوی آنکہ فقیر را حالت

انفطام خود کہ مدت عمر دو سال یا دو نیم سال خواھد بود، آنچناں در خاطر است کہ گویا حکایت دیروز ست۔

درآن زمان نیز کہ آثار تربیت وعنایت ایشان بظہور آمدہ، تحصیل علوم حاصل شدہ بود، شب وروز در خدمت ایشاں در تذکرہ وتذکار بحث وتکرار می گذشت، شبہا بسر می آمد، وبندہ را بہمز بانی خود قبول داشتہ محظوظ بودند، خصوصا در تلقین علم توحید وتحقیق مسئلہ وحدت وجود بروجہے کہ موافق علم وشہود ست، اگر گاہے بمقتضی تقید مقدمات علم کسبی وبقصد تحقیق ایں علوم وھمی دغدغہ وشبہ درمیان آوردہ می شد، می فرمودند مارا ازیں نوع شبہات وشکوک دریں مسئلہ بسیار بود، ان شاء اللہ رفتہ رفتہ پردہ از روئی کار بکشاید، وجمال یقین روی نماید، ولیکن باید کہ دائم دریں خیال باشید، وھر مقدار کہ دست دھد سعی کنید، وایں بیت می خواندند۔

لنگ ولوک خفتہ شکل وبی ادب سوی او می خیزد او رامی طلب

اول از قرآن مجید بی سابقہ تعلیم قواعد تہجی کہ اطفال خوانند، دو سہ جزو بلکہ کمتر واللہ اعلم تعلیم فرمودند، سبق در سبق ایشاں می نوشتند، ومن می خواندم، از قرآن ھمیں مقدار تعلّم کردہ ام، بعدازآں باثر تربیت وشفقت ایشاں چناں قوت بہم رسید کہ ھر روز قدری از قرآن می خواندم، وھر مقدار کہ می خواندم پیش ایشاں می گذرانیدم، در دو سہ ماہ ختم قرآن تمام کردم، ودر خط وسواد چنانچہ معلمان صبیان اطفال را در مکتبہا یاد دھند مقید نشدند، فقیر را تا فا وقاف بر طریقہ اطفال مقید شدہ نویسانیدہ باشند، بعدازاں بطریق اجمال در اندک مدت شاید اگر مقدار یک ماہ تعین کنیم، دروغ نگفتہ باشیم، قدرت کتابت وسلیقہ انشاء پیدا شد، حق سبحانہ وتعالیٰ در توجہ وعنایت ایشاں اثری وخاصیتی نہادہ بود کہ اگر ھر چند کسی در مرتبہ استعداد وقوت دورتر افتادہ بودی، بتوجہ وتربیت ایشاں زود از قوت بفعل آمدی، مرا ھر چہ ھست اثر توجہ وعنایت ایشاں است، وایشاں را جمیع حقوق از ابوت وتربیت وتعلیم وارشاد بر ذمہ ایں نامراد ثابت ست، واز کتابہائی نظم واشعار کہ تعلیم آں متعارف ایں دیار ست، شاید کہ چند جزو از بوستاں وگلستاں ودیوان خواجہ حافظ تعلیم کردہ باشند، وھم از ابتدائی حالت صغر بعد از ختم قرآن میزان صرف یاد دادند، تا مصباح وکافیہ خود تعلیم فرمودند، درھماں زماں اکثر اوقات بر نفس مبارک ایشاں می گذشت کہ ان شاء اللہ تعالیٰ تو زود دانشمندی شوی، می فرمودند کہ مرا حظی غریب دست دھد، بتصور آنکہ حق تعالیٰ ترا بکمالی کہ من خیال کردہ ام برساند، ومن در حوزہ درس وافادۂ تو بروسادۂ ضعف پیری تکیہ کردہ نشستہ باشم، وگاہی کتابہا را تعدادمی کردند، ومی فرمودند ھمیں چند کتاب را کہ خواندی دانشمند شدی۔

می فرمودند تو یک مختصر از ھر علم بخوان، ترا بسندہ است، بعدازآں ان شاء اللہ چناں ابواب برکت وسعادت برتو بکشاید کہ جمیع علوم بی تکلف تحصیل روئی نماید، ایں نفس پاک ایشاں اثر آورد، ودر تحصیل علوم یک سرعتی وعبوری دست داد کہ

....

مشابہ طی زمان ومکان کہ می گویند باشد، از مختصرات نحو مثل کافیہ ولب وارشاد شاید کہ در بعضے اوقات یک جزو بلکہ بیشتر طی می نمودم، بلکہ بسبب حرص وشوق کہ براتمام تحصیل وفراغ داشتم، چناں بودم کہ اگر جزوی ازیں مختصرات مصحح ومحشی بدست می افتاد، بگذرانیدن آں پیش استادی پرداختم وبجملی از مطالعہ کہ دراں آوان بنظر در حواشی دست میداد، اکتفا کردہ بجزو دیگری انداختم، واگر مبحثی آسان پیش آمدی یادر کتاب سابق آں حکایت ومضمون معلوم شدہ بودی، طبیعت کفایت پیشہ بفکر واندیشہ آں دست نفرسودی۔

خداوند کہ دراں زماں چہ می دیدم وچہ می فہمیدم، ولیکن نظر برھر متن وحاشیہ کہ می گماشتیم تحت اللفظی از سواد آں بہرہ برمی داشتم، وھر کتاب کہ در نظر آمدی وجزوی ازوی در وقت پیدا شدی، خواہ از کتاب سابق یالاحق از اول یا آخر عبور برآں از واجبات وقت حال بود، مقید نبودم کہ شروع از اول کتاب باید نمود، واختتام بآخر آں برآمد کردمطمح نظر تحصیل علم بود ھر نوع کہ باشد۔

دوازدہ یا سیزدہ سالہ بودہ ام کہ شرح شمسیہ وشرح عقائدی خواندم، وپانزدہ یا شانزدہ کہ مختصر ومطول راگذراندم، وپیشتر یا پستر بیک سال از عددی کہ ظرفا در شار عمر از ذکر آں ملاحظہ کنند، از علوم عقلی ونقلی انچہ در افادہ واستفادہ از صورت ومادہ کافی ووافی باشد تمام کردم۔

والحمد للہ کہ بعد از آں بحفظ قرآن مجید نیز موفق شدم، ودر کنف حفظ او درآمدم، ودر مدت یک سال وچیزی ایں نعمت را کہ در صد سال شکر حرفی از آں ادانتوانم کرد بدست آوردم۔

وبالجملہ بہمیں قیاس کہ برخواندم بر سائر کتب عبوری کردم، وعثوری نمودم، غیر آنکہ مدت ھفت ھشت سال بلکہ زیادہ بعد از رسیدن بکتب عربیت ومنطق وکلام وحصول نوعی از قوت اکمال واتمام ملازمت درس بعضی از دانشمنداں ماوراء النہر بطوری نمودہ شد کہ در تمامی شب وروز شاید کہ دوسہ ساعت از مطالعہ وتعقل واشتغال فرصتی دست نمی دادہ باشد، وچوں بمدد توجہ باطن استاداں در اثناء درس بحثہا وسخناں مفید از طبع فاتر ایں حقیر می زائید، اکثر ایں عزیزاں می گفتند کہ ما از تو مستفیدیم، وماراہ برتو منتی نیست۔

خداداند کہ آں چہ شوق بود وچہ طلب، اگر آں قدر شوق وذوق در طلب مولیٰ وریاضت باطن می بود، تا کار بکجا می کشید۔

یکبار طالب علماں نشستہ از احوال یک دیگر تفحص می نمودند، کہ نیت در تحصیل علم چیست؟ بعضی طریق تکلف وتصنع پیمودہ می گفتند کہ مقصود ما طلب معرفت الٰہی است، بعضے براہ سادگی وراستی رفتہ می نمودند کہ غرض تحصیل حطام دنیاوی ست، از من کہ دراں زمان کافیہ بلکہ پایاں تر از آں چیزی می خواندم، پرسیدند کہ باری تو بگو در تحصیل علم چہ نیت داری، ونظر ھمت وقصد

....

برچہ می گماری؟ گفتم من اصلا ندانم کہ بر تحصیل علم معرفت الٰہی مترتب شود یا اسباب ملاھی، مرا بالفعل خود شوق این است کہ باری بدانم کہ چندیں عقلا وعلماء گذشتہ اند چہ گفتہ اند، ودر کشف حقیقت معلومات مسائل چہ درھا سفتہ اند، تا بعد از حصول آں چہ حالت دست دھد، بحظ نفس بر دیا بحبت مولیٰ یا بتحصیل دنیا کشد یا طلبِ عقبیٰ۔

وازابتدائی ایام طفولیت نمی دانم کہ بازی چیست، وخواب کدام، ومصاحبت کیست، وآرام چہ، وآسائش وسیر کجا، ے

شب خواب چہ وسکون کدام ست خود خواب بعاشقان حرام ست

ہرگز در شوق کسب وکار طعام بوقت نخوردہ، وخواب در محل نبردہ، وھر روز باوجود غلبۂ برودت ہوائی زمستان وشدت حرارت تابستان دو بار بمدرسہ دھلی کہ شاید از منزلِ مابُعد دو میل داشتہ باشد میل میکردم، درمیانہ روز ادنیٰ وقفہ در غربت خانہ بسبب تناول چندلقمہ کہ سبب عادی قوام حرکت ارادیست واقع می شد، ومدتی پیشتر از وقت صبح بمدرسہ می رسیدیم، ودرسایہ چراغ جزومی کشیدیم، وغریب تر آنکہ باوجود احاطۂ اوقات وشمول ساعات بمطالعہ وتذکار وبحث وتکرار ھر چہ از کتب خواندہ می شد، بلکہ ورائی آں از شروح وحواشی درنظر می آمد، تقید آں بکتابت از ضروریات وقت می دانستم، اکثری از شب وپارہ از روز مطالعہ می گذشت، وپارہ از شب واکثری از روز بکتابت می رفت۔

دائم پدر ومادر من ہلاک آں بودند کہ بہ یکدم با کودکان محلّہ بازی کنم، یا شب بوقت متعارف پا دراز کشم، ومن می گفتم کہ آخر غرض از بازی خاطر خوش کردنست، ومرا خاطر بہمیں خوش است کہ چیزی بخوانم یا مشق کنم، برعکس آنکہ پدران ومادران اطفال را برخواندن وبمکتب رفتن زجر کنند وعتاب نمایند، مرا در جانب دیگر مبالغہ خطاب می کردند، گاھی در اثنائے مطالعہ کہ وقت از نیم شب درمی گذشت، والدم قدس سرہ مرا فریاد می زد کہ بابا چہ می کنی، من فی الحال درازمی کشیدم، تا دروغ واقع نشود، ومی گفتم کہ خفتہ ام چہ می فرمایند، باز برمی نشستم، ومشغول می شدم، وچند بار در دستار وموی سر آتش چراغ درگرفتہ باشد، ومرا تا رسیدن حرارت آں بجرہ دماغ خبر نہ ے

چہ دودھائی چراغے کہ در دماغ نرفت کدام بادۂ محنت کہ در ایاغ نرفت
کدام خواب وچہ آسائش وکجا آرام چہ خارخار کہ در بسترِ فراغ نرفت
بجیرتم زدل خود کہ عمر رفت ولی زکنج غمکدہ ھرگز بہ صحن باغ نرفت

وباوجود شوق وشغف تحصیل وتکرار علم در کثرت صلوۃ واوراد وشب خیزی ومناجات ھم در اوان طفولیت بمقتضائی جبلت صوری جد واجتہاد بوجود می آمد، چنانچہ مردم حیران آں می بودند، وھنوز ذوق آں اسحار واوقات در کام وقت پیدا ست۔''

(أخبار الأخیار: ۳۱۰-۳۱۳)

....

میرے والد کی اخیر عمر میں جو بڑھاپے اور کمزوری کا زمانہ ہوتا ہے، دلبستگی میری ذات سے وابستہ تھی، میں تین چار برس کا تھا کہ ایام جوانی اور غمگسار دوستوں کے گذر جانے سے ایک مرتبہ وہ سخت بیمار پڑ گئے، اس بیماری میں ان کی دلجوئی اور ضعفِ پیری کی کلفتوں کو دور کرنے کا سبب یہی فقیر تھا، رات دن میں ان کی آغوش رحمت وشفقت میں تربیت پاتا تھا، اس زمانۂ طفلی میں وہ حضرات صوفیہ کے اقوال میرے دل ودماغ میں ڈال کر شفقت ظاہری کے ساتھ باطنی تربیت بھی فرماتے تھے، میں بھی فطری طور پر ان اقوال کا دلدادہ تھا، وہ جب ذرا خاموش ہوتے تو میں کچھ دیر کے لیے اپنے آپ کو بھول جاتا، اور واقفانِ اسرار کی طرح ان حقائق کو دوبارہ بیان کرنے کی استدعا کرتا، ان میں سے چند باتیں خصوصیات وقت کے ساتھ اب تک مجھے یاد ہیں، یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے، اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ فقیر کو اپنے دودھ چھڑانے کا زمانہ جب کہ عمر دوڈھائی برس کی ہوگی، ایسا یاد ہے جیسے کل کی بات۔

اسی زمانہ میں جب کہ ان کی تربیت وعنایت کے آثار ظاہر ہوئے، میں تحصیل علم میں مشغول ہوگیا، شب وروز ان کی خدمت میں بحث وتکرار کے اندر مصروف رہتا تھا، اس شغل میں راتیں گذر جاتی تھیں، اور وہ بندہ کو ہمزبانی کا شرف عطا کرکے بہت خوش ہوتے تھے، خاص طور پر علم توحید کی تلقین اور مسئلہ وحدت وجود کی تحقیق اس طرح فرماتے تھے گویا آنکھوں دیکھی باتیں کررہے ہیں، اگر کبھی مقدمات علمیہ کی وجہ سے ان علوم وہبی کی تحقیق کے سمجھنے میں شبہ رہ جاتا، تو فرماتے اس قسم کے مسائل میں ہمیں بھی بہت سے شکوک وشبہات پیش آتے تھے، ان شاءاللہ یہ رفتہ رفتہ جاتے رہیں گے، اور تم جمال یقین کا مشاہدہ کرلوگے، لیکن ہمیشہ اس دھن میں رہو، اور جہاں تک ہوسکے اس کے سمجھنے کی کوشش کرتے رہو۔

لنگ ولوک خفتہ شکل وبے ادب   سوے اومی خیزد اورا می طلب

والد ماجد نے مجھے بغیر سابقہ تعلیم قواعد تہجی جس طرح سے کہ بچے پڑھتے ہیں پہلے ہی قرآن مجید کے دوتین پارے بلکہ اس سے بھی کم تعلیم فرمائے تھے، وہ روزانہ سبق لکھ دیتے، اور میں پڑھ لیتا، قرآن کا اتنا ہی حصہ میں نے بطور سبق پڑھا ہے، اس کے بعد ان کی تربیت وشفقت سے ایسی قوت بہم پہنچی کہ روزانہ جتنا قرآن پڑھتا اسے ان کے سامنے دہرادیتا تھا، اس طرح میں نے دوتین مہینے میں قرآن مجید ختم کرلیا، استاد مدرسہ میں جس طرح بچوں کو رٹاتے ہیں میں نے نہیں رٹا، والد ماجد نے مجھے بچوں کے طریقہ پر ''فا'' اور ''قاف'' تک تختی لکھائی تھی، اس کے بعد تھوڑی سی مدت میں اگر ایک مہینہ کہوں تو جھوٹ نہ ہوگا، کتابت کا سلیقہ آگیا، اللہ تعالیٰ نے ان کی توجہ اور نظر میں ایسا اثر اور خاصیت رکھی تھی کہ کوئی شخص استعداد وقوت اخذ میں چاہے کتنا ہی بعید کیوں نہ ہو، ان کی توجہ وتربیت سے اس کی مخفی صلاحیتیں بہت جلد اس میں ظاہر ہوجاتی تھیں، مجھ میں جو کچھ بھی ہے، وہ انہی کی توجہ اور نظر کرم کا اثر ہے، ان کے تمام حقوقِ پدری اور حقوقِ تعلیم وارشاد

....

وتربیت اس فقیر کے ذمہ ثابت ہیں، نظم واشعار کی کتابوں میں جو اس ملک میں متداول ومروج ہیں، شاید گلستاں وبوستاں کے چند جزو اور دیوانِ حافظ پڑھایا ہو، لڑکپن ہی سے قرآن مجید ختم کرنے کے بعد میزان الصرف سے مصباح وکافیہ تک خود پڑھایا، دورانِ تعلیم اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ان شاء اللہ تم جلدی عالم بن جاؤ گے، مجھے بڑی مسرت ہوتی ہے، جس وقت یہ تصور کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس کمال تک پہنچادے، جس کا مجھے خیال ہے، اور میں تمہارے حلقۂ درس وافادہ پر بڑھاپے کے زمانے میں بھروسہ کرکے بیٹھا رہوں، اور کبھی چند کتابوں کے نام لیکر فرماتے کہ یہی چند کتابیں ہیں جن کو پڑھ کر تم عالم بن جاؤ گے۔

یہ بھی فرماتے تھے کہ ہر علم میں سے ایک مختصر پڑھ لو تمہیں کافی ہوگا، اس کے بعد ان شاء اللہ برکت وسعادت کے دروازے تم پر کھل جائیں گے، اور سارے علوم تمہیں بے تکلف حاصل ہوجائیں گے، ان کی ان باتوں نے وہ اثر کیا کہ تحصیلِ علوم میں ایسی تیزی وسرعت حاصل ہوئی جسے طے زمان ومکان کہتے ہیں، (یعنی بہت تھوڑی مدت میں زیادہ سے زیادہ علوم حاصل ہوگئے۔)

بعض اوقات مختصرات نحو، کافیہ، لب اور ارشاد، جیسی کتابوں کا ایک ایک جز بلکہ اس سے بھی زیادہ پڑھ لیتا تھا، اور تحصیل علم کا شوق اس قدر بڑھ گیا تھا کہ اگر ان مختصرات میں سے کسی کتاب کا صحیح اور حاشیہ والا کوئی نسخہ ہاتھ آجاتا، تو دورانِ مطالعہ حواشی کو دیکھ کر سمجھ لیتا، اور دوسرے جزء میں منہمک ہوجاتا، اگر کوئی آسان بحث آجاتی یا وہ مضمون پہلے گزر چکا ہوتا تو میری قانع طبیعت اس کی طرف متوجہ نہ ہوتی، اور اس پر غور کرنے کو تیار نہیں ہوتی۔

خدا ہی جانتا ہے کہ میں ان ایام میں کیا پڑھتا اور کیا سمجھتا تھا، لیکن اتنا یاد ہے کہ کتاب کی اصل عبارت حاشیہ کی مدد سے اچھی طرح سمجھ لیتا تھا، جو کتاب میرے ہاتھ آتی یا کوئی جز وکسی وقت مل جاتا، خواہ وہ اول کا ہو یا آخر کا، اس کا پورا پڑھ لینا اس وقت کا اہم مشغلہ تھا، میں اس کا پابند نہیں تھا کہ کتاب کو اول ہی سے شروع کرنا چاہئے، اور اختتام بس کتاب کے آخر حصہ پر ہونا چاہئے، بلکہ جو حصہ مل جاتا وہی پہلے پڑھ لیتا تھا، کیونکہ مقصد تحصیل علم تھا، وہ جس طرح بھی ممکن ہو۔

بارہ یا تیرہ برس کی عمر تھی جب میں شرح شمسیہ اور شرح عقائد پڑھتا تھا، پندرہ یا سولہ سال کی عمر میں مختصر المعانی اور مطول ختم کرلی تھی، اس عدد سے ایک سال پہلے یا پیچھے جس کا ظریف لوگ شمار عمر میں لحاظ کرتے ہیں، (یعنی جوانی میں) میں نے علوم عقلیہ ونقلیہ کی پوری پوری تحصیل کرلی تھی۔

الحمد للہ کہ اس کے بعد قرآن مجید کے حفظ کی توفیق نصیب ہوئی، اور میں اس کی حفاظت میں آگیا، یہ وہی نعمت ہے کہ جس کے ایک حرف کا شکر سو برس میں ادا نہیں کرسکتا، ایک سال اور کچھ دنوں میں حاصل کرلی تھی۔

الغرض اس طرح میں نے تمام کتابوں پر عبور واطلاع حاصل کی، ادب، منطق اور کلام کی کتابوں پر کامل

....

دستگاہ حاصل ہو جانے کے بعد سات آٹھ سال بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ تک بعض ماوراء النہری علماء سے اس طرح اکتساب فیض کیا کہ شب وروز میں شاید دو تین ساعت کے لیے مطالعہ، غور وفکر اور مشغولیت سے فرصت ملتی ہو، جب استادوں کی باطنی توجہ سے دورانِ سبق میں بحث ہوتی، اور اس حقیر کی زبان سے مفید تر باتیں نکلتیں تو وہ شفیق اساتذہ فرماتے ہم تم سے استفادہ کرتے ہیں، ہمارا تم پر کوئی احسان نہیں ہے۔

اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ کیا شوق تھا، اور کیسی طلب تھی، اگر اس قدر شوق وذوق طلب مولیٰ اور ریاضت باطن میں ہوتا تو کہاں سے کہاں پہنچا ہوتا۔

ایک مرتبہ طالب علم بیٹھے ہوئے آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ تحصیل علم سے مقصد کیا ہے؟ بعض نے تکلف وتصنع کرتے ہوئے کہا ہمارا مقصد معرفتِ الٰہی حاصل کرنا ہے، بعض نے سادگی سے صاف صاف کہا کہ ہماری غرض دنیا طلبی ہے، میں اس وقت کافیہ بلکہ اس سے بھی نیچے کی کتابیں پڑھتا تھا، مجھ سے پوچھا کہ اب تم بھی بتاؤ کہ تحصیل علم سے تمہارا مقصود کیا ہے؟ میں نے کہا مجھے بالکل نہیں معلوم کہ تحصیل علم کا ثمرہ معرفتِ الٰہی کی صورت میں ظاہر ہوگا، یا اسبابِ لہو اور سامانِ عیش میسر آئے گا، مجھے اس وقت یہی شوق ہے کہ ایک مرتبہ میں یہ جان لوں کہ جتنے دانش منداور دانش ور گذرے ہیں انہوں نے کیا کہا ہے، اور کشفِ حقیقت اور معلومات مسائل میں کون سے موتی پروئے ہیں، اس امر کے معلوم ہو جانے کے بعد کیا صورت پیش آتی ہے، عیش وعشرت کی طرف میلان ہوگا یا محبت مولیٰ کی طرف، دل دنیا کی طرف کھنچے گا یا عقبیٰ کا طلب گار ہوگا، بچپن ہی سے میرا یہ حال ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ کھیل کیا چیز ہے، آرام کی نیند کیسی ہوتی ہے، اور ہمنشینی کس کو کہتے ہیں، آرام وآسائش کیا اور سیر کہاں ہوتی ہے۔

شب خواب چہ وسکون کدام ست خود خواب بعاشقان حرام ست

جاڑے کی سخت ٹھنڈی ہوا اور گرمی کی چلچلاتی دھوپ میں ہر روز دو بار دہلی کے مدرسہ میں جاتا تھا، جو غالبًا ہمارے مکان سے دو میل کے فاصلہ پر ہوگا، دوپہر کو گھر میں بس اتنی دیر قیام رہتا جتنی دیر میں ایسے چند لقمے کھالیتا جو عادۃً صحت جسم کو برقرار رکھتے ہیں، ایک زمانے تک ایسا بھی ہوا ہے کہ سحر ہونے سے پیشتر ہی مدرسہ پہنچ جاتا اور چراغ کی روشنی میں ایک جزء لکھ لیتا، عجیب تر بات یہ تھی کہ تمام اوقات مطالعہ کتب اور پڑھی ہوئی کتابوں کی بحث وتکرار میں گرے ہوئے تھے، مگر پھر بھی میں ان شروح وحواشی کو جو مطالعہ سے گذرتی تھیں قلمبند کرنا ضروری سمجھتا تھا، رات کا زیادہ تر حصہ اور دن کا کمتر حصہ مطالعہ میں گذرتا، اور رات کا کمتر حصہ اور دن کا بیشتر حصہ کتابت میں صرف ہوتا تھا۔

میرے والدین ہر چند کہتے تھے کہ کسی وقت محلّہ کے بچوں کے ساتھ کھیلا کرو، اور رات کو وقت پر سویا کرو، میں

کہتا کہ آخر کھیل کود سے غرض تو دل ہی کا خوش کرنا ہے میرا جی اسی سے خوش ہوتا ہے کہ کچھ پڑھوں لکھوں، ماں باپ عموماً اپنے بچوں کو مدرسہ جانے اور پڑھنے کی تاکید وتنبیہ کیا کرتے ہیں، اس کے برعکس مجھے کھیل کود کی تاکید ہوتی تھی، کبھی اثناء مطالعہ میں آدھی رات گذر جاتی تو والد قدس سرہ پکارتے کہ بابا کیا کرتے ہو، میں فوراً لیٹ جاتا کہ کہیں جھوٹ نہ ہو، اور کہتا کہ میں سونا چاہتا ہوں، آپ کیا فرماتے ہیں؟ پھر اٹھ بیٹھتا، اور پڑھنے میں مشغول ہو جاتا، کئی مرتبہ عمامہ اور سر کے بالوں میں چراغ سے آگ لگ گئی، لیکن مجھے اس وقت پتہ چلا جب اس کی حرارت دماغ کو پہنچی ؎

چہ دودھائی چراغی کہ در دماغ نرفت — کدام بادۂ محنت کہ در ایاغ نرفت
کدام خواب وچہ آسائش وکجا آرام — چہ خارخار کہ در بسترِ فراغ نرفت
بحیرتم زدل خود کہ عمر رفت ولی — زکنج غمکدہ ھرگز بہ صحن باغ نرفت

تحصیل وتکرار علم کے شوق وشغف کے باوجود بتقاضائے فطرت، اس زمانہ طفلی میں نماز، وظائف، شب خیزی اور مناجات کا سلسلہ بھی اسی شد ومد سے جاری تھا، کہ لوگ حیرت کرتے تھے، آج بھی سحر خیزی اور اوقات کی پابندی ومصروفیت کا کیف کام ودہن میں نمایاں ہے۔

بیعت وخلافت:

شیخ موصوف نے ۶ شوال ۹۸۵ھ میں جب کاروانِ عمر تیسویں منزل طے کر رہا تھا، شیخ موسیٰ بن حامد حسینی اُچّی سے بیعت کی، اور خرقۂ خلافت حاصل کیا، شیخ عبدالحقؒ نے "أخبار الأخيار" (۲۰۶: مطبع مجتبائی ۱۳۳۲ھ) میں ان کا تذکرہ بڑی عقیدت سے لکھا ہے، اور "المكاتيب والرسائل إلى أرباب الكمال والفضائل" میں موصوف کا "سمی کلیم الٰہی" اور "مسمی کلیم اللہی" کے الفاظ سے یاد کیا ہے، چنانچہ رسالہ "تنبيه أهل الفكر برعاية آداب الذكر" میں ان کی ایک تالیف کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"حضرت شیخی وسیدی وسندی قبلہ گاھی سمی کلیم اللہی قدس اللہ سرہ درکتاب اوراد خود ہمچنیں فرمودہ اند" (ص: ۳۵۳)

اور رسالہ "إيراد العبارات لبيان أهل الأشارات" میں فرماتے ہیں:

"حضرت شیخی سیدی سندی قبلہ گاھی سمی کلیم اللہی" (ص: ۳۷۵)

سفر حج واستفادہ:

شیخ عبدالحق نے ۹۹۵ھ میں حج وزیارت کی نیت سے رختِ سفر باندھا، اور راجین ہوتے ہوئے احمد آباد پہنچے، یہاں جتنے عرصہ قیام رہا، شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی (المتوفی ۹۹۸ھ) سے قادریہ طریقہ کے بعض اعمال واشغال کی تحصیل

....

کی، اور ۹۹۶ھ میں حج کیا، دس مہینے مکہ معظمہ میں قیام کر کے ۲۳ ربیع الثانی ۹۹۷ھ میں مدینہ منورہ پہنچے، اور بقول صاحبِ نزہۃ الخواطر رجب ۹۹۸ھ تک یہیں رہے پھر مکہ معظمہ واپس آ گئے، اور ایک زمانے تک حرم میں رہے، پھر دوسرا حج کیا، شعبان ۹۹۹ھ کے آخری ایام میں طائف تشریف لے گئے، پھر مکہ معظمہ تشریف لائے، اور تھوڑے عرصہ رہ کر اس سال ہندوستان واپس آ گئے۔

سرزمین حجاز میں شیخ کا قیام کم وبیش تین برس رہا، اور زیادہ تر زمانہ شیخ عبدالوہاب متقی برہانپوری ثم المکی کی خدمت میں گذرا، چنانچہ موصوف شیخ علاء الدین مکی کے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: "أنا في خدمته منذ سنتين" (أخبار الأخيار: ۲۷۱) میں شیخ متقی کی خدمت میں دو برس سے ہوں۔

شیخ موصوف نے اس طویل مدت میں ان سے خصوصی استفادہ کیا، اور شیخ متقی نے ان کو اپنی جملہ مرویات کی اجازت دی، اور خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا، رسالہ ''ذکر الأحوال والأقوال منبهة على رعاية طريق الاستقامة والاعتدال'' (ص: ۳۷۱، مطبع مجتبائی) میں رقمطراز ہیں:

''قد أجازني سيدي الشيخ عبد الوهاب بكتب القوم وطرقهم وسلاسلهم، وأجازني من أربع سلاسل القادرية والشاذلية والمدنية والجشتية.''

سیدی شیخ عبدالوہاب نے مجھے بزرگوں کی کتابوں، ان کے طریقوں اور سلسلوں کی اجازت عطا فرمائی، نیز مشہور چار سلسلے قادریہ، شاذلیہ، مدنیہ اور چشتیہ کی بھی اجازت دی ہے۔

شیخ موصوف نے حرم کے دیگر نامور محدثین سے بھی روایتِ حدیث کی اجازت حاصل کی، نیز حرم نبوی ﷺ میں بھی اس طرح استفادہ اور افادہ کا سلسلہ برابر قائم رہا۔

جامعیت شیخ:

شیخ عبدالحق کو علومِ شریعت وطریقت میں جو بصیرت وکمال حاصل تھا، اس کا اعتراف ان کے اساتذہ ''دانشمندانِ ماوراء النہر وغیرہ'' نے جن الفاظ میں کیا ہے وہ اوپر گذر چکا یہی حال حجاز کے نامور محدثین کا ہے، انہیں بھی فہم حدیث میں شیخ سے استفادہ کا اعتراف ہے، ''نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر'' (۲۰۲/۵) میں مذکور ہے:

''أخذ الحديث بمكة عن الشيخ عبدالوهاب بن ولي الله المتقي، والقاضي علي بن جار الله ابن ظهيرة القرشي المخزومي المكي، وبالمدينة المنورة عن الشيخ أحمد بن محمد بن محمد أبي الحزم المدني، والشيخ حميد الدين بن عبد الله السندي المهاجر، وأجازوه إجازة عامة، وأثنوا عليه، وأطنب في

....

مدحه القاضي علي بن جار الله المذكور، قال: "إنه المفرد العلم في القطر الهندي" وقال: "إنه ممن أعلى الله همته في الطلب، ووفقه للسعي فيما يوصل إلى بلوغ الأرب، وخدم العلم الشريف وضرب فيه بالسهم الأعلى والقدح المعلى، وقد شرفني بالحضور عندي برهة من الزمان في المسجد الحرام بقراءة قطعة من صحيح الإمام البخاري، وقطعة من ألفية الحديث للعراقي البحر الهمام، فاستفدت منه أكثر مما استفاد، وأبدى من الأبحاث ما أحسن فيه وأجاد، قراءة ظهر بها أنه بالإفادة أحق منه بالاستفادة، وأن له رسوخ قدم في الاشتغال على جمل الوجوه المعتادة" انتهى.

وقرأ على الشيخ عبد الوهاب المذكور مشكوة المصابيح، وأخذ عنه آداب الذكر وأوضاعه وتقليل الطعام وآداب الخلوة، ولازمه واستفاد منه فوائد كثيرة، وكان الشيخ يحبه ويثني عليه، وبشره ببشارات وألبسه الخرقة، وحكّمه، وكتب له إجازة مطلقة في أحكام التحكيم.''

موصوف نے مکہ میں شیخ عبدالوہاب بن ولی اللہ متقی، قاضی علی بن جار اللہ بن ظہیرہ قرشی مخزومی مکی سے اور مدینہ منورہ میں شیخ احمد بن محمد بن محمد ابی الحزم مدنی، شیخ حمید الدین بن عبداللہ سندھی مہاجر سے حدیث پڑھی، اور انہوں نے ان کو اپنی تمام مرویات کی اجازت دی، اور ان کی تعریف کی، قاری علی بن جار اللہ مذکور نے بھی ان کی بڑی تعریف وتوصیف کی، اور فرمایا کہ ہندوستان میں یکتا اور نامور عالم ہیں، اور یہ بھی فرمایا کہ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو تحصیل علم کے لیے اللہ تعالیٰ نے بلند حوصلہ عطا کیا، اور مقصد تک پہنچنے کے لیے جدو جہد کی توفیق ارزانی فرمائی، انہوں نے علم حدیث کی خدمت کی، اس سے پورا اور کامل حصہ پایا، انہوں نے کچھ مدت حرم محترم میں میرے حلقۂ درس میں شرکت کی، صحیح امام بخاری اور الفیہ حدیث علامہ عراقی کا ایک حصہ پڑھ کر مجھے بھی عزت بخشی ہے، انہوں نے جتنا مجھ سے استفادہ کیا ہے اس سے کہیں زیادہ میں نے ان سے استفادہ کیا ہے، انہوں نے نئی بحثوں کا آغاز کیا، اور خوب اچھی بحثیں کیں، نہایت عمدہ طریقہ سے پڑھا، جس سے ظاہر ہوا کہ یہ استفادہ سے زیادہ افادہ کے مستحق ہیں، اور یہ کہ ان کو تمام مروجہ طریقوں کے مطابق اشتغال علم میں پایۂ بلند حاصل ہے۔

موصوف نے شیخ عبدالوہاب مذکور سے مشکوٰۃ المصابیح پڑھی، اور ان سے ذکر کے آداب وطریقے سیکھے، کم خوری اور آداب خلوت کی تعلیم پائی، ان کی صحبت اختیار کی، اور ان سے بہت کچھ استفادہ کیا، شیخ متقی ان سے محبت کرتے اور ان کی تعریف کرتے تھے، انہوں نے ان کو بڑی خوشخبریاں سنائی ہیں، خرقۂ خلافت سے سرفراز کیا، اور ان کو فیصلہ کرنے کا اہل قرار دیا، فصل خصومات کی اجازت دی، یعنی افتاء اور قضاء کی۔

....

ہندوستان میں شیخ عبدالحق اور شاہ ولی اللہ دہلوی کو یہ فخر حاصل ہے کہ شیوخ حرم کو بھی فہم معانی حدیث میں ان سے استفادہ پر ناز ہے، اورانہوں نے نہایت فراخ دلی سے اس امر کا اعتراف بھی کیا ہے۔

روایت حدیث از اکابر:

حافظ سید عبدالحی کتانی نے "فهرس الفهارس" (۲/۷۲۵) میں حافظ سید مرتضیٰ بلگرامی کی کتاب "ألفية السند" کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ شیخ عبدالحق دہلوی شیخ علی متقی، حافظ ابن حجر مکی ہیتمی اور علی قاری سے بلاواسطہ روایت کرتے ہیں، موصوف کے الفاظ ہیں:

"يروي المترجم عامة عن نور الدين عبد الوهاب المتقي القادري الحسيني وغيره الراوي عن العلامة المحدث الصالح أبي الحسن علي بن حسام الدين المتقي المعروف بابن الهندي المتوفى ۹۷۷هـ تقريباً (والصحيح ۹۷۵ هـ) مبوب "الجامعين الصغير والكبير"، بل ذكر الحافظ مرتضى في "ألفية السند" له: أن المترجم يروي عن المتقي مباشرة، وكذا عن ابن حجر الهيتمي، وعن علي القاري وناهيك بهؤلاء الثلاثة، وللمترجم ثبت حافل في مشايخه وأسانيده عنهم."

شیخ عبدالحق عام طور پر شیخ نورالدین عبدالوہاب متقی قادری حسینی وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، جو علامہ محدث صالح شیخ ابوالحسن علی بن حسام الدین متقی المعروف بابن ہندی (المتوفی ۹۷۷ھ تقریباً) (صحیح ۹۷۵ھ) مرتب جامع صغیر وکبیر کے شاگرد ہیں، بلکہ حافظ سید مرتضیٰ زبیدی نے اپنی کتاب الفیۃ السند میں لکھا ہے کہ شیخ عبدالحق، شیخ علی متقی اور اس طرح ابن حجر ہیتمی اور ملا علی قاری سے بلاواسطہ روایت کرتے ہیں، اوران کا ان ارباب ثلاثہ سے روایت کرنا ہی تمہارے لیے کافی ہے، شیخ موصوف کا اپنے شیوخ کے تذکرہ اوران کی اسانید کے بیان میں ایک جامع ثبت (فہرست شیوخ) بھی ہے۔

سید عبدالحیٔ کتانی نے پھر سید مرتضیٰ بلگرامی ثم زبیدی کے حسب ذیل اشعار بھی نقل کئے ہیں:

"عن الشهاب الهيتمي والمتقي   مبوب الجامع نعم المتقي
وعن علي الهَروي القاري   وكلهم رووا بلا إنكاري"

حافظ سید مرتضیٰ بلگرامی نے "تاج العروس" مادہ "دہل"، شیخ موصوف کے شیوخِ حدیث میں شیخ علی متقی کا نام تو نہیں لیا ہے، لیکن حافظ ابن حجر ہیتمی مکی اوران کے طبقہ کے محدثین سے روایت کا ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"وفد إلى الحرمين، فأخذ عن الشهاب أحمد بن حجر المكي وطبقته، كالشيخ عبد الوهاب المتقي وملا علي القاري وغيرهما".

....

موصوف حرمین شریفین تشریف لے گئے، اور شہاب الدین احمد بن حجر مکی اور اس طبقہ کے دیگر شیوخ جیسے شیخ عبدالوہاب متقی، ملاعلی قاری وغیرہ سے حدیث کی تکمیل کی۔

تبصرے:

شیخ موصوف کا شیخ علی متقی اور حافظ ابن حجر مکی سے بلا واسطہ روایت کرنا بظاہر محل نظر ہے، کیونکہ شیخ علی متقی کا انتقال ۹۷۵ھ میں اور شیخ ابن حجر مکی کا ۹۷۴ھ میں ہوا تھا، اور شیخ عبدالحق کا ورود مکہ معظمہ ۹۹۶ھ میں ہوا ہے، جب کہ اول الذکر کے وصال کو اکیس اور ثانی الذکر کے انتقال کو بائیس برس گزر چکے تھے، اگر سید مرتضیٰ بلگرامی نے مباشرہ کے بجائے مکاتبۃً یا اجازت عامہ کے اعتبار سے راوی ہونے کا تذکرہ کیا ہوتا، تو قرین قیاس بھی تھا، مباشرۃً (رُودررُو) روایت کرنا محتاجِ تحقیق ہے، اس کی صحت کا فیصلہ اور ملاعلی قاری سے روایت حدیث کی اجازت کا ثبوت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے ثبت (فہرستِ شیوخ) ہی سے ہوسکتا ہے۔

انتخاب سند:

شیخ عبدالحق دہلویؒ کو متعدد شیوخ حدیث سے روایت حدیث کی اجازت حاصل تھی، لیکن روایتِ حدیث میں موصوف نے جس سلسلۂ سند کو انتخاب کیا، وہ شیخ عبدالوہاب متقی کا سلسلۂ روایت ہے، حافظ سید عبدالحی کتانی نے شیخ عبد الرحمٰن عیدروس کے تذکرہ سے مذکورۂ بالا فائدہ نقل کیا ہے، موصوف ''فهرس الفهارس والأثبات'' (۲/۷۲۷) میں رقمطراز ہیں:

''قال الشيخ عبد الحق الدِّهلوي المُترجم: أوصاني سيدي عبد الوهاب المتقي بأنه ينبغي للمحدِّث أن يختار لنفسه من الأسانيد التي حصلت له من مشايخه سنداً واحداً يحفظه ليتصل به إلى سيد المرسلين، وتعود بركته على حامله في الدنيا والآخرة، فاختصرت لوصية شيخي سنداً من طريق البخاري وآخر لمسلم، واكتفيت بهما، ففيهما البركة، فقلت: قال العبد الضعيف: حدثنا شيخنا الولي المقتدي عبد الوهاب الحنفي، قال: حدثنا شيخنا علي بن حسام الدين المتقي، قال: حدثنا أبو الحسن البكري، قال: حدثنا زين الدين زكريا الأنصاري عن ابن حجر (ح)، وحدثنا الشيخ عبد الوهاب المتقي، قال: حدثنا المسند علي بن أحمد الحناتي الأزهري الشافعي، حدثنا شيخ الإسلام الجلال السيوطي، حدثنا الشهاب ابن حجر''.

شیخ عبدالحق دہلویؒ کا بیان ہے کہ مجھے میرے مرشد عبدالوہاب متقی نے یہ وصیت کی ہے کہ محدّث کے لیے

....

مناسب یہ ہے کہ وہ اپنے لیے ان سندوں میں سے جو اس کو اپنے شیوخ سے حاصل ہیں، ایک سند کو انتخاب کرکے یاد کرلینا چاہئے، تاکہ وہ سلسلۂ سند جناب رسالتمآب ﷺ تک متصل رہے، اور صاحب سند اس کی برکت سے دنیا وآخرت میں بہرہ مند ہو، اپنے شیخ کی وصیت کے مطابق میں نے ایک سند بخاری کی اور دوسری مسلم کی انتخاب کرلیں، اور انہی دونوں پر اکتفاء کیا ہے، کیونکہ انہی میں برکت ہے، بندہ ضعیف کہتا ہے کہ ہمارے شیخ ولی مقتدی عبدالوہاب حنفیؒ نے ہم سے بیان کیا، اور ان کا بیان ہے ہم سے شیخ علی بن حسام الدین متقی نے بیان کیا، ان کا بیان ہے کہ ہم سے شیخ ابوالحسن بکری نے بیان کیا، اور انہوں نے کہا ہم سے زین الدین زکریا انصاری نے بیان کیا، جو ابن حجر عسقلانی سے راوی ہیں (ان کا سلسلۂ سند مشہور ہے)، دوسری سند یہ ہے کہ ہم سے شیخ عبدالوہاب متقی نے بیان کیا، اور ان کا بیان ہے کہ ہم سے مسند علی بن احمد حناتی ازہری شافعی نے بیان کیا، اور ان کا کہنا ہے کہ ہم سے شیخ الاسلام جلال الدین سیوطی نے بیان کیا، وہ شہاب الدین ابن حجر سے راوی ہیں (ان کا سلسلۂ سند شہرت کی بناء پر ذکر سے مستغنی ہے۔)

واضح رہے کہ حافظ جلال الدین سیوطیؒ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ سے اجازت عامہ کے تحت روایت کرتے ہیں، ان کو ابن حجر عسقلانیؒ کے آگے زانوئے تلمذ طے کرنے کا فخر حاصل نہیں۔

گوشہ نشینی:

شیخ عبدالحق نے مکہ معظمہ میں شیخ متقیؒ کو جب اپنی سرگذشت سنائی، اور یہ کہا:

"دعاني بعض أهل الحقوق إلى الخروج إلى أرباب الدنيا، فأدركت سلطان الوقت والأمراء،فاعتنوا بشأني ورفعوا مكاني وأرادوا أن يكثروا بي سوادهم ويحكموا ويعلوا بهذا الضعيف صورهم وموادهم، فحماني الله، ولم يتركني معهم، وأوجد في قلب عبده جذبة هداها إلى هذا المقام الشريف."

(الرسالة في ذكر الأحوال والأقوال منبهة على رعاية طريق الاستقامة والاعتدال :۳۶۹-۳۷۰)

مجھے بعض اہل حقوق نے اہل دنیا کی طرف بلایا، میں بادشاہ وقت اور امراء کے پاس گیا، انہوں نے میری طرف خصوصی التفات کیا، میرا رتبہ بلند کیا، اور چاہا کہ میرے ذریعہ سے اپنی جماعت بڑھائیں، اور مجھ ضعیف سے اپنی جمعیت کو مضبوط کریں، اور مجھے مقصد برآری کے لیے کام میں لائیں، اللہ تعالیٰ نے مجھے بچایا، اور ان کے ساتھ نہ چھوڑا، اور اپنے بندہ کے دل میں ایک جذبہ پیدا کیا جس نے اس مقام شریف تک پہنچا دیا۔

اس وقت شیخ عبدالوہاب متقی کی دور بین نگاہوں نے اس خیال سے کہ کہیں شیخ موصوف کو اہل دنیا پھر دربار سے وابستہ نہ کردیں، اور یہ عہدہ اور منصب میں پھنس کر بڑی خیر سے محروم نہ رہ جائیں، چند ہدایتیں کی تھیں جن میں سے

....

ایک یہ تھی کہ خیر کے کاموں میں لوگوں سے تعاون کریں، اور بری باتوں میں ان سے گریز کریں، اور جہاں تک ہو سکے عزلت نشین رہیں، موصوف فرماتے ہیں:

''قال: سبحان الله! ما أحسن هذا لو كسر أحد قدميه، وجلس في زاوية العزلة والخمول، فهو على مرتبة في الوصول والقبول.

ثم قال: ولكن هذا أمر صعب شديد، وثبات القدم فيه بعيد، والأصل في هذا أن يشترك المرء الناس، ويخالطهم في خيرهم، ويجتنب عن شرهم، فلذلك لم يخالط المملوك عن الناس ...... ولم يذهب حين الرجوع من الحج، كما هو عادة بعض الحجاج من أهل الحرص والأمل واللحاح إلى ديار دكن وبيجافور وبرهان فور ونواحيهما مما يجب على الفقراء وأهل هذه الطريقة منه الهرب والنفور، فجاء بحمد الله سالماً عن الآفات، غانماً بما شاء الله من البركات في وطنه المألوف أعني حضرة الدهلي الذي هو مكان الفقراء والمساكين، ومسكن العاشقين المحبين، والتزم باب الفقر متوكلاً على الله، راجياً فضله وكرمه في دنياه وأخراه ......

إن الشيخ قد أمرني بالخلوة والعزلة والانفراد، ولكنه قد تساهل وتسامح في ذلك ملاحظة ونظراً للاعتبار، ولم يترك جانب الرخصة رأساً، مخافة أن لايرى في ذلك شدة وبأساء، فكان هذا العبد الضعيف يمضى أوقاته بما شاء الله من الأعمال والاشتغال، ولكنه كان يخرج إلى بعض المواضع في بعض الأوقات والأحوال، ويخدم ويزور بعض الأحباب والأصحاب من أهل الخير، ويتبرك بصحبتهم، ويتشرف بخدمتهم مأموناً عن وصمة الغير ولحوق الضير.'' (ص:۳۷۰)

انہوں نے فرمایا سبحان اللہ یہ کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ ایک پیر سے معذور ہو جاتا، اور گمنامی اور گوشۂ عزلت میں بیٹھا رہتا، کیونکہ وہ وصول وقبول کے مرتبہ کو پہنچا ہوا ہے، پھر فرمایا لیکن یہ عزلت نشینی بڑا دشوار کام ہے، اور اس میں ثابت قدم رہنا آسان نہیں، اس معاملہ میں اصل بات یہ ہے کہ انسان لوگوں سے اشتراک عمل کرے، ان کے خیر کے کاموں میں ان کے ساتھ رہے، اور ان کی بُری باتوں سے بچے، بس اس وجہ سے غلام نے بڑے لوگوں سے میل جول نہیں رکھا...... وہ حج سے واپس آکر جیسا کہ بعض لالچی، حریص اور جھگڑالو حاجیوں کی عادت ہے ان کے پاس بلاد دکن، بیجاپور، برہانپور کی طرف نہیں گیا، اور نذرانے وصول نہیں کئے، منجملہ ان باتوں کے جو درویش اور اس طریقہ کے راہ رو پر لازم ہے وہ دنیا داروں سے بھاگنا اور دور رہنا ہے، پس بحمد اللہ وہ آفتوں سے بچ کر اور اللہ نے جو برکتیں اس کے

لیے مقدر فرمائی تھیں، حاصل کر کے اپنے وطنِ عزیز کو جس سے میری مراد دہلی ہے، اور جو درویشوں اور فقیروں کا ٹھکانا اور عشاق اور محبت کرنے والوں کا مسکن ہے، آ گیا اور اللہ کی ذات پر بھروسہ کر کے اور دنیا و آخرت میں اس کے فضل و کرم کا امیدوار ہو کر فقر کے دروازہ پر بیٹھ گیا، شیخ نے مجھے خلوت، گوشہ گیری اور علیحدہ رہنے کا حکم دیا، لیکن انہوں نے اس معاملہ میں آزمائش کا خیال کرتے ہوئے نرمی سے کام لیا، اور رخصت کی جہت کو یکسر نظر انداز نہیں کیا، محض اس اندیشہ سے کہ کہیں یہ دشواری اور سختی کا باعث نہ ہو جائے، چنانچہ یہ بندہ ضعیف اپنے تمام اوقات ان اعمال واشغال کی انجام دہی میں گذارتا ہے، جن کی اللہ نے توفیق دے رکھی ہے، لیکن بعض اوقات اور بعض حالات میں بعض مقامات پر جاتا رہتا ہے، بعض احباب اور اصحاب خیر کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی زیارت کرتا اور ان کی صحبت سے برکت حاصل کرتا ہے، ان کی خدمت سے عزت پاتا اور اغیار کے اختلاط اور نقصان اٹھانے کے داغ سے مامون رہتا ہے۔

حقیقت بھی یہ ہے کہ قدرت کو شیخ موصوف سے علوم حدیث کی نشر واشاعت کا جو کام لینا تھا، اس کے لیے ضروری تھا کہ شیخ عبدالحق مرکز میں یکسو ہو کر بیٹھیں، اور خاموشی کے ساتھ نہایت تندہی اور محنت سے درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا کام کریں، اس لئے ان کے ایک اور روحانی رہبر شاہ ابوالمعالی قادری لاہوری (المتوفی ۱۰۲۴ھ) نے بھی غالباً اس خیال سے کہ اختلاط سے شیخ کے کاموں میں فرق آتا ہے، ان کو گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر کام کرنے کی تاکید کی تھی، شیخ عبدالحق نے ان سے اس کی وجہ دریافت کی تو وہ بھی نہیں بتائی، موصوف کا بیان ہے:

”ثم سلط الله علي ياسيدي رجلاً من أهل سلسلتنا من عشاق الحضرة الجيلانية، ومجذوباً سكرانا بشراب المحبة العرفانية، فجبرني وقهرني وألزمني الخلوة والعزلة والانفراد، ومنعني عن الدخول على الناس والتردد إلى بيوتهم وصحبتهم، ولو كان مع الفقراء والصالحين من العباد وجد في ذلك وبالغ ولم يتسامح قطعاً، وقال: يا هذا لايطلب منك عمل غير هذا، وقال: ولا أقول أنه ذلك من عند نفسي، وإنما هو أمر مؤكد من مكان آخر، فعليك به، فألححته بالسوال عن الاطلاع على حقيقة هذا الأمر وانكشاف حلية الحال، فقال: تدعو الله أن لايطلعكم على حقيقة الأمر، ولايكشفه عليكم حتى يبلغ الكتاب أجله، ويظهر عند ذلك ما هو المرجع والمآل، وبشرني بأن فيه الخير كل الخير، إن شاء الله تعالى“

(أخبار الأخيار مع كتاب المكاتيب والرسائل: ۳۷۰)

پھر سیدی مجھ پر اللہ تعالیٰ نے ہمارے سلسلہ کے ایک ایسے شخص کو مسلط کیا، جو بارگاہ جیلانیہ کے عشاق میں سے تھا، مجذوب تھا، اور عرفان محبت کی شراب میں سرشار تھا، اس نے مجھ پر جبر کر کے گوشہ نشینی، خلوت اور علیحدگی کو میرے لیے

....

لازم کیا، اور مجھے لوگوں سے آمد ورفت رکھنے اور ان کی صحبت میں اٹھنے بیٹھنے سے منع کیا، اگر چہ وہ فقراء اور نیک بندوں کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو، اور اس معاملہ میں پوری پوری سعی کی، اور مبالغہ سے کام لیا، ذرا بھی نرمی روا نہ رکھی، اور یہ کہا دیکھو تم سے اس امر کے علاوہ کچھ اور مطلوب نہیں ہے، اور یہ بھی فرمایا کہ میں یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہتا ہوں اس امر کی تاکید کسی دوسری جگہ سے ہے، اس لئے تمہیں اس کا پابند رہنا ضروری ہے، میں نے حقیقت الامر سے آگاہی اور انکشاف حال سے باخبر ہونے پر اصرار بھی کیا، تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ تم کو حقیقۃ الامر سے مطلع نہ فرمائے، اور مرنے سے پیشتر یہ بات تم پر منکشف نہ ہو، مرتے وقت تم پر یہ بات کھل جائے گی، اور مجھے خوش خبری دی کہ اس میں ان شاء اللہ تمام تر خیر ہی خیر ہے۔

دراصل یہی وجہ ہے کہ شیخ موصوف نے درس وتدریس اور عبادت وریاضت کے باوجود سو سے اوپر تصانیف یادگار چھوڑیں۔

شیخ متقیؒ نے خلوت کی تاکید کے ساتھ یہ بھی ہدایت فرمائی تھی کہ ہر فیض رساں سے فائدہ اٹھانا طالب کا کام ہے، لکھتے ہیں:

''شان طالب الحق أن يستفيد من كل مفيد، ويفيد لكل مستفيد، ولا يغلق باب الطلب، ولا يسد طريق الاستفادة على نفسه، فمن أين يحصل له الفائدة يرى أنه من شيخه.''(ص:۳۷۱)

طالبِ حق کی شان یہ ہے کہ وہ لائق افادہ شخصیت سے فیض حاصل کرے، اور ہر فائدہ اٹھانے والے کو فیض پہنچائے، اور طلب کا دروازہ بند نہ کرے، اور نہ استفادہ کی راہ کو اپنے اوپر مسدود کرے، غرض جہاں سے بھی اس کو فائدہ پہنچے وہ یہ سمجھے کہ یہ اس کے شیخ ہی کا فیضان ہے۔

۱۰۰۸ھ میں جب خواجہ باقی باللہ (المتوفی ۱۰۱۲ھ) کا ورود دہلی میں ہوا، تو شیخ عبد الحق نے ان سے نقشبندیہ سلسلہ کی تکمیل کی، تحریر فرماتے ہیں:

''ومن هنا كان توجهي والتجائي إلى صحبة خواجه محمد الباقي -قدس سره- واستفادتي منه النسبة النقشبندية.'' (أخبار الأخيار معہ کتاب المکاتیب والرسائل:۳۷۱، مطبع مجتبائی)

اور اس وجہ سے میرا خیال خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہ کی طرف گیا، اور میں نے ان کی صحبت اختیار کی، اور ان سے نسبت نقشبندیہ کی تکمیل کی۔

تصوف کا مذاق شیخ موصوف کی گھٹی میں پڑا تھا، ائمہ فن سے اس کی تحصیل کی تھی، اور اس راہ کی ہر گھاٹی سے گزرے تھے، طبیعت میں جولانی اور مستی بھی خوب تھی، جس سے یہ نشہ اور بھی دو آتشہ ہو گیا تھا، پھر انہیں مقام حضوری

....

حاصل تھا، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ "الإفاضات اليومية من الإفادات القومية" (۶/۷، اشرف المطابع تھانہ بھون ۱۹۴۱ء) میں فرماتے ہیں:

"بعض اولیاء اللہ ایسے بھی گزرے ہیں کہ خواب میں یا حالت غیبت میں روزمرہ ان کو دربار نبوی ﷺ میں حاضری کی دولت نصیب ہوتی تھی، ایسے حضرات صاحب حضوری کہلاتے ہیں، انہی میں سے ایک شیخ عبدالحق محدث دہلوی ہیں کہ یہ بھی اس دولت سے مشرف تھے اور صاحب حضوری تھے۔"

تصوف کی زبان سے گریز:

شیخ موصوف کو ایسا بلند مقام حاصل ہونے سے بہت ممکن تھا کہ وہ غلبۂ حال کی بناء پر کبھی تصوف کی زبان میں گفتگو کرتے فائدہ سے زیادہ نقصان کا اندیشہ تھا، اس وجہ سے غالباً شیخ عبدالوہاب متقیؒ نے ان کو تصوف کی زبان میں گفتگو کرنے اور اس قسم کی کتابوں کے پڑھنے کی ممانعت کی تھی، فرماتے ہیں:

"هذا العبد ممنوع من التكلم بالحقائق والأسرار، ومأمور بالوقوف على بيان آداب الشريعة في خلال الآثار، وقد أوصانا شيخنا مولانا سيدي الشيخ عبد الوهاب المتقي القادري الشاذلي المحب الحنفي في ما كتب له من الوصايا، ووهب له من العطايا، (من) وصيته أن لايتكلم بالحقائق والدقائق، بل يبين للخلق علم المعاملات ومايتنبهون به من العيوب، وقال- رضي الله عنه- ولايقدم الباطن على الظاهر، ولايكتفي بالظاهر عن الباطن، وقال: كن فقيهاً صوفياً، ولاتكن صوفياً فقيهاً، وقال: ينبغي أن يشتغل بمطالعة كتب الغزالي، كالإحياء ومنهاج العابدين، لا كالنفخ أو التسوية والمضنون به على غير أهله، ويجعل نصب عينيه كتاب عين العلم، هذه نص عبارة الشيخ وأوصاه أيضا بأن لا يتكلم إلا في أبواب الدين والملة وفيما فيه ترويج الدين وتجديد الشريعة وحفظ عقائد الدين وأحكام السنة، ولا يخرج عن دائرة الاعتدال وحيط الاحتياط والاستقامة، ولايقع في إشارات الوجودية وتأويلات الباطنية ممايوجب الحسرة والندامة". (أخبار الأخيار مع کتاب المکاتیب والرسائل: ۳۲۷)

اس بندہ کو حقائق واسرار پر کلام کرنے سے منع کیا گیا ہے، اور یہ اس بات پر مامور ہے کہ حدیثوں کے درمیان آداب شریعت کے سوا کچھ نہ بیان کرے، ہمارے شیخ مولانا شیخ عبدالوہاب متقی قادری شاذلی حنفی نے جو وصیتیں لکھی ہیں اور فیض بخشی کی ہے، ان میں اس امر کی وصیت بھی ہے کہ حقائق واسرار پر کلام نہ کیا جائے، بلکہ خلق خدا کے واسطے معاملات سے متعلق باتوں کو بیان کیا جائے، اوران باتوں کو بتایا جائے جن سے ان کو اپنے عیوب پر تنبیہ اور آگاہی ہو،

....

اللہ ان سے راضی ہو، انہوں نے فرمایا: باطن کو چھوڑ کر ظاہر پر اکتفاء نہ کر بیٹھنا، فقیہ صوفی بننا، صوفی فقیہ نہ بن جانا، نیز فرمایا کہ غزالیؒ کی کتابوں کے مطالعہ میں منہمک رہنا، جیسے کہ احیاء العلوم اور منہاج العابدین ہے، نہ کہ کتاب نفخ، تسویہ اور مضنون بہ علی غیر اہلہ ہیں، کتاب عین العلم کو اپنے پیش نظر رکھنا، یہ شیخ کی اصل عبارت کے الفاظ ہیں، شیخ موصوف نے اس امر کی بھی وصیت فرمائی کہ دین وملت کے صرف انہی ابواب میں کلام کرنا جن سے دین کی ترویج، شریعت کی تجدید، عقائد دین اور احکام سنت کی حفاظت ہوتی ہو، دائرہ اعتدال اور مقام احتیاط واستقامت سے باہر قدم نہ رکھنا، اور وجودیوں کے اشارات اور باطنیوں کی تاویلات میں نہ پڑنا، جن سے حسرت وندامت کے سوا کچھ حاصل نہیں۔

نصیحت:

شیخ متقی نے تصوف کی کتابوں کے مطالعہ کی اجازت دی، تو یہ تاکید بھی کی کہ صوفیہ کی خلافِ شرع باتوں میں اگر تطبیق نہ دے سکو تو سکوت اختیار کر لینا، فرماتے ہیں:

''إن طالعتم كتب القوم واستفدتم منها فحسن مبارك، ولكن بشرط المذكور، وهو عدم الوقوع في المبهمات والموهمات بحسب المقدور، وقال: فإن رأيتم فيما ينقل من كلمات أهل الحقيقة ما يخالف ظاهر الشريعة، عارضوه تارة بنفي نسبتها إليهم، وأخرى بتأويلها وتطبيقها بالحكم الظاهر والحق القويم، فإن لم يتيسر التطبيق والتأويل فالأحوط التوقف والتسليم.'' (أخبار الأخيار مع كتاب المكاتيب والرسائل: ۳۶۶)

اگر تم مشائخ کی کتابوں کا مطالعہ کرو اور ان سے استفادہ کرو تو بہتر اور قابل مبارک باد ہے، لیکن ایک شرط کے ساتھ اور وہ یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے مبہم اور شک میں ڈالنے والی باتوں میں نہ پڑنا، اور یہ بھی فرمایا کہ پھر اگر تم یہ دیکھو کہ اہل طریقت کے کچھ کلمات ظاہر شریعت کے خلاف ہیں، تو ان کی تردید کی صورت یہ ہے کہ کبھی تو ان بزرگوں کی طرف ان کلمات کی نسبت سے ہی انکار کر دو، اور کبھی ان کی تاویل کر لو، اور ظاہر شریعت ودینِ حق سے ان کی مطابقت بیان کر دو، پھر اگر تطبیق وتاویل بآسانی نہ کر سکو تو بہتر یہ ہے کہ اس میں سکوت وخاموشی اختیار کر لو۔

شیخ عبد الحقؒ نے مرشد متقی کی ان ہدایات پر پورا پورا عمل کیا ہے، موصوف تذکرۂ مصنفینِ دہلی (ص: ۲۲، مطبع تاریخ، حیدرآباد دکن ۱۹۳۰ء) میں رقمطراز ہیں:

''وللہ الحمد کہ درسخن از جادۂ دین بیروں نیفتادہ، وعنان بدست نفس وہوا ندادہ، واگر احیانا بجہت غلبۂ حال وانبساطِ وقت ازمن طغیانی وجوشے پیدا آمدہ، ومستی سر برزدہ باشد، تو بدستیاری توفیق ونصرت وتائید حق بدرشتی ونرمی مرا ازاں ورطہ بیروں کشیدہ براہِ راست آوردہ، درحاق وسط طریق مستقیم جاری گردانیدہ، وایں وصیت کہ مشائخ برائے تو نوشتہ

....

ولا تتکلم بالحقائق والدقائق، بل بیّن للناس علم المعاملات وما ینتبھون بہ عن العیوب بجائے آوردہ سخن را از ایہام وابہام وشطح وطامات نگاھداشتہ، وبخوض درکشف حقائق وجود وحقیقت ذات حق وصفات وی عز وعلا جرأت وگستاخی نمودۂ، واز دائرۂ عبودیت بیروں نرفتہ، وچوں دیگراں درمقام عزت جناب نبوت وادّعا کمال بہ متابعت وتحلی با حوال شریف واتصاف بصفات وے صلی اللہ علیہ وسلم از طریق تادب بدر نیفتادہ .... وزبان طعن وتنقیص عزیزان وبزرگان نگاھداشتہ، از راہ دیانت واحتیاط پائے نکشیدہ، درورطۂ گستاخی وخلاف فرد نرفتہ، واگر فضلاء وشعراء دفاتر ودواوین درفنون شعر ومدح ملوک وامراء ودراطوار عشق بازی مجازی افسانہ خوانی وقصہ پردازی کردہ، دردام ھزل ولھو ولعب افتادہ اند، تو باری کتب وصحائف درعلوم شرعیہ وتفسیر کتاب اللہ وشرح احادیث رسول اللہ ﷺ ونعت منقبت انبیاء واولیاء وحالات ومقامات وحکایات ایشاں جمع کردہ، بصراط مستقیم وطریقۂ قویم دلالت وھدایت نمودہ، درمھوائے ضلالت وکوی طبیعت فردا روز دین ان شاء اللہ کتاب را اصحاب الیمین بدست راست تو دھندہ، وبخواندن کتاب الابرار کہ علیین ست امر کنند آں زماں کہ چہ خواندہ وچہ نوشتہ۔“

الحمد للہ کہ گفتگو میں تو راہِ شریعت سے باہر نہیں نکلا، اور عنان کار نفس وہوا کے ہاتھ میں نہیں دی، اگر کبھی غلبۂ حال اور وقتی خوشی کی بناء پر میری طرف سے جوش اور ہیجان کا ظہور بھی ہوا، اور مستی اور سرشاری نے زور مارا، تو نصرتِ باری، توفیق الٰہی اور تائید حق سختی ونرمی سے مجھ کو اس بھنور سے نکال کر راہ راست پر لے آئی، اور طریق مستقیم پر رواں دواں کر دیا، یہ وصیت جو مشائخ نے تیرے لیے لکھی کہ حقائق واسرار میں گفتگو نہ کرنا، بلکہ لوگوں کو علم معاملات بتانا اور ان باتوں کو بیان کرنا جن سے وہ اپنے عیوب پر آگاہ ہوں، ان کو بجالایا، کلام کو ایہام، ابہام، شطحیات (خلاف شرع باتوں) سے پاک رکھا، اور کشف وکرامات کے اظہار میں صوفیوں کی طرح لاف زنی نہیں کی، حقائق وجود، حقیقت ذات حق اور صفات حق تعالیٰ کے بیان میں بے باکی وگستاخی نہیں کی، اور دائرہ بندگی سے باہر نہیں گیا، جبکہ دوسرے مقام عزت جناب رسالتمآب ﷺ اور کمال اتباع، احوال شریف سے آراستگی اور صفات رسول خدا ﷺ سے متصف ہونے کا دعویٰ کر چکے ہیں تو دائرہ ادب سے باہر نہیں نکلا .... زبان طعن اور دوستوں کی تنقیص سے تو نے اپنے آپ کو محفوظ رکھا، دیانت واحتیاط کی راہ سے پاؤں نہیں کھینچا، اور گستاخی ومخالفت کے بھنور میں نہیں پھنسا، اور اگر فضلاء وشعراء نے اصناف سخن اور بادشاہ اور امیروں کی تعریف میں دفتر کے دفتر اور دیوان کے دیوان یادگار چھوڑے، اور عشق بازی مجازی کے اطوار نظم کئے ہیں، داستاں سرائی اور قصہ پردازی کر کے بے ہودہ گوئی کی ہے، اور لہو ولعب میں پڑے ہیں، تو تو نے علوم شریعت میں کتابیں لکھی ہیں، کتاب اللہ کی تفسیر کی ہے، احادیث رسول اللہ کی شرحیں لکھی ہیں، انبیاء واولیاء کی نعت ومنقبت اور ان کے

....

حالات ومقامات اور حکایتیں مرتب کی ہیں، راہِ راست اور صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کی ہے، ہوائے نفسانی اور ضلالت وگمراہی میں نہیں پڑا ہے، ان شاء اللہ دارِ آخرت میں نوشتہ کو اصحاب الیمین کی طرح فرشتے تیرے دائیں ہاتھ میں دیں گے، اور کتاب الابرار کے پڑھنے کو جو علیین سے عبارت ہے حکم کریں گے، اس وقت معلوم ہوگا کہ کیا تو نے پڑھا اور کیا لکھا ہے۔

تصانیف میں اعتدال:

انہی ہدایات کی وجہ سے شیخ موصوف نے تصنیف وتالیف کے سلسلہ میں اعتدال اور سلامت روی کو کہیں ہاتھ سے جانے نہیں دیا، یہی شیخ کا سب سے بڑا کمال ہے، فرماتے ہیں:

"جرت عادة هذا العبد الضعيف فيما يصدر منه من التصنيف والتأليف، الرجوع إلى كلام الأئمة الذين هم جامعوا الطريقين، والمتفق عليهم بين الفريقين، على طريقة تواليف سيدي الشيخ الإمام العارف علي المتقي- رحمة الله عليه رحمة واسعة- وقد اتفق للعبد من ذلك حتى جاوزت الثمانين، وبلغت التسعين، والله الموفق والمعين." (أخبار الأخيار مع كتاب المكاتيب والرسائل: ۳۶۷، مطبع مجتبائي)

اس بندۂ ضعیف کی عادت یہی ہے کہ تصنیف وتالیف میں ان ائمہ کے کلام کی طرف جو جامع شریعت وطریقت ہوتے ہیں، اور ارباب شریعت واہل طریقت دونوں کا ان پر اتفاق ہوتا ہے رجوع کرتا ہے، سیدی شیخ امام عارف علی متقیؒ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ کی تالیفات بھی اس طریقہ پر مبنی ہیں، بندہ بھی اس طریقہ پر عمل پیرا رہا تا آنکہ عمر اسی (۸۰) سے متجاوز ہوگئی، اور نوے (۹۰) کو پہنچی ہے، اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا اور مددگار ہے۔

موازنہ:

شیخ متقی کی مذکورہ بالا ہدایات اور شیخ موصوف کی تصریحات پر غور کیا جائے تو شیخ عبدالحقؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے طریق کار، انداز فکر اور طرزِ تصنیف میں جو بنیادی فرق ہے وہ بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے، بالفاظ دیگر وہ باتیں حسب ذیل ہیں:

۱- شیخ موصوف کو تصوف کی زبان میں گفتگو کی اجازت نہیں، اور شاہ ولی اللہؒ پر اس باب میں کوئی قدغن نہیں۔

۲- شیخ عبدالحقؒ جمہور امت کے مسلک سے سرِ مو انحراف نہیں رکھتے، شاہ ولی اللہؒ اپنے افکار میں کہیں کہیں منفرد بھی نظر آتے ہیں۔

۳- شیخ موصوف وسعتِ نظر میں فائق ہیں، تو شاہ ولی اللہ دقتِ نظر میں ممتاز ہیں۔

۴...... شیخ عبدالحقؒ محقق ہیں اور شاہ ولی اللہؒ مفکر ہیں، شاہ صاحب موصوف کی نظر ہمہ گیر اور افکار کا دائرہ نہایت

....

وسیع ہے، بایں ہمہ فضل وکمال شاہ ولی اللہؒ نے طبقات کتب حدیث کی بحث میں بالغ نظری کا ثبوت نہیں دیا، ان کا دائرہ فکر اس باب میں محدود ہوگیا ہے، کیونکہ وہ طبقاتِ کتب حدیث کی بحث میں شیخ ابن الصلاح جیسے خوش عقیدہ، تنگ نظر، متعصب مقلد کے تابع نظر آتے ہیں، اگرچہ بادی النظر میں ان کی طبع وقاد نے اس بحث میں بھی جدتِ فکر کا مظاہرہ کیا، کہ اس موضوع پر بالکل نرالے انداز میں بحث کا آغاز کیا ہے، جس سے گمان بھی نہیں ہوتا کہ شاہ ولی اللہؒ نے اس امر میں شیخ ابن الصلاح کی اقتداء کی ہوگی، لیکن غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے (ہم نے ایک جداگانہ مقالہ میں جس کا نام ''تاریخ طبقاتِ کتبِ حدیث اور شاہ ولی اللہؒ کا نظریۂ طبقات کتب حدیث تنقید کی روشنی میں'' ہے اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے، اور یہاں اشاروں پر اکتفا کیا ہے جس سے اربابِ نظر کی بآسانی حقیقت تک رسائی ہوسکتی ہے) کیونکہ ابن الصلاح اور شاہ ولی اللہؒ دونوں نے رجالِ سند اور اصولِ نقد کو نظر انداز کر کے مدارِ صحت کتابوں کو قرار دیا ہے، اور تعارض کے موقعہ پر انہی کتابوں کی حدیثوں کو قابل ترجیح ٹھہرایا ہے، یہ بات متقدمین ومتاخرین محدثین ہی کے مسلک کے خلاف نہیں، بلکہ مسلمہ اصول روایت ودرایت کے بھی خلاف ہے، اس کے برعکس شیخ عبدالحق کی روش اس باب میں مقلدانہ نہیں محققانہ ہے، کیونکہ انہوں نے محقق ابن ہمام کی طرح مدارِ صحت حدیث کی کتابوں کو قرار نہیں دیا، بلکہ صحت حدیث کا مدار رجالِ سند اور اصول نقد پر رکھا ہے، چنانچہ موصوف ''المنهج القويم في شرح الصراط المستقيم'' (ص:۱۸، افضل المطابع کلکتہ ۱۳۵۲ھ) میں فرماتے ہیں:

''ایں ترتیب کہ محدثین درصحت احادیث وتقدیم صحیح بخاری ومسلم قرار دادہ اند تحکم است، وجائز نیست درروی تقلید، زیرا کہ اصحیت نیست مگر از جہت اشتمال رواۃ برشروطے کہ اعتبار کردہ اند آنرا بخاری ومسلم، وچوں فرض کردہ شود وجود آں شروط دررواۃ حدیث غیر کتابین حکم باصحیت آنچہ درکتابین ست عین تحکم ومکابرہ بود، وشک نیست کہ بحکم بخاری ومسلم باستجماع راوی معین آں شروط را جزم وقطع نمی تواں کرد مطابقتِ ایں حکم واقع را، وجائز است کہ واقع خلاف آں باشد، ووجود دلیل قاطع برصحت حکم ایشاں وجزم بداں محل منع ست، وبہ تحقیق اخراج کردہ است مسلم درکتاب خود از بسیاری از رواۃ کہ سالم نیستند ازغوائل جرح، وھمچنیں درکتاب بخاری جماعہ اند کہ تکلم کردہ شدہ است درایشاں، پس مدار کار درحق رواۃ براجتہاد وعلماء وصواب دید ایشاں باشد، وھمچنیں درشروط صحت وحسن وضعف، تا آنکہ کسی کہ اعتبار کردہ است شرطے را والغا کردہ است آنرا دیگرے، پسندہ باشد آنچہ روایت کردہ است آنرا آں دیگر کہ نیست درو ے آں شروط درمعارضہ آنچہ مشتمل ست براں شرط، وھمچنیں درحق کسے کہ تضعیف کرد راوی را وتوثیق کردہ اورا دیگرے، نعم ساکن ومطمئن می گردد نفس غیر مجتہد وآنکہ اختیار وامتحان نکردہ است امر راوی را بنفس خود بتقلید یا آنچہ قرار دادہ اند ومجتمع شدہ اند برآں اکثر، اما امر مجتہد

....

وآنکہ اختیار وامتحان راوی تواں کرد از پس جائز ست کہ صحیح شود نزد ایشاں حدیثے در غیر کتابین کہ معارضہ کند ما فی الکتابین را یا راجح آید بر آں انتھی۔

حاصل ایں سخن آنست کہ اعتماد بر تصحیح وتنقید ائمہ مجتہدین واکابر سلف ست، وچوں ایشاں حدیثے را تلقی بقبول کردہ وعمل بداں نمودہ انکار واعتراض برایشاں بتقلید علماء محدثین کہ مشہور اند، جائز نباشد، والتزام ایشاں بحکم ایں جماعۃ تحکم ومکابرہ است، وایں کلام در مقام معارضہ ومصادمہ فقہاست با محدثین قرار داد، ومحدثین ہمانست کہ اولا مذکور شد، ولیکن فقہا را دراں مجال مقال وسیع ست بایں وجہ کہ مذکور شد، وایں سخن نافع ومفید است۔'' (شرح سفر السعادہ: ۱۷-۱۸)

یہ ترتیب جو محدثین نے صحت احادیث اور صحیح بخاری ومسلم کے مقدم رکھنے میں ملحوظ رکھی ہے، زبردستی کی بات ہے، اس میں کسی کی پیروی جائز نہیں، کیونکہ صحیح اور صحیح تر ہونے کا دار ومدار راویوں کا ان شروط پر پورا اُترنا ہے، جن کا بخاری ومسلم نے بھی اعتبار کیا ہے، اور جب وہی شروط ان دونوں کتابوں کے علاوہ کسی اور حدیث کے راویوں میں بھی پائی جائیں، تو پھر بھی انہی دو کتابوں کی حدیث کو صحیح تر کہنا زبردستی نہیں، اور نا قابل قبول بات کو منوانا نہیں تو اور کیا ہے، اور اس امر میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ بخاری ومسلم کا کسی مخصوص راوی میں ان شرائط کے جمع ہو جانے کے حکم کو واقع اور حقیقت کے مطابق سمجھنا کوئی یقینی بات اور قطعی دلیل نہیں ہے، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ واقع اس کے خلاف ہو، لہٰذا ان کے حکم صحت پر دلیل قطعی کا پایا جانا اور اس پر جزم ویقین کرنا محل نظر ہے، یہ بات تحقیق سے معلوم ہے کہ مسلمؒ نے اپنی کتاب میں بہت سے ایسے راویوں سے روایت کی ہے جو جرح وقدح سے نہیں بچ سکے ہیں، اور اسی طرح بخاری میں راویوں کی ایک جماعت ایسی ہے جس پر کلام ہوا ہے، لہٰذا راویوں کے معاملہ میں مدارِ کار علماء کے اجتہاد اور ان کی صوابدید پر ہے، اور اس طرح شروط صحت وحسن وضعف کا حال ہے، یہاں تک کہ کسی نے کسی شرط کا اعتبار کیا ہے، اور کسی نے اسی شرط کو لغو قرار دیا ہے، اب وہ حدیث جس کو دوسرے نے روایت کیا ہے، اور وہ ان شروط سے خالی ہے (جس کا پہلے نے اعتبار کیا ہے)، تو اس روایت کا معارضہ اس حدیث کے ساتھ جو ان شروط پر مشتمل ہے کافی ہوگا، اور ایسا ہی اس شخص کے حق میں ہے جس نے کسی راوی کو ضعیف قرار دیا، اور اسی راوی کو دوسرے نے معتبر ٹھہرایا، ہاں جو مجتہد نہیں ہے، اور جس نے بذات خود راوی کے معاملہ کو جانچا اور پرکھا نہیں ہے، اس کا دل ان اصول کی تقلید کر کے جو محدثین نے متعین کئے ہیں، اور جن پر اکثر محدثین کا اتفاق ہے مطمئن ہو جاتا ہے، لیکن مجتہد کا معاملہ اور اس صاحب علم کا معاملہ جو خود راوی کو جانچ اور پرکھ سکتا ہے، وہ اس کی رائے اور اجتہاد پر موقوف ہے، لہٰذا یہ جائز ہے کہ ان کے نزدیک غیر صحیحین کی ایک حدیث ایسی صحیح ہو جو صحیحین کی حدیث کا مقابلہ کر سکے یا ان پر قابل ترجیح قرار پائے، انتہیٰ۔

....

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ مجتہدین واکابر سلف کی تصحیح وتنقید پر اعتبار اور مدار ہے، جب انہوں نے کسی حدیث کو قبول کرلیا اور قابل عمل قرار دیا، تو مشہور علماء محدثین کی تقلید کرکے ان پر اعتراض کرنا، اور ان کی بات کو تسلیم نہ کرنا درست نہ ہوگا، اور اس جماعت فقہاء کے حکم لگانے کے باوجود محدثین کی بات کو لازمی سمجھنا اور یقینی کہنا زبردستی کی بات ہے، اور یہ بحث فقہاء کے محدثین کے ساتھ معارضہ سے تعلق رکھتی ہے، محدثین وہ ہیں جن کا پہلے ذکر آیا ہے، لیکن فقہاء کو اس بحث میں کلام کی بڑی گنجائش ہے، اس دلیل سے جس کو اوپر بیان کیا ہے یہ بات بڑی مفید اور نافع ہے۔

اور آگے لکھتے ہیں: ''احادیث صحاح منحصر نیست در صحیح بخاری ومسلم، وایشاں استیعاب نہ کردہ اند جمیع صحاح را، کہ نزد ایشاں بود بر شرط ایشاں، چہ جائیکہ مطلق صحیح، وخود تصریح کردہ ھر یکی از ایشاں بعدم احاطہ واستیعاب۔'' (ص:۱۸)

صحیح حدیثیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں منحصر نہیں ہیں، کیونکہ بخاریؒ ومسلمؒ نے تو ان ساری صحیح حدیثوں کا جو ان کے پاس ان کی شرط کے مطابق موجود تھیں احاطہ نہیں کیا ہے، تو محض صحیح حدیثوں کا تو ذکر ہی کیا؟ ان میں سے ہر ایک نے تمام صحاح کے احاطہ واستیعاب نہ کرنے کی وضاحت کی ہے۔

حنفی مسلک اور حدیث:

اس امر کا جواب دیتے ہوئے کہ حنفی مذہب کا دارومدار زیادہ تر عقلی دلائل پر ہے، اور نقلی دلائل سے اس کا گہرا تعلق نہیں ہے، تردید کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''دراذھان بعضی مردم چناں درآمدہ کہ مذھب امام شافعی موافق احادیث ست، وسلوک طریقۂ اقتداء واتباع سنت در مذھب ایشاں بیشتر ست، ومذھب امام ابوحنیفہؒ مبتنی بررائے واجتہاد ست ومخالف احادیث، ایں سخن غلط محض وجہل صریح ست...... سبب وقوع دریں ورطہ آں بود کہ بعض محدثین کہ در مذھب امام شافعی بودند، در کتابہائے کہ تصنیف کردند، چنانچہ مصابیح ومشکوٰۃ وما نند آں، دلائل مذھب خود را تتبع تفحص نمودہ جمع کردند، ودر احادیث مذھب حنفی براہ طعن وجرح رفتند، واینہا بے گوشۂ تعصبے نخواھد بود، واکثر ایشاں با حنفیہ بے گوشۂ تعصبی نباشند، عفا اللہ عنہم۔

نظر در کتب حنفیہ کہ در دیار عرب مشہور ست، باید انداخت، تا حقیقت حال منکشف گردد............ فی الحقیقت مذھب حنفی جامع معقول ومنقول ست، وما نا کہ در اغلب اوقات واحوال عادتِ کریمۂ آں امام آں بود کہ در تفہیم وتبیین مذھب خود بجہت رعایت طبائع عامۂ خلق کہ مجبولی اند بر تطابق معقول ومنقول وتائید نقل بعقل، اقتصار بر دلیل معقول کردی، وبقصد تسلیہ تشفیہ طباع ایشاں در کشف وتبیین آں کوشیدی، والا اصل تمسک واستدلال او بکتاب وسنت واقوال سلف بود، وخود چہ صورت دارد کہ بی رجوع بہ کتاب وسنت واجماع تمسک بقیاس کند، وحال آنکہ شرط عمل بر آں، عدم آں اصول ست،

....

چنانکہ در کتب اصول فقہ بر مذہب ایشاں مذکور است، و دلائل معقولی ایشاں در حقیقت برای تائید و ترجیح بعضی احادیث ست، بر بعضی بموافقت وی مر قیاس را، ولابد از احادیث انچہ موافق بقیاس بود ارجح ست، چنانکہ ھم در اصول فقہ قرار یافتہ، نہ آنکہ قیاس در مقابل نص کردہ باشد، و نیز حکم بہ صحت و ضعف احادیث در زمان متاخر برخلاف زمانِ سابق ست، چہ میتواند کہ حدیثی در زمان ایشاں صحیح باشد بسبب اجتماع شرائط صحت و قبول در رواۃ کہ واسطہ بودند میان ایشاں و حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، پس ازاں از جہت رواۃ دیگر کہ بعد ازاں آمدند ضعفی پیدا شد، پس از حکم متاخرین محدثین بضعف حدیثی لازم نیاید ضعفِ وی در زمان امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ مثلا، و ایں نکتہ ظاہر ست۔

واز کلامی کہ بعض محققین ذکر کردہ اند کہ حکم بتواتر و شہرت و وحدت حدیث معتبر در صدر اول ست، والّا بسا احادیثی کہ دراں وقت از احاد بودہ، و بعد ازاں بوجود کثرت طرق برواج ایں علم و کثرتِ طالبان و جامعان کہ بعد ازاں پیدا شدہ بمرتبہ شہرت رسیدہ باشد، استینا سی بایں معنی تواں یافت۔ (ص ۲۸ تا ۳۰)

بعض لوگوں کے ذہن میں یہ بات ہے کہ امام شافعیؒ کا مذہب احادیث کے مطابق ہے، طریقہ اقتداء و اتباع سنت کا لحاظ ان کے مذہب میں زیادہ ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کا مذہب رائے و اجتہاد پر مبنی ہے، اور احادیث کے خلاف ہے، یہ بات سراسر غلط ہے، اور تمامتر نادانی ہے۔

بعض لوگوں کے اس شبہ میں مبتلا ہونے کا سبب یہ تھا کہ چند شافعی مسلک محدثین نے اپنی مؤلفات میں جیسے مصابیح و مشکوٰۃ اور اس کی مانند کتابوں میں اپنے مذہب کے دلائل کو تلاش و جستجو کے بعد یکجا کر دیا، اور مذہب حنفی کی مؤید حدیثوں پر جرح و قدح کی، یہ کام بغیر تعصب کے نہیں ہوا، ان میں سے بیشتر نے حنفیہ کے ساتھ تعصب برتا ہے، اللہ تعالیٰ ان سے درگذر فرمائے۔

حنفیہ کی جو کتابیں دیارِ عرب میں مشہور ہیں، اگر ان پر نظر ڈالی جائے تو حقیقت حال واضح ہو جائے، ......

حقیقت میں حنفی مذہب معقول و منقول کا جامع ہے، بیشتر حالات اور اکثر اوقات میں امام اعظمؒ کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ موصوف تفہیم مسائل اور بیان مذہب میں عام مخلوق کی طبائع کی رعایت کا خیال فرماتے ہوئے کہ وہ معقول و منقول کی مطابقت کے خواہاں ہیں، اور نقل کی تائید عقل سے چاہتے ہیں، عقلی دلیل پر اکتفاء فرماتے تھے، اور محض ہم عصر لوگوں کے طبائع کی تسلی و تشفی کی خاطر کشفِ حقیقت اور تحقیقِ حق میں کوشش فرماتے، ورنہ حقیقت میں تو دلیل ان کی کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اقوال سلف سے ہوتی ہے، امام موصوف کی کیا مجال تھی کہ وہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع سے رجوع کئے بغیر قیاس سے استدلال کرتے، حالانکہ قیاس پر عمل کرنے کی شرط ہی ان اصول مذکورہ کا نہ پایا جانا ہے،

....

جیسا کہ اصول فقہ حنفی کی کتابوں میں مذکور ہے، اوران کے یہ عقلی دلائل حقیقت میں بعض حدیثوں کی بعض پر ترجیح وتائید کے لیے ہیں، کیونکہ وہ قیاس سے خالص مطابقت رکھتے ہیں جو احادیث قیاس کے مطابق ہیں، وہ یقیناً قابل ترجیح ہیں، جیسا کہ اصول فقہ میں ثابت کیا گیا ہے، ایسا نہیں کہ نص کے مقابلہ میں قیاس کیا ہو، پھر یہ بات بھی ہے کہ احادیث کی صحت وضعف کا حکم بھی زمانہ متاخر میں زمانہ متقدم کے برعکس ہوا ہے، بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک حدیث متقدمین کے یہاں راویوں میں شرائط صحت وقبول کے پائے جانے کی وجہ سے جو ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان واسطہ ہیں، صحیح ہو، پھر اس کے بعد دوسرے راویوں کی وجہ سے جو ان کے بعد آئے ہیں، اس حدیث میں ضعف پیدا ہوگیا، تو اب متاخرین محدثین کے اس حدیث کو ضعیف کہہ دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مثلاً امام اعظمؒ کے زمانے میں بھی ضعیف ہو، یہ ظاہر بات ہے۔

اور وہ بات جو بعض محققین نے کہی ہے بڑے اطمینان کا موجب ہوسکتی ہے کہ تواتر وشہرت کا حکم صدر اول میں معتبر ہے، ورنہ بہت سی حدیثیں ایسی ہیں جو صدر اول میں خبر واحد کے حکم میں تھیں، اور صدر اول کے بعد علم حدیث کی اشاعت طالبانِ حدیث وجامعین حدیث کی کثرت کی وجہ سے جو ان کے بعد پیدا ہوئے ہیں، ایک حدیث کی بہت سی سندیں ہوگئیں، اور وہ شہرت کے مرتبہ کو پہنچ گئی ہیں۔

گیارہویں صدی ہجری سے قبل ہندوستان میں حدیث کا ایسا چرچا نہیں تھا، جیسا فقہ، اصولِ فقہ، کلام اور تصوف وغیرہ کا شہرہ تھا، یہی وجہ ہے کہ یہاں فقیہ، اصولی، متکلم اور صوفی زیادہ ہوئے، اور محدث خال خال ہی گزرے، دار الحکومت دہلی میں حافظ حدیث اور محدث بھی پیدا ہوئے، لیکن دہلی میں ان کا قیام زیادہ نہیں رہا، اس لئے یہاں حدیث کا قابلِ ذکر چرچا نہیں ہوا، جیسا کہ حافظ سید مرتضیٰ بلگرامی کے بیان سے عیاں ہے، موصوف ''تاج العروس من جواهر القاموس'' (مادہ ''د ہ ل'') میں رقمطراز ہیں:

''(ودهلي بالكسر أعظم مدن الهند) الإسلامية لها عدة تواريخ مختصة بأحوالها وملوكها، وما امتازت به على غيرها من البلاد، وقد ذكرها ابن بطوطة في رحلته وأوسع فيها الكلام، وهي على نهر جار، كالنيل، والنسبة إليها دهلوي ودهلي، وقد انتسب إليها أكابر العلماء في كل فن قديماً وحديثاً، منهم: سراج الدين عمر بن إسحق الدهلوي أحد أئمة الأصول، والسيد أصيل الدين عبد الرحمان بن قطب الدين حيدر بن علي بن أبي بكر الشيرازي الدهلوي المحدث المتوفى بكنبايت سنة ٨١٧هـ، ووالده أحد الحفاظ ولد بدهلي ٧١٤هـ ...... وسعيد بن عبد الله الدهلي البغدادي الحافظ نزيل دمشق، سمع الكثير،

....

وجمع، وأفاد، واستدرك على الذهبي وغيره من الشيوخ، قال الحافظ: قد لقيه جماعة من شيوخنا، ورأيت له "وقعة بغداد"، قد حررها مات سنة ٧٤٩هـ، قلت: وهو نجم الدين أبو الخير، ويعرف بالجلال، وكان حنبليا.''

دہلی، بالکسر، ہندوستان کے عظیم الشان اسلامی شہروں میں سے ہے، خاص شہر دہلی اور شاہان دہلی کے حالات اور ان امور کے بیان میں جن کی وجہ سے یہ دوسرے شہروں سے ممتاز ہے، متعدد تاریخیں لکھی گئی ہیں، ابن بطوطہ نے بھی اپنے سفر نامہ میں اس کا ذکر کیا ہے، اور اس پر خاصا کلام کیا ہے، یہ ایک نہر جاری (جمنا) کے کنارے آباد ہے، جیسے کہ نیل ہے، اس کی طرف نسبت دہلوی اور دہلی ہے، ہر فن کے اکابر علماء کو پہلے بھی اور اب بھی اس سے نسبت کا فخر حاصل ہے، چنانچہ ائمہ اصول میں سے سراج الدین عمر بن اسحٰق دہلوی، اور محدث سید اصیل الدین عبدالرحمٰن بن قطب الدین حیدر بن علی بن ابوبکر شیرازی دہلوی جن کا انتقال کھمبات میں ۸۱۷ھ میں ہوا تھا، اور ان کے والد حفاظ حدیث میں سے تھے، وہ ۷۱۴ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے تھے......اور حافظ حدیث سعید بن عبداللہ دہلوی بغدادی نزیل دمشق نے کثرت سے حدیثوں کا سماع کیا، اور ان کو جمع کیا، مسند افادہ پر جلوہ افروز ہوئے، اور حافظ ذہبی وغیرہ شیوخ پر استدراک لکھا، حافظ ابن حجرؒ کا بیان ہے کہ ہمارے شیوخ کی ایک جماعت نے ان کو دیکھا ہے، اور میں نے ان کی لکھی ہوئی کتاب ''وقعہ بغداد'' دیکھی ہے، ۷۴۹ھ میں ان کا انتقال ہوا تھا، سید مرتضٰی بلگرامی کا بیان ہے کہ ان کا لقب نجم الدین کنیت ابوالخیر ہے، اور جلال الدین سے بھی مشہور ہیں، یہ حنبلی تھے۔

کارنامۂ شیخ عبدالحقؒ:

شارح بخاری سید غلام علی بلگرامی (المتوفی ۱۲۰۰ھ) ''سبحة المرجان في آثار هندوستان'' (ص:۵۳ طبع بمبئی ۱۳۰۳ھ) میں لکھتے ہیں:

''نشر العلوم لاسيماً الحديث الشريف، بحيث لم يتيسر مثله لأحد من العلماء السابقين واللاحقين في ديار الهند.''

موصوف نے علوم کی اشاعت کی، اور حدیث کی بالخصوص ایسی خدمت کی ہے کہ ان کی طرح متقدمین ومتاخرین میں سے کسی نے بھی بلاد ہند میں نہیں کی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی مساعی جمیلہ سے ہندوستان میں حدیث کی بڑی اشاعت ہوئی ہے، اشاعت حدیث اور ترویج سنت میں شیخ موصوف کو جو شرف وفضیلت حاصل ہے اس میں ان کا کوئی سہیم وشریک نہیں، نواب صدیق حسن خان قنوجی (المتوفی ۱۳۰۷ھ) کا ''الحطة في ذكر الصحاح الستة'' (ص:۷۰، مطبع نظامی کانپور ۱۲۸۳ھ، ص:۱۴۵ مطبع دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان ۱۴۰۵ھ) میں یہ لکھنا ''ان سے پیشتر اہل ہند حدیث سے ناآشنا تھے'' حقائق کے

....

خلاف نہیں ہے، موصوف کے الفاظ ہیں:

''اعلم أن الهند لم يكن بها علم الحديث منذ فتحها أهل الإسلام، بل كان غريباً، كالكبريت الأحمر، وعديماً كعنقاء مغرب في الخبر ...... حتى من الله تعالى على الهند بإفاضة هذا العلم على بعض علمائها، كالشيخ عبد الحق بن سيف الدين الترك الدهلوي المتوفى سنة اثنتين وخمسين وألف وأمثالهم، وهو أول من جاء به في هذا الاقليم، وأفاضه على سكانه في أحسن تقويم ...... ومن سن سنة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها، كما اتفق عليه أهل الملة وتحديث هولاء أهل الصلاح.''

تمہارے علم میں رہے کہ جب سے مسلمانوں نے ہندوستان کو فتح کیا، یہاں علمِ حدیث کا چرچا نہیں ہوا، بلکہ علم حدیث اس سرزمین پر ایسا اجنبی اور غریب رہا، جیسے سرخ گندھک (اکسیر)، اور ایسا ہی ناپید رہا، جیسے عنقاء مغرب مثل میں ہے، تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے ہندوستان کی سرزمین پر احسان فرمایا کہ بعض علماء ہند جیسے شیخ عبدالحق بن سیف الدین ترک دہلوی (المتوفی ۱۰۵۲ھ) وغیرہ کو علم حدیث عطا کر کے اس فیض کو عام کیا، سب سے پہلے شیخ عبدالحق اقلیم ہند میں حدیث کو لائے ہیں، اور انہوں نے بہتر طریقے سے اس کے فیضان کو اہل ہند پر عام کیا...... اور جس نے کوئی اچھا طریقہ جاری کیا اس کے لیے اس کا اور جس نے اس پر عمل کیا اس کا بھی اجر ہے، جیسا کہ اس امر پر ملت کے تمام محدثین وصوفیہ کا اتفاق ہے۔

مولانا حکیم سید عبدالحی لکھنوی ''عوارف المعارف في انواع العلوم والمعارف'' (ص:۱۳۷، طبع دمشق ۱۳۷۷ھ) میں تحریر فرماتے ہیں:

''ثم جاء الله سبحانه بالشيخ عبد الحق بن سيف الدين البخاري الدهلوي(المتوفى ١٠٥٢هـ)، وهو أول من أفاضه على سكان الهند، وتصدى للدرس والإفادة بدار الملك دهلي، وقصر همته على ذلك، وصنف وخرج ونشر هذا العلم على ساق الجد، فنفع الله به وبعلومه كثيرا من عباده المؤمنين.''

پھر اللہ تعالیٰ شیخ عبدالحق بن سیف الدین بخاری دہلوی (المتوفی ۱۰۵۲ھ) کو لایا، اور یہی وہ سب سے پہلے محدث ہیں جن کی مساعی سے اہل ہند پر اس کا فیضان عام ہوا، انہوں نے دارالخلافہ دہلی میں درس کا سلسلہ جاری کیا، اور اپنے آپ کو اس کی خدمت کے لیے وقف کیا، کتابیں لکھی، احادیث کی تخریج اور بڑی محنت سے اس علم کی نشر و اشاعت کی، اللہ تعالیٰ نے ان کی ذات اور ان کے علوم سے بہت سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچایا۔

شیخ عبدالحق کثرتِ تصانیف میں منفرد تھے، اور ان کی تصانیف اپنی افادیت کی وجہ سے ان کے زمانے ہی میں قبولیتِ عام حاصل کر گئی تھیں، موصوف ''تذکرۂ مصنّفین'' (ص:۲۴) میں لکھتے ہیں:

....

''وگفت قلم: من می دانم کہ بعد از امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ دریں شہر و دیار انچہ از تو در کثرت تصنیف وجود واشتہار یافتہ از دیگری نشدہ، فرق ھمیں است کہ تصنیفات حضرت امیر در شعر است، وتالیفات تو در شرع، اگر طبائع اھل علم باشعار مولع ومشغوف ست، اما حال خواص اھل دین بخلاف آں موصوف ست، وشکر دیگر آنکہ سخنان ترا گوارائی ھست، کلمات ترا حلاوتی بخشیدہ اند کہ در درون اھل تبول جای می کند، وبکام ارباب ذوق شیریں می آید، وبرھان باطن بریں بشارتی ست کہ از زبان بعضی ناظران عالم غیب کہ خوانندگان صحیفہ لاریب اند یافتہ، ونشان ظاھر آنکہ خواطر خواص ازاں راضی وایدی عوام بہ نوشتن آں متقاضی است، برھر تقدیر انچہ از غیب است بی عیب است، ھر چہ تازہ است لذیذ است، بیان انچہ می دانی، وتوکل علی اللہ الذی نزل الکتاب، وھو یتولی الصالحین''

قلم نے کہا: میں جانتی ہوں کہ امیر خسرو علیہ الرحمۃ کے بعد سے اس شہر میں جس کثرت سے کتابیں تم سے تالیف ہوسکیں، اور وہ مشہور ہوئیں، اتنی کسی اور سے نہیں ہوسکیں، بس فرق یہی ہے کہ امیر خسروؒ کی تصنیفات نظم میں ہیں، اور تمہاری تالیفات علوم شریعت میں، اہل علم کی طبائع اگر اشعار کی والہ وشیدا ہیں، تو خواص اہلِ دین کی حالت اس کے برعکس ہے (کہ وہ دینی علوم کے عاشق ہیں)، اور دوسرے شکر کی بات یہ ہے کہ تمہاری باتوں کو قبولیت حاصل ہے، اور تمہاری باتوں میں چاشنی اور حلاوت رکھی ہے، وہ اہل قبول کے دل میں اثر کرتی ہیں، اور اہلِ ذوق کو اچھی معلوم ہوتی ہیں، برہان باطن اس پر شاہد ہے کیونکہ بعض واقفان اسرار اور آگاہان صحیفہ لاریب کی زبان سے نکلی ہیں، اور اس کی روشن نشانی یہ ہے کہ خواص کے دل اس سے خوش ہیں، اور عوام کے ہاتھ اس کی نقل میں مصروف ہیں، بہرصورت جو کچھ غیب کی طرف سے ہے بے عیب ہے، اور ہر تازہ چیز لذیذ ہے، جو کچھ تو جانتا ہے اس کو پیش کر، اور اللہ پر بھروسہ کر، جس نے کتاب کو اتارا، اور وہی نیک بندوں کی حمایت کرتا ہے۔

میر غلام علی آزاد بلگرامی ''سبحۃ المرجان'' میں رقمطراز ہیں:

''وصنف في العلوم خصوصًا في الحديث كتباً معتبرةً، اعتنى بها علماء الزمان، وجعلوها ستوراً لعملهم.''(ص:۵۲)

موصوف نے علوم میں کتابیں تصنیف کیں، اور خاص طور پر حدیث میں معتبر کتابیں لکھیں، جن سے اہل زمانہ کا اعتناء رہا، اور انہوں نے ان کی کتابوں کو اپنا دستور العمل بنالیا۔

نواب صدیق حسن خان قنوجی ''إتحاف النبلاء المتقين بمآثر فقهاء المحدثين'' (:۳۰۴، مطبع نظامی کانپور ۱۲۸۸ھ) میں تحریر فرماتے ہیں:

''توالیف ایشاں در بلاد ھند قبول وشہرت تمام دارد، وھمہ نافع ومفید افتادہ۔''

....

ان کی تالیفات کو بلاد ہند میں شہرت وقبولیت عام حاصل ہے، اور سب کتابیں مفید اور نافع ہیں۔

نواب صدیق حسن خان قنوجی ''تقصار جیود الأحرار من تذكار جنود الأبرار" (۱۱۲:، طبع بھوپال ۱۲۹۸ھ) میں تحریر فرماتے ہیں:

''حق این ست کہ شیخ عبدالحق رحمہ اللہ تعالی در ترجمۂ عربی بفارسی یکی از افراد ایں امت ست، مثل او دریں کاروبار خصوصا دریں روزگار احدی معلوم نیست واللہ يختص برحمته من يشاء''

حق بات یہ ہے کہ شیخ عبدالحق رحمہ اللہ عربی سے فارسی میں ترجمہ کرنے میں اس امت کے یگانہ ویکتا افراد میں سے ہیں، اس کام میں ان کی نظیر خاص طور پر اس زمانہ میں کوئی علم میں نہیں ہے، واللہ يختص برحمته من يشاء اور اللہ اپنی رحمت سے جسے چاہے مخصوص کرے۔

مولانا سید عبدالحی لکھنوی ''نزهة الخواطر" (۲۱۰/۷) میں تحریر فرماتے ہیں:

''وكلها مقبولة عند العلماء، محبوبة إليهم يتنافسون فيها، وهي حقيقة بذلك، وفي عباراته قوة وفصاحة وسلاسة تعشقها الأسماع، وتلتذ بها القلوب.''

موصوف کی تمام کتابیں علماء میں مقبول ہیں، اور وہ ان کی کتابوں کے ایسے دلدادہ ہیں کہ ان کی تحصیل میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ کتابیں بھی اسی لائق ہیں، موصوف کی عبارت میں زور، فصاحت اور سلاست ایسی ہے کہ کان اس کے فریفتہ ہو جاتے اور دل لذت اندوز ہوتے ہیں۔

شیخ عبدالحق کو تجوید، قرأت، تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، تاریخ وتذکرہ، شعر وادب جملہ فنون میں ید طولی حاصل تھا، ان کے تبحر علمی، جامعیت، وسعتِ نظر اور فضل وکمال پر تذکرہ نگاروں کا اتفاق ہے، ملا عبدالقادر بدایونیؒ (المتوفی ۱۰۰۴ھ) منتخب التواریخ میں لکھتا ہے:

''شیخ عبدالحق دھلوی حقی تخلص می کند کہ مجموعہ کمالات ومنبع فضائل است، وجمیع علوم عقلی ونقلی را درس می گوید، ودر تصوف رتبہ بلند دارد...... فقیر نیز بتقریب ایشاں شرف ملازمتش را دریافتہ پیوستہ از فوائد صحبتش محظوظ بودم۔''

شیخ عبدالحق دہلوی حقی تخلص کرتے ہیں، جامع کمالات وسرچشمۂ فضائل ہیں، تمام علومِ عقلی ونقلی کا درس دیتے ہیں، تصوف میں بھی ان کا بڑا مرتبہ ہے...... فقیر بھی (جب ان کا فتحپور سیکری میں فیضی اور مرزا نظام الدین کے یہاں قیام تھا) ان کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کرتا رہا، اور ہمیشہ ان کی صحبت سے مستفید ہوتا رہا تھا۔

سلطان نور الدین محمد جہانگیر (المتوفی ۱۰۳۶ھ) کی شیخ عبدالحق سے ملاقات ہوئی، تو وہ تزکِ جہانگیری

....

(۲/۲۸۵طبع نولکشور) میں شیخ اوران کی کتاب "أخبار الأخیار" کے متعلق رقمطراز ہیں:

"شیخ عبدالحق دهلوی که از اهل فضل وارباب سعادت است، دریں آمدن دولت ملازمت دریافت، کتابے تصنیف نموده بود مشتمل براحوال مشائخ هند بنظر درآمده، خیلکی زحمت کشیده، مدتهاست که درگوشهٔ دهلی بوضع توکل وتجرید بسر می برد، مردگرامی است صحبتش بی ذوق نیست، بانواع مراحم دلنوازی کرده رخصت نمودم۔"

شیخ عبدالحق دہلوی جو اربابِ سعادت اور اہل کمال میں سے ہیں، ان ایام میں ملاقات کے لیے تشریف لائے، ان کی ایک تصنیف کی ہوئی کتاب جو مشائخ ہند کے حالات میں ہے نظر سے گذری، اس کی تالیف میں بڑی جانفشانی کی ہے، ایک زمانہ سے دہلی میں گوشہ نشین ہیں، اور متوکلانہ زندگی بسر کرتے ہیں، بڑے قابل ربزرگ آدمی ہیں، ان کی صحبت بے کیف نہیں ہے، میں نے ہر طرح سے انعام واکرام کرکے رخصت کیا۔

مورخ عبدالحمید لاہوری (المتوفی ۱۰۶۵ھ) کا بیان ہے:

"شیخ عبدالحق دهلوی مردی است فاضل، محقق، زاهد وصوفی مشرب، جمال حالش بزیور فضائل صوری ومعنوی آراسته، وکسوت خلقتش از کمالات وهبی وکسبی پیراسته، فهم دقیقه یابش کاشف علوم دین، وفطرت کامل نصابش واقف اسرار غیبی است، اصل شیخ ماوراء النهر است، وبخدمت شیوخ وافاضل حرمین شریفین نیز رسیده، کتب حدیث رانزد محدثین آں اماکن بسند رسانیده، ودر اکثر فنون از عربیت وفقه وحدیث وتفسیر وتصوف وتاریخ وسیر ماهر است، ودرهر ایک ازیں امور تصانیف او مشهور است، وبالفعل سن عمرش اواخر سال دهم جلوس همایوں وسنه هزار وچهل وهفت هجری است بنود رسیده، مع هذا در حواس ظاهر وباطنش خللی وفتوری راه نیافته، والتزام عبادت واوراد وذکر وتلاوت وتعلیم وتصحیح کتب برنهج ایام جوانی است۔"

(بادشاہ نامہ: ۲/۲۴۱-۲۴۲)

شیخ عبدالحق دہلوی فاضل محقق، زاہد وصوفی مسلک بزرگ ہیں، ان کی ذات فضائل ظاہری وباطنی سے آراستہ، اور کمالات وہبی وکسبی سے مزین ہے، ان کی فہم دقیقہ شناس علوم دین کی کاشف اور ان کی فطرت کاملہ واقف اسرار غیبی ہے، شیخ اصلاً ماوراء النہری ہیں، فضلاء حرمین شریفین کی خدمت میں حاضر ہوکر حدیث کی کتابیں پڑھیں، اور ان سے سند لی، اکثر علوم ادبیہ، فقہ، حدیث، تفسیر، تصوف، تاریخ وسیر میں ماہر ہیں، اور ان میں سے ہر فن میں ان کی تصانیف مشہور ہیں، اس وقت اواخر سال دہم جلوس مبارک اور ۱۰۴۷ھ ہے، نوے سال کو پہنچے ہیں، اس کے باوجود حواس ظاہری وباطنی میں کوئی فتور نہیں آیا، معمولات، وظائف واوراد، ذکر وتلاوت، درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور تصحیح کتب پابندی کے ساتھ اسی طریقہ سے ادا ہوتے ہیں جیسے جوانی کے ایام میں ادا کرتے تھے۔

....

میر غلام علی آزاد بلگرامی (المتوفی ۱۲۰۰ھ) "سبحة المرجان في آثار هندوستان" (۵۲: طبع بمبئی ۱۳۰۳ھ) میں لکھتے ہیں:

"مولانا الشيخ عبد الحق الدهلوي، هو المتضلع من الكمال الصوري والمعنوي والعاشق الصادق من عشاق الجمال النبوي، رزق من الشهرة قسطاً جزيلاً، وأثبت المؤرخون ذكره إجمالاً وتفصيلاً."

مولانا شیخ عبد الحق دہلوی کمال ظاہری وباطنی سے آراستہ اور عاشقان نبوی میں سے عاشقِ صادق ہیں، ان کو بڑی شہرت وقبولیت حاصل ہے، مورخین نے ان کا مجمل ومفصل تذکرہ لکھا ہے۔

نواب صدیق حسن خان قنوجی نے بھی "الرحيق المختوم من تراجم أئمة العلوم" میں شیخ موصوف کے تذکرہ کا آغاز میر غلام علی آزاد کے مذکورۂ بالا الفاظ سے کیا ہے، لیکن اپنی تنگ نظری اور فقہ حدیث میں بے بصیرتی کی وجہ سے یہ بھی لکھا ہے: "لم يكن يعرف علم الحديث على وجهه، بل على جهة الإجازة والاستجازة." (أبجد العلوم: ۳/۹۱۰)

موصوف کو علم حدیث کی معرفت فن حدیث کے طریقہ پر نہ تھی، بلکہ اجازت وطلب اجازت کے طور پر تھی۔

فقہ حدیث میں مہارت:

شیخ عبد الحق کو فنون وفقہ حدیث میں غیر معمولی بصیرت ومہارت اور مسند وقت ہونے کی وجہ سے محدثین کی اصطلاح کے مطابق ہی محدث دہلوی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، حافظ حدیث سید مرتضٰی حسن بلگرامی ثم زبیدی (المتوفی ۱۲۰۵ھ) نے علامہ موصوف کو محدثین میں سے نہیں، بلکہ کبار ائمہ حدیث میں سے شمار کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"ومن المتأخرين الإمام، المحدث أبو محمد عبد الحق بن سيف الدين البخاري الدهلوي من كبار أئمة الحديث، له شرح المشكاة عربي وفارسي، ومدارج النبوة فارسي، ترجم فيه المواهب اللدنية وأخبار الأخيار وغيرها." (تاج العروس مادہ، د، ہ، ل)

متاخرین علماء میں سے امام، محدث ابو محمد عبد الحق بن سیف الدین بخاری دہلوی ہیں، جو بلند پایہ ائمہ حدیث میں سے ہیں، انہوں نے مشکوٰۃ کی عربی اور فارسی میں شرح لکھی ہے، مدارج النبوۃ فارسی میں تحریر کی ہے، جو مواہب اللدنیہ کا ترجمہ ہے، اور اخبار الاخیار وغیرہ ان کی تالیفات میں سے ہیں۔

شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ نے موصوف کو فضل اللہ تورپشتی اور قاضی عیاضؒ جیسے ائمہ حدیث کی روش پر گامزن محققین میں سے شمار کیا ہے، فتاویٰ عزیزیہ (۱/۶، مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ) میں فرماتے ہیں:

"از ائمہ فن حدیث شریف مثل تورپشتی وقاضی عیاض ومتبعیہما کالشیخ المحقق عبد الحق الدہلوی وغیرہم"

....

ائمہ فن حدیث میں سے تورپشتی وقاضی عیاض جیسے محدثین اور ان کے متبعین جیسا کہ شیخ محقق عبدالحق دہلوی وغیرہ ہیں۔

مولانا سید عبدالحی لکھنویؒ لکھتے ہیں:

''الشيخ، الإمام، العالم، العلامة، المحدث، الفقيه، شيخ الإسلام وأعلم العلماء الأعلام، وحامل رأية العلم والعمل في المشايخ الكرام، الشيخ عبد الحق بن سيف الدين بن سعد الله البخاري، الدهلوي، المحدث المشهور، أول من نشر علم الحديث بأرض الهند تصنيفاً وتدريساً.'' (نزہۃ الخواطر:۵/۲۰۱)

شیخ، امام، عالم، علامہ، محدث فقیہ، نامور علماء میں دانا تر، مشایخ کرام میں علم وعمل کے علمبردار شیخ عبدالحق بن سیف الدین بن سعد اللہ بخاری دہلوی مشہور محدث ہیں، انہی نے سب سے پہلے تدریس وتصنیف سے سرزمین ہند میں علم حدیث کی اشاعت کی۔

عصر حاضر کے نامور حافظ الحدیث سید عبدالحی کتانی نے شیخ موصوف کو نامور حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے، موصوف نے ''فهرس الفهارس والأثبات ومعجم المعاجم والمشيخات والمسلسلات'' (۲/۱۲۵، طبع فاس ۱۳۴۶ھ) میں ان کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے:

''محدث الهند، العلامة، المسند، صاحب المؤلفات العدة.''

مفتی غلام سرور لاہوری ''خزينة الأصفياء'' (۱/۱۶۴، طبع نولکشور) میں لکھتے ہیں:

''مولانا شیخ عبدالحق محدث دهلوی...... از فحول علماء وعزیز فضلاء بود، وبوقت خود در علم وعمل وزهد وریاضت ثانی نداشت ...... در شریعت وطریقت وحقیقت مقتدائی وقت شد، علی الخصوص در علم حدیث وتفسیر باقصی الغایات تکمیل بهم رسانیده بود...... چوں در زمان جهانگیر بادشاه قبولیت تمام داشت، اکثر حاجات فقراء ومساکین بعرض می رساند، ودر دفع زندقه والحاد بسیاری کوشید۔''

مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی...... نامور علماء اور نادر روزگار فضلاء میں سے تھے، اور اپنے زمانے میں علم وعمل زہد وریاضت میں نظیر نہ رکھتے تھے...... شریعت، طریقت وحقیقت میں مقتدائے وقت تھے، خاص طور پر علم حدیث وتفسیر میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے، عہد جہانگیری میں ان کو قبولیت عام حاصل ہوچکی تھی، اس لئے فقراء ومساکین کی اکثر ضروریات سے جہانگیر کو مطلع فرماتے، اور زندقہ والحاد کو مٹانے کے لیے بہت کوشاں رہتے تھے۔

....

وفات:

شیخ عبدالحقؒ نے حرم سے واپس آ کر دارالعلم دہلی میں حدیث کا درس دینا شروع کیا، درس سے جو وقت بچتا وہ تصنیف وتالیف، ارشاد وہدایت اور عبادت وریاضت میں گذرتا تھا، یہ سلسلہ درس ۱۰۰۰ھ سے ۱۰۵۲ھ تک برابر قائم رہا، اور ۲۱ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ میں یہ آفتابِ علم ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔

تاریخ رحلت ''فخر العلماء''، ''فخر العالم'' اور ''علماء أمتي كأنبياء بني إسرائيل ''(اس میں علماء اور انبیاء کا ہمزہ محسوب) ہے۔

موصوف کے فرزند شیخ نور الحق دہلویؒ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور حوض شمسی کے کنارہ دفن کئے گئے، شیخ موصوف کے مزار پر زاہدانِ خشک کو بھی دلبستگی اور اطمینان نصیب ہوتا ہے، نواب صدیق حسن خاں قنوجی لکھتے ہیں:

''کاتبِ حروف بزیارت مرقد شریف مکرر فیضیاب شدہ، وکششی عجیب ودلبستگی غریب دراں مقام یافتہ۔''
(إتحاف النبلاء المتقين : ۳۰۴)

کاتبِ حروف متعدد مرتبہ ان کے مزار شریف کی زیارت سے فیض یاب ہوا، اور اس مقام پر عجیب وغریب کشش ودلبستگی محسوس کی ہے۔

نیز موصوف ''تقصار جيود الأحرار '' (ص:۱۱۲) میں فرماتے ہیں:

''بندہ عاجز در دہلی بر تربت شریف اور سیدہ، نمی تواند گفتن کہ کدام روح وریحان برکاتش مشاہدہ نمودہ، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ''

بندہ عاجز دہلی میں ان کے مزار مبارک پر پہنچا، اور جن برکات کا مشاہدہ کیا وہ بیان نہیں کی جاسکتیں، اللہ تعالیٰ ان کو بے پایاں رحمتوں سے نوازے۔

صاحبزادے:

شیخ عبدالحق نے تین جید عالم وصالح فرزند، شیخ نور الحق مشرقی، علی محمد، اور محمد ہاشم یادگار چھوڑے تھے۔

شیخ عبدالحق نے چورانوے (۹۴) برس کی عمر پائی، اور زندگی کا بڑا حصہ درس وتدریس میں گزارا، ہزاروں اہل علم نے ان سے استفادہ کیا، لیکن عرب وعجم میں جن نامور تلامذہ سے شیخ موصوف کا سلسلہ سند آج تک قائم ہے، ان کے نام درجِ ذیل ہیں:

۱- شیخ ابورضا ابن اسماعیل دہلوی (المتوفی ۱۰۶۳ھ)، یہ شیخ عبدالحق کے نواسہ تھے۔

....

....

۲- شیخ حیدر بن فیروز کشمیری (المتوفی ۱۰۵۷ھ)۔

۳- شیخ ابو احمد سلیمان کردی گجراتی۔

۴- شیخ شاکر محمد بن وجیہ الدین حنفی دہلوی (المتوفی ۱۰۶۳ھ)۔

۵- عنایۃ اللہ بن الہداد صدیقی بلگرامی۔

۶- نور الحق مشرقی (المتوفی ۱۰۷۳ھ)۔

عرب میں سلسلہ اسناد شیخ محمد حسین خافی نقشبندی...... صاحب کتاب ''الطریقة المحمدیة في بیان الطریقة النقشبندیة'' وغیرہ سے پھیلا ہے، چنانچہ حافظ سید عبد الحی کتانی ''فهرس الفهارس والأثبات'' (۲/۱۲۶) میں لکھتے ہیں:

''والخافي هذا هو تلميذ الشيخ عبد الحق الدهلوي والراوي عنه عامة، وقد وقفت على إجازة الشيخ عبد الحق له بخطه الشريف، وأدركه الشيخ حسن العجيمي وأخذ عنه، ومن طريق العجيمي، عنه نروي مؤلفاته ومؤلفات الشيخ عبد الحق ومروياته، ولولا هذا الشيخ الخافي وروايته عن الدهلوي عامة لما كنا اتصلنا بالشيخ علي المتقي لرواية كنز العمال وغيره، وهذه فائدة نفيسة قل من يعلمها.''

یہ خافی شیخ عبد الحق دہلویؒ کے تلمیذ ہیں، اور عموماً انہی سے روایت کرتے ہیں، میں شیخ عبد الحق کی اس اجازت پر مطلع ہوا ہوں، جو انہوں نے اپنے قلم سے ان کو لکھی ہے، شیخ خافی کو شیخ حسن عجیمی نے پایا ہے، اور ان سے حدیث کی تحصیل کی ہے عجیمی کی سند سے ہم شیخ عبد الحق کی تالیفات وتصنیفات کو روایت کرتے ہیں، اور اگر یہ شیخ خافی نہ ہوتے اور ان کی شیخ دہلوی سے روایت عامہ نہ ہوتی، تو ہمارا سلسلۂ سند شیخ علی متقی سے کنز العمّال وغیرہ کی روایت کے لیے متصل ومسلسل نہ ہو پاتا، اور یہ نہایت عمدہ فائدہ ہے جس کو کمتر لوگ جانتے ہیں۔

شیخ عبد الحقؒ کے مجاز طریقت میں شیخ طیب بن معین عمری بنارسی کا نام کتابوں میں آتا ہے، ان کا انتقال شیخ موصوف کی حیات ہی کے اندر ۱۰۴۳ھ میں ہو گیا تھا۔

موصوف کی تصنیفات:

شیخ عبد الحق نے تفسیر، تجوید، حدیث، فقہ، تصوف، تاریخ وتذکرہ ہر موضوع پر چھوٹی بڑی بہت سی کتابیں یادگار چھوڑی ہیں، لیکن ان کی جملہ تالیفات حدیثیہ میں لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔

معارف لمعات التنقیح: یہ کتاب عربی زبان میں مشکوٰۃ المصابیح کی نہایت مبسوط اور محققانہ شرح

....

ہے، شیخ موصوف نے جب ''اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ'' فارسی میں لکھنا شروع کی، تو دوران تحریر نہایت علمی اور دقیق مضامین ذہن میں آئے، جن کو کم سواد لوگ سمجھنے سے قاصر تھے، ان مباحث کو نظر انداز کرنا اور ان نکات کو بیان نہ کرنا اہل علم سے کتمان علم کا مترادف اور خدمتِ حدیث کی سعادت سے محرومی کا باعث تھا، اس لئے موصوف نے یہ مناسب سمجھا کہ اس کتاب کی ایک مبسوط شرح عربی میں لکھیں جس سے اہل علم پورا پورا فائدہ اٹھا سکیں، اس لئے شیخ موصوف نے فارسی شرح کے ساتھ عربی میں بھی شرح لکھنا شروع کی، اور اس میں کچھ ایسا جی لگا کہ یہ شرح دو تین برس میں اس سے پہلے مکمل ہوگئی، موصوف ''اشعۃ اللمعات'' کے آغاز میں لکھتے ہیں:

''چوں توفیق وتائید الٰہی تعالیٰ دستگیری کرد، ودر خدمت ایں علم شریف در مقام استقامت بنشاند، خواست کہ کتاب مشکوٰۃ المصابیح را کہ دریں روزگار بسمت تداول واشتہار موسوم ست شرح کند، واز فوائد انچہ کہ در کتب قوم دیدہ واز مشائخ وقت شنیدہ یا بخاطر فاتر وی رسیدہ بطالبان برساند، بعضی از اجلۂ اصحاب صفوت وارباب محبت فرمودند کہ اگر شرح آں بزبان فارسی واقع شود، ہر آئینہ نفع آں اعم واشمل باشد، وچوں شروع کرد دراں دراثنائی مطالعہ آں سخنانی روی نمود کہ درج آں در شرح فارسی مناسب نہ باشد، واز دست دادن آں سخناں نیز گنجائش ندید، پس در شرح آں بلسان عربی نیز شروع نمود تا چندگاہ ہر دو شرح فارسی وعربی معاً تسوید می یافت، آخر چناں گشت کہ عربی چوں اسپ تازی پیشتر رفت، وتمام شد، وفارسی در نیمۂ راہ ماند چوں بامرار نظر ثانی براں مقید شد، وتبییض نمود، وزمانے مدید برآں گذشت، ومسودۂ فارسی حکم نسیا منسیا گرفت، باز امر شد کہ فارسی نیز تمام گردد، واز سواد بہ بیاض رسد، وبروئے کار آید بحکم المامور معذور آنقدر کہ تسوید یافتہ بود بہ بیاض آورد، ودر اتمام انچہ باقی ماندہ بود شروع کرد۔''

جب توفیق وتائید الٰہی نے دستگیری کی، اور علم حدیث کی خدمت کے لیے مقام استقامت میں بٹھایا، اور یہ چاہا کہ مشکوٰۃ المصابیح کی جو اس زمانہ میں بہت متداول اور مشہور ہے شرح کرے، اور ان فوائد کو جو اہل علم کی کتابوں میں نظر سے گذرے اور مشائخ وقت سے سنے یا خاطر فاتر میں آئے ہیں، طالبین حدیث کو پہنچائے، بعض مخلص بزرگ اور ارباب محبت (جیسے شاہ ابوالمعالی لاہوری) نے فرمایا کہ اگر اس کتاب کی شرح فارسی زبان میں کی جائے تو یقیناً اس کی افادیت کا دائرہ زیادہ وسیع اور زیادہ عام ہوجائے گا، جب یہ شرح لکھنی شروع کی تو اس کے اندر اثناء مطالعہ میں وہ باتیں ظاہر ہوئیں، جن کو فارسی کی شرح میں پیش کرنا مناسب نہ تھا، اور نہ ان باتوں کو نظر انداز کرنے کی گنجائش تھی، اس لئے اس کی شرح عربی زبان میں بھی لکھنا شروع کی، تا آنکہ کچھ عرصہ تک دونوں شرحیں عربی وفارسی ایک ساتھ چلتی رہیں، پھر ایسا ہوا کہ عربی مثل اسپ تازی بازی لے گئی، اور فارسی بیچ راستہ ہی میں رہ گئی، جب نظر ثانی کی نوبت آئی، اور مسودہ کو صاف کرنا پڑا، حالانکہ ایک

....

زمانۂ دراز اس پر گذر چکا تھا، اور فارسی مسودہ بھولا بسرا ہو گیا تھا، پھر بھی حکم ہوا کہ فارسی شرح کو مکمل کیا جائے، اور مسودہ کو صاف کر کے بکارآمد بنایا جائے، تو بحکم ''المامور معذور'' جتنا لکھا جا چکا تھا صاف کیا، اور جو باقی رہ گیا تھا اس کو لکھنا شروع کیا۔

شیخ عبدالحقؒ نے ''لمعات التنقیح'' میں الفاظ حدیث کی توضیح اور معانی و مطالب کی تشریح نہایت محققانہ انداز میں کی ہے، لغوی، نحوی، فقہی اور کلامی مباحث کو نہایت عمدگی سے پیش کیا ہے، اور احادیث کی توجیہ و تطبیق کا حق ادا کیا ہے، جگہ جگہ فقہ حنفی کی احادیث سے مطابقت بھی خوب بیان کی ہے، نکاتِ حدیث پر بھی تنبیہ کی ہے، پھر تحقیقِ مسائل میں انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، اور دائرہ اعتدال سے باہر قدم نہیں رکھا ہے، یہ شرح موصوف کی علوم میں جامعیت واتقان، اصابتِ فکر، دقتِ نظر اور فن حدیث میں مہارت کی بین دلیل ہے، یہ شرح حجم میں ملا علی قاریؒ کی ''مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح'' سے کم سہی، لیکن افادیت اور حسنِ انتخاب میں ملا علی قاریؒ کی شرح مذکور سے زیادہ بہتر ہے، بلاشبہ ملا علی قاریؒ کے پاس کتابوں کا ذخیرہ زیادہ ہے، لیکن ان کا انتخاب اچھا نہیں ہوتا، شیخ موصوف کے پاس کتابوں کا ذخیرہ گو زیادہ نہیں، لیکن جن کتابوں سے جو بات نقل کی ہے، وہ ان کے سلیقۂ انتخاب اور حسنِ انتخاب کی بہترین مثال ہے۔

کہنے کو یہ مشکوٰۃ کی شرح ہے، لیکن اس شرح نے صحاح ستہ کی شروح سے فی الجملہ مستغنی کر دیا ہے، ہندوستان میں عربی زبان کو کبھی فروغ حاصل نہیں ہوا، اور فارسی ایک زمانے تک یہاں کی مادری زبان رہی ہے، اس لئے اس کو وہ قبولیت و شہرت حاصل نہ ہو سکی، جو اشعۃ اللمعات کو ہندوستان میں ہوئی ہے، تاہم شیخ موصوف کی نظر میں اس کی جو قدر و منزلت ہے، وہ ان کے حسب ذیل بیان سے معلوم ہو سکتی ہے، فرماتے ہیں:

''لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح، وهو أجل وأعظم وأطول وأكبر هذه التصنيفات، وقد جاء بتوفيق الله وتائيده كتاباً حافلاً شاملاً مفيداً نافعاً في شرح الأحاديث النبوية على مصدرها الصلاة والتحية، مشتملة على تحقيقات مفيدة، وتدقيقات بديعة، وفوائد شريفة، ونكات لطيفة.''

(تالیف قلب الالیف بکتابۃ فہرست التوالیف: ۳۰ طبع دکن)

''لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح'' ان تصانیف میں نہایت جلیل القدر، نہایت مبسوط اور سب سے بڑی کتاب ہے، احادیث رسول اللہ ﷺ کی شرح میں محض توفیق و تائید الٰہی سے یہ نہایت جامع، مبسوط و مفید اور نفع بخش کتاب بن گئی ہے، اور معلومات آفریں تحقیقات، نادر مباحث، نفیس فوائد اور لطیف نکات پر مشتمل ہے۔

اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کے ارباب نظر محدثین کو اس سے کبھی استغناء نہیں ہو سکا، مولانا احمد علی محدث سہارن پوری (المتوفی ۱۲۹۷ھ) نے مشکوٰۃ المصابیح، جامع ترمذی اور صحیح بخاری کی تعلیقات

....

وحواشی میں اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے، ''لمعات التنقیح'' کی پہلی جلد ہمارے دوست شمس الدین تاجر کتب نادرہ لاہور کے پاس ہماری نظر سے گذری ہے، اور اس کا نصف اول محترم مولانا محمد ہاشم جان مجددی (المتوفی ۱۳۹۵ھ) کے ذاتی کتب خانہ ٹنڈو سائیں داد سندھ میں نظر سے گذرا ہے، شیخ عبد الحق نے اگر کوئی اور کتاب نہ لکھی ہوتی تو یہی کتاب ان کی شہرت وقبولیت اور مغفرت وبخشش کے لیے کافی تھی، موصوف کا یہ عظیم الشان کارنامہ اس قابل ہے کہ ہندوستان اس پر جتنا بھی فخر کرے بجا ہے، بلاشبہ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن نے حدیث کی بعض اہم کتابیں شائع کرکے علمی دنیا پر بڑا احسان کیا ہے، لیکن حیرت ہے کہ ان کی مستقبل میں شائع ہونے والی کتابوں میں اس کا نام تک نہیں ہے، اس کی اشاعت بھی علم کی بڑی خدمت ہے۔

تذکرۂ ''اشعۃ اللمعات'':

مشکوٰۃ کی یہ فارسی شرح شیخ عبد الحق کی تالیفات میں سب سے زیادہ مقبول کتاب ہے، اس شرح کا آغاز ۱۰۱۹ھ میں ہوا جب شیخ موصوف کی عمر ساٹھ برس کی تھی، اور تکمیل ۱۰۲۵ھ میں ہوئی، یہ آغاز واتمام کی تاریخ ہے، تالیف کتاب کی مجموعی مدت نہیں ہے، کیونکہ اس طویل عرصہ میں شیخ موصوف نے بعض اور کتابیں اور رسالے بھی لکھے ہیں، اس لئے اس شرح کی تکمیل میں ڈیڑھ دو برس سے زیادہ نہیں لگے، جیسا کہ موصوف کے ایک ترقیمہ سے ثابت ہے وہو ہذا:

''آغاز تسوید ایں شرح کہ مسمی است بہ "أشعة اللمعات في شرح المشكاة" دراوسط ایام تشریق سنۃ تسع عشر والف بود، واتمام درشہر ربیع الآخر سنۃ الف وخمس وعشرین اتفاق افتاد، ونہ کہ ایں مدت تمام مصروف ومشمول بایں شرح بود، شرح دیگر عربی کہ مسمی ''بلمعات التنقيح في شرح المشكاة المصابيح'' کہ متقارب ومتقارن بود بایں شرح درتالیف نیز اتمام یافت وسبقت نمود، وکتب ورسائل دیگر نیز بوجود آمد، وتخمینا ثلث ایں زمان بلکہ کمتر از آں مصروف بایں بود، باقی بباقی والتوفیق من اللہ الباقی الوافی...... واتمام ہر دو در بلدۂ دہلی کہ وطن الیف ایں ضعیف است، درخانقاہ قادریہ کہ جاروب کشی وچراغ افروزی آں حوالۂ ایں فقیر است ابتداء وانتہاء عمر دریک مکان ومقعد بود شدہ، کانہا تمت فی مجلس واحد مقصود بیان شکر نعمت حق است بریں ضعیف حقیر وللّٰه الحمد على التوفيق، وأستغفر الله على التقصير، وأنا الفقير الحقير عبد الحق بن سيف الدين الدهلوي وطنا، والبخاري أصلاً، والتركي نسباً، والحنفي مذهباً، والصوفي مشرباً والقادري إرادةً واخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.'' (۴/۵۱۵، اشعۃ اللمعات طبع بمبئی ۱۲۷۹ھ)

اس شرح کی تالیف کا آغاز جس کا نام ''اشعۃ اللمعات فی شرح المشکوٰۃ'' ہے، وسط ایام تشریق ۱۰۱۹ھ میں ہوا، اور تکمیل ماہ ربیع الآخر ۱۰۲۵ھ میں ہوئی، یہ پوری مدت اسی شرح کی تکمیل میں نہیں لگی ہے، بلکہ عربی شرح جس کا نام

....

"لمعات التنقیح في شرح مشكوة المصابيح" ہے، وہ بھی اس شرح کے ساتھ ساتھ لکھی گئی، اور اس سے پہلے مکمل ہوئی ہے، اور بعض دوسری کتابیں اور رسالے بھی قید تحریر میں آئے ہیں، اس مدت کا تقریباً ایک تہائی حصہ بلکہ اس سے بھی کمتر زمانہ اس شرح میں لگا ہے، باقی زمانہ دوسری کتابوں کی تکمیل میں گذرا ہے، توفیق اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کی طرف سے ہے، یہ دونوں شرحیں شہر دہلی میں (جو اس بندہ ضعیف کا وطن مالوف ہے) خانقاہ قادریہ میں تکمیل کو پہنچی ہیں، اس خانقاہ کی جھاڑو دینا اور اس میں چراغ روشن کرنا اس فقیر کا کام ہے، آغازِ عمر سے انتہاء عمر تک اسی جگہ رہنا ہوا ہے، اس اعتبار سے یہ شرحیں ایک ہی مجلس میں تمام ہوئی، اس بیان سے مقصد حق تعالیٰ کی نعمت کا شکر کرنا ہے، جو اس حقیر ضعیف پر ہوئی ہے، نوشتۂ فقیر حقیر عبد الحق بن سیف الدین الدہلوی وطنا والبخاری اصلا والترکی نسبا والحنفی مذہبا والصوفی مشربا والقادری ارادۃ، واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

"لمعات التنقیح" بلاشبہ مباحث علمیہ اور تحقیقات فکریہ میں اشعۃ اللمعات سے فائق ہے، مگر یہ شرح ترتیب وتہذیب میں اس سے بہتر ہے، اور اختصار و جامعیت اور افادیت میں اپنی نظیر آپ ہے، اس میں بھی شیخ موصوف نے "فقیر می گوید" اور "کاتب حروف می گوید" سے احادیث کی جو توجیہات کی ہیں وہ بہت خوب ہیں، متن حدیث کی شرح بھی بہت عام فہم اور نہایت دلنشین انداز میں کی ہے جس کو ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا اور فائدہ اٹھا سکتا ہے، اس کتاب کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اساتذہ وطلبہ اور عوام وخواص سب کے لیے یکساں مفید ہے، اور اپنی افادیت کی وجہ سے اہل علم میں ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے، شیخ عبد الحقؒ کو بھی یہ کتاب بہت پسند تھی، موصوف "تالیف قلب الألیف" (ص:۳۰) میں لکھتے ہیں:

"اشعۃ اللمعات فی شرح المشکوٰۃ، شرح فارسی مشکوٰۃ است کہ در قدر و مرتبہ تلو شرح عربی است، و در تنقیح وتہذیب وضبط و ربط راجح وفائق و در حجم وضخامت زیادہ از اں نیز، بتائید ونصرت الٰہی سبحانہ شرحی نفیس لطیف مہذب مرغوب ومقبول آمدہ۔"

"أشعة اللمعات في شرح المشكوٰة" یہ مشکوٰۃ کی فارسی شرح ہے، جو قدر و منزلت میں عربی شرح سے فروتر ہے، لیکن تنقیح وترتیب اور ضبط و ربط میں اس پر فائق اور قابل ترجیح ہے، حجم وضخامت میں بھی اس سے بڑھ گئی ہے، تائید الٰہی اور نصرت باری تعالیٰ سے نفیس، عمدہ، مرتب، پسندیدہ اور مقبول کتاب تیار ہوگئی۔

مفتی غلام سرور لاہوری خزینۃ الاصفیاء (۱/۱۶۴، مطبع نولکشور کانپور ۱۹۱۴ء) میں تحریر فرماتے ہیں:

"شرح مشکوٰۃ عربی وفارسی از عمدۂ تصانیف وی است کہ بسیار مقبول ومشہور است۔ و اکثر مواضع مشکلہ ومحال را ترجمہ آسان وسہل تر نوشتہ۔"

مشکوٰۃ کی عربی وفارسی شرح ان کی بہترین تصنیفات میں سے ہے، اور نہایت مقبول ومشہور ہے، اکثر وبیشتر

....

مشکل ودشوار مقامات پر ترجمہ آسان اور زیادہ سہل کیا ہے۔

نواب صدیق حسن خان قنوجی ''إتحاف النبلاء المتقین'' (ص:۱۹) میں رقمطراز ہیں:

''اشعۃ اللمعات شرح فارسی مشکوٰۃ ...... در سہولت تناول وشرح غریب وضبط مشکل وذکر مسائل فقہ حنفی بی نظیر ست، ومزید شہرت وقبول وی مستغنی از بیان ست۔''

اشعۃ اللمعات شرح فارسی مشکوٰۃ ...... سہولت اخذ، شرح غریب، ضبط مشکل اور مسائل فقہ حنفی کے بیان میں بے نظیر کتاب ہے، اس کی مزید شہرت وقبولیت بیان سے مستغنی ہے۔

مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے ''عوارف المعارف في أنواع العلوم والمعارف'' (ص:۱۵۵، طبع دمشق ۱۹۵۸ء) میں نواب صدیق حسن خان کے مذکورہ بالا الفاظ کو عربی میں منتقل کر دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شیخ عبدالحقؒ نے مشکوٰۃ المصابیح کی شرح، فارسی میں لکھ کر فہم حدیث کا ڈھنگ سکھایا، اور حدیث کا ذوق پیدا کیا، بلاشبہ ہندوستان میں شیخ موصوف سے پہلے بھی بعض علماء نے مشکوٰۃ کی فارسی میں شرحیں لکھیں، (تفصیل کے لیے دیکھئے، الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند از مولانا عبدالحی لکھنوی ص:۱۵۴) لیکن اشعۃ اللمعات کو جو قبول عام حاصل ہوا، وہ کسی اور شرح کو کبھی نہیں ہوا، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ یہ کتاب سب سے پہلے کلکتہ سے ۱۲۵۱ھ میں ٹائپ کے اندر چار ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی تھی، پھر بمبئی سے ۱۲۷۷ تا ۱۲۷۹ھ میں شائع ہوئی، اور مطبع نولکشور لکھنؤ سے ۱۳۵۵ھ = ۱۹۳۶ء تک آٹھ مرتبہ شائع ہو چکی ہے، اور آج بھی اس کی مانگ ہے، مگر اب آسانی سے دستیاب نہیں ہوتی، پاکستان میں طبع نولکشور کا فوٹو لاہور سے شائع کیا گیا ہے، وہ بازار میں بآسانی ملتا ہے۔

شرح سفر السعادۃ:

"سفر السعادة في ذكر تاريخ الرسول قبل نزول الوحي وبعده" جو ''الصراط المستقیم'' کے نام سے بھی مشہور ہے، علامہ مجد الدین فیروز آبادی (المتوفی ۸۱۷ھ) کی تالیف ہے، اور رسالت مآب ﷺ کے معمولات عادات، اعمال واخلاق کی حدیثوں کا مختصر ومفید مجموعہ ہے۔

علامہ فیروز آبادی طبیعت ومزاج کے اعتبار سے ظاہری سے واقع ہوئے تھے، چنانچہ انہوں نے اکثر مواقع پر اس کتاب میں ان حدیثوں کو بیان کرنے سے گریز کیا ہے، جن پر مجتہدین امت کا عمل ہے، اور زیادہ تر ایسی حدیثیں نقل کی ہیں جو ائمہ مجتہدین کے یہاں معمول بہا نہیں، لہٰذا ایسی صورت میں ایک قاری کے ذہن پر اس کتاب کے مطالعہ سے جو اثر ہوگا وہ ظاہر ہے، مزید برآں آخر کتاب میں احادیث موضوعہ کے عنوان سے ایک باب کا اضافہ کر کے ابن جوزیؒ وغیرہ

....

جیسے متشدد محدثین کی طرح صحیح حدیثوں کو بھی موضوع کہہ دیا، جس سے عوام کے دلوں میں شبہات پیدا ہونے کا قوی احتمال ہو گیا تھا، ان وجوہ سے شیخ کو اس کی شرح لکھنے کا خیال ہوا، اور موصوف نے فارسی میں مبسوط شرح لکھ کر مصنف کے پیدا کردہ تمام شبہات کا ازالہ کیا، شیخ موصوف نے شروع میں ایک نہایت محققانہ اور مبسوط مقدمہ لکھا، اور سچ بات یہ ہے کہ یہی مقدمہ اس کتاب کی جان ہے، یہ مقدمہ دو بابوں پر مشتمل ہے، پہلے باب میں مصطلحات حدیث کو بتایا، اور اربابِ صحاح ستہ کا تذکرہ کیا ہے، تحقیق وتنقید کے اصول کو بیان کیا، اور مذہب حنفی پر جو اعتراض کئے جاتے ہیں ان کی حقیقت کو واضح کیا، نیز اصول مطابقت کو سمجھایا ہے، اور دوسرے باب میں ائمہ مجتہدین کا تذکرہ کیا ہے۔

شیخ موصوف نے یہ شرح لکھ کر ثابت کیا کہ ائمہ مجتہدین کا مسلک احادیث کے خلاف نہیں، اور حنفی مسلک پر احادیث سے بُعد کا الزام غلط ہے، یہ کتاب ۱۰۱۶ھ میں جب شیخ کی عمر ۵۸ سال کی تھی پایہ تکمیل کو پہنچی، جیسا کہ آخر کتاب میں فرماتے ہیں:

''تم تسويد هذا الكتاب بين الصلاتين من يوم الاثنين الرابع والعشرين من شهر جمادي الأولى سنة ست عشر وألف، والحمد لله ...... ''الحمد للہ اس کتاب کی تکمیل مابین نماز عصر ومغرب بروز دوشنبہ ۲۴ جمادی الاولی ۱۰۱۶ھ میں ہوئی۔

اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تالیف کے وقت شیخ موصوف کے پاس کتابوں کا نادر ذخیرہ موجود تھا، یہی وجہ ہے کہ موضوع سے متعلق تمام تر معلومات کتاب میں یکجا مل جاتی ہیں، موصوف نے تالیف قلب الالیف میں اس شرح کے متعلق جو الفاظ لکھے ہیں وہ بھی پڑھنے کے قابل ہیں، لکھتے ہیں:

''کتابے آمد حافل شامل، نافع جامع طریقہ فقہ وحدیث۔''

یہ کتاب بھی شیخ عبدالحقؒ کے تبحر علمی کی شاہد عدل ہے، سفر السعادۃ کے چونکہ دو نام تھے اس لئے اس کی شرح بھی دو ناموں ایک ''طريق الإفادة في شرح سفر السعادة '' اور دوسرے ''الطريق القويم في شرح الصراط المستقيم '' سے موسوم ہے، یہ شرح سب سے پہلے افضل المطابع کلکتہ سے ۱۲۵۲ھ میں ٹائپ میں بڑی تقطیع کے سات سو بیس (۷۲۰) صفحات پر شائع ہوئی تھی، اور اس کی تصحیح بھی اس وقت کے جید علماء نے کی تھی، جس کی اہمیت کا اندازہ خاتمۃ الطبع سے ہو سکتا ہے، جو ہدیۂ ناظرین ہے:

''امابعد پوشیدہ نماند کہ کتاب مستطاب شرح سفر السعادہ کہ تالیف افضل الفضلاء، اکمل العلماء، قدوۃ المحققین، سلالۃ المحدثین، صاحب تصانیف مشہورہ، مالک فضائلِ ماثورہ، وحید الدھر، فرید العصر، الفارق بین الباطل والحق، مولانا

شاہ عبدالحق دہلوی قدس اللہ سرہ العزیز است، احقر العباد بندہ ہیچ مدان ننگ خلق و بنی آدم محمد اعلم لکھنوی، آنرا بمعاونت وتصحیح امام افضل، ہمام اکمل، واقف اسرار احادیث وآیات، کاشف استار مجملات ومتشابہات، العلامۃ الامجد الشہیر الحافظ الحاج مولانا احمد کبیر، وعالم منطق، عمدۃ المحققین، وفاضل نحریر، فخر المدققین، الماہر النباہ، المولوی قدرت اللہ، وعالم اورع جید وفاضل اجل امجد، النبیہ، الاوحد المولوی عجیب احمد، وفاضل جہبذ المعی، وعالم نبیل لوذعی، البہی القاری القاضی عبدالباری، وفاضل ادیب وعالم اریب، صاحب التقوی والصلاح عبدالفتاح، وفقیہ امثل، ومحدث اکمل، صاحب الورع والارشاد، المفتی محمد مراد، وعالم باعمل، مصدر مکارم، لم یزل الجلی فی میادین المعانی، المولوی افضل علی لکھنوی، ومنشی بی نظیر، صاحب قصائد دلپذیر، اعجاز رقم عطارد قلم المتحلی من الزین، المنشی امداد حسین بریلوی، وعالم فطین، ومنشی ذھین، العالم الفائق المولوی محمد صادق، وفرید زمان، وحید اوان، ذی الفضل الجلی، المولوی یوسف علی، عالم ذھین، وفاضل فطین، الاورع الفہیم، المولوی عبدالرحیم اسلام آبادی، اللّٰھم أید المعاونين في الدارين، واحفظهم عن آفات الزمان في الملوين بحرمة نبي الثقلين واله وأصحابه المقبولين في الكونين درکلکتہ بمطبع مسمی بافضل المطابع نہار الجمعۃ التاسع والعشرین من شہر شعبان المعظم عام اثنین وخمسین بعد المائتین والالف من الاعوام الہجریۃ القدسیۃ علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ وتحیۃ بطبع درآوردم۔

قطعات تاریخ طبع کتاب ہذا

از منشی امداد حسین بریلوی کہ از حرف اول ہر مصرع برمی آید۔

زعادات نبوی علیہ السلام	کتابیست سفر السعادہ بنام
چہ بود آں زبس مجمل ومختصر	بدندعا جز از فہم آں خاص وعام
امامِ زماں عبدِ حق دہلوی	مشرح نمودش بصد اہتمام
زہے شرح سفر السعادۃ بگفت	مقصر زوصفش ملایک تمام
چنان حل معنی ھر عقدہ کرد	کہ بی وقت آید بفہم عوام
چگویم چہا موشگافی نمود	زحق باد رحمت بروحش دوام
زسہو نویسند گاں آں کتاب	چناں شد غلط کوفتاد از مرام
ملایک شیم مولوی اعلمش	چودید ایں چنیں مسخ وبے انتظام
رسانده بہم نسخہ ھائی	صحیح نموده بہ تصحیح آں التزام

....

بتائید علام وفہام دہر فقیہ ومحدث فصیح الکلام
معلیٰ لقب حافظ احمد کبیر کہ علم وعمل شد برو اختتام
بہ پیرایۂ صحتش جلوہ داد بر آورد اغلاط آنرا تمام
نمودہ ہمش طبع آں نیک مرد خدایا بماناد فیضش مدام
چو امداد تاریخ طبعش بجست زروے ہمہ مصرع آمد تمام

۱۲۵۲ھ

اس کے بعد مطبع نولکشور لکھنؤ سے تین مرتبہ شائع ہوئی، پہلے ۱۸۷۱ء میں، پھر ۱۸۸۵ء میں اور اس کے بعد ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی تھی، اور اب بہت کمیاب ہے، اس کو پھر شائع کرنے کی ضرورت ہے، پاکستان میں طبع نولکشور کا چھوٹے سائز میں فوٹو لاہور سے شائع کیا گیا ہے۔

فتح المنان في تائيد مذهب النعمان : یہ بھی شیخ عبدالحق کی عربی زبان میں نہایت معرکۃ الآراء تالیف ہے، جس میں مشکوٰۃ کے طرز پر فقہی ابواب کے ماتحت احادیث کو جمع کیا، اور در حقیقت یہ کتاب مشکوٰۃ کیلئے فصل رابع کی حیثیت رکھتا ہے، تحقیق مسائل میں ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک کا مستدل بیان کیا ہے، اور ہر ایک کے ماخذ ومنشاء پر بڑی بصیرت افروز تنقید کی ہے، پھر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ماخذ ووجوہ ترجیح کو نہایت تفصیل سے قلمبند کیا ہے، اس کتاب سے شیخ موصوف کی فقہی بصیرت اور احادیث پر وسعت نظر کا پتہ چلتا ہے، اس کا قلمی نسخہ ہمارے کرم فرما مولانا محمد ہاشم جان مجددی (المتوفی ۱۳۹۵ھ) کے کتب خانہ ٹنڈو سائیں داد میں موجود ہے، یہ شیخ عبدالحق کا اہم کارنامہ ہے، اس کی اشاعت کی بھی ضرورت ہے، الحمد للہ دیوبند سے مفتی نظام الدینؒ نے فتح الرحمٰن فی اثبات مذہب النعمان کے نام سے شائع کیا ہے، جو نسخۂ طاہر معروفی اعظمی کے مطابق ہے۔

موصوف کی دیگر تصانیف کے لیے ملاحظہ ہو:

تألیف قلب الألیف بکتابة فهرست التوالیف طبع حیدرآباد دکن اور نزهة الخواطر: ۵/ ۲۰۹

موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: ۱۔ (تکملۂ) أخبار الأخيار، ۲۔ تذکرۂ مصنفین دہلی: ۲۲-۲۳، ۳۔ تزک جہانگیری: ۲/ ۲۸۵، ٤۔ سبحة المرجان في آثار هندوستان: ٥٢، ٥۔ مآثر الكرام، ٦۔ تاج العروس ماده ده ل، ۷۔ إتحاف النبلاء المتقين بإحياء مآثر الفقهاء المحدثين، ۸۔ الحطة في ذكر الصحاح الستة، ۹۔ تقصار جيود الأحرار من تذكار جنود الأبرار: ١٢، ١٠۔ أبجد العلوم: ٣/ ٩٠٠، ١١۔ مرآة الحقائق از برکت علی، ١٢۔ خزينة الأصفياء از غلام سرور لاہوری: ١/ ١٦٤ - ١٦٥، ١٣۔ نزهة الخواطر: ٥/ ٢٠١ - ٢١٠، ١٤۔ فهرس

....

الفهارس والأثبات:۲/ ۱۲۵ - ۱۲۷، ۱۵۔ تذکرہ شیخ عبدالحق از سید احمد قادری، ۱۶۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ از خلیق احمد نظامی، ۱۷۔ تذکرہ علماء ہند: ۱۰۹.

ان ہی فقہاء محدثین کے زمرہ میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، شاہ عبدالعزیزؒ، فقیہ ہند مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حافظ سید انور شاہ کشمیری رحمہم اللہ تعالی کا بھی شمار ہے، صحاح ستہ کے متون حدیث کی شرح میں ان اربابِ صدق وصفا کا وہی مقام ہے جو خطابی، بغوی اور نووی کا ہے، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا اس باب میں کوئی سہیم وشریک نہیں، صحاح ستہ پر ان کی امالی، شرح حدیث اور استنباطِ مسائل فقہیہ میں اپنی نظیر آپ ہیں۔

اکابر دیوبند کو فقہ حدیث میں بڑی دستگاہ حاصل ہے، جیسے حضرت گنگوہیؒ، شیخ الہند محمود حسن دیوبندیؒ، ان کی درسی تقریریں اس امر کی روشن دلیل ہیں۔

فقہاءِ محدثین مالکیہ
۱- ابن بطال

نام ونسب:

علی نام، ابوالحسن کنیت، ابن بطال اور ابن اللجام عرف ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''علی بن خلف بن عبد الملک بن بطّال المغربی البکری المالکی القرطبی۔''

پیدائش، تحصیل علم وتدریس:

موصوف قرطبہ میں پیدا ہوئے، وقت کے نامور علماء سے علوم کی تکمیل کی، اور حدیث کا سماع محدث ابوالمطرف قنازعی، ابوالولید، قاضی یونس بن عبداللہ، ابومحمد بن نبوش اور ابوعمر بن عفیف وغیرہ سے کیا، جب علوم میں کمال حاصل ہوگیا تو درس وتدریس کا شغل اختیار کیا، بہت سے علماء نے ان سے حدیث پڑھی۔

فضل وکمال:

ابن بطّالؒ کا پایہ نکتہ آفرینی، دقیقہ سنجی، مطلب اور معانیِ حدیث کی شرح وتوجیہ میں بہت بلند ہے، علامہ ابن بشکوال ابوالقاسم خلف ابن عبدالملک (المتوفی ۵۷۸ھ) ''كتاب الصلة'' (۳۹۴/۲ طبع قاہرہ ۱۹۵۵ء) میں موصوف کے متعلق لکھتے ہیں:

''وكان من أهل العلم والمعرفة والفهم، مليح الخط، حسن الضبط، عني بالحديث العناية التامة، وأتقن ماقيد منه، وشرح صحيح البخاري في عدة أسفار، رواه الناس عنه، واستقضي بلورقة، وحدث عنه جماعة من العلماء''.

ابن بطّال اہل علم اور صاحبِ فہم وفراست علماء میں سے تھے، خط بھی عمدہ تھا، ضبط بھی خوب تھا، حدیث پر پوری توجہ کی تھی، اور جو کچھ ضبط کیا وہ اچھی طرح سے کیا، صحیح بخاری کی کئی جلدوں میں شرح لکھی، جس کو لوگوں نے ان سے روایت کیا ہے، لورقہ میں ان کو قاضی بنایا گیا، اور علماء کی ایک جماعت نے ان سے حدیث کی روایت کی۔

''اتفق المترجمون له على أن له شرحاً لصحيح البخاري، وزاد القاضي عياض: "وله كتاب في الزهد والرقائق" وزاد في "شجرة النور الزكية": "الاعتصام في الحديث" ومثله في "معجم المصنفين"
(شرح ابن بطال: ۱۳/۱)

موصوف کے تذکرہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ ابن بطال نے صحیح بخاری کی شرح لکھی ہے، قاضی عیاض نے ان کی

....

"كتاب الزهد" کا بھی ذکر کیا ہے، اور "شجرة النور الزكية" میں "كتاب الاعتصام" کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

ابن بشکوال نے تصریح کی ہے کہ میں نے ابوالحسن بکری کے قلم سے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ شبِ شنبہ ماہِ صفر ۴۴۹ھ میں موصوف کا انتقال ہوا۔

موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: ترتيب المدارك:٤/ ٨٢٧، كتاب الصلة:٢/٣٩٤ اور ٤١٤، سير أعلام النبلاء:١٨/ ٤٧ ، العبر:٣/ ٢١٩، تاريخ الإسلام وفيات سنة ٥٤٤٩، ص: ٢٣٣، الدِّيباج المذهب: ٢/ ١٠٥-١٠٦، شذرات الذهب:٣/٢٨٣، شجرة النور الزكية:١/ ١١٥، معجم المؤلفين:٧/ ٨٧، هدية العارفين:١/ ٦٨٨، التاج المكلّل:٢٩٦.

۲- ابوالولید باجی

نام ونسب:

سلیمان نام اور ابوالولید کنیت ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: "سلیمان بن خلف بن سعید بن ایوب بن وارث التجیبی الباجی القرطبی۔"

ولادت وشیوخ:

۴۰۳ھ میں باجہ میں (جو اشبیلہ کے پاس ایک شہر ہے) پیدا ہوئے، اور قاضی یونس بن عبد اللہ، مکی بن ابی طالب، محمد بن اسماعیل اور ابوبکر محمد جیسے نادر روزگار علماء سے علوم کی تحصیل کی، ۴۲۶ھ میں حج کیا، اور تین سال تک حرمین میں مجاورت اختیار کی، حافظ ابوذر سے استفادہ کیا، پھر بغداد اور دمشق پہنچے، یہاں ابوالقاسم بن طبیز، علی بن موسی سمسار، سکن بن جمیع صیداوی (تاریخ الإسلام اور سیر أعلام النبلاء میں حسن بن جمیع ہے اور تذکرة الحفاظ میں سکن ہے) محمد بن علی صوری اور اس طبقہ کے علماء سے سماع کیا، قاضی ابوالطیب طبری، قاضی حسین صیمری اور ابوالفضل مالکی سے فقہ میں بصیرت حاصل کی، موصل میں ابوجعفر سمنانی کے پاس ایک سال رہ کر عقلیات میں کمال پیدا کیا۔

علمی مقام:

جب ہر فن میں کامل دستگاہ ہوگئی تو اندلس گئے، اور درس وتدریس کا شغل اختیار کیا، بڑے بڑے مناصب پر فائز ہوئے، بلند پایہ متکلمین، فقہاء اور حفاظ میں ان کا شمار ہے، جب اندلس میں علماء ابن حزم سے تنگ آگئے تو ابن حزم کو لاجواب کرنے کے لیے ان ہی کو میدان میں لایا گیا تھا، حافظ ابونصر بن ماکولا کا بیان ہے:

"أما الباجي ذو الوزارتين أبو الوليد ففقيه، متكلم، أديب، شاعر، سمع بالعراق، ودرس الكلام

....

وصنّف ...... وكان جليلاً رفيع القدر والخطر''. (تذكرة الحفاظ:۳/۱۱۸۰-۱۱۸۱)

لیکن ابوالولید باجی فقیہ قضاء وافتاء کے منصب پر ممتاز رہے تھے، متکلم اور ادیب وشاعر بھی تھے، عراق میں حدیثیں سنیں، علم کلام پڑھا، اور کتابیں لکھی تھیں...... موصوف بلند پایہ اور بلندرُتبہ عالم تھے۔

حافظ ابوعلی ابن سکرہ فرماتے ہیں:

''مارأيت مثل أبي الوليد الباجي ومارأيت أحداً على سمته وهيئته وتوقير مجلسه، ولمّا كنت ببغداد قدم ولده أبو القاسم، فسرت معه إلى شيخنا قاضي القضاة الشامي، فقلت له: أدام الله عزك هذا ابن شيخ الأندَلس، فقال: لعلّه ابن الباجي؟ قلت نعم، فأقبل عليه''. (تذكرة الحفاظ: ۳/۱۱۸۰)

میں نے ابوالولید باجی کے مثل نہیں دیکھا، اور نہ ان کی ہیئت وسیرت پر کسی کو دیکھا نہ ان کے جیسی باوقار مجلس دیکھی، اور جب میں بغداد میں تھا اس موقع پر ان کے فرزند ابوالقاسم آئے، تو میں ان کے ساتھ ہمارے شیخ قاضی القضاۃ شامیؒ کے پاس پہنچا، اور میں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ کو معزز رکھے، یہ شیخ اندلس کے فرزند ہیں، انہوں نے فرمایا: اچھا یہ ابن الباجی ہیں؟ میں نے عرض کیا جی ہاں، تو وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ ''تاريخ الإسلام'' (۱۰/۳۶۵) میں رقمطراز ہیں:

''وكان فقيراً قانعاً، خدم أبا ذر بمكة''.

موصوف فقیر، قناعت پسند تھے، حضرت ابوذر کی مکہ میں خدمت کی تھی۔

علوم میں مہارت وتلامذہ:

شمس الدین الذہبیؒ ''تذكرة الحفاظ'' (۴/۱۱۷۸) میں تحریر فرماتے ہیں:

''برع في الحديث، وعِلَله، ورجاله، وفي الفقه وغوامضه وخلافه، وفي الكلام ومضايقه، ورجع إلى الأندَلس بعد ثلاثة عشر عاماً بعلم جم، حصله مع الفقر والتعفّف.

روى عنه الحافظان أبوبكر الخطيب، وأبو عمر بن عبد البرّ، وهما أكبر منه، وأبو عبد الله الحميدي، وعلي بن عبد الله الصقلي، وأحمد بن علي بن غزلون، والحافظ أبو علي الصدفي، وولده الامام أبو القاسم أحمد بن أبي الوليد الزاهد، وأبوبكر الطرطوشي، وأبوعلي بن سهل السبتي، وأبوبحر سفيان بن العاص ...... وخلق سواهم، وتفقه به الأصحاب''.

باجیؒ نے حدیث میں علل، اور رجالِ حدیث میں فقہ، دقائقِ فقہ اور خلافیات میں کلام، اور اس کے پیچیدہ مسائل میں

مہارت پیدا کی، اور تیرہ سال کے بعد بڑا علم حاصل کر کے فقر اور استغناء کے ساتھ اندلس واپس آئے تھے۔

ان سے ابوبکر خطیب اور ابوعمر بن عبدالبر دونوں حافظ حدیث نے (جو عمر میں ان سے بڑے تھے) اور ابوعبداللہ حمیدی، علی بن عبداللہ صقلی، احمد بن علی بن غزلون، حافظ ابوعلی صدفی اور ان کے فرزند ابوالقاسم احمد بن ابی الولید زاہد، ابوبکر طرطوشی، ابوعلی بن سہل بستی، ابوبحر سفیان بن العاص......اور ان کے علاوہ ایک خلقت نے ان سے روایت کی ہے، اور لوگوں نے ان سے فقہ حاصل کی ہے۔

قاضی عیاض مالکی کہتے ہیں:

''فنشا علمه، وهيئت الدنيا له، وعظم جاهه، وأجزلت صلا ته،حتى مات عن مالٍ وافر، وكان يستعمله الأعيان في ترسلهم، ويقبل جوائزهم، ولي القضاء بمواضعه من الأندلس، وصنف كتاب "المنتقى" في الفقه وكتا ب "المعاني في شرح الموطأ" جاء في عشرين مجلداً عديم النظر ...... وقد كان صنف كتاباً كبيراً جامعاً بلغ فيه الغاية، سمّاه كتاب "الاستيفاء" ...... ولما قدم الأندلس، وجد لكلام ابن حزم طلاوة إلّا أنه كان خارجاً عن المذهب، ولم يكن بالأندلس من يشتغل بعلمه ،فقصرت ألسنة الفقهاء عن مجادلته وكلامه، وأتبعه على رأيه جماعة من أهل الجهل ،وحل بجزيرة ميورقة، فرأس بها ،وأتبعه أهلها، فلما قدم أبو الوليد ،كلّموه في ذلك، فرحل إليه، وناظره، وشهر باطله،وله معه مجالس كثيرة''. (تذكرة الحفاظ: ۳/۱۱۸۱)

ان کا علم پھیلا، اور دنیا ان کے لیے مسخر ہوگئی، ان کا مرتبہ بلند ہوا، بڑے بڑے صلے ان کو ملے یہاں تک کہ تونگری کی حالت میں ان کا انتقال ہوا، اعیانِ مملکت اپنی خط وکتابت کے لیے ان کی خدمات حاصل کرتے تھے، اور یہ ان سے اس کا صلہ قبول فرماتے تھے، اندلس میں متعدد جگہ قاضی مقرر ہوئے، اور فقہ میں ''کتاب المنتقی'' تصنیف کی، اور موطأ کی بے نظیر شرح کتاب المعانی بیس جلدوں میں لکھی، انہوں نے ایک بڑی جامع کتاب تصنیف کی، جس میں انتہاء کردی ہے، اس کا نام ''کتاب الاستیفاء'' ہے...... جب اندلس میں آئے تو ابن حزم کے کلام کا بڑا زور تھا، مگر ابن حزم کو مذاہب اربعہ سے باہر پایا، اور اندلس میں کوئی ایسا نہ تھا جس کو ابن حزم کے علم جدل وغیرہ سے شغف ہوتا، بلکہ فقہاء کی زبانیں اس کے مقابلے اور معارضہ سے بند تھیں، اور جاہلوں کی ایک جماعت اس کی رائے پر چلتی تھی، وہ جزیرۂ میورقہ میں آ کر فروکش ہوا، اور وہاں کا قائد بن گیا، اہلِ میورقہ اس کے تابع ہوگئے، جب ابوالولید آئے تو انہوں نے اس سے گفتگو کی، اور اس کے پاس گئے، مناظرہ کیا، اور اس کی بے بنیاد باتوں کو عام کیا، ان کی ابن حزم کے ساتھ کثرت سے مجلسیں گرم رہی ہیں۔

....

مورخ ابن بسام کا بیان ہے:

''بلغني عن الفقيه أبي محمد بن حزم أنه كان يقول: لم أر لأصحاب المذهب المالكي بعد القاضي عبد الوهاب مثل أبي الوليد الباجي''. (الديباج المذهب:۱۲۱)

مجھے فقیہ ابومحمد بن حزم سے یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ کہتا تھا کہ مذہب مالکی میں قاضی عبدالوہاب کے بعد ابوالولید باجی جیسا عالم وفقیہ میں نے نہیں دیکھا۔

حافظ شمس الدین ذہبیؒ ''العبر'' (۲۸۰/۳) میں لکھتے ہیں:

''روى عن يونس بن عبد الله بن مغيث، ومكي بن أبي طالب، وجاور ثلاثة أعوام، ولزم أبا ذر الهروي، وكان يمضي معه إلى السراة، ثم رحل إلى بغداد وإلى دمشق، وروى عن عبد الرحمن بن الطبيز وطبقته بدمشق، وابن غيلان وطبقته ببغداد، وتفقه على أبي الطيب الطبري وجماعة، وأخذ علم الكلام بالموصل عن أبي جعفر السمناني، وسمع الكثير، وبرع في الحديث، والفقه ،والأصول، والنظر، ورُدّ إلى وطنه بعد ثلاث عشرة سنة بعلم جم مع الفقر والقناعة، وكان يضرب ورق الذهب للغزل، ويعقد الوثائق، ثم فتحت عليه الدنيا، وأجزلت صلاته، وولي قضاء أماكن، وصنف التصانيف الكثيرة، قال أبو علي بن سكرة: مارأيت أحداً على سمته وهيئته وتوقير مجلسه''.

موصوف یونس بن عبداللہ بن مغیث اور مکی بن ابی طالب سے راوی ہیں، تین برس تک حرم میں مجاورت کی، اور ابوذر ہروی کی صحبت اختیار کی، اور ان کے ساتھ سراۃ تک گئے، پھر بغداد اور دمشق کی طرف سفر کیا، اور دمشق میں عبد الرحمٰن بن طبیز اور اس طبقہ کے علماء سے روایت کی، بغداد میں ابن غیلان اور اس طبقہ کے علماء سے روایت کی، فقہی بصیرت ابوطیب طبری، اور فقہاء کی ایک جماعت سے حاصل کی، موصل میں ابوجعفر سمنانی سے علم کلام کی تحصیل کی، بہت سی حدیثوں کا سماع کیا، حدیث، فقہ، اصول ونظر میں مہارت پیدا کی، تیرہ برس کے بعد بہت سے علوم اور صفت استغناء اور قناعت کی دولت سے مالا مال ہوکر وطن واپس آئے، موصوف ہرن کی جھلی میں سونے کے ورق کوٹنے اور وثیقہ نویسی میں ضرب المثل تھے، پھر ان پر دُنیا کشادہ ہوگئی، اور ان کو بڑے انعام ملے، مختلف مقامات پر قضاء کے عہدہ پر فائز ہوئے، بہت سی کتابیں تصنیف کیں، ابوعلی بن سکرہ کا بیان ہے کہ میں نے ان کے اوصاف کا حامل کوئی نہیں دیکھا۔

وفات:

۱۷ رجب ۴۷۴ھ/۲۰ دسمبر ۱۰۸۱ء میں مریہ میں انتقال ہوا۔

موصوف کی تالیفات میں حسب ذیل کتابیں مشہور ہیں:

١ ـ كتاب الاستيفاء في شرح الموطأ، ٢ ـ كتاب المنتقى في شرح الموطأ، ٣ ـ كتاب السراج في علم الحجاج، ٤ ـ كتاب مسائل الخلاف، ٥ ـ كتاب المقتبس من علم مالك بن أنس، ٦ ـ كتاب المهذب في اختصار المدونة، ٧ ـ كتاب شرح المدونة، ٨ ـ كتاب اختلاف الموطأ، ٩ ـ كتاب مختصر المختصر في مسائل المدونة، ١٠ ـ كتاب إحكام الفصول من أحكام الأصول، ١١ ـ كتاب الحدود في أصول الفقه، ١٢ ـ كتاب الإشارة في أصول الفقه، ١٣ ـ كتاب سنن المنهاج وترتيب الحجاج، ١٤ ـ كتاب التسديد إلى معرفة طريق التوحيد، ١٥ ـ كتاب فرق الفقهاء، ١٦ ـ كتاب السنن في الرقائق والزهد والوعظ، ١٧ ـ كتاب التعديل والتجريح فيمن روى عنه البخاري في الصحيح، ١٨ ـ كتاب سنن الصالحين، ١٩ ـ كتاب سنن العابدين، ٢٠ ـ كتاب سبيل المهتدين .

موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: كتاب الصلة:١/١٩٧ - ١٩٩، بغية الملتمس:٢٨٩، وفيات الأعيان: ١/٢٦٩ - ٢٧٠، معجم الأدباء:١١/ ٢٤٦ - ٢٥١، نفح الطيب:٦/ ١٧٣ - ١٨٢، فوات الوفيات:١/١٧٥، تذكرة الحفاظ:٣/ ٣٤٩ -٣٥٣، البداية والنهاية:١٢/ ١٣٢-١٣٣، الديباج المذهب: ١٢٠، النجوم الزاهرة:٥/ ١١٤، طبقات المفسرين: ١٤، روضات الجنات: ٣٢٢، هدية العارفين:١/ ٣٩٧،إتحاف النبلاء:٢٥٨، التاج المكلل: ٥٥-٥٦ ، الإعلام بوفيات الأعلام:١٩٥.

فقہاء محدثین شافعیہ

۱- عزالدین بن عبدالسلام

نام ونسب:

عبدالعزیز نام، ابومحمد کنیت، عزالدین لقب، اور ابن عبدالسلام عرف ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''عبدالعزیز بن عبدالسلام بن حسن بن محمد بن مہذب السلمی الدمشقی الشافعی۔''

ولادت وتحصیل علم ومنصب قضاء:

۵۷۷ھ میں دمشق میں پیدا ہوئے اور اس زمانہ کے نامور علماء اور فضلاء، جیسے فخر الدین ابن عساکر،

....

سیف الدین آمدی، عبداللطیف بغدادی وغیرہ سے علوم وفنون کی تکمیل کی، فقہ وحدیث، اصول وکلام میں مہارت حاصل کی، موصوف علم وفضل کے ساتھ زہد وورع کے اوصاف سے بھی آراستہ تھے، چنانچہ زاویہ غزالی میں تدریس اور خطابت کا عہدہ ملا، جامع اموی میں خطیب مقرر ہوگئے، پھر بعض وجوہ سے دمشق چھوڑ کر قاہرہ میں آئے، یہاں سلطان نجم الدین نے بہت اکرام کیا، اور جامعِ عمرو بن العاص کا خطیب مقرر کیا، عہدۂ قضاء بھی ان کے سپرد کیا۔

علمی مقام:

حافظ شمس الدین ذہبیؒ "تاریخ الإسلام" (۱۴/۹۳۳) میں لکھتے ہیں:

''تفقّه على الإمام فخر الدين ابن عساكر، وقرأ الأصول والعربية ،ودرس، وأفتى، وصنف، وبرع في المذهب، وبلغ رتبة الاجتهاد، وقصده الطلبة من الآفاق، وتخرج به أئمة، وله التصانيف المفيدة، والفتاوى السديدة، وكان إماماً ناسكاً عابداً ،وتولى قضاء مصر القديمة مدة ،ودرس بعدة بلاد''.

فخر الدین ابن عساکر سے فقہ پڑھی، اصول فقہ اور عربیت کی تحصیل کی، درس دیا، فتوے دیے، تصنیف کی، مذہب میں کمال حاصل کیا، اجتہاد کے مرتبہ کو پہنچے، علماء ان کی طرف آنے لگے، ائمہ فن نے ان سے فیض پایا، ان کی مفید تصانیف اور درست فتاوے ہیں، موصوف امام فن تھے، عابد وزاہد تھے، مصر قدیمہ میں ایک مدت قضاء کے عہدہ پر ممتاز رہے، اس کے بعد اور شہروں میں پڑھایا۔

موصوف "العبر في خبر من غبر" میں رقمطراز ہیں:

''انتهت إليه رئاسة المذهب والزهد والورع ...... وقدم مصر، فأقام بها أكثر من عشرين سنة، ناشراً للعلم، آمراً بالمعروف، ناهياً عن المنكر ...... ولما دخل مصر، بالغ الشيخ زكي الدين المنذري في الأدب معه، وامتنع في الإفتاء لأجله، وقال: كنا نفتي قبل حضوره، أما بعد حضوره فمنصب الإفتاء متعين فيه''.

مذہب کی سیادت اور زہد وتقویٰ کی ان پر انتہا ہوگئی، مصر میں بیس برس سے زیادہ قیام کیا، علم کی اشاعت کی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض انجام دیئے، جب مصر میں آئے تو شیخ زکی الدین منذریؒ نے ان کی تعظیم وتکریم میں بڑا مبالغہ کیا، ان کی وجہ سے فتویٰ دینا بند کر دیا، اور فرمایا ہم آپ کی آمد سے پہلے فتویٰ دیتے تھے، لیکن آپ کی موجودگی میں فتویٰ دینے کا منصب اور حق آپ ہی کو ہے۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر (المتوفی ۷۷۴ھ) ''البداية والنهاية'' (۱۳/۲۳۵) میں تحریر فرماتے ہیں:

''الشيخ عز الدين ...... شيخ المذهب، ومُفيد أهله ...... سمع كثيراً ...... وبرع في المذهب،

....

وجمع علوماً كثيرة، وأفاد الطلبة، ودرس بعدّة مدارس بدمشق، وولي خطابتها، ثم سافرإلى مصر، ودرس بها، وخطب، وحكم، وانتهت إليه رئاسة الشافعية، وقُصد بالفتاوى من الآفاق، وكان لطيفاً ظريفاً يستشهد بالأشعار''.

''شیخ عزالدین'' شیخ مذہب اور مفیداہل مذہب تھے، بکثرت حدیثوں کا سماع کیا تھا، اور مذہب میں بصیرت پیدا کی تھی، بہت سے علوم کے جامع تھے، طلبہ کو فیض پہنچایا، دمشق کے کئی مدرسوں میں پڑھایا، اور خطابت کے فرائض انجام دیئے، پھر مصر کا سفر کیا، اور یہاں بھی درس دیا، خطبے دیئے، اور فیصلے کئے تھے، شافعی مذہب کی سیادت ان پرختم ہوگئی تھی، گوشے گوشے سے ان سے فتوے طلب کئے جاتے تھے، بڑے پُرلطف اور خوش مذاق تھے، ثبوت میں اشعار بھی پیش کرتے تھے۔

مؤرخ ابن العماد حنبلی ''شذرات الذهب'' (۳۰۱/۵) میں رقمطراز ہیں:

''برع في الفقه، والأصول، والعربية، وفاق الأقران والأضراب، وجمع بين فنون العلم من التفسير، والحديث، والفقه، واختلاف أقوال الناس، ومأخذهم، وبلغ رتبة الاجتهاد، ورحل إليه الطلبة من سائر البلاد، وصنف التصانيف المفيدة، وروى عنه الدمياطي، وخرج له أربعين حديثاً، وابن دقيق العيد، وهو الذي لقّبه سلطان العلماء، وخلق غيرهما ...... قال الشريف: ''عز الدين كان أعلم عصره في العلم، جامعاً لفنون متعددة، مضافًاإلى ما جبل عليه من ترك التكلّف مع الصلابة في الدين''.

فقہ، اصول اور عربیت میں کمال بہم پہنچایا، ہمعصر اور معاصرین سے فائق ہوئے، اصناف علوم تفسیر، حدیث، فقہ، فقہاء کے مختلف اقوال، اور ان کے ماخذ کے جامع تھے، اجتہاد کے مرتبہ کو پہنچے تھے، تمام بلاد سے طلبہ سفر کرکے ان کے پاس آتے تھے، اور بہت مفید تصنیفات کی، ان سے دمیاطی نے روایت کی، اور ان کی سند سے چہل حدیث جمع کی، ابن دقیق العید نے ان سے روایت کی، اور یہی وہ ہیں جنہوں نے ان کو ''سلطان العلماء'' کا لقب دیا، شریف کا بیان ہے کہ ''عزالدین اپنے زمانے کے نامور عالم اور کئی علوم وفنون کے جامع تھے، دین کے معاملے میں بڑے سخت اور تکلف سے بَری تھے''۔

وفات:

بروز اتوار ۱۰ جمادی الاولیٰ ۶۶۰ھ/۱۲ اپریل ۱۲۶۲ء کو قاہرہ میں انتقال ہوا، اور دوسرے دن سفح القطم میں سپردِ خاک کئے گئے، نمازِ جنازہ میں سلطان ظاہر نے بھی شرکت کی تھی۔

موصوف کی تالیفات میں حسب ذیل کتابیں مشہور ہیں:

۱۔ الإشارة والإيجاز في بعض أنواع المجاز، ۲۔ أمالي في تفسير القرآن، ۳۔ الإلمام في أدلة الأحكام، ٤۔ بحار القرآن، ٥۔ بداية السول في تفضيل الرسول، ٦۔ بيان أحوال الناس يوم القيمة،

....

٧ـ ترغيب أهل الإسلام في سكنى الشام، ٨ـ رسالة في القطب والأبدال وغيرهم، ٩ـ شجرة المعارف، ١٠ـ شرح منتهى السؤل والأمل لابن الحاجب، ١١ـ العقائد الفسابة في اختصار النهاية، ١٢ـ القواعد الصغرى في الفروع،١٣ـ القواعد الكبرى في الفروع، ١٤ـ كشف الأسرار عن حكم الطيور والأزهار، ١٥ـ المسائل الموصلية، ١٦ـ مفاتيح الكنوز، ١٧ـ مقاصد الرعاية، ١٨ـ فرائد الفوائد وتعارض القولين لمجتهد واحد، ١٩ـ الفوائد في اختصار المقاصد، ٢٠ـ فوائد البلوى والمحن، ٢١ـ الفرق بين الإسلام والإيمان، ٢٢ـ الفتاوى المصرية.

موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو:البداية والنهاية:١٣ / ٢٣٥-٢٣٦، تاريخ علماء بغداد: ١٠٤-١٠٧، فوات الوفيات:١ /٥٩٤ - ٥٩٦، النجوم الزاهرة:٧/ ٢٠٨، شذرات الذهب: ٥/ ٣٠١، مفتاح السعادة:٢/٢١٢-٢١٣، هدية العارفين:١/٥٨٠، طبقات الشافعية الكبرى:٥ /٨٠ -٩٦، ذيل الروضتين: ٢١٦، إتحاف النبلاء: ٣١٢ - ٣١٣، مرآة الجنان وعبرة اليقظان:٤ /١٥٣ -١٥٨، تاريخ الإسلام:١٤/٩٣٣، الإعلام بوفيات الأعلام:٢٧٦.

۲- تقی الدین بن دقیق العید

نام ونسب:

محمد نام، ابوالفتح کنیت، تقی الدین لقب اور ابن دقیق العید عرف ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: "محمد بن علي بن وهب بن مطيع القشيري المنفلوطي الصعيدي المالكي والشافعي".

ولادت وتحصیل علم وتدریس:

ان کے والد شیخ علی حج کرنے حجاز جارہے تھے، ساحل ینبع کے مقام پر ۱۵ شعبان ۶۲۵ھ میں اُن کی ولادت ہوئی، ان کے والد نے ان کو ہاتھوں میں لے کر طواف کیا، اور یہ دعا کی: ''بارالٰہا اس کو عالمِ باعمل بنا!''، یہ دعا قبول ہوئی، ابتدا میں قرآن مجید پڑھا، فقہ کی تعلیم اپنے والد اور ان کے شاگرد بہاء الدین ہبۃ اللہ سے پائی، قاہرہ آکر شیخ عزّ الدین بن عبدالسلام سے تفقہ حاصل کیا، عربیت کی تعلیم شیخ شرف الدین محمد مرسی وغیرہ سے حاصل کی، حدیث اُس دور کے نامور محدثین سے پڑھی، اور اس کی طلب میں دمشق اور اسکندریہ وغیرہ کا بھی سفر کیا، ان کے شیوخِ حدیث میں حافظ عبدالعظیم منذری، ابوالحسن محمد بغال، حافظ ابوعلی حسن بکری، ابوالحسن عبدالوہاب دمشقی، ابوالحسن دمشقی، قاضی القضاۃ ابوالفضل یحیٰ، حافظ ابوالحسن یحیٰ عطاء، اور اُن کے والد شیخ علی وغیرہ کا نام سرفہرست آتا ہے، جب ان علوم میں کمال پیدا ہوگیا تو درس وتدریس کا شغل اختیار کیا، اور قاہرہ وغیرہ میں مدرسہ فاضلیہ، مدرسہ مجاورۃ الشافعی، کاملیہ، صالحیہ اور دارالحدیث قوص میں

....

حدیث وغیرہ کا درس دیا، عہدۂ قضا پر بھی فائز ہوئے، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض انجام دیئے، ان کی ذات سے بڑا فائدہ پہنچا، ان کی جلالتِ علمی کا سب کو اعتراف ہے۔

پارسائی وعلمی مقام:

حافظ قطب الدین حلبی کا بیان ہے:

''کان الشیخ تقي الدین إمام أهل زمانه، وممن فاق بالعلم والزهد علی أقرانه، عارفاً بالمذهبین، إماماً في الأصلین، حافظاً متقناً في الحدیث وعلومه، ویضرب به المثل في ذلك، وکان آیة في الحفظ والإتقان والتحري، شدید الخوف دائم الذکر، لاینام اللیل إلّا قلیلاً، ویقطعه فیما بین مطالعة وتلاوة وذکر وتهجد، حتی صار السهر له عادة، وأوقاته کلها معمورة، لم یر في عصره مثله ...... عزل نفسه من القضاء غیر مرة، ثم یسأل، ویعاد، وبلغني أن السلطان حسام الدین لما طلع إلیه الشیخ، قام للقیه، وخرج عن مرتبته، وکان کثیر الشفقة علی المشتغلین، کثیر البر لهم'' (تذکرة الحفاظ: ۱۴۸۲/۴)

شیخ تقی الدین اپنے معاصرین کے امام تھے، اور ان علماء میں سے تھے جو اپنے ہمعصروں سے علم وزہد میں فائق تھے، مذہب مالکیہ اور شافعیہ کے عالم، اصولِ دین اور اصولِ فقہ میں ماہر تھے، حدیث اور علومِ حدیث میں حافظ اور متقن تھے، بلکہ اس میں تو وہ ضرب المثل تھے، حفظ واتقان، احتیاط، خوف الٰہی، اور ہمہ وقت یادِ الٰہی میں اللہ تعالیٰ کی نشانی تھے، رات میں بہت کم سوتے تھے، مطالعہ، تلاوت، ذکر اور تہجد میں رات کو اس طرح سے بانٹ رکھا تھا کہ شب بیداری ان کی عادت بن گئی تھی، ان کا ہر وقت مصروف تھا، اپنے زمانے میں موصوف کے زمانے میں انکا نظیر نہیں دیکھا گیا، انہوں نے کئی مرتبہ اپنے آپ کو عہدۂ قضاء سے معزول کیا، پھر ان سے درخواست کی جاتی، اور انہیں پھر اس عہدہ پر مامور کیا جاتا، مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ سلطان حسام الدین کے پاس جب شیخ تشریف لے گئے، تو وہ ان سے ملنے کے لیے کھڑا ہو گیا، اور اپنے مرتبہ کو بھی بھول گیا، ابن دقیق العید علمی شغف رکھنے والوں پر بہت مہربان تھے، اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔

حافظ شمس الدین الذہبیؒ نے ''تذکرة الحفاظ'' (۱۴۸۱/۴) میں موصوف کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے: ''الإمام الفقیه، المجتهد، المحدث، الحافظ، العلامة، شیخ الإسلام تقي الدین الخ'' اور پھر لکھا ہے:

''وکان من أذکیاء زمانه، واسع العلم، کثیر الکتب، مدیماً للسهر، مُکبا علی الاشتغال، ساکناً، وقوراً، ورعاً، قلّ أن تری العیون مثله، سمعت من لفظه عشرین حدیثاً، وأملی علینا حدیثاً، وله ید طولی في الأصول والمعقول، وخبرة بعلل المنقول، ولي قضاء الدیار المصریة سنوات إلی أن مات، وکان في أمر

....

الطهارة والمياه في نهاية الوسوسة- رضي الله عنه-''.

موصوف اپنے زمانہ کے ذہین ترین لوگوں میں سے تھے، وسیع معلومات کے حامل تھے، ان کے پاس بہت سی کتابیں تھیں، شب بیداری کے پابند تھے، علمی مشاغل میں منہمک، خاموش، باوقار اور پرہیز گار تھے، آنکھوں نے ان کے جیسا کم ہی دیکھا ہوگا، میں نے ان کی زبان مبارک سے بیس حدیثیں سنیں، انہوں نے ایک حدیث ہمیں املاء بھی کرائی، اصول اور معقول میں انہیں بڑی دستگاہ حاصل تھی، اور علل منقول سے بھی خوب واقف تھے، دیارِ مصر میں برسوں قاضی رہے، تا آنکہ ان کا انتقال ہوگیا، اللہ تعالیٰ ان سے راضی رہے، طہارت اور پانی کے معاملے میں انہیں بڑا وسوسہ ہوتا تھا۔

حافظ ابن کثیرؒ (المتوفی ۷۷۴ھ) ''البداية والنهاية'' (۱۴/ ۲۷) میں رقمطراز ہیں:

''الشيخ الإمام العالم العلامة الحافظ قاضي القضاة تقي الدين ...... سمع الكثير، ورحل في طلب الحديث، وخرج وصنف فيه إسناداً ومتناً مصنفات عديدة فريدة مفيدة، وانتهت إليه رياسة العلم في زمانه، وفاق أقرانه، ورحل إليه الطلبة، ودرّس في أماكن كثيرة ...... وكان وقوراً، قليل الكلام، غزير الفوائد، كثير العلوم في ديانة ونزاهة، وله شعر رائق''.

شیخ امامِ عالم علامہ حافظ قاضی القضاۃ تقی الدین...... نے بکثرت سماع کیا، اور حدیث کی طلب میں سفر کیا، تخریج کی ،اور فن حدیث میں اسناد اور متن کے اعتبار سے متعدد ویکتا اور مفید تالیفات کیں، ان کے زمانے میں علمی سیادت ان پر ختم ہوگئی تھی، وہ اپنے ہمعصروں سے فائق تھے، طلبہ ان کے پاس سفر کر کے آتے تھے، بہت سے مقامات میں درس دیا تھا، بڑے باوقار، کم سخن اور بہت سے علوم میں بڑے فوائد کے حامل تھے، دیانت اور پاکیزگی میں بھی خوب تھے، ان کے شعر بھی عمدہ ہیں۔

وفات:

بروز جمعہ ۱۱ صفر ۷۰۲ھ/ ۵ اکتوبر ۱۳۰۲ء میں انتقال ہوا، اور قرافہ صغریٰ میں دفن کئے گئے۔

تصانیف:

موصوف کی تصانیف میں: ۱۔ الإلمام في أحاديث الأحكام بڑے معرکہ کی کتاب ہے، جس کے متعلق قاضی القضاۃ موفق الدین عبداللہ حنبلی کا بیان ہے:

''سمعت الشيخ تقي الدين بن تيمية يقول: هو كتاب الإسلام. وقال الشيخ فخر الدين النويري سمعته يقول: ما عمل أحد مثله، ولا الحافظ الضياء، ولاجدي أبو البركات''

(مقدمة إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام از محمد شاکر: ۱۸)

....

میں نے شیخ تقی الدین بن تیمیہؒ سے سنا، وہ فرماتے تھے، یہ کتابِ اسلام ہے، اور شیخ فخر الدین نوری کا بیان ہے کہ میں نے سنا، وہ فرماتے تھے کہ کسی نے ان کے جیسا کام نہیں کیا، نہ حافظ ضیاء الدین نے، اور نہ میرے دادا ابو البرکات نے۔

۲۔ اسی طرح ان کی مختصر ابن حاجب مالکی کی شرح ہے، جس کے متعلق علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں:

''وشرح بعض مختصر ابن الحاجب في الفقه لمالك، لم أر في كتب الفقه مثله''. (تذکرۃ الحفاظ: ۱۴۸۲/۴)

مختصر ابن حاجب کی جو فقہ مالکی میں ہے، اس کے بعض حصہ کی شرح لکھی ہے، میں نے اس کے جیسی کتاب فقہ میں نہیں دیکھی۔

ابن تغری بردی موصوف کے متعلق رقمطراز ہیں:

''شيخ الإسلام ...... أحد أئمة الأعلام ''(الدليل الشافي على المنهل الصافي: ۶۵۷/۲-۶۵۸) شیخ الاسلام اور ائمہ اعلام میں سے ہیں۔

ان کے علاوہ چند مشہور کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں:

۳۔ الإحكام في شرح حديث سيد الأنام، ٤۔ الأربعين السباعيات،

۵۔ الأربعين في الرواية عن رب العلمين، ٦۔ شرح عيون المسائل لابن سهل الفارسي.

موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: تذكرة الحفاظ:٤/٢٦٢-٢٦٤، طبقات الشافعية الكبرى:٦/٢٣، البداية والنهاية:١٤/٢، الدرر الكامنة:٤/ ٩١-٩٦، فوات الوفيات:٢/ ٢٤٤ - ٢٤٩، الوافي بالوفيات:٤/ ١٩٣ - ٢٠٩، النجوم الزاهرة:٨/ ٢٠٦ - ٢٠٧، شذرات الذهب:٦/٥-٦، الديباج المذهب:٣٢٤-٣٢٥، مفتاح السعادة:٢ /٢١٩- ٢٢٠، البدر الطالع:٢/٢٢٩ - ٢٣٢، المحدّثون في الإسلام:٢٦٧ -٢٧٤، هدية العارفين:٢/ ١٤٠، إتحاف النبلاء:٣٥٩، أبجد العلوم:٨٤٦، بستان المحدثين: ١٤٠ - ١٤٤،طبع ١٢٧٧ء، التاج المكلل:٤٦١ - ٤٦٢، الإعلام بوفيات الأعلام:٢٩٤.

۳۔ حسین طیبی شافعی

نام ونسب:

حسین نام، شرف الدین لقب، اور سلسلۂ نسب یہ ہے: ''حسين بن عبد الله بن محمد الطيبي الشافعي.''

....

عادات واخلاق:

موصوف اپنے زمانہ کے نامور فقیہ، محدث اور مفسر تھے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ''الدرر الکامنة'' (۶۸/۲) میں رقمطراز ہیں:

''كان ذا ثروة من الإرث والتجارة، فلم يزل ينفق ذلك في وجوه الخيرات إلى أن كان في آخر عمره فقيراً ...... كان كريماً متواضعاً ،حسن المعتقد، شديد الرد على الفلاسفة والمبتدعة ،مظهراً فضائحهم مع استيلائهم في بلادِ المسلمين حينئذ، شديد الحب لله ورسوله، كثير الحياء، ملازماً للجماعة ليلاً و نهاراً، شتاءً وصيفاً، مع ضعف بصره بآخره، ملازماً لاشتغال الطلبة في العلوم الإسلامية بغير طمع ، بل يحدثهم ،ويعينهم، ويعير الكتب النفيسة لأهل بلده، وغيرهم من أهل البلدان من يعرف ومن لايعرف، محباً لمن عرف منه تعظيم الشريعة، مقبلاً على نشر العلم، آية في استخراج الدقائق من القرآن والسنن ،شرح الكشاف شرحاً كبيراً، وأجاب عما خالف مذهب السنة أحسن جواب، يعرف فضله من طالعه، وأمر بعض تلامذته باختصار المصابيح على طريقة نهجها له، وسماه المشكاة، وشرحها هو شرحاً حافلاً، ثم شرع في جمع كتاب في التفسير، وعقد مجلساً عظيماً لقراءة كتاب البخاري، فكان يشتغل في التفسير من بكرة إلى الظهر، ومن ثم إلى العصر لإسماع البخاري إلى أن كان يوم مات، فإنه فرغ من وظيفة التفسير، وتوجه إلى مجلس الحديث، فدخل مسجداً عند بيته، فصلى النافلة قاعداً، وجلس ينتظر الإقامة للفريضة، فقضى نحبه متوجهاً إلى القبلة، وذلك يوم الثلثاء، ثالث عشرين شعبان ٧٤٣هـ''.

موصوف موروثی مال دار اور تاجر تھے، ہمیشہ دولت خیر کے کاموں میں خرچ کرتے رہے، یہاں تک کہ اخیر عمر میں فقیر ہو گئے تھے......موصوف سخی، متواضع، صحیح العقیدہ تھے، بلادِ اسلامیہ پر فلسفیوں اور بدعتیوں کے غلبہ پالینے کے وقت بھی ان کی سختی سے تردید کرتے ،اور کھل کر ان کی بُرائیاں بیان کرتے تھے، خدا اور رسول کی محبت میں سرشار اور بڑے باحیا تھے، اخیر عمر میں ضعفِ بصارت کے باوجود گرمی اور سردی میں بھی نمازِ پنجگانہ باجماعت ادا کرتے تھے، بغیر کسی طمع اور لالچ کے طلبہ کو علوم اسلامیہ میں مشغول ہی نہیں رکھتے تھے، بلکہ انہیں حدیثیں بھی سناتے ،ان کی مدد کرتے ،اور اپنے ہم وطن اور غیر اہل وطن کو جن کو پہچانتے تھے اور جن کو نہیں پہچانتے تھے عمدہ عمدہ کتابیں بھی مستعار دیدیتے تھے ،جس کو شریعت کا احترام کرتے دیکھتے اس سے محبت کرتے تھے، علم کی نشرواشاعت پر متوجہ رہتے تھے، قرآن اور سنت سے باریک باتوں کو نکالنے میں اللہ کی ایک نشانی تھے، کشاف کی مبسوط شرح لکھی ،اور اس میں زمخشری کے مذہب اہل سنت کے خلاف اعتراضوں کا

....

بہترین جواب دیا ہے، جواس کتاب کا مطالعہ کرے گا، وہ ان کے فضل وکمال کا معترف ہو جائے گا، اپنے شاگردوں میں سے کسی کو اپنے بتائے ہوئے طریقہ پر مصابیح کے اختصار کا حکم دیا، جس کا اس نے مشکوٰۃ نام رکھا، موصوف نے اس کی نہایت جامع شرح لکھی، پھر تفسیر کے موضوع پر کتاب لکھنا شروع کی، اور ایک مجلسِ درس صحیح بخاری کے لیے منعقد کی، چنانچہ صبح سے ظہر تک تفسیر میں، اور ظہر سے عصر تک بخاری کے سنانے میں مصروف رہتے تھے، ان کا یہ معمول مَرتے دم تک قائم رہا، انتقال کے روز تفسیر سے فارغ ہو کر حدیث کی مجلس میں جانے کے لیے گھر کے پاس مسجد میں داخل ہوئے، نفل بیٹھ کر پڑھی، اور اقامت کے انتظار میں قبلہ رُو بیٹھے ہوئے تھے کہ روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی، یہ واقعہ منگل کے دن ۲۳ شعبان ۷۴۳ھ/ ۲۵ جنوری ۱۳۴۳ء کو پیش آیا تھا۔

علامہ طیبی وحفاظ حدیث:

محدث محمد بن عبدالباقی زرقانی ''شرح المواهب اللدنية'' (۵/۷۷) میں رقمطراز ہیں:

''العلامة شرف الدين الحسن بن محمد بن عبد الله الطيبي، بكسر الطاء وسكون الياء نسبة إلى الطيب، بلد بين واسط وكور الأهواز ...... قال السيوطي: وله إلمام بالحديث، لكنه لم يبلغ فيه درجة الحفاظ، ومنتهى نظره الكتب الستة ومسند أحمد والدارمي، لايخرج من غيرها كثيراً، يورد صاحب الكشاف الحديث المعروف، فلايحسن الطيبي تخريجه ،ويعدل إلى ذكر ما هو في معناه مما في هذه الكتب، وهو قصور في التخريج''۔

علامہ شرف الدین حسن بن محمد بن عبداللہ طیبی بہ کسرۂ طا اور سکونِ یا کے ساتھ طیب کی طرف نسبت ہے، جو واسط اور کور اہواز کے درمیان ایک شہر ہے، علامہ سیوطی نے تصریح کی ہے کہ انہیں حدیث سے مناسبت ہے، لیکن اس میں وہ حفاظ کے درجہ کو نہیں پہنچے، اور ان کا منتہائے نظر صحاح ستہ، مسند احمد اور دارمی وغیرہ ہیں، وہ اکثر ان کے علاوہ کسی اور سے تخریج نہیں کرتے، اور بہت سی مرتبہ صاحبِ کشاف مشہور ومعروف حدیث کو لاتا ہے، پھر بھی طیبی اس کی عمدہ تخریج نہیں کرتے، اور اس کے ہم معنی حدیث کو ذکر کرنے پر جو ان کتابوں میں ہو مائل ہو جاتے ہیں، اور یہ تخریج میں ان کی کوتاہی کو بتاتا ہے۔

جامع صفات:

شیخ عبدالوہاب شعرانی ''لطائف المنن الكبرىٰ'' (۱/۴۰) میں لکھتے ہیں:

''كان محدثاً، صوفياً، نحوياً، فقيهاً، أصولياً، وقل أن تجمع هذه الصفات في عالم.''

طیبی محدث، صوفی، نحوی، فقیہ اور اصولی تھے، اور مشکل ہی سے یہ صفات کسی عالم میں جمع ہوئے ہوں گے۔

....

علامہ شعرانیؒ (المتوفی ۹۷۳ھ) ''لواقح الأنوار القدسية في بيان العهود المحمدية'' (ص:۶۳۲، طبع مصر ۱۳۸۱ھ) میں رقمطراز ہیں:

''سمعت شيخنا شيخ الإسلام زكريا الأنصاري يقول: قل أن يجتمع في شخص في عصر من الأعصار علم الفقه والحديث والتصوف، قال: ولم يبلغنا أنها اجتمعت في أحد بعد الطيبي – صاحب حاشية الكشاف – إلى وقتنا هذا من اجتمعت فيه هذه العلوم الثلاثة فهو الذي ينبغي أن يلقب بشيخ أهل السنة والجماعة في عصره، ومن لم يلقبه بذلك فقد ظلمه''.

میں نے اپنے شیخ شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمہ اللہ سے سنا وہ فرماتے تھے بہت کم ہی کسی زمانے میں کوئی شخص حدیث وفقہ اور تصوف کا جامع ہوا ہے، شیخ الاسلام ہی کا بیان ہے کہ ہمیں کوئی ایسی اطلاع نہیں کہ حاشیہ نگار کشاف علامہ طیبیؒ کے بعد سے ہمارے زمانے تک کوئی شخص بھی ان اوصاف کا جامع ہوا ہو، جو شخص ان تین علوم کا جامع ہو، وہی اس لائق ہے کہ اس کو شیخ اہل السنۃ والجماعۃ کے لقب سے یاد کیا جائے، جس نے ایسے علام کو شیخ اہل السنۃ والجماعۃ کے لقب سے یاد نہیں کیا، اس نے انصاف نہیں کیا۔

ان کی تالیفات میں حسب ذیل کتابیں مشہور ہیں:

۱۔ التبيان في المعاني والبيان، ۲۔ الخلاصه في أصول الحديث، ۳۔ شرح أسماء الله الحسنى، ٤۔ فتوح الغيب في الكشف عن قناع الريب یہ کشاف کا حاشیہ ہے۔ ۵۔ الكاشف عن حقائق السنن في شرح مشكاة المصابيح .

موصوف کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو:

الدرر الكامنة:۲/۶۸-۶۹، بغية الوعاة:۲۲۸- ۲۲۹، شذرات الذهب:۷/۱۳۷-۱۳۸، مفتاح السعادة:۱/٤۳٤، كتاب لطائف المنن:۱/٤۰، البدر الطالع:۱/۲۲۹-۲۳۰، روضات الجنات:۲۲٤، إتحاف النبلاء:۲٤۵، هدية العارفين:۱/۲۸۵، التاج المكلل :۳۷۳، طبع بمبئی .

....

فقہاء محدثین حنابلہ
۱- موفق الدین حنبلی

نام ونسب:

عبداللہ نام، ابومحمد کنیت اور موفق الدین لقب ہے، شجرۂ نسب حسب ذیل ہے: ''عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ بن مقدام بن نصر المقدسی الحنبلی''.

ولادت:

شعبان ۵۴۱ھ/ ۱۱۴۷ء میں نابلس کے ایک گاؤں جماعیل میں پیدا ہوئے، اور ۵۵۱ھ میں دمشق آئے، یہاں علوم دینیہ کی تکمیل کی، اوران علوم میں کمال حاصل کیا، موصوف کا شمار اپنے عصر کے نامور فقہاء اور محدثین میں تھا۔

عادات وعلمی مقام:

حافظ ابن کثیر (المتوفی ۷۷۴ھ) ''البداية والنهاية'' (۱۳/۱۰۰) میں تحریر فرماتے ہیں:

''إمام عالم بارع، لم يكن في عصره، بل ولا قبل دهره بمدة أفقه منه ...... سمع الحديث الكثير، ورحل مرتين إلى العراق، أحدهما في سنة إحدى وستين مع ابن عمه الحافظ عبد الغني، والأخرى سنة سبع وستين، وحج في سنة ثلاث وسبعين، وتفقه ببغداد على مذهب الإمام أحمد، وبرع، وأفتى، وناظر، وتبحر في فنون كثيرة مع زهد وعبادة وورع وتواضع وحُسن أخلاق وجود وحياء وحسن سمت ونور وبهاء وتلاوة وصلاة وصيام وقيام وطريقة حسنة واتباع للسلف الصالح، وكانت له أحوال ومكاشفات ...... وكان يؤمّ الناس للصلاة في محراب الحنابلة هو والشيخ العماد، فلما توفي العماد استقل هو بالوظيفة ...... وكان يتنفل بين العشائين بالقرب من محرابه ،فإذا صلى العشاء انصرف إلى منزله بدرب الدولعي بالرصيف ...... وكان منزله الأصلي بقاسيون''.

موصوف امام اور ایسے زبردست عالم تھے کہ ان کے زمانہ ہی میں کیا ان کے بہت پہلے ان سے زیادہ فقیہ کوئی نہ ہوا ،انہوں نے حدیثوں کا خوب سماع کیا، دومرتبہ عراق کا سفر کیا، ایک مرتبہ اپنے چچازاد حافظ عبدالغنی کے ساتھ ۶۱ ہجری میں، اور دوسرا ۶۷ ہجری میں کیا، ۷۳ ہجری میں حج کیا، اور بغداد میں حنبلی فقہ کی تعلیم پائی، اوراس میں ایسا کمال پیدا کیا کہ فتوے دیئے، مناظرہ کیا، زہدو عبادت ورع وتواضع، حُسن اخلاق، سخاوت حیاء اچھی خصلت، رونق ونور، نماز ،روزے، تہجد اور

....

تلاوت کی کثرت، نیک چلنی اور بزرگان سلف کی پیروی کے ساتھ بہت سے فنون میں تبحر حاصل کیا، ان کے حالات اور مکاشفات بھی ہیں..... محرابِ حنابلہ میں موصوف اور شیخ عماد لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے، جب شیخ عماد کا انتقال ہوگیا تو اس خدمت پر مستقل طور سے ان کا تقرر ہوگیا..... مغرب اور عشاء کے درمیان محراب کے پاس نفلیں پڑھتے تھے، عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے مکان چلے جاتے تھے، جو رصیف کے اندر درب دولعی میں واقع تھا، ان کا اصل مکان قاسیون میں تھا۔

"المغني" پر تبصرے:

عمر بن حاجب مالکیؒ "معجم الشیوخ" میں رقمطراز ہیں:

"قد أخذ بمجامع الحقائق النقلية والعقلية، فأما الحديث فهو سابق فرسانه، وأما الفقه فهو فارس ميدانه، أعرف الناس بالفتيا، وله المؤلفات الغزيرة، وما أظن الزمان سمح بمثله، متواضع عند الخاصة والعامة، حسن الاعتقاد، ذو أناة وحلم ووقار، وكان مجلسه عامراً بالفقهاء والمحدثين وأهل الخير، وصار في آخر عمره يقصده كل أحد، وكان كثير العبادة، دائم التهجد، لم ير مثله ولم ير مثل نفسه."

(معجم الشیوخ بحوالہ مقدمہ کتاب المغنی: ۴)

موصوف نے تمام علومِ عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل کی تھی، لیکن حدیث، تو موصوف اس کے شہسواروں میں گوئے سبقت لے جانے والے تھے، اور فقہ، تو وہ اس کے بھی مردِ میدان تھے، فتووں کے سب سے زیادہ عالم تھے، ان کی تالیفات معلومات سے پُر ہیں، اور میں نہیں سمجھتا کہ زمانے نے ان کے جیسا عالم پیدا کیا ہو، وہ عوام وخواص کی نظروں میں معزز تھے، صحیح العقیدہ، متحمل، باوقار اور سنجیدہ تھے، ان کی مجلس فقہاء، محدثین اور اہل خیر سے بھری رہتی تھی، اور آخر عمر میں ہر شخص کے مطلوب بن گئے تھے، بڑے عابد، پابندِ تہجد تھے، نہ ان کے جیسا دیکھا گیا اور نہ انہوں نے اپنے جیسا دیکھا۔

ابن العماد حنبلیؒ "شذرات الذهب" (۸۸/۵) میں رقمطراز ہیں:

"اشتغل بتصنيف كتاب المغني في شرح الخرقي، فبلغ الأمل في إتمامه، وهو كتاب بليغ في المذهب عشر مجلدات، تعب عليه، وأجاد فيه، وجمل به المذهب".

موصوف کتاب "المغني شرح الخرقي" کی تصنیف میں مشغول ہوئے، اور اپنی آرزو کے مطابق اسے پایہ تکمیل کو پہنچایا، حنبلی مذہب کے متعلق دس جلدوں میں نہایت عمدہ کتاب ہے، انہوں نے شرح لکھنے میں بڑی جانفشانی کی، اور خوب کام کیا ہے، اس سے حنبلی مذہب کو بڑی تقویت پہنچی ہے۔

شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام کا بیان ہے کہ: کتاب "المغني" خوبی اور تحقیق میں اپنی نظیر آپ ہے۔

....

عبدالقادر بدران کا بیان ہے:''بلغني من غير وجه من الإمام أبي العباس ابن تيمية- رحمه الله تعالى- أنه قال ...... مادخل الشام بعد الأوزاعي أفقه من الشيخ الموفق''. (مقدمہ کتاب المغنی:۵-۶)

مجھے امام ابوالعباس ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالی کا یہ قول متعدد طرق سے پہنچا ہے کہ......سرزمین شام میں اوزاعیؒ کے بعد موفق بن قدامہ سے بڑھ کر فقیہ نہیں آیا۔

علامہ ابن غیمہ کا بیان ہے کہ شیخ ابن قدامہ اجتہاد کے منصب پر فائز تھے، فرماتے ہیں:

''ما أعرف أحداً في زماننا أدرك درجة الاجتهاد إلّا الموفق''. (شذرات الذہب:۵/۹۰)

میں اپنے زمانے میں موفق بن قدامہ کے سوا کسی کو ایسا نہیں سمجھتا، جس نے اجتہاد کا مرتبہ پایا ہو۔

مؤرخ عبدالحی بن العماد حنبلی ''شذرات الذهب'' (۵/۹۱) میں لکھتے ہیں:

''انتفع بتصانيفه المسلمون عموماً، وأهل المذهب خصوصاً، وانتشرت واشتهرت بحسن قصده وإخلاصه، ولاسيما كتابه المغني؛ فإنه عظم النفع به، حتى قال الشيخ عز الدين بن عبد السلام: مارأيت في كتب الإسلام في العلم مثل المجلي والمحلي وكتاب المغني للشيخ موفق الدين بن قدامة في جودتهما، وتحقيق ما فيهما، ونقل عنه أيضا أنه قال: ماطابت نفسي بالفتيا، حتى صار عندي نسخة المغني مع أنه كان يسامي الشيخ في زمانه''.

ان کی تصانیف سے مسلمانوں نے عموماً اور اہل مذہب نے خصوصاً فائدہ اٹھایا ہے، اور نیک نیتی اور اخلاص کی وجہ سے وہ دور دور پھیلیں اور مشہور ہوئیں، خاص طور سے ان کی کتاب "المغني" اس سے بڑا فائدہ پہنچا، یہاں تک کہ شیخ عزالدین بن عبدالسلام کا بیان ہے کہ: میں نے اسلامی کتابوں میں علم کے اندر "مجلي" اور "محلي" اور کتاب "المغني" شیخ موفق الدین بن قدامہ کی تالیف کی مانند کتابیں خوبی اور تحقیق میں نہیں دیکھیں، "کتاب المغني" سے انہوں نے بھی نقل کیا، اور یہ بھی فرمایا ہے کہ میرا جی فتویٰ دینے سے خوش نہیں ہوا جب تک کہ میرے پاس "مغني" کا نسخہ نہ آ گیا، باوجودیکہ شیخ عزالدین بن عبدالسلام اپنے زمانے میں شیخ کے ہم پلہ تھے۔

حافظ ضیاء الدین نے موصوف کا تذکرہ دو جلدوں میں کیا ہے، اس طرح حافظ ذہبیؒ نے ان کی سیرت میں جُداگانہ کتاب لکھی ہے۔

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ "تاریخ الإسلام" (۱۳/۶۰۲-۶۰۵) میں رقمطراز ہیں:

''قال ابن النجار: كان - يعني الشيخ موفق الدين - إمام الحنابلة بالجامع، وقد سمع منه ببغداد

....

رفيقه عبد العزيز بن طاهر الخياط، سنة ثمان وستين وخمس مائة، وكان ثقة،حجة ، نبيلاً ، غزير الفضل، نزها، ورعا، عابداً على قانون السلف، على وجهه النور والوقار، ينتفع الرجل برؤيته قبل أن يسمع كلامه ...... وقال فيه عمر بن الحاجب: "هو إمام الأئمة، خصه الله تعالى بالفضل الوافر، والخاطر الماطر، والعلم الكامل، ظنّت بذكره الأمصار، وضنت بمثله الأعصار" قال الضياء: "وكان – رحمه الله – إماماً في القرآن وتفسيره، إماماً في الحديث ومشكلاته، وإمامًا في الفقه، بل أوحدَ زمانه فيه، إماماً في علم الخلاف، أوحدَ زمانه في الفرائض، إماماً في أصول الفقه، إماماً في النحو، إماماً في الحساب، إماماً في النجوم السيارة والمنازل ...... قال الضياء: "وكان لايكاد يناظر أحداً، إلّا وهو تبسم، فسمعت بعض الناس يقول: هذا الشيخ يقتل خصمه بتبسمه".

ابن النجار کہتے ہیں کہ شیخ موفق الدین جامع میں حنابلہ کے امام تھے، اور ۵۶۸ھ میں بغداد میں ان کے رفیق عبدالعزیز بن طاہر خیاط نے ان سے حدیث کا سماع کیا، موصوف ثقہ، حجہ، نبیل، زیادہ فضلیت سے آراستہ، پرہیزگار، ورع اور سلف صالحین کے طریقہ پر عبادت کرتے تھے، ان کے چہرے سے نور و وقار ٹپکتا تھا، آدمی ان کے کلام سننے سے پہلے ان کے دیکھنے سے فائدہ اٹھاتا تھا۔

عمر بن حاجب ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ موصوف امام الائمہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے بڑے فضل کے ساتھ اور علمِ کامل کے ساتھ خاص کیا تھا، ضیاء کہتے ہیں کہ موصوف رحمہ اللہ قرآن وتفسیر کے امام، حدیث اور مشکلاتِ حدیث کے امام، فقہ کے امام بلکہ یکتائے زمانہ تھے، علم الخلاف کے امام، علم فرائض میں یکتائے زمانہ، اصولِ فقہ کے امام، نحو کے امام، حساب کے امام، نجوم السیارہ اور اس کے منازل کے امام تھے، ضیاء کہتے ہیں کہ مناظرہ میں ہمیشہ تبسم فرماتے تھے، میں نے بعض لوگوں کو کہتے سنا کہ یہ شیخ اپنے خصم کو تبسم سے ہلاکت میں ڈالتا ہے۔

وفات:

۸۰ سال کی عمر میں ۶۲۰ھ/ ۲۷ اکتوبر ۱۲۲۳ء میں بروز ہفتہ (عیدالفطر کے دن) انتقال ہوا۔

موصوف کی تالیفات میں حسب ذیل کتابیں زیادہ مشہور ہیں:

١ ۔ الاستبصار في نسب الأنصار، ٢ ۔ البرهان في مسألة القرآن، ٣ ۔ التبيين في أنساب القرشيين، ٤ ۔ ذمّ الوسواس، ٥ ۔ تحريم النظر في كتب أهل الكلام، ٦ ۔ ذمّ التأويل، ٧ ۔ روضة في الأصول، ٨ ۔ عمدة الأحكام في الفروع، ٩ ۔ فضائل الصحابة، ١٠ ۔ قنعة الأريب في الغريب

....

١١ ـ كـافـي في الفروع، ١٢ ـ كتاب الاعتقاد، ١٣ ـ كتاب التوّابين، ١٤ ـ كتاب الرقة، ١٥ ـ كتاب القدر، ١٦ ـكتاب المتحابّين، ١٧ ـالمقنع في الفروع، ١٨ ـمنهاج القاصدين في فضائل الخلفاء الراشدين.

موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو:الـذيـل على الروضتين:١٣٩-١٤٢، البداية والنهاية:١٣ /٩٩-١٠٠، فـوات الـوفيـات:١/٤٣٣-٤٣٤، النجوم الزاهرة:٦/٢٥٦، شذرات الذهب:٥/٨٨-٩٢، مقدمة المغني لابن قدامة از عبد القادربدران:٣ -٣٥، هدية العارفين:١/٤٥٩-٤٦٠.

۲- ابن تیمیہ

نام ونسب:

احمد نام، ابوالعباس کنیت، تقی الدین لقب، اور ابن تیمیہ عرف ہے، اور سلسلۂ نسب یہ ہے: ''احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام بن عبداللہ بن ابی القاسم الخضر نمیری حرانی دمشقی حنبلی۔''

ولادت وتحصیل علم:

موصوف پیر کے دن ۱۰ ربیع الاول ۶۶۱ھ/۲۱ جنوری ۱۲۶۳ء کو حرّان میں پیدا ہوئے، پھر ان کے والدان کو دمشق میں لائے، یہیں قرآن مجید پڑھا، فقہ وحدیث اور جملہ علوم دینیہ کی تکمیل کی۔

فضائل وکمالات:

سنِ رشد سے پہلے ہی استدلال اور استنباط مسائل میں شہرت ہوگئی، بیس برس کی عمر میں درس وافتاء کی خدمت سپرد ہوئی، اور تصنیف وتالیف کا آغاز ہوا، حافظ ذہبیؒ ''معجم الشیوخ'' میں لکھتے ہیں:

''أحمد بن عبد الحليم ...... شيخنا وشيخ الإسلام، فريد العصر علماً ومعرفة، وشجاعة وذكاءً، وتـنـويـراً إلهياً وكرماً ونصحاً للأمة، وأمراً بالمعروف ونهياً عن المنكر، سمع الحديث، وأكثر بنفسه من طـلبـه، وكـتـب، وخـرج، ونظر في الرجال والطبقات، وحصل مالم يحصله غيره، برع في تفسير القرآن، وغـاص في دقيق معانيه بطبع سيال، وخاطر إلى مواقع الإشكال ميال، واستنبط منه أشياء لم يسبق إليها، وبـرع في الحديث وحفظه، فقل من يحفظ مايحفظه من الحديث، معزوا إلى أصوله وصحابته، مع شدة استـحـضـاره لـه وقـت إقامة الدليل، وفاق الناس في معرفة الفقه، واختلاف المذاهب، وفتاوى الصحابة والتـابـعيـن، بـحيـث أنـه إذا أفتى لـم يلتزم بمذهب، بل يقوم بما دليله عنده وأتقن العربية أصولاً وفروعاً، وتـعـليلاً واختـلافـاً، ونـظر في العقليات، وعرف أقوال المتكلمين، وردّ عليهم ونبّه على خطأهم، وحذ

....

منهم، ونصر السنة بأوضح حجج وأبهر براهين، وأوذي في ذات الله من المخالفين، وأخيف في نصر السنة المحضة حتى أعلى الله مناره، وجمع قلوب أهل التقوى على حجته والدعاء له، وكبت أعدائه، وهدى به رجالاً من أهل الملل والنحل، وجبل في قلوب الملوك والأمراء على الانقياد له غالباً، وعلىٰ طاعته، وأحيى به الشام بل والإسلام، بعد أن كاد ينثلم بتثبيت أولي الأمر لما أقبل حزب التتر، والبغي في خيلائهم، فظنت بالله الظنون، وزلزل المؤمنون، وأسرأبّ النفاق، وأبدى صفحته، ومحاسنه كثيرة، وهو أكبر من أن ينبه على سيرته مثلي، فلو حلفت بين الركن والمقام، لحلفت أني ما رأيت بعيني مثله، وأنه ما رأى مثل نفسه.''

(معجم الشیوخ بحوالہ کتاب الذیل علی طبقات الحنابلہ از ابن رجب:۳۸۹-۳۹۰ وشذرات الذہب:۶/۸۱-۸۲)

احمد بن عبدالحلیم...... ہمارے شیخ اور شیخ الاسلام، علم، معرفت، شجاعت، قوت، ذکاوت، شرافت، امت کی خیر خواہی، اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں یکتائے زمانہ تھے، حدیث کا سماع کیا، اور اپنی جانب سے اس کی طلب میں بڑی کوشش کی، لکھا، تخریج کی، فنِ رجال وطبقاتِ رجال میں بصیرت پیدا کی، اور وہ باتیں حاصل کیں جن کو اِن کے سوا کسی نے حاصل نہیں کیا، قرآن کی تفسیر میں مہارت پیدا کی، قرآن کے دقیق معانی تک رسائی کے لیے طبعِ رسا اور ایسے قلب کے ساتھ جو اشکال کے مواقع کا بڑا دلدادہ ہے، بحرِ تفسیر میں غوطہ زنی کی، اور اس سے ایسی باتیں نکالیں جن کی طرف پہلے کسی کا ذہن نہیں گیا تھا، حدیث کے یاد رکھنے اور سمجھنے میں بڑا کمال حاصل کیا بہت کم علماء ہیں جن کو اتنی حدیثیں یاد ہوں جتنی ان کو یاد تھیں، اور دلیل کے موقعہ پر صحابہ اور کتابوں کے ناموں کے ساتھ ان کو کثرت سے پیش کرنا مہارتِ فن پر دال ہے، علمِ فقہ، اختلافِ مذاہب، فتاویٰ، صحابہ وتابعین میں موصوف اپنے معاصرین میں اس لحاظ سے فائق تھے کہ جب فتویٰ دیتے تو کسی خاص مذہب کا التزام نہیں کرتے تھے، بلکہ موصوف اس مسلک پر ڈٹ جاتے تھے جس کی دلیل ان کی نظر میں قوی ہوتی تھی، موصوف نے عربیت کے اصول وفروع، تعلیل اور اختلاف کو بھی خوب سمجھا تھا، علوم عقلیہ میں بھی غور کیا تھا، متکلمین کے اقوال سے واقف تھے، اور ان کی تردید کی، ان کی غلطیوں کی نشان دہی فرمائی، اور ان سے بچایا ہے، سنت کی نہایت واضح دلائل سے حمایت اور تائید کی، محض اللہ کے لیے ان کو مخالفین کی طرف سے اذیتیں برداشت کرنی پڑیں، اور سنت کی تائید اور حمایت کی وجہ سے ان کو ڈرایا دھمکایا گیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا اور بول بالا کیا، اور پرہیزگاروں کے قلوب کو ان کی محبت اور اس کے واسطے سے دعا کرنے پر آمادہ فرمایا، ان کے دشمنوں کو ذلیل کیا، اہل ملل وادیان میں سے بہت لوگوں کو ان کے ذریعہ سے ہدایت نصیب ہوئی، اور اکثر مواقع پر بادشاہوں اور

....

حاکموں کے دلوں میں ان کی فرماں برداری اور اطاعت کا جذبہ پیدا کیا، ان کی ذات سے شام کواز سرِ نو زندگی بخشی، بلکہ اسلام کوبھی ایسے موقعہ پر جب کہ تاتاریوں کا لشکر مسلمانوں کی طرف بڑھ رہا تھا، اور حکمرانوں میں باہم رخنہ پڑنے والا تھا، سرکشی متکبرین میں اُبھر چکی تھی، اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کئے جانے لگے تھے، مؤمنوں کے قدم لڑکھڑا گئے تھے، ان میں نفاق جڑ پکڑ چکا تھا، اُن کی ذات اِس سے بلند وبالا ہے کہ میرا جیسا انسان ان کی سیرت کے پہلوؤں پر تنبیہ کرے، اگر میں رُکن یمانی اور مقامِ ابراہیم کے بیچ میں قسم کھاؤں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے ان کے جیسا عالم نہیں دیکھا اور انہوں نے بھی اپنے جیسا نہیں دیکھا، تو میں حانث نہیں ہوں گا۔

علامہ ذہبیؒ "المعجم المختص" میں رقمطراز ہیں:

"كان إماماً متبحراً في علوم الديانة، صحيح الذهن، سريع الإدراك ، سيال الفهم، كثير المحاسن، موصوف بفرط الشجاعة، والكرم، فارغاً عن شهوات المأكل والملبس والجماع، لالذة له في غير نشر العلم وتدوينه، والعمل بمقتضاه." (المعجم المختص بحوالہ ذیل طبقات ابن رجب:۲/۳۹۰ نیز المعجم المختص مخطوطہ عکسی کتب خانہ پیر جھنڈو سید محب اللہ)

ابن تیمیہؒ علومِ دینیہ میں متبحر عالم اور امام تھے، صحیح الذہن، جلدی سے بات کی تہہ تک پہنچنے والے، اور زود فہم تھے، نیز بہت سے محاسنِ اخلاق سے آراستہ تھے فراوانِ شجاعت وکرامت کی صفات سے متصف تھے، کھانے پینے پہننے اور جماع کی خواہشات سے احتراز کرتے تھے، علم کی نشر واشاعت اس کی تدوین اور اس کے مقتضی پر عمل کرنے کے سوا اور کسی چیز میں اُن کے لیے کوئی لذت اور مزہ نہیں تھا۔

حافظ ابوالفتح ابن سید الناس یعمری نے حافظ دمیاطیؒ کے سوالات کے جواب میں ابن تیمیہؒ سے متعلق حسب ذیل الفاظ لکھے ہیں:

"ألفيته ممن أدرك من العلوم حظاً، وكاد يستوعب السنن والآثار حفظاً، إن تكلم في التفسير فهو حامل رايته، وإن أفتى في الفقه فهو مدرك غايته، أو ذاكر بالحديث فهو صاحب علمه وذو روايته، أو حاضر بالنحل والملل، لم ير أوسع من نحلته ولا أرفع من درايته، برز في كل فن على أبناء جنسه، ولم تر عين من رآه مثله، ولا رأت عينه مثل نفسه."

(ذيل طبقات از ابن رجب :۲/۳۹۰، فوات الوفيات :۱/۷۱، وشذرات الذهب:۶/۸۲)

میں نے ان کو ان علماء میں سے پایا جن کو علوم سے کامل حصہ ملا، قریب تھا کہ وہ اپنے حافظہ کے بل پر تمام سنن

....

اورآثار کو بیان فرماتے، اگر وہ تفسیر میں کلام کرتے تو اس کا جھنڈا بلند کرتے، اور اگر فقہ میں فتویٰ دیتے تو وہ اس کی حقیقت کو پالیتے تھے، یا حدیث کا مذاکرہ کرتے تو عالم اور راوی ہوتے تھے، مذاہب وادیان پر گفتگو فرماتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ اس مذہب کا ان سے زیادہ وسیع النظر عالم نہیں دیکھا گیا، اور نہ ان کی درایت اور سوج بوجھ سے بڑھ کر کسی کی سوج بوجھ ہے، ہر فن میں اپنے ہم عصروں سے فائق، جس آنکھ نے ان کو دیکھا اس نے ان کا مثل نہیں دیکھا، اور نہ ان کی آنکھ نے ان کا مثل دیکھا۔

حافظ ذہبیؒ ''التاریخ الکبیر'' میں لکھتے ہیں:

''ولقد كان عجيباً في معرفة علم الحديث، فأما حفظه متون الصحاح، وغالب متون السنن، والمسند، فمارأيت من يدانيه في ذلك أصلاً ...... وأما التفسير فمسلم إليه، وله من استحضار الآيات من القرآن وقت إقامة الدليل بها على المسألة قوة عجيبة ،وإذا رآه المقرئ تحير فيه، ولفرط إمامته في التفسير، وعظم اطلاعه يبين خطاء كثير من أقوال المفسرين، ويوهي أقوالاً عديدة، وينصر قولاً واحداً موافقاً لما دل عليه القرآن والحديث، ويكتب في اليوم والليلة من التفسير، أو من الفقه، أو من الأصلين، أو من الرد على الفلاسفة والأوائل نحوا من أربعة كراريس.'' (تاریخ الکبیر بحوالہ ذیل طبقات الحنابلہ:۲/۳۹۱)

واللہ حدیث دانی میں ان کی ہستی عجیب ہستی تھی چنانچہ صحاح کے متون اور سنن اور مسند کے اکثر متون ان کو یاد تھے، میں نے اس معاملہ میں ہرگز ان کا کوئی ہمسر نہیں دیکھا......اور لیکن تفسیر تو یہ ان ہی کا حق تھا، کسی مسئلہ پر قرآن مجید کی آیتوں سے فی الفور دلیلیں پیش کرنے میں انہیں عجیب قدرت حاصل تھی، جب پڑھنے والا اس کو دیکھتا تو حیران رہ جاتا، فن تفسیر میں تبحر اور وسعتِ معلومات کی وجہ سے موصوف بہت سے مفسرین کے اقوال کی غلطیاں بیان فرماتے، اور متعدد اقوال کا بودا پن بتاتے تھے، اور کسی ایک قول کو جو قرآن وحدیث کے موافق ہوتا مدلل بیان کرتے تھے، موصوف شبانہ روز میں تفسیر یا فقہ یا اصول فقہ وعقائد یا فلاسفہ اور متقدمین کی تردید میں چار کا پیاں لکھا کرتے تھے۔

کمال الدین بن الزملکانی لکھتے ہیں:

''اجتمعت فيه شروط الاجتهاد على وجهها، قال تقي الدين بن دقيق العيد: رأيت رجلاً سائر العلوم بين عينيه، يأخذ ماشاء ويترك ماشاء، فقيل له: فلم لا تتناظرا؟ قال: إنه يحب الكلام وأحب السكوت، حدث عنه الذهبي، والبرزالي، وأبو الفتح ابن سيد الناس، وحسبه من الثناء الجميل قول أستاذ أئمة الجرح والتعديل أبي الحجاج المزي الحافظ الجليل قال عنه: ما رأيت مثله ولا رأى هو مثل نفسه، وما رأيت أحداً أعلم بكتاب الله، وسنة رسوله، ولا أتبع لهما منه.'' (شذرات الذهب:۶/۸۳- ۸۴)

....

موصوف میں اجتہاد کی شرطیں پوری موجود تھیں، ابن دقیق العید نے فرمایا کہ میں نے ایک ایسا شخص دیکھا جس کی نظروں کے سامنے تمام علوم حاضر رہتے ہیں، جس کو چاہتا ہے لیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے چھوڑ دیتا ہے، ان سے سوال ہوا کہ آپ نے ان کے ساتھ کیوں بحث نہیں کی؟ فرمایا وہ بحث کو پسند کرتے ہیں اور میں خاموشی کو اچھا سمجھتا ہوں، ذہبیؒ، برزالی اور ابوالفتح ابن سید الناس نے ان سے روایتیں کی ہیں، ان کی تعریف کے لیے فنِ جرح وتعدیل کے زبردست امام اور حافظ حدیث شیخ ابوالحجاج مزی کا یہ قول ہی کافی ہے کہ میں نے ان کے جیسا عالم اور نہ انہوں نے اپنا جیسا عالم دیکھا، میں نے ان سے بڑھ کر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کا کوئی عالم نہیں دیکھا، اور نہ ان کا ان سے بڑھ کر پیروی کو پایا۔

قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں:

''اقول: أنا لا أعلم بعد ابن حزم مثله، وما أظنه سمح الزمان مابين عصر الرجلين بمن شابههما، أو يقاربهما'' (البدر الطالع: ١/٦٤)

میں کہتا ہوں کہ میرے علم میں ابن حزم کے بعد ان جیسا عالم نہیں، اور نہ میں سمجھتا ہوں کہ زمانے نے ابنِ حزم اور ابن تیمیہؒ کے درمیانی عرصہ میں کوئی ایسی شخصیت پیدا کی ہو، جو ان کے مشابہ ہو یا ان کے قریب ہو۔

ذہبیؒ نے ان کے اخلاق وشمائل کا خاکہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

''ولم أر مثله في ابتهاله، واستعانته بالله، وكثرة توجهه، وأنا لا أعتقد فيه عصمة، بل أنا مخالف له في مسائل أصلية وفرعية، فإنه كان مع سعة علمه، وفرط شجاعته، وسيلان ذهنه، وتعظيمه لحرمات الدين، بشراً من البشر، تعتريه حدة في البحث وغضب، وصدمة للخصوم، تزرع له عداوة في النفوس، ولولا ذلك لكان كلمة إجماع، فإن كبارهم خاضعون لعلومه، معترفون بأنه بحر لا ساحل له، وكنز ليس له نظير، ولكن ينقمون عليه أخلاقاً، وأفعالاً، وكل أحد يؤخذ من قوله ويترك، وكان محافظاً على الصلاة، والصوم، معظماً للشرائع ظاهراً وباطناً، لايؤتى من سوء فهم، فإن له الذكاء المفرط، ولا من قلة علم، فإنه بحر زاخر، ولا كان متلاعباً بالدين، ولاينفرد بمسائل بالتشهي، ولايطلق لسانه بما اتفق، بل يحتج بالقرآن والحديث والقياس، ويبرهن ويناظر أسوة بمن تقدمه من الأئمة، فله أجر على خطأه وأجران على إصابته.'' (البدر الطالع: ١/٦٤-٦٥)

اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے اور گڑگڑانے میں اور اس کی ذات سے لولگانے میں ان کے جیسا آدمی نہیں دیکھا، میں انہیں معصوم نہیں سمجھتا بلکہ بعض اصولی وفروعی مسائل میں مجھے ان سے اختلاف ہے، وہ اپنی وسعت علمی، زود فہمی، غیر

....

معمولی شجاعت اور دین کے قابلِ احترام باتوں کی تعظیم کرنے کے باوجود انسانوں میں سے ایک انسان تھے، بحث میں تیز ہوجاتے ،اور غصہ آجاتا،اور دشمن کوزیر کرنے میں آپے سے باہر ہوجاتے تھے،اس وجہ سے دوسروں کے دلوں میں ان کی طرف سے عداوت بیٹھ جاتی تھی،اور اگر یہ بات نہ ہوتی توان پر سب کا اتفاق ہوجاتا، بڑے بڑے علماء ان کے علوم کا لوہا مانتے تھے،اوراس امر کے معترف تھے کہ یہ علوم کے دریائے ناپیدا کنار ہیں،اور علم کا ایسا خزانہ ہیں جس کی نظیر نہیں،لیکن وہ ان کے اخلاق وافعال سے ناراض تھے،اور ہر ایک اپنی بات پر پکڑا اور چھوڑا جاتا ہے،موصوف نماز روزہ کے پابند تھے ،شعائرِ دینیہ کی ظاہر اور باطن میں تعظیم کرتے تھے،کوئی کام بدفہمی کی وجہ سے نہیں ہوا، کیونکہ موصوف غیر معمولی ذہین تھے ،اور نہ علم کی کمی کی وجہ سے ہوا، کیونکہ موصوف بحرِ زخار تھے،موصوف دین کے ساتھ کھیل نہیں کرتے تھے،اور نہ نفس کی خواہش کی وجہ سے بعض مسائل میں منفرد تھے،اور نہ زبان کو یونہی آزاد چھوڑ رکھا تھا، بلکہ قرآن وحدیث اور قیاس سے دلیل پیش کرتے تھے،اوران کو ثابت کرتے تھے،اور پیش روائمہ کے اُسوہ کو پیشِ نظر رکھ کر مناظرہ کرتے تھے،لہٰذا ان کی خطا بھی باعثِ اجروثواب ہے،اور صحیح ہونے کی صورت میں دوہرے اجر کے مستحق ہیں۔

علامہ شوکانیؒ رقمطراز ہیں:

''والناس قسمان في شأنه: فبعض منهم مقصر به عن المقدار الذي يستحقه بل يرميه بالعظائم، وبعض آخر يبالغ في وصفه، ويجاوز به الحد، ويتعصب له ،كما يتعصب أهل القسم الأول عليه، وهذه قاعدة مطردة في كل عالم يتبحر في المعارف العطية، يفوق أهل عصره، ويدين بالكتاب والسنة، فإنه لابد أن يستنكره المقصرون، ويقع له معهم محنة بعد محنة ،ثم يكون أمره الأعلى وقوله الأولى، ويصير له بتلك الزلازل لسان صدق في الآخرين ،ويكون لعلمه حظ لايكون لغيره، وهكذا حال هذا الإمام، فإنه بعد موته عرف الناس مقداره، واتفقت الألسن بالثناء عليه إلّا من لايعتد به، وطارت مصنفاته، واشتهرت مقالاته، وأول ما أنكر عليه أهل عصره في شهر ربيع الأول ٦٩٨هـ .'' (البدر الطالع:٦٥)

ان کے متعلق دوقسم کے لوگ ہیں، بعض وہ ہیں جو اس مرتبہ میں بھی کمی کرتے ہیں جس کے یہ مستحق ہیں، بلکہ گند اچھالنے میں بھی کمی نہیں کرتے ،اور بعض وہ ہیں جو ان کی تعریف میں مبالغہ سے بھی گریز نہیں کرتے ،اور حدود سے بھی آگے نکل جاتے ہیں،اور یہ اس معاملے میں اتنے ہی سخت ہیں جتنے پہلے تھے،اور یہ ایک ایسا عام قاعدہ ہے کہ ہر اس عالم پر صادق آتا ہے،جس کو معارفِ علمیہ میں تبحر ہوتا ہے،اور جو اپنے معاصرین سے فائق ہوتا ہے، کتاب اللہ اور سنت رسول کو اپنا دین سمجھتا ہے،چنانچہ ناقدروں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کو اچھا نہ سمجھیں،اوراس کا ان کے ساتھ بار بار

....

امتحان ہو، پھر اس کو سر بلندی حاصل ہو، اور اسی کی بات وَرر ہو، اور ان آزمائشوں کی وجہ سے اس کا ذکرِ خیر پچھلوں میں ثابت ہوجاتا ہے، اور اس کے علم کو ایسا مرتبہ ملتا ہے جو کسی اور کو حاصل نہیں ہوتا، بس یہی حال اس امام کا ہے، کیونکہ ان کی وفات کے بعد لوگوں نے ان کے مرتبہ کو پہچانا ہے، اور سب نے ایک زبان ہو کر ان کی تعریف کی ہے، مگر بعض مخالف بھی ہیں، لیکن ان کا اعتبار نہیں، ان کی تالیفات ہر جگہ پھیلی ہوئی اور مشہور ہیں، ان کے معاصرین نے سب سے پہلے ربیع الاول ۶۹۸ھ میں ان پر اعتراض کیا تھا۔

ابن تیمیہؒ کی لغزشیں:

ابن تیمیہؒ سے اصول وفروع میں بہت سی غلطیاں ہوئی ہیں، مگر علماءِ امت کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے ہر زمانے میں بڑے سے بڑے عالم کی لغزش سے امت کو آگاہ کیا، تا کہ آنے والے لوگ ان کی ان کی غلطیوں سے آگاہ رہیں، اور امت گمراہی سے محفوظ رہے، چنانچہ موصوف کے معاصرین میں سے حافظ صلاح الدین خلیل علائی دمشقی (المتوفی ۷۶۱ھ) نے اپنے ایک مکتوب میں ان کے تفردات کو یکجا کیا ہے، ان کا وہ معلومات افزا مکتوب محدث ناقد شیخ محمد زاہد کوثریؒ نے ''ذخائر القصر'' کے حوالہ سے ''الصیف الصقیل'' میں نقل کیا جو پڑھنے کے لائق ہے، موصوف لکھتے ہیں:

''قال الحافظ ابن طولون في ذخائر القصر في تراجم نبلاء العصر عند ذكره سبب انتقال الشيخ عبد النافع بن عراق من المذهب الحنبلي إلى المذهب الشافعي بعد أن جعله والده حنبلياً، قال الحافظ صلاح العلائي: ...... المسائل التي خالف فيها ابن تيمية الناس في الأصول والفروع، فمنها ما خالف فيها الإجماع، ومنها ما خالف فيها الراجح في المذاهب، فمن ذلك يمين الطلاق، قال: بأنه لايقع عند وقوع المحلوف عليه، بل عليه فيها كفارة يمين، ولم يقل قبله بالكفارة فيها واحد من فقهاء المسلمين ألبتة، ودام إفتاؤه بذلك زماناً طويلاً، وعظم الخطب، ووقع في تقليده جم غفير من العوام، وعم البلاء، وأن طلاق الحائض لايقع، وكذلك الطلاق في طهر جامع فيه زوجته، وأن الطلاق الثلاث يرد إلى واحدة، وكان قبل ذلك قد نقل إجماع المسلمين في هذه المسألة خلاف ذلك، وإنّ من خالفه فقد كفر، ثم إنه أفتى بخلافه، وأوقع خلقاً كثيراً من الناس فيه، وأن الصلاة إذا تركت عمداً لايشرع قضاؤها، وأن الحائض تطوف في البيت من غير كفارة وهو مباح لها، وأن المكوس حلال لمن أقطعها، وإذا أخذت من التجار أجزأتهم عن الزكاة، وإن لم يكن باسم الزكاة ولا على رسمها، وأن المايعات لاتنجس بموت الفأرة ونحوها فيها، وأن الجنب ليصلي تطوعه بالليل بالتيمم، ولايؤخره إلى أن يغتسل عند الفجر وإن كان بالبلد، وقد رأيت من يفعل ذلك ممن قلده فمنعته منه، وسمعته حين سئل عن رجل

....

قدم فراش الأمير فيجنب بالليل في السفر، ويخاف إن اغتسل عند الفجر أن يتهمه أستاذه، فأفتاه بصلاة الصبح بالتيمم وهو قادر على الغسل، وسئل عن شرط الواقف؟ فقال غير معتبر بالكلية، بل الوقف على الشافعية يصرف إلى الحنفية، وعلى الفقهاء إلى الصوفية، وبالعكس، وكان يفعل هكذا في مدرسته، فيعطي منها الجند، والعوام، ولا يحضر درساً على اصطلاح الفقهاء وشرط الواقف بل يحضر فيها ميعاداً يوم الثلاثاء، ويحضره العوام، ويستغني بذلك عن الدرس، وسئل عن جواز بيع أمهات الأولاد فرجحه وأفتى به.

ومن المسائل المنفرد بها في الأصول: مسألة الحسن والقبح التي يقول بها المعتزلة ...... فقال بها، ونصرها، وصنف فيها، وجعلها دين الله بل ألزم كل مايبني عليه كالموازنة في الأعمال (فيا لله حينما حكم العقل السليم، ولم يحكم عقل نفسه الظاهر اختلاله جدا بما فاه به في ذات الله وصفاته **تعالى الله عما يقول الجاهلون**).

حافظ ابن طولون نے ''ذخائر القصر في تراجم نبلاء العصر'' میں شیخ عبدالنافع بن عراق کے تبدیلِ **مسلک کا سبب** بیان کرتے ہوئے کہا کہ ان کے والد نے تو ان کو حنبلی بنایا تھا، مگر انہوں نے حنبلی مذہب کو چھوڑ کر شافعی **مسلک اختیار کیا، لکھا ہے کہ حافظ صلاح الدین علائیؒ** نے ان اصولی وفروعی مسائل کا ذکر کیا ہے جن میں ابن تیمیہؒ نے خلاف کیا ہے، چنانچہ **بعض ان میں** سے وہ ہیں جن کے متعلق موصوف نے اجماع کے خلاف کیا ہے، اور بعض وہ ہیں جن میں مذہب راجح کے خلاف **کیا ہے، ان** ہی میں سے طلاق یمین (یعنی وہ طلاق جو قسم کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے) اس کے متعلق انہوں نے کہا ہے کہ جس **چیز پر قسم کھائی** ہے اس کے واقع ہونے کے بعد وہ واقع نہیں ہوتی ہے، بلکہ قسم کھانے والے پر قسم کا کفارہ واجب ہو جاتا ہے، حالانکہ **ان سے پہلے** اس مسئلہ میں فقہاءِ امت میں سے کبھی کوئی فقیہ کفارہ کا قائل نہیں ہوا، اور ایک زمانۂ دراز تک ان کا ہمیشہ یہی فتویٰ رہا ہے، اور مصائب بڑھتے رہے، عوام کی ایک بڑی بھاری اکثریت نے ان کی تقلید کر لی، اور یہ بلا عام ہوگئی، اور یہ بھی کہ طلاق حالتِ حیض میں واقع نہیں ہوتی، اور اس طرح طلاق اس طہر میں واقع نہیں ہوتی جس میں ہمبستری ہو چکی ہو، اور یہ بھی کہ تین طلاقوں سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے، حالانکہ اس سے پہلے وہ اس مسئلہ میں مسلمانوں کا اجماع اس کے خلاف نقل کر چکے ہیں، نیز یہ بھی کہ جس نے اس کی مخالفت کی اس نے کفر کا کام کیا، پھر انہی نے اس کے خلاف فتویٰ دیا، اور بڑی خلقت کو اس مسئلہ میں پھنسا دیا، اور یہ بھی کہ اگر نماز کو قصداً چھوڑا جائے تو اس کی قضاء جائز نہیں، اور یہ بھی کہ حائضہ طواف کعبہ کرے تو اس پر کفارہ واجب نہیں، طواف اس کے لیے مباح اور درست ہے، اور یہ کہ ٹیکس لینا اس کے لیے حلال ہے جس نے زمین کو جاگیر میں دیا ہے، اور

اگر تاجروں سے ٹیکس لے لیے جائیں تو زکوٰۃ کے عوض میں ان کی طرف سے کافی ہیں، اگر چہ وہ زکوٰۃ کے نام سے نہ لئے ہوں، اور یہ بھی کہ بہنے والی چیزیں جو ہے جیسے جانوروں کے اس میں مرنے سے ناپاک نہیں ہوتیں، اور یہ کہ جنبی کو نوافل رات میں تیمّم سے پڑھنا چاہئیں، اوران نوافل کو فجر کے غسل تک مؤخر نہیں کرنا چاہیے، اگر چہ وہ شہر میں ہو، میں نے ان لوگوں کو دیکھا جنہوں نے اس مسئلہ میں ان کی اقتدا کی، تو میں نے ان کو اس سے روکا، اور میں نے ابن تیمیہؒ سے سنا جس وقت اس سے ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال ہوا کہ جس نے امیر کے لیے بچھونا بچھایا، اور سفر کے اندر رات میں جنبی ہو گیا، اور اس کو یہ ڈر ہے کہ اگر وہ فجر کو غسل کرے گا تو اس کا استاد (افسر) اسے متہم کرے گا، تو انہوں نے اس کو فتویٰ دیا کہ فجر کی نماز تیمّم سے پڑھ لے، حالانکہ وہ غسل پر قادر تھا، اور ان سے واقف کی شرط کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا کہ شرط کا بالکلیہ اعتبار نہیں ہے، بلکہ شافعیہ پر جو وقف ہو وہ حنفیہ پر صرف کیا جاسکتا ہے، اور فقہاء پر ہو وہ صوفیہ پر، اور اس کے برعکس بھی کیا جاسکتا ہے، اور اسی طرح وہ اپنے مدرسہ میں بھی کرتے تھے، چنانچہ وہ مدرسہ کے وقف میں سے عوام اور لشکریوں کو دیتے تھے، اور واقف کی شرط اور فقہاء کی اصطلاح کے مطابق وہ درس میں حاضر نہیں ہوتے تھے، بلکہ اس مدرسہ میں مقررہ دن منگل کو حاضر ہوتے، اور عوام بھی آتے تھے، اور اس وجہ سے وہ درس سے مستغنی ہو جاتے تھے، اور ان سے امہات ولد (ام ولد لونڈیوں) کی بیع وشراء کے جواز کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے اس کو ترجیح دی، اور اس کے جواز کا فتویٰ دیا۔

وہ اصولی مسائل جن میں وہ منفرد ہیں حُسن وقبح کا مسئلہ ہے، جس کے معتزلہ قائل ہیں تو یہ بھی اس کے قائل ہو گئے، اس کی حمایت کی، اور اس موضوع پر کتاب لکھی، اور اس کو اللہ کا دین قرار دیا، اور ہر اس بات کو جو اس پر مبنی ہو اس کو لازم قرار دیا، جیسا کہ اعمال میں موازنہ نہ کرنا ہے (پس کیا اچھا ہوتا کہ جس وقت اس نے عقل کو حکم مانا، عقل سلیم کو حکم مان لیتا، اپنی عقل کو جس کی خرابی ظاہر ہے حکم نہ بناتا، جس سے اس نے ذاتِ الٰہی اور صفاتِ الٰہیہ میں کلام کیا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بالاتر ہے جو جاہل اس کے متعلق کہتے ہیں۔)

"وأما مقالاته في أصول الدين: فمنها أن الله سبحانه محل للحوادث، تعالى الله عما يقول علواً كبيراً"

اور لیکن اصول دین میں ان کے تفردات میں سے یہ ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ حوادث کے لیے محل ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات جو وہ کہتا ہے اس سے بہت بالا و برتر ہے۔

"وأنه مركب مفتقر إلى (اليد، والعين، والوجه، والساق، ونحوها) افتقار الكل إلى الجزء."

اور یہ کہ اللہ تعالیٰ مرکب ہے، اس کو (ہاتھ، آنکھ، چہرہ، پنڈلی وغیرہ کی) احتیاج ہے، جیسے کل کو جزو کی طرف احتیاج ہوتی ہے۔

....

....

"وأن القرآن محدث في ذاته تعالى، وأن العالم قديم بالنوع، ولم يزل مع الله مخلوق دائماً، فجعله موجباً بالذات، لا فاعلاً بالاختيار، سبحانه ما أحلمه ."

اور یہ کہ قرآن فی ذاتہ حادث ہے، اور عالَم قدیم بالنوع ہے، مخلوق ہوکر اللہ کے ساتھ اس کا تعلق دائمی ہے، چنانچہ اس نے اس کو موجب بالذات مانا ہے فاعل بالاختیار نہیں، جو کچھ اس نے خواب دیکھا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔

"ومنها قوله بالجسمية، والجهة، والانتقال، وهو منزّه عن ذلك ."

اور ان ہی میں سے اس کا ذاتِ خداوندی کے لیے جسمیت، جہت اور انتقالِ مکانی کا قائل ہونا ہے، اور باری تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ہے۔

"وصرح في بعض تصانيفه بأن الله بقدر العرش، لا أكبر ولا أصغر، تعالى الله عن ذلك ."

اور اس نے اپنی بعض تصانیف میں بصراحت لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش کے بقدر ہے، وہ نہ اس سے بڑا ہے، اور نہ اُس سے چھوٹا ہے، حالانکہ ذاتِ باری تعالیٰ اس سے بالاتر ہے۔

"وصنف جزءا في أن علم الله لايتعلق بما لايتناهي، كنعيم أهلْ الجنة، وأنه لايحيط بغير المتناهي، وهي التي زلق فيها الإمام. (يعني ابن الجويني في البرهان)

اور ابن تیمیہؒ نے ایک رسالہ اس مسئلہ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم غیر متناہی امور سے تعلق نہیں رکھتا، جیسے جنتیوں کی نعمتیں ہیں، اور یہ کہ وہ غیر متناہی کو محیط نہیں ہے، یہ وہ بات ہے جس میں امام (ابن جوینی) کے قدم (کتاب برہان) میں ڈگمگائے ہیں۔

"ومنها أن الأنبياء غير معصومين، وأن نبينا- عليه وعليهم الصلاة والسلام- ليس له جاه، ولايتوسل به أحد إلّا وأن يكون مخطئاً، وصنف في ذلك عدة أوراق ."

اور ان ہی باتوں میں سے یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم نہیں ہیں اور ہمارے نبی ﷺ کے لیے جاہ نہیں ہے، جو کوئی آپ کی ذات سے وسیلہ پکڑے گا وہ خطا کار ہے، اور اس موضوع پر کئی ورق کا رسالہ بھی لکھا ہے۔

"وأن إنشاء السفر لزيارة نبينا ﷺ معصية، لاتقصر فيها الصلاة، وبالغ في ذلك ولم يقل به أحد من المسلمين قبله"

اور یہ کہ ہمارے نبی ﷺ کی زیارت کے لیے سفر کرنا معصیت ہے، اس میں نماز قصر نہیں کی جاسکتی، اور اس میں بڑا ہی غلو کیا ہے، حالانکہ مسلمانوں میں ان سے پہلے اس کا کوئی قائل نہیں ہوا۔

....

"وأن عذاب أهل النار ينقطع ،ولا يتأبد، (وجزء التقي السبكي في الرد عليه مطبوع)"
اور یہ کہ دوزخیوں کا عذاب منقطع ہوجائے گا، وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نہیں ہوگا، (تقی الدین سبکی نے ایک رسالہ میں اس کی تردید لکھی ہے جو چھپ چکی ہے)۔

"ومن إفراده أيضا أن التوراة والإنجيل لم تبدل ألفاظهما، بل هي باقية على ما أنزلت، وإنما وقع التحريف في تأويلهما، وله فيه مصنف آخر ما رأيت، وأستغفر الله من كتابة مثل هذا فضلاً عن اعتقاده، انتهى ما نقله ابن طولون عن الصلاح العلائي."
اور نیز ان کے تفردات میں سے یہ بھی ہے کہ تورات اور انجیل کے الفاظ میں تبدیل اور تحریف نہیں ہوئی ہے، بلکہ یہ اس صورت میں موجود ہیں جن پر وہ نازل ہوئی تھیں، اور تحریف ان کی تاویل میں ہوئی ہے، اور اس موضوع پر ان کی ایک اور تصنیف بھی ہے جو میں نے نہیں دیکھی ہے، اور میں تو اس قسم کی باتوں کے لکھنے پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں چہ جائے کہ ان کا اعتقاد رکھوں، یہاں وہ مسائل ختم ہوگئے، جن کو ابن طولون نے صلاح الدین علائی سے نقل کیا ہے۔

"ومما ذكره ابن رجب في مفرداته: ارتفاع الحديث بالمياه المعتصرة ،كماء الورد ونحوه."
اور وہ باتیں جن کا ذکر ابن رجب نے ان کے تفردات میں کیا ہے، نچوڑے ہوئے پانیوں سے (جیسے گلاب وغیرہ کا پانی ہے) حدث کا اٹھ جانا ہے (یعنی پاک ہوجانا)۔

"وجواز المسح على كل مايحتاج في نزعه من الرجل إلى معالجة باليد أو بالرجل الأخرى، وعدم توقيت المسح على الخفين مع الحاجة ."
اور ہاتھ یا پاؤں کے معالجہ کے سلسلے میں کوئی چیز پاؤں پر ایسی ہو کہ اس کے اتارنے کی احتیاج ہوتی ہے، تو اس پر مسح کرنا درست ہے، اور حاجت کی صورت میں موزوں پر مسح کرنے کی کوئی مدت نہیں ہے۔

"وجواز التيمم خشية فوت الوقت لغير المعذور، وفوت الجمعة والعيدين ."
اور غیر معذور کو وقت کے فوت ہونے، نمازِ جمعہ کے نکل جانے، اور عیدین کے فوت ہونے کا ڈر ہو تو تیمّم کی اجازت ہے۔

"وأنه لا حد لأقل الحيض، ولا أكثره، ولا لِسن الأياس ."
اور یہ کہ کم سے کم حیض کی کوئی مدت ہے اور نہ زیادہ سے زیادہ کی، اور نہ ہی سن ایاس کی کوئی مدت ہے۔

"وأن قصر الصلاة يجوز في قصير السفر وطويله، وأن البكر لاتستبرئ ولو كانت كبيرة، وأنه

....

لایشترط الوضوء بسجود التلاوۃ، وأنه یجوز المسابقة بلا محلل ."

اورنماز قصر چھوٹے اور بڑے سفر میں جائز ہے، اور باکرہ کے لیے استبراء نہیں ہے اگر چہ وہ بوڑھی ہوگئی ہو، اور وضو سجدہ تلاوت کے لیے شرط نہیں، اور مسابقت (گھوڑ دوڑ) میں شرط بلا محلل کے جائز ہوتی ہے۔

"واستبراء المختلعة بحیضة، وکذا الموطوءۃ بشبهة، والمطلقة آخر ثلاث تطلیقات وغیرها"

اور خلع حاصل کی ہوئی عورت کا ایک حیض کے آنے سے استبراء ہوجاتا ہے، اور اسی طرح شبہ میں جس عورت سے ہمبستری ہوئی ہو، اور اسی طرح تین طلاق والی عورت وغیرہ کا استبراء ہوجاتا ہے۔

"فکم له من شواذ ابن تیمیة، وقد ذکر ابن حجر الهیتمي في الفتاوی الحدیثیة کثیراً من شواذ ابن تیمیة."

اب دیکھو کہ ابن تیمیہؒ کے کتنے شواذ اور تفردات ہیں، اور ان کے بہت سے تفردات کو حافظ ابن حجر ہیتمی نے فتاویٰ حدیثیہ میں بھی ذکر کیا ہے۔

"وقد حاول الشیخ نعمان الآلوسي بإشارۃ صدیق (حسن) خان الذي کان له به صلة مادیة متینة الرد علیه في جلاء العینین، متوخیاً تبرئة ساحة ابن تیمیة من غالب تلك الشواذ، لکنّ سقط في یدہ، حیث فضحت هذه المرحلة من الدعایة لابن تیمیة بطبع کتب له فیما بعد، تصرح بما نفی هو عنه، بل ربما تطبع کتب أخری مثل (التأسیس في رد أساس التقدیس) بالنظر إلی أن بعض صنائع الحشویة نقله حدیثاً، فیخربون بیوتهم بأیدیهم وأیدی المسلمین، وفیما ذکرناہ کفایة في لغت النظر إلی نماذج من مفرداته، والشیخ نعمان في المذکور ناقض، حیث یناقض کلامه في المذکور، ما سطرہ هو في (غالیة المواعظ)، لکن قاتل الله المادۃ مادخلت في شيء إلّا أفسدته، وهو لیس بأمین علی طبع تفسیر والدہ، ولو قابله أحدهم بالنسخة المحفوظة الیوم بمکتبة راغب استنبول، وهي النسخة التي کان المؤلف أهداها إلی السلطان عبد المجید خان، لوجد مایطمئن إلیه، نسأل الله السلامة."

شیخ نعمان آلوسی نے نواب صدیق حسن خان کے ایماء پر (جن کی طرف سے شیخ موصوف کو مالی امداد حاصل تھی) ''جلاء العینین'' میں ابن حجر مکی پر رد کا ارادہ کیا، اور انہوں نے ابن تیمیہؒ کے دامن کو اکثر شواذ سے پاک کرنے میں بڑا زور لگایا ہے، مگر انہیں ندامت ہوئی، کیونکہ ابن تیمیہؒ کی کتابوں کی اشاعت نے ان کی اس درجہ حمایت کو اس طرح رسوا کردیا کہ جن باتوں کی انہوں نے تردید کی تھی، اُن کی اِن کتابوں میں تصریح مل گئی، بلکہ عنقریب ان کی اور کتابیں بھی شائع ہوجائیں گی، جیسے ''التأسیس في رد أساس التقدیس'' ہے، جس میں حشویہ کی بعض وہ باتیں نظر آئیں گی جن کو

ابھی نقل کیا ہے، یہ تو اپنے گھروں کو اپنے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے خود گراتے ہیں، ہم نے یونہی سرسری نظر میں ابن تیمیہؒ کے تفردات کے جونمونے پیش کیے ہیں وہ کافی ہیں، شیخ نعمان آلوسی نے اپنی تردید آپ ہی کی ہے، کیونکہ انہوں نے غالیة المواعظ میں جو کچھ لکھا ہے ان کا کلام اس کے مخالف ہے، اللہ تعالیٰ مادہ کو ہلاک کرے، یہ جس چیز میں داخل ہوا اس کو اس نے بگاڑا ہے، انہوں نے اپنے والد ماجد کی تفسیر کی طباعت میں بھی دیانت داری سے کام نہیں لیا، اگر کوئی اس کا اس نسخے سے جس کو خود مؤلف نے سلطان عبدالمجید خاں کی خدمت میں پیش کیا (جو آج بھی استنبول میں راغب پاشا کے کتب خانہ میں محفوظ ہے) مقابلہ کرے گا تو اس کو اس امر کا اطمینان ہو جائے گا، ہم اللہ سے بس سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔

(ملاحظہ ہو: السيف الصقيل في الرد على ابن زفيل از تقی الدین علی سبکی (المتوفی ۷۵۶ھ) طبع اول مطبعة السعادة مصر ۱۹۳۷ء: ۱۴۱ تا ۱۴۴)

شیخ عبدالوہاب شعرانی (المتوفی ۹۷۳ھ) "لواقح الأنوار في طبقات الأخيار" (۱/۶ طبع قاہرہ ۱۳۱۵ھ) میں لکھتے ہیں:

''معنى الفتح في كلام هؤلاء القوم حيث أطلقوه، كشف حجاب النفس أو القلب أو الروح أو السر، لما جاء به رسول الله ﷺ من الكتاب العزيز والأحاديث الشريفة، إذ الولي قط لايأتي بشرع جديد، وإنما يأتي بالفهم الجديد في الكتاب والسنة، الذي لم يكن يعرف لأحد قبله، ولذلك يستغربه كل الاستغراب من لا إيمان له بأهل الطريق، ويقول هذا، لم يقله أحد على وجه الذم، وكان الأولى أخذه منه على وجه الاعتقاد، واستفادته من قائله، ومن كان شأنه الإنكار، لاينتفع بأحد من أولياء عصره، وكفى بذلك خسراناً مبيناً، وربما يفهم المعترض من اللفظ ضد ماقصده لافظه ...... المحجوب الذي لم يفتح الله تعالى على عين فهم قلبه، إذ لو فتح الله تعالى على عين فهم قلبه، لنظر بصفاء الهمة، وسمع بثاقب الفهم، ونور المعرفة، وأخذ الإشارة من معاني الغيب، واتبع أحسن القول بحسب ما سبق إلى سره، قال تعالى:

﴿فبشر عباد الذين يستمعون القول فيتبعون أحسنه أولئك الذين هداهم الله وأولئك هم أولوا الألباب﴾

قال الشيخ أبو الحسن الشاذلي - رضي الله عنه -: ولقد ابتلى الله هذه الطائفة بالخلق، خصوصاً أهل الجدال، فقل أن تجد منهم أحداً شرح الله صدره للتصديق بولي معين، بل يقول لك: نعم نعلم أن لله تعالى أولياء وأصفياء موجودين، ولكن أين هم؟ فلا تذكر لهم أحداً إلا أخذ يدفعه ويرد خصوصية الله تعالى له، يطلق اللسان بالاحتجاج على كونه غير ولي لله تعالى، وغاب عنه أن الولي لايعرف صفاته إلا الأولياء

....

"فمن أين لغير الولي نفي الولاية عن إنسان؟ ماذاك إلّا محض تعصب، كما نرى في زماننا هذا من إنكار ابن تيمية علينا وعلى إخواننا من العارفين، فاحذر يا أخي! ممن كان هذا وصفه، وفر من مجالسته فرارك من السبع الضاري، جعلنا الله وإياكم من المصدقين لأوليائه المؤمنين بكراماتهم بمنه و كرمه ."

صوفیہ کی اصطلاح میں لفظ فتح جب بولا جاتا ہے، تو اس کے معنی نفس یا قلب یا روح یا سر سے اس پردہ کا اٹھ جانا ہوتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات قرآن وحدیث کے سمجھنے میں حائل ہوتا ہے، کیونکہ ولی ہرگز کوئی نئی تشریح لے کر نہیں آتا، اس کو کتاب اللہ اور سنت میں نئی فہم عطا کر کے بھیجا جاتا ہے، وہ اسی قسم کی ہوتی ہے جس سے اس سے پہلے کوئی آشنا نہیں ہوتا، اس لئے اس شخص کو جو اہل معرفت پر یقین نہیں رکھتا بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے، اور وہ بطور مذمت یہ کہتا ہے کہ یہ وہ بات ہے جو کسی نے نہیں کہی ہے، حالانکہ بہتر یہ تھا کہ وہ بطور عقیدت ہی اس کو قبول کر لیتا، اور اس کے قائل سے استفادہ کرتا، اور جس شخص کی شان ہی اس کا انکار کرنا ہے، تو وہ اپنے زمانے کے اولیاء اللہ میں سے کسی سے بھی فائدہ نہیں اٹھاتا، یہ اس کی کھلی ہوئی محرومی کے لیے کافی ہے، اور معترض بسا اوقات متکلم کے الفاظ کی مراد کے خلاف معنی سمجھتا ہے...... مجوب وہ شخص ہے جس کی چشم بصیرت کو اللہ تعالیٰ نے وا نہیں کیا ہے، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ اس کی چشم بصیرت کو کھول دیتا، تو البتہ وہ اپنی پاک باطنی سے دیکھتا، اور نورِ معرفت اور فہم ثاقب سے سن لیتا، اور معانیِ غیبیہ سے اشارہ پالیتا، اور اس اعتبار سے کہ اس کے سر نے اس کو پایا ہے وہ اس احسن قول کی اتباع کرتا، آیتِ پاک میں ہے: ﴿فبشر عباد الذين يستمعون القول فيتبعون أحسنه أولئك هداهم الله وأولئك هم أولو الألباب﴾ (۱۸:۳۹) سو تو خوشخبری سنادے میرے بندوں کو جو سنتے ہیں میری بات، پھر چلتے ہیں اس پر جو اس میں نیک ہے، وہی ہیں جن کو راستہ دیا اللہ نے، اور وہی ہیں عقل والے۔

ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس نیک جماعت کو اللہ تعالیٰ نے خلق اللہ کے ساتھ ابتلاء اور آزمائش میں ڈالا ہے، اور خاص طور پر اہل جدال کے ساتھ، چنانچہ ان میں سے کمتر ہی تم کسی کو پاؤ گے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے قلب کو کسی معیّن ولی کی تصدیق کے لیے کھولا ہو، بلکہ وہ تم سے کہے گا کہ ہاں ہم جانتے ہیں کہ اولیاء اللہ اور برگزیدہ ہستیاں عالم میں موجود ہیں، لیکن وہ کہاں ہیں؟ تم ان سے کسی ایک کا بھی ذکر کرو گے تو اس کو رد کرنے پر اتر آئے گا، اور اللہ تعالیٰ سے اس کے خصوصی تعلق کا انکار کرنے لگے گا، بلکہ اپنا سارا زور بیان اس دلیل کو پیش کرنے میں ختم کر دے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ولی نہیں ہے، اور اس سے یہ حقیقت پوشیدہ رہے گی کہ ولی کی صفات کو اولیاء اللہ ہی پہچانتے ہیں، غیر ولی کو کہاں سے یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی انسان کی ولایت کا انکار کرے، یہ نرا تعصب ہے، جیسا کہ ہم اپنے زمانے میں دیکھتے ہیں کہ ابن تیمیہ ہمارا اور ہمارے بھائی اولیاء اللہ کا انکار کرتا ہے، میرے بھائی! جس کے یہ رنگ ڈھنگ ہوں اس سے بچو،

اور ایسے شخص کی ہمنشینی سے بھی بھاگو، جیسے موذی درندے سے بھاگتے ہو، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم کو اور تم کو اپنے اولیاء مومنین کی کرامات کی تصدیق کرنے والا بنادے۔ آمین۔

علامہ ابن تیمیہؒ کا قلعۂ دمشق میں بحالتِ قید بروز پیر ۲۰ ذی القعدہ ۷۲۸ھ/ ۲۷ دسمبر ۱۳۲۸ء میں انتقال ہوا، جنازہ میں ایک خلقت شریک ہوئی۔

موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: تذكرة الحفاظ:٤ /٧٢-٧٢٩، البداية والنهاية:١٤ /١٣٥-١٤١، النجوم الزاهرة:٩/٢٧١- ٢٧٢، المنهل الصافي:٣٣٦ - ٣٤٠، فوات الوفيات:١/٦٢ -٨٥، مرآة الجنان:٤/٢٧٧ - ٢٧٨، الدارس في تاريخ المدارس:١/٧٥ -٧٧، البدر الطالع:١/٦٥، فهرس الفهارس:١/١٩٩ - ٢٠٢، كنوز الأجداد از کردعلی: ٣٦٠ - ٣٦٩، الإمام ابن تيمية از ابوزہرہ، إتحاف النبلاء:٢٠٢ - ٢٢١، ذب ذبابات الدراسات (اشاریہ)، الدرر الكامنة:١/١٤٤ - ١٦١، ذيل طبقات الحنابلة از ابن رجب :٢/٣٨٧ - ٤٠٨، أبجد العلوم:٨١٤ - ٨٢٢، تقصار جيود الأحرار:٧٦، التاج المكلل :٤٢٠ - ٤٣١،طبع بمبئی ، مفتاح السنة (مقدمہ از دکتور محمد رشاد سالم) طبع قاهره ١٣٨٢ھ، تاریخ دعوت وعزیمت جلد دوم از ابوالحسن علی ندوی طبع دار المصنفین اعظم گڑھ، الإعلام بوفيات الأعلام:٢٠٨.

۳- ابن رجب

نام ونسب:

عبدالرحمٰن نام، ابوالفرج کنیت، زین الدین لقب، اور ابن رجب عرف ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے:

''عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب عبدالرحمٰن بن حسن بن محمد ابی البرکات مسعود بغدادی دمشقی حنبلی''۔

ولادت وتحصیل علم:

ربیع الاول ۷۳۶ھ/ ۱۳۳۶ء میں بغداد میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کے بعد ۷۴۴ھ میں حدیث وفقہ کی تکمیل کے لیے والد کے ساتھ دمشق آئے، یہاں شیوخِ عصر سے حدیث کا سماع کیا، مکہ میں فخر بخاری سے حدیثیں سنیں، شیخ ابن نقیب اور نووی سے روایتِ حدیث کی اجازت لی، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ''الدرر الكامنة" (۲/۳۲۲) میں لکھتے ہیں:

''أكثر من المسموع، وأكثر الاشتغال، حتى ...... مهر، وقرأ القرآن بالروايات ،وأكثر عن الشيوخ ،وخرج لنفسه مشيخته مفيدة.''

....

موصوف نے کثرت سے سماع کیا، اور حدیث کے ساتھ بڑا شغف رکھا، یہاں تک کہ اس میں مہارت پیدا کی، قرآن مجید مختلف روایتوں سے پڑھا، بہت سے شیوخ سے تحصیل کی، اور اپنا ایک مفید مشیخہ بھی تیار کیا۔

علمی مقام:

حافظ تقی الدین بن فہد مکی (المتوفی ۸۷۱ھ) نے ''لحظ الألحاظ بذیل طبقات الحفاظ'' میں موصوف کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے:

''عبد الرحمن ...... الحنبلي، الإمام، الحافظ، الحجة، الفقيه، العمدة، أحد العلماء الزهاد، والأئمة العباد، مفيد المحدثين، واعظ المسلمين، شهاب الدين أبو العباس وأبو الفرج، سمع خلقاً''

پھر (ص: ۱۸۰) میں لکھا ہے:

''حدث فروى عنه جماعة، له المؤلفات السديدة، والمصنفات المفيدة ...... كان -رحمه الله تعالى- إماماً ورعاً زاهداً، مالت القلوب بالمحبة إليه، وأجمعت الفرق عليه، كانت مجالس تذكيره الناس عامة نافعة، وللقلوب صادعة.''

حدیث کا درس دیا، اور ایک جماعت نے ان سے روایت کی، ان کی تالیفات درست ہیں، اور ان کی تصانیف مفید ہیں، مرحوم متقی اور زاہد تھے، دل محبت سے ان کی طرف جھکتے تھے، اور مختلف فرقوں کا ان پر اتفاق تھا، ان کی وعظ ونصیحت کی مجلسیں لوگوں کے لیے عام طور پر مفید ہوتی تھیں، اور قلوب میں انکسار پیدا کرتی تھیں۔

شہاب الدین ابن حجی کا بیان ہے:

''أتقن الفن أي فن الحديث، وصار أعرف أهل عصره بالعلل، وتتبع الطرق، تخرج به غالب أصحابنا الحنابلة.'' (شذرات الذهب: ۶/۳۳۹)

حدیث میں پختہ استعداد بہم پہنچائی، اور اپنے زمانے میں عللِ حدیث کے سب سے زیادہ ماہر ہوئے، طرقِ حدیث کا تتبع کیا، ہمارے اکثر حنبلی حضرات نے انہی سے حدیث کی تحصیل کی۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ''أنباء الغمر في أبناء العمر'' میں فرماتے ہیں:

''وكان صاحب عبادة، وتهجد، ونقم عليه إفتاؤه بمقالات ابن تيمية، ثم أظهر الرجوع عن ذلك، فنافره التيميون، فلم يكن مع هؤلاء ولا مع هؤلاء، تخرج به غالب أصحابنا الحنابلة بدمشق.''

(أنباء الغمر بحواله تعليقات كوثري بر لحظ الألحاظ: ۱۸۲)

....

بڑے عابد اور تہجد گذار تھے، اقوالِ ابن تیمیہؒ پر فتویٰ دینے سے ان پر اعتراض کیا گیا، پھر انہوں نے اس سے رجوع کا اظہار کیا تو ابن تیمیہؒ کے پیروکاروں نے ان سے نفرت کرنا شروع کی، سو یہ نہ ان کے ساتھ ہوئے اور نہ ان کے ساتھ رہے، دمشق میں ہمارے اکثر حنبلی حضرات نے ان سے حدیث پڑھی ہے۔

شیخ زاہد کوثریؒ نے اس پر تعلیقات میں یہ بھی لکھا ہے:

''وعند ابن رجب بعض نزعات إلى شواذ ابن القيم وشيخه في مؤلفاته، وإن أظهر الرجوع عنها، فلعل ذلك فيما ألفه قبل، فتطالع كتبه على حيطة.''

ابن رجب کی تالیفات میں ابن قیمؒ اور ان کے شیخ ابن تیمیہؒ کی طرف بعض میلانات پائے جاتے ہیں، اگرچہ انہوں نے اس سے رجوع کا بھی اظہار کیا ہے، سو غالباً یہ رجحانات ابتدائی تالیفات میں ہوں گے، لہٰذا تم کو چاہئے کہ ان کی کتابوں کو بتامہ دیکھو۔

مؤرخ ابن العماد ''شذرات الذهب'' (۶/۳۳۹) میں تحریر فرماتے ہیں:

''وكان لايعرف شيئا من أمور الناس، ولايتردد إلى أحد من ذوي الولايات، وكان يسكن بالمدرسة السكرية بالقصاعين.''

انہیں لوگوں کے معاملات سے کوئی تعلق نہ تھا، نہ ان کا حکام اور اربابِ اقتدار میں سے کسی کے پاس آنا جانا تھا، قصاعین کے اندر مدرسہ سکریہ میں ان کا قیام تھا۔

وفات:

حافظ ناصر الدین نے گورکن سے نقل کیا ہے کہ شیخ نور الدین نے انتقال سے چند روز پیشتر قبر کی جگہ پسند کی تھی، اور قبر کھودنے کے لیے گورکن کو حکم دیا تھا، جب اس نے لحد تیار کی تو موصوف نے اس میں اتر کر دیکھا، اور فرمایا کہ اچھی ہے، ابھی چند دن گزرے تھے کہ بروز پیر ۴ رمضان ۷۹۵ھ/۱۴ جولائی ۱۳۹۳ء میں انتقال ہو گیا، اور دمشق کے باب الصغیر میں فقیہ ابوالفرج عبدالواحد شیرازی کے بائیں دفن کیے گئے۔

ان کی تالیفات حسب ذیل ہیں:

۱۔ القواعد الکبری اس کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے:

أجاد فيه (اس میں خوب کلام کیا ہے)،

۲۔ شرح علل الترمذي اس کے متعلق محدث کوثری تعلیقات لحظ الألحاظ میں لکھتے ہیں:

....

''وجدته غزير العلم، جليل الفوائد لنقول الشاردة، لايستغنى عنه بالعلل ومصطلح الحديث ''
میں نے اس کتاب کو علم سے بھرپور پایا، منتشر دور افتادہ علل و مصطلحات سے عظیم فوائد سے آراستہ پایا، جن سے کوئی بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ ۳۔ الاستخراج لأحكام الخراج، ٤۔ الاستغناء بالقرآن، ٥۔ استنشاق نسيم الأنس من نفحات رياض القدس، ٦۔ أحوال القبور، ٧۔ التخويف من النار والتعريف بحال دار البوار، ٨۔ تقرير القواعد وتحرير الفوائد، ٩۔ جامع العلوم والحكم في شرح أربعين حديثاً من جوامع الكلم، ١٠۔ الذيل على طبقات الحنبليه لابن يعلى، ١١۔ رياض الأنس، ١٢۔ فتح الباري في شرح الجامع الصحيح للبخاري، ١٣۔ لطائف المعارف فيما للمواسم من الوظائف، ١٤۔ مولدات في فضائل الشهور، ١٥۔ الإلمام في فضائل بيت الله الحرام، ١٦۔ الاقتباس من مشكاة وصية النبي لابن عباس، ١٧۔ كشف الكربة في وصف حال أهل الغربه، ١٨۔ رسالة في شرح حديث بدأ الإسلام غريبًا، ١٩۔ رسالة في التوحيد، ٢٠۔ رسالة في معنى العلم .''

موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: الدرر الكامنة:٢/ ٣٢١-٣٢٢، لحظ الألحاظ ذيل طبقات الحفاظ: ١٨٠ - ١٨٥، الدارس في المدارس:٢/٧٦-٧٧،شذرات الذهب:٦/٣٣٩- ٣٤٠، البدر الطالع١/٣٢٨، فهرس الفهارس:٢/٦٠-٦١، هدية العارفين:١/ ٥٢٧ -٥٢٨، التاج المكلل:٥٣٢٥-٣٢٦ .

محدث فقیہ ظاہری

۱- ابن حزم

نام ونسب:

علی نام، ابو محمد کنیت اور ابن حزم عرف ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''علی بن احمد بن سعید بن حزم الاموی الیزیدی القرطبی''

ولادت:

۳۸۴ھ میں پیدا ہوئے، ارباب کمال سے علوم کی تحصیل کی اور بڑا کمال حاصل کیا۔

علامہ ابو عبداللہ حمیدی کا بیان ہے:

''كان أبو محمد حافظاً للحديث وفقهه، مستنبطاً للأحكام من الكتاب والسنة، متقناً في علوم جمة، عاملاً بعلمه، ما رأينا مثله فيما اجتمع له من الذكاء، وسرعة الحفظ، وكرم النفس، والتدين، وكان له في الأدب والشعر نفس واسع وباع طويل، مارأيت من يقول الشعر على البديهة أسرع منه، وشعره

....

کثیر،جمعته علی حروف المعجم." (تذکرۃ الحفاظ:۳/۱۱۴۷)

ابومحمد فقہ اور حدیث کے حافظ تھے، کتاب وسنت سے احکام نکالتے تھے، تمام علوم کے زبردست عالم تھے، اور اپنے علم کے مطابق عمل بھی کرتے تھے، ہم نے ان کے جیسا عالم نہیں دیکھا کہ جس میں ذکاوت، جلدی یاد کرنے کی صفت، شرافتِ نفس، دینداری سب جمع ہوں، ان کو شعروادب میں بھی خوب ملکہ تھا، اور بڑی مہارت حاصل تھی، میں نے ان سے بڑھ کر فی البدیہہ شعر کہنے والا نہیں دیکھا، ان کے بہت سے شعر ہیں، جنہیں میں نے حروف تہجی پر مرتب کیا ہے،

قاضی صاعد بن احمد اندلسیؒ فرماتے ہیں:"کان ابن حزم أجمع أهل الأندلس كلهم لعلوم الإسلام،أشبعهم معرفة، وله مع ذلك توسع في علم البيان، وحظ من البلاغة، ومعرفة بالسير والأنساب."

(لسان المیزان: ۴/۱۹۸-۱۹۹)

ابن حزم اہل اندلس کے اندر علوم اسلامیہ میں سب سے زیادہ جامع اور سب سے زیادہ وسیع معلومات کے حامل تھے، انہیں علم بیان میں وسعتِ نظر کے باوجود بلاغت سے بھی حصہ وافر ملا تھا، اور سیر وانساب کے بھی عالم تھے۔

مؤرخ سمعانی کتاب "الانساب" میں رقمطراز ہیں:

"أبو محمد كان من أفضل أهل عصره وبلاد المغرب، صنف التصانيف، وكان حافظاً في الحديث، وكان يميل إلى مذهب أصحاب الظاهر على ما سمعت." (الانساب:نسبت یزیدی)

بلادِ مغرب میں ابومحمد اپنے معاصرین میں سب سے افضل تھا، اس نے بہت کتابیں لکھی ہیں، وہ حافظِ حدیث تھا، اور جیسا کہ میں نے سنا ہے کہ اس کا اصحابِ ظواہر کی طرف میلان تھا۔

مذہب:

قاضی ابوبکر ابن العربی فرماتے ہیں:

"ابتدأ ابن حزم أولاً فتعلق بمذهب الشافعي، ثم انتسب إلى داود، ثم خلع الكل، واستقل، وزعم أنه إمام الأئمة يضع ويرفع ويحكم ويشرع، واتفق كونه بين أقوام، لانظر لهم إلّا بالمسائل، فيطالبهم بالدليل، ويتضاحك بهم، وذكر بقية الحط عليهٔ في كتاب العواصم من القواصم

(لسان المیزان: ۴/۲۰۱)

شروع میں ابن حزم نے شافعی مذہب اختیار کیا، پھر اس کا انتساب داؤد ظاہری کی طرف ہوا، پھر سب کو خیرباد کہا، اور اپنی رائے پر عمل کرنا شروع کیا، اور یہ سمجھا کہ خود بھی امام الائمہ ہے، جو وضعِ قانون کرے، اور حکم ساقط کرے، حکم

....

دے، شرع بنائے، اتفاق سے وہ ایسی اقوام سے دوچار ہوا، جن کو مسائل میں نظر نہ تھی، چنانچہ یہ ان سے دلیل مانگتا، اور ان پر ہنستا تھا، ابن عربی نے اس پر باقی اعتراض کتاب العواصم من القواصم میں کئے ہیں۔

حافظ شمس الدین الذہبیؒ تذکرة الحفاظ (۱۱۴۶/۳) میں لکھتے ہیں:

''كان إليه المنتهى في الذكاء والحفظ وسعة الدائرة في العلوم، وكان شافعياً، ثم انتقل إلى القول بالظاهر، ونفي القول بالقياس، وتمسك بالعموم، والبراءة الأصلية، وكان صاحب فنون، فيه دين وتورع وتزهد وتحر للصدق، وكان أبوه وزيراً جليلاً كبير الشأن، وكان لأبي محمد كتب عظيمة، لاسيما كتب الحديث والفقه، وقد صنف كتابا كبيراً في فقه الحديث، سماه "الإيصال إلى فهم كتاب الخصال الجامعة لحمل شرائع الإسلام والحلال والحرام والسنة والإجماع" أورد فيه أقوال الصحابة فمن بعدهم، والحجة لكل قول، وهو كبير جدا ...... قال أبو محمد الغزالي: وجدت في أسماء الله تعالى كتاباً، ألّفه أبو محمد ابن حزم يدل على حفظه وسيلان ذهنه.''

ذکاوت، حفظ اور علوم میں وسعتِ نظر ان پر ختم ہوگئی تھی، یہ پہلے شافعی تھے، پھر ظاہری بن گئے، اور قیاس کے قائل نہیں رہے، عموم سے استدلال کرتے ہیں، اور برأت اصلیہ (اباحت اصلیہ) دلیل قرار دیتے ہیں، بہت سے فنون کے عالم تھے، ان میں دینداری، پرہیز گاری اور راست گوئی تھی، ان کے باپ بڑی شان وشکوہ کے وزیر تھے، ابومحمد کی شاندار کتابیں ہیں، خاص طور پر حدیث وفقہ کی، انہوں نے فقہ حدیث میں ایک بہت بڑی کتاب لکھی ہے، جس کا نام "الإيصال إلى فهم كتاب الخصال الجامعة لحمل شرائع الإسلام والحلال والحرام والسنة والإجماع" ہے اس میں پہلے صحابہ کے اقوال کو ذکر کیا ہے، پھر تابعین کے اقوال سے بحث کی ہے، اور ہر ایک کی دلیل بیان کی ہے، یہ نہایت عظیم الشان کتاب ہے، ابوحامد غزالی فرماتے ہیں: میں نے اسمائے باری تعالیٰ میں ایک کتاب دیکھی، جو ابومحمد ابن حزم کی تالیف تھی، وہ کتاب ان کے عظیم الشان حافظہ اور تیزیٔ ذہن کی شاہد عدل ہے۔

زبانِ ابن حزم:

مؤرخ اندلس ابومروان بن حبان کا بیان ہے:

''كان ابن حزم حامل فنون من حديث، وفقه، ونسب، وأدب مع المشاركة في أنواع التعاليم القديمة، وكان لا يخلو في فنونه من غلط لجرءته في السوال على كل فن، ومال أولاً إلى قول الشافعي، وناضل عنه، حتى نسب إلى الشذوذ، واستهدف لكثير من فقهاء عصره، ثم عدل إلى الظاهر فجادل عنه،

....

ولم يكن يلطف في صدعه بما عنده، وبتعريض ولاتدريج بل يصك به معارضة صك الجندل، وينسفه في أنفسه إنساف الخردل، فتمال عليه فقهاء عصره، وأجمعوا على تضليله ،وشنعوا عليه، وحذروا أكابرهم من قبيله، ونهوا عوامهم عن الاقتراب منه، فطفقوا يعصونه، وهو مصر على طريقته، حتى كمل له من تصانيفه وقر بعير لم يتجاوز أكثرها عتبة بابه، لزهد العلماء فيها، حتى لقد أحرق بعضها بإشبيلية ،ومزقت علانية، ولم يكن مع ذلك سالماً من اضطراب رأيه، وكان لايظهر عليه أثر علمه، حتى يسأل فيفجر منه علم لاتكدر الدلاء ...... ممايزيد في بغض الناس له بغضه لبني أمية ماضيهم وباقيهم، واعتقاده بصحة إمامتهم، حتى نسب إلى النصب.'' (لسان الميزان: ۴/۲۰۰)

ابن حزم فنون حدیث وفقہ، انساب وادب کا جامع تھا، اور دیگر قدیم اصنافِ علوم میں بھی اس کو مناسبت تھی، وہ کسی فن میں غلطی سے خالی نہیں ہے، گو اس نے اپنی بے باکی کی وجہ سے ہر فن میں سوال اٹھائے ہیں، پہلے اس کا میلان امام شافعیؒ کے اقوال کی طرف ہوا، اور ان کی طرف سے مدافعت کرنا شروع کی، یہاں تک کہ شاذ اقوال کی طرف منسوب ہوا، اور اپنے زمانے کے بہت سے فقہاء کا نشانِ ہدف بنا، پھر ظاہر کی طرف مائل ہوا، اس کی حمایت میں لڑا، وہ اپنے پیشِ نظر دلائل کی بنا پر بحث وتکرار میں نرمی نہیں برتتا تھا، اور نہ سختی کے بعد نرم ہونا جانتا تھا، بلکہ وہ اس زور سے حملہ کرتا تھا، کہ جیسے چٹان کو توڑتا ہے، اور اس کو اپنے زعم میں اس طرح اُڑاتا ہے، جس طرح رائی کا دانہ اڑایا جاتا ہے، اس وجہ سے اس کے زمانے کے فقہاء اس پر پل پڑے، اور اس کی گمراہی پر اتفاق کرلیا، اور اس کو بہت بُرا بھلا کہا، اور ان کے اکابر نے ان کو اس کے مقابلے سے بچایا، اور عوام کو اس کے پاس جانے سے روکا، چنانچہ وہ برابر اس کی مخالفت کرتے رہے، اور وہ اپنے طریقہ پر اٹل ہوگیا، یہاں تک کہ اس کی تصانیف ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر ہوگئیں، اور بیشتر اس کے دروازے سے باہر بھی نہ نکل سکیں، کیونکہ علماء کو ان کتابوں سے بیزاری تھی، تا آنکہ ان میں سے کچھ اشبیلیہ میں نذرِ آتش کی گئیں، اور برسرِ عام ان کو چاک کیا گیا، اس کے باوجود اس کی رائے اضطراب سے خالی نہیں، اس پر علم کا اثر اس وقت تک نمایاں نہیں ہوتا جب تک اس سے سوال نہیں ہوتا، جب اس سے پوچھا جاتا ہے اس وقت اس کا علم اس طرح موجزن ہوتا ہے کہ اس کو ڈول مکدر نہیں کرتے، اور...... لوگوں میں اس کے متعلق بغض کی زیادتی کا سبب اس کا سلف وخلف بنی امیہ کی بے جا حمایت کرنا ہے، اور اس کا ان کی امامت کی صحت پر اعتقاد رکھنا تھا، اس وجہ سے اس کو ناصبی تک کہا گیا ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ البداية والنهاية (۱۲/۹۲) میں لکھتے ہیں:

''هو الإمام، الحافظ، العلامة أبو محمد علي ...... فقرأ القرآن، واشتغل بالعلوم النافعة الشرعية

....

وبرزفيها، وفاق أهل زمانه، وصنف الكتب المشهورة ...... وكان أديباً، طبيباً، شاعراً، فصيحاً، وكان من بيت وزارة ورياسة ووجاهة ومال وثروة، وكان مصاحباً للشيخ أبي عمر بن عبد البر النمري ...... وكان ابن حزم كثير الوقيعة في العلماء بلسانه وقلمه، فأورثه ذلك حقداً في قلوب أهل زمانه ...... والعجب كل العجب منه أنه كان ظاهرياً، حائرياً في الفروع لايقول بشئ من القياس، لاالجلي ولا غيره، وهذا الذي وضعه عند العلماء، وأدخل عليه خطاء كبيراً في نظره وتصرفه، وكان مع هذا من أشد الناس تأويلاً في باب الأصول، وآيات الصفات وأحاديث الصفات؛ لأنه كان أولاً قد تضلع من علم المنطق، أخذه عن محمد بن الحسن المذحجي الكناني القرطبي، ذكره ابن ماكولا وابن خلكان، ففسد بذلك حاله في باب الصفات.''

امام، حافظ، علامہ ابو محمد علی...... نے پہلے قرآن مجید پڑھا، اور پھر نفع بخش شرعی علوم کی تحصیل میں منہمک ہوگئے، اور ان میں وہ نمایاں ہوئے، اور اپنے ہمعصروں سے فائق ہوگئے، اور بہت سی مشہور کتابیں تصنیف کیں، وہ ادیب، طبیب، اور فصیح شاعر تھے، باعزت، امیر و وزیر اور رئیس گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، اور شیخ ابو عمر بن عبدالبر نمری کے رفیق تھے، ابن حزم زبان وقلم دونوں سے علماء کی شان میں بہت زیادہ گستاخ تھے، اسی بات نے ان کے ہم عصروں کے دل میں ان کی طرف سے کینہ پیدا کردیا تھا، اور اس بات پر سخت تعجب ہے کہ وہ ظاہری تھے، اور فروع میں بھی ان کی روش یہی تھی، وہ قیاسِ جلی اور خفی سے بھی کوئی بات نہیں کہتے تھے، یہی وہ بات ہے جس نے علماء کی نظر میں ان کا رُتبہ گھٹایا تھا، اور اس چیز نے ان کے فکر ونظر کو بڑی غلطیوں میں ڈالا تھا، اس کے باوجود وہ اصول پر باری تعالیٰ کی صفات میں آیتوں اور حدیثوں میں سب سے زیادہ تاویلیں کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے پہلے علم منطق میں مہارت حاصل کی تھی، اور اس فن کو محمد بن الحسن مذحجی کنانی قرطبی سے پڑھا تھا، جیسا کہ ابن ماکولا اور ابن خلکان نے بیان کیا ہے، اس وجہ سے صفات کے باب میں ان کی روش اچھی نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ''لسان الميزان'' (۱۹۸/۴) میں تحریر فرماتے ہیں:

''انتقل إلى مذهب الظاهر، وتعصب له، وصنف فيه، وردَّ على مخالفيه، وكان واسع الحفظ جداً إلّا أنه لثقة حافظته كان يهجم، كالقول في التعديل والتجريح، وتبيين أسماء الرواة، فيقع له من ذلك أوهام شنيعة، وقد تتبع كثيراً: منها الحافظ قطب الدين الحلبي ثم المصري من "المحلى" خاصة ...... ومما يعاب به ابن حزم، وقوعه في الأئمة الكبار بأقبح عبارة، وأشنع رد، وقد وقعت بينه وبين: أبي الوليد الباجي مناظرات ومنافرات، وقال أبو العباس بن العريف الصالح الزاهد: لسان ابن حزم وسيف الحجاج شقيقان.''

اس نے ظاہری مذہب اختیار کیا، اور سخت ظاہری بن گیا، اس میں اس نے کتابیں لکھیں، اور اس کی مخالفت

کرنے والوں کی تردید میں قلم اٹھایا، اس کا زبردست حافظہ تھا، بلکہ وہ اپنے حافظہ کے بل پر بہت سی باتیں کہہ گزرتا تھا، مثلاً جرح وتعدیل میں کلام کرنے، اور راویوں کے ناموں کو بیان کرنے میں اس سے بہت وہم ہوئے ہیں، جن میں سے خاص طور پر ''محلی'' کے بیشتر اوہام کو حافظ قطب الدین حلبی ثم مصری نے تتبع اور تلاش کے بعد بتادیا ہے......اور وہ باتیں جن کی وجہ سے ابن حزم پر نکتہ چینی ہوئی ہے، اس کا بڑے بڑے ائمہ کی شان میں بُرے الفاظ لکھنا، اور غیر شائستہ طریقہ پر تردید کرنا ہے، اس کے اور ابوالولید باجی کے درمیان مناظرے اور مباحثے ہوئے ہیں، اور ابوالعباس ابن عریف صالح زاہد کا بیان ہے کہ ابن حزم کی زبان اور حجاج کی تلوار ایک درجہ کی چیز ہیں۔

علامہ ابن حزم کی معرکۃ الآراء تصنیف ''المحلی'' کے متعلق حافظ ذہبی ''تذکرۃ الحفاظ'' (۱۱۵۰/۳) میں شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام سے ناقل ہیں:

''قال عز الدين بن عبد السلام: مارأيت في كتب الإسلام في العلم مثلي "المحلى" لابن حزم و"المغني" للشيخ الموفق.''

میں نے علم کے اندر اسلامی کتابوں میں ''محلی'' ابن حزم اور شیخ موفق کی ''مغنی'' کے جیسی کوئی کتاب نہیں دیکھی۔

حافظ ذہبیؒ کتاب "العبر" (۲۳۹/۳ طبع کویت ۱۹۶۱ء) میں لکھتے ہیں:

''أول سماعه سنة تسع وتسعين وثلاثمائة، وكان إليه المنتهى في الذكاء، وحدة الذهن، وسعة العلم بالكتاب والسنة، والمذاهب، والمِلَل والنِّحل، والعربية، والآداب، والمنطق، والشعر مع الصدق والديانة والذمة والسؤدد، والرئاسة والثروة وكثرة الكتب.''

اُن کے سماع حدیث کا آغاز ۳۹۹ھ سے ہوا ہے، ذکاوت اور بے پناہ ذہانت، کتاب وسنت کی وسیع معلومات، مذاہب اور اقوام وملل کے ادیان، عربیت، آداب، منطق اور شعر گوئی کے ساتھ ساتھ، صداقت، دیانت، ذمہ داری، سیادت، ریاست وثروت اور کثرتِ کتب کا ان پر خاتمہ ہے۔

مؤرخ جمال الدین ابن تغری بردی (المتوفی ۸۷۴ھ) ''النجوم الزاهرة في ملوك مصر والقاهرة'' (۷۵/۵) میں لکھتے ہیں:

''أبو محمد المعروف بابن حزم المحدث، صاحب التصانيف المشهورة، كان ظاهري المذهب، وقد تكلم فيه كل أحد ما خلا أهل الحديث؛ فإنهم أثبتوا على حفظه، كان إماماً، عارفاً بفنون الحديث إلّا أنه كان صاحب لسان خبيث، ويقع في حق العلماء الأعلام حتى صار مثلاً، فيقال: نعوذ بالله

....

من سیف الحجاج ولسان ابن حزم.''

''محدث ابو محمد جن کا عرف ابن حزم ہے، ان کی تصنیفات مشہور ہیں، یہ ظاہری مذہب رکھتے تھے، ان کے متعلق اہلِ حدیث کے سوا ہر ایک نے کلام کیا ہے، کیونکہ اہلِ حدیث نے ان کے حفظ پر اعتماد کیا ہے، وہ فنونِ حدیث کے ماہر اور امام تھے، مگر اس کے ساتھ ہی وہ بڑے بدزبان واقع ہوئے تھے، نامور علماء کی شان میں انہوں نے زبانِ طعن دراز کی، یہاں تک کہ وہ اس میں ضرب المثل ہو گئے، چنانچہ کہا جاتا ہے: ''ہم اللہ تعالیٰ سے حجاج کی تلوار اور ابن حزم کی زبان سے پناہ مانگتے ہیں۔''

شیخ عبدالوہاب شعرانی (المتوفی ۹۷۳ھ) ''لطائف المنن'' (ص: ۳۳۰) میں رقمطراز ہیں:

''(وليحذر) كل الحذر من مطالعة كتب (أبي) محمد ابن حزم الظاهري إلّا بعد التضلع من علوم الشريعة، لا سيما ما فيها مما يتعلق بأصول الدين، وقواعد العقائد، والمعاني، والحقائق، لأنه- رحمه الله تعالى- لم يكن له يد في هذه العلوم، وإنما أخذها بالفهم، فلم يحسن كلامه فيها.''

''ابو محمد بن حزم ظاہری کی کتابوں کے مطالعہ سے پوری طرح احتراز کرنا چاہئے، البتہ جب علومِ شریعت میں کمال حاصل ہو جائے، خاص طور پر علومِ شریعت کی ان باتوں میں جن کا تعلق اصولِ دین، عقائد ومعانی اور حقائق سے ہے، کیونکہ مرحوم کو ان علوم میں پوری دستگاہ حاصل نہ تھی، ان کو انہوں نے محض اپنی سمجھ سے نکالا ہے، اس وجہ سے ان میں ان سے اچھا کلام نہیں ہوا۔''

سنت وحدیث سے محبت:

نواب صدیق حسن خان ''إتحاف النبلاء'' (ص: ۳۲۱) میں لکھتے ہیں:

''گویم چوں ایں ہمہ وقوع از جہت تصلب او در اتباع واجتناب از ابتداع بود، واکثر ائمہ را مقلد محض یافتہ، وحامی احبار ورہبان خود دیدہ، ورفضِ سننِ صحیحہ ونبذِ کتاب اللہ وتمسک بفروع مجتہد فیہا مشاہدہ نمودہ، زبان را در ذمّ ایشاں مطلق ساختہ، اگر نیت صالحہ ہمراہ دارد، ان شاء اللہ تعالیٰ ضررے از آں بسوے وے عائد نخواہد شد، ولہٰذا شیخ اکبر در باب ثالث وعشرین ومائتین از فتوحات مکیہ گفتہ: غاية الوصلة أن يكون الشيء عين ماظهر له، ولا يعرف أنه هو كما رأيت النبي ﷺ في المنام، وقد عانق أبا محمد بن حزم المحدث، فغاب الواحد في الآخر، فلم تر إلّا واحداً، و هو رسول الله ﷺ فهذه غاية الوصلة وهو المعبر عنه بالاتحاد.''

میں کہتا ہوں کہ یہ تمام باتیں ان سے محض اتباعِ سنت میں سختی اور بدعت سے اجتناب کی بناء پر ہوئی تھیں، کیونکہ انہوں نے بیشتر ائمہ کو مقلدِ محض پایا، اور اپنے زمانے کے علماء اور درویشوں کا حامی دیکھا، سنتِ صحیحہ اور کتاب اللہ کا

تارک اور مجتہد فیہ فروعی مسئلوں کا پابند پایا، پھر ابن حزم نے ان کی مذمت میں زبان کھولی، اگر اس کے ساتھ ان کی نیت درست ہے تو ان شاء اللہ اس کی طرف سے ان کو کچھ بھی نقصان نہ ہوگا، اور اس وجہ سے شیخ اکبر نے ''فتوحات مکیہ'' کے ۲۲۳ باب میں لکھا ہے ''وصال کی انتہا یہ ہے کہ کوئی شے جس سے اس کا وجود ہے اس کی عین بن جائے، اور اس طرح اس میں گم ہو جائے کہ اس کے وجود ہی کا پتہ نہ چلے، جیسا کہ میں نے نبی ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ محدث ابو محمد بن حزم سے گلے ملے تو ایک دوسرے میں اس طرح غائب ہو گئے کہ بس ایک ہی ذات نظر آئی، وہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس تھی، یہی وصال کی انتہا ہے، اور اس کو نسبتِ اتحادی سے تعبیر کرتے ہیں''

حافظ سید عبد الحی کتانی ''فهرس الفهارس والأثبات'' (۱/ ۳۵۸-۳۵۹) میں لکھتے ہیں:

''هو الفقيه، الحافظ، فخر الأندلس والإسلام أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد ابن حزم الفارسي الفقيه، المحدث، الأثري (المتوفى ٤٥٦هـ) قال فيه الحافظ الذهبي في كتابه "سير أعلام النبلاء" بعد ذكر مناقبه ومعائبه: وأنا أميل إلى محبة أبي محمد لمحبته بالحديث الصحيح ومعرفته به وإن كنت لا أوافقه في كثير مما يقوله في الرجال والعلل والمسائل البشعة في الأصول والفروع، وأقطع بخطأه في غير مسألة، ولكن لا أكفره، ولا أضلله، وأرجو له العفو والمسامحة، وأخضع لفرط ذكائه، وسعة علمه.''

وہ فقیہ، حافظ، فخر اندلس واسلام ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم فقیہ و محدث ظاہری (المتوفی ۴۵۶ھ) جن کے متعلق ذہبی نے اپنی کتاب ''سير أعلام النبلاء'' میں ان کے محاسن و معائب بیان کرنے کے بعد ذکر کیا ہے کہ ابو محمد کی طرف میرا میلان ہے، کیونکہ اس کو حدیثِ صحیح اور علمِ حدیث سے محبت تھی، اگر چہ میں بہت سی ان باتوں سے (جو وہ رجال، علل اور اصولی و فروعی مسائل میں ناپسندیدہ باتیں کہہ جاتے ہیں) اتفاق نہیں کرتا، میں ان کو بہت سے مسائل میں یقینی طور پر خطا کار سمجھتا ہوں، لیکن نہ میں ان کی تکفیر کرتا اور نہ ان کو گمراہ سمجھتا ہوں، میں ان کے حق میں عفو و درگذر کا امید وار ہوں، اور ان کی بے پناہ ذکاوت اور وسعتِ علمی کا لوہا مانتا ہوں۔

وفات:

بروز جمعہ ۱۵ رجب ۴۵۶ھ/ ۳ جولائی ۱۰۶۴ء میں انتقال ہوا، اور لبلہ (جو اندلس میں ایک شہر ہے) میں دفن کئے گئے۔

موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: كتاب الصلة: ٤٠٨ - ٤١٠، جذوة المقتبس: ٢٩٠ - ٢٩٣، مطمح الأنفس: ٥٥-٥٦، بغية الملتمس: ٤٠٣ - ٤٠٥، تاريخ الحكماء: ٢٣٢-٢٣٣، وفيات الأعيان: ٤٢٨/١ - ٤٣١، معجم الأدباء: ٢٣٥/١٢ - ٢٥٧، تذكرة الحفاظ: ١١٤٦/٣ - ١١١٨،

حضرت والد ماجد قدس سرہ نے معانی احادیث کے سمجھنے اور حدیثوں میں تعارض کو اٹھانے کے عجیب وغریب اصول تحریر فرمائے ہیں، اگر فرصت مل سکی تو ان شاء اللہ اس کا کچھ حصہ نقل کر کے برادر موصوف کو روانہ کروں گا، اور کتاب ''المغیث في مختلف الحدیث [1]'' بھی نمونے کے طور پر خوب ہے، اب ہم نے فصل اول کے مطالب سے فراغت پائی ہے، فصل دوم کے مطالب کا سلسلہ شروع کرتے ہیں۔

البداية والنهاية:١٢ /٩١ -٩٢، لسان الميزان:١٩٨/٤، النجوم الزاهرة:٧٥/٥، شذرات الذهب:٢٩٩/٣، نفح الطيب:٢٠٢/٦ - ٢٢٢، كنوز الأجداد:٢٤٥ -٢٥٠، المجددون في الإسلام:١٩٠ - ١٩٤، فهرس الفهارس والأثبات:٣٥٨/١-٣٥٩، ابن حزم، از ابوزہرہ، إتحاف النبلاء:٣٢٠، هدية العارفين:٦٩٠/١-٦٩١، ذب ذبابات الدراسات (اشاریہ)، أبجد العلوم: ٨٢٩- ٨٣٠، التاج المكلل:٨٧ - ٩٢، تاريخ الإسلام:٧٤/١٠ - ٨٢، الإعلام بوفيات الأعلام:١٨٩.

(۱) کتاب ''المغيث في مختلف الحديث'' یہ شیخ ابوالعباس احمد بن شرف الدین محمد بن الصاحب (المتوفی ۷۸۸ھ) کی تالیف ہے۔

فصل دوم

علم حدیث کی سند کے بیان میں

جاننا چاہیے اس فقیر (عبدالعزیز(۱)) نے اس علم کو اور تمام علوم کو والد ماجد کی خدمت میں رہ کر حاصل کیا ہے، اور اِس علم کی بعض کتابیں مثلاً ''مصابیح السنة''، ''مشکاة''، ''مسوّی شرح موطأ'' (جو حضرت والد ماجد (۲) کی تصنیف ہے) حصن حصین اور شمائل ترمذی موصوف کی خدمت میں قرأۃً اور سماعاً نہایت تحقیق و تدقیق کے ساتھ حاصل کی ہیں، صحیح بخاری کی ابتداء کا کچھ حصہ بطریق درایت ان سے سنا ہے، صحیح مسلم اور دوسری صحاح ستہ کی سماعت بھی ان سے ترتیب کے ساتھ اور مسلسل نہیں ہوسکی، جس کی وجہ یہ تھی کہ طالب علم ان کے سامنے پڑھتے تھے، اور ان میں مَیں بھی ہوتا تھا، اور ان کی تحقیقات اور تنقیحات کو گوش گذار کرتا رہتا تھا، تا آنکہ حدیث کے معانی کے سمجھنے اور سندوں کی باریکیوں تک رسائی حاصل کرنے میں بفضلہٖ تعالیٰ ایک قابل اعتماد ،

---

(۱) شاہ عبدالعزیزؒ کے تفصیلی حالات مقدمہ میں گزر چکے ہیں۔

(۲) **شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ**

نام ونسب:

احمد نام اور شاہ ولی اللہ عرف ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''احمد ولی اللہ بن عبدالرحیم بن وجیہ الدین بن معظم بن منصور بن احمد العمری الدہلوی الحنفی''

ولادت:

موصوف کی ولادت کا بھی عجیب قصہ ہے، شاہ عبدالرحیمؒ جو بلند صوفی اور جید عالم تھے، ان کے یہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی، حالانکہ عالمِ رؤیا میں ان کو بتادیا گیا تھا کہ ان کی اولاد ہوگی، ادھر بیوی سن یاس کو پہنچ گئی تھی، آخر انہوں نے شیخ ابوالرضا کی دخترِ نیک اختر سے دوسرا نکاح کیا، ان ہی کے بطن سے شاہ ولی اللہؒ بروز بدھ ۴ شوال ۱۱۱۴ھ/ ۱۰ فروری ۱۷۰۴ء میں پیدا ہوئے، اسی مناسبت سے ولی اللہ نام پایا، اور خواجہ بختیار کا کیؒ سے عقیدت کی بنا پر ان کو قطب الدین کہا جاتا تھا، تاریخی نام عظیم الدین ہے۔

تحصیل علم:

پانچ برس کی عمر میں مکتب میں پڑھنا شروع کیا، اور سات برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا، پھر فارسی پڑھی، اور بعد ازاں صرف ونحو پڑھی، دس برس کی عمر میں شرح جامی اور منطق کی ابتدائی کتابیں ختم کیں، پھر والد بزرگوار سے فقہ، تصوف، عقائد، اصول اور حدیث کی کتابیں پڑھیں، نیز شیخ محمد افضل سیالکوٹی کے حلقۂ درس میں شریک ہوکر حدیث کی

....

سند لی، ابھی کاروانِ عمر پندرھویں منزل طے کررہا تھا کہ والد ماجد نے بیعت فرما کر سلسلۂ نقشبندیہ میں منازلِ سلوک طے کرائے، اور اجازتِ بیعت بھی عطا فرمائی، اس زمانے میں فنونِ رسمیہ کی تکمیل ہوئی۔

چودہ برس کی عمر میں شادی ہوئی، ابھی سترہ برس کے تھے کہ والد کا انتقال ہوگیا، تو انہی کے مدرسہ میں مسندِ درس کو زینت بخشی، اور کم وبیش بارہ برس تک عقلی ونقلی علوم کی تعلیم دی، ۱۱۴۳ھ میں حج کیا، اور دو سال حرم میں مجاورت کی، شیوخِ حجاز سے استفادہ کیا، شیخ ابوطاہر کردیؒ سے صحاح ستہ وغیرہ پڑھ کر حدیث کی سند لی، اور خرقۂ خلافت حاصل کیا، پھر حجاز سے واپس آکر والد ماجد کے مدرسہ رحیمیہ میں درس دینا شروع کیا، درس وتدریس سے جو وقت بچتا وہ تصنیف وتالیف اور اعمال واشغال کی تعلیم وتلقین میں گذرتا تھا، شاہ ولی اللہ کو جملہ عقلی ونقلی علوم میں دستگاہ حاصل تھی، اور وہ ورع وتقویٰ ذہانت وذکاوت کی صفات سے آراستہ تھے، نہایت بلند پایہ مفکر اور مصلح تھے، اسرار وحکم، مسائلِ تصوف، مباحث کلام اور علم حکمت واخلاق پر گہری نظر تھی، انہوں نے حدیث وقرآن کے حقائق کو جس طرح سمجھا اور سمجھایا ہے، اس نے متقدمین کی یاد تازہ کی ہے، توجیہ اور شرحِ حدیث میں شاہ ولی اللہؒ کا مقام نہایت بلند ہے، اور اس باب میں وہ ہندوستان کی سرزمین پر اپنی نظیر آپ ہیں، موصوف کے فضل وکمال کا تمام اہلِ عصر کو اعتراف تھا، شیوخِ حرم بھی موصوف کی فہم وفراست، شرحِ حدیث، معانیٔ حدیث، توضیحِ مطالب کے قائل تھے، چنانچہ شیخ ابوطاہر کردیؒ موصوف کے متعلق فرماتے تھے:

''إنه يسند عني اللفظ، وكنت أصحح منه المعنى'' وہ مجھ سے الفاظ کی سند لیتے ہیں، اور میں ان سے صحت معنی کی سند لیتا ہوں۔

شیخ شرف الدین محمد حسینی دہلوی ''كتاب الوسيلة إلى الله'' میں رقمطراز ہیں:

''كاد الزمان أن يكون شبيهاً بزمان الجاهلية، فاقتضى التدبير الكلي والحكمة الأزلية أن تظهر حقيقة الحقائق بالقدر المشترك الجامع بين علوم النبوة والولاية، بل الجامع بين العلوم كلها مرة أخرى في مظهرها الثالث؛ ليكون منصة لظهور حقائقها الجامعة المميزة بين العلوم ومراتبها، فهو يقنن قوانين، ويدون قواعد يحصل بها الامتياز التام بين علوم النبوة والولاية، بل بين العلوم المعتدة كلها من التفسير والحديث والفقه والكلام والتصوف والسلوك، فينزل كل علم منزلته، ويبلغ كل عبارة وإشارة مبلغه، وهو الكامل، المكمل، زبدة المتقدمين، قدوة المتأخرين، قطب المدققين، غوث المحققين الشيخ ولي الله المحدث الدهلوي سلمه الله سبحانه.''

(كتاب الوسيلة بحواله نزهة الخواطر:٦/٤٠٥)

....

قریب تھا کہ یہ زمانہ زمانۂ جاہلیت کے مشابہ ہوجاتا، تدبیر کلی اور حکمتِ ازلی اس کی مقتضی ہوئی کہ حقیقتِ حقائق قدرِ مشترک کے ساتھ جو علوم نبوت وولایت کی جامع ہو، بلکہ تمام علوم کی جامع ہو، پھر ایک بار اپنے مظہر ثالثہ میں نمودار ہوتا کہ وہ حقائقِ جامعہ کے لیے جو علوم اور مراتبِ علوم میں امتیاز پیدا کرنے والی ہیں منصۂ شہود کا کام دے، وہ قوانین وضع کرے، قواعد مدون کرے جن سے علومِ ولایت ونبوت میں امتیاز قائم ہوسکے، بلکہ تمام قابلِ شمار علوم تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، تصوف اور سلوک میں سے ہر علم اپنے مرتبہ اور مقام پر رہے، اور ہر عبارت اپنے مقام اور ہر اشارہ اپنے محل کو پہنچے، وہ کامل ومکمل ہستی، زبدۂ متقدمین اور قدوۂ متاخرین، قطبِ مدققین، غوثِ محققین شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سلّمہٗ اللہ سبحانہ کی ہے۔

شیخ ابو طاہر کردیؒ نے شاہ ولی اللہؒ کو جو سندِ فراغ دی ہے، اس میں موصوف کی سماعت وقرأت کا تذکرہ بھی بصراحت کیا ہے، اس سند کو شاہ ولی اللہؒ نے ''الانتباہ في سلاسل أولياء الله ووارثي أسانيد رسول الله'' کی قسم ثانی میں بعینہٖ نقل کردیا ہے، اس کتاب کا چونکہ صرف پہلا حصہ چھپا ہے، لہٰذا ہم اس سند کو یہاں نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں، اس سے ناظرین کو شاہ ولی اللہؒ اور محمد عاشق پھلتیؒ کی قدر ومنزلت کا صحیح اندازہ ہوسکے گا۔ وهو هذا:

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وكفى، وسلام على عباده الذين اصطفى، خصوصاً أكمل أنبيائه وأجل مبلّغي أنبائه سيد المرسلين، وشفيع المذنبين، وعلى آله وصحبه، وتابعيه، وحزبه، وعلينا معهم عدد خلق الله بدوام الله أرحم الراحمين.

وبعد فقد وفد علينا المدينة المنورة في أثناء سنة أربع وأربعين ومائة وألف هجرية بقصد الزيارة لنيل البشارة العلامة الأوحد، والفهامة الأمجد، الحبر الذي لايبلغ الفحول شأوه في مضمار البيان الخطير، والجهبذ الحائز قصب السبق في ميادين التقرير والتحرير، الوارث للكمالات عن أسلافه الكرام ذوي التقريب، فبلغ في شبيبه من الكمال مالايبلغه الشيب مشفوعة هذه الخصال السنية، بسر قلبي لاحت عليه أنواره، فتلألا محياه، وسرت إلى مجالسه أسراره، ألا! وهو النبيه المخبور المنوه بذكره في أعلى السطور، المطابق اسمه لمسماه مولانا الشيخ ولي الله بن العارف الرباني صاحب المكاشفات والأسرار والكرامات مولانا الشيخ عبد الرحيم لازالت هو أطل الألطاف ذراقة حافة بجنابه، وأنوار المعارف شعشعانية بقبابه، وعند ماتشرفت بلقائه، وأشرقت أضواء وفائه، طلب مني أمراً هو أحرى أن يقتبس من مشكاته وسنى هباته، وهو أن يسمع مني أو يقرأ علي من صحيح البخاري وغيره من الأصول ما يتصل به سنده إلى الجناب الرفيع فيصير في حرز منيع وإن كان في غنية عن ذلك لتحقق اتصاله الحسي والمعنوي

....

في أوانه بما تلقاه من والده وغيره من مشايخه بأوطانه، ولكن لما كان أهل الآفاق يتمنون بالأخذ عن جيران نبيه، حيث كانوا في بلده وهي منبع الشرع، ومهبط الوحي، ومحتد الدين، ولم يزالو متشرفين بمرأى ومسمع من سيد الأولين والآخرين، حداه ذلك إلى التماس ماذكر من الفقير، فتلقى جميع صحيح البخاري ما بين قراءة مني وهو يسمع وقراءة منه وأنا أسمع من أوله إلى آخره، وكان ختمه عصر يوم الأحد، ثاني عشرين شهر رجب الفرد سنة أربع وأربعين ومائة وألف هجرية بحضرة جماعة من الفضلاء، منهم: خاله المراقب في الله الشيخ عبيد الله، وابن خاله المذكور الفاضل الأديب، مرآة كماله، وخدين جميل خصاله الذي لم يزل لسانه رطباً بذكر الله الواثق بالصمد الخالق مولانا الشيخ محمد عاشق –صانه من البوائق ورقاه إلى أعلى رتب "كمال وصرف عنه كل عائق–، فلم يفتهما شئ من سماعه ولله الحمد على ما أنعم به من التمام بقطع قطاعه، ثم في اليوم الخميس السادس والعشرين من رجب –حفظه الله– بحضورهما وغيرهما شيئاً من صحيح مسلم، والترمذي، وأبي داود، وابن ماجه، وموطأ مالك، ومسند الإمام أحمد، والرسالة للشافعي، والجامع الكبير، وسمع مني مسند الحافظ الدارمي من أوله إلى آخره في عشرة مجالس كلها بالمسجد النبوي، عند المحراب العثماني، تجاه القبر الشريف، وشيئاً من الأدب المفرد للبخاري، وشيئاً من أول الشفاء للقاضي عياض، وسمع عليّ الأمم فهرس سيدي الوالد المرحوم من أوله إلى آخره مع التذييل بقراءة ابن خاله الشيخ محمد عاشق.

ولما رآني– أسمى الله قدره وأنار في سماء المجد فجره– للرواية أهلاً، وإن لم أذق بين أهلها عللاً ولانهلاً، حيث علم أنه لم يبق إلا التعليل برسوم الإسناد بعد انتقال أهل المنزل والناد، فما لايدرك كله لايترك كله، أراد لهذه الفضيلة تحصيلاً ليحيط بطريق الرواية جملةً وتفصيلاً، فأقول خجلاً ومن التقصير وجلاً: أجزت لسيدنا الشيخ ولي المذكور– ضاعف الله له الأجور، ولخاله، وابن خاله، الممجدين في أعلى السطور– بما يجوز لي وعني روايته من مقروء، ومسموع، وأصول، وفروع، وحديث ،وقديم، ومحفوظ، ورقيم، ولا أقول كما يقول غيري :إذا أجاز من قولهم بالشروط المعتبرة عند أهلها المذكورة في محلها، لعلمي أن الشروط فيه متوفرة، والقواعد بفضل الله عنده متقررة، فليرو عني ماشاء لمن شاء، وأخبره أني أخذت عن مشايخ عدة، هم في الشدائد عدة، فمن أجلهم سيدي الوالد –قدس الله سرهم–، ومنهم: سيدي العلامة بلانزاع، والعارف بلا دفاع، شيخنا الشيخ حسن بن علي العجيمي المكي الحنفي– رحمه الله–، وسيدناالشيخ أحمد النخلي، ومولانا الشيخ عبد الله بن سالم البصري المكيان الشافعيان، ولكل من المذكورين فهرس، أما فهرس سيدي

....

الوالد المسمى بالأمم، فقد حازه الشيخ المجاز بالمدينة، وأما فهرس سيدنا العجيمي، فقد أخبر أنه موجود ببلاده، وأما فهرس شيخنا النخلي، فقد عزم على تحصيله من مكة- بلغه الله من الخير كل مأمول-، وأحببت أن أكتب الأبيات التي كتبها الشيخ عبد الله بن محمد بن أبي بكر العباس المغربي، وإجازته لسيدي الوالد- رحمه الله- حيث شافهته بها وهي:

أجزتك لكن مثلك من يجيزني ... ولم يستفد مني ولكن يفيدني
بما قد سمعت من شيوخي قراءةً ... من الشيخ أو مني وهم يسمعونني
وكل الذي أرويه مما أجازني ... وناولني من بالرواية يعتني
وكل الذي حملته فحملته ... بشرط لدى أهل الحديث مبين
وما صح أني قد رويت لكم ... فأخبر به عني وحدث وعنعن
خصوصاً حديث الأولية أنني ... أجزت به من قبل كل معين
وكل الذي في جمعنا من مؤلف ... بأي فنون العلم أو من مدون
بإسناد المذكور فيه وقد كفا ... ك منه الذي اقتطفت يا خير متقن
وأكثره ساويتني فيه أنت في ... غنى عنه بل في جله أنت فقتني
وهب أنني قد فقت بالنزر فهولا ... يقارب قطعاً ما به أنت فقتني
فكم حكمة منكم تلقفتها وكم ... فلم تستفد معشار ما قد أفدتني
وما كنت أهلاً أن أجيزك إنما ... دعوت فلبيت الندا إذا دعوتني
ولو أنني استطعت امتناعاً لكنت قد ... أبيت وقِدْمًا كان ذلك ديدني
ولكن قصدي الله يعلمه ... بحيث قصدى أنني حسن الظن

ثم ساق الكلام في شيوخ حسن العجيمي، ثم كتب: قال ذلك بفمه ورقمه بقلمه أسير وصمة ذنبه، محمد أبوطاهر بن الشيخ إبراهيم بن حسن بن شهاب الدين الكردي المدني- عفا الله عنه، وختم بالحسنى- سائلاً من المجازين المذكورين أن لاينسوني من صالح دعوات تنتج حسن الختام، والفوز بالجنة دار السلام، بمنزلي بظاهر المدينة المنورة في ليلة غرة شعبان سنة ألف ومائة وأربع وأربعين هجرية-على صاحبها أفضل الصلاة وأزكى التحية-، وقد سمع مني الشيخ ولي الله المذكور سورة

....

....

الصف كما سمعتها من شيخنا الشيخ أحمد النخلي، والحديث المسلسل بأني أحبك، والحديث المسلسل بالمصافحة، وكلها مذكورة في فهرس شيخنا النخلي، وسمع مني حديث المسلسل بالأولية، وهو أول حديث سمعه مني يوم الجمعة سابع عشرين جمادى الثانية، عام تاريخه بالمسجد النبوي، وهو أول حديث سمعته من سيدي الشيخ حسن العجيمي في اليوم الذي أجازني- وهو آخر يوم من رجب ١١٠٠ هـ -بأسانيده، والحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات،انتهى.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد والصلوٰۃ

۱۱۴۴ھ کی بات ہے کہ ہمارے ہاں مدینہ منورہ میں زیارت کی سعادت حاصل کرنے کے لیے ایک ایسی شخصیت آئی جو یکتاءِ روزگار، علامۂ زمان، محقق دوران، میدان خطابت کے بے تاج بادشاہ، اور میدانِ تحریر وتقریر کے شہسوار، اپنے عظیم اسلاف کے کمالات کا وارث، اور ایسے بلند پایہ کمالات کو جوانی میں حاصل کرنے والے جن کو پانے سے بڑے سن رسیدہ عاجز ہیں، اور جامع صفات ان کی گھٹی میں رکھی ہے، اِن پراُن کے فضل کا نور ظاہر ہوا، اور ہر طرف ان کی روشنی پھیلی، ماہِ تابان کی طرح چمکتا دمکتا چہرہ۔

جی ہاں! یہ عالم ربانی، صاحبِ کشف وکرامات مولانا شیخ عبدالرحیم کے فرزندار جمند، اسم بامسمّٰی مولانا شیخ ولی اللہ کا ذکر خیر ہے، اللہ کرے کہ الطاف کے سائے ان پر چھائے رہیں، اور معارف کی روشنی ان کے فضل سے پھیلتی رہے۔

جب مجھے ان کی ملاقات کا شرف حاصل ہوا تو انہوں نے مجھ سے ایک ایسے کام کا مطالبہ کیا جو ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ یہ روشنی ان سے لی جاتی، اور ان کے منور علوم سے یہ اجالا حاصل کیا جاتا، انہوں نے مجھ سے درخواست کی کہ وہ صحیح بخاری اور دیگر حدیث کی بنیادی کتابیں مجھ سے پڑھیں یا سنیں، تاکہ ان کی سند جناب رسول اللہ ﷺ تک متصل ہو جائے، جس کی وجہ سے وہ محفوظ علمی قلعہ میں ہو جائے، اگر چہ وہ اس (اجازت لینے) سے مستغنی تھا (اس کو ضرورت نہیں تھی) کیونکہ ان کو اپنے وطن میں اپنے والد اور دیگر شیوخ سے متصل سند حاصل ہے حسّی (فاروقی) بھی اور معنوی بھی۔

لیکن چونکہ اطراف عالم سے آنے والوں کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ وہ شریعت کے منبع، اور مہبط وحی مدینہ منورہ کے ساکنان اور رسول اللہ ﷺ کے ہمسایہ سے علم حاصل کر لیں، جو کہ رسول اللہ ﷺ کے قرب وجوار میں آباد ہیں، تو اس بات نے شیخ کو مجھ سے مذکورہ التماس کرنے کی طرف رغبت دلائی۔

چنانچہ انہوں نے مجھ سے پوری صحیح بخاری پڑھی، کبھی وہ پڑھتے میں سنتا اور کبھی میں پڑھتا وہ سنتے، اسی طرح ۲۲

....

رجب ۱۱۴۴ھ کو بروز پیر بوقت عصر بخاری شریف ختم ہوئی، درس میں فضلاء کی ایک جماعت نے شرکت کی، جن میں ان کے ماموں شیخ عبید اللہ، اور ان کے مذکورہ ماموں کے فرزند ارجمند، آئینۂ کمالات، صاحب نسبت، باکمال شخصیت کے مالک اپنے صمد خالق پر یقین رکھنے والے، اللہ کے ذکر میں ہمیشہ رطب اللسان رہنے والے، جناب مولانا شیخ محمد عاشق بھی تھے، اللہ ان کو شرور سے محفوظ رکھے، اور ان کو اعلیٰ مراتب کمال پر پہنچائے، اور ان سے ہر قسم کی رکاوٹ کو دور فرمائے، ان سے کوئی درس نہیں چھوٹا، پوری بخاری سنی، الحمد للہ۔

پھر بروز جمعرات ۲۶ رجب کو ان حضرات اور چند دیگر حضرات کی موجودگی میں مندرجہ ذیل کتب حدیث کے اوائل سنے، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، موطأ مالک، مسند احمد، الرسالۃ للشافعی اور جامع کبیر۔

نیز مسند دارمی بھی اول سے آخر تک دس مجالس میں مجھ سے سنی، مذکورہ بالا تمام کتابوں کا درس مسجد نبوی میں محراب عثمانی کے پاس قبر شریف کے سامنے ہوا، اس کے علاوہ امام بخاری کی ادب مفرد اور شفاء قاضی عیاض کا ابتدائی حصہ بھی مجھ سے سنا، اور "الأمم لإیقاظ الهمم" کی فہرست جو میرے والد صاحب کی ہے وہ بھی مجھ سے سنی، ان کے ماموں زاد شیخ محمد عاشق بھی کبھی کبھی سناتے تھے۔

اور جب انہوں نے مجھے روایت کا اہل سمجھا (اللہ تعالیٰ ان کی قدر و منزلت کو بڑھائے) حالانکہ میں اس کا اہل نہیں تو انہوں نے اس فضیلت کو حاصل کرنے کا ارادہ کیا تا کہ وہ روایت کے اجمالی اور تفصیلی طرق کا احاطہ کرے۔

پس میں شرماتے ہوئے اور اپنی کوتاہی و تقصیر سے ڈرتے ہوئے کہتا ہوں کہ میں نے فاضل شیخ ولی اللہ اور ان کے ماموں زاد قابل ذکر حضرات کو اپنے شیوخ سے پڑھی ہوئی اور سنی ہوئی کتابوں اصول و فروع اور جدید و قدیم کی اجازت دیدی، جن کی مجھ کو اپنے شیوخ سے اجازت حاصل ہے۔

اور میں یہ نہیں کہتا، جیسا کہ دوسرے لوگ اجازت دیتے وقت کہتے ہیں کہ معتبر شروط کے ساتھ جو کہ اہل علم کے نزدیک ملحوظ ہیں (یہ میں اس لیے نہیں کہتا) کیونکہ شروط و قواعد ان کو معلوم ہیں، اور یہ ان کو "خوب" سمجھتے ہیں، پس ان کو اجازت ہے کہ وہ میری طرف سے جو خواہشمند ہو، اسے روایت حدیث کی اجازت عنایت فرمائیں، اور میں ان کو بتانا چاہتا ہوں کہ مجھے کئی اور بھی شیوخ سے اجازت حدیث حاصل ہے، ان شیوخ میں نمایاں میرے والد ماجد ہیں، اور مانے ہوئے علامہ شیخ حسن بن علی عجیمی مکی حنفی، اور شیخ احمد نخلی مکی، اور شیخ عبداللہ بن سالم مکی، اور مذکورہ حضرات میں سے ہر ایک کی فہرست ہے، اور میرے والد صاحب کی فہرست جو "الأمم لإیقاظ الهمم" کے نام سے موسوم ہے، اور ان کو مدینہ میں ملی ہے۔ اور حضرت عجیمی کی فہرست ان کے علاقے میں موجود ہے جیسا کہ انہوں نے بتایا، اور حضرت نخلی کے ثبت (فہرست) کہ

....

مکہ مکرمہ سے حاصل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، اللہ ان کو خیر کے ہر اس مقصد میں کامیاب کرے جس کا یہ ارادہ کر رہے ہیں۔

اور میں یہاں پر وہ ابیات بھی نقل کرنا چاہتا ہوں جن کو شیخ عبداللہ بن محمد بن ابی بکر عباس مغربی نے (جب کہ وہ میرے والد صاحب کو اجازت دے رہے تھے) لکھا ہے، اور وہ ابیات یہ ہیں:

میں نے آپ کو اجازت دی حالانکہ تم جیسے مجھے اجازت دیتے ہیں، وہ مجھ سے فائدہ نہیں حاصل کر رہے بلکہ مجھے فائدہ پہنچا رہے ہیں، ان تمام مرویات کی اجازت جو میں نے اپنے مشائخ سے سنی یا پڑھی ہیں، اور ان تمام مرویات کی بھی اجازت دے رہا ہوں جن کی اجازت مجھے کسی معتمد شیخ سے حاصل ہے، یا انہوں نے مجھے مناولۃً دی ہیں، جن احادیث کی میں نے روایت کی ہے تو آپ لوگوں کو وہ احادیث سنایئے، پڑھایئے اور عن کے ذریعہ بیان کیجئے، خصوصاً حدیث اولیۃ، کہ آپ سے پہلے ہر طالب علم کو اس کی اجازت دے چکا ہوں، اور ہماری فہرست میں جو بھی مؤلف یا مدون کسی بھی فن میں ہے، اس کی مذکور اسناد کے ساتھ آپ کو اجازت ہے، اور جو کچھ آپ نے اس کا پھل حاصل کیا ہے وہ آپ کو کافی ہے، بہت ساروں میں سے آپ میرے برابر ہیں، بلکہ اکثر میں آپ مجھ سے فوقیت لے گئے ہیں، اور فرض کر لیجئے کہ میں تھوڑے میں فائق ہوں، تو وہ اس کے قریب بھی نہیں جس میں آپ مجھ سے فائق ہیں، اور کتنی حکمت کی باتیں ہیں جو مجھے آپ سے حاصل ہوئی ہیں، تو جو فائدہ آپ نے مجھے دیا اس کا عشر عشیر بھی آپ کو پیش نہ کر سکا، ہرگز آپ کو اجازت دینے کا اہل نہ تھا، البتہ آپ نے آواز دی تو میں نے آپ کی آواز پر لبیک کہا، اگر میں انکار کر سکتا تو ضرور کرتا لیکن میری عادت ہی انکار کی نہیں۔

پھر حضرت عجیمی کے شیوخ کا ذکر کیا، پھر اس کے بعد لکھا، اس کو اپنے زبان سے کہا، اور اپنے قلم سے لکھا، اپنے گناہوں کے اسیر محمد ابو طاہر بن شیخ ابراہیم بن حسن بن شہاب الدین کردی عفا اللہ عنہ نے، مذکورہ مجازین سے درخواست ہے کہ وہ مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں، جس کے نتیجے میں حسن خاتمہ اور جنت نصیب ہوتی ہے، اور یہ اجازت میں نے ان حضرات کو مدینہ منورہ میں اپنے گھر پر شب یکم شعبان ۱۱۴۴ھ کو دی، اور شیخ ولی اللہ مذکور نے مجھ سے سورۃ الصف بھی سنی جیسے کہ میں نے شیخ احمد نخلی سے سنی تھی، اور حدیث مسلسل بأني أحبك اور حدیث مسلسل بالمصافحہ بھی سنی، اور یہ تمام احادیث شیخ نخلی کی فہرست میں موجود ہیں، اور حدیث "مسلسل بالأولیۃ" بھی مجھ سے سنی، اور وہ سب سے پہلی حدیث ہے جو انہوں نے مجھ سے سنی بروز جمعہ ۲۷ جمادی الثانیہ مسجد نبوی میں، اور وہ پہلی حدیث ہے جس میں شیخ حسن عجیمی سے رجب کے آخری دن ۱۱۰۰ھ میں سنی تھی جس دن انہوں نے مجھے اجازت دی تھی، والحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات۔

....

شیخ مظہر جانجاناںؒ کا قول ہے:

''إن الشيخ ولي الله قد بين طريقة جديدة، وله أسلوب خاص في تحقيق أسرار المعارف، وغوامض العلوم، وأنه رباني من العلماء، ولعله لم يوجد مثله في الصوفية المحققين الذي جمعوا بين علمي الظاهر والباطن، وتكلموا بعلوم جديدة إلّا رجال معدودون.'' (نزهة الخواطر:٦/٤٠٥)

شاہ ولی اللہؒ نے نیا طریقہ بیان فرمایا، اسرار معارف وحقائقِ علوم کی تحقیق میں ان کا خاص ڈھنگ ہے، وہ ربانی علماء میں سے ہیں، ان کی مثل محققین صوفیہ میں جو علومِ ظاہری وباطنی کے جامع ہوں اور نئے علوم کے ساتھ نئے انداز سے کلام کیا ہو، معدودے چند ہی ہیں۔

شیخ محسن ترہتی کا بیان ہے کہ ان کے شیخ فضل حق خیر آبادی نے جب ''إزالة الخفاء'' کا مطالعہ کیا تو فرمایا:

''إن الذي صنف هذا الكتاب لبحر زخّار لايرى له ساحل.'' (الیانع الجنی برحاشیہ کشف الأستار)

جس نے یہ کتاب لکھی ہے وہ ناپیدا کنار بحرِ زخّار ہے۔

مفتی عنایت احمد کاکورویؒ فرماتے تھے:

''إن الشيخ ولي الله مثله كمثل شجرة طُوبى، أصلها في بيته، وفرعها في كل بيت من بيوت المسلمين، فما من بيت ولامكان من بيوت المسلمين وأمكنتهم إلّا وفيه فرع من تلك الشجرة، لايعرف غالب الناس أين أصلها؟'' (نزهة الخواطر:٦/٤٠٦)

مولانا شاہ ولی اللہؒ کی مثال ایک ایسے عمدہ درخت کی ہے، جس کی جڑ گھر میں ہے، اوراس کی شاخیں مسلمانوں کے گھر گھر میں موجود ہیں، مسلمان کا کوئی گھر اور کوئی جگہ ایسی نہیں ہے، جس میں اس درخت کی شاخ نہ ہو، اکثر لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کی جڑ کہاں ہے۔

ہندوستان میں چراغِ حدیث:

نواب صدیق حسن خان قنوجیؒ ''الحطة في ذكر الصحاح الستة'' (ص:۷۰) میں رقمطراز ہیں:

''ثم جاء الله سبحانه وتعالى من بعدهم بالشيخ الأجل، والمحدث الأكمل، ناطق هذه الدورة وحكيمها، وفائق تلك الطبقة وزعيمها، الشيخ ولي الله بن عبد الرحيم الدهلوي ...... وكذا بأولاده الأمجاد، وأولاد أولاده أولي الإرشاد، المشمرين لنشر هذا العلم عن ساق الجد والاجتهاد، فعاد بهم علم الحديث غضاً طرياً بعد ما كان شيئاً فرياً، وقد نفع الله بهم وبعلومهم كثيراً من عباده المؤمنين،

....

ونفي بسعيهم المشكور من فتن الإشراك والبدع ومحدثات الأمور في الدين، ما ليس يخاف على أحد من العالمين، فهؤلاء الكرام قد رجحوا علم السنة على غيرها من العلوم، وجعلوا الفقه كالتابع له والمحكوم، وجاء تحديثهم حيث يرتضيه أهل الرواية، ويبغيه أصحاب الدراية، شهدت بذلك كتبهم وفتاوٰهم، ونطقت به زبرهم ووصاياهم، ومن كان يرتاب في ذلك فليرجع إلى ماهنالك، فعلى الهند وأهلها شكرهم مادامت الهند وأهلها.''

پھر حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان کے بعد شیخ اجل، محدثِ اکمل، ناطق دوراں اور حکیمِ زماں، فائقِ معاصرین اور زعیمِ عصر، شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم دہلوی کو بھیجا، اور اس طرح ان کی پاکیزہ اور بزرگ اولا د واحفاد صاحب ارشاد کو بھیجا، جنہوں نے بڑی سرگرمی اور جانفشانی سے اس علم کی اشاعت کی، جس کی وجہ سے علمِ حدیث موجبِ حیرت ہونے کے بعد از سرِ نوتر وتازہ ہوگیا، اللہ تعالیٰ نے ان سے اور ان کے علوم سے مسلمان بندوں کو بڑا فائدہ پہنچایا، اور ان کی قابلِ قدر کوششوں سے شرک وبدعت کے فتنوں سے اور دین میں نت نئے امور سے (جن کا دنیا میں کسی کو خوف نہیں تھا) پاک کیا، یہی وہ نفوس قدسیہ ہیں جنہوں نے علوم سنت کو دیگر علوم پر ترجیح دی، اور فقہ کو سنت کے تابع اور محکوم بنایا، اس طرح سے حدیث کا درس دیا کہ اہلِ روایت کو خوش کر دیا، اور اہلِ درایت کو بھی اس کا دلدادہ بنایا، اِس پر ان کی کتابیں اور فتوے شاہد ہیں، اُن کی تحریریں بول رہی، اُن کی وصیتیں اِس کو بتا رہی ہیں، جس کو اس میں شک ہے وہ ان کو اٹھا کر دیکھ لے، جب تک ہند اور اہلِ ہند موجود ہیں اُن پر اُن کا شکر گذار ہونا واجب ہے۔

نواب صدیق حسن خان قنوجی ''إتحاف النبلاء المتقين بإحياء مآثر الفقهاء المحدثين'' (ص: ۴۳۰ طبع کانپور ۱۲۸۸ھ) میں رقمطراز ہیں:

''انصاف این است کہ اگر وجودِ او در صدرِ اول وزمانۂ ماضی می بود امام الائمہ وتاج المجتہدین شمردہ می شد، ثنائے علمائے عصر ومشائخ آں بروے چندان است کہ ایں مختصر نقلِ آں را برنمی تابد، جمعے بیشمار از حاشیۂ بساطِ او تبحر تام در علومِ ظاہر وباطن حاصل نمودند، وباعلائے مدارج کمالاتِ صوری ومعنوی فائز شدند، خصوصا اولا د واحفادِ او کہ ہر یکے از ایشاں بی نظیر وقت، وفریدِ دہر، ووحیدِ عصر در علم وعمل وعقل وفہم وقوتِ تقریر وفصاحتِ تحریر وتقوی ودیانت وامانت ومراتب ولایت بود، وہمچنیں اولادِ اولاد، بیت:

ایں خانہ تمام آفتاب ست ایں سلسلہ از طلائے ناب ست''

انصاف کی بات یہ ہے کہ اگر ان کا وجود صدرِ اول اور گزشتہ زمانے میں ہوتا تو امام الائمہ اور سرتاج مجتہدین میں

....

ان کا شمار ہوتا، علمائے روزگار اور مشائخ عصر نے ان کی ایسی تعریف کی ہے کہ اس مختصر میں اس کو نقل نہیں کیا جاسکتا، بیشمار علماء نے علوم ظاہری و باطنی میں ان سے تبحر حاصل کیا، اور کمالاتِ صوری و معنوی کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہوئے، خاص طور سے ان کی اولاد و امجاد کہ ان میں سے ہر ایک علم وعمل، فہم وفراست، زورِ تقریر اور فصاحتِ تحریر، تقویٰ، دیانت وامانت اور مراتب وولایت میں یگانۂ روزگار، لاثانیِ وقت اور یکتائے زمانہ تھا، اس طرح ان کے پوتے تھے، شعر:

ایں خانہ تمام آفتاب است ایں سلسلہ از طلائے ناب است

محسن ترہتی "اليانع الجني في أسانيد الشيخ عبد الغني" (ص:۸۴) میں لکھتے ہیں:

"نشر أعلامه، وأخفق لوائه، وجدد معالمه، حتى سلم الناس له أعشار الفضل، ورأوه رئيس المحدثين، ونعم الناصر لسنن سيد المرسلين، وهذه فضيلة له لايختلف فيها اثنان، ولا يجحد بها أعداؤه، فما ظنك ...... ولم يتفق لأحد قبله ممن كان يعتني بهذا العلم من أهل قطره ما اتفق له ولأصحابه من رواية الأثر وإشاعته في الأكناف البعيدة، ولم يقدر الله ذلك لغيرهم، فتلك فضيلة خباها الله له، وأظهرها على يديه، وأيدي من تبعه من حملة الآثار ونقلة الأخبار، ولقد كان قبله علماء أجلة نبلاء، طالما اشتغلوا بهذا العلم غير أن لم يقم بهم أصحابهم من بعدهم فانمحت آثارهم واندرست ...... فلا ترى لهم بين الناس إسناداً ...... وأما أبو عبد العزيز فمسندهم، به يصولون وعليه يعولون ...... أفلت شموس الأولين وشمسنا أبدا على أفق العلى لاتغرب ."

شاہ ولی اللہؒ نے حدیث کے جھنڈے اڑائے، اور ان کو لہرایا، اور اس کے نشانات کو از سرِ نو ابھارا، اس کی رونق کو دوبالا کیا، یہاں تک کہ لوگوں نے ان کے علم وفضل کو تسلیم کیا اور وہ محدثین کے سردار اور سردار انبیاء کی سنتوں کے بہترین مددگار ہوگئے، اور ان کی یہ فضیلت ایسی ہے جس میں کسی دو شخصوں کا بھی اختلاف نہیں، اور ان کے دشمنوں کو بھی اس سے انکار نہیں تو اب تمہارا کیا خیال ہے؟...... حالانکہ اہل ہند میں ان کے پیشرو میں سے جنہوں نے اس علم سے اعتناء کیا کسی کو ایسا اتفاق نہیں ہوا جیسا ان کو اور ان کے شاگردوں کو روایتِ حدیث کا اور اس کی نشر واشاعت کا اتفاق ہوا، یہ اللہ تعالیٰ نے ان کے سوا اوروں کے لیے مقدر نہیں کیا تھا، بس یہ ایک ایسی فضیلت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مخصوص فرمائی، اور اس کو ان کے ہاتھوں ظاہر فرمایا، اور ان کے متبعین حاملینِ حدیث اور ناقلین اخبار نے اس کو ظاہر کیا، ان سے پیشتر بڑے بڑے علماء گذرے، اور ان کا اس علم کے ساتھ بہت شغف رہا، لیکن ان کے بعد ان کے شاگردوں نے اس سلسلہ کو قائم نہیں رکھا، ان کے آثار مٹ گئے اور نشان باقی نہیں رہے، یہی وجہ ہے کہ تم ان کے سلسلۂ سند کا چلن نہیں پاتے

....

اورنشان بھی نہیں رہے، یہی وجہ ہے کہ تم آج ان کی اسانید نہیں دیکھتے ہو،لیکن شاہ ولی اللہ کی اسناد کا سلسلہ جاری ہے، لوگوں کا اس پر اعتماد ہے اس کے لیے کوشاں ہیں، پہلوں کا آفتاب ڈوب چکا، ہمارا آفتاب اُفق پر بلند ہے، وہ غروب نہیں ہوتا۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی ''التعليق الممجد على موطأ الإمام محمد'' میں رقمطراز ہیں:

''وله تصانيف كثيرة، كلها تدل على أنه كان من أجلة النبلاء، وكبار العلماء، موفقا من الحق سبحانه بالرشد والإنصاف، متجنبا عن التعصب والاعتساف، ماهراً في العلوم الدينية، متبحراً في المباحث الحديثية.''(ص:۲۶)

ان کی تصانیف اِس امر پر شاہد ہیں کہ وہ جلیل القدر، عظیم المرتبت اور بڑے علماء میں سے تھے، حق پسندی وانصاف اور رُشد وہدایت کی انہیں حق کی طرف سے توفیق ارزانی ہوئی تھی، وہ ظلم وتعصب سے گریزاں اور علومِ دینیہ میں ماہر تھے اور مباحثِ حدیث میں ماہر تھے۔

مولانا سید عبدالحی الحسنی نے ''نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر'' (۳۹۸/۶ طبع حیدرآباد دکن ۱۳۷۶ء) میں موصوف کا تذکرہ اِن الفاظ سے شروع کیا ہے:

''الشيخ الإمام الهمام، حجة الله بين الأنام، إمام الأئمة، قدوة الأمة، علامة العلماء، وارث الأنبياء، آخر المجتهدين، أوحد علماء الدين، زعيم المتضلعين بحمل أعباء الشرع المتين، محي السنة، ومن عظمت به لله علينا المنة، شيخ الإسلام قطب الدين أحمد ولي الله بن عبد الرحيم بن وجيه الدين العمري الدهلوي.''

وفات:

۶۳ سال کی عمر میں ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۳ء میں انتقال ہوا، تاریخ وفات ''مقتدائے دقیقہ شناس'' سے معلوم ہوتی ہے، دہلی میں مہدیوں کے قبرستان میں اپنے والد کے پاس مدفون ہیں۔

تالیفات:

موصوف کی تالیفات میں حسب ذیل کتابیں مشہور ہیں:

۱۔ فتح الرحمن في ترجمة القرآن، ۲۔ الفوز الكبير في أصول التفسير، ۳۔ فتح الخبير بما لا بد من حفظه في علم التفسير، ٤۔ تأويل الأحاديث في رموز قصص الأنبياء، ٥۔ مصفّٰى في أحاديث موطأ، ٦۔ المسوّى من الموطأ.

موطأ امام مالک کی ان دونوں شرحوں کے متعلق شاہ عبدالعزیزؒ ''بستان المحدثين في تذكرة كتب

....

الحدیث والمحدثین'' (ص:۲۹،طبع نصرت المطابع دہلی) میں لکھتے ہیں:

''حضرت شیخنا وقدوتنا فی کل العلوم والأمور ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہ العزیز دوشرح نوشتہ اند بر احادیث وآثار موطأ بروایت یحییٰ بن یحییٰ اللیثی واقوال امام مالک وبعضی بلاغیات ایشاں را حذف فرمودہ، اول کہ خیلے دقیق ومجتہدانہ است بزبان فارسی نام او ''مصفی في أحاديث الموطأ'' ودوم کہ مختصر است ودرآن اکتفا بر بیانِ مذاہبِ فقہاءِ حنفیہ وشافعیہ فرمودہ اند، وقدری ضروری از شرحِ غریب وضبطِ مشکل داخل نمودہ مسمی بہ ''مسوی من حديث الموطأ'' وراقم الحروف ایں شرح از ایشاں بضبط واتقان شنیدہ است۔''

ہمارے شیخ، تمام علوم واُمور میں ہمارے پیشوا جناب ولی اللہ دہلوی قدس سرہ العزیز نے بھی اس موطأ کے حدیث وآثار کی (جو بروایت یحییٰ بن یحییٰ لیثی مروی ہیں) دوشرحیں لکھی ہیں، مگران میں امام مالکؒ کے اقوال اوران کی بعض بلاغات کوحذف کیا ہے، پہلی شرح کچھ دقیق اور مجتہدانہ رنگ میں اورفارسی زبان میں ہے، اس کا نام ''مصفّٰی في أحاديث الموطأ'' ہے، اوردوسری شرح مختصر ہے، اس میں صرف فقہاءِ حنفیہ اورشافعیہ کے مذاہب بیان کرنے پر اکتفاء کیا ہے، اور کچھ ان ضروری امور کا بھی (جوضبطِ مشکل اورشرحِ غریب سے تعلق رکھتے ہیں) اضافہ کرکے ''مسوی من أحاديث الموطأ'' نام رکھا، راقمِ حروف نے اس شرح کوان سے ضبط واتقان کے ساتھ سُنا ہے۔

۷۔ شرح تراجم أبواب صحيح البخاري، ۸۔ حجة الله البالغة .

شاہ ولی اللہؒ کی تصانیف میں ''حجۃ اللہ البالغہ'' بڑی معرکہ کی کتاب ہے، اوران کے علوم کی جامع ہے۔

اس کی جامعیت اور اہمیت کا اندازہ شاہ عبدالعزیزؒ کے اس مکتوب سے ہوسکتا ہے جوموصوف نے امیر حیدر بلگرامی کے نام لکھا ہے، وہ ہدیۂ ناظرین ہے:

''كتاب حجة الله البالغة التي هي عمدة تصانيفه في علم أسرار الحديث، لم يتكلم في هذا العلم أحد قبله على هذا الوجه من تأصيل الأصول، وتفريع الفروع، وتمهيد المقدمات، والمبادي، واستنتاج المقاصد منها إلى المجلس والنادي، وإنما يستنشم نفحات قليلة من هذا العلم في كتاب "إحياء العلوم" للغزالي، وكتاب "القواعد الكبرى" للشيخ عز الدين بن عبد السلام المقدسي، وربما يوجد بعض فوائد هذا العلم في مواضع من "الفتوحات المكية" للشيخ الأكبر و"الكبريت الأحمر" للشيخ ابن العربي الشعراني، وكذا مؤلفات تلميذه الشيخ الكبير الشيخ صدر الدين القونوي- قدس سرهما- وقد جمعها الشيخ عبد الوهاب الشعراني في كتاب "الميزان" انتهى. (مکتوب شاہ عبدالعزیز بحوالہ نزہۃ الخواطر:۶/۴۰۲-۴۰۳)

....

....

کتاب حجۃ اللہ البالغہ اسرارِ حدیث کے بیان میں شاہ ولی اللہؒ کی تصانیف میں شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے، ان سے پیشتر اس موضوع پر کسی نے اس انداز سے کلام نہیں کیا ہے کہ اصول کی اصل بتائی ہو، فروع کا استنباط کیا ہو، مقدمات اور مبادی کو مرتب کیا ہو، اوران سے مقاصد کا استخراج کر کے اہل علم کی مجلس میں پیش کیا ہو، اس علم کی کچھ یونہی سی مہک غزالیؒ کی کتاب ''احیاء العلوم'' شیخ عزالدین بن عبدالسلام مقدسی کی کتاب ''قواعد الکبری'' میں، اور کبھی کبھی اس علم کے بعض فوائد شیخ اکبر کی ''فتوحات مکیہ'' اور ''کبریت احمر فی بیان علوم الشیخ الاکبر'' از شعرانی میں کہیں کہیں مل جاتے ہیں، اور اس طرح ابن عربی کے تلمیذ شیخ کبیر صدرالدین قونوی قدس سرہما کی تالیفات میں بھی پائے جاتے ہیں، ان فوائد کو شیخ عبد الوہاب شعرانیؒ نے ''کتاب المیزان'' میں جمع کیا ہے، (واضح رہے شاہ ولی اللہ کی اسرارِ حدیث سے متعلق باتیں زیادہ تر علامہ طیبی کی شرح مشکوٰۃ سے ماخوذ ہیں، موصوف بلاغت کے ضمن میں اسرارِ حدیث بھی بیان کرجاتے ہیں)۔

نواب صدیق حسن خان ''حجة الله البالغة'' کے متعلق ''إتحاف النبلاء'' (ص:۱۷) میں رقمطراز ہیں:

''ایں کتاب اگر چہ در علمِ حدیث نیست، اما شرح احادیث بسیار درآں کردہ، وحکم اسرارِ آں بیان نمودہ، تا آنکہ در فنِ خود غیر مسبوق الیہ واقع شدہ، ومثل آں دریں دوازدہ صد سالِ ہجرت از ہیچ یکے از علمائے عرب وعجم تصنیفے بوجود نیامدہ۔''

یہ کتاب اگر چہ علمِ حدیث میں نہیں ہے، لیکن اس میں بہت سی حدیثوں کی شرح کردی ہے، اور حدیث کے اسرار اور حکمتوں کو بیان کیا ہے، یہاں تک کہ یہ کتاب اپنے فن کی پہلی کتاب ہے، اس کے جیسی کتاب بارہ سو سال کے اندر عرب وعجم کے علماء میں سے کسی ایک نے بھی تصنیف نہیں کی ہے۔ (یہ بات درست نہیں ہے، سید عبدالحی لکھنوی یادِ ایام میں ۵۳ میں لکھتے ہیں: شیخ علی مہائمی کی کتاب ''إنعام الملك العلام'' اسرارِ شریعت کے علم میں ہے، اور گمان غالب ہے کہ اس فن میں سب سے پہلی تصنیف ہے)۔

حجۃ اللہ البالغہ کا اردو ترجمہ وشرح مولانا سعید احمد پالن پوری نے کی ہے جو پاکستان کراچی سے بھی زمزم پبلشرز نے چار جلدوں میں شائع کیا ہے۔

۹۔ البدور البازغة، ۱۰۔ إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء، ۱۱۔ التفهيمات الإلهية، ۱۲۔ الخير الكثير، ۱۳۔ فيوض الحرمين، ۱۴۔ الإنصاف في بيان سبب الاختلاف، ۱۵۔ عقد الجيد في بيان أحكام الاجتهاد والتقليد، ۱۶۔ قرة العينين في تفضيل الشيخين، ۱۷۔ أنسان العين في مشايخ الحرمين، ۱۸۔ الدر الثمين في مبشرات النبي الأمين، ۱۹۔ أنفاس العارفين، ۲۰۔ القول الجميل، ۲۱۔ ألطاف القدس، ۲۲۔ همعات، ۲۳۔ سرور المحزون، ۲۴۔ الانتباه في سلاسل أولياء الله،

ملکہ پیدا ہو گیا اس کے بعد رسمی طور سے ان کے بہترین دوستوں، جیسے شاہ محمد عاشق پھلتی، (۱)

۲۵۔ الجزء اللطيف في ترجمة العبد الضعيف، ۲۶۔ ديوان أشعار عربي، اس کا ایک فوٹو راقم سطور کے ذاتی کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

مذکورہ بالا تمام کتابیں زیورِ طبع سے آراستہ ہیں۔

موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: الجزء اللطيف في ترجمة العبد الضعيف، كلمات طيبات: ۱۵۸، اليانع الجني في أسانيد الشيخ عبد الغني: ۷۹، التعليق الممجد على موطأ الإمام محمد: ۲۶، إتحاف النبلاء: ۴۲۸، أبجد العلوم، حدائق الحنفية از فقیر محمد جہلمی: ۴۴۷، حیات ولی از رحیم بخش دہلوی، هدية العارفين: ۲/ ۵۰۰، نزهة الخواطر: ۶/ ۳۹۸، فهرس الفهارس: ۲/ ۴۳۷، تقصار جيود الأحرار: ۱۰۷، "الفرقان" شاه ولى الله نمبر، خزينة الأصفياء، تذكره علماء حق: ۱۶۱، تذكره علماء هند: ۲۵۰.

(۱) **محمد عاشق الٰہی پھلتی**

محمد عاشق بن عبید اللہ بن محمد صدیقی پھلتی (پھلت، کھاتولی ضلع مظفر نگر میں ایک چھوٹی سی بستی ہے، یہیں شاہ ولی اللہؒ کے بڑے بھائی شاہ اہل اللہ کا مزار ہے، راقم بھی ان کے مزار پر کئی مرتبہ حاضر ہوا ہے) موصوف شاہ ولی اللہؒ کے ممیرے بھائی تھے، بچپن سے علم کا شوق تھا، شاہ صاحبؒ سے علومِ ظاہری و باطنی کی تکمیل کی تھی، ۱۱۴۴ھ میں حج و زیارت سے فارغ ہو کر شاہ ولی اللہؒ کے ساتھ حرمین میں شیخ ابو طاہر کردی مدنی وغیرہ سے حدیث پڑھی، سند حاصل کی، اور علم معرفت میں وہ مقام حاصل کیا جو شاہ صاحبؒ کے شاگردوں میں کسی اور کو حاصل نہیں ہو سکا، شاہ صاحبؒ کے نہایت اَدا شناس اور اسرار و رموز کے ترجمان، اور قدر دان یہی تھے، مدنی شیخ ابو طاہر کردیؒ نے جو سند شاہ صاحب کو عطا کی تھی، اس میں موصوف کے متعلق یہ لکھا ہے: "إنه مرآة كماله، وخدين جميل خصاله" موصوف ان کے کمال کا آئینہ اور ان کے خصائلِ نیک کا رخسار ہیں۔

شاہ ولی اللہؒ ان کو مخاطب فرما کر کہتے ہیں:

يحدثني نفسي بأنك واصل — إلى نقطة قصواء وسط المراكز
وإنك في تيك البلاد مفخم — يكفيك يوماً كل شيخ وناهز

اور خواجہ محمد امین (۱) ولی اللّٰہی سے بھی اجازت حاصل ہے۔

شاہ محمد عاشق پھلتی، شیخ ابو طاہر قدس سرہ اور دوسرے مشائخ حرمین شریفین سے قرأت اور سماعت میں حضرت والد کے شریک رہے ہیں، اور والد ماجد قدس سرہ نے ہندوستان میں بعض حدیث کی کتابوں، مثلاً مشکوٰۃ اور صحیح بخاری اپنے والد بزرگوار (۲) سے پڑھی تھیں، اور بطریقِ درایت اس علم کو حاصل کیا تھا،..................

نیز دعاء الاعتصام کی شرح پر تقریظ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

ليهنك ما أوفيت ذروة حقه	من الفحص والتفتيش والفهم والفكر
وبحثك عن طي العلوم ونشرها	ونظمك للأصناف الجواهر والدرر
وحفظك للرمز الخفي مكانه	وخوضك بحراً زاخراً أيما بحر
فلله ما أوتيت من حلل المنى	ولله ما أعطيت من عظم الفخر

شاہ رفیع الدینؒ اور سید ابو سعید بریلویؒ وغیرہ نے ان ہی سے حدیث پڑھ کر سند لی تھی، ۱۱۸۷ھ میں انتقال ہوا۔

موصوف کی تصانیف میں سے دو کتابیں مشہور ہیں:

۱- سبیل الرشاد، یہ فارسی زبان میں تصوف پر نہایت اچھی اور مبسوط کتاب ہے۔

۲- القول الجلی فی مناقب الولی، شاہ ولی اللہؒ کے حالات میں نہایت قدیم تالیف ہے، یہ دہلی سے شائع کی گئی ہے، اور اس کا اردو ترجمہ بھی شائع کرایا گیا ہے۔

موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: نزهة الخواطر:۶/۳۲۸-۳۳۰ اور الخیر الکثیر از شاہ ولی اللہ:۱٤-۱٦، تذکرہ علماء حق:۰،۱٥۰.

(۱) محمد امین کشمیریؒ

خواجہ محمد امین کشمیری ثم دہلوی، شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے نہایت ممتاز شاگردوں میں سے تھے، جنہیں اپنے استاد سے انتساب پر بہت فخر تھا، اور اس نسبت سے مشہور تھے، شاہ ولی اللہؒ نے بعض رسالے ان کی خاطر تصنیف کئے تھے، شاہ عبد العزیزؒ نے والد ماجد کے انتقال کے بعد ان سے حدیث کی اجازت لی تھی، ۱۱۸۷ھ میں انتقال ہوا۔

موصوف کے حالات کے لیے دیکھو: نزہۃ الخواطر:۶/۲۸۶۔

(۲) شاہ عبد الرحیمؒ

شاہ عبد الرحیم بن وجیہ الدین عمری دہلوی، علمِ معقول ومنقول کے جامع اور نقشبندی سلسلہ کے جلیل القدر بزرگوں میں سے تھے، موصوف دہلی میں پیدا ہوئے، اور یہیں تعلیم وتربیت ہوئی، ابتدائی درسی کتابیں اپنے چچا شیخ ابو الرضا

ان کی سند محمد زاہد(۱) کے واسطے سے ....

محمد دہلوی سے پڑھیں، اور پھر وقت کے نامور فاضل قاضی محمد زاہد ہروی سے علوم کی تحصیل کی، شرح العقائد کا کچھ حصہ شیخ عبداللہ بن محمد عبدالباقی نقشبندی دہلوی سے پڑھا، اور ان ہی سے اکتساب فیض کیا، بیعت کا ارادہ بھی انہی سے تھا، مگر موصوف نے انکار کردیا، اور سید عبداللہ اکبرآبادی کی طرف رہنمائی کی، چنانچہ اُن کے دستِ حق پرست پر بیعت کی، ایک زمانہ تک ان کی خدمت میں رہ کر نقشبندیہ سلسلہ کے اعمال واشغال کی تکمیل کی، پھر شیخ ابوالقاسم اکبرآبادی کی صحبت اختیار کی، اوران سے بھی اکتسابِ فیض کیا، ان کو چشتیہ سلسلہ میں شیخ عظمت اللہ بن عبداللطیف المتوکلی اکبرآبادی سے اجازتِ بیعت حاصل ہے، انہوں نے فتاویٰ عالمگیری کی تدوین وترتیب میں بھی کام کیا تھا۔

سید عبدالحی الحسنیؒ شاہ ولی اللہؒ کے تذکرہ میں ان کے متعلق لکھتے ہیں:

''کان ...... الشیخ عبد الرحیم من وجوه مشایخ دهلي ومن أعیانهم، له حظّ وافر من العلوم الظاهرة والباطنة مع علو کعبه في طریقة الصوفیة.'' (نزهة الخواطر:۶/۳۹۸)

شاہ عبدالرحیم دہلی کے ممتاز اور نامور مشائخ میں سے تھے، انہیں علومِ شریعت اور اسرارِ طریقت سے بڑا حصہ ملا تھا، باوجودیکہ صوفیہ کے طریقہ میں ان کا بلند پایہ تھا۔

موصوف کے زہد وورع، حُسنِ اخلاق، تواضع وانکساری اور فضل وکمال پر تمام علماء کا اتفاق ہے، تصوف میں ایک رسالہ بھی ان سے یادگار ہے۔

وفات:

دَورِ فرخی کے اندر ستر سال کی عمر میں بروز بدھ، ماہِ صفر ۱۱۳۱ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

حالات کے لیے ملاحظہ ہو: انفاس العارفین از شاہ ولی اللہؒ، نزہۃ الخواطر:۶/۱۴۴-۱۴۵۔

(۱) ۱- محمد زاہد ہروی

نام ونسب:

محمد زاہد نام ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''محمد زاہد بن القاضی محمد اسلم الحنفی الہروی الکابلی''۔

تحصیل علم اور منصب:

موصوف ہندوستان میں پیدا ہوئے، اور یہیں تعلیم وتربیت پائی، عقلی ونقلی علوم کی تعلیم اپنے والد قاضی محمد اسلم اور محدث وقت مرزا محمد فاضل بدخشی سے حاصل کی، ان علوم مروجہ میں ایسا کمال پیدا کیا کہ ہندوستان میں اپنی نظیر آپ تھے، نہایت ذہین اور قوی الحافظہ تھے، جو کچھ پڑھا تھا وہ حافظہ میں محفوظ تھا، تیرہ برس کی عمر میں درس وتدریس اور افتاء کی

....

اہلیت پیدا ہوگئی تھی، رمضان ۱۰۶۴ھ میں شاہجہاں نے ان کو کابل میں محرر وقائع نگار مقرر کیا، ایک زمانہ تک اس منصب پر فائز رہے، جب اورنگ زیب عالمگیر سریر آرائے خلافت ہوا تو اس نے ۱۰۷۷ھ میں ان کو فوج کا محاسب مقرر کیا، اور اکبر آباد میں قیام رہا، یہاں بھی درس وتدریس کا مشغلہ جاری رہا، پھر کابل میں صدارت کا عہدہ ان کو ملا، یہاں بھی درس وتدریس، تصنیف وتالیف کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا۔

وفات:

۱۰۱۱ھ میں کابل میں وفات پائی، تاریخِ وفات ''فاضل بے مقابلہ'' سے معلوم ہوتی ہے۔

موصوف کی تصانیف میں سے حاشیہ شرح المواقف، حاشیہ شرح التہذیب اور حاشیہ بر رسالہ قطبیہ ہیں، یہ تینوں حاشیے ایک زمانہ تک درسِ نظامی کے نصاب میں داخل رہے ہیں، اس طرح حاشیہ شرح التجرید اور حاشیہ شرح الہیاکل بھی ان سے یادگار ہیں۔

موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: شاہ جہاں نامہ، حدائق الحنفیۃ: ص ۴۲۸-۴۲۹، نزہۃ الخواطر: ۵/۳۷۱، ابجد العلوم: ۹۰۲-۹۰۴۔

۲- محمد فاضل بدخشی ثم لاہوری

محمد فاضل بدخشی ثم لاہوری، عین القضاۃ ہمدانی کی نسل سے تھے، بدخشاں کے مضافات میں بروستاق نامی قصبہ میں پیدا ہوئے، اور یہیں علماءِ وقت سے کتب درسیہ پڑھیں، پھر کابل آکر مولانا محمد صادق حلوانی سے پڑھا، اور نامور فاضل مرزا جان شیرازی سے علوم وفنون کی تحصیل کی، درسی کتابیں زیادہ تر ملا یوسف کوسج سے پڑھیں، پھر ہندوستان آئے، اور شیخ جمال الدین ملوی لاہوری جو عہدِ اکبری کے نامور علماء میں سے تھے، جن سے ابوالفیض فیضی نے "سواطع الإلھام" کی تالیف میں بہت کچھ استفادہ کیا تھا، پھر عہدِ جہاں گیری میں عہدۂ عدالتِ عسکری پر مامور ہوئے، اور شاہجہاں کے سالِ ہشتم جلوس تک اس عہدہ پر فائز رہے، پھر اس خدمت سے سبکدوش ہوگئے، اور وظیفہ وجاگیر پر گذر بسر کرنے لگے، ۱۰۴۴ھ تک جیسا کہ بادشاہ نامہ میں مذکور ہے، فرائضِ منصبی کے ساتھ درس وتدریس کا شغل بھی جاری رہا، اور بہت سے طلبہ اور علماء نے ان سے استفادہ کیا، ۱۰۵۰ھ میں لاہور میں انتقال ہوا، اور یہیں مزار ہے۔

واضح رہے کہ محمد فاضل بدخشی، جلال الدین دوانی کے بدو واسطہ شاگرد ہیں، اور وہ علامہ دوانی کی تالیفات کو اپنے مشہور معقولی استاد مرزا جان شمس الدین حبیب اللہ بن عبد اللہ علوی دہلوی حنفی (المتوفی ۹۹۴ھ) سے بواسطہ شیخ محمود شیرازی جو علامہ دوانی کے بلا واسطہ شاگرد ہیں، راوی ہے۔

حالات کے لئے ملاحظہ ہو: بادشاہ نامہ، نزہۃ الخواطر: ۵/۳۸۴۔

ملاّ جلال الدین (۱) دوانی تک پہنچتی ہے، جیسا کہ اس کی سند حدیث ''أنموذج العلوم'' کی ابتداء میں نہایت تفصیل سے مذکور ہے۔

۳- مرزا جان شیرازی حنفی

شمس الدین حبیب اللہ بن عبد اللہ دہلوی جو مرزا جان شیرازی حنفی سے مشہور ہیں، شیخ محمود شیرازی کے نامور شاگرد تھے، علوم عقلیہ ونقلیہ میں ان کو کامل دستگاہ حاصل تھی، تمام عمر درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں بسر کی، موصوف علامہ جلال الدین دوانی کی تصانیف کے بیک واسطہ راوی ہیں، ۹۹۴ھ میں انتقال ہوا۔

ان کی تالیفات میں حسب ذیل کتابیں مشہور ہیں:

١ ـ أنموذج الفنون، ٢ ـ حاشية شرح تجريد العقائد الجديدة و القديمة، ٣ ـ حاشية على شرح ابن سينا للعلامة نصير الدين، ٤ ـ حاشية على شرح حكمة العين لمبارك شاه، ٥ ـ حاشية على شرح الشمسية للشيرازي، ٦ ـ حاشية على حاشية الخطائي للمطول، ٧ ـ حاشية على لوامع الأسرار شرح مطالع الأنوار في المنطق و الحكمة، ٨ ـ حاشية على شرح القطب الشيرازي لمختصر المنتهي .

(هدية العارفين : ١/٢٦٢)

۴- محمود بن محمد شیرازی

محمود بن محمد عبد اللہ بن محمود شیرازی (المتوفی ۹۳۲ھ) جلال الدین دوانی کے مشہور شاگرد اور علم طب میں بھی ماہر تھے، موصوف جلال الدین دوانی کی تصانیف کے راوی ہیں۔

حالات کے لیے ''ہدیۃ العارفین'' ۴۱۲/۲ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) علامہ جلال الدین الدوانی

نام ونسب:

محمد نام اور جلال الدین لقب ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''محمد بن اسعد بن محمد بن عبد الرحیم البکری الدوانی۔''

ولادت وتحصیل علم:

دوانی ۸۲۰ھ میں دوان (جو گازرون میں ایک بستی ہے) میں پیدا ہوئے، اور اپنے والد ماجد سے جو حدیث میں شیخ شرف الدین عبد الرحیم جرہی، اور شمس الدین ابن الجزریؒ کے معقول اور فقہ میں سید شریف جرجانیؒ کے شاگرد تھے، اور جامع مرشدی گازرون میں درس دیتے تھے، جملہ علوم کی تحصیل کی، نیز دیگر بہت سے شیوخ سے استفادہ کیا، جن میں سید صفی الدین عبد الرحمٰن ایجی، ابو المجد عبد اللہ کرمانی، مظہر الدین محمد گازرونی، رُکن الدین روزبہان عمری شیرازی، محی الدین

....

محمد انصاری کوشکناری وغیرہ کا نام سرِ فہرست آتا ہے، دوانیؒ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ سے بھی بلاواسطہ راوی ہیں، کیونکہ ابن حجرؒ نے اہلِ شیراز کو عمومی اجازت عطا کی تھی، موصوف "أنموذج العلوم" میں رقمطراز ہیں:

''إن الشهاب ابن حجر أجاز أهالي شيراز مطلقاً وكنت أنا من جملتهم، ولي الرواية عنه بغير واسطة، انتهى.''

شہاب الدین ابن حجر نے اہالیِ شیراز کو مطلق اجازت دی ہے، اور میں بھی اہلِ شیراز میں سے ہوں، مجھے بھی ان سے بلاواسطہ روایت کرنے کا حق ہے۔

درس وتدریس، وعہدۂ قضاء:

شیخ دوانیؒ نے جملہ علوم میں کمال حاصل کیا، اور پھر درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا مشغلہ اختیار کیا، کچھ عرصہ فارس میں عہدۂ قضاء پر فائز رہے، حافظ سخاویؒ (المتوفی ۹۰۲ھ) ''الضوء اللامع'' (۱۳۳/۷) میں لکھتے ہیں:

''تقدم في العلوم، لاسيماً العقليات، وأخذ عنه أهل تلك النواحي، وارتحلوا إليه من الروم، وخراسان، وماوراء النهر، وسمعت الثناء عليه من جماعة ممن أخذ عني ...... وصنف الكثير''

یہ علوم میں اور خاص طور پر علم معقولات میں بہت آگے نکل گئے، اس نواح کے لوگوں نے ان سے بہت علم حاصل کیا، روم خراسان اور ماوراء النہر سے لوگ ان کے پاس سفر کر کے پہنچے، میں نے اپنے شاگردوں کی ایک جماعت سے ان کے متعلق تعریفی کلمات سنے ہیں، انہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔

قاضی محمد شوکانی ''البدر الطالع'' (۱۳۰/۲) میں تحریر فرماتے ہیں:

''عالم العجم بأرض فارس، وإمام المعقولات، وصاحب المصنفات، أخذ العلم عن المحيوي والبقال، وفاق في جميع العلوم، لاسيما العقلية ...... وله شهرة كبيرة، وصيت عظيم، وتكاثر تلامذته، وكان من أدبهم أنه إذا تكلم نكسوا رؤسهم تأدباً، ولم يتكلم أحد منهم بشيء، وولاه سلطان تلك الديار القضاء بها، وله مصنفات كثيرة مقبولة.''

دوانی سرزمینِ فارس میں عجم کے عالم اور معقولات کے امام اور صاحبِ تصانیف تھے، انہوں نے علامہ محیوی اور بقال سے علوم کی تحصیل کی، اور تمام علوم میں فائق ہوئے، خاص طور سے فنِ معقولات میں بہت ممتاز تھے، اور بالاتفاق اس کے ماہر تھے...... ان کی بہت شہرت اور بڑا چرچا تھا، ان کے شاگرد بھی بہت ہوئے، ان کے تلامذہ کے ادب کا یہ عالم تھا کہ جب یہ کلام کرتے تو وہ ادب سے سر جھکا لیتے تھے، اور ان میں کوئی کچھ نہیں بولتا تھا، بادشاہ نے ان کو اس دیار کا

....

قاضی بنادیا تھا، ان کی بہت سی تصنیفیں مقبول ہیں۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھتے ہیں:

’’له قدم راسخ في العلوم العقلية، ومشاركة في العلوم الشرعية، تصانيفه دلت على أنه البحر بلا منازع، والحبر بلانازع، له حواش على شرح "التجريد للقوشجي القديمة والجديدة"، وحواش على "شرح المطالع القديمة والجديدة"، تنازع فيها مع معاصره الصدر ،وصار في أكثر المباحث هو الصدر ...... ورسالة مسماة بـ "أنموذج العلوم" أورد فيها مسائل معركة الآراء من علوم مختلفة، وفنون متفرقة، وقد طالعتها كلها، وانتفعت بها.‘‘ (التعليقات السنية على الفوائد البهية :٨٩،طبع قاهرة)

ان کا علوم عقلیہ میں بڑا پایہ تھا، اور علوم شرعیہ میں مناسبت تھی، ان کی تصانیف اس امر پر شاہد ہیں کہ یہ بالاتفاق علم کا دریا تھے، اور بلا اختلاف زبردست عالم تھے، قوشجی کی شرح تجرید قدیمہ اور جدیدہ پر ان کے حواشی ہیں، اور شرح مطالع قدیمہ اور جدیدہ پر بھی حواشی ہیں، جن میں ان کے معاصر صدرالدین شیرازی کے ساتھ بحث و مناظرہ رہا ہے، اور اکثر مباحث میں یہی صدر رہے...... ان کا رسالہ ’’انموذج العلوم‘‘ بھی ہے، جس میں مختلف علوم وفنون کے معرکۃ الآراء مسائل کو بیان کیا ہے، میں نے اس کا پورا مطالعہ کیا ہے، اور اس سے فائدہ اٹھایا ہے۔

حافظ سید مرتضیٰ بلگرامی نے تاج العروس مادہ ’’دون‘‘ میں ان کو "أحد المحققين في المعقولات" کے الفاظ سے یاد کیا ہے، اور حافظ سید عبدالحی کتانی نے "فهرس الفهارس" (۱/۱۴۱) میں "العلامة الأستاذ المحقق الأجل" کے الفاظ سے ذکر کیا ہے۔

علامہ حافظ سید انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

’’والدواني، هذا شافعي، تعلم الحديث من الشيخ أبي الفتح الشيرازي إلا أنه لم يكن له اشتغال بالحديث.‘‘ (حاشية البدر الساري إلى فيض الباري:٢/٣٦)

یہ علامہ دوانی شافعی ہیں، انہوں نے حدیث شیخ ابوالفتح شیرازی سے پڑھی لیکن ان کو حدیث سے زیادہ واسطہ نہیں رہا۔

وفات:

اس امر میں سب کا اتفاق ہے کہ ان کا دوان میں انتقال ہوا، لیکن سالِ وفات میں اختلاف ہے، مگر اکثر تذکرہ نگاروں نے دو قولوں کو ذکر کیا ہے، اول ۹۱۸ھ، اور دوسرے ۹۲۸ھ، اول قول کے مطابق اسی (۸۰) اور دوسرے قول کے مطابق نوے (۹۰) سال عمر قرار پاتی ہے۔

میرے والد ماجد کو حاجی محمد افضل [1] سے (جو اس ملک کے صاحب السند علماء میں سے تھے) اجازت حاصل تھی، اور وہ سند موصوف کے رسائل میں مذکور ہے، آخر میں حضرت والد ماجد نے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں

موصوف کی تالیفات میں حسب ذیل کتابیں زیورِ طبع سے آراستہ ہیں:

١۔ حاشية على شرح القوشجي لتجريد الكلام، آستانه ١٣٠٧ھ، ٢۔ حاشية على تحرير القواعد المنطقية لقطب الرازي، ٣۔ رسالة في إثبات الواجب، آستانه، ٤۔ الزوراء وتعليقات عليه في تحقيق المبدأ والمعاد، طبع مصر ١٣٢٦ھ، ٥۔ شرح على متن تهذيب المنطق، طبع لكهنؤ ١٢٩٣ھ، ٦۔ حاشية شرح العقائد العضدية، آستانه ١٨١٧ء۔

موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: الضوء اللامع: ١٣٣/٧، شذرات الذهب: ١٦/٨، البدر الطالع: ١٣٠/٢، النور السافر از عبدالقادر عیدروس: ١٣٣ - ١٣٤، تاج العروس (ماده دون)، الفوائد البهية: ٨٩، فهرس الفهارس: ١٤٣/١، هدية العارفين: ٢٢٤/٢، سبک شناسی تاریخ تطور نثر فارسی، ۳/۲۴۰-۲۴۱، از محمد تقی بہار ملک الشعراء۔

(۱) **محمد افضل سیالکوٹی**

نام ونسب:

محمد افضل نام ہے، اور سلسلۂ نسب (جو فقیر محمد جہلمی نے بیان کیا ہے وہ) یہ ہے: ''محمد افضل بن محمد معصوم بن احمد سیالکوٹی ثم الدہلوی۔''

تحصیل علم وتربیت:

موصوف نے شیخ عبدالاحد بن محمد سعید سرہندی سے عقلی ونقلی علوم کی تحصیل کی، اور ان ہی سے موصوف کو روایتِ حدیث کی اجازت حاصل ہے، پھر حرمین شریفین کا سفر کیا، اور مشہور محدث شیخ سالم بن عبداللہ بصری کے حلقۂ درس میں بیٹھ کر حدیث کی سماعت کی، اور روایتِ حدیث کی سند لے کر ہندوستان آئے، دہلی میں سکونت اختیار کی، اور غازی الدین خاں کے مدرسہ میں درس دینا شروع کیا، یہیں ان سے شاہ ولی اللہؒ، شیخ مظہر جانجاناں اور شیخ گدا علی وغیرہ نے پڑھا، اور روایتِ حدیث کی سند لی۔

شاہ غلام علی مجددی دہلوی ''مقاماتِ مظہریہ'' میں فرماتے ہیں:

''حاجی محمد افضل رحمۃ اللہ علیہ، ایشاں از علماءِ متبحر وفضلاء دانشورند، از اسرار معارف علوم باطن حظے وافر دارند، طریقہ از حجت اللہ نقشبند فرزند وخلیفۂ حضرت ایشاں محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہما گرفتہ تا دہ سال استفادۂ فیوضِ باطن نمودند تا دوازدہ سال

....

از حضرت شیخ عبدالاحد فرزند وخلیفہ خازن الرحمۃ شیخ محمد سعید فرزند سجادہ نشین حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہم مشرف گردیدہ بمقامات عالیہ رسیدہ اند، وتحصیل علوم معقول ومنقول واسناد علم حدیث ایشاں نمودہ از شیخ سالم بصری ثم المکی علم حدیث نیز سند دارند، حضرت حجۃ اللہ نقشبند یا حضرت شیخ عبدالاحد درحق ایشاں فرمودہ اند: آنچہ در سینہ ما از پیران کبار رسیدہ بود، تمام وکمال در باطن شما القا کردیم، ایشاں استغراق قوی داشتند، وفنا ونیستی بر ایشاں مستولی بود، گویا ہرگز خود را از ارباب طریقہ نمی داشتند، حضرت ایشاں مارا بارہا می فرمودند کہ شمارا نظر کشفی وتحقیق مقامات الٰہیہ کرامت کردہ اند، بحال ما نظری فرمائید کہ از خرابی اعمال در خود ہیچ نیابم...... ایشاں بشرف زیارت حرمین شریفین زادہما اللہ شرفا رسیدہ اند، ومورد الطاف الٰہی وعنایات حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم شدہ با ہزاراں فتوحات مراجعت نمودہ، مرجع طلاب حق گردیدند، وخلق را ظاہراً وباطناً فیضہا رسانیدند، حضرت شاہ ولی اللہ محدث رحمۃ اللہ علیہ علم حدیث از ایشاں سند دارند، ایشاں آنچہ از نقود وہدایا می رسید کتب ہر فن خریدہ وقف می کردند، یکبار پانزدہ ہزار روپیہ ہدیہ آمدہ بود، ہمہ را کتب علوم نافعہ خرید کردہ وقف نمودند، چندیں ہزار کتب در راہ خدا وقف کردہ اشاعت علوم فرمودند، جزاہ اللہ خیر الجزاء۔" (ص:۹-۱۰)

حاجی محمد افضل رحمۃ اللہ علیہ متبحر علماء اور دانشور فضلاء میں سے تھے، علوم باطن کے اسرار ومعارف سے بہرۂ وافر رکھتے تھے، طریقت کی تعلیم حجۃ اللہ نقشبند کے فرزند وخلیفہ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہما سے پائی تھی، دس برس تک اکتساب فیض کیا تھا، اور بارہ سال تک حضرت شیخ عبدالاحد (فرزند وخلیفہ حضرت خازن رحمت شیخ محمد سعید فرزند سجادہ نشین حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہم) سے استفادہ کرکے مدارج عالیہ کو پہنچے تھے، اور علوم معقول ومنقول اور علم حدیث کی ان سے تحصیل کرکے شیخ سالم بصری ثم مکی سے بھی علم حدیث کی سند لی، حضرت حجۃ اللہ نقشبند یا حضرت شیخ عبدالاحدؒ نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ جو کچھ ہمارے سینہ تک بڑے بڑے پیروں سے پہنچا تھا، تمام وکمال تمہارے باطن میں ڈالا ہے، موصوف استغراق قوی رکھتے تھے، اور فنا ونیستی کا ان پر بڑا غلبہ تھا، گویا ہرگز اپنے آپ کو ارباب طریقت میں سے نہیں سمجھتے تھے، اعلیٰ حضرت ہم سے بار بار فرماتے تھے کہ تم کو نظر کشفی اور تحقیق مقامات الٰہیہ بخشی گئی ہے، ہمارے حال پر بھی کچھ نظر کیجئے، کیونکہ اعمال کی خرابی کی وجہ سے اپنے اندر کچھ بھی نہیں پاتا، موصوف حرمین شریفین زادہما اللہ شرفا کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے، اور الطاف الٰہی اور عنایات حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہرہ ور ہوکر ہزاروں فتوحات کے ساتھ وطن واپس آئے، اور طالبان حقیقت کا مرجع وماویٰ بن گئے، خلق کو ظاہری وباطنی فیوض سے مستفید فرمایا، حضرت شاہ ولی اللہ محدث رحمۃ اللہ علیہ کو علم حدیث کی سند ان سے حاصل ہے، موصوف کو جو کچھ نقد ہدیے ملتے تھے اس سے ہر فن کی کتابیں خرید کر وقف کرتے تھے، ایک مرتبہ پندرہ ہزار روپے ہدیہ ملا، سب کی نفع بخش علوم کی کتابیں خرید کر وقف کردیں، کئی ہزار کتابیں خدا کی راہ میں وقف کرکے علوم کی اشاعت فرمائی، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔

بڑے بڑے مشائخ حرمین سے اس علم کو بتمام وکمال حاصل کیا تھا، اور وہاں انہوں نے زیادہ تر استفادہ شیخ ابوطاہر مدنی قدس سرہ(۱) سے کیا تھا جو اس علم میں یکتائے روزگار تھے، ان پر اور ان کے اسلاف ومشائخ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔

وفات:

۱۱۴۶ھ میں وفات پائی، تاریخِ وفات ''نورِ فیض'' سے معلوم ہوتی ہے، موصوف دہلی میں حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے پائیں میں مدفون ہوئے۔

ان کی تالیفات میں سے ''جواهر الأصول'' زیادہ مشہور ہے۔

حالات کے لئے ملاحظہ ہو: مقاماتِ مظہری: ۹-۱۰، حدائق الحنفیہ: ۴۴۰، نزہۃ الخواطر: ۶/۲۸۰۔

(۱) **ابوطاہر کردی**

محمد عبدالسمیع نام، ابوطاہر کنیت اور جمال الدین لقب ہے۔

واضح رہے شیخ ابوطاہر کردی کا اصل نام عبدالسمیع ہے، چنانچہ شیخ ابراہیم کردیؒ کے ثبت ''الأمم لإيقاظ الهمم'' کا جو قلمی نسخہ پیر جھنڈو (پیر وہب اللہ شاہ) کے کتب خانہ میں محفوظ ہے، وہ ہمارے مطالعہ سے گذر چکا ہے، یہ نسخہ مصنف کے پوتے شیخ ابوالفتوح احمد کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، اس کے خاتمہ پر ترقیمہ میں شیخ ابوطاہر کردی کا نام موصوف نے اپنے دادا شیخ ابراہیم بن حسن کردی کے حوالہ سے عبدالسمیع نقل کیا ہے، وہ ترقیمہ ہدیۂ ناظرین ہے:

''الحمد لله رأيت بخط سيدي العم، أنه رأى بخط سيدي الجد- قدس سره- ونفع به مانصه:

الحمد لله المنان الذي بيده الخير، كله ولد المولود المبارك -إن شاء الله تعالى- محمد أبو طاهر عبد السميع بن إبراهيم بن حسن، مع أذان المغرب ليلة الخميس أو الجمعة ۲۱ رجب الفرد الحرام شهر الله ۱۰۸۱هـ أنبت الله إنباتاً حسناً، وجعله موفقاً مسدداً إهاناً على الخيرات بكرمه، آمين، انتهى بلفظه.''

الحمدللہ میں نے اپنے عم بزرگوار کے قلم سے لکھا ہوا، اور انہوں نے میرے جد امجد قدس اللہ سرہ کے قلم سے جو لکھا ہوا دیکھا، وہ یہ ہے:

''تمام تعریفیں اسی محسنِ حقیقی کے لیے ہیں جس کے قبضۂ قدرت میں تمام خیر ہے، ان شاءاللہ تعالیٰ مولود مبارک محمد ابوطاہر عبدالسمیع بن ابراہیم بن حسن، جو شب پنجشنبہ یا جمعہ ۲۱ رجب المرجب ۱۰۸۱ھ میں پیدا ہوا، اللہ تعالیٰ اس کو خوب پروان چڑھائے، اور اس کو اپنے فضل وکرم سے خیر کے کاموں پر استقامت، سہولت اور توفیق ارزانی فرمائے، آمین۔''

نسب:

سلسلۂ نسب یہ ہے: ''محمد عبدالسمیع بن ابراہیم بن حسن بن شہاب الدین الکردی المدنی الشافعی۔''

....

ولادت وتحصیل علم:

موصوف بروز جمعرات، ۲۱ رجب ۱۰۸۱ھ/ ۲۵ نومبر ۱۶۷۱ء میں مدینۂ منورہ میں پیدا ہوئے، اپنے پدر بزرگوار اور دیگر اربابِ کمال سے علومِ عقلیہ اور نقلیہ کی تحصیل کی، نیز محدث محمد بن عبد الرسول برزنجی، ابوالاسرار حسن بن علی عجیمی، عبداللہ بن سالم بصری وغیرہ سے حدیث کا سماع کیا، علومِ دینیہ میں مہارت پیدا کی، اور حرمِ نبوی میں درس دینا شروع کیا تو ان کے حلقۂ دروس میں شرکت کے لیے دور دور سے طلبہ آتے، اور اکتسابِ فیض کرتے تھے۔

اساتذہ وصفاتِ حمیدہ:

شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں:

"شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم الکردی المدنی رحمۃ اللہ علیہ از ابتداءِ حال راغب در علم وعلماء می بود، خرقہ از پدر خود پوشیدہ، والدِ بزرگوارش برائے وے خرقہ واجازت از بزرگاں بسیار گرفت، ازاں جملہ شیخ محمد بن سلیمان مغربی، وکتب عربیہ از سید احمد ادریس مغربی کہ سیبویہ زمانِ خود خواند...... وفقہ شافعی از شیخ علی طوبونی مصری گرفت، ومعقول از منجم باشی کہ از مشاہیر تبحرانِ روم بود، علمِ حدیث از والدِ خود اخذ کردہ، بعد ازآں از شیخ حسن عجیمی، وبروے است اکثر استفادۂ وے، وبعد ازآں از احمد نخلی وشیخ عبداللہ بصری، بر شیخ عبداللہ بصری شمائل النبی ﷺ خواند، واز وے مُسند احمد در اقل از شہرین استماع کرد، واز واردین بحرمین بسیار اخذ کرد، از انجملہ شیخ عبداللہ لاہوری، وکتب ملا عبدالحکیم سیالکوٹی از وے روایت کند عن الشیخ عبداللہ اللبیب عن مولانا عبدالحکیم، وکتبِ شیخ عبدالحق دہلوی بہمیں واسطہ از مولانا عبدالحکیم روایت کند، ووے از شیخ عبدالحق اجازت وروایت، واز آں جملہ شیخ سعید کوکنی بعض کتبِ عربیہ، وقدر ربع فتح الباری بروے خواند، بالجملہ متصف بود بصفاتِ سلف صالح از ورع واجتہاد در طاعت واشتغال بعلم وانصاف، در مذاکرہ در ادنی مراجعت تا تامل وافی نکردے، وتتبع کتب نمودے جواب ندادے، ورقیق القلب چوں احادیثِ رقاق خواندے چشم پُر آب کردے، ودر لباس وغیر آں تکلف نداشت، باخُدم وتلامذہ خود وغیر ایشاں بجز تواضع پیش نیامدے، در اثنائے قرأۃ صحیح بخاری سخن در اختلافِ روایات احادیث دفعۃً افتاد، شیخ ابوطاہر گفتند ایں ہمہ ازآنست کہ حقیقت آنحضرت ﷺ در نہایت جمعیت ست، واز فرطِ جمعیت اضداد را جمع می تواند کرد، او کما قال، ایں نکتہ عمقے دارد فتدبر" (أنسان العین:۱۳-۱۴)

شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ابتدائی زمانہ سے علم اور اہلِ علم سے محبت کرتے تھے، خرقۂ خلافت اپنے والد سے حاصل کیا تھا، اور ان کے والدِ بزرگوار نے دوسرے علماء سے بھی ان کے لیے اجازتِ روایت اور خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا، ان ہی علماء میں سے شیخ محمد بن سلیمان مغربی تھے، نحو وادب کی کتابیں سید احمد ادریس مغربی

....

سے پڑھی تھیں (جو سیبویہ وقت تھے)، فقہِ شافعی کی تعلیم علی طوبونی مصری سے پائی تھی، معقول منجم باشی سے حاصل کی تھی (جو روم کے متبحر علماء میں سے تھے) علمِ حدیث اپنے والد سے حاصل کیا تھا، اور ان کے بعد اس علم کو شیخ حسن عجیمی سے پڑھا، اور ان ہی سے زیادہ تر استفادہ کیا تھا، ان کے بعد احمد نخلی، شیخ عبداللہ بصری سے فائدہ اٹھایا، شیخ عبداللہ بصری سے "شمائل نبوی ﷺ" پڑھی، اور دو مہینے سے بھی کمتر مدت میں ان سے "مسند احمد بن حنبل" کا سماع کیا، اور حرمین میں آنے والے علماء سے بھی بہت کچھ حاصل کیا، ان ہی میں سے شیخ عبداللہ لاہوری ہیں جن سے ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کی تصانیف از شیخ عبداللہ لبیب از مولانا عبدالحکیم روایت کرتے ہیں، اور شیخ عبدالحق کی تصانیف بھی بایں واسطہ عبدالحکیم سے روایت کرتے، کیونکہ عبدالحکیم شیخ عبدالحق سے قرأۃً واجازۃً راوی ہیں، اور ان ہی میں سے شیخ سعید کوکنی ہیں، جن سے ادب کی بعض کتابیں اور ایک رُبع کے بقدر فتح الباری پڑھی تھی، غرض کہ شیخ ابو طاہر سلف صالحین کی صفاتِ ورع وتقویٰ، طاعتِ الٰہی میں سعی، علم کے ساتھ اشتغال اور بحث وتکرار میں انصاف کی صفات سے متصف تھے، ادنیٰ مراجعت میں جب تک اچھی طرح غور نہ کرتے اور پوری طرح سے کتابیں نہ دیکھ لیتے جواب نہیں دیتے تھے، اور نرم دل اتنے تھے کہ جب رقاق کی حدیثیں پڑھتے تو آنکھوں میں آنسو بھر لاتے تھے، اور لباس وغیرہ میں تکلف نہیں برتتے تھے، اپنے خدام اور شاگردوں کے ساتھ نہایت تواضع سے پیش آتے تھے، صحیح بخاری کے سبق میں اتفاق سے بات اختلافِ روایاتِ احادیث کے متعلق آ گئی تو شیخ ابو طاہر نے فرمایا کہ یہ سب کچھ اختلاف اس وجہ سے ہے کہ آنحضرت ﷺ کی حقیقت جمعیت کے انتہائی درجہ پر ہے، اور فرطِ جمعیت ہی اس صورتِ اختلاف کو جمع کر سکتی ہے یا ایسی ہی بات کہی تھی، یہ ایک نہایت باریک نکتہ ہے اس پر غور کرنا چاہئے۔

شاہ صاحبؒ موصوف "الانتباہ" میں رقمطراز ہیں:

"پس ایں فقیر مدتے با شیخ ابو طاہر صحبت داشتہ، وصحیح بخاری تمام آں حرفاً حرفاً از ایشاں حاصل کرد، ومشکلاتِ ایں فن را بر ایشاں بحث کرد، وبطریق تتبع کتب رجال وشرح غریب آشنا شد، ودر رجال اسانید از یں طبقہ تا طبقہ مصنفین واز مصنفین تا آنحضرت ﷺ مہارتے پیدا کرد، وصحیح را از سقیم باز شناخت، وقوانین روایت وتحدیث یاد گرفت، وبمعرفت متابعات وشواہد آشنا شد، ومسند دارمی ہمہ آں از ایشاں استماع نمود، واطراف کتب ستہ وغیر آں بر ایشاں عرض کرد، وایشاں اجازتِ روایتِ آں کتب بل جمیع مرویات خود دادند، وبر مرویات خود وطرق اسانید خود بوجہ نیک مطلع ساختند، وخرقہ پوشانیدند، جزاه الله سبحانه عني خيراً"

بس یہ فقیر ایک عرصہ تک شیخ ابو طاہر کی صحبت میں رہا، اور پوری صحیح بخاری حرف بحرف ان سے پڑھی، اور اس فن کی مشکلات بحث ونظر کے بعد ان سے حل کیں، تتبع اور تلاشِ کتب کے طریقہ سے رجال اور شرحِ حدیث سے آشنا ہوا،

....

اور اِس طبقہ کی سندوں کے رجال سے مصنّفین کے طبقہ تک اور مصنّفین سے آنحضرت ﷺ تک رجال میں مہارت پیدا کی، اور صحیح کو سقیم سے پہچانا، اور قوانینِ روایت اور بیانِ حدیث کے اصول یاد کئے، اور متابعات وشواہد حدیث کی معرفت سے واقف ہوا، پوری مسند دارمی ان سے سنی، اور کتبِ صحاح ستہ وغیرہ کے اطراف انہیں سنائے، انہوں نے ان کتابوں کی روایت ہی کی اجازت نہیں دی بلکہ اپنی تمام مرویات کی اجازت بھی عطا فرمائی، اور اپنی مرویات اور اسانید کے سلسلوں سے اچھی طرح واقف کرایا، اور خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا، اللہ تعالیٰ انہیں میری طرف سے اچھی جزا عطا فرمائے۔

فضائل وکمالات:

محدث ابن الطیب الشرقی نے موصوف کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

''الصالح الفاضل المشارك الدرّاكة، مسند الحرمين الشريفين أبي طاهر محمد عبد السميع ابن أبي العرفان إبراهيم...... إهـ .''

حافظ غربی رباطی نے عراقی کو جو سند دی ہے، اس میں موصوف کو حسب ذیل الفاظ سے یاد کیا ہے:

''عالم المدينة في وقته، وارث والده الجهبذ الكبير العلامة الشهير.''

اور اس کے بعد لکھا ہے:

''فأوضته في عدة مسائل، مما يتحصل منه أنه ذو باع عريض في علم الحديث، واصطلاحه، وعلم الأصول، وغير ذلك .'' (فهرس الفهارس: ۱/۴۹۵)

میں نے ان سے متعدد مسئلوں میں گفتگو کی، جس سے اندازہ ہوا کہ ان کو علومِ حدیث، مصطلحاتِ حدیث اور اصول وغیرہ میں کامل دستگاہ حاصل تھی۔

شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن غزی "لطائف المنة في آثار خدمة السنة" میں رقمطراز ہیں:

''رأيت من ديانته ونسكه وتواضعه وخفض جناحه مالم أره على من مشايخنا، ما خلا الملّا إلياس الكوراني؛ فإنه كان يقاربه في ذلك.'' (لطائف المنہ بحوالہ سلک الدرر: ۲/۲۷)

میں نے اپنے ساتھ ان کی دیانت، عبادت، تواضع اور انکسار ایسی دیکھی کہ ہمارے شیوخ میں سے بجز ملا الیاس کورانی کے کسی میں نہیں دیکھی، وہ البتہ ان امور میں ان کے قریب قریب تھے۔

شیخ الاسلام محمد خلیل مرادی حنفی (المتوفی ۱۲۰۶ھ) نے ''سلك الدرر'' میں ان کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے:

''أبو الطاهر ...... الشهير بالكوراني الشيخ الإمام العالم العلامة المحقق المدقق النحرير الفقيه

....

جمال الدين ...... كان عالماً فقيهاً ......إلخ''

علامہ شیخ محمد عابد سندھی (المتوفی ۱۲۵۷ھ) ''حصر الشارد'' میں لکھتے ہیں:

''الشيخ العلامة محمد أبو طاهر، ويقال الشيخ محمد طاهر بن الشيخ إبراهيم بن حسن الكردي، أخذ المنقول، والمعقول، والفروع، والأصول، والحديث، والتفسير، والتصوف، وغير ذلك عن والده المحقق، حتى صار من العلماء المبرزين، وأخذ أيضا على الشيخ أبي الإسرار الحسن بن علي العجيمي الحديث والتصوف وغير ذلك، وكان على جانب عظيم من الصلاح والتقوى والتصوف عالماً كبيراً، وكان الغالب عليه علم الحديث، وكان كثير الاجتهاد في نشر العلوم، وتعليمه، وتحصيله، حتى قيل:إنه حصل نحو سبعين كتاباً بخط يده، منها: التحفة لابن حجر في الفقه في مجلد، والنهاية للرملي في مجلد، وحوى كل العلوم صرفاً ونحواً ومعان، وبياناً وبديعاً ومنطقاً وفرائض، وحساباً بجميع أنواعه من المفتوح والجبر والمقابلة والخطائين مع صبر على الطلبة، وكان أحسن أهل زمانه خلقاً وخلقاً دائم البشر، كثير التواضع، لايرى لنفسه حالاً ولا مقالاً، وكان له ورد في الليل من التهجد وقراء ته القرآن، لايتركه حضراً ولا سفراً، ولم يزل على الاستقامة، حتى توفي آخر نهار الخميس لأربع وعشرين من جمادي الأولى، سنة ثلاث وستين بعد المائة والألف، وكان موته وقع عظيم، وشيع جنازته جمع عظيم.''

شیخ علامہ محمد ابوطاہر (جو محمد طاہر بن شیخ ابرہیم بن حسن کردی سے بھی مشہور ہیں)، انہوں نے منقول ومعقول، فروع واصول، حدیث وتفسیر اور تصوف وغیرہ اپنے محقق باپ سے پڑھے، اور ممتاز علماء میں سے ہو گئے، نیز انہوں نے شیخ ابوالاسرار حسن بن علی عجیمی سے حدیث اور تصوف وغیرہ کی تعلیم پائی، صلاح وتقویٰ اور تصوف سے موصوف کو بڑا حصہ ملا تھا، زبردست عالم تھے، مگر علوم حدیث کا ان پر غلبہ تھا، علوم کی تحصیل وتعلیم اور نشر واشاعت میں بڑے کوشاں تھے، یہاں تک کہا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے ستر کتابیں نقل کر کے رکھیں، جن میں سے فقہ میں ابن حجر کی تحفہ ایک جلد میں تھی، اور ایک جلد میں شیخ رملی کی ''نہایۃ'' تھی، تمام علوم صرف ونحو، معانی وبیان، بدیع، منطق، فرائض، حساب اور اس کے تمام انواع، مفتوح، جبر ومقابلہ وغیرہ میں جامع تھے، طلبہ کے پڑھانے میں بڑے مستعد تھے، اہل زمانہ میں حُسن صورت وسیرت میں سب سے بہتر تھے، بڑے ہنس مکھ اور بہت متواضع تھے، اپنا کوئی مقام اور حیثیت نہیں سمجھتے تھے، ان کے وظائف اور معمولات تہجد وغیرہ کی قبیل سے رات میں ادا ہوتے، اور قرآن کی تلاوت سفر وحضر میں بھی کبھی نہیں چھوڑتے تھے، موصوف اپنے معمولات کو زندگی کے آخری ایام تک پابندی سے انجام دیتے رہے، تا آنکہ جمعرات کے دن شام کو ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۱۹۳ھ میں اللہ کو پیارے ہو گئے، ان کے جنازہ میں بڑا اژدحام تھا، ان کی موت ایک بہت بڑا سانحہ تھی۔

....

شیخ محمد عابد سندھی کا ثبت "حصر الشارد" پیر جھنڈو (سید محب اللہ شاہ) کے کتب خانہ میں ہمارے مطالعہ سے گذرا ہے، اُس میں یہ تفصیلات نہیں ہیں، حصر الشارد کا دوسرا مختصر نسخہ جس پر جلد دوم لکھا ہوا ہے، پیر جھنڈو (پیر وہب اللہ) کے کتب خانہ میں ہمارے مطالعہ سے گذرا ہے، اس سے مذکورۂ بالا عبارت منقول ہے، ہمارے خیال میں یہ حصر الشارد کا ذیل ہے، اور ممکن ہے "تراجم الشیوخ" کے نام سے ملا عابد سندھی کی کوئی جداگانہ تالیف ہو، (ابھی میرے عزیز شاگرد عبدالباقی ادریس سندھی نے یہ معلومات فراہم کی کہ شیخ محمد عابد سندھی کی تالیف "تراجم الشیوخ" کا عکسی مخطوطہ ہماری قاسمیہ لائبریری، کنڈیارو، ضلع نوشہرو فیروز، سندھ میں موجود ہے، اور حصر الشارد دو جلدوں میں مکتبۃ الرشد، ریاض سے شایع ہو چکی ہے، فجزاہ اللہ أحسن الجزاء)۔

شیخ ابوطاہر کردی نے حدیث میں زیادہ تر استفادہ شیخ حسن عجیمی سے کیا تھا، اور حقیقت میں وہی ان کے اصل شیخ تھے، موصوف نے صحاح ستہ کا سماع ان ہی سے کیا تھا، حافظ سید عبدالحی کتانی "فهرس الفهارس" (۱/۳۷۳) میں لکھتے ہیں:

"مجھے شیخ ابوالخیر مکی نے لکھا ہے کہ وہ شیخ ابوطاہر اور ان کے بھائیوں کی اس سند پر (جو انہیں شیخ حسن عجیمی نے دی تھی) واقف ہوئے ہیں، وہ سند محدث عمیری نے اپنے ثبت میں نقل کی ہے، جس میں ان کے متعلق مذکور ہے:

"رغب فيها إليّ الشباب الأفاضل، البالغون في الكمالات مبالغ الشيب الأحباب الأماثل، الفائزون من نافع العلم، وأحسن العمل، بأدنى حظ وأكمل نصيب، ألا! وهم الشيخ محمد أبو سعيد، والشيخ أبو الحسن، والشيخ محمد أبو طاهر ...... إلخ ."

اس کی طلب میں میری طرف نوجوان فاضلوں نے رغبت کی جو کمالات میں اپنے بے نظیر بوڑھے احباب کے دوش بدوش ہیں، اور جن کو علمِ نافع اور بہترین عمل سے بڑا حصہ ملا ہے، وہ شیخ محمد ابوسعید، شیخ ابوالحسن اور شیخ محمد ابوطاہر ہیں۔"

غلطی کا ازالہ:

واضح رہے کہ شیخ ابوطاہر کردی کو محدث قشاشی سے روایتِ حدیث کی اجازت حاصل نہیں ہے، بعض محدثین کو یہ دھوکہ ہوا ہے کہ موصوف کو شیخ قشاشی سے روایتِ حدیث کی اجازت حاصل ہے، عبدالحی کتانی فرماتے ہیں:

"السمط المجيد" کی اس عبارت "أجزت فلانا إبراهيم بن حسن، وابنه محمد" سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ ابوطاہر کردی کو اپنے نانا شیخ صفی قشاشی سے براہِ راست روایتِ حدیث کی اجازت حاصل ہے، چنانچہ حافظ سید مرتضیٰ زبیدی نے "العقد" میں لکھا ہے کہ شیخ ابوطاہر کردی کو اپنے نانا شیخ صفی الدین قشاشی سے بھی روایتِ حدیث کی اجازت حاصل ہے، جیسا کہ مذکورۂ بالا عبارت سے ثابت ہوتا ہے، مگر یہ صحیح نہیں، سید مرتضیٰ زبیدی کو دھوکا ہوا ہے، اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ابراہیم کے فرزند محمد وہ ابوطاہر ہی ہیں، کیونکہ ان کا نام محمد ہے، اور کوئی شک نہیں کہ ابوطاہر کا نام محمد ہے، لیکن

حُسن اتفاق سے شیخ ابو طاہر قدس سرہ کا سلسلۂ سند صوفیاء وعارفین کے واسطے سے شیخ زین الدین زکریا انصاری تک متصل اور مسلسل ہے، اور وہ سند متصل یہ ہے کہ موصوف نے علم حدیث کی تحصیل اپنے والد بزرگوار شیخ ابراہیم کردی (۱) سے ....

ماہر فن جانتا ہے کہ ابراہیم کورانی کے تین فرزند تھے، اور ہر ایک کا نام محمد تھا، اور ان میں سے ہر ایک اپنی کنیت کے ساتھ ممتاز تھا، اور اسی کنیت کی وجہ سے ہر ایک دوسرے سے منفرد تھا، ابراہیم کورانی کے یہاں سب سے پہلے جولڑکا پیدا ہوا تھا، وہ قشاشی کی حیات میں ہوا تھا، بس انہی کو قشاشی سے اجازت حاصل تھی، اور ابو طاہر کردی جو سب سے چھوٹے تھے، اپنے نانا کے انتقال کے بعد پیدا ہوئے تھے، ''مسالك الأبرار'' میں کورانی کی مُراد یہی سب سے بڑے فرزند ہیں، اور وہی قشاشی سے حدیث اولیہ کے راوی ہیں، نیز کورانی کا بیان ہے کہ قشاشی نے اپنی کتاب ''السمط المجید'' میرے لڑکے محمد کو سنائی، اور میں بھی اس موقعہ پر موجود تھا، (وہ انہی کے متعلق ہے):

''ابوالخیر محمد مکی نے اِس کے بعد مجھے لکھا ہے کہ ملا ابراہیم کورانی کے تین فرزند تھے: ۱- ابو سعید محمد، ۲- ابوالحسن محمد، ۳- ابو طاہر محمد، ابو طاہر ان کے سب سے چھوٹے فرزند تھے، ان کا نام عبدالسمیع تھا۔''

شیخ عبدالحی کتانی کا بیان ہے:

''شیخ ابو طاہر نے اپنے قلم سے بہت سی کتابیں نقل کی تھی، مشہور ہے کہ ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں ستر جلدوں کے قریب تھیں، جیسا کہ ''النفس الیمانی'' میں مذکور ہے، اور میرے پاس بھی ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی فصوص الحکم کی شرحیں موجود ہیں۔''

وفات:

شیخ ابو طاہر کردی درس وتدریس کے علاوہ افتاء کے فرائض بھی انجام دیتے تھے، بروز بدھ ۹ر رمضان ۱۱۴۵ھ/ ۱۴ فروری ۱۷۳۳ء میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا، اور بقیع میں دفن کئے گئے۔

موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: سلك الدرر: ۲/۲۷، أنسان العين في مشايخ الحرمين: ۱۳-۱۴، الانتباه في سلاسل أولياء الله ووارثي أسانيد رسول الله (قلمی)، حصر الشارد في أسانيد الشيخ محمد عابد، اليانع الجني في أسانيد الشيخ عبد الغني: ۲۰، فهرس الفهارس: ۳۷۲ - ۳۷۴، أبجد العلوم: ۸۴۷- ۸۴۸.

(۱) **ابراہیم کردی**

نام ونسب:

ابراہیم نام، ابوالعرفان کنیت، اور بُرہان الدین لقب ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''ابراہیم بن حسن بن شہاب الدین الشہر زوری الکردی الکورانی الشافعی۔''

....

ولادت، تعلیم وتربیت:

۱۰۲۵ھ میں پیدا ہوئے، پدرِ بزگوار کے علاوہ اس عہد کے دیگر نامور علماء سے علومِ دینیہ کی تکمیل کی، پھر بغداد میں دو برس قیام کیا، اور بڑے بڑے علماء اور مشائخ سے اکتسابِ فیض کیا، پھر چار سال شام میں گزار کر مصر ہوتے ہوئے حرمین پہنچے، یہاں ان کی شیخ قشاشی سے ملاقات ہوگئی، اور جب ایک پر دوسرے کے جوہر کھلے تو تعلقات استوار تر ہوگئے، شیخ قشاشی نے ان کو خرقہ پہنایا، اور تمام مرویات کی اجازت دی، نیز اپنی دخترِ نیک اختر سے ان کا نکاح کیا۔

علوم میں مہارت:

موصوف عربی، کردی زبان کے علاوہ فارسی اور ترکی زبانیں بھی خوب جانتے تھے، فقہ اور حدیث میں یکتائے زمانہ تھے، اور حرم میں درس دیتے تھے۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا بیان ہے:

''شیخ ابراہیم کردی قدس سرہ عالم بود، وعارف درفنونِ علم از فقہِ شافعی، وحدیث وعربیت واصلین یدِ طولی داشت، ودر ہر یکے تصانیف دارد، در بلادِ خویش تحصیل علم کرد، بعد از آں بقصدِ حج بیروں آمد، دو سال کم وبیش در بغداد ساکن شد، وبرقبرِ سیدی عبدالقادر قدس سرہ متوجہ می شد، وذوقِ ایں راہ از آنجا پیدا کرد، وچہار سال بشام ماند، وبمصر بگذشتہ بحرمین آمد، وقشاشی ملاقات کرد وے رابقشاشی وقشاشی راباوے خصوصیتے عجیب پیدا شد، واز وے حدیث روایت کرد وخرقہ پوشید، ودر صحبتِ وے بکمالاتِ علیا ترقی کرد، زبانِ فارسی وکردی، وترکی وعربی ہمہ دانست، وبتوقدِ ذہن وتبحر علم وزہد وتواضع وصبر وحلم متصف بود...... فی الجملہ سیرتِ شیخ ابراہیم آں بود کہ از روئے متقفہ روزگار، ومتصوفہ آں از تکبیر عمامہ وتطویل اکمام ولباس خوج وکاوک بیزار بود، ثیاب متوسطہ، وعمامہ متقاربہ، وپست صوف خطط، وکوفیہ لاطیہ، چنانکہ عامۂ اہلِ حجاز عادت دارند می پوشید، وہرگز اظہارِ خود از حیثیت تصدر در مجلس، وتقدم در کلام وامثالِ آں نمی کرد، وافادۂ وے اصحابِ خود را برہیئت مناظرہ ومفاوضہ می بود می گفت: ''اما ہو کذا وکذا پس یفہم من کذا وکذا وکذا'' وچوں در مسئلہ باوے کسے ادنیٰ مراجعت کردے متوقف می شد، تا آنکہ بطریقِ تحقیق وانصاف رفع آں اشکال کند، عبداللہ عیاشی گفت: کہ ''كان مجلسه روضة من رياض الجنة''، چوں تقریرِ مسائلِ حکمت کردے البتہ حقائق صوفیہ درضمنِ آں ذکر کردے وترجیح کلامِ صوفیہ برتحقیق آنہا بیان فرمودے وگفتے: ''هؤلاء الفلاسفة قاربوا عثوراً على الحق، ولم يهتدوا إليه .''

شیخ ابراہیم کردی قدس سرہٗ عالم وعارف تھے، فنونِ علمیہ، فقہِ شافعی، حدیث، عربیت، اصولِ فقہ اور علمِ کلام میں ان کو کامل دستگاہ حاصل تھی، ان میں سے ہر فن میں ان کی تالیفات موجود ہیں، موصوف نے اپنے وطن میں علم حاصل کیا،

....

اس کے بعد حج کے ارادے سے قدم باہر نکالا، اور کم وبیش دو برس بغداد میں قیام کیا، شیخ عبدالقادر قدس سرہٗ کے مزار پر متوجہ رہے، اور تصوف کا مذاق یہیں سے پیدا ہوا، چار سال شام میں گذارے، اور مصر ہوتے ہوئے حرمین آئے قشاشی سے ملے، ان کو قشاشی سے اور قشاشی کو ان سے تعلق پیدا ہوگیا، انہوں نے ان سے حدیثیں روایت کیں، اور خرقۂ خلافت پہنا، ان کی صحبت میں بلند مراتب اور کمالاتِ عالیہ کو پہنچے، موصوف فارسی، کردی، ترکی اور عربی سب زبانیں جانتے تھے، روشن دماغی، تبحرِ علمی، زہد اور تواضع، صبر وحلم کی صفات سے متصف تھے، ...... غرض شیخ ابراہیم کی سیرت یہ تھی کہ وہ اس زمانے کے نام نہاد فقیہ اور صوفیہ سے جو بڑے عمامے باندھتے اور لمبی لمبی آستینوں کے کرتے پہنتے، بیزار تھے، خواجگاں وکم عقل لوگوں کے لباسوں سے متنفر تھے، متوسط درجے کے کپڑے، عمامہ منقاریہ ادنیٰ درجہ کی اون کی دھاری دار اور کوفیہ لاطیہ جو عام اہلِ حجاز کی عادت تھی، زیب تن فرماتے تھے، مجلس میں صدر بن کر بیٹھنے اور گفتگو میں پہل کرنے یا اس طرح کی باتیں بنا کر موصوف ہرگز اپنی حقیقت کا اظہار نہیں کرتے تھے، اپنے شاگردوں کو بھی بحث ونظر اور باہمی گفتگو کے ذریعہ مستفید کرتے، اور کہتے کہ بات اِس اِس طرح ہے، اور میں اس کو ایسا ایسا سمجھتا ہوں، جب کوئی ان سے کوئی بات پوچھتا تو موصوف توقف فرماتے تا آنکہ تحقیق اور انصاف کے ساتھ اس اشکال کو رفع فرماتے تھے، عبداللہ عیاشی کا بیان ہے کہ موصوف کی مجلس گویا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ تھی، جب وہ حکمت کے مسئلوں پر تقریر فرماتے تو اس کے ضمن میں متصوفانہ نکات اور حقائق بھی بیان کرتے تھے، نیز صوفیہ کی باتوں کو فلاسفہ کی تحقیقات پر قابلِ ترجیح ہونے کو بیان کرتے، اور فرماتے تھے کہ فلسفی لوگ حقائق پر آگاہی کے قریب تر آچکے تھے، لیکن اس کی طرف ہدایت نہیں پائی۔

محدث موصوف "الانتباہ" میں رقمطراز ہیں:

"شیخ ابراہیم کردی کہ دراصلین وفقہ وحدیث وتصوف آیتے بود از آیات اللہ، ودر ہر فن رسائل دارد، وقوتِ تحریر وتقریر وے از آں رسائل تواں شناخت، ودر فنِ روایتِ حدیث خصوصاً رسائل دارد بغایت بے نظیر مثل امم، ومثل رسالہ مسلسلات، ومثل رسالۂ تصحیح احادیث کہ بر اکسنۂ صوفیہ جاری می شود الی غیر ذلك، ودر زمانِ او جمیع اقالیم را در تصوف واصلین وفقہِ شافعی وعلمِ حدیث نظر براو بود، واسئلہ از مشرق ومغرب بروے وارد می شدند، ووے جواب آنہا می نوشت ورسالہا می ساخت کسب علوم از علمائے بلد خود کرد۔"

شیخ ابراہیم کردی اصول وکلام، فقہ وحدیث اور تصوف میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے، اور ہر فن میں ان کے رسالے موجود ہیں، ان کی قوتِ تحریر اور تقریر کا اندازہ انہی رسالوں سے ہوسکتا ہے، اور جو روایتِ حدیث کے فن میں خصوصی رسالے، بے نظیر ہیں جیسے امم اور رسالۂ مسلسلات اور رسالۂ تصحیح احادیث وغیرہ، جن میں انہوں نے

....

ان روایات کی صحت سے بحث کی ہے جوصوفیہ کی زبان زد ہیں، ان کے زمانے میں تصوف، اصول، فقہِ شافعی اور علم حدیث میں تمام بلادِ اسلامیہ کی نظران پر تھی، مشرق ومغرب سے ان کے پاس سوالات آتے تھے، اور موصوف ان کے جوابات دیتے تھے، اوران ہی جوابات کے رسالے بن جاتے تھے، موصوف نے سب سے پہلے علوم کی تحصیل اپنے شہر کے علماء سے کی تھی۔

اہل علم کا اعتراف:

شیخ حسن عجیمی نے موصوف کے فرزندوں کو جوسندیں دی تھیں، اُن پر موصوف کوحسب ذیل الفاظ میں یاد کیا ہے:

''شيخ الإسلام، أستاذ العلماء الأعلام، حجة الصوفية،ومحي طريقتهم السنية، سيدي وصديقي وشيخي.'' (فهرس الفهارس:۱/۳۷۲)

شیخ ابوسالم عیاشی موصوف کے حافظہ کے متعلق رقمطراز ہیں:

''إنه بلغ من حفظه، أنه لو نظر مسألة في كتاب، وغاب عنه سبع سنين، ثم سئل عنها، فقال :هي في كتاب كذا، وصفحة كذا، وفي سطر كذا، وقد انثال الناس إليه في علوم الرواية من كل حدب.''

(فهرس الفهارس:۱/۳۷۲)

موصوف حافظہ کے ایسے مرتبہ کو پہنچے ہوئے تھے کہ اگر کسی کتاب میں کوئی مسئلہ نظر سے گزر جاتا، اور وہ کتاب سات برس تک ان کی نظر سے اوجھل ہو جاتی، اوران سے اس مسئلہ کے متعلق پوچھا جاتا، تو وہ فرماتے یہ مسئلہ فلاں کتاب کے فلاں صفحہ اور فلاں سطر میں ہے، فن حدیث کی تحصیل میں لوگ ہر طرف سے ان پر ٹوٹ پڑتے تھے۔

حافظ سید مرتضٰی بلگرامی ثم الزبیدی تاج العروس مادہ (ش ہ ر) میں تحریر فرماتے ہیں:

''(شهرزور) بالفتح مدينة زور بن الضحاك وهو الذي أحدثها فنسبت إليه، وهي الآن كورة واسعة في الجبال بين أربل وهمذان، وأهلها كلهم أكراد .... وقد نسب إليه جماعة من العلماء ...... ومن المتأخرين شيخ مشايخنا أبو العرفان إبراهيم بن حسن بن شهاب الدين الكردي الشهراني، ولد في شوال سنة ۱۰۲۵هـ ،وقدم المدينة، ولازم القشاشي، واجتمع في مصر عند مروره بها مع الشهاب الخفاجي، والشيخ سلطان، وغيرهم. وقد حدثنا عنه شيخنا محمد بن علاء الدين الزبيدي بالكتابة، وأحمد بن علي الدمشقي بالإجازة العامة، توفي بالمدينة في ۲۸ جمادى الأولىٰ سنة ۱۱۰۱هـ.''

شہرزور، فتح کے ساتھ زور بن الضحاک کا شہر تھا، جس کو اس نے بسایا تھا، اس کی طرف شہرزوری نسبت ہے، یہ

....

اب اربل اور ہمدان کے درمیان پہاڑوں میں ایک وسیع قصبہ ہے، اور یہاں تمام تر کرد آباد ہیں..... علماء کی ایک جماعت اس کی طرف منسوب ہے..... متاخرین میں سے ہمارے شیخ الشیوخ ابوالعرفان ابراہیم بن حسن بن شہاب الدین کردی شہرانی اس کی طرف منسوب ہیں، موصوف شوال ۱۰۲۵ھ میں پیدا ہوئے، اور پھر مدینہ آگئے، شیخ قشاشی کی صحبت اختیار کی، مصر سے گذرتے ہوئے شیخ شہاب الدین خفاجی اور شیخ سلطان وغیرہ سے بھی ملاقاتیں رہیں، اور ہم سے ہمارے شیخ محمد بن علاء الدین زبیدی اور احمد بن علی دمشقی ان کی سند سے حدیثیں بیان کرتے تھے، اول الذکر کو ان سے تحریری اجازت حاصل تھی، اور احمد دمشقی کو اجازتِ عامہ، ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۱۰۱ھ میں انتقال ہوا۔

حافظ مرتضیٰ بلگرامی مادہ ''ک ور'' میں لکھتے ہیں:

''كوران بالضم قبيلة من الأكراد، وخرج منهم طائفة كثيرة من العلماء والمحدثين، خاتمهم شيخ شيوخنا العلامة أبو العرفان إبراهيم بن حسن نزيل طيبة.''

کوران ضمہ کے ساتھ کردوں کا ایک قبیلہ ہے، انہی میں سے علماء اور محدثین کی ایک بڑی جماعت نکلی ہے، جن میں خاتمۃ العلماء والمحدثین ہمارے شیخ الشیوخ ابوالعرفان ابراہیم بن حسن نزیل مدینۂ منورہ ہیں۔

محبی "خلاصة الأثر" (۱/۳۴۵) میں شیخ احمد قشاشی کے تذکرہ میں موصوف کے متعلق فرماتے ہیں:

''منهم نتيجة النتائج، خليفته الروحاني، إبراهيم بن حسن الكوراني الشهراني، فإنه به تخرج، وبعلومه انتفع، لازمه مدة حياته، وصار خليفته في التربية والإرشاد بعد مماته.''

ان میں سے نتیجہ نتائج خلیفۂ روحانی ابراہیم بن حسن کورانی شہرانی ہیں، موصوف نے قشاشی سے اکتسابِ فیض کیا، اور انہی کے علوم سے استفادہ کیا، اور اُن کی زندگی میں ان ہی کی صحبت میں رہے، اور ان کے انتقال کے بعد تربیت اور سلوک کی تعلیم میں ان کے جانشین ہوگئے۔

محمد خلیل آفندی نے موصوف کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

''الشيخ الإمام، العالم، العلامة ،خاتمة المحققين، عمدة المسندين، العارف بالله تعالى ...... اشتهر ذكره، وعلا قدره، وهرعت إليه الطالبون من البلدان القاصية للأخذ، والتلقي عنه ،ودرس بالمسجد الشريف النبوي ...... وكان جبلاً من جبال العلم بحراً من بحور العرفان.'' (سلك الدرر: ۱/۵-۶)

شیخ، امام، علامہ، خاتم محققین، عمدۂ مسندین، عارف باللہ تعالیٰ، ...... ان کا تذکرہ مشہور ہے، ان کا مرتبہ بلند ہے، ان سے تحصیلِ علوم کی خاطر دور دور شہروں سے طالبانِ علوم ان کی طرف دوڑے چلے آتے تھے، موصوف مسجدِ نبوی

....

میں درس دیتے تھے...... یہ علم کا پہاڑ اور معرفت کا سمندر تھے۔

حافظ شیخ محمد عابد سندھی "حصر الشارد" میں رقمطراز ہیں:

"الشيخ العلامة إبراهيم بن حسن الكردي، فقد سارت مؤلفاته في الآفاق، وكان إماماً محققاً جمع بين المنقول والمعقول، والفروع والأصول، وأتقن الحكمة النظرية والعملية، وأحاط بأسرارهما، وكذا بكتب الحقائق لابن عربي، والجيلي، والقاشاني، والقونوي، والقصيري، وإليه النهاية في ذلك، وأقبل على علم الحديث، حتى استخرج جواهره ودرره، ومصنفاته مشهورة، ومناقبه مسطورة، ولد في شوال سنة خمس وعشرين وألف ببلاد شهران من جبال الكرد، وأخذ جميع العلوم العقلية، والإلهية، والتفسير، والفقه في بلده، وغالب أخذه على الملا محمد شريف الكوراني الصديقي، ولما رحل إلى بلد العرب أخذ الحديث من أهله، كالشيخ العلامة سلطان المزاحي، ولما وصل إلى الحرمين، واستوطن المدينة، أخذ التصوف عن الشيخ أحمد القشاشي، وكان له انتفاعه في هذا، ولقي جملة من العلماء من كل الآفاق، وأخذ عنهم في الحديث، وصار بعد ذلك رحلة يطلب منه علم الحديث، ولايحصى الآخذون عنه، وغالبهم العلماء الفحول، ولم يزل على قدم الجد والاجتهاد والتأليف، حتى توفي إلى رحمة الله تعالى ثامن عشرين من جمادي الأولى سنة ألف ومائة وواحد، ودفن بعد المغرب ببقيع الغرقد- رحمه الله-."

شیخ علامہ ابرہیم بن حسن کردیؒ تو ان کی تالیفات گوشہ گوشہ میں پہنچی ہیں، موصوف امام محقق، جامع منقول ومعقول اور حاوی فروع واصول تھے، حکمتِ نظری وعملی میں متقن، اوران کے اسرار پر حاوی تھے، اِس طرح ابن عربی، جیلی، قاشانی، قونوی، قصیری کی حقائق کی کتابوں کے ماہر تھے، اور یہی ان علوم میں حرفِ آخر سمجھے جاتے تھے، علمِ حدیث پر توجہ فرمائی یہاں تک کہ اس کے موتیوں اور جواہر ریزوں کو نکالا، ان کی تصانیف مشہور ہیں، اوران کے مناقب کتابوں میں مذکور ہیں، یہ شوال ۱۰۲۵ھ بلاد شہران جبال کرد میں پیدا ہوئے، اور تمام علوم عقلیہ وآلہیہ اور تفسیر وفقہ کو وطن میں پڑھا، بیشتر علوم کی تحصیل ملا محمد شریف کورانی صدیقی سے کی، اور جب بلادِ عرب کا سفر کیا تو وہاں کے علاء سے (جیسے کہ شیخ علامہ سلطان مزاحی ہیں) حدیث پڑھی، جب حرمین پہنچے، اور مدینہ کو وطن بنایا تو تصوف کی تکمیل شیخ احمد قشاشی سے کی، اور تمام تر انہی سے استفادہ کیا، اور یہاں ہر طرف کے علماء سے ملاقات ہوئی، اوران سے بھی حدیث کی سندیں لیں، اس کے بعد ایسے عالم بن گئے کہ ان کی طرف علمِ حدیث کی تحصیل کیلئے سفر کیا جانے لگا، اوران کے شاگردوں کا تو شمار ہی نہیں کیا جاسکتا، ان میں اکثر نامور علماء ہوئے، اور یہ درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں برابر کوشاں رہے تا آنکہ ۲۸ جمادی الاولی ۱۱۰۱ھ میں اللہ کو پیارے

....

ہوگئے، اور بعدِ مغرب بقیع غرقد میں سپردِ خاک کئے گئے اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے، آمین۔

موصوف ایک اور موقعہ پر رقمطراز ہیں:

''العالم الإمام الحبر الهمام، مَن حكت أفكاره في صحة الاستنباط المتقدمين في جميع الفنون، فكانت مصنفاته جديرة بأن تكتب بماء العيون، وأن يبذل في تحصيله المال والأهل والبنون.''

عالم، امام، حبر، ہمام، جن کے افکار نے علوم کے اندر صحت استنباط میں متقدمین کی یاد کو تازہ کیا، ان کی تصانیف اس لائق ہیں کہ آبِ چشم سے لکھی جائیں، اور ان کے حاصل کرنے میں مال اور اہل وعیال سے دریغ نہ کیا جائے۔

قاضی محمد شوکانی (المتوفی ۱۲۵۰ھ) ''البدر الطالع'' (۱/۱۲) میں لکھتے ہیں:

''برع في جميع الفنون، وإقراءٍ باللغة العربية، والفارسية، والتركية، وسكن بعد ذلك مكة المشرفة، وانتفع به الناس، ورحلوا إليه، وأخذوا عنه في كل فن حتى مات.''

وہ تمام علوم وفنون میں عربی، فارسی اور ترکی زبان کے پڑھانے میں ممتاز تھے، موصوف نے تحصیلِ علم کے بعد مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی، لوگوں کو ان کی ذات سے فائدہ پہنچا، طلبہ ان کے پاس سفر کر کے آتے اور ہر علم کی تحصیل ان سے کرتے تھے یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوگیا۔

مولانا محمود حسن خاں ٹونکی (معجم المصنّفين: ۳/۸ طبع بیروت ۱۳۴۴ھ) میں فرماتے ہیں:

''وكان -رحمه الله تعالى- سلفي العقيدة، ذاباً عن ابن تيمية وغيره عن الأئمة، وكذا يذب عما وقع في كلمات الصوفية.''

ان پر اللہ کی رحمت ہو یہ سلفی عقیدہ رکھتے تھے، ابن تیمیہؒ وغیرہ ائمہ فن کی طرف سے مدافعت کرتے تھے، اس طرح جو کلمات صوفیہ کی زبان سے نکلے ہیں ان کی طرف سے جواب دہی کرتے تھے۔

وفات:

۱۸ ربیع الاول ۱۱۰۱ھ/ ۱۹ دسمبر ۱۶۸۹ء میں بروز بدھ بعد عصر رہ گرائے عالمِ آخرت ہوئے، اور بقیع میں دفن کئے گئے، موصوف کا سالِ وفات ''والله إنا على فراقك يا إبراهيم لمحزون'' (۱۱۰۱ھ) سے نکالا گیا ہے۔

تالیفات:

موصوف کی تالیفات میں سے حسبِ ذیل کتابیں مشہور ہیں:

۱-''الأمم لإيقاظ الهمم'' کے متعلق سید عبدالحی کتانی فہرس الفہارس (۱/۱۱۶) میں رقمطراز ہیں:

''موصوف کی فہرست الامم سب سے بڑی فہرست ہے، اورنہایت مفید حدیثی اور تاریخی اور کلامی مباحث، نیز صوفیانہ نکات کی جامع ہے، اس میں اوائل کتبِ حدیثیہ کو بیان کیا گیا ہے، جن علماء نے اوائل پر کتابیں لکھی ہیں انہوں نے ان کی کتاب سے فائدہ اٹھایا ہے، اور فوائد کو نقل کیا ہے، یہ فہرست مجلس دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکی ہے، اس فہرست پر ہمارے شیخ ابوالخیر احمد مکی کی نہایت عمدہ تعلیقات ہیں، اگر وہ بھی طبع ہو جاتیں تو پھر پورا پورا فائدہ ہو سکتا تھا، شیخ ابوطاہر کورانی کا قول ہے:

''الأمم والكفاية للعجيمي، أن كلّامنهما كاف لوصل أسانيد غالب الكتب المتداولة، وفيها الغنية لأهل زماننا.''

کتاب الامم اور الکفایۃ تالیف شیخ حسن عجیمی یہ دونوں حدیث کی اکثر متداول کتابوں کی سندوں کے وصل کے لیے کافی وشافی ہیں، اور ہمارے زمانے کے علماء کے لیے اس میں کفایت کا سامان ہے۔

۲۔ إبداء النعمة بتحقيق سبق الرحمة، ۳۔ إتحاف الخلف بتحقيق مذهب الخلف، ٤۔إتحاف الذكي بشرح التحفة المرسلة إلى النبي،٥۔ إسعاف الحنيف لسلوك مسلك التعريف، ٦۔ الإسفار عن أصل استخارة أعمال الليل والنهار، ۷۔ إشراق الشمس بتعريف الكلمات الخمس، ۸۔ الإعلان بدفع التناقض في صورة الأعيان،۹۔ أعمال الفكر والروايات في شرح حديث إنما الأعمال بالنيات، ۱۰۔ إفاضة العلام بتحقيق مسألة الكلام، ۱۱۔ اقتفاء الآثار، ۱۲۔ إلماع المحيط بتحقيق الكسب الوسط بين طرفي الإفراط والتفريط،۱۳۔ الإلمام بتحرير قولي سعدي وعصام یہ تفسیر میں ہے، ١٤۔ إمداد ذوي الاستعداد لسلوك مسلك السداد، ١٥۔ إنباء الأنباء على تحقيق إعراب لا إله إلّا الله، ١٦۔ إيقاظ القوابل للتقرب بالنوافل، ١٧۔ بلغة المسير إلى توحيد العلي الكبير،١٨۔ تحفة التوفيق بين كلامي أهل الكلام وأهل الطريق، ١٩۔ تكميل التعريف لكتاب في التصريف، ٢٠۔ تنبيه العقول على تنزيه الصوفية من اعتقاد التجسيم والعينية والاتحاد والحلول، ٢١۔ التوصيل إلى أن علم الله بالأشياء أول على التفصيل، ٢٢۔ جلاء الأنظار بتحرير الجبر في الاختيار،٢٣۔ جلاء النظر في بقاء التنزيه مع التجمع في الصور، ٢٤۔ جناح النجاح، ٢٥۔ الجوابات الغراوية عن المسائل الحاوية الجهرية، ٢٦۔ جواب العتيد لمسألة أول واجب ومسألة التقليد، ٢٧۔ الجواب الكافي عن مسألة إحاطة العلم المخلوق بالغير المتناهي، ٢٨۔ الجواب المشكور عن السوال المنظور، ٢٩۔ حسن

اورانہوں نے شیخ احمد قشاشی (۱) سے، ....

الأوبة في حكم التوبة، ٣٠۔ شوارق الأنوار في المسلك المختار، ٣١۔ ضياء المصباح في شرح بهجة الأرواح، ٣٢۔ عجالة ذوي الانتباه بتحقيق إعراب "لا إله إلّا الله"، ٣٣۔ قصد السبيل إلى توحيد الحق الوكيل، ٣٤۔ القول الجلي في تحقيق قول الإمام زين الدين بن علي، ٣٥۔ القول المبين في مسألة التكوين، ٣٦۔ كشف المستور في جواب اسئلة عبد الشكور، ٣٧۔ اللمعة السنية في تحقيق الإلقاء في الأمنية، ٣٨۔ اللوامع اللآلي في الأربعين العوالي، ٣٩۔ مد الفئ في تقرير "ليس كمثله شيء"، ٤٠۔ مسالك الأبرار إلى أحاديث النبي المختار، ٤١۔ مسلك الاعتدال إلى آية خلق الأعمال، ٤٢۔ المسلك الجلي في حكم شطح الولي، ٤٣۔ مسلك السداد إلى مسألة خلق العباد، ٤٤۔ المسلك القريب إلى سؤالات الحبيب، ٤٥۔ المسلك المختار في أول صادر من الواجب بالاختيار، ٤٦۔ المتمه للمسألة المهمة، ٤٧۔ مجلى المعاني على عقيدة الدواني، ٤٨۔ مشرع الورود إلى مطلع الجود بتحقيق التنزيه في وحدة الوجود، ٤٩۔ النبراس لكشف الالتباس الواقع في الأساس، ٥٠۔ نبراس الإيناس بأجوبة سؤالات أهل فاس، ٥١۔ نوال الطوال .

موصوف کےحالات کے لئے ملاحظہ ہو: أنسان العين في مشايخ الحرمين:٧ -٩، الانتباه في سلاسل أولياء الله، الرحلة العياشية:١/ ٣٢٠، سلك الدرر:١/ ٥-٦، البدر الطالع:١/ ١١- ١٢، تاج العروس(ماده ك و ر)، معجم المصنّفين ازمحمودحسن خاں ٹونکی:٣/ ١٠٤-١٠٧، فهرس الفهارس:١/ ٢٢٩-٢٣٠، المجددون في الإسلام:٤٠٧ -٤١٠، هدية العارفين:١/ ٣٥،تقصار جيود الأحرار:١٠٣، أبجد العلوم:٨٤٦ .

(۱) احمد قشاشی

نام ونسب:

احمد نام اورصفی الدین لقب ہے،سلسلۂ نسب یہ ہے:''احمد بن محمد بن یونس بن احمد بن علی بن یوسف بن حسن البدری القشاشی المالکی المدنی''، باپ کی طرف سے موصوف کا سلسلۂ نسب حضرت علی ﷛ تک،اور ماں کی طرف سے حضرت تمیم داری ﷛ پرمنتہی ہوتا ہے۔

ولادت،تعلیم وتربیت:

موصوف ۹۹۱ھ/۱۵۸۳ء میں پیداہوئے،تعلیم وتربیت والد بزرگوار شیخ محمد مدنی سے پائی،انہوں نے اپنے شیخ محمد بن عیسیٰ تلمسانی کی اتباع میں مذہب مالکی اختیار کرلیا تھا،لہٰذا انہوں نے شروع میں ان کو فقہِ مالکیہ کی تعلیم دی،

....

۱۱۰۱ھ میں والد ماجد کے ساتھ یمن کے سفر کا اتفاق ہوا، مشائخِ یمن میں سے شیخ امین بن الصدیق مراوحی، محمد غرب، شیخ احمد سطیحہ زیلعی وغیرہ سے استفادہ کیا، اور پھر سیاحت کرتے ہوئے یمن سے مکہ معظّمہ آ گئے، اور یہیں ایک عرصہ تک مقیم رہے، اس زمانہ میں شیخ ابو الغیث شجر اور شیخ سلطان مجذوب کی صحبت سے فائدہ اٹھایا، پھر مدینہ منورہ آ کر شیخ احمد بن الفضل، شیخ محمد بن عراق، شیخ عمر بن القطب اور بدر الدین عادلی وغیرہ سے استفادہ کیا، بعد از آں شیخ احمد بن علی شناوی کی صحبت سے ان کا مسلک اور انہی کا طریقہ اختیار کیا، ان سے حدیث کی تکمیل کی، اور ان کی دختر نیک اختر سے شادی ہوئی، ان کے جانشین ہوئے، اور تمام عمر حرم میں حدیث کا درس دیتے رہے۔

جب شیخ شناوی کا انتقال ہو گیا تو ان کے رفیق سید اسعد بلخی کی صحبت اختیار کی، اور ان سے استفادہ کیا، شیخ قشاشی کو کم وبیش سو شیوخ ومشائخِ طریقت سے ذکر وتلقین کی اجازت حاصل تھی، شاہ ولی اللہؒ "الانتباہ" میں رقمطراز ہیں:

"قشاشی عارف بودہ است وعالم، وتصانیف در حدیث وغیر آں، واو را شیوخ بسیار بودند، لیکن اکثر ارتباط او بشیخ احمد شناوی است۔"

شیخ قشاشی عالم وعارف تھے، حدیث وغیرہ میں ان کی تصانیف موجود ہیں، ان کے شیوخ بھی بہت تھے، **لیکن** ان کا زیادہ تر تعلق شیخ احمد شناوی سے تھا۔

حالات، صفات حمیدہ:

موصوف "أنسان العين في مشايخ الحرمين" میں لکھتے ہیں:

"شیخ احمد قشاشی وے پسر محمد بن یونس القشاشی الملقب بعبد النبی ابن الشیخ احمد الدجانی است، دجانہ بتخفیف جیم قریہ است از قریٰ بیت المقدس، شیخ احمد دجانی از آنجاست، بسیار بزرگ بود، شیخ عبد الوہاب در طبقات ترجمہ وے نوشتہ .... قشاشی از آں گویند کہ برائے ستر واخفا در مدینہ قشاشہ فروشی کردے، وقشاشہ سقط متاع را گویند، چوں دواتہا و پاپوش کہنہ ومانندِ آں .... وشیخ احمد قشاشی امام بود در علمِ حقیقت وشریعت، چوں در حقائق سخن گفتے بآیات واحادیث آں را مبرہن ساختے، صحبت بسیار مشائخ دریافت، وخرقہ از والدِ خود پوشید، وفتح کار وے بر دست شیخ احمد شناوی شد، وخود را بوے منسوب کردے، گویند شیخ احمد قشاشی بسیاحت رفتہ بود تا مشائخِ صوفیہ را دریابد، چوں بازگشت وبجدّہ رسید در خواب او را نمودند کہ شیخ احمد شناوی استادہ است، ومنی از ذکرِ وے سیلان می کند، وپائے وجامہائے او متلطخ شدہ اند، چوں بیدار شد دانست کہ شیخ بمرتبۂ تکمیل رسیدہ، لیکن کسے فرزندِ معنوی وے پیدا نشدہ بسوئے وے مبادرت کرد، شناوی چوں او را دید گفت "مرحبا مرحبا بمن جاء يقتبس منا علومنا" .... بالجملہ سیرت قشاشی آں بود کہ نہ بر نمط فقہائے زمانہ

....

بودے ونہ بروضعِ زہاد متقشفہ، بلکہ برطریقِ توسط و بے تکلفی کہ نہج سنت ہمانست، وہرگز بخانۂ امرا نہ رفتے، واگر ایشاں بزیارتِ وے آمدندے بخوش خوئی و بشاشت تلقی کردے، وبقدرِ منزلت ہر یکے معاملہ فرمودے، وکریم قوم رابمزیدا کرام مخصوص کردے، وامرِ معروف بنہایت لین ادا کردے، وزائران خود را از نصیحت خالی نگذاشتے، شیخ عیسیٰ مغربی گفت:

''ما خرجت من عند القشاشي قط إلا والدنيا في عيني أحقر من كل حقير، ونفسي أذل من كل ذليل، ولو تكرر دخولي عليه مرات''.

شیخ احمد قشاشی، محمد بن یونس قشاشی (جن کا لقب عبدالنبی بن شیخ احمد دجانی ہے، ان) کے فرزند ہیں، دجانہ جیم کی تخفیف کے ساتھ بیت المقدس کے دیہات میں سے ایک گاؤں کا نام ہے، شیخ احمد دجانی کا تعلق اسی جگہ سے ہے، یہ بزرگ تھے، شیخ عبدالوہاب شعرانی نے طبقات میں ان کا تذکرہ کیا......... ان کو قشاشی اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اپنی نسبت مخفی رکھنے کی غرض سے قشاشہ فروشی کرتے تھے، قشاشہ کباڑ خانے کو کہتے ہیں جیسے پرانا سامان، پرانے کپڑے وغیرہ ......شیخ احمد قشاشی طریقت وشریعت کے امام تھے، حقائق کی باتیں بیان کرتے تو آیتوں اور حدیثوں سے مدلل پیش کرتے تھے، بہت سے مشائخ کے صحبت یافتہ تھے، خرقۂ خلافت اپنے والد سے پہنا تھا، اور کامیابی اور قبولیت شیخ احمد شناوی کے ہاتھ پر نصیب ہوئی تھی، چنانچہ موصوف اپنے آپ کو ان ہی سے منسوب کرتے تھے، کہتے ہیں کہ شیخ احمد قشاشی سیاحت کیلئے نکلے تھے تاکہ مشائخ وصوفیہ کو معلوم کریں، جب لوٹتے ہوئے جدہ پہنچے تو خواب میں دیکھا کہ شیخ احمد شناوی کھڑے ہیں، اور مادہ منی ان کے ذکر سے بہنے لگا، اور پاؤں اور کپڑے سب اس میں لت پت ہوگئے، جب بیدار ہوئے تو معلوم ہوا کہ شیخ تکمیل کے درجہ کو پہنچے ہوئے ہیں، لیکن کوئی معنوی فرزند ان کے یہاں پیدا نہیں ہوا، تو موصوف نے ان ہی کی طرف سبقت کی، شیخ شناوی نے جب ان کو دیکھا تو فرمایا ''خوش آمدید، خوش آمدید، وہ شخص آگیا جو ہم سے ہمارے علوم حاصل کرے گا''......خلاصہ یہ ہے کہ قشاشی کی سیرت یہ تھی کہ وہ نہ فقیہانِ زمانہ کی روش پر گامزن تھے، اور نہ زاہدانِ خشک کے طریقے پر، بلکہ ان کا رویہ درمیانی اور بے تکلفانہ تھا، جو سنت کا طریقہ ہے، موصوف امراء کے گھر کبھی نہیں جاتے تھے، اور اگر وہ ان کی ملاقات کے لیے ان کے گھر پر حاضر ہوتے تو نہایت خندہ پیشانی اور آدمیت کے ساتھ پیش آتے تھے، ہر شخص سے اس کے مرتبہ کے مطابق برتاؤ کرتے تھے، اور قوم کے سردار کی خصوصیت سے زیادہ تعظیم کرتے تھے، نیز نہایت نرم لہجے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تبلیغ کرتے تھے، ملاقاتیوں کو نصیحت کے بغیر رخصت نہیں فرماتے تھے، شیخ عیسیٰ مغربی کا قول ہے کہ جب میں شیخ قشاشی کے پاس سے اٹھا، دنیا میری نظروں میں حقیر سے حقیر تر ہوگئی تھی، اور میرا نفس ذلیل سے ذلیل تر، اگرچہ میرا ان کے پاس بار بار ہی جانا کیوں نہ ہوا ہو۔

....

لقب:

شیخ ابوسالم عیاشی مغربی (المتوفی ۱۰۹۰ھ) موصوف کے لقب کے متعلق ''الرحلة العیاشیة'' (۱/ ۴۰۷) میں لکھتے ہیں:

''وفيه أن من عادة المشارقة تلقيب من اسمه أحمد بشهاب الدين، وكان صاحب الترجمة يقول لأصحابه: لاتلقبوني بذلك؛ لأن اسمي أحمد، وهو أشرف الأسماء، فكيف تلقب بالشهاب الذي هو العذاب والرجم، فلقب بصفي الدين.''

اور اس میں ایک بات یہ ہے کہ اہلِ مشرق کی یہ عادت ہے کہ جن کا نام احمد ہوتا ہے ان کو شہاب الدین کے لقب سے یاد کرتے ہیں، اور صاحبِ تذکرہ اپنے شاگردوں سے فرماتے تھے مجھے اِس لقب سے یاد نہ کرو، کیونکہ میرا نام احمد ہے، اور یہ ناموں میں اشرف نام ہے، لہٰذا اس کو شہاب کے لقب سے جو ایک سزا ہے اور پھینکا ہوا تارا ہوتا ہے، اس سے کیونکر یاد کرتے ہو، اس وجہ سے ان کو صفی الدین کے لقب سے ملقب کیا گیا۔

سید مرتضیٰ بلگرامی کا بیان ہے:

''القطب الصفي أحمد بن محمد بن عبد النبي الدجاني القدسي الأصل، المدني الدار والوفاة، الشهير بالقُشاشي بالضم يروي بالإجازة العامة عن الشمس الرملي، قد حدث عنه شيوخ مشايخنا، كالبرهان إبراهيم بن حسن الكوراني، وبه تخرج، وأبو البقاء حسن بن علي بن يحيى المكي وغيرهما، وتوفي بالمدينة'' (تاج العروس مادہ قشّ)

قطب صفی احمد بن محمد بن عبد النبی دجانی، اصل میں قدس کے رہنے والے ہیں، پھر مدینہ کو وطن بنایا، اور یہیں انتقال ہوا، قشاشی بضم قاف سے مشہور ہیں، اور اجازت عامہ کی وجہ سے شمس الدین رملی سے روایت کرتے ہیں، ہمارے استاذ الاساتذہ جیسے بُرہان الدین ابراہیم بن حسن کورانی ان سے حدیث روایت کرتے ہیں، انہوں نے انہی سے تعلیم پائی تھی...... اور ابوالبقاء حسن بن علی بن یحییٰ مکیؒ وغیرہ بھی ان سے روایت کرتے ہیں، ان کا انتقال مدینۂ منورہ میں ہوا ہے۔

موصوف مادہ درج ن کے تحت لکھتے ہیں:

''والصفي أحمد بن محمد بن عبد النبي القشاشي الدجاني بالكسر، نزيل المدينة المنورة -على ساكنها أفضل الصلاة والسلام-، وأصله من بيت المقدس، ذكر في الشين.''

صفی الدین احمد بن عبد النبی قشاشی دجانی بالکسر، نزیل مدینۂ منورہ -على ساكنها أفضل الصلاة والتحية-

....

یہ اصل میں بیت المقدس کے رہنے والے ہیں، ان کا ذکر حرف شین میں گزر چکا ہے۔

وفات:

۱۰۷۱ھ/۱۶۶۱ء میں بروز پیر مدینہ میں انتقال ہوا، اور بقیع میں قبۂ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے شرقی گوشہ میں دفن ہوئے۔

بڑے بڑے علماء اور صوفیہ نے اختلافِ مسلک کے باوجود موصوف سے بہت کچھ استفادہ کیا، جن میں سید عارف باللہ عبد الرحمٰن مغربی ادریسی، شیخ عیسیٰ مغربی جعفری، سید عبد اللہ باقفیہ اور ابراہیم بن حسن کورانی وغیرہ کا نام زیادہ مشہور ہے۔

تالیفات:

موصوف کی تصانیف میں مندرجہ ذیل کتابیں زیادہ مشہور ہیں:

۱۔ السمط المجيد في تلقين الذكر والبيعة وإلباس الخرقة وسلاسل أهل التوحيد، اِس کتاب کے متعلق ابو سالم عیاشی لکھتے ہیں:

''ذكر فيه طرق رواياته وأسانيده عن مشايخه، وأكثرها في طريق القوم، فقد استوفى غالب طرقهم، وساق أسانيده إلى أصحابها بأسانيدهم إلى منتهى، مع ذكر شئ من حكاياتهم ومآثرهم.''

(فهرس الفهارس والمشيخات :۲/۳۲۰)

اس میں انہوں نے اپنے مشائخ طریقت کے سلسلوں اور سندوں کو ذکر کیا، اور اکثر وبیشتر سلسلوں کو اس میں جمع کر دیا ہے، اور اس کی سندوں کو آخری صاحبِ سلسلہ بزرگوں تک بیان کیا ہے، ساتھ ہی ان کے کچھ قصے اور محاسن کو بھی نقل کیا ہے۔

یہ کتاب دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن سے شائع ہوئی ہے۔

۲۔ بستان العارفين وروض العارفين، ۳۔ حاشيةعلى الإنسان الكامل، ٤۔حاشية على المواهب اللدنية، ٥۔الدرة الثمينة فيما لزائر النبي ﷺ إلى المدينة، ٦۔ شرح عقدية ابن عفيف، ٧۔ كتاب النصوص، ٨۔ كلمة الجود في القول بوحدة الوجود، ٩۔ الكلمة الوسطى في شرح حكم ابن العطاء، ١٠۔ الكمالات الإلهية، ١١۔ الكنز الأسنى في الصلاة والسلام على الذات المكملة الحسنى، ١٢۔ الوصيه للأولاد والبرية.

موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: أنسان العين في مشايخ الحرمين:۲-۳، الانتباه في سلاسل أولياء الله (مخطوطه)، الرحلة العياشية:١/٤٠٧-٤٢٩، خلاصة الأثر:١/٣٤٣-٣٤٦، فهرس الفهارس:٢/٣٢٠-٣٢١، هدية العارفين:١/١٦١، أبجد العلوم:٨٤٥، تقصار جيود الأحرار:١٠١ .

انہوں نے شیخ احمد شناوی (۱) سے،...

(۱) ابوالعباس الشناوی المدنی

نام ونسب:

احمد نام، ابوالمواہب اور ابوالعباس کنیت ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''احمد بن علی بن عبدالقدوس بن محمد الشناوی المصری ثم المدنی الشہیر بالحنائی۔''

ولادت وتعلیم وتربیت:

شوال ۹۷۵ھ/ اپریل ۱۵۶۸ء میں مصر کے مشہور محلّہ روح میں پیدا ہوئے، علومِ ظاہری کی تکمیل مصر میں کی، اور نامور محدث شمس الدین رملی، قطب الدین محمد بن ابی الحسن بکری اور شیخ نورالدین زیادی سے حدیث وفقہ پڑھی، پھر مدینہ میں سید صبغۃ اللہ بن روح اللہ سندھی سے تصوف کے اعمال واشغال کی تعلیم حاصل کی، اور علمِ طریقت کی تکمیل کی، موصوف نے ان کو خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا، ان کے شیوخ میں سید غضنفر بن جعفر بخاری ثم المدنی کا نام بھی سرِ فہرست آتا ہے، شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''أنسان العین'' (ص:۱) میں لکھتے ہیں:

''شیخ احمد شناوی......وے پسر علی بن عبدالقدوس بن محمد عباسی شناوی است آباء کرامش از کبارِ اولیاء بودند، شیخ عبدالوہاب شعرانی پارہ از احوالِ ایشاں نوشتہ، جامع بود در علمِ شریعت وحقیقت، علمِ حدیث از شمس رملی واز والدِ خود واز سید غضنفر واز شیخ محمد بن ابی الحسن بکری روایت کردہ، واز والدِ خود خرقہ پوشید، بعد آں صحبت سید صبغۃ اللہ را لازم گرفت، واز دستِ وے خرقہ پوشید، واز صحبتِ وے بدرجاتِ عالیہ رسیدہ خلیفہ وے شد، در تربیتِ سالکین از وے می آید کہ گفت: ''لو كان الشعراني حيا ما وسعه إلا اتباعي''.''

شیخ احمد شناوی، شیخ علی بن عبدالقدوس بن محمد عباسی شناوی کے فرزند ہیں، ان کے آباءِ کرام بڑے اولیاء اللہ میں سے تھے، شیخ عبدالوہاب شعرانی نے ان کے بزرگوں کا کچھ حال لکھا ہے، موصوف علمِ شریعت اور طریقت کے جامع تھے، حدیث پدرِ بزرگوار شیخ علی، محدث شمس الدین رملی، سید غضنفر اور محمد بن ابی الحسن بکری وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے اپنے والد سے خرقۂ خلافت پہنا، اس کے بعد سید صبغۃ اللہ کی صحبت اختیار کی، انہوں نے بھی ان کو اپنے دستِ خاص سے خرقۂ خلافت پہنایا، اور ان کی صحبت سے بڑے مراتب پر فائز ہوئے، اور طالبین کی تربیت میں ان کے خلیفہ بن گئے، موصوف فرماتے تھے کہ اگر شعرانی بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری پیروی کے بغیر چارہ نہیں ہوتا۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''الانتباہ'' میں رقمطراز ہیں:

''شیخ احمد شناوی از والدِ خود اخذ کرد، ونیز از شیخ محمد بن ابی الحسن البکری واز شیخ محمد بن احمد رملی وشیخ حسن وجیہی

....

وشیخ عبدالرحمٰن بن عبدالقادر بن فہد“

شیخ احمد شناوی نے علوم کی تحصیل اپنے والد سے کی، نیز شیخ محمد بن ابی الحسن شیخ محمد بن احمد رملی وشیخ حسن وتجی اور شیخ عبدالرحمٰن بن عبدالقادر بن فہد سے بھی روایت کرتے ہیں۔

فضل وکمال:

محبی نے موصوف کا تذکرہ حسبِ ذیل الفاظ میں کیا ہے:

”الأستاذ الكامل المكمل الباهر الطريقة، ترجمان لسان القدم، كان آية الله الباهرة في جميع المعارف، وقد أعلى الله تعالى مقداره، ونشر ذكره، وله بالحرمين الشهرة الطنانة ...... وله خلفاء في كل أرض، ورتبهم عالية معلومة.“ (خلاصة الأثر:۱/۲۴۳)

موصوف استادِ کامل ومکمل، ماہرِ طریقت اور اسرارِ ازلی کے ترجمان، تمام معارف میں اللہ تعالیٰ کی نہایت روشن نشانی تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کا رتبہ بلند کیا، ان کا نام روشن ہوا، حرمین شریفین میں ان کی بڑی شہرت ہوئی، ہر زمین (ملک) میں ان کے خلیفہ ہیں، اور ان کے مراتبِ عالیہ کا بھی سب کو علم ہے۔

حافظ سید مرتضیٰ بلگرامی ثم الزبیدی (المتوفی ۱۲۰۵ھ) ”تاج العروس“ (مادہ ش ن و) میں لکھتے ہیں:

”شِنّو، بكسر شين فتشديد النون مضمومة، قرية بالغربية من مصر، ومنها القطب محمد بن أحمد بن عبد الله بن عمر بن بلال الشناوي الصوفي الولي الأحمدي، دفين محلة روح، وهو ممن أخذ عنه: القطب الشعراني وغيره، وحفيده أبو العباس أحمد بن علي بن عبد القدوس بن محمد، نزيل المدينة المنورة، ممن أخذ عنه: الولي القشاشي وغيره، وفي هذا البيت صلاح وتصوف وولاية.“

شِنّو، کسرۂ شین، ضمہ نون مشدد کے ساتھ ہے، یہ مصر کے غربی جانب ایک قریہ ہے، اسی بستی کے رہنے والے شیخ قطب الدین محمد بن احمد بن عبداللہ بن عمر بن بلال شناوی صوفی ولی احمدی ہیں، جو محلّہ روح میں مدفون ہیں، اور یہ ان میں سے ہیں جن سے قطب الدین شعرانی وغیرہ نے استفادہ کیا، ان کے پوتے ابوالعباس احمد بن علی نزیل مدینہ منورہ ہیں، اور یہ ان شیوخ میں سے ہیں جن سے ولی الدین قشاشی وغیرہ نے تعلیم پائی ہے، اِس خاندان میں صلاح وتصوف اور ولایت رہی ہے۔

وفات:

بروز ہفتہ ۸ ذی الحجہ ۱۰۲۸ھ/ ۶ نومبر ۱۶۱۹ء میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا، اور بقیع غرقد میں شیخ سید صبغۃ اللہ کے پہلو میں سپردِ خاک کئے گئے۔

اورانہوں نے اپنے والد شیخ علی بن عبدالقدوس شناوی[1] سے کی ہے،

وسائط کی کمی بیشی:

محبی نے ''خلاصة الأثر'' (۱/۲۴۴) میں موصوف کی بہت سی مفید باتیں نقل کی ہیں، اُن میں سے ایک قاعدہ ہدیۂ ناظرین ہے:

''محدثین کے یہاں سند میں کمتر واسطے علوسند کا باعث ہوتے ہیں، کیونکہ راویوں کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے نقد وانتقاد میں سہولت ہوتی ہے، اور طریقت کی سند میں رجال کی کثرت زہد وتقویٰ کا باعث ہوتی ہے، اور سند عظمت پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ متقدم کو متاخر پر فضیلت ہوتی ہے، اور اس کی مدد متاخر کے شاملِ حال ہوتی ہے۔''

جن علماء نے ان سے حدیث کی سند لی، اور اکتسابِ فیض کیا، ان میں سید سالم بن احمد شیخان، محمد بن عمر حبشی غرابی، اور شیخ صفی الدین احمد بن محمد دجانی قشاشی کا نام زیادہ مشہور ہے۔

تصنیفات:

ان کی تصانیف میں حسبِ ذیل کتابیں زیادہ مشہور ہیں:

١ ـ الإرشاد إلى سبيل الرشاد، ٢ ـ إفاضة الجود في وحدة الوجود، ٣ ـ أقليد الفريد في تجريد التوحيد، ٤ ـ بيعة الإطلاق، ٥ ـ التأصيل والتفصيل، ٦ ـ تجلية البصائر حاشية على كتاب الجواهر، (یہ غوث گوالیاری کی کتاب جواہرِ خمسہ پر تعلیقات ہیں) ٧ ـ خلاصة الاختصاص وما للكل من الخواص، ٨ ـ السطعات الأحمدية في روائح مدائح الذات المحمدية، ٩ ـ سعة الأخلاق، ١٠ ـ شفاء الغرام في أخبار الكرام، ١١ ـ صارحة الأزل وسانحة النزل، ١٢ ـ الصحف الناموسية والسحف الناووسية، ١٣ ـ ضمائر السرائر الإلهية في بواهر آيت جواهر الغوثية، ١٤ ـ فتح الإله فيما يقال دبر كل صلاة، ١٥ ـ فواتح الصلوات الأحمدية في لوائح مدائح الذات الأحمدية، ١٦ ـ مناهج التأصيل، ١٧ ـ موجباب الرحمة وموافقات العصمة.

موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: أنسان العين في مشايخ الحرمين: ١-٢، الانتباه في سلاسل أولياء الله (مخطوطه)، خلاصة الأثر: ١/ ٢٤٣ - ٢٤٦، تاج العروس: (ماده ش ن و)، هدية العارفين: ١/ ١٥٤، أبجد العلوم: ٨٤٥، تقصار جيود الأحرار: ١٠٠.

(۱)　**نورالدین الشناوی**

نام ونسب:

علی نام، ابوالحسن کنیت اور نورالدین لقب ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''علی بن عبدالقدوس بن محمد بن احمد العباسی الشناوی۔''

....

____

روایت حدیث:

موصوف اپنے زمانے کے مشہور محدث اور بلند پایہ صوفی تھے، شیخ عبدالوہاب شعرانی اور حافظ ابن حجر مکیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

ازالہ غلطی:

واضح رہے عجالۂ نافعہ کے تمام مطبوعہ نسخوں میں یہ عبارت "الشیخ أحمد الشناوي، وهو عن والده الشيخ عبد القدوس، والشيخ عبد القدوس عن الشيخ ابن حجر المكي" طبع ہوگئی ہے صحیح نہیں، کیونکہ عبدالقدوس شیخ احمد شناوی کے والد نہیں، دادا ہیں، ان کے والد کا نام علی ہے، احمد شناوی اپنے والد علی سے روایت کرتے ہیں، اور یہ علی شناوی شیخ احمد بن حجر مکی سے راوی ہیں، شاہ ولی اللہ دہلویؒ "الانتباہ" میں رقمطراز ہیں:

"شیخ احمد شناوی از والدِ خود اخذ کرد" شیخ احمد شناوی نے اپنے والد سے تعلیم پائی ہے۔

موصوف "الإرشاد إلى مهمات الإسناد" (ص:۷) میں لکھتے ہیں:

"وأكثر أخذه قراءة وسماعاً ومشافهة عن الشيخ أحمد الشناوي عن جماعة، منهم: أبوه علي بن عبد القدوس عن الشيخ أحمد بن حجر المكي."

انہوں نے قرأۃً وسماعۃً اور مشافہۃً زیادہ تر تحصیل شیخ احمد شناوی سے کی ہے، جو ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں، ان کے ان ہی شیوخ میں سے علی بن عبدالقدوس ہیں، جو شیخ احمد بن حجر مکی سے راوی ہیں۔

شاہ ولی اللہؒ نے الانتباہ میں جو حدیث مسلسل بالصوفیہ نقل کی ہے، اس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ شیخ احمد شناوی کے والد کا نام علی اور دادا کا نام عبدالقدوس ہے، اور یہ بھی کہ وہ اپنے دادا سے نہیں بلکہ اپنے والد علی سے راوی ہیں، حدیث مسلسل بالصوفیہ کی ابتدائی سند درجِ ذیل ہے:

"وأما الحديث المسلسل بالصوفية، أخبرنا به شيخنا أبو طاهر محمد بن إبراهيم الكردي الصوفي، قال: أخبرني والدي الشيخ إبراهيم الكردي الصوفي، قال: أخبرنا شيخنا العارف بالله صفي الدين أحمد بن محمد المدني الصوفي، عن شيخه العارف بالله تعالى أبي المواهب أحمد بن علي بن عبد القدوس العباسي الشناوي ثم المدني الصوفي عن والده علي بن عبدالقدوس العباسي الشناوي عن شيخه العارف بالله عبد الوهاب بن أحمد الشناوي...... إلخ"

اس طرح سے شیخ محمد عبدالباقی لکھنوی کی "كتاب المناهل السلسلة في الأحاديث المسلسلة"

نیز موصوف نے شیخ محمد بن ابی الحسن البکری (۱)،

(ص:۲-۱۷۲-۱۸۳،مکتبۃ القدسی ۱۳۵۷ھ) میں مذکور ہے،اور ایسا ہی علامہ ابن عابدین شامی کے ثبت ''عقود اللآلي'' (ص:۸٦) میں مذکور ہے،موصوف المسلسل بتلقين كلمة لاإله إلا الله کے زیرِ عنوان رقمطراز ہیں:

''الشيخ عيسى الشناوي، وهو تلقن وأخذ عن الشيخ أحمد بن علي الشناوي، وهو أخذ عن والده الشيخ علي الشناوي، وهو عن والده عبد القدوس الشناوي، وهو عن والده قطب الأقطاب الشيخ محمد الشناوي، وهو عن والده أحمد البطل الشهير بالأخرس عن والده علي عن الشيخ عبد الله الأشعث...... إلخ.''

(۱) ابوالمکارم محمد البکری

نام ونسب:

محمد بن ابی الحسن بن محمد نام،ابوالمکارم کنیت اور شمس الدین لقب ہے،اِن کا سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک منتہی ہوتا ہے۔

تاریخ،مناقب اور طبقات کی کتابوں میں جہاں بھی قطب بکری،بکری کبیر یا سید محمد بکری کے الفاظ آتے ہیں، وہاں شیخ موصوف مراد ہوتے ہیں۔

ولادت،تعلیم وتربیت وعلمی مقام:

موصوف ۹۳۰ھ/۱۵۲۴ء میں مصر میں پیدا ہوئے،تعلیم وتربیت شیخ ابوالحسن بکری نے کی،حدیث بھی شیخ نے خود پڑھائی،اور تصوف وسلوک کی تعلیم وتربیت بھی موصوف نے اپنے والد ماجد سے حاصل کی،ابھی کاروانِ عمر اکیسویں منزل طے کر رہا تھا کہ شیخ ابوالحسن بکری نے مرض الموت میں موصوف کو اپنا جانشین کر دیا،اور اپنے نامور شاگردوں اور مریدوں کو جن میں سے بعض اس وقت شیخ الاسلام کے منصب پر فائز تھے اپنے سعادت مند فرزند عالمِ باعمل سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا،موصوف مسندِ درس پر وہ علوم ومعارف اور حقائق ونکات بیان فرماتے تھے جنہیں سن کر لوگ دَنگ رہ جاتے تھے،یہی وجہ تھی کہ عنفوانِ شباب میں موصوف کی علمی شہرت دور دُور پہنچ گئی تھی،عوام وخواص کو ان کی ذات سے بڑا فائدہ پہنچا ہے،شیخ عبدالقادر عیدرُوس (المتوفی ۱۰۳۸ھ) ''النور السافر'' (ص:۴۱۴-۴۱۷) میں رقمطراز ہیں:

''كان هذا الشيخ من آيات الله في الدرس والإملاء، فكان إذا تكلم فيه تكلم بما يحير العقول، ويذهل الأفكار، بحيث لايرتاب سامعه في أن مايتكلم به ليس من جنس ماينال بالكسب، وربما كان يتكلم فيه بكلام لا يفهمه أحد من أهل مجلسه مع كون كثير منهم أو أكثرهم على الغاية من التمكن في سائر العلوم الإسلامية، والإحاطة بفنونها .... وكان إليه النهاية في العلم حتى كان بعض أئمة

....

....

العلوم والمعارف هناك ممن أفنى عمره في كسب العلوم الدينية، والمعارف الربانية، يقول والله لا ندري من أين هذا الكلام الذي نسمعه من هذا الأستاذ، ولا نعلم له أصلا يؤخذ منه، ولو لاالعلم بسدِّ باب النبوة لاستدللنا بما نسمعه منه على نبوته ...... فذاك بما يحير العقول، ويدهش الخواطر مع كون مايلقيه من ذلك كله في ألفاظ مخترعة بالغة في الفصاحة والبلاغة والجزالة والإيضاح إلى الغاية التي ليس وراء ها غاية مع كون أكثرها أو جميعها مسجعاً مقفاً معرباً موضوعاً في محله الذي لا أولى منه به ...... وهكذا كانت مجالسه في الحديث والفقه ...... ضاهى أباه في حاله ومقاله، وحذا حذوه في العلوم، ونسج على منواله، وتابعه في أخلاقه الحميدة، وآثاره الصالحة، حتى قيل: ما أشبه الليلة بالبارحة. "

شیخ موصوف درس اور املاء میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے تھے، درس میں کسی مسئلہ پر کلام کرتے تو عقل دنگ رہ جاتی، اور ہوش گم ہو جاتے تھے، سننے والے کو اس میں شک وشبہ نہیں ہوتا تھا کہ موصوف نے جو کلام کیا اس کا تعلق کسبی علم سے نہیں ہے، درس میں بعض اوقات ایسی باتیں کرتے تھے کہ اہلِ مجلس میں سے کوئی ان کو نہیں سمجھ پاتا تھا، حالانکہ مجلسِ درس میں اکثر وبیشتر ایسے عالم ہوتے تھے جو تمام علومِ اسلامیہ اور فنونِ دینیہ میں ماہر ہوتے تھے ...... ریاستِ علمی کی موصوف پر انتہا ہوگئی تھی، حالانکہ بعض علوم ومعارف کے ایسے ماہر وہاں موجود ہوتے تھے جو علوم ومعارفِ دینیہ کی تحصیل میں عمریں صرف کر چکے تھے، وہ یہ کہتے تھے بخدا ہم نہیں جانتے کہ یہ باتیں کہاں کی ہیں، جو ہم اِس استاد سے سنتے ہیں، اگر نبوت کا دروازہ بند نہیں ہو جاتا تو ہم جو کچھ ان سے سنتے ہیں، اس کو ان کی نبوت کی دلیل قرار دیتے ...... یہ تو وہ باتیں ہیں جن کو سن کر عقل حیران رہ جاتی ہے، اور ہوش جاتے رہتے ہیں، ان کے خود ساختہ الفاظ نہایت فصیح وبلیغ، پُرشکوہ، واضح اور صاف ہوتے ہیں، جس سے بڑھ کر واضح اور صاف ممکن نہیں، اس کے ساتھ اکثر وبیشتر جملے مسجع اور مقفّٰی ہوتے، اور ایسے برمحل استعمال ہوتے، کہ اس سے بہتر ان کا استعمال نہیں ہوسکتا ...... بس ان کی حدیث وفقہ کی مجلسیں ایسی ہوتی تھیں ...... موصوف حال وقال میں باپ کے مشابہ تھے، اور علوم میں بھی ان ہی کے قدم بقدم اور ان ہی کے طریقہ پر گامزن تھے، اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ ستودہ میں ان ہی کے متبع تھے، ان کے متعلق یہاں تک کہا جاتا تھا "ما أشبه الليلة بالبارحة" کیا یہ شب شبِ گذشتہ سے کتنی مشابہ ہے۔

وفات:

۹۹۴ھ/۱۵۸۶ء میں قاہرہ میں ان کا انتقال ہوا۔

تالیفات:

موصوف کی تالیفات میں سے حسبِ ذیل کتابیں مشہور ہیں:

۱۔ ترجمان الأسرار و دیوان الأبرار، ۲۔ رسالة في آداب الشيخ والمريد، ۳۔ رسالة في الزيارة، ٤۔ رسالة في الصلاة على النبي ﷺ.

موصوف کے رسالوں کا ایک مجموعہ مکتبہ بدیریہ بیت المقدس میں بھی موجود ہے، جس میں حسبِ ذیل رسالے ہیں:

(الف) الجوهرة المضيئة في تجويز الإيمان الجازم إلى المشيئة، (ب) معاهد الجمع في مشاهد السمع، (ت) أخبار الأخيار۔

موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: النور السافر: ٤١٤-٤٣٢، شذرات الذهب: ٨/٤٣١ مگر اس میں نام محمد بن علی مذکور ہے۔ ريحانة الألباء از خفاجی: ٢٣٨، فهرس الفهارس: ٢/٣٩٢، الكواكب السائرة: ٣/ ٦٧ - ٧٢.

(۱) شمس الدین محمد الشافعی الصغیر

نام ونسب:

محمد نام، شمس الدین لقب اور الشافعی الصغیر عرف ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''محمد بن احمد بن حمزۃ الرملی المنوفی الانصاری الشافعی المصری''

ولادت، تعلیم، شیوخ:

جمادی الاولیٰ ۹۱۹ھ/ جولائی ۱۵۱۳ء میں منوفہ (مصر) میں پیدا ہوئے، شروع میں قرآن مجید یاد کیا، پھر بہجہ وغیرہ یاد کیں، اور تمام تر تعلیم اپنے والدِ بزرگوار شیخ احمد رملی سے حاصل کی، حدیث کی سند موصوف کو شیخ الاسلام زکریا انصاری اور شیخ برہان الدین بن ابی شریف سے بھی حاصل رہی، مؤرخ نجم غزی نے ان کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ان کو شیخ الاسلام احمد بن النجار حنبلی، شیخ الاسلام یحییٰ دمیری مالکی، شیخ الاسلام طرابلسی حنفی اور شیخ سعد الدین ذہبی شافعی سے بھی روایت حدیث کی اجازت حاصل ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو حفظ، فہم اور علم و عمل کی نعمتوں سے بہرۂ وافر عطا فرمایا تھا۔

اخلاق وعادات:

شیخ عبدالوہاب شعرانی موصوف کے متعلق طبقات الوسطیٰ میں رقمطراز ہیں:

''صحبته حين كنت أحمله على كتفي إلى وقتنا هذا، فما رأيت عليه مايشينه في دينه، ولا كان يلعب في صغره مع الأطفال، بل نشأ على الدين، والتقوى، والصيانة، وحفظ الجوارح، ونقاء العرض، رباه

....

والده، فأحسن تربيته، ولما كنت أحمله- وأنا أقرأ على والده في المدرسة الناصرية -كنت أرى عليه لوائح الصلاح والتوفيق، فحقق الله رجائي فيه، وأقرّ عين المحبين به؛ فإنه الآن مرجع أهل مصر في تحرير الفتاوى، وأجمعوا على دينه ولم يزل بحمد الله في زيادة من ذلك.'' (طبقات الوسطى بحوالہ خلاصة الأثر ۳/۳۴۳)

میرا ان کا ساتھ اس وقت سے، جب سے میں ان کو کندھوں پر بٹھاتا تھا اب تک ہے، میں نے ان میں کبھی کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جس سے ان کے دین پر حرف آتا ہو، یہ بچپن میں بھی بچوں کے ساتھ کبھی نہیں کھیلے، بلکہ ان کا نشو ونما اور تربیت دین، تقویٰ، اعضاء و جوارح، عزت و آبرو کی حفاظت کے ساتھ ہوئی ہے، ان کی تربیت ان کے والد نے کی ہے، اور خوب کی ہے، جب میں ان کو گود میں اٹھاتا تھا، میں اس زمانہ میں ان کے والد سے مدرسہ ناصریہ میں پڑھتا تھا، اس وقت بھی ان میں صلاح و تقویٰ اور خیر کے آثار دیکھتا تھا، ان سے مجھے جو امید تھی اللہ تعالیٰ نے پوری کر دکھائی، اور محبت رکھنے والوں کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں، چنانچہ اس وقت بھی ان کی ذات مصر میں فتویٰ نویسی میں مرجع خلائق ہے، اور اہلِ مصر کا ان کی دینداری پر اتفاق ہے، بحمد اللہ یہ اس میں ترقی ہی کرتے رہیں گے۔

درس و تدریس:

موصوف اپنے والدِ بزرگوار کی وفات کے بعد مسندِ درس پر متمکن ہوئے، اور اِس شان سے تفسیر، حدیث اور فقہ کا درس دیا کہ ان کے والد کے نامور شاگرد جیسے ناصر الدین طبلاوی، اور شہاب الدین احمد جن کا شمار اس دور کے بلند پایہ علماء میں تھا، ان کے حلقۂ درس میں استفادہ کی غرض سے آکر شریک ہوتے تھے۔

موصوف کئی مدرسوں کے متولی رہے، اور شافعیہ کی مسند افتاء پر بھی فائز ہوئے، ان کی جلیل القدر علمی اور عملی خدمات کی وجہ سے شیخ شلّی نے ان کا شمار مجددین میں کیا ہے۔

وفات:

۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۰۰۴ھ/۴ جنوری ۱۵۹۶ء میں اتوار کو مصر میں انتقال ہوا۔

واضح رہے رملّہ مصر میں دریا کے کنارے ایک چھوٹا سا قریہ (بستی) ہے، اُسی کی طرف یہ نسبت ہے، مؤرخ غزی موصوف کے پدر بزرگوار شیخ شہاب الدین احمد بن حمزہ کے تذکرہ میں شیخ عبد الوہاب شعرانیؒ سے ناقل ہیں:

''قال الشيخ عبد الوهاب الشعراني قرية صغيرة قريبا من البحر بالقرب من منية العطار، تجاه مسجد الخضر عليه بالمنوفية.'' (الكواكب السائرة: ۲/۱۱۹)

شیخ عبد الوہاب شعرانیؒ کا بیان ہے کہ یہ دریا کے قریب منیۃ العطار کے پاس مسجدِ خضر کے سامنے منوفیہ میں ایک اور

شیخ عبدالرحمٰن بن عبدالقادر بن فہد [1] سے بھی استفادہ کیا ہے، اوران تینوں بزرگوں نے نہایت جلیل القدر

چھوٹی سی بستی ہے۔

حافظ سید مرتضیٰ بلگرامی ثم الزبیدی ''تاج العروس من جواهر القاموس'' (مادہ رم ل) میں لکھتے ہیں:

''رملة (بالفتح) قرية بمصر في جزيرة بني نصر، تذكر مع منية العطار، ومنها العلامة شمس الدين محمد بن أحمد بن حمزة الرملي الشافعي، أحد الأعيان المشهورين، وغلط من نسبه إلى رملة الشام.''

رملہ، فتحۂ را کے ساتھ مصر کے اندر جزیرۂ بنی نصر میں ایک گاؤں ہے، اُس کا منیۃ العطار کے ساتھ ذکر آتا ہے، علامہ شمس الدین محمد بن احمد بن حمزہ رملی شافعیؒ (جو نامور اور مشہور علماء میں سے ہیں)، اِسی جگہ کے رہنے والے ہیں، جس نے ان کو رملۃ الشام سے منسوب کیا ہے اس نے غلطی کی ہے۔

تالیفات:

ان کی تالیفات میں سے حسبِ ذیل کتابیں مشہور ہیں:

١۔ نهاية المحتاج إلى شرح المنهاج للنووي، ٢۔ الفتاوى، ٣۔ غاية البيان في شرح زبدة الكلام، یہ فقہ میں ہے۔ ٤۔ شرح العقود في النحو، ٥۔شرح منظومة ابن العماد في العدد.

حالات کے لئے ملاحظہ ہو: خلاصة الأثر :٣/٣٤٢، المجددون في الإسلام :٣٧٤-٣٧٦، تاج العروس :ماده ،رم ل.

(۱) عبدالرحمٰن الہاشمی المکی

نام ونسب:

عبدالرحمٰن نام، ابوزید کنیت ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''عبدالرحمٰن بن عبدالقادر بن عبدالعزیز بن نجم الدین عمر بن تقی الدین بن فہد الہاشمی المکی۔''

علمی مقام:

موصوف اپنے چچا محمد جار اللہ بن فہد اور شہاب الدین ابن حجر ہیتمی وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، صاحب الیانع الجنی کا بیان ہے: ''كان أجلة المحدثين في زمانه''

موصوف اپنے زمانے کے جلیل القدر محدثین میں سے تھے۔ (فهرس الفهارس: ۲/۱۳۲)

حافظ عبدالحی کتانی لکھتے ہیں:

''لعله آخر فقهاء ومسندي بني فهد بمكة المكرمة، فإنه انقطع ذكرهم من بعد المترجم في الفهارس والأثبات التي وقفت عليها.'' (الفهارس والأثبات:۲/۱۳۳)

عارفین اور مشائخ سے کسبِ کمال کیا ہے، اور شیخ علی بن عبد القدوس نے شیخ ابن حجر مکی (۱) ....

موصوف غالبًا بنی فہد مکہ مکرمہ میں آخری فقیہ اور مسند تھے، کیونکہ موصوف کے بعد فہرست شیوخ اور معجم شیوخ میں ان کا ذکر ہی ختم ہوگیا، جیسا کہ مجھے معلوم ہے۔

شیخ مصطفیٰ بن فتح اللہ الحموی ''فوائد الارتحال'' میں رقمطراز ہیں:

''أحد الفقهاء الأعلام والجهابذة، مشايخ الإسلام، سارت بفضائله الرواة شرقاً وغرباً، وأخذ عنه علماء عصره عجماً وعربًا.'' (فوائد الارتحال بحوالہ یواقیت الثمینۃ:۱/۱۹۰)

موصوف نامور فقہاء اور بلند پایہ مشائخِ اسلام میں سے تھے، راویوں کی وجہ سے ان کے فضائل مشرق و مغرب میں مشہور ہیں، ان کے ہمعصر عرب وعجم کے علماء نے ان سے علم حاصل کیا تھا۔

وفات:

۱۰۲۰ھ میں مکہ معظمہ میں انتقال ہوا۔

شیخ عبد الرحمٰنؒ کی تالیفات میں سے ''کتاب المغارسة'' بہت مشہور ہے، اور بڑے فوائد کی جامع ہے، غرس (شجرکاری) کی فضیلت اور استحباب کے متعلق حضورِ اکرم ﷺ سے جو حدیثیں منقول ہیں ان کو اس میں جمع کر دیا ہے، اور تفصیل سے بحث کی ہے، نیز بتایا ہے کہ سب سے عمدہ اور پاک کمائی کیا ہے، اور تجارت، دستکاری اور کھیتی باڑی میں سب سے بہتر کیا چیز ہے، موصوف نے آخری قول کو اختیار کیا ہے، اور یہی قول امام نوویؒ سے منقول ہے۔

حالات کے لئے ملاحظہ ہو: اليواقيت الثمينة في أعيان مذهب عالم المدينة:١/١٩٠، فهرس الفهارس:٢/١٣٣.

(۱) ابن حجر الہیتمی

نام ونسب:

احمد نام، ابو العباس کنیت، شہاب الدین لقب اور ابن حجر عرف ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیتمی السعدی الانصاری۔''

ولادت وتعلیم وتربیت:

رجب ۹۰۹ھ میں محلّہ ابی الہیتم میں (جو قاہرہ کے مغرب میں واقع ہے) پیدا ہوئے، بچپن میں جب انہوں نے قرآن مجید حفظ کیا تو والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، اور دادا نے کفالت کی، مگر تھوڑے عرصہ میں دادا کا بھی ایک سو بیس برس کی عمر میں انتقال ہوگیا، پھر شیخ شمس الدین محمد الشناوی نے بارِ کفالت برداشت کیا، شیخ شمس الدین شناوی ان کو محلّہ ابی

الہیتم سے محلہ احمد بدوی میں لے آئے، یہیں انہوں نے ابتدائی کتابیں پڑھیں۔

۹۲۴ھ/ ۱۵۱۸ء میں ان کو جامعہ ازہر میں داخل کیا گیا، یہاں انہوں نے شیخ الاسلام قاضی زکریا انصاری، شیخ عبدالحق سنباطی، شمس الدین سمہودی، ابن القرز، شہاب الدین رملی، طبلاوی، ابوالحسن بکری، شمس الدین لقانی، شمس الدین مدلجی، شہاب الدین بن النجار حنبلی اور شہاب الدین ابن الصائغ جیسے نامور علماء سے عقلی و نقلی علوم کی تکمیل کر کے ۱۹ برس کی عمر میں سندِ فراغ حاصل کی، افتاء اور تدریس کی اجازت بھی اکابر شیوخ سے مل گئی، جن شیوخ سے ان کو روایتِ حدیث کی اجازت حاصل ہے، انہیں موصوف نے اپنی معجم الشیوخ میں نام بنام گنایا ہے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد مسند درس پر متمکن ہوئے، اور ۹۳۳ھ/ ۱۵۲۷ء میں حجاز گئے، حج کیا، پھر کچھ عرصہ حرم میں رہ کر قاہرہ واپس آ گئے، اور حسبِ دستور درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے۔

اساتذہ:

موصوف کے چند نامور اساتذہ کے نام درج ذیل ہیں:

۱- زکریا بن محمد بن احمد بن زکریا الانصاری السنیکی الازہری الشافعی (۸۲۶ھ-۹۲۶ھ/۱۴۲۳ء-۱۵۲۰ء)

۲- عبدالحق بن محمد بن عبدالحق السنباطی القاہری الشافعی (۸۴۲ھ-۹۳۱ھ/ ۱۴۳۸ء-۱۵۲۵ء)

۳- شمس الدین محمد السروی المشہور بابن ابی الحمائل (۹۳۲ھ/۱۵۲۶ء)

۴- احمد بن الصائغ المصری الحنفی (۹۳۴ھ/ ۱۵۲۸ء)

۵- شمس الدین محمد بن محمد بن محمد بن احمد الدلجی العثمانی الشافعی (۸۶۰ھ-۹۴۷ھ/۱۴۵۶ء-۱۵۴۰ء)

۶- محمد بن شعبان بن ابی بکر بن خلف الدمیاطی، شمس الدین الضیر وطی المشہور بابن عروس المصری (۸۷۰ھ-۹۴۹ھ/ ۱۴۶۶ء-۱۵۴۲ء)

۷- ابوالحسن محمد بن محمد بن عبدالرحمٰن بن احمد البکری الصدیقی المصری الشافعی (۸۹۹ھ-۹۵۲ھ/۱۴۹۴ء-۱۵۴۵ء)

۸- محمد بن محمد بن عبدالرحمٰن الحطاب الرعینی الأندلسی المکی (۹۰۲ھ-۹۵۴ھ/ ۱۴۹۷ء-۱۵۴۷ء)

۹- احمد الرملی المنوفی المصری الانصاری الشافعی (۹۵۷ھ/۱۵۵۰ء)

۱۰- یوسف بن عبداللہ بن سعید الحسینی الارمیونی المصری الشافعی (۹۵۸ھ/۱۵۵۱ء)

۱۱- ناصر الدین محمد بن حسن اللقانی المالکی (۸۷۳ھ-۹۵۸ھ/۱۴۶۹ء-۱۵۵۱ء)

۱۲- ناصر الدین محمد بن سالم بن علی المصری الازہری الشافعی (۹۶۶ھ/ ۱۵۵۹ء)

....

۱۳- محمد بن عبداللہ بن علی الشنشوری المصری الشافعی (۸۸۸ھ-۹۸۳ھ/۱۴۸۳ء-۱۵۷۵ء)

تلامذہ:

موصوف کے علوم سے مستفید ہونے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، جس میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں:

۱- وجیہ الدین عبدالرحمٰن بن عمر بن احمد العمودی الشافعی (۹۶۷ھ/۱۵۶۰ء)

۲- صلاح الدین بن ابی السعود بن ظہیرۃ القرشی الہاشمی الشافعی (۹۸۰ھ/۱۵۷۳ء)

۳- عبدالقادر بن احمد بن علی الفاکہی المکی (۹۲۰ھ-۹۸۲ھ/۱۵۱۴ء-۱۵۷۴ء)

۴- عبدالرؤف بن یحییٰ بن عبدالرؤف المکی الشافعی (۹۳۰ھ-۹۸۴ھ/۱۵۲۴ء-۱۵۷۶ء)

۵- ملک المحدثین جمال الدین محمد طاہر الہندی (۹۱۳ھ-۹۸۶ھ/۱۵۰۷ء-۱۵۷۸ء)

۶- ابوالسعادات محمد بن احمد بن علی الفاکہی المکی الحنبلی (۹۲۳ھ-۹۹۲ھ/۱۵۱۷ء-۱۵۸۴ء)

۷- شہاب الدین احمد بن قاسم العبادی القاہری الشافعی (۹۹۴ھ/۱۵۸۶ء)

۸- محمد بن عبدالعزیز بن علی الزمزمی البیضاوی (۱۰۰۹ھ/۱۶۰۰ء)

۹- الملاعلی بن سلطان محمد الہروی القاری المکی الحنفی (۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء)

۱۰- سالم بن محمد عزالدین محمد ناصرالدین السنہوری المصری المالکی (۹۴۵ھ-۱۰۱۵ھ/۱۵۳۸ء-۱۶۰۶ء)

۱۱- ابوبکر بن اسماعیل بن شہاب الدین عمر بن علی الشنوانی الشافعی (۹۵۹ھ-۱۰۱۹ھ/۱۵۵۲ء-۱۶۱۰ء)

حرم کی طرف ہجرت:

۹۳۷ھ میں جب کسی عالم نے ان کی کتاب روض مقری کی شرح کو چرالیا تو وہ دل برداشتہ ہو کر مع اہل وعیال حرم ہجرت کر گئے، اور تاحیات حرم ہی میں درس دیتے رہے، چنانچہ قاضی محمد بن علی شوکانی (المتوفی ۱۲۵۰ھ) ''البدر الطالع'' (۱/۱۰۹) میں رقمطراز ہیں:

''ثم انتقل من مصر إلی مكة المشرفة، وسبب انتقاله ،أنه اختصر الروض للمقري، وشرع في شرحه، فأخذه بعض الحساد، وفتته، وأعدمه، فعظم عليه الأمر، واشتد حزنه، وانتقل إلى مكة، وصنف بها الكتب المفيدة.''

پھر وہ مصر سے مکہ معظّمہ منتقل ہوئے، اور اِس ترکِ مکانی کا سبب یہ ہوا کہ موصوف نے مقری کے روض کا اختصار کیا، اور اس کی شرح لکھنی شروع کی، کسی حاسد نے اُس کو لے لیا، اور پارہ پارہ کرکے نابود کردیا، یہ معاملہ ان پر بڑا

....

شاق گزرا، اور انہیں اس کا بڑا ملال ہوا، مکہ معظمہ منتقل ہو گئے، اور یہاں مفید کتابیں لکھیں۔

علمی مقام:

ابن حجرؒ کو تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، کلام، اور تصوف میں کامل دستگاہ حاصل تھی، شہاب الدین محمود خفاجی حنفی (المتوفی ۱۰۶۹ھ) نے ''ریحانة الألباء'' (ص:۱۶۳) میں جن شاندار الفاظ میں موصوف کا تذکرہ کیا ہے، اُن الفاظ کی نزاکت ترجمہ کی متحمل نہیں، پڑھئے اور لطف لیجئے:

''علامة الدهر خصوصاً الحجاز، فإذا نشرت حلل الفضل فهو طراز الطراز، فكم حجت وفود الفضلاء لكعبته، وتوجهت وجوه الطلب إلى قبلته، إن حدث عن الفقه والحديث لم تتقرط الآذان بمثل أخباره في القديم والحديث فهو العليا والسند.''

فقہ میں موصوف کو جو مقام حاصل تھا، اس کا اندازہ شیخ نجم الدین غزی (۱۰۶۱ھ) کے بیان سے ہو سکتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''هو عمدة المتأخرين، والذي يرجع إلى كلامه في الإفتاء بعد كلام الرافعي، والنووي، والقاضي زكريا من المتأخرين، وكان فقيه مكة، وواعظها، ومحدثها.''

وہ متاخرین علماء کے معتمد علیہ ہیں، اور فتویٰ دینے میں رافعی، نووی، اور متاخرین میں قاضی زکریا انصاریؒ کے بعد ان ہی کے کلام کی طرف مراجعت کی جاتی ہے، اور یہی مکہ کے فقیہ، واعظ، اور محدث تھے۔

''النور السافر عن أخبار القرن العاشر'' (ص:۲۸۷، طبع بغداد ۱۹۳۴ء) میں ہے:

''كان بحراً في علم الفقه، وتحقيقه لاتكدره الدلاء، وإمام الحرمين، كما أجمع على ذلك العارفون، وانعقدت عليه خناصر الملأ، إمام اقتدت به الأئمة ...... وأحد العصر، وثاني القطر، وثالث الشمس والبدر، من أقسمت المشكلات أن لاتتضح إلّا لديه، وأكدت المعضلات آليتها أن لاتتجلى إلا عليه، لاسيما وفي الحجاز عليها قد حجر، ولا عجب فإنه المسمى بابن حجر.''

علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں:

''كان زاهداً، متقللاً على طريقة السلف، آمراً بالمعروف، ناهياً عن المنكر، واستمر على ذلك حتى مات.'' (البدر الطالع:۱/۱۰۹)

وہ زاہد تھے، دنیا کو ہیچ سمجھتے تھے، اور سلف کے طریقہ پر تھے، بھلائی کا حکم کرنے والے اور بُرائی سے روکنے والے تھے، مرتے دم تک ان باتوں پر عمل کرتے رہے۔

....

نسبت کی تحقیق:

واضح رہے محدث امیر محمد بن اسماعیل یمانی (المتوفی ۱۱۸۲ھ) نے اپنی فہرست (شیوخ) میں تصریح کی ہے کہ ہیتمی ہیاتم کی طرف نسبت ہے، جو مصر کے مضافات میں ایک گاؤں ہے، حافظ سید عبدالحی کتانی نے "فھرس الفھارس" میں اس کو نقل کیا ہے، یہی تحقیق حافظ سید مرتضیٰ بلگرامی ثم الزبیدی کی ہے، موصوف "تاج العروس" مادہ ہیتم میں تحریر فرماتے ہیں:

''والهياتم كأنه جمع الهيتم، قرية بمصر من أعمال الغربية، وقد وردتها ،وإنما جمعت بما حولها من القرى، وفي النسبة يرد إلى المفرد، ومن ذلك شهاب الدين أحمد بن محمد بن علي بن حجر الهيتمي، نزيل مكة، ويقال هي محلة أبي الهيثم بالمثلثة فغيرتها العامة، ولد بها في أواخر سنة تسع وتسعين وثمان مائة، ومات بمكة سنة أربع وسبعين وتسع مائة.''

ہیاتم گویا ہیتم کی جمع ہے، یہ مصر کے غربی اضلاع میں ایک بستی ہے، میں یہاں گیا ہوں، اس کو جمع اس لئے استعمال کیا گیا کہ اس کے آس پاس بہت سے گاؤں ہیں، اور اس میں نسبت مفرد کی طرف کی جاتی ہے، شیخ شہاب الدین احمد بن محمد بن علی بن حجر ہیتمی نزیل مکہ یہیں کے رہنے والے تھے، اسی کو محلّہ ابی الہیثم ثائے مثلثہ کے ساتھ بھی بولتے ہیں، پس یہ تغیر عوام نے کیا ہے، موصوف ۸۹۹ھ کے اواخر میں یہاں پیدا ہوئے، اور ۹۷۴ھ میں مکہ معظمہ میں وفات پائی۔

مادہ ہ ث م میں آگے پھر لکھتے ہیں:

''ومحلة أبي الهيثم قرية بمصر، وقد ذكرت في ه ت م.''

محلّہ ابی الہیثم مصر میں ایک قریہ ہے، میں نے اس کو مادہ ہ ت م میں بیان کیا ہے۔

موصوف کے مذکورہ بیان سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ ایک ہی مقام ہے، صرف تعبیر کا فرق ہے۔

شیخ ابن حجر مکی کی ابن حجر سے شہرت کے سلسلہ میں سید مرتضیٰ زبیدی "تاج العروس" مادہ ح ج ر میں رقمطراز ہیں:

''وإنما الشهاب أحمد بن علي بن حجر الهيتمي، المصري، الفقيه، نزيل مكة، فإنه إنما لقب به جده لصمم أصابه من كبر سنه ،كما رأيته في معجمه الذي ألفه في شيوخه.''

لیکن شہاب الدین احمد بن علی بن حجر ہیتمی مصری فقیہ نزیل مکہ مکرمہ، اس لقب سے ان کے دادا ملقب تھے، کیونکہ وہ بڑھاپے کی وجہ سے اونچا سننے لگے تھے، جیسا کہ میں نے اس کو اُن کی معجم میں جو انہوں نے اپنے شیوخ کے حالات میں مرتب کی ہے دیکھا ہے۔

....

آپ بیتی:

موصوف نے اپنے حالات پر ''معجم الشیوخ'' میں کچھ روشنی ڈالی ہے، وہ ہدیۂ ناظرین ہے:

''كنت- بحمد الله- ممن وفقت برهة من الزمان في أوائل العمر بإشارة مشايخ أرباب الأحوال، وأعيان الأعيان لسماع الحديث من المسندين ،وقراءة ماتيسر من كتب هذا الفن على المفسرين (المعتمدين)، طلب الإجازة بأنواعها المقررة في هذا العلم الواسطة، أرجاؤه الشاسعة، أنحاؤه مع الناس، والملازمة في تحصيل العلوم الآلية، والعلوم العقلية ،والقوانين الشرعية لاسيما علم الفقه، وأصله تفريعاً وتأصيلاً إلى أن فتح الكريم من تلك الأبواب ما فتح، ووهب ما وهب، ومنح وتفضل بما لم يكن في الحساب ،ومراعاة نتيجة الاكتساب حتى أجازني أكابر أساتذتي بإقراء تلك العلوم، وإفادتها، وبالتصدي لتحرير المشكلة منها بالتقرير والكتابة وإشارتها ،ثم بالإفتاء والتدريس على مذهب الإمام المطلبي الشافعي ابن إدريس- رضي الله عنه وأرضاه- ...... ثم بالتصنيف والتأليف ...... وسني دون العشرين بحلول نظر جماعة علي من العارفين أولى تصرف والشهود والتمكين وأرباب الإمداد وكنوز الإسعاف والإسعاد الباهر، ثم جردت صادف عزمي وأرهفت حد فهمي في خدمة السنة المطهرة بإقراء علومها، وإفادة رسومها المستكتمة، لا سيما بعد الإتيان إلى حرم الله تعالى، واستيطان بلده، والتفرغ لإسماع المقيمين والواردين حيازة لنشر العلم، والفوز بعلاه وحدوده ...... ولكن بحمد الله تعالى قد بقي من آثارهم بقايا، وفي زوايا الزمان ممن تحمل عنهم خبايا، وأنا أرجو أن أكون إن شاء الله من متبعيهم بحق، ووارثيهم بصدق؛ لأني أخذته رواية، وأتقنته دراية عن الأئمة المسندين ممن يضيق المقام عن استيعابهم، ويحجب الاقتصار على مسانيد أشهر مشاهير هم شيخنا شيخ الإسلام زكريا الأنصاري الشافعي، ثم شيخنا الزيني عبدالحق السنباطي، ثم شيخ مشايخنا بالإجازة الخاصة وشيخنا بالإجازة العامة؛ فإنه أجاز لمن أدرك حياته، وإني ولدت قبل وفاته بنحو ثلاث سنين ،فكنت ممن شملته إجازته، واشتملته عنايته حافظ عصره باتفاق أهلِ مصر الجلال السيوطي'' (معجم الشيوخ بحوالہ النور السافر:۲۸۹-۲۹۱)

میں بحمد اللہ اُن میں سے ہوں جن کو آغازِ عمر میں ایک زمانہ تک صاحبِ حال بزرگوں اور نامور علماء کے اشارے سے مسندین سے سماعِ حدیث کا موقعہ ملا، اور اس فن کی جو کتابیں میسر ہوسکیں ان کو قابلِ اعتماد اساتذہ سے پڑھ سکا، اور اِس علم کے مقررہ شرائط کے مطابق اجازت طلب کرنے کی توفیق ہوئی، وہ علم جس کے اطراف دور تک پھیلے ہوئے ہیں، اور

....

اس کے دُور دراز گوشوں کا سلسلہ برابر قائم ہے، علوم آلیہ، فنونِ عقلیہ اور قوانین شرعیہ، خصوصا فقہ اصول وفروع کی تحصیل میں لگے رہنے کی توفیق ارزائی فرمائی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان ابواب کو کھولا جتنا بھی کھولا، اور عطا کیا جتنا بھی عطا کیا، اور ایسی چیزوں کے ساتھ فضل فرمایا جن کا گمان بھی نہ تھا، اور جو اکتساب سے بالاتر تھیں، یہاں تک کہ مجھے میرے اکابر شیوخ نے ان علوم کے پڑھانے اور ان سے فائدہ پہنچانے اور مشکلات کو قیدِ تحریر میں لانے کی (وہ تقریر سے ہو یا تحریر واشارہ سے) اجازت مرحمت فرمائی، پھر درس وتدریس اور مذہبِ شافعی رضی اللہ عنہ وارضاہ پر فتویٰ دینے کی اجازت دیدی...... پھر تصنیف وتالیف کی بھی اجازت عطا کی، حالانکہ اس وقت میری عمر بیس برس کی بھی نہ تھی، یہ سب کچھ اربابِ معرفت صاحبِ تصرف اربابِ شہود وتمکین اور صاحبِ امداد گنجینہائے خیر وبرکت بزرگوں کی نظرِ کرم کا نتیجہ تھا، پھر میں نے بھی یہی عزم کیا، اور فہم وفراست کی تمام تر کوششیں سنتِ مطہرہ کی خدمت میں، اور علومِ سنت کے پڑھانے اور ان کے فیضان کو عام کرنے میں لگادیں، خاص طور سے حرم میں آنے اور اس کو وطن بنانے کے بعد تو میں نے اپنے آپ کو اہل حرم اور باہر سے آنے والوں کو حدیثیں سنانے کے لیے فارغ کیا، تاکہ علم کی نشر واشاعت کی سعادت حاصل کرسکوں، اور اس کے حدود اور سر بلندی سے ہمکنار ہوسکوں...... لیکن اللہ کا شکر ہے کہ ابھی اس کے کچھ آثار باقی ہیں، اور حاملینِ سنت کے پاس اَب بھی مخفی خزانے موجود ہیں، اور مجھے امید ہے ان شاء اللہ میں بھی اس کے سچے وارثوں کے طفیل ان کے پیرو کاروں میں سے ہوجاؤں گا، کیونکہ میں نے علومِ سنت کو ان ائمہ اسناد سے جن کے ناموں کو جگہ کی تنگی کی وجہ سے نظر انداز کردیا روایۃً پڑھا ہے، اور درایۃً خوب سمجھا ہے، اور ان مسندینِ وقت میں سب سے زیادہ مشہور شیوخ میں سے دو چار کے نام بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہوں، جن میں شیخ الاسلام زکریا انصاری شافعی ہیں، پھر ہمارے شیخ زین الدین عبدالحق سنباطی ہیں، پھر ہمارے شیخ الشیوخ باجازتِ خاصہ اور ہمارے شیخ باجازتِ عامہ ہیں، کیونکہ انہوں ہر عالم کو اجازت دی ہے جس نے ان کا زمانہ پایا، اور میں ان کی وفات سے تین سال پیشتر پیدا ہوا ہوں لہٰذا میں بھی ان کی اجازت میں شامل ہوگیا، اور اُن کی عنایت کا مستحق ہوگیا، اور وہ باتفاق اہلِ عصر اپنے زمانے کے حافظ شیخ جلال الدین سیوطیؒ ہیں۔

وفات:

موصوف کا انتقال رجب ۹۷۳ھ یا ۹۷۴ھ میں مکہ مکرمہ میں ہوا اور جنۃ المعلاۃ میں تربۃ الطیر میں دفن ہوئے۔

تالیفات:

موصوف کی تالیفات میں حسب ذیل کتابیں مشہور ہیں:

۱۔ إتحاف أهل الإسلام بخصوصيات الصيام، ۲۔ أربعين العدلية، ۳۔إتمام النعمة الكبرى

....

على العالم بمولد سيد ولد آدم، ٤ـ إرشاد أهل الغنى والإنافة فيما جاء في الصدقة والضيافة، ٥ـ إسعاف الأبرار شرح مشكاة الأنوار، ٦ـ أسنى المطالب في صلة الأقارب، ٧ـ أشرف الوسائل إلى فهم الشمائل، ٨ـ الأعلام بقواطع الإسلام، ٩ـ الإمداد شرح الإرشاد، ١٠ـ تحذير الثقات من أكل الكفتة والقات، ١١ـ تحرير الكلام في القيام عن ذكر مولد سيد الأنام، ١٢ـ تحرير المقام في آداب وأحكام وفوائد يحتاج إليها مؤدبو الأطفال، ١٣ـ تحفة الزوار إلى قبر النبي المختار، ١٤ـ تحفة المحتاج في شرح المنهاج، ١٥ـ تطهير الجنان واللسان عن الخطور والتفوه بثلب سيدنا معاوية بن أبي سفيان، ١٦ـ تطهير العيبة من دنس الغيبة، ١٧ـ تنبيه الأخيار عن معضلات وقعت في كتاب الوظائف وأذكار الأذكار، ١٨ـ الجوهر المنظم في زيارة قبر النبي المكرم، ١٩ـ الخيرات الحسان في مناقب الإمام أبي حنيفة النعمان، ٢٠ـ الدر المنضود في الصلاة على صاحب اللواء المعقود، ٢١ـ الدر المنظوم في تسلية المهموم، *یہ درود شریف میں ہے*۔ ٢٢ـ درر الغمامة في در الطيلسان والعذبة والعمامة، ٢٣ـ الزواجر في معرفة الكبائر، ٢٤ـ كتاب الزوائد على سنن ابن ماجه، ٢٥ـ الصواعق المحرقة في الرد على أهل البدع والزندقة، ٢٦ـ فتاوى الحديثية، ٢٧ـ فتاوى الفقهية، ٢٨ـ فتح الإله شرح المشكاة، ٢٩ـ فتح الجواد على شرح الإرشاد، ٣٠ـ فتح المبين في شرح الأربعين، الفضائل الكاملة لذوي الولاة العادلة *یہی کتاب اربعین عدلیہ کے نام سے اوپر گذر چکی ہے*۔ ٣١ـ الفقه الجلي في الرد على الخلي، ٣٢ـ القول الجلي في خفض المعتلي ٣٣ـ قرة العين في بيان أن التبرع لايبطله الدين، ٣٤ـ القول المختصر في علامات المهدي المنتظر، ٣٥ـ كف الرعاع عن محرمات اللهو والسماع، ٣٦ـ مبلغ الأرب في فضل العرب، ٣٧ـ المناهل العذبة في إصلاح ماهي من الكعبة، ٣٨ـ معدن اليواقيت الملتمعة في مناقب الأئمة الأربعة، ٣٩ـ المنح المكية في شرح الهمزية، ٤٠ـ النخب الجليلة في الخطب الجزيلة .

موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: ريحانة الألبّاء *از خفاجی*: ٢١١-٢١٢، النور السافر: ٢٨٧-٢٩٨، شذرات الذهب: ٨/ ٣٧٠-٣٧٢، البدر الطالع: ١/ ١٠٩، تاج العروس (ماده ح ج ر و ه ت م)، فهرس الفهارس: ١/ ٢٥٠-٢٥٢، تاريخ آداب اللغة العربية: ٣/ ٣٣٤-٣٣٤، هدية العارفين: ١/ ١٤٦، الكوكب السائرة: ٣/ ١١١، أبجد العلوم: ٨٤٣-٨٤٤، إتحاف النبلاء: ٢٢١ .

اور شیخ عبد الوہاب شعرانی[1] سے استفادہ کیا ہے،

---

(۱) **عبدالوہاب شعرانی**

نام ونسب:

عبدالوہاب نام، ابوالمواہب کنیت ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''عبدالوہاب بن احمد بن علی بن احمد بن محمد موسی الانصاری الشافعی المصری الشعرانی۔''

ولادت، تعلیم وتربیت:

۸۹۹ھ میں ساقیہ ابی شعرہ میں (جو منوفیہ مصر کے اطراف میں ایک مقام ہے) پیدا ہوئے، بچپن میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، اور شعرانی یتیم ہوگئے، ابتدائی تعلیم ساقیہ ابی شعرہ میں پائی، سات برس کی عمر میں انہوں نے قرآن مجید حفظ کیا، اور اجرومیہ وغیرہ یاد کرلیں، بارہ برس کی عمر میں مصر آئے، اور جامع غمری میں ٹھہرے، یہیں منہاج، الفیہ، توضیح، تلخیص، شاطبیہ، قواعدِ ابن ہشام اور کتاب الروض (باب القضاء تک) یاد کیں، پھر اپنے استادوں کو سنائیں، شیخ امین الدین امام جامع غمری سے فنِ قرأت کی تحصیل کی، مشہور فقیہ ومحدث شیخ شمس دواخلی، نورالدین محلی، نورالدین جارحی، ملاعلی عجمی، علی قسطلانی، علامہ شمونی، شیخ الاسلام قاضی زکریا انصاری، شمس الدین رملی سے تفسیر، حدیث اور فقہ پڑھی، پھر حدیث سے شغف ہوا، اور اکابر شیوخ سے جن کی تعداد دو سو سے کم نہیں، حدیثوں کا سماع کیا، بعدازاں تصوف کی طرف میلان ہوا، تو شیخ خواص، شیخ موصفی، شیخ محمد شناوی سے جو اس زمانہ کے نہایت بلند پایہ صوفیہ میں سے تھے، اِس فن کی تکمیل کی، شیخ زیادی نے اپنے رحلہ (سفرنامہ) میں بصراحت لکھا ہے:

''وأخذ الطريق عن نحو مائة شيخ''. (رحلۃ الزیادہ بحوالہ فہرس الفہارس: ۲/۱۰۷۹)

انہوں نے تصوف کی تعلیم تقریباً سو سے زیادہ شیوخ سے حاصل کی ہے۔

اِس اعتبار سے موصوف کی شیوخ کی تعداد تین سو سے کم نہیں ہے، جن میں سے بعض کا ذکر طبقات اور ذیل طبقات میں کیا ہے، اور ''الفلك المشحون'' میں شیوخِ طریقت کو نام بنام گنایا ہے۔

مجاہدہ وریاضت:

شیخ شعرانیؒ نے مجاہدہ اِس طرح سے کیا کہ کئی برس تک مطلق نہیں سوئے، چھت میں ایک رسی باندھ لی تھی، خلوت میں اسے گردن میں ڈالتے تھے، تاکہ گر نہ پڑیں، کئی کئی دن برابر کچھ نہیں کھاتے، اور مسلسل روزے رکھتے تھے، بس چند اوقیہ (۱۲/۱ رطل) روٹی کے ٹکڑوں پر افطار کرتے تھے، کھال کی ٹوپی اوڑھتے اور پیوند کے کپڑے پہنتے تھے، اخلاق وعادات، گفتار وکردار میں موصوف اپنے شیوخ کا نمونہ تھے، اور مرتے دم تک انہی کے طریقہ پر عمل پیرا رہے تھے۔

....

ان کی خانقاہ میں عشاء کے بعد سے مجلسِ ذکر کا آغاز ہوتا تو فجر تک یہ مجلس قائم رہتی تھی، شب جمعہ میں موصوف پوری رات درود شریف پڑھتے تھے، اس خانقاہ میں سونا بیناؤں کو کپڑا ملتا تھا، اور طالبانِ رضائے الٰہی کی تربیت ہوتی تھی۔

شعرانی تا زندگی ارشاد و تبلیغ، درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے، حاسدوں نے ان کو بدنام کرنے کے لیے ان کی تصانیف میں بعض خلافِ شریعت باتوں کا اضافہ کر دیا تھا جس کی وجہ سے کچھ خلفشار ہوا، مگر اللہ تعالیٰ نے حاسدین کو رُسوا اور ذلیل کیا، اور ان کی قبولیت میں مزید اضافہ ہوا۔

زہد و علمی مقام:

علامہ عبدالرؤف مناوی طبقات میں لکھتے ہیں:

''شيخنا الإمام العامل العابد الزاهد الفقيه المحدث الأصولي الصوفي المربي السالك من ذرية محمد بن الحنفية، حبب إليه الحديث، فلزم الاشتغال به والأخذ عن أهله، ومع ذلك لم يكن عنده جمود المحدثين ولالدونة النَقلة، بل هو فقيه النظر ،صوفي الخبر ودرية بأقوال السلف ومذاهب الخلف، كان ينهي عن الحط على الفلاسفة وتنقيصهم، وينفر ممن يذمهم، ويقول: هؤلاء عقلاء ...... وكان مواظباً على السنة، مبالغاً في الورع، مؤثراً ذوي الفاقة على نفسه حتى بملبوسه، متحملاً للأذي، موزعاً أوقاته على العبادة مابين تصنيف وتسليك وإفادة.''(طبقات المناوي بحواله شذرات الذهب :۸ /۳۷۲- ۳۷۳)

ہمارے شیخ امام، عامل، عابد، زاہد، فقیہ، محدث، اصولی، صوفی اور سالک کی تربیت کرنے والے محمد بن حنفیہ کی اولاد میں سے تھے، انہیں حدیث سے شغف ہوا تو وہ اس میں منہمک ہو گئے، اور اس فن کو اہلِ فن سے حاصل کیا، لیکن ان میں ایسا جمود نہیں تھا جیسا کہ محدثین اور جامعینِ حدیث میں ہوتا ہے، بلکہ وہ فقیہ النظر اور صوفی مشرب بزرگ تھے، اقوالِ سلف اور مذاہبِ خلف کے امام تھے، وہ فلاسفہ پر دار و گیر کرنے اور ان کی تنقیص کرنے سے منع کرتے تھے، اور جو ان کی مذمت کرتے اُن کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے، اور فرماتے تھے کہ یہ دانشمند لوگ تھے، موصوف سنت کے بڑے پابند تھے ورع و تقویٰ میں مبالغہ کرتے تھے، اور فاقہ مست کو کھانے پینے اور پہننے میں اپنے اوپر ترجیح دیتے اور تکالیف کو برداشت کرتے تھے، اپنے اوقات کو تصنیف و تالیف، عبادت و ریاضت اور درس و تدریس اور سلوک کی تعلیم میں تقسیم کر رکھا تھا۔

نجم الدین غزی ''الكواكب السائرة''(۳/۱۷۷) میں رقمطراز ہیں:

''وطالع الكتب مطالعة كثيرة، وكان -رحمه الله تعالى- من آيات الله تعالى في العلم والتصوف والتاليف .....وكتبه كلها نافعة، وقد دلّت كتبه على أنه اجتمع بكثير من العلماء والأولياء والصّالحين''

....

....

کتابوں کا بہت مطالعہ کیا تھا، اللہ کی ان پر رحمت ہو، وہ علم، تصوف اور تالیف میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے تھے......اُن کی تمام کتابیں مفید ہیں، اور اُن کی تالیفات اِس امر کی شاہد ہیں کہ موصوف کی بہت سے علماء، اولیاء اور صلحاء سے صحبتیں رہی ہیں۔

شیخ ابوالعباس احمد بن مبارک ملطی نے موصوف کا ذکر ان الفاظ سے کیا ہے:

''سيدنا الإمام، ولي العلماء، عالم الأولياء، مربي السالكين وبقية الأئمة العارفين المهتدين''.

(فہرس الفہارس: ۲/۱۰۷۹)

شیخ زیادی اپنے رحلہ میں لکھتے ہیں:

''اطلع على سائر أدلة المذاهب غالباً المستعملة والمندرسة، وعلم استنباط كل مذهب منهالكثرة محفوظاته وتآليفه، منها ما هو في خمس مجلدات ضخمة، وغالبها في مجلدين ضخمين''.

(فهرس الفهارس: ۲/۱۰۸۰)

وہ اکثر مذاہبِ مروجہ اور غیر مروجہ کی تمام دلیلوں سے آگاہ تھے، اور وہ اپنی غیر معمولی یادداشت اور کثرتِ معلومات کی بنا پر ان میں سے ہر مذہب کے علمِ استنباط سے واقف تھے، اِس موضوع پر ان کی تالیفات پانچ ضخیم جلدوں میں پھیلی ہوئی ہیں، اور اکثر دو ضخیم جلدوں میں موجود ہیں۔

حافظ سید عبدالحی کتانی ''فهرس الفهارس'' (۲/۱۰۸۱) میں لکھتے ہیں:

''يروي عامة عن القاضي زكريا، والحافظ السيوطي، والكمال الطويل القادري، والقلقشندي، وتلك الطبقة من أصحاب الحافظ ابن حجر، ويروي أيضا عن القسطلاني، وله فهرس مطبوع جمع فيه مروياته عن السيوطي.''

وہ عام طور پر قاضی زکریا، حافظ سیوطیؒ اور کمال الدین طویل قادری اور قلقشندی سے اور اس طبقہ سے جو حافظ ابن حجرؒ کے اصحاب پر مشتمل ہے روایت کرتے ہیں، نیز قسطلانی سے بھی راوی ہیں، ان کی فہرست چھپ چکی ہے جس میں اپنی مرویات کو بروایت سیوطیؒ جمع کیا ہے۔

وفات:

۹۷۳ھ میں انتقال ہوا، اور اپنی خانقاہ میں دفن ہوئے۔

شیخ ابوالانس ملیجی شافعی ازہری نے موصوف کے اور ان کی اولاد واحفاد اور تلامذہ کے حالات میں دو کتابیں لکھی ہیں جن کے نام درجِ ذیل ہیں:

....

١ـ السر الرباني في طريقة الشعراني، ٢ـ تذكرة أولي الألباب في مناقب سيدي عبد الوهاب

تالیفات:

موصوف کی تالیفات میں سے حسبِ ذیل کتابیں مشہور ہیں:

١ـ الأجوبة المرضية عن أئمة الفقهاء والصوفية، ٢ـ الأخلاق الزكية والعلوم اللدنية، ٣ـ الأخلاق المتبولية المفاضة من الحضرة المحمدية، ٤ـ إرشاد المغفلين من الفقهاء والفقراء إلى شروط صحبة الأمراء، ٥ـ الأنوار القدسيه في ملزمة آداب العبودية، ٦ـ البحر المورود في المواثيق والعهود، ٧ـ البروق الخواطف، ٨ـ تنبيه الأغبياء على قطرة من بحر علوم الأولياء، ٩ـ تنبيه المغترين في القرن العاشر على ما خالفوا فيه سلفهم الطاهر، ١٠ـ الجواهر والدرر، ١١ـ الجوهر المصون والسر المرقوم فيما تنتجه الخلوة من الأسرار والعلوم، ١٢ـ حقوق أخوة الإسلام، ١٣ـ درر الخواص في فتاوى سيدي علي الخواص، ١٤ـ الدرر المنثورة في بيان زبد العلوم المشهورة، ١٥ـ ردع الفقراء عن دعوى الولاية الكبرى، ١٦ـ الدرر واللمع في الصدق والورع، ١٧ـ السراج المنير في غرائب أحاديث البشير النذير، ١٨ـ سر المسير والتزود لليوم المصير، ١٩ـ السر المرقوم فيما اختص به أهل الله من العلوم، ٢٠ـ شرح جمع الجوامع، ٢١ـ الطراز الأبهج على خطبة المنهج، ٢٢ـ طهارة الجسم والفؤاد من سوء الظن بالله تعالى والعباد، ٢٣ـ علامات الخذلان على من لم يعمل بالقرآن، ٢٤ـ الفتح المبين في ذكر جملة من أسرار الدين، ٢٥ـ فتح الوهاب في فضائل الآل والأصحاب، ٢٦ـ فرائد القلائد في علم العقائد، ٢٧ـ القواعد الكشفية الموضحات لمعاني صفات الإلهية، ٢٨ـ القول المبين في الرد على الشيخ محي الدين، ٢٩ـ الكبريت الأحمر في علوم الشيخ الأكبر، ٣٠ـ كشف الحجاب والران عن وجه أسئلة الجان، ٣١ـ كشف الغمة عن جميع الأمة، ٣٢ـ لطائف المنن والأخلاق في بيان وجوب التحدث بنعمة الله سبحانه وتعالى على الإطلاق، ٣٣ـ لواقح الأنوار في طبقات السادة الأخيار، ٣٤ـ لواقح الأنوار القدسيه المنتخب من الفتوحات المكية، ٣٥ـ المآثر والمفاخر في علماء القرن العاشر، ٣٦ـ مختصر الألفية لابن مالك، ٣٧ـ مختصر المدونة، ٣٨ـ مشارق الأنوار القدسية في بيان العهود المحمدية، ٣٩ـ مقتحم الأكباد في مواد الاجتهاد، ٤٠ـ المقدمة النحوية في علم العربية، ٤١ـ منع الموانع، ٤٢ـ المنهج المبين في أخلاق العارفين، ٤٣ـ منهج الصدق والتحقيق في تفليس غالب

اوران دونوں بزرگوں نے شیخ الاسلام زین الدین زکریا انصاری[1] سے تحصیل کی ہے، اور شیخ محمد بن بکری نے

المدعين للطريق، ٤٤ـ المنهج المبين في بيان أدلة الأئمة المجتهدين، ٤٥ـ الميزان الشعرانية المدخلة لجميع أقوال الأئمة المجتهدين ومقلديهم في الشريعة المحمدية، ٤٦ـ اليواقيت والجواهر في بيان عقائد الأكابر، ٤٧ـ النور الفارق بين المريد الصادق وغير الصادق، ٤٨ـ هادي الحائرين إلى رسوم أخلاق العارفين .

(حالات کیلئے ملاحظہ ہو: الكواكب السائرة بأعيان المأة العاشرة از شیخ نجم الدین غزی، ص۱۷۶ – ۱۷۷، شذرات الذهب:٨/٣٧٢ – ٣٧٤، تاج العروس (ماده ش ع ر)، فهرس الفهارس:٢/٤٠٥ – ٤٠٧، تاريخ آداب اللغة العربية:٣/٣٣٥– ٣٣٦، الشعرانى إمام التصوف في عصره از یوسف العش، هدية العارفين :١/٦٤١، التاج المكلل:٤٥٨– ٤٦٠ ـ)

(۱) شیخ زکریا الانصاری

نام ونسب:

زکریا نام، ابو یحییٰ کنیت، اور زین الدین لقب ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ’’زکریا بن محمد بن احمد بن زکریا الانصاری الخزرجی السنیکی ثم القاہری الشافعی۔‘‘

ولادت وتحصیل علم:

۸۲۳ھ میں سنیکہ جو مصر کا ایک چھوٹا سا شہر ہے، میں پیدا ہوئے، اور یہیں ابتدائی تعلیم ہوئی، پہلے قرآن مجید حفظ کیا، فقہ میں مختصر تبریزی اور عمدۃ الاحکام کا کچھ حصہ یاد کیا، ۸۴۱ھ میں قاہرہ آئے، مگر کچھ عرصہ ٹھہر کر وطن واپس چلے گئے، پھر دوبارہ قاہرہ آئے، جامع ازہر میں قیام کیا، اور علوم اسلامیہ کی تحصیل میں ہمہ تن مصروف ہوگئے، اس زمانے کا ایک نہایت عجیب واقعہ موصوف سے منقول ہے فرماتے ہیں:

’’میں جب اپنے گاؤں سے یہاں (قاہرہ) آیا، اُس وقت میں جوان تھا، مگر دنیا میں مشغول نہیں ہوا تھا، اور نہ مجھے خلقِ خدا سے کچھ سروکار تھا، جامع ازہر میں اکثر بھوکا رہتا، ناچار رات کو نکلتا، اور تربوز کے چھلکے تلاش کرتا جو میضاۃ (وضو کرنے کی جگہ) وغیرہ کے پاس مل جاتے تھے، انہیں دھوتا اور کھا کر پیٹ بھرتا تھا، اس طرح کئی برس گزرے، پھر اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کو میرے پاس بھیجا، جو گیہوں کی چکی پر کام کرتا تھا، اس نے مجھ سے میرے حالات دریافت کئے، اور پھر میرے کھانے پینے کا وہ کفیل ہوگیا، اور اس نے مجھ سے کہا کہ اپنے حالات مجھ سے نہ چھپانا، جب بھی تم مجھے بلاؤ گے میں آجاؤں گا، چنانچہ اس طرح چند سال ان کیساتھ گذرے، ایک دفعہ رات کو جب سب سوئے ہوئے تھے وہ مردِ بزرگ میرے پاس آیا، اور میرا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا، اٹھو اور میرے ساتھ چلو! میں اٹھ کر اس کے ساتھ چلنے لگا، اس نے مجھے جامع

....

از ہر کی سیڑھیوں پر لیجا کر کہا اس زینہ پر چڑھو، میں چڑھ گیا، اس مردِ بزرگ نے کہا اور چڑھو! میں آخر تک چڑھتا چلا گیا، پھر کہا اتر آؤ، میں اتر آیا، اس وقت اس مردِ بزرگ نے فرمایا: زکریا! تم اپنے ہمسروں کے بعد مرو گے، اور سب سے اچھے رہو گے، ایک زمانہ تک تم شیخ الاسلام کے عہدہ پر فائز ہوگے، تمہارے شاگرد بھی شیخ الاسلام بنیں گے، اور اس وقت تم نابینا ہوگے، میں نے اس مردِ بزرگ سے کہا: کیا میں اندھا بھی ہوں گا؟ اس نے کہا تم ضرور اندھے ہوگے، پھر وہ میرے پاس سے چلا گیا اور اس وقت سے میں نے اس کو نہیں دیکھا۔" (مقدمة الإعلام والاهتمام بجمع فتاوى شيخ الإسلام:۳)

اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ موصوف نے کن حالات میں پڑھا تھا۔

شیوخ:

انہوں نے تفسیر، حدیث، فقہ، اصول اور ادب کی تکمیل اس دور کے نامور علماء سے کی، اور کم وبیش ڈیڑھ سو مشائخ وقت اور محدثین سے روایتِ حدیث کی اجازت حاصل کی، جنہیں موصوف نے اپنے ثبت (معجم شیوخ) میں نام بنام گنایا ہے، اس طرح موصوف کو افتاء وتدریس کی اجازت بھی سینکڑوں علماء سے حاصل تھی، موصوف کے نامور شیوخ کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ برہان الدین ابواسحٰق ابراہیم بن صدقہ المقدسی الصالحی (المتوفی ۸۵۲ھ)
۲۔ شہاب الدین احمد بن رجب الشہیر بابن المجدی الشافعی (۸۵۰ھ)
۳۔ شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن محمد الشہیر بابن حجر العسقلانی (المتوفی ۸۵۲ھ)
۴۔ تقی الدین ابوالعباس احمد بن محمد بن محمد الشمنی الحنفی (المتوفی ۸۷۳ھ)
۵۔ زین الدین ابوالنعیم رضوان بن محمد العقبی الشافعی (المتوفی ۸۶۸ھ)
۶۔ زین الدین ابوالحسن طاہر بن محمد النویری المالکی (المتوفی ۸۵۶ھ)
۷۔ زین الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی التمیمی الخلیلی الشافعی الشہیر بشُقیر (المتوفی ۸۷۶ھ)
۸۔ محی الدین ابوعبداللہ محمد بن سلیمان الحنفی الکافیجی (المتوفی ۸۷۹ھ)
۹۔ زین الدین ابوذر عبدالرحمٰن بن محمد الزرکشی المصری الحنبلی (المتوفی ۸۴۵ھ)
۱۰۔ کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام الحنفی (المتوفی ۸۶۱ھ)
۱۱۔ شمس الدین محمد بن علی القایاتی الشافعی (المتوفی ۸۵۰ھ)
۱۲۔ شمس الدین محمد بن عمر الواسطی الشافعی المعروف بالغمری (المتوفی ۸۴۹ھ)

....

۱۳- تقی الدین ابوالفضل محمد بن محمد بن فہد الاصفونی ثم المکی الشافعی (المتوفی ۸۷۱ھ)

۱۴- امین الدین ابوالیمن محمد بن محمد النویری المکی الشافعی (المتوفی ۸۵۳ھ)

۱۵- شرف الدین موسیٰ بن احمد بن موسیٰ السبکی الشافعی (المتوفی ۸۴۰ھ)

۱۶- شرف الدین ابوزکریا یحییٰ بن محمد المناوی الشافعی (المتوفی ۸۷۱ھ)

درس وتدریس وعہدۂ قضاء:

موصوف نے جب علومِ دینیہ کی تحصیل کرلی، پھر درس وتدریس کا شغل اختیار کیا، اور نہایت خوشحال زندگی بسر کی، عہدۂ قضا پر تین ہزار درہم یومیہ پر تقرر ہوا، اس کے بعد نہایت عظیم الشان منصبوں پر فائز ہوئے، مقامِ امام شافعی میں تدریس کا عہدہ ملا جو اس زمانے میں سب سے بڑا عہدہ تھا، مدرسہ رفیعہ، مدرسہ خانقاہ صوفیہ میں بھی مسندِ درس پر فائز رہے۔

شاہِ مصر اشرف قایتبای کی نظر میں موصوف کی بڑی قدر ومنزلت تھی، لوگ آتے اور سفارش کی درخواست کرتے، موصوف بھی مَلِک اشرف سے سفارش کرتے تھے، ۸۸۶ھ میں ملک موصوف نے ان کو قاضی القضاۃ بنایا، شیخ کا بیان ہے:

''میں خطبہ میں اس پر ایسے حملے کرتا تھا کہ مجھے یقین ہوجاتا تھا کہ وہ اَب مجھ سے بات نہیں کرے گا''

اِس جلیل القدر منصب پر فائز ہونے کا بھی شیخ کو بڑا املال تھا، شیخ عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ زندگی میں مجھ سے ایک غلطی ہوئی ہے، میں نے پوچھا وہ کیا؟ فرمانے لگے جب سے میں قاضی القضاۃ ہوا، لوگوں کی نظروں میں آ گیا، حالانکہ میں لوگوں کی نظر سے اوجھل تھا، میں نے عرض کیا، میں نے بعض اولیاء اللہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ شیخ کا اِس عہدہ پر تقرر اُن کے حق میں بڑا ساتر اور پردہ پوش ہے، کیونکہ اُن کے زہد وورع اور مکاشفات کا لوگوں میں چرچا ہوگیا تھا، یہ سن کر فرمایا، جانِ من! تم نے مجھ سے بوجھ ہلکا کردیا۔''

شیخ اِس منصب پر بیس برس فائز رہے، جب بینائی جاتی رہی اُس وقت معزول ہوئے، اللہ تعالیٰ نے شیخ کے علم وعمل، مال ودولت اور عمر، ہر چیز میں برکت عطا فرمائی تھی، خدا تعالیٰ نے جس فراوانی سے دیا تھا اُس طرح دل کھول کر راہِ خدا میں دیتے تھے، عبدالوہاب شعرانی کا بیان ہے: ''میں نے موصوف سے بڑھ کر صدقہ وخیرات کرنے والا نہیں دیکھا، شیخ موصوف یہ کام اس خوبی سے انجام دیتے تھے کہ ساتھ اٹھنے بیٹھنے والوں کو بھی پتہ نہیں چلتا تھا، بعض ناداروں کا یومیہ اور ماہانہ تک مقرر تھا۔''

شیخ کی عمر سو سال سے تجاوز کرچکی تھی، لیکن معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، بیماری کی حالت میں نوافل کھڑے ہوکر ادا کرتے تھے، علامہ شعرانی کہتے ہیں:

....

''بیس برس میرا ان کا ساتھ رہا، میں نے ان کو کبھی غفلت میں نہیں پایا، اور نہ کسی لایعنی کام میں مشغول دیکھا، جب ان کے پاس بیٹھا، تو ایسا محسوس ہوا جیسے میں کسی عارف وصالح بادشاہ کے پاس بیٹھا ہوا ہوں۔''

اعترافِ فضل وکمال:

شیخ شہاب الدین احمد بن حجر ہیتمی موصوف کے متعلق ''معجم الشیوخ'' میں لکھتے ہیں:

''قدمت شيخنا زكريا لأنه أجل من وقع عليه بصري من العلماء العاملين، والأئمة الوارثين، وأعلى من عنه رويت ودريت من الفقهاء الحكماء المسندين، فهو عمدة العلماء الأعلام، وحجة الله على الأنام، حامل لواء مذهب الشافعي، ومحرر مشكلاته وكاشف عويصاته في بكرة وأصائله، ملحق الأحفاد بالأجداد، المتفرد في زمنه بعلو الإسناد، كيف ولم يوجد في عصره إلا من أخذ عنه مشافهة أو بواسطة أو بوسائط متعددة، بل وقع لبعضهم أنه أخذ عنه تارة، وعن غيره ممن بينه وبينه نحو سبع وسائط تارة أخرى، وهذا لانظير له في أحد من أهل عصره.'' (معجم الشیوخ بحوالہ شذرات الذھب: ۸/۱۳۵)

میں اپنے شیخ زکریاؒ کے پاس آیا، کیونکہ باعمل علماء اور ائمہ وارثین میں سب سے بزرگ ہستی جس پر میری نگاہیں پڑیں وہ ان ہی کی ذات تھی، اور جن سے میں نے روایت کیا ان میں سب سے برتر، اور جن مسند حکماء اور فقہاء سے میں نے درایت کی تعلیم پائی ان نامور علماء میں یہ سب سے زیادہ قابلِ اعتماد تھے، اور مخلوق پر اللہ کی حجت تھے، مذہبِ شافعی کے علمبردار تھے، صبح وشام اُس کی مشکلات کو لکھتے اور دشوار اور مشکل باتوں کو کھولتے تھے، پوتوں کو سند میں دادوں سے ملاتے تھے، اپنے وقت میں علوِ اسناد میں یکتا تھے، اور کیوں نہ ہوں ان کے زمانے میں کوئی ایسا نہیں تھا جس نے ان سے رُوبرو یا بیک واسطہ یا متعدد واسطوں سے علم حاصل نہ کیا ہو، بلکہ بعض تو ایسے تھے جنہوں نے دوسروں سے پڑھا تھا، پھر ان کو ان سے بھی تحصیلِ علم کا موقع مل گیا، حالانکہ وہ ان لوگوں میں سے تھے کہ ان کے اور اِن کے درمیان سات واسطے تھے، یہ ایک ایسی مثال ہے جس کی نظیر ان کے معاصرین میں نہیں ملتی ہے۔

شعرانیؒ فرماتے ہیں:

''شيخ الإسلام، أحد أركان الطريقتين الفقه والتصوف، كان أكبر مصر يصير بين يديه كالطفل وكذلك الأمراء والكبراء.'' (مقدمة الإعلام والاهتمام: ۱۰)

شیخ الاسلام فقہ اور تصوف دونوں طریقوں کے ارکان علم میں سے ایک رکن تھے، مصر کا بڑے سے بڑا عالم ان کے سامنے بچہ معلوم ہوتا، یہی حال امیر وکبیر کا تھا۔

....

حافظ علائیؒ کا بیان ہے:

’’إنه من شيوخنا في الجملة درايةً وروايةً وإن شاركناه في كثير من شيوخه، وقد جمع من أنواع العلوم والمعارف والمؤلفات المقبولة ومكارم الأخلاق وحسن السمت والتؤدة والأخذ عن الأكابر مالم يجمعه غيره‘‘. (مقدمة الإعلام والاهتمام: ١٠)

اگرچہ ہم ان کے بہت سے شیوخ میں شریک تھے، مگر موصوف ہمارے منجملہ شیوخ روایت ودرایت میں سے تھے، اور انواع علوم ومعارف کے جامع تھے، مقبول تالیفات، مکارمِ اخلاق، متانت، خوش خلقی کی صفات سے آراستہ تھے، اور ان علوم کو اکابر سے حاصل کرنے میں جن کو ان کے سوا کسی نے حاصل نہیں کیا تھا انہی کی ذات ان میں منفرد تھی۔

شیخ عبداللہ بن عمر بامخرمہ نے موصوف کو دسویں صدی ہجری کا مجدد قرار دیا ہے، فرماتے ہیں:

’’ويقرب عندي أن المجدد للمائة العاشرة القاضي زكريا لشهرة الانتفاع به وتصانيفه، واحتياج غالب الناس إليها، لا سيما يتعلق بالفقه وتحرير المذهب.‘‘ (خلاصة الأثر: ٣/٣٤٧)

میرے نزدیک دسویں صدی ہجری کے مجدد قاضی زکریا انصاری ہیں، کیونکہ ان کی ذات سے، ان کی تصانیف سے انتفاع کی عام شہرت ہے، اور اکثر وبیشتر لوگوں کو ان کی طرف احتیاج رہی ہے، خاص طور سے متعلقاتِ فقہ اور مذہبی چیزوں کے لکھنے میں۔

علامہ نجم الدین غیطی نے جو سند اپنے شاگرد ابوالسعود محمد حسنی کو ۹۷۳ھ میں دی ہے، اس کا قلمی نسخہ پیر جھنڈو (پیر وہب اللہ) کے کتب خانہ میں موجود ہے، اور ہمارے مطالعہ سے گذرا ہے، اس میں موصوف کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

’’خاتمة المتأخرين وبقية المحققين، حامل لواء مذهب الشافعي على كاهله، والراقم له بأنامله، شيخنا شيخ مشايخ الإسلام، بقية العلماء الأعلام أبو يحيى زكريا الأنصاري مولده (المتوفى) تقريباً سنة أربع أو ست وعشرين وتسعمأة.‘‘

یعنی، خاتمۃ المتاخرین، بقیۃ المحققین، مذہبِ شافعی کے علمبردار اور مفتی، ہمارے شیخ اور مشائخ اسلام کے شیخ، اور نامور علماء کی یادگار، شیخ ابویحییٰ زکریا انصاری شافعی تھے، ان کی وفات تقریباً ۹۲۴ھ، ۹۲۶ھ میں ہوئی تھی۔

وفات:

شیخ عیدروس کا بھی یہی خیال ہے، بروز سہ شنبہ ۳ ذیقعدہ ۹۲۶ھ میں انتقال ہوا، انتقال کے وقت ۱۰۳ برس کے تھے، شیخ الاسلام کا حلقۂ درس نہایت وسیع تھا، ہزاروں طالبانِ حدیث نے موصوف سے استفادہ کیا۔

....

تلامذہ:

مشہور تلامذہ کے نام حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ شہاب الدین احمد الملقب بعمیرۃ البرسی (المتوفی ۹۵۷ھ)

۲۔ شہاب الدین احمد الرملی الانصاری (المتوفی ۹۵۷ھ)

۳۔ شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر الحمصی الانصاری (المتوفی ۹۳۴ھ)

۴۔ شہاب الدین احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیتمی (المتوفی ۹۷۳ھ)

۵۔ عبدالوہاب الشعرانی (المتوفی ۹۷۳ھ)

۶۔ زین الدین عمر بن احمد بن الشجاع الحلبی (المتوفی ۹۳۶ھ)

۷۔ بدرالدین محمد العلائی الحنفی المصری (المتوفی ۹۴۳ھ)

۸۔ محمد بن احمد الرملی الملقب بالشافعی الصغیر (المتوفی ۹۴۳ھ)

۹۔ شمس الدین محمد بن احمد الشربینی الخطیب (المتوفی ۱۰۰۴ھ)

۱۰۔ کمال الدین محمد بن حمزۃ الدمشقی (المتوفی ۹۳۳ھ)

۱۱۔ بہاء الدین محمد بن عبداللہ المصری الشافعی (المتوفی ۹۹۲ھ)

۱۲۔ رضی الدین ابوالفضل محمد بن محمد الغزی (المتوفی ۹۳۵ھ)

۱۳۔ شمس الدین محمد بن محمد الحصکفی (المتوفی ۹۷۱ھ)

۱۴۔ جمال الدین یوسف بن شیخ الاسلام زکریا الانصاری

تالیفات:

موصوف کی تصانیف کے نام درج ذیل ہیں:

١ ـ أحكام الدلالة على تحرير الرسالة في شرح القشيرية، ٢ ـ آداب القاضي على مذهب الشافعي، ٣ ـ أضواء البهجة في إبراز دقائق المتفرجة، ٤ ـ بلوغ الأرب لشرح شذور الذهب، ٥ ـ بهجة الحاوي شرح حاوى الصغير للقزويني، ٦ ـ تحرير تنقيح اللباب في الفقه، ٧ ـ تحفة الطلاب لشرح تحرير تنقيح اللباب، ٨ ـ تحفة العلية في الخطب المنبرية، ٩ ـ تحفة نجباء العصر في أحكام النون الساكنة والتنوين والمد والقصر، ١٠ ـ تلخيص الأزهية في أحكام الأدعية للزركشي، ١١ ـ حاشية على

اپنے والدعارف باللہ ابوالحسن بکری (۱) سے اورانہوں نے زین الدین زکریا سے،..........................

شرح جمع الجوامع، ١٢ـ الحواشي المفهمة في شرح المقدمة للجزرية، ١٣ـ خلاصة الفوائد المحمدية في شرح البهجة الوردية، ١٤ـ درر السنية في شرح الألفية لابن مالك، ١٥ـ الدقائق المحكمة في شرح المقدمة للجزري، ١٦ـ ديوان شعره، ١٧ـ الزبدة الرائقة في شرح البردة الفائقة، ١٨ـ شرح الجامع الصحيح للبخاري، ١٩ـ شرح الشمسية، ٢٠ـ شرح صحيح مسلم بن الحجاج، ٢١ـ شرح مختصر المزني، ٢٢ـ شرح المنهاج للبيضاوي، ٢٣ـ غاية الوصول إلى شرح الفصول لابن الهائم في الفرائض، ٢٤ـ الغرر البهية لشرح بهجة الوردية، ٢٥ـ فتح الإله الماجد بإيضاح شرح العقائد، ٢٦ـ فتح الباقي بشرح ألفية العراقي، ٢٧ـ فتح الجليل ببيان خفاء أنوار التنزيل للبيضاوي، ٢٨ـ فتح رب البرية في شرح قصيدة الخزرجية في العروض، ٢٩ـ فتح الرحمن بكشف مايلتبس من القرآن، ٣٠ـ فتح الرحمن لشرح رسالة المولى رسلان، ٣١ـ فتح الرحمن بشرح لقطة العجلان للزركشي، ٣٢ـ فتح الوهاب لشرح الآداب، ٣٣ـ فتح الوهاب لشرح منهج الطلاب، ٣٤ـ فتوحات الالهية، ٣٥ـ الفتحة الأنسية لغلق التحفة القدسية لابن الهائم، ٣٦ـ اللؤ لؤ النظيم في روم التعلم والتعليم (وذكر فيه أصناف العلوم)، ٣٧ـ المطلع شرح إيساغوجي، ٣٨ـ المقصد لتلخيص ما في المرشد في القراء ات، ٣٩ـ مناهج الكافية في شرح الشافية، ٤٠ـ منهج الوصول إلى تخريج الفصول لابن الهائم، ٤١ـ نهج الطلاب في شرح منهاج الطالبين للنووي، ٤٢ـ نهاية الهداية في شرح الكفاية.

حالات کیلئے ملاحظہ ہو: ١ـ نظم العقيان:١١٣، ٢ـ النور السافر:١٢٠ – ١٢٥، ٣ـ الكواكب السائرة:١/١٩٦– ٢٠٧، ٤ـ شذرات الذهب: ١٣٤/٨ – ١٣٦، ٥ـ البدر الطالع:١ /٢٥٢– ٢٥٣، ٦ـ فهرس الفهارس: ١/٣٤٢ – ٣٤٥، ٧ـ مجددون في الإسلام :٣٤١ – ٣٤٣، ٨ـ هدية العارفين: ٣٧٤/١، ٩ـالإعلام والاهتمام بجمع فتاوى شيخ الإسلام:٢ – ١٥، مطبعة الترقي دمشق ١٣٥٥ھ، ١٠ـ الضوء اللامع: ٢٣٤/٣ – ٢٣٨ .

(۱) ابوالحسن محمد البکری الشافعی

نام ونسب:

محمد نام، اورابوالحسن کنیت ہے، مورخ غزی اورابن العماد نے ان کا نام علی نقل کیا ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''محمد بن عبدالرحمٰن بن احمد البکری الشافعی۔''

....

ولادت وتعلیم وتربیت:

۱۱ جمادی الاولیٰ ۸۹۹ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوئے، یہیں تعلیم پائی، اور اس عصر کے نامور محدثین سے حدیث وفقہ کی تکمیل کی، اور روایت حدیث کی اجازت لی، متعدد مشائخ طریقت نے موصوف کو خرقۂ خلافت سے سرفراز کیا۔

عادت واخلاق:

مصر کے نامور محدثین، مفسرین اور صوفیاء میں موصوف کا شمار ہے، شیخ بکری کا یہ معمول تھا کہ سال بھر مصر میں رہتے، اور سال بھر حجاز میں قیام کرتے تھے، مشہور ہے کہ علماءِ مصر میں سب سے پہلے موصوف نے محفہ (پالکی) میں بیٹھ کر حج کیا، اور پھر علماء نے ان کی تقلید کی، عنفوانِ شباب ہی سے ان کے علم ومعرفت کی شہرت دُور دُور پہنچ گئی تھی۔

شیخ عبدالقادر عیدروسؒ لکھتے ہیں:

’’كان والده من كبار أهل العلم، بل قيل: إنه كان مجتهد زمانه، والمجدد على رأس المائة التاسعة، وأحق الناس بالقضاء، وقد عرض عليه، فامتنع منه قولاً باتاً، وهو المجمع على أنه فريد عصره علماً وولاية وحالاً، أفصح أهلِ زمانه قلماً ومقالاً، وأعظمهم سوداً وجلالةً ورفعة وكمالاً، عالم المسلمين دون نزاع، وشيخ مشايخ الإسلام الذى انقطعت مضاهاته الأطماع، وانتشرت مصنفاته كالآخذين عنه إلى سائر البقاع، واشتهرت كراماته ومكاشفاته حتى روتها الألسن ووعتها الأسماع، خاتمة المحققين، لسان المتكلمين، حجة المناظرين، بقية السلف الصالحين، ...... وكان ما هو عليه من الاشتغال بالتصنيف والإفتاء لايزال يتكلم على طريق الإملاء، وكان يجلس بالمسجد الحرام، وفي المسجد النبوي، وفي المسجد الأقصى، وفي المسجد الجامع الأزهر، وناهيك بهذه المواضع التي كان يجلس فيها كأنما يغترف من بحر أعاد الله علينا من بركاته.‘‘ (النور السافر: ۴۲۷-۴۲۹)

(علامہ محمد بکری) کے والد شیخ ابوالحسن بکری اکابر علماء میں سے تھے، بلکہ بعض کا قول ہے کہ موصوف اپنے زمانہ کے مجتہد اور نویں صدی ہجری کے مجدد تھے، اور عہدۂ قضا کے سب سے زیادہ اہل تھے، منصبِ قضا ان کو پیش کیا گیا، اور انہوں نے اس کو قبول کرنے سے صاف انکار کیا، اس پر سب کا اتفاق ہے کہ موصوف حال وقال اور علم ومعرفت میں یکتائے زمانہ تھے، اور اپنے زمانے کے نہایت فصیح اللسان مقرر اور ادیب تھے، سیادت، جلالت، رفعت اور کمال میں بزرگ ترین انسان اور مسلمانوں کے متفق علیہ عالم تھے، مشائخ اسلام میں ایسے شخص تھے جن کی مشابہت کی آرزوئیں بھی اب ختم ہوگئیں، اور ان کی تصانیف ان کے شاگردوں کے طرح جگہ جگہ پھیل گئی ہیں، ان کی کرامتیں اور مکاشفات اتنے مشہور

....

ہیں کہ ہر خاص وعام کی زبان پر جاری وساری ہیں، حافظوں میں محفوظ ہیں، موصوف خاتمۃ المحققین، ترجمان المتکلمین، حجتِ مناظرین اور یادگارِ سلف صالحین تھے، درس وتدریس کی ذمہ داریوں کے ساتھ تصنیف وافتاء کا کام بھی ہمیشہ بطورِ املاء کراتے تھے، مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی، مسجدِ اقصیٰ اور ازہر کی جامع مسجد میں بیٹھ کر درس دیتے تھے، اِن مسجدوں میں بیٹھ کر درس دینا ہی ان کے مقام کو سمجھنے کے لیے کافی ہے، گویا وہ علم کے سمندر سے سیراب ہوتے تھے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان کی برکات سے بہرہ مند فرمائے۔

شیخ نجم الدین غیطیؒ نے جو سند شیخ ابوالسعو د محمد حسنی کو دی ہے، اس میں موصوف کا ذکر ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

''شيخنا مفرد العصر، ونادرة الدهر، وأعجوبة الزمان، ووحيد الأوان أبي الحسن البكري الصديقي الشافعي – نفع الله ببركاته، ورضي الله عنه – أخذت عنه التفسير والحديث والفقه والتصوف، له مؤلفات كثيرة في التفسير والفقه وغيرهما، وله رسائل الأحزاب في التصوف، توفي سنة اثنين وخمسين وتسعمأة.''

(ثبت نجم الدین غیطی، مخطوطہ، پیر جھنڈو)

ہمارے شیخ یگانۂ روزگار، نادرہ زمانہ، عجوبۂ دَوران، یکتائے زمن، شیخ ابوالحسن بکری صدیقی شافعی، اللہ تعالیٰ ان کی برکات سے ہمیں بھی مستفید فرمائے، اور ان سے راضی ہو، میں نے تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف کی تعلیم ان سے حاصل کی، تفسیر اور فقہ وغیرہ میں ان کی بہت سی تالیفات ہیں، نیز تصوف اور اَدب وغیرہ پر بھی ان کے رسالے ہیں۔

وفات:

۹۵۲ھ کو (قاہرہ میں) انتقال ہوا ہے۔

تالیفات:

مشہور ہے کہ چار سو سے زیادہ تصانیف موصوف سے یادگار ہیں، جن میں سے مشہور یہ ہیں:

١ـ الأحاديث المحذرات من شرب المسكرات، ٢ـ بشرى العباد بفضل الرباط والجهاد، ٣ـ تأدية الأمانة في قوله تعالى "إنا عرضنا الأمانة"، ٤ـ تجديد الأفراح بفضائل النكاح، ٥ـ تحذير أهل الآخرة من دار الدنيا الدائرة، ٦ـ تحفة السالك لأشرف المسالك، ٧ـ تحفة العجلان في فضائل عثمان ابن عفان، ٨ـ تحفة واهب المواهب في المقامات المراتب، ٩ـ ترتيب السور وتركيب الصور، ١٠ـ الجوهر الثمين من كلام سيد المرسلين، ١١ـ حزب الأنوار، ١٢ـ حسن الإصابة في فضل الصحابة، ١٣ـ حقائق فضل المألوف الواردة على ترتيب الحروف، ١٤ـ حقائق الكمالات، ١٥ـ الدرة المكللة

اسی طرح شیخ محمد رملی نے اپنے والد[1] سے استفادہ کیا، اور انہوں نے زین الدین زکریا سے تحصیل کی ہے۔

في فتح مكة المشرفة المبجلة، ١٦ـ الروض الأنيق في فضل أبي بكر الصديق، ١٧ـ شرف الفقراء وبيان أنهم الأمراء، ١٨ـ طلبة الفقير المحتاج فيما يتوجه به ليلة المعراج، ١٩ـ غاية الطلب في فضل العرب، ٢٠ـ الفتح القريب بفضل الكبر والمشيب، ٢١ـ محاسن الافادة في أحاديث العبادة، ٢٢ـ محو الأوزار بفضل الاستغفار، ٢٣ـ المقصد السامي القدر فيما يدعو به الداعي ليلة القدر، ٢٤ـ ملاذ أهل الايقان عند حوادث الزمان، ٢٥ـ المنح المبين القوي لمولد النبوي، ٢٦ـ موقظ الوسنان من السنة في دعاء آخر السنة، ٢٧ـ نزهة الأبصار بفضائل الأنصار، ٢٨ـ النظر الثاقب فيما لقريش من المناقب، ٢٩ـ النفحات للأموات، ٣٠ـ نوافح المسك الختام بالتوسل بأشهر العام، ٣١ـ نهاية الأفضال في تشريف الآل، ٣٢ـ الواضح الوجيز في تفسير القرآن العزيز، ٣٣ـ الورد المورود لمشرع السنة في دعاء أول السنة، ٣٤ـ هطال وابل التعرف والامتنان من شهر شعبان .

حالات کیلئے ملاحظہ ہو: ١- الكواكب السائرة:٢/١٩٤- ١٩٧، ٢ النور السافر:٤١٤، ٣- ريحانة الألباء:٢٣٧، ٤- هدية العارفين: ٢/٢٣٩، ٥- شذرات الذهب:٨/٢٩٢، ٦- أبجد العلوم:٨٤٣، ٧- تقصار جيود الأحرار:٩٧ .

(۱) شہاب الدین احمد

نام:

احمد بن حمزہ نام، اور شہاب الدین لقب تھا۔

موصوف شیخ الاسلام قاضی زکریا انصاری کے نہایت ممتاز شاگردوں میں سے تھے، شیخ الاسلام ان کے ساتھ ہمیشہ عزت واحترام سے پیش آتے تھے، ان کے تمام شاگردوں میں اِن ہی کو یہ فخر حاصل تھا کہ شیخ انصاری نے اِن کو اپنی کتابوں کی اصلاح کی اجازت دی تھی، چنانچہ انہوں نے ان کی حیات میں ''شرح البهجة '' میں کئی جگہ اصلاح کی، اور روض کی شرح شیخ الاسلام کی زندگی میں لکھی، نیز فقہ کی مشہور کتاب ''صفوة الزبد'' کی نہایت مبسوط شرح تحریر کی۔

علمی مقام:

ان کو علومِ شرعیہ میں بڑی مہارت حاصل تھی، اور افتاء میں موصوف حرفِ آخر سمجھے جاتے تھے، شیخ نجم الدین غزی نے ان کا تذکرہ ''الكواكب السائرة'' میں ان شاندار الفاظ سے شروع کیا ہے:

''الشيخ العالم العلامة، الناقد الجهبذ الفهامة، شيخ الإسلام والمسلمين.''

اور پھر لکھا ہے:

....

"انتهت إليه الرياسة في العلوم الشرعية بمصر حتى صارت علماء الشافعية بها كلهم تلامذته، إلا النادر ...... وجاء ت إليه الأسئلة من سائر الأقطار، ووقف الناس عند قوله، وكان جميع علماء مصر وصالحيهم حتى المجاذيب يعظمونه ويجلونه حتى أقران شيوخه، وكذلك صار لولده سيدي محمد المنوفي على رأس القرن العاشر، وكان يخدم نفسه، ولا يمكن أحداً يشتري له حاجة من السوق إلى أن كبر سنه وعجزه." (الكواكب السائرة: ۲/۱۲۰)

مصر میں علوم کے اندر سیادت ان پر ختم تھی، یہاں تک کہ علمائے شافعیہ دو چار کے علاوہ سب کے سب ان کے شاگرد تھے، چار دانگ عالم سے ان کے پاس سوالات آتے تھے، ان کی بات کے آگے سب خاموش ہو جاتے تھے، تمام مصری علماء تا آنکہ مجذوب بھی ان کی تعظیم وتکریم کرتے اور ان کے شیوخ کے معاصرین بھی ان کا احترام کرتے تھے، اِسی طرح ان کے فرزند سید محمد منوفی بھی دسویں صدی ہجری میں قابلِ احترام سمجھے جانے لگے تھے، موصوف اپنا کام خود کرتے تھے جب تک کہ وہ بوڑھے اور عاجز نہیں ہو گئے، کسی شخص کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ بازار سے اُن کی ضرورت کی کوئی چیز خرید کر لاتا۔

وفات:

یکم جمادی الاخری ۹۵۷ھ = ۱۵۵۰ء میں جمعہ کے دن موصوف کا انتقال ہوا، جامع ازہر میں نمازِ جنازہ ادا ہوئی، جس کے متعلق شیخ عبدالوہاب شعرانی کا بیان ہے:

"مارأيت قط في عمري جنازة اجتمع فيها خلائق مثل جنازته، وضاق الجامع عن صلاة الناس فيه ذلك اليوم حتى أن بعضهم خرج، وصلى في غيره، ثم رجع للجنازة، ودفن بتربته قريباً من جامع الميدان خارج باب القنطرة، فأظلمت مصر وقراها بعد موته- رحمه الله-." (الكواكب السائره: ۲/۱۲۰)

میں نے اپنی عمر میں کبھی ایسا جنازہ نہیں دیکھا جس میں اتنی خلقت جمع ہوئی، جتنی ان کے جنازہ میں ہوئی تھی، اس دن مسجد نمازیوں سے اتنی بھر گئی تھی کہ بعض نے باہر نکل کر دوسری جگہ نماز ادا کی پھر آ کر جنازہ میں شرکت کی، ان کی میت کو جامع المیدان کے قریب باب القنطرہ سے باہر سپردِ خاک کیا گیا، ان کی وفات کے بعد (اللہ کی رحمت ان پر ہو) مصر اور اس کے دیہات میں ظلمت اور تاریکی چھا گئی۔

موصوف کے شاگردوں کا حلقہ نہایت وسیع تھا، ان میں شیخ شمس الدین خطیب شربینی، شیخ نورالدین طنذانی، شہاب الدین غزی، نیز موصوف کے فرزند محمد اور شیخ عبدالوہاب شعرانی زیادہ مشہور ہیں۔

لیکن شیخ عبدالرحمن بن عبدالقادر بن فہد نے اپنے چچا جاراللہ بن فہد [1] سے استفادہ کیا۔

تصنیفات:

موصوف کی تالیفات میں سے حسب ذیل دو کتابیں زیادہ مشہور ہیں:

۱- فتاویٰ، یہ وہ مجموعہ ہے جو اُن کے تلمیذ رشید شیخ شمس الدین خطیب شربینی نے جمع کیا تھا، جس کی موصوف کے فرزند محمد نے ان سے ایک نقل منگوائی تھی۔

۲- فتح الجواد بشرح منظومة ابن العماد .

حالات کیلئے ملاحظہ ہو: ۱- الکواکب السائرۃ:۲/۱۱۹-۱۲۰، ۲- شذرات الذہب:۸/۳۱۶۔

(۱) جاراللہ ابن فہد المکی

نام ونسب:

محمد نام، ابوالفضل کنیت، محب الدین لقب، اور جاراللہ عرف ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''محمد بن عبدالعزیز بن عمر بن محمد بن محمد بن فہد الہاشمی المکی الشافعی۔''

ولادت وتحصیل علم:

موصوف بھی اپنے بزرگوں کی طرح ابن فہد کے نام سے مشہور ہیں، ۲۰ رجب ۸۹۱ھ = ۱۴۸۶ء میں مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے، اور یہیں اپنے والدین کے آغوشِ شفقت میں تعلیم وتربیت پائی، بچپن میں قرآن مجید یاد کیا، اور پھر محدث نوویؒ کی کتاب "المنہاج" اور کتاب "الأربعین" یاد کیں، شیخ عبداللہ باکثیر اور شیخ شہاب الدین البسری سے فقہ، اصول اور نحو وغیرہ کی تعلیم پائی، شیخ عبدالحق السنباطی، کمال الدین محمد بن حمزہ، جلال الدین سیوطی، قاضی زکریا انصاری، سخاوی اور پدر بزرگوار سے حدیثوں کا سماع کیا، والد ماجد کے ساتھ مدینہ منورہ گئے، اور ۹۰۹ھ تک یہاں قیام کیا، حجرۂ شریفہ کے سامنے اپنے والد شیخ عبدالعزیز سے ''صحاح ستہ'' اور ''شفاء'' قاضی عیاضؒ وغیرہ کا سماع کیا، شیخ سمہودیؒ سے بھی حدیث کا درس لیا، اور ان کی تالیفات میں سے مدینہ کی مشہور تاریخ "وفـاء الـوفـاء بأخبار دار المصطفى" اور فتاویٰ کا سماع کیا، ان ہی سے خرقۂ خلافت بھی حاصل کیا، پھر مکہ معظمہ آ کر والد ماجد سے حدیث کی مختلف چھوٹی بڑی کتابوں کا سماع کیا، اور ان کے پُر مغز مباحث کو ذہن میں محفوظ کیا۔

طلبِ حدیث میں موصوف نے قاہرہ، اسکندریہ، دمشق، حلب، بیت المقدس، یمن اور روم وغیرہ کا سفر کیا، اور کم وبیش ستر شیوخ وقت اور حفاظِ حدیث سے روایتِ حدیث کی اجازت حاصل کی، طلبِ حدیث میں حافظ شام ابن طولون حنفی بھی ان کے رفیقِ سفر تھے، اِس وجہ سے ان کے تعلقات اچھے تھے، آپس میں خط وکتابت کا سلسلہ ہمیشہ قائم رہا، اور حج

اورانہوں نے شیخ جلال الدین سیوطی [1] سے تحصیل کی ہے۔

کے موقع پر ایک دوسرے کو مشاہیر کی وفیات سے آگاہ کرتے رہتے تھے۔

درس وتدریس:

تحصیل علم کے بعد حرمین وغیرہ میں زندگی بھر حدیث وفقہ کا درس دیا، درس وتدریس کے بعد جو وقت ملتا وہ تصنیف وتالیف میں گذرتا تھا، علوِ اسناد میں امتیاز خاص حاصل تھا، ہزاروں طالبانِ حدیث نے حدیث کا درس لیا، اور اکابر شیوخ نے اِن سے حدیثوں کا سماع کیا۔

وفات:

۹۵۴ھ=۱۵۴۷ء میں مکہ معظّمہ میں انتقال کیا۔

تالیفات:

موصوف کی تصانیف میں سے حسبِ ذیل کتابیں مشہور ہیں:

١ـ بلوغ الأرب بمعرفة الأنبياء من العرب، ٢ـ بهجة الزمان بعمارة الحرمين لملوك آل عثمان، ٣ـ تحفة الأيقاظ بتتمة ذيل طبقات الحفاظ، ٤ـ التحفة اللطيفة في بناء المسجد الحرام الكعبة الشريفة، ٥ـتحفة اللطائف في فضائل الحبر ابن عباس ووجّ والطائف، ٦ـ تحقيق الرجاء لعلو المقر المحبي ابن أجا، یہ۹۲۲ھ کی تالیف ہے۔ ٧ـ تحقيق الصفا في تراجم بني الوفاء، ٨ـ الجواهر الحسان في مناقب السلطان سليمان بن عثمان، ٩ـ كتاب السر في ديوان مصر، ١٠ـ كشف القناع من هول الوداع، ١١ـ منهل الظرافة بذيل مورد اللطافة فيمن ولي السلطنة والخلافة، ١٢ـ معجم الشيوخ.

حالات کیلئے ملاحظہ ہو: ١- الكواكب السائرة: ٢ /١٣١، ٢- فهرس الفهارس: ٢١٦/١، ٣- هدية العارفين: ٢ /٢٤١.

(۱) جلال الدین السیوطی

نام ونسب:

عبدالرحمٰن نام، ابوالفضل کنیت جلال الدین لقب، اورابن الکتب عرف ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''عبدالرحمٰن بن ابی بکر کمال الدین بن محمد سابق الدین بن عثمان الخضیری السیوطی الشافعی۔''

ولادت وتعلیم وتربیت:

سیوطی رجب کی پہلی تاریخ شب یکشنبہ ۸۴۹ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوئے، ابھی چھ برس کے تھے کہ باپ کا سایہ سرسے اٹھ گیا، ان کے والد کی وصیت کے مطابق شیخ شہاب الدین بن الطباخ نے ان کی کفالت کی، اور کمال العمرین

....

بن ہمام حنفی نے ان کی تعلیم پر خاطر خواہ توجہ دی، ابھی آٹھ برس کے بھی نہیں ہوئے تھے کہ قرآن مجید حفظ کرلیا، پھر "العمدہ" اور "منہاج" یاد کیں، فرائض کی تحصیل شہاب الدین شارمساحی سے کی، اور فقہ علم الدین بلقینی اور شرف الدین مناوی سے پڑھی، حدیث اور عربیت کی تعلیم تقی الدین شبلی حنفی سے حاصل کی، اور کم وبیش چار سال تک موصوف سے استفادہ کیا، تفسیر، اصول، معانی وبیان وغیرہ کا درس شیخ محی الدین کافیجی حنفی سے لیا، کشاف، توضیح، تلخیص المفتاح وغیرہ کے کچھ اسباق سیف الدین حنفی سے پڑھے، علوم نقلیہ کی تحصیل جن نامور علماء سے کی، ان میں شیخ علم الدین بلقینی، شرف الدین مناوی، شمس الدین قایانی، جلال الدین محلی، زین الدین عقبی، برہان الدین بقاعی، شمس الدین سخاوی، سیف الدین بکتمری، حافظ قاسم بن قطلو بغا حنفی اور تقی الدین شمنی وغیرہ کا نام سرِ فہرست آتا ہے، جن علماء اور مشائخ سے روایتِ حدیث کی اجازت حاصل ہے، وہ ڈیڑھ سو کے قریب شیوخ ہیں، جن کو موصوف نے "معجم الشیوخ" میں جمع کردیا ہے، اور لکھا ہے کہ علمِ درایت میں زیادہ مصروف رہا، اِس لئے کثرتِ سماع کے درپے نہیں ہوا، حلب میں محدث ابن مقبل سے روایتِ حدیث کی اجازت لی، جو شیخ صلاح الدین ابی عمر کے آخری شاگرد تھے۔

دعا:

موصوف نے سیاحت کی خاطر بلادِ شام، مصر، حجاز، یمن اور تکرور تک سفر کیا، اور جب حج کیا اور زمزم کا پانی پیا تو یہ دعا مانگی: بارِ الٰہا! فقہ میں مجھے سراج الدین بلقینی اور حدیث میں حافظ ابن حجر کا رتبہ عطا فرما! اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی، اور موصوف کو بالاتفاق حفاظِ حدیث میں شمار کیا گیا، اور ان کی ذات سے ایسا ہی فیض پہنچا جیسا کہ ابن حجر کی ذات سے پہنچا تھا، سیوطی تاحیات درس وتدریس، ارشاد وہدایت اور تصنیف وتالیف میں منہمک رہے، تصنیف وتالیف کا آغاز ۸۶۶ھ سے ہوا تھا، اور املاءِ حدیث کی ابتدا ۸۷۲ھ سے ہوئی تھی، سات علوم میں تبحر حاصل تھا، موصوف کا بیان ہے:

"رزقت التبحر في سبعة علوم: التفسير، والحديث، والفقه، والنحو، والمعاني، والبيان، والبديع على طريقة العرب والبلغاء، لا على طريقة العجم وأهل الفلسفة، والذي اعتقده أن الذي وصلت إليه من هذه العلوم السبعة سوى الفقه والنقول التي اطلعت عليها فيها لم يصل إليه ولا وقف عليه أحد من أشياخي، فضلا عمن هو دونهم، وأما الفقه فلا أقول ذلك فيه، بل شيخي فيه أوسع نظرًا وأطول باعًا." (حسن المحاضرة: ۱/۱۴۴)

سات علوم تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، معانی، بیان اور بدیع میں مجھے عرب اور بلیغوں کے طریقہ پر، نہ کہ عجم اور فلسفیوں کے طریقہ پر تبحر نصیب ہے، اور یہ بات جس کا مجھے یقین ہے کہ میں ان سات علوم میں جس مرتبہ پر پہنچا ہوں وہ فقہ اور نقول کے علاوہ ہیں جن پر مجھے آگاہی نصیب ہوئی ہے، ان پر میرے شیوخ میں سے بھی کسی کو رسائی نہیں ہوئی، اوروں

نیز شیخ ابوطاہر قدس سرہ نے شیخ حسن عُجیمی (۱) سے استفادہ کیا ہے،

کا تو کیا ذکر! لیکن فقہ کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتا بلکہ اس میں میرے استاد کی نظر وسیع تھی، اور ان کو بڑی دستگاہ حاصل تھی۔

زندگی کے نشیب و فراز:

سیوطیؒ دار العلوم شیخونیہ میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے، شیخ جلال الدین بکری کے بعد بیبرسیہ میں صدر کے عہدہ پر ان کا تقرر ہوا، مگر ۹۰۶ھ میں ان کو سلطان طومانبائی نے اِس عہدہ سے معزول کر دیا، ۹۰۹ھ میں پھر بیبرسیہ کی صدارت کا عہدہ انہیں پیش کیا گیا، مگر سیوطیؒ نے اس کو قبول نہیں کیا، اخیر عمر میں خلوت نشینی اختیار کی تھی، عمائدِ سلطنت اُن کی زیارت کو آتے اور تحفے پیش کرتے تھے، لیکن موصوف انہیں واپس دیتے تھے، ایک مرتبہ سلطان اشرف قانصوہ غوری نے خواجہ سرا اور ایک ہزار دینار پیش کئے، سیوطیؒ نے دینار واپس کر دیئے، اور خواجہ سرا کو آزاد کر کے روضۂ نبوی میں خادم مقرر کیا، اور سلطان کے قاصد سے کہا کہ اب دوبارہ ہمارے پاس تحفہ نہ لانا، اللہ تعالیٰ نے ہمیں اِس قسم کے تحفوں سے مستغنی کر دیا ہے، کئی مرتبہ بادشاہ نے ان کو بلایا مگر یہ نہیں گئے۔

وفات:

شب جمعہ کی سحر کو ۱۹ / جمادی الاولیٰ ۹۱۱ھ میں وفات پائی، اور مصر میں باب القرافہ کے باہر حوش قوصون میں قلعہ کے نیچے دفن کئے گئے۔

حالات کیلئے ملاحظہ ہو: ۱۔ حسن المحاضرة:۱ /۱۸۸ – ۱۹۵، ۲۔ الضوء اللامع:٤ /٦٥ – ٧٠، ٣۔ الكواكب السائرة :١/٢٢٦ – ٢٣١، ٤۔ النور السافر: ٥٤ – ٥٨، ٥۔ شذرات الذهب:٨ /٥١ – ٥٥، ٦۔ البدر الطالع:١ /٣٢٨ – ٣٣٥، ٧۔ روضات الجنات:٤٣٢ – ٤٣٧، ٨۔ فهرس الفهارس:٢ /٣٥٢ – ٣٦١، ٩۔ مقدمه ذيل طبقات الحفاظ از محدث ناقد محمد زاهد كوثري، ١٠۔ مقدمه نظم العقيان للسيوطي، ١١۔ هدية العارفين:١ /٥٣٤ – ٥٤٤، ١٢۔ اتحاف النبلاء:٢٨٩، ١٣۔ التاج المكلل:٣٤٩ – ٣٥١ .

(۱) حسن العجیمی

نام و نسب:

حسن نام، اور ابوعلی کنیت ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''حسن بن علی بن یحییٰ بن عمر بن احمد المکی الحنفی العجیمی.''

ولادت و تعلیم و تربیت:

موصوف ۱۰۴۹ھ = ۱۶۳۹ء میں مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے، اور اُس دور کے نامور علماء سے حدیث، تفسیر، فقہ اور

....

تصوف کی تحصیل کی، اوران علوم میں کامل دستگاہ حاصل کی، پھر ساری عمر حرم مکہ میں باب الوداع اور رکنِ یمانی کے سامنے بابِ ام ہانی کے اندر حدیث کا درس دیا۔

تبحر علمی:

شاہ ولی اللہؒ "الانتباہ" میں رقمطراز ہیں:

"شیخ حسن عجیمی کہ اشہر علماءِ عصر بود بمعرفت کتب حدیثیہ وضبطِ اسانید آں، ودر تدریسِ علوم ید بیضاء داشت، أخذ عن القشاشي والبابلي وعن الشيخ عيسى المغربي، وعليه تخرج."

شیخ حسن عجیمی حدیث کی کتابوں کی معرفت اوران کی سندوں کے ضبط میں اپنے دور کے نہایت مشہور علماء میں سے تھے، علومِ حدیث پڑھانے میں ان کو بڑی مہارت حاصل تھی، انہوں نے شیخ قشاشی، شیخ بابلی، شیخ عیسیٰ مغربی سے حدیث پڑھی، اور شیخ عیسیٰ سے تربیت پائی اور علوم کی تکمیل کی۔

موصوف "أنسان العين في مشايخ الحرمين" (۹-۱۰) میں لکھتے ہیں:

"یکے شیخ حدیث وجامع فنونِ علم دقائق در فصاحت وحفظ وجودۃ فہم بود، اکثر صحبت واستفادہ وے با شیخ عیسیٰ مغربی است، وباشیوخ بسیار: مثل شیخ احمد قشاشی، وشیخ محمد بن العلاء بابلی، وشیخ زین العابدین بن عبدالقادر طبری مفتی شافعیہ وامام ایشاں صحبت داشتہ وروایت کردہ، شیخ ابوطاہر ذکری کردند کہ شیخ حسن عجیمی با شیخ نعمت اللہ قادری وغیر آں از صوفیہ ملاقات کردہ بود، ودعوت اسماء نیز می دانست...... نیز می گفتند کہ "لم يكن سيد حسن العجيمي بجميل، وكانت في عينه هنة، وكان مع ذلك إذا قرأ الحديث رأى في وجهه الأنوار، وصار كأجمل من رأى في الدنيا، وذلك سر قوله ﷺ "نضر الله عبدا" الحديث"".

اسانیدِ خود در رسالہ ضبط کردہ از آنجا قوتِ تبحر وے معلوم تواں کرد...... ہر سال در ماہِ رجب بزیارت مدینہ مشرف می آمد، ودر مسجدِ نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والتسلیمات یک کتاب را از کتبِ ستہ بطریق سرد ختم می کرد، اہلِ مدینہ از وے روایت می کردند، وقاری وے شیخ ابوطاہر می بود، واگر دیگرے قرأت کردے خوش نمی شد...... شیخ حسن بنسبت مشائخ خود بغایت خافض الجناح لین الجانب بودے، ودر مراعات خواطر ایشاں عنایت سعی بجا آوردے، وے گفت کہ از شیخ عیسیٰ پرسیدم: "إذا كان الإنسان شيخ فهل له أن يدخل على شيخ آخر" گفت: "الأب واحد، والأعمام شتى......" شیخ حسن در آخر عمر سکنی مکہ موقوف داشتہ در طائف گوشہ نشینی اختیار کرد، وگفت: "ليس بمكة من يقرأ إليه" وہم در طائف متوفے شد، وقریب تربۃ ابن عباس مدفون گشت، سنة ثلاثة عشر بعد الألف والمأة."

....

وہ یگانہ عصر محدث اور جامع علوم اسرار ودقائق تھے، فصاحت، حفظ اور جودت فہم میں یکتائے زمانہ تھے، شیخ عیسیٰ مغربی کے ساتھ ان کی صحبت زیادہ رہی، اوران سے انہوں نے زیادہ تر فائدہ اٹھایا، اور بہت سے شیوخ جیسے: شیخ احمد قشاشی، شیخ محمد بن العلاء بابلی اور امام مفتی شافعیہ شیخ زین العابدین بن عبدالقادر طبری جوشوافع کے مفتی اوران کے امام تھے، موصوف نے ان کی صحبت بھی اٹھائی ہے، اوراُن سے راوی بھی ہیں، شیخ ابوطاہر کہتے تھے کہ شیخ حسن عُجیمی نے شیخ نعمت اللہ قادری صوفی وغیرہ سے بھی ملاقات کی تھی، اور شیخ حسن دعوتِ اسماء سے بھی واقف تھے، نیز فرماتے تھے کہ شیخ حسن عُجیمی خوبصورت نہیں تھے، ان کی آنکھ میں عیب تھا، مگراس کے باوجود جب وہ حدیث پڑھتے تھےتوان کے چہرے پرانوارنظر آتے تھے، اور دنیا میں سب سے زیادہ خوبصورت دکھائی دیتے تھے، یہ حضورِ اکرم ﷺ کے ارشاد ''نضر الله عبداً'' الحدیث کاراز ہے۔

ایک رسالہ میں انہوں نے اپنی سندیں جمع کی ہیں، اس کے دیکھنے سے ان کے تبحر علمی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے،

......موصوف ہر سال رجب کے مہینے میں مدینہ منورہ زیارت کے لیے حاضر ہوتے، اور مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں صحاح ستہ میں سے کوئی ایک کتاب بطریقۂ سرد ختم کرتے تھے، اہل مدینہ کوان سے روایتِ حدیث کی اجازت حاصل ہے، ان کے حلقۂ درس میں اس کتاب کی قرأت شیخ ابوطاہر کرتے تھے، اوراگر کوئی دوسرا درس کی کتاب کو پڑھتا تھا تو شیخ خوش نہیں ہوتے تھے......

شیخ حسن اپنے استادوں کے ساتھ نہایت تواضع اور بڑی نرمی سے پیش آتے اوران کی پاسِ خاطر میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے تھے، وہ فرماتے تھے کہ میں نے شیخ عیسیٰ سے پوچھا کہ جب انسان کا شیخ ہوکیا وہ دوسرے شیخ کے پاس (استفادہ کے لیے) جاسکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا باپ ایک ہے، اور چچا بہت سے ہیں (کچھ حرج نہیں)، شیخ حسن نے اخیر عمر میں مکہ معظّمہ کی سکونت ترک کرکے طائف میں گوشہ نشینی اختیار کی، اور فرمایا تھا کہ مکہ میں اب کوئی نہیں جوان سے آکر پڑھے۔

وفات:

۱۱۱۳ھ=۱۷۰۲ء میں طائف میں انتقال ہوا، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قبر کے پاس دفن ہوئے۔

اعتراف فضل وکمال:

شیخ محمد عابد سندھی حصر الشارد میں فرماتے ہیں:

''الشيخ العلامة حسن بن علي بن يحيى بن عمر بن أحمد المكي الحنفي الشهير بالعجيمي، كان عالماً محققاً متقناً، له التصانيف المفيدة والتأليف المجيد، أخذ العلوم عن كثير من علماءِ مكة، ثم رحل إلى المدينة، وأخذ التصوف على الشيخ أحمد القشاشي، وكان به انتفاعه في علم الظاهر والباطن، ثم

....

رجع إلى مكة، ولازم الشيخ عيسى المغربي الجعفري، وصحب السيد الكبير عبد الرحمن بن أحمد بن محمد الحسني المغربي المكناسي الشهير بالمحجوب، وتوفي ثالث شوال سنة ثلاث عشرة ومأة وألف، وكان مولده في ربيع سنة تسع وأربعين وألف- رحمه الله تعالى-."

شیخ علامہ حسن بن علی بن یحییٰ بن عمر بن احمد مکی حنفی جو عُجیمی سے مشہور ہیں، عالم، محقق اور متقن تھے، ان کی مفید تصانیف اور عمدہ تالیفات ہیں، مکہ کے بہت سے علماء سے علوم کی تحصیل کی، پھر مدینۂ منورہ پہنچے، اور شیخ احمد قشاشی سے تصوف کی تعلیم پائی اور ان سے ظاہری اور باطنی علوم میں استفادہ کیا، پھر واپس مکہ معظّمہ آ گئے، اور شیخ عیسیٰ مغربی جعفری کی اور سید کبیر عبدالرحمٰن بن احمد بن محمد حسنی مغربی مکناسی جو مجحوب کے لقب سے مشہور ہیں، کی صحبت اختیار کی، ۳ شوال ۱۱۱۳ھ میں وفات پائی، ان کی ولادت ربیع الاول ۱۰۴۹ھ میں ہوئی تھی۔

حافظ سید عبدالحی کتانی نے "فهـرس الـفهـارس " (۱/۵۰۴-۵۰۵) میں موصوف کو "مسـنـد مـكة والحجاز" کے الفاظ سے ذکر کیا ہے۔

تصانیف:

موصوف کی تالیفات میں:

۱۔ كفاية المستطلع ونهاية المتطلع کے متعلق علامہ کتانی لکھتے ہیں:

"قال عنه الملا أبو طاهر الكوراني في إجازته لأبي العباس الورزازي التطواني، وعن الأمم لوالده، وفي ذكر هذين الثبتين كفاية، فالصيد كل الصيد في جوف الفراء، فمن أراد وصل سند إلى مؤلف كتاب وجده فيهما ففيهما غنية لأهل زماننا."

ان کی نسبت ملا ابوطاہر کورانی نے اپنے اجازت نامہ میں جو انہوں نے ابوالعباس ورزازی تطوانی کو دیا تھا، اس میں اپنے والد کی تالیف امم کے متعلق لکھا ہے کہ یہ دونوں ثبت (وصل اسانید کے لیے) کافی ہیں، کیونکہ تمام شکار گورخر کے پیٹ میں ہیں یعنی سب کچھ ان میں ہے، پس جو کوئی مؤلف کتاب تک سند پہنچانا چاہے، وہ ان دونوں کو اپنے زمانے والوں کے لیے غنیمت پائے گا۔

۲- رسالہ طرق صوفیہ، اس رسالہ کے متعلق شیخ کتانی کا بیان ہے:

"یہ رسالہ صوفیہ کے طرق مروّجہ کے بیان میں ہے جو ان کے زمانے تک عالمِ اسلامی میں رائج تھے، اس رسالہ میں ان طرق کے آداب واعمال واذکار اور شیوخِ طریقت کا ذکر ہے، اور ہر ذکر کی سند اُس کے راوی تک مذکور ہے،

اور شیخ حسن عُجیمي شیخ عیسیٰ مغربی [1] کے شاگرد تھے،

یہ رسالہ چالیس طرق اور سلسلوں کا بیان ہے، اور یہ دو کراسوں میں اس موضوع پر نہایت نفیس رسالہ ہے۔

شیخ ابو سالم العیاشی "رحلة العياشية" میں لکھتے ہیں:

"جمع صاحبنا العجيمي رسالة استوعب فيها طرق أئمتنا الصوفية الموجودة في هذه الأزمنة غالباً، وذكر ما يتميز به أهل كل طريق، ذكر سنده إلى إمام تلك الطريقة وكيفية اتصاله بها، وهي غاية في الباب مستوعبة أتم استيعاب مارأيت مثلها لأحد قبله ممن سلك الطريق، وعدّ من أولئك الفريق، وهي دالة على سعة اطلاعه وكثرة اعتناء ه بالطريق ولقاء أهلها." (رحلة العياشية بحوالہ فہرس الفہارس: ۱/ ۴۴۸)

ہمارے قرین عجیمی نے ایک ایسا رسالہ مرتب کیا ہے، جس میں ائمہ صوفیہ کے اس زمانے میں موجود سلسلوں میں سے اکثر کو تفصیل سے بیان کیا ہے، اور ان باتوں کو بتایا ہے جن سے اہلِ طریقت دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں، اور اس سلسلہ کی سند کو امامِ طریقت تک ذکر کیا اور اتصال کی کیفیت کو بیان کیا ہے، یہ اس موضوع پر نہایت مبسوط رسالہ ہے، میں نے اس کے جیسا رسالہ اس سے پہلے کسی کا نہیں دیکھا جس میں ایسا طریقہ اختیار کیا ہو، اور ان سلسلوں کو شمار کرایا ہو، یہ رسالہ ان کی وسعتِ معلومات اور اس موضوع سے شغف اور صوفیہ سے ملاقات پر دلالت کرتا ہے۔

٣ـ الأجوبة المرضية على الأسئلة اليمانية، ٤ـ الأقوال المرضية على الأجوبة اليمانية، ٥ـ إهداء اللطائف من أخبار الطائف، ٦ـ الفرج بعد الشدة في "أن النصارى لايسكنون بجده"، ٧ـ خبايا الزوايا، ٨ـ حاشية على الأشباه والنظائر، ٩ـ حاشية على الدر، ۱۰- چند رسالے فلکیات، فرائض اور تصوف میں ہیں، ۱۱- تاريخ مكة وبيت المقدس ۱۲- ثبت - خ -

حالات کیلئے ملاحظہ ہو: ١ـ إنسان العين في مشايخ الحرمين: ٩-١٠، ٢ـ الانتباه في سلاسل أولياء الله، ٣ـ الرحلة العياشية: ٢/٢١٢، ٤ـ حصر الشارد (قلمی)، ٥ـ فهرس الفهارس: ١/٥٠٤-٥٠٥، ٦ـ اليانع الجني: ٢٦، ٧ـ هدية العارفين: ١/٢٩٤، ٨ـ حدائق الحنفيه: ٤٥٦، ٩ـ أبجد العلوم: ٨٤٧، ١٠ـ تقصار جيود الأحرار: ١٠٤.

(۱) عیسیٰ المغربی الثعالبی

نام ونسب:

عیسیٰ نام اور ابو مکتوم کنیت ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: "عیسیٰ بن محمد بن محمد بن احمد بن عامر المغربی الجعفری الثعالبی الہاشمی۔"

....

تعلیم وتربیت:

موصوف شہرزوارہ (مغرب) میں پیدا ہوئے، اور وہیں تعلیم وتربیت پائی، پہلے قرآن مجید حفظ کیا، پھر فقہ، منطق اور اصول وغیرہ میں مختصرات یاد کیں، شیخ عبدالصادق سے فقہ کی تعلیم پائی، جزائر جاکر مفتیِ اعظم شیخ سعید قدورہ کے درس میں شریک ہوئے، اوران ہی سے حدیث مسلسل بالاوّلیہ وغیرہ کا سماع کیا، ذکروشغل کی تعلیم پائی، موصوف نے ان کو خرقۂ خلافت سے سرفراز کیا، شیخ ابوالصلاح علی بن عبدالواحد انصاری سجلماسی کے درس میں حاضر ہوکر صحیح بخاری کو روایۃً ودرایۃً پڑھا، اسی طرح شفاء قاضی عیاض، الفیہ عراقی، اصول فقہ، نحو، معانی وبیان میں ایسی مہارت حاصل کی کہ شیخ ابو الصلاح سجلماسی نے تدریس میں ان کو اپنا قائم مقام کیا، اور اپنی دخترِ نیک اختر سے ان کی شادی کردی، موصوف بھی جب تک استاد زندہ رہے ان کی خدمت کرتے رہے۔

جب شیخ ابوالصلاح اوران کی دختر یعنی ثعالبی کی بیوی کا انتقال ہوگیا تو موصوف تونس آئے، اور یہاں شیخ زین العابدین وغیرہ سے روایتِ حدیث کی اجازت لی، پھر قسطنطنیہ میں شیخ عبدالکریم کوفی کی مجلس میں حاضر ہوکر ان سے استفادہ کیا، اوراس طرح سفر میں استفادہ کرتے ہوئے مکہ معظمہ پہنچے، ۱۰۶۲ھ میں حج کیا، تین سال حرم کے اندر رباط الداؤدیہ میں گذارے، اور شیخ علی باحاج کو صحیحین اور موطأ کا درس دیا، پھر مصر آئے۔

مصر میں شیخ نورالدین اجہوری، قاضی شہاب الدین احمد خفاجی، شمس الدین محمد شوبری اوران کے بھائی شیخ شہاب الدین، بُرہان الدین امونی، شیخ سلطان مزاحی اور نورالدین شبرالسی وغیرہم سے استفادہ کیا، اور روایتِ حدیث کی اجازت لی، پھر مکہ معظمہ آکر شیخ تاج الدین مالکی، زین العابدین طبری، شیخ عبدالعزیز زمزمی، شیخ علی بن الجمال مکی سے استفادہ کیا، اکابر محدثین سے ان کی مرویات کی اجازت لی، یہیں موصوف نے خاتمۃ المحدثین شیخ شمس الدین بابلی کی صحبت اختیار کی، اوران سے خوب مستفید ہوئے، ان کی مرویات کی ایک فہرست تیار کی، اور حرم میں مختلف علوم وفنون کا درس دیا، موصوف ہر سال مدینۂ منورہ میں روضۂ اقدس پر حاضر ہوتے اور شیخ احمد قشاشی سے استفادہ کرتے تھے۔

علمی مقام وزہد:

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا بیان ہے:

''بالجملہ یکے از علماء متقنین بود، ووے استادِ جمہور اہل حرمین است، ویکے از اوعیہ حدیث وقرأت، سید عمر باحسن در حق وے گفتے: ''من أراد أن ينظر إلى شخص لايشك في ولايته فلينظر إلى هذا'' وسید محمد بن علوی گفتے: ''هو زرّوق زمانه'' از عمل برحسنہ ومواظبت حضورِ جماعۃ وکثرتِ طواف وصیام وقیام چیزے عجیب وے را روزے شدہ بود،

....

ومتوسط بود در جمیع امور نہ مبالغہ در رنگ داشت نہ تساہل، وارتباط با مشائخِ بسیار پیدا کردہ بود، اما احزاب شاذلیہ را لازم گرفت تا آخر عمر، وآں طریقہ بروے غلبہ داشت، ومسندے برائے امام ابی حنیفہ تالیف کردہ درانجا عنعنہ متصلاً ذکر کردہ در حدیث، وازانجا بطلان زعم کسانیکہ گویند کہ سلسلۂ حدیث امروز متصل نماندہ واضح تر می شود۔'' (انسان العین:٦)

مختصر یہ ہے کہ موصوف زبردست علماء میں سے تھے، تمام اہل حرمین کے استاد تھے، اور حدیث وقرأت کے مخزن تھے، سید عمر با حسن ان کے متعلق فرماتے تھے جو شخص یہ چاہے کہ ایسے شخص کو دیکھے جس کی ولایت میں شک نہیں کیا جاسکتا، اُسے ان کو دیکھ لینا چاہئے، سید محمد بن علوی فرماتے تھے کہ موصوف اپنے زمانے کے شیخ (احمد) زرّوق (المتوفی ٨٩٩ھ) تھے، نیک کام کرنے، نمازِ پنج گانہ با جماعت ادا کرنے، کثرت سے طواف کرنے، کثرت سے روزے رکھنے اور ہمیشہ تہجد پڑھنے کی ان کو عجیب وغریب توفیق ارزانی ہوئی تھی، تمام معاملات میں میانہ روی ان کا شیوہ تھا، وہ نہ کسی معاملے میں حد سے زیادہ تاخیر کرتے اور نہ تساہل اور سستی کرتے تھے، بہت سے شیوخ سے ان کے روابط وتعلقات قائم تھے، وظائف واعمال شاذلیہ پر بڑی سختی سے عامل تھے، اخیر عمر تک ان پر اس طریقہ کا غلبہ رہا تھا، انہوں نے حدیث میں امام ابوحنیفہؒ کی ایک مسند مرتب کی ہے، اور اس میں ہر روایت عنعنہ کے ساتھ متصل ومسلسل نقل کی ہے، اس سے ان لوگوں کے زعمِ باطل کی نہایت واضح تردید ہوجاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں حدیث متصل کا سلسلہ باقی نہیں رہا۔

شاہ ولی اللہؒ "الانتباه في سلاسل أولياء الله ووارثي أسانيد رسول الله" میں رقمطراز ہیں:

''شیخ عیسیٰ حافظ متقن بودہ است، رسالہ دارد مسمّی ''بمقالید الاسانید'' و''مسند ابی حنیفہ'' تالیف کردہ است، وسماعِ او صحیح بخاری وموطأ وشمائل النبی وغیر آں مسلسل بود تا مصنفاں، وأخذ عن مشايخ ذكر هم وذكر أسانيد هم وما قرأ عليهم في "مقاليد الأسانيد" ثم أخذ عن البابلي جميع مروياته في رسالة سماها "منتخب الأسانيد" فمن مشايخه الذين ذكرهم في مقاليد الأسانيد.'' (الانتباه: ٢٧-٢٨)

شیخ عیسیٰ متقن حافظ تھے، ان کا ایک رسالہ ہے جس کا نام ''مقالید الاسانید'' ہے، اور ''مسند ابی حنیفہ'' بھی ان کی تالیف ہے، انہیں صحیح بخاری، موطأ اور شمائلِ نبی ﷺ وغیرہ کا سماعِ مسلسل مصنفوں تک حاصل تھا، جن مشائخ سے انہوں نے سند لی اور جو کچھ ان سے پڑھا اس کا ذکر ''مقالید الاسانید'' میں کیا ہے، پھر بابلی سے اجازت ملنے پر ان کی تمام مرویات کو ایک رسالہ میں جمع کیا، جس کا نام ''منتخب الاسانید'' ہے، اس میں بعض ان مشائخ کا بھی تذکرہ آگیا ہے جن کا ذکر ''مقالید الاسانید'' میں ہوا ہے (جن کا نام اور سلسلہ درج ذیل ہے)۔

١- أبو الارشاد نور الدين علي بن محمد الأجهوري عن علي أبي القراني عن الحافظ جلال الدين

السیوطي .

٢ ـ ومنهم شهاب أحمد بن محمد الشهير بالخفاجي عن البرهان إبراهيم بن أبي بكر العلقمي عن الجلال .

٣ ـ ومنهم أبو الحسن علي بن محمد المصري، وهو غير الأجهوري عن أبي النجا سالم السنهوري عن النجم الغيطي عن شيخ الإسلام زين الدين زكريا.

٤ ـ ومنهم علي بن عبد الواحد الأنصاري عن الشهاب أحمد بن محمد المقري عن عمه سعيد بن أحمد المقري.

٥ ـ ومنهم الشيخ سلطان المزاحي، قرأ عليه الموطأ عن الشيخ أحمد بن خليل السبكي عن النجم الغيطي.

٦ ـ ومنهم سليمان بن عبد الدائم البابلي عن الجمال يوسف بن زكريا عن والده الزين زكريا.

٧ ـ ومنهم النور علي بن يحيى بن الزيادي عن الشهاب أحمد بن محمد الرملي عن الزين زكريا والشمس محمد بن عبد الرحمن السخاوي.

٨ ـ ومنهم الشيخ محمد حجازي الواعظ عن الغيطي عن الكمال محمد حمزة بن الحسين والزين زكريا وغيرهما.

٩ ـ ومنهم البرهان اللقاني عن الشمس محمد بن أحمد بن محمد عن والده عن الزين زكريا .

١٠ ـ ومنهم أحمد بن عيسى بن جميل بن علي بن أبي بكر القراني عن الجلال السيوطي.

١١ ـ أبو بكر بن إسماعيل عن إبراهيم بن عبد الرحمن العلقمي عن الجلال السيوطي.

وللبابلي مشايخ كثيرون غير هؤلاء، وكذلك للشيخ حسن مشايخ غير هؤلاء، وإنما اختصرنا روماً للاختصار، وچوں شیخ محمد بن العلاء البابلی درمکہ معظمہ مجاورت کرد شیخ عیسیٰ ہمہ انچہ در ''منتخب الاسانید'' ذکر کردہ بروے بخواند سنۃ سبعین بعد الالف، وشیخ حسن وشیخ احمد وشیخ عبداللہ حاضر بودند.

ان کے علاوہ شیخ بابلی کے اور بھی بہت سے شیوخ ہیں اس طرح شیخ حسن کے بھی ان کے سوا اور شیوخ ہیں ہم نے یہاں اختصار کے پیش نظر اجمال سے کام لیا ہے، جب شیخ محمد بن العلاء بابلیؒ نے مکہ میں مجاورت اختیار کی تو شیخ عیسیٰ نے جو کچھ ''منتخب الاسانید'' میں لکھا تھا، ۱۰۷۰ھ کے بعد ان کو پڑھ کر سنایا، اس مجلس میں اس وقت شیخ حسن، شیخ احمد اور شیخ عبداللہ بھی موجود تھے۔

شیخ عیسیٰ عوام اور خواص میں بہت دلعزیز تھے، ساٹھ برس مکہ معظمہ میں تجرد کی زندگی گزاری، پھر گھر بنایا، رومی

اور وہ شیخ محمد بن علاء بابلی (۱) کے،

لونڈی خریدی اور اس سے اولاد ہوئی۔

موصوف کتابوں کے بڑے شوقین تھے، نہایت نفیس کتب خانہ جمع کیا تھا۔

وفات:

۲۴ رجب ۱۰۸۰ھ میں بروز چہارشنبہ انتقال ہوا، حجون میں شیخ محمد بن عراق کے پہلو میں مدفون ہیں۔

موصوف کا حلقۂ درس نہایت وسیع تھا، ہزاروں طالبانِ حدیث نے ان سے استفادہ کیا، ان میں محدث ابراہیم بن حسن کورانی، حسن بن علی عجیمی، احمد بن محمد نخلی، سید محمد شلی باعلوی، سید احمد بن ابی بکر شیخان، شیخ عبداللہ طاہر عباسی وغیرہ کا نام سرِ فہرست آتا ہے۔

تالیفات:

ان کی تصانیف میں سے حسبِ ذیل کتابیں زیادہ مشہور ہیں:

١ ـ مقاليد الأسانيد، اِس میں موصوف نے شیوخِ حرم کا تذکرہ کیا، پھر اس کا انتخاب کیا جس کا نام منتخب الاسانید ہے۔ ٢ ـ كنز الرواية المجموع من درر البحار ويواقيت المسموع، ٣ ـ كتاب رواة الامام أبي حنيفة، ٤ ـ فهرست البابلي، یہ فہرست پانچ کراسوں پر مشتمل ہے، ٥ ـ تحفة الأكياس في حسن الظن بالناس، ٦ ـ رسالة الأنوار، ٧ ـ مشارق الأنوار في بيان فضل الورع من السنة و كلام الأخيار.

حالات کیلئے ملاحظہ ہو: ١ ـ أنسان العين في مشايخ الحرمين:٦، ٢ ـ الانتباه في سلاسل أولياء الله، ٣ ـ الرحلة العياشية:٢ /٢٦، ٤ ـ فهرس الفهارس:١/٣٧٧ - ٣٧٩ ، ٢/ ١٩٠ - ١٩٢، ٥ ـ هدية العارفين:١ /٨١١، ٦ ـ أبجد العلوم :٨٤٦، ٧ ـ تقصار جيود الأحرار:٩٨ - ١٠٢.

(۱) **شمس الدین بابلی**

نام ونسب:

محمد نام، ابوعبداللہ کنیت اور شمس الدین لقب ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''محمد بن علاء الدین علی البابلی القاہری۔''

ولادت وتحصیل علم:

۱۰۰۰ھ = ۱۵۹۱ء میں مصر کی بابل نامی بستی میں پیدا ہوئے، ابھی چار برس کے تھے کہ ان کے والد شیخ علاء الدین ان کو قاہرہ لے آئے، اور خاتمۃ الفقہاء شیخ شمس الدین رملی کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے، انہوں نے اِن کے واسطے دعا کی۔

جب ذرا بڑے ہوئے تو شیخ نورالدین زیادی، علی حلبی، عبدالرؤف مناوی سے علوم کی تکمیل کی، حدیث اور عربیت کی تعلیم شیخ بُرہان الدین لقانی، ابوالنجا سالم سنہوری اور نورالدین اجھوری کی سے پائی، شیخ شہاب غنیمی، احمد بن خلیل سبکی، احمد بن محمد شبلی اور اپنے ماموں شیخ سلیمان بابلی وغیرہ سے اصول، منطق اور معانی وبیان کا درس لیا، اور ان علوم میں ایسا کمال بہم پہنچایا کہ اپنے ہمعصروں سے فائق ہوگئے۔

درس وتدریس اور تبحر علمی:

تحصیلِ علوم کے بعد درس وتدریس کا شغل اختیار کیا، موصوف جب کوئی فن پڑھاتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اِس فن کو ان سے بہتر کوئی نہیں سمجھتا، دس برس مکہ معظمہ میں قیام رہا، اور درس وتدریس کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوا، یہاں جید علماء کو ان سے استفادہ کا خوب موقعہ ملا، موصوف یکتائے روزگار فقیہ تھے، متاخرین علماء نے ان کو بالاتفاق حافظ الحدیث تسلیم کیا ہے، شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا بیان ہے:

”حافظِ حدیث بود در زمانہ خود، استادِ مصر وحرمین وباخلاق مرضیہ مثل تواضع وجودتِ فہم وتودد وغیر آں متصف بود ......صحیح بخاری وموطأ وسائر کتب از سالم سنہوری وغیرہ وے روایت کرد و مسلسلات صحیحہ دارد، در موطأ وبخاری وبعض کتبِ دیگر تسلسلِ سماع جمیع حاصل کردہ بود، شیخ عیسیٰؒ مغربی اسانیدِ وے در رسالہ ضبط کردہ وگویا اصل ثبتہا متاخرین ہماں است۔“

(أنسان العين في مشايخ الحرمين:۹)

موصوف اپنے زمانے کے حافظ الحدیث، مصر اور حرمین کے شیخ الحدیث تھے، اخلاقِ حمیدہ جیسے سنجیدگی، بُردباری، ہوشمندی اور زیرکی وغیرہ سے متصف تھے......صحیح بخاری، موطأ اور حدیث کی باقی کتابیں شیخ سالم سنہوری وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، موطأ اور بخاری کے مسلسلات صحیحہ کے حامل ہیں، نیز بعض اور کتابوں کا بھی سماعِ مسلسل ان سے کیا تھا، شیخ عیسیٰ مغربی نے ان کی سندوں کو ایک رسالہ میں جمع کیا ہے، اور وہی گویا متاخرین کا اصل ثبت ہے۔

محبی، خلاصۃ الأثر (۳۹/۴) میں رقمطراز ہیں:

”محمد بن علاء الدين ...... الشافعي الحافظ الرحلة أحد الأعلام في الحديث والفقه، وهو أحفظ أهل عصره لمتون الأحاديث، وأعرفهم بجرحها ورجالها وصحيحها وسقيمها، وكان شيوخه وأقرانه يعترفون له بذلك، وكان إماماً زاهداً ورعاً بركةً من بركات الزمان.“

محمد بن علاء الدین......شافعی حافظِ حدیث اور ایسے محدث تھے جن کے پاس لوگ سفر کرکے آتے تھے، حدیث وفقہ میں سرآمد علماء میں سے تھے، اور اپنے زمانہ میں متونِ حدیث کے سب سے بڑھ کر حافظ تھے، جرح وتعدیل، رجال،

....

صحیح اور غیر صحیح کے سب سے بڑے عالم تھے، ان کے استادوں اور ہمسروں کو بھی اس امر کا اعتراف تھا، موصوف نہایت متقی و پرہیز گار عالم تھے، ان کی ذات اس دور کی برکتوں میں سے ایک برکت تھی۔

حافظ سید مرتضیٰ زبیدی "تاج العروس" (مادہ ب، ب، ل) میں لکھتے ہیں:

"بابل كصاحب قرية بمصر من أعمال المنوفية، ومنها العلامة سليمان بن عبد الدائم البابلي مفتي الشافعية بمصر بعد النور الزيادي، قال النجم الغزي: رأيتهٗ بمكة حاجاً سنة ١٠١٤هـ، وتوفي بمصر سنة ١٠٢٦هـ، وابن أخته الإمام الحافظ الشمس محمد بن علاء الدين الشافعي مولده سنة ألف ووفاته سنة ١٠٧٧هـ، وقد ألفت في شيوخه ومن أخذ عنه رسالة مليحة سميتها "المربى الكابلي في شيوخ وتلاميذ البابلي" نافعة في بابها."

بابل بروزن صاحب، منوفیہ کے اطراف میں ایک گاؤں ہے، علامہ سلیمان بن عبد الدائم بابلی یہیں کے رہنے والے تھے، جو شیخ نور الدین زیادی کے بعد مصر میں شافعیوں کے مفتی تھے، نجم الدین غزی کا بیان ہے کہ میں نے ان کو ۱۰۱۴ھ میں مکہ کے اندر حج کرتے ہوئے دیکھا ہے، انہوں نے ۱۰۲۶ھ میں مصر میں وفات پائی، ان کے بھانجے امام حافظ شمس الدین محمد بن علاء الدین شافعی ۱۰۰۰ھ میں پیدا ہوئے، اور ۱۰۷۷ھ میں انتقال ہوا، میں نے ان کے شیوخ کے تذکرہ میں ایک نفیس رسالہ لکھا ہے جس کا نام "المربى الكابلي في شيوخ وتلاميذ البابلي" ہے، یہ اپنے موضوع پر مفید رسالہ ہے۔

حافظ سید عبدالحی الکتانی نے سید مرتضیٰ بلگرامی کے مذکورۂ بالا رسالہ سے "فهرس الفهارس والأثبات" (۲۱۰/۱) میں نقل کیا ہے کہ محدث بابلی کی اس دعا کا کہ، بارالٰہا! مجھے اپنے زمانہ کا ابن حجر عسقلانی بنا دیجئے، قبول ہو جانا اور ان کے تلامذہ کی کثرت وشہرت اور ان کی ذات سے خلقِ خدا کو اس طرح سے فائدہ پہنچنا جس طرح ابن حجر عسقلانیؒ کی ذات سے اہل علم کو فائدہ پہنچا ہے، ان کے حافظِ حدیث ہونے کی نہایت بیّن دلیل ہے، موصوف کے الفاظ ہیں:

"وهو كما قال، فإنا ما رأينا في العصر القريب من لدن الحافظ السخاوي من بلغ صيته واشتهاره وكثر نفعه وجلت تلاميذه مثله."

اور ویسا ہی ہوا جیسا کہ انہوں نے کہا تھا، ہم نے حافظ سخاویؒ کے عہد سے زمانۂ قریب تک کوئی ایسا محدث نہیں دیکھا جو ان کی سی شہرت وناموری کو پہنچا ہو، اور اس سے فائدہ بھی بہت ہوا ہو، اور اس کے شاگرد بھی ایسے جلیل القدر ہوئے ہوں جیسے ان کے ہوئے ہیں۔

سید مرتضیٰ زبیدی کی یہ شہادت ان کے حق میں کافی ہے، نیز محدث مرتضیٰ نے حدیث مسلسل بالحفاظ کا جو سلسلہ

....

"مسلسلات ابن عقيلة" میں نقل کیا ہے اس میں بابلی پر یہ لکھا ہے کہ تمام اہلِ عصر نے بالاتفاق ان کو حافظِ حدیث تسلیم کیا ہے، اِس طرح شیخ ابومہدی عیسیٰ ثعالبی، محدث محمد بن منصور طفیحی، ابومفلح خلیل ابن ابراہیم لقانی، شہاب عجمی اور ان کے فرزند شیخ ابوالعز جیسے محدثین کے قلم سے بھی ان کو حافظ ہی لکھا ہوا دیکھا ہے...... اِسی طرح سے زرقانی شارح "المواهب" نے محمد بن علی زروق مغربی کو جو سند (اجازت نامہ) لکھ کر دی تھی اس میں بھی موصوف کو "محدث العصر وحافظه" کے الفاظ سے یاد کیا ہے، اس طرح سے ابوالاسرار عجیمی نے ابوحامد بربری کو اپنی سند میں "خاتمة الحفاظ شيخ زمانه في الحديث" کے الفاظ سے یاد کیا ہے، شیخ ابومہدی عیسیٰ ثعالبی نے اپنی فہرست میں جس کا نام "منتخب الأسانيد في وصل المصنفات والأجزاء والمسانيد" ہے، اور اس کا نسخہ مکتبۂ سلطانیہ مصر میں موجود ہے، اس کے متعلق شہاب الدین نخلی نے اپنے ثبت میں لکھا ہے کہ ہمارے شیخ عیسیٰ نے "منتخب الأسانيد" میں اسماء کو ضبط کیا، اور مؤلفین تک سند کو نقل کیا ہے، اور پھر لکھا ہے "وكل ذلك بإملاء حافظ الزمان الشيخ البابلي الخ".

تواضع:

مفتیِ روم شیخ یحییٰ بن عمر منقاری سے منقول ہے، وہ فرماتے تھے کہ: میں جس زمانے میں قاضی تھا، اور شمس الدین شوبری کا انتقال ہوا، تو مدرسۃ الصلاحیہ میں منصب تدریس کے لیے ان کے پاس آیا، کیونکہ اِس منصب کے واسطے سب سے بڑے شافعی عالم کی خدمات درکار تھیں، میں نے اِس منصب پر ان کا تقرر کر دیا، اور پروانہ ان کے پاس بھیج دیا، موصوف میرے پاس آئے، اور اصرار کے باوجود اس عہدہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور فرمانے لگے: میں شافعیہ میں سب سے بڑا عالم نہیں، میں نے عرض کیا پھر آپ بتائیں آپ کی نظر میں کون ہے جسے یہ پروانہ بھیجوں، یہ کہہ کر کہ مجھے اب معافی دیجئے، فوراً واپس چلے گئے۔

موصوف نہایت عابد و زاہد تھے، تہجد پابندی سے ادا کرتے اور قرآن پڑھتے تو روتے تھے، شب و روز میں نصف قرآن ختم کرتے اور ہر جمعہ کو پورا قرآن پاک پڑھتے تھے، قدرت کے باوجود درگذر فرماتے تھے، وفات سے تیس سال پہلے کسی عارضہ میں بینائی جاتی رہی تھی، لیکن درس و تدریس کا سلسلہ پھر بھی منقطع نہیں ہوا، مطالعہ کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی کتاب پڑھانی ہوتی کسی کو بلا کر وہ کتاب سنتے اور فرماتے جلدی جلدی پڑھو، حالانکہ کوئی اور سننے والا اس کو نہیں سمجھتا تھا کہ پڑھنے والے نے کیا پڑھا، اس کے باوجود قاری جب کہیں رُک جاتا، تو اس کو فوراً بتاتے تھے گویا کہ انہیں یہ کتاب زبانی یاد تھی۔

علامہ شیخ محمد عابد سندھی حصر الشارد میں لکھتے ہیں:

"أما الشيخ محمد علاء الدين البابلي، فكان إماما، عالما، حافظا، ضابطا، ـدلا، ثقة، انتهت إليه

....

ریاسة الحدیث في زمانه، وبعد صیته، وانتشر ذکره، ووردت إلیه العلماء من کل الجهات، وتصدر بعلوم عالیة عن الأثبات، ولد بمصر سنة ألف، وبها حفظ القرآن بالروایات والشاطبیة والبهجة الوردیة ...... وجمع الجوامع، وکتب بخطه کتباً کثیرة، منها شرح البخاري للحافظ ابن حجر، وأخذ العلوم عن جماعة من الأکابر، کالزیادي، وأبي بکر السواني، والنور علي الحلبي، وسلیمان البابلي، وأحمد بن خلیل السبکي، وحجازي الواعظ، وصالح بن شهاب البلقیني، وعبد الرؤف المناوي، وإبراهیم اللقاني، ویوسف الزرقاني ...... وذکر أن أباه جاء به وهو دون التمییز إلی خاتم الفقهاء محمد الرملي، وهو منقطع في بیته، ودعا له، ودخل في عموم إجازته لأهل عصره، وأما الآخذون عنه فلایحصرون، أجلهم الشیخ أحمد بن محمد النخلي، والشیخ عبد الله بن سالم البصري، والشیخ إبراهیم الکوراني، وکانت وفاته سنة ثمانین وألف.‘‘

لیکن شیخ محمد علاء الدین بابلی، امام، عالم، حافظ، ضابط، عادل اور ثقہ تھے، ان کے زمانے میں حدیث کی ریاست ان پر ختم تھی، دور دوران کا چرچا اور شہرہ تھا ہر طرف سے علماء ان کے پاس آتے تھے، اور نامور علماء سے علوم عالیہ کی روایت کرنے کے لیے صدر نشین ہوتے تھے، ۱۰۰۰ھ میں مصر میں پیدا ہوئے، یہیں قرآن مجید مختلف قرأتوں سے پڑھا، شاطبیہ، بہجۃ الوردیہ...... اور جمع الجوامع پڑھی، اور اپنے قلم سے بہت سی کتابیں نقل کیں جن میں سے حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح بخاری بھی تھی، علوم کی تحصیل اکابر محدثین کی ایک جماعت سے کی تھی، جیسے شیخ زیادی، ابوبکر سوانی، نور علی حلبی، سلیمان بابلی، احمد بن خلیل سبکی، حجازی واعظ، صالح بن شہاب الدین بلقینی، عبدالرؤف مناوی، ابراہیم لقانی، یوسف زرقانی وغیرہ، ان کے والد کا بیان ہے کہ وہ ان کو اس وقت جب کہ یہ سنِ تمیز کو بھی نہیں پہنچے تھے خاتم الفقہاء محمد رملی کے پاس لے کر آئے، وہ خلوت نشین ہو چکے تھے، انہوں نے ان کے حق میں دعا کی، اور یہ ان کی اہلِ عصر کی عمومی اجازت میں داخل ہو گئے، اور اب ان کے شاگردوں کو شمار نہیں کیا جا سکتا، ان میں سب سے بڑے شیخ احمد بن محمد نخلی، شیخ عبداللہ بن سالم بصری اور شیخ ابراہیم کورانی ہیں، ان کا انتقال ۱۰۸۰ھ میں ہوا ہے۔

محبی کا بیان ہے:

’’مجھ سے بعض علماء نے مکہ میں بیان کیا کہ شہاب الدین بشیشی بابلی سے منقول ہے، وہ فرماتے تھے: اگر ہم سے افضلیتِ ائمۂ اربعہ کے متعلق پوچھا جائے تو ہم کہیں گے کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ افضل ہیں، اور اگر تفصیل درکار ہے، تو واضح رہے کہ ان میں وہ تمام صفاتِ حسنہ موجود تھیں، ان کے زمانے میں ان سے بڑھ کر رئیس، متقی اور ان سے کم خور ا کوئی نہ تھا۔‘‘

(خلاصة الأثر: ۴/۴۲)

....

اِس تبحر علمی کے باوجود موصوف نے تصنیف وتالیف سے زیادہ اعتناء نہیں کیا، وزیر اعظم احمد پاشا کی فرمائش پر چند یوم میں جہاد اور اس کے فضائل پر ایک نہایت جامع کتاب لکھ دی تھی۔

تالیفات کے متعلق موصوف کی رائے:

تصنیف وتالیف کے متعلق موصوف کا نہایت عجیب وغریب خیال تھا، فرماتے تھے:

''اس زمانے میں تصنیف وتالیف کرنا وقت ضائع کرنا ہے، کیونکہ اس زمانہ میں متقدمین کا کلام سمجھ لینا اور اس کو سمجھانے میں مشغول ہو جانا، اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے، اِس سے علم تازہ رہتا ہے، اور یہ نشر واشاعت کا بڑا ذریعہ ہے، علوم وفنون میں تصنیف وتالیف کی اب حاجت نہیں، قدماء اِس کا حق ادا کر چکے ہیں۔''

موصوف کو جب یہ معلوم ہوتا کہ معاصرین میں سے فلاں نے کوئی کتاب تصنیف کی ہے تو فرماتے: اس زمانے میں ہر ایک مؤلف اقسامِ ہفتگانہ میں سے کسی ایک قسم کی تالیف کرتا ہے، اور اِن اقسامِ ہفتگانہ کے سوا کسی اور قسم کی تالیف اب ممکن نہیں، اور وہ حسبِ ذیل ہیں:

۱- ہر صاحبِ قلم کسی ایسے موضوع پر لکھے گا جس پر کسی نے اس سے پہلے قلم نہیں اٹھایا، تو یہ اس کا موجد ہوگا۔

۲- یا ناقص بحث کو مکمل کرے گا۔

۳- یا کسی مغلق اور پیچیدہ بات کی شرح کرے گا، اور مشکل کو حل کرے گا۔

۴- یا معانی میں خلل اندازی کے بغیر کسی مطول کو مختصر بنائے گا۔

۵- یا کسی غیر مرتب بحث کو مرتب شکل دیدے گا۔

۶- یا کسی کتاب میں ایسی باتیں لکھے گا کہ جن سے مصنف کی خطاؤں اور غلطیوں کو واضح کرے گا۔

۷- یا منتشر مباحث کو یکجا کرے گا۔ (خلاصۃ: ۴/۴۱)

وفات:

علامہ بابلیؒ کا انتقال ۱۰۸۰ھ میں ہوا ہے۔

موصوف نے تصنیف وتالیف کا کام نہیں کیا لیکن کتابوں کو نقل بہت کیا ہے جن میں فتح الباری جیسی ضخیم کتابیں شامل ہیں۔

موصوف کی دو تالیفات ہیں:

۱ - عقد الدر النظيم في فضل بسم الله الرحمن الرحيم، ۲ - كتاب الجهاد، ۳ - موصوف کا

اور وہ شیخ سالم سنہوری[1] کے شاگرد تھے،

ثبت بھی شائع کیا گیا ہے۔

حالات کیلئے ملاحظہ ہو: ۱۔أنسان العین في مشایخ الحرمین:۹، ۲۔ الانتباہ في سلاسل أولیاء اللّٰہ، ۳۔ خلاصة الأثر:۴/۳۹- ۴۲، ۴۔ تاج العروس مادہ (ب ل ل)، ۵۔ حصر الشارد (قلمی)، ۶۔ فہرس الفہارس:۱/۱۴۹-۱۵۰، ۷۔ ہدیة العارفین:۲ /۲۹۰، ۸۔ أبجد العلوم:۸۴۵-۸۴۶، ۹۔ تقصار جیود الأحرار:۹۸- ۱۰۲.

(۱) شیخ سالم السنہوری

نام ونسب:

سالم نام، ابوالنجی کنیت، اور زین الدین لقب تھا، سلسلۂ نسب حسب ذیل ہے: ''سالم بن محمد بن محمد بن عزالدین بن ناصرالدین السنہوری المصری المالکی۔''

ولادت وتحصیل علم:

۹۴۵ھ = ۱۵۳۸ء میں سنہور میں پیدا ہوئے، گیارہ برس کی عمر میں قاہرہ آئے، اور وقت کے نامور علماء سے علوم کی تحصیل کی، محدث شیخ نجم الدین محمد بن احمد غیطی، شمس الدین محمد بنوفری مالکی اور ناصر الدین لقانی سے حدیث کی سند لی، عقلی ونقلی علوم میں کمال پیدا کیا، اور درس وتدریس میں مشغول ہوئے، بہت سے طلبہ نے موصوف سے استفادہ کیا، اور حدیث کی سند لی، جن میں شیخ بُرہان الدین لقانی، نور الدین اجہوری، خیر الدین رملی، شمس الدین بابلی اور شیخ سلیمان بابلی کا نام سرفہرست آتا ہے، شیخ عامر شبراوی نے پوری صحاح ستہ کا سماع اِن سے کیا تھا۔

فضل وکمال:

ابوالعباس احمد المعروف بباباتنبکتی مالکی (المتوفی ۱۰۳۲ھ) نے ''نیل الابتھاج بتطریز الدیباج'' (ص:۱۲۶، طبع مصر ۱۳۵۱ھ) میں موصوف کا تذکرہ حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے:

''الشیخ الفقیه المحدِّث المتفنن العلامة، أحد شیوخ مصر، أدرك الناصر اللّقاني، وتفقّه بالشیخ محمد البنوفري، وأخذ الحدیث عن نجم الدین الغیطي، وبرع في الفقه والحدیث وغیرهما، واشتهر ودرس وأفتی''.

شیخ، فقیہ، متفنن، علامہ، ان شیوخ مصر میں سے ایک تھے جنہوں نے شیخ ناصرالدین لقانی کو پایا، اور شیخ محمد بنوفری سے فقہ میں بصیرت حاصل کی، نجم الدین غیطی سے حدیث پڑھی، اور فقہ وحدیث وغیرہ میں ممتاز ہوئے، بڑی شہرت پائی، درس اور فتوی دیا۔

....

شیخ محبی "خلاصة الأثر" (۲/۲۰۴) میں رقمطراز ہیں:

"سالم بن محمد ...... أبو النجا السنهوري المصري المالكي الإمام الكبير المحدث الحجة الثبت، خاتمة الحفاظ، و كان أجلّ أهل عصره من غير مدافع، وهو مفتي المالكية ورئيسهم، وإليه الرحلة من الآفاق في وقته، واجتمع فيه من العلوم مالم يجتمع في غيره".

سالم بن محمد ......ابوالنجا سنہوری مصری مالکی، امام کبیر، محدث، حجت، ثقہ اور خاتمۃ الحفاظ تھے، اپنے زمانے کے بالاتفاق سب سے بڑے عالم، مفتی مالکیہ اور ان کے سردار تھے، اور اپنے وقت کے ایسے عالم تھے کہ جن کی طرف لوگ گوشہ گوشہ سے سفر کر کے آتے تھے، موصوف بہت سے ایسے علوم کے جامع تھے کہ جن کے جامع اور علماء نہ تھے۔

حافظ سید مرتضیٰ بلگرامی ثم الزبیدی "تاج العروس" (مادہ سنہر) میں لکھتے ہیں:

"قلت: سنهور (مثل زنبور) أيضا قريتان بالشرقية: أحدهما من حقوق منية صيفى، والأخرى تضاف إلى السباخ، ومن أحدهن الإمام المحدث زين الدين أبو النجاء سالم بن محمد بن محمد السنهورى المالكي، روى عن النجم محمد بن أحمد السكندري، والشمس محمد بن عبد الرحمن العلقمي، كلاهما عن السيوطي وشيخ الإسلام، توفي في خمس جمادى الآخرة سنة ۱۰۱۵هـ."

میں کہتا ہوں سنہور بروزنِ زنبور، مصر کے مشرقی جانب دو بستیاں ہیں، اُن میں سے ایک حقوق منیہ صیفی کی اور دوسری سباخ کی طرف منسوب ہے، ان میں سے کسی ایک کے رہنے والے زین الدین ابوالنجا سالم بن محمد بن محمد سنہوری مالکی ہیں، جو نجم الدین محمد بن احمد سکندری، شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن علقمی سے جو سیوطی اور شیخ الاسلام کے شاگرد ہیں، روایت کرتے ہیں، ان کا انتقال جمادی الآخرہ ۱۰۱۵ھ میں ہوا تھا۔

وفات:

منگل کے دن ۳ر جمادی الآخرہ ۱۰۱۵ھ = ۱۶۱۶ء میں ستر سال کی عمر میں وفات پائی، اور مقبرۃ المجاورین میں دفن ہوئے، بعض علماء نے موصوف کی تاریخ وفات حسب ذیل قطعہ سے نکالی ہے:

مات شيخ الحديث بل كل علم — سالم ذو الكمال أفضل حبر
شیخ الحدیث ہی کا نہیں بلکہ شیخ العلوم — صاحبِ کمالات افضل العلماء شیخ سالم کا انتقال ہوگیا
فقلت من غير غاية لبكاء — أرخوه قد مات عالم مصر
میں نے رونے کی انتہاء نہ ہونے کی وجہ سے کہا — کہ ان کی تاریخ لکھو کہ عالم مصر مر گیا

اور انہوں نے شیخ نجم الدین غیطی (۱) سے، اور نجم الدین غیطی نے شیخ الاسلام زین الدین زکریا انصاری سے استفادہ کیا تھا، نیز شیخ عیسیٰ مغربی کئی واسطوں سے شیخ جلال الدین سیوطی کے شاگرد ہیں۔

موصوف کی تالیفات میں سے دو کتابیں زیادہ مشہور ہیں:

۱- حاشية على مختصر خليل، اِس حاشیہ کا ذکر حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں کیا ہے،

۲- رساله في النصف من شعبان.

حالات کیلئے ملاحظہ ہو: ۱- نيل الابتهاج بتطريز الديباج:۱۲٦، ۲- خلاصة الأثر:۲/۲۰٤، ۳- تاج العروس (ماده س و ر)، ٤- هدية العارفين:۱/۳۸۱.

(۱) الشیخ نجم الدین الغیطی

نام ونسب:

محمد نام، ابو بکر اور ابو المواہب کنیت، اور نجم الدین لقب تھا، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''محمد بن احمد بن علی بن ابی بکر الغیطی السکندری ثم المصری الشافعی۔''

ولادت:

۹۱۰ھ=۱۵۰۴ء میں غیط العدہ مصر میں پیدا ہوئے، شیخ نجم الدین غزی کا بیان ہے کہ موصوف میرے والد کے ساتھ علوم کی تحصیل میں رفیقِ سفر تھے، اور انہوں نے والد کے ساتھ دادا سے پڑھا تھا، صحیح بخاری و مسلم کا سماع شیخ الاسلام زکریا انصاری سے کیا، اور سنن ابی داوٗد کا کچھ حصہ بھی ان ہی سے سنا، ان ہی نے ان کو خرقۂ خلافت سے سرفراز کیا، سنن ابن ماجہ اور موطأ وغیرہ کا سماع محدث شیخ عبدالحق سنباطی سے کیا، اور ان سے قراءات اور تفسیر وغیرہ کی تحصیل کی، شیخ سنباطی سے ان کو افتاء اور تدریس کی اجازت بھی حاصل تھی، شیوخِ مصر میں سے شیخ کمال الدین بن حمزہ، امین الدین بن النجار، بدر الدین مشہدی، شمس الدین الدلجی، اور ابو الحسن بکری وغیرہ بھی ان کے شیوخ میں سے ہیں، ان سے بھی ان کو افتاء اور تدریس کی اجازت حاصل ہے۔

درس وتدریس وعلوم میں مہارت:

جب موصوف کو علومِ دینیہ میں دستگاہ کامل حاصل ہوگئی تو مسندِ درس پر متمکن ہوئے، پھر مدرسہ صلاحیہ اور خانقاہِ سریاقوسیہ کے فرائض بھی انجام دیئے، شیخ نجم غیطی حدیث، تفسیر اور تصوف میں یکتائے روزگار تھے، ہر طرف سے لوگ اُن کے پاس تحصیل علوم کے لیے آتے تھے، شیخ عبدالوہاب شعرانی (المتوفی ۹۷۳ھ) کا بیان ہے:

''أفتى ودرس في حياة مشايخه بإذنهم، وألقى الله محبته في قلوب الخلائق، فلايكرهه إلّا مُجرمٌ أو مُنافق، وانتهت إليه الرياسة في علم الحديث والتفسير والتصوف، ولم يزل أمّاراً بالمعروف ناهياً عن

....

المنکر، یواجه بذلك الأمراء والأكابر لایخاف في الله لومة لائم.'' (الکواکب السائرة : ۳/۴۷)

موصوف نے اپنے شیوخ کی حیات میں ان کی اجازت سے فتویٰ دیا، پڑھایا، اللہ تعالیٰ نے ان کی محبت مخلوق کے دل میں ڈالی تھی، مگر جو مجرم اور منافق تھا وہ ان کو پسند نہ کرتا تھا، حدیث، تفسیر اور تصوف کی ریاستِ علمی ان پر ختم ہوگئی تھی، موصوف ہمیشہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض انجام دیتے رہے، اور اس کے ذریعہ سے امراء اور حکام کو خیر کی طرف متوجہ کرتے رہے، موصوف اللہ کے معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

قاضی محبّ الدین حنفی اپنی رحلہ مصریہ میں رقمطراز ہیں:

''وأما حافظ عصره، ومحدث مصره، وحید دهره، الرحلةالإمام، والعمدة الهمام الشیخ نجم الدین الغیطي، فإنه محدث هذه الدیار علی الإطلاق، جامع الکمالات الجمیلة ومحاسن الأخلاق، حاز أنواع الفضائل والعلوم واحتوی علی بدائع المنثور والمنظوم، إذا تکلم في الحدیث بلفظه الجاری أقر کل مسلم بأنه البخاري، أجمعت علی صدارته في العلم علماء البلاد واتفقت علی ترجیحه بعلو الإسناد''. (الرحلة المصریة بحوالہ کواکب السائرة:۳/۵۳)

اور لیکن موصوف اپنے زمانے کے حافظ، اپنے شہر کے محدث اور یکتائے زمانہ عالم تھے، شیخ نجم غیطی اس پایہ کے امام اور ایسے عمدہ عالم تھے کہ لوگ ان کی طرف سفر کرکے آتے تھے، موصوف اس دیار کے علی الاطلاق محدث تھے، بڑے کمالات اور محاسنِ اخلاق کے جامع تھے، گوناگوں فضائل اور علوم کے حامل تھے، صنائع، بدائع، نظم ونثر پر بڑی قدرت حاصل تھی، جب حدیث کے الفاظ زبان سے ادا کرتے تو ہر مسلمان اِس امر کا اقرار کرتا تھا کہ موصوف بخاریِ دوراں ہیں، ان کی علمی صدارت اور سیادت پر علماء کا اتفاق ہے، اور ان کے علوِ اسناد میں قابلِ ترجیح ہونے پر سب کا اجماع ہے۔

حافظ سید مرتضیٰ بلگرامی ثم الزبیدی (المتوفی ۱۲۰۵ھ) ''تاج العروس'' (مادہ غ وط) میں لکھتے ہیں:

''والنجم محمد بن أحمد السکندري الغیطي منسوب إلی غیط العدة بمصر؛ لأنه کان سکن بها، حدّث عن شیخ الإسلام زکریا بن محمد الأنصاري، ومعجم شیوخه یتضمن سبعا وعشرین شیخاً وهو عندي، قال الشعراني في الذیل: توفي یوم الأربعا ۱۷ صفر سنة ۹۸۱هـ.''

شیخ نجم الدین محمد بن احمد سکندری غیطیؒ غیط عدہ کی طرف منسوب ہیں جو مصر میں ہے، کیونکہ موصوف یہاں کے رہنے والے تھے، یہ شیخ الاسلام زکریا بن محمد انصاری سے حدیث روایت کرتے ہیں، ان کی معجم شیوخ ۲۷ شیوخ پر مشتمل ہے، اور وہ میرے پاس موجود ہے، شعرانیؒ نے ذیل طبقات میں لکھا ہے کہ بدھ کے دن ۱۷ صفر ۹۸۱ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

نیز شیخ ابو طاہر نے شیخ احمد نخلی (۱) سے جو مکہ معظمہ میں یکتائے زمانہ عالم تھے، استفادہ کیا تھا،

وفات:

تذکرہ نگاروں نے سالِ وفات ۹۸۱ھ نقل کیا ہے، لیکن ابن العماد نے سالِ وفات ۹۸۴ھ قرار دیا ہے، بعض علماء نے سالِ وفات حسب ذیل مصرعہ سے نکالی ہے:

"إمام الحديث مع أهل النعيم"

۹۸۲

تصنیفات:

ان کی تالیفات میں حسب ذیل کتابیں مشہور ہیں:

۱۔ الابتهاج في الكلام على الإسراء والمعراج، ۲۔الأجوبة المفيدة عن الأسئلةالعديدة، ۳۔ أسباب النجاح في آداب النكاح، ٤۔ بهجة السامعين والناظرين بمولد سيد الأولين والآخرين، ٥۔ التاييدات العلية للأوقاف المصرية، ٦۔ التثنيب على ابن النقيب، ۷۔ تلخيص شهاب الأخبار للقضاعي، ۸۔ شرح الصدور بشرح الشذور، ۹۔ العقد الجامع في شرح درر اللوامع نظم جمع الجوامع، ۱۰۔ فتح المغلق في تصحيح ما في الروضة من خلاف المطلق، ۱۱۔ الفرائد المنظمة والفوائد المحكمة فيما يقال في ابتداء تدريس الحديث الشريف، تتعلق بالبخاري ويأول ماله من ترجمه، ۱۲۔ القول القويم في اقطاع تميم، ۱۳۔ اللمحة في اختصار الملحة، ١٤۔ مواهب الكريم المنان في الكلام على ليلة النصف من شعبان، ١٥۔ فاتحة سورة الدخان.

حالات کیلئے ملاحظہ ہو: ۱۔ الكواكب السائرة:۳/۵۲– ۵۳، ۲۔ شذرات الذهب:۸/٤۰٦– ٤۰۷، ۳۔ تاج العروس ماده غ و ط، ٤۔ فهرس الفهارس:۲/۲۵۵– ۲۵٦، ٥۔ هدية العارفين:۲ /۲۵۲.

(۱) الشیخ ابو العباس احمد النخلی

نام ونسب:

احمد نام، ابو العباس کنیت ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''احمد بن محمد بن احمد بن علی النخلی الکوفی الشافعی''

ولادت:

موصوف ۱۰۴۰ھ=۱۶۳۰ء میں پیدا ہوئے، اِن کی درازیٔ عمر کا بھی نہایت عجیب وغریب واقعہ ہے۔
شیخ محمد بن احمد نخلی کے یہاں کوئی بچہ زندہ نہیں رہتا تھا، جب یہ پیدا ہوئے تو اہل اللہ سے ان کی درازیٔ عمر کی

....

دعائیں کرائی گئیں، ہر جمعہ کو انہیں محمد نخلی، مشہور صوفی شیخ تاج الدین سنبھلی کی خدمت میں بھیجتے تھے، ایک روز اتفاق سے شیخ تاج الدین نے غور کیا، اور اس خادم سے جو انہیں لے کر آتا تھا، اس سے کہلا بھیجا کہ یہ بچہ تیری طرح نہیں بلکہ تجھ سے بہتر اور زیادہ نیک بخت ہے، مگر اس کی زندگی کچھ زیادہ نہیں ہے، جب خادم انہیں لے کر محمد نخلی کے پاس آیا، تو حقیقتِ حال سے آگاہ کیا، انہوں نے خادم کو واپس بھیجا، اور کہا کہ میری طرف سے شیخ کی خدمت میں یہ عرض کرو کہ میں نے اپنی عمر اس بچہ کو دیدی، اور اس کے متعلق میں آپ کو اپنا شفیع بناتا ہوں، جب شیخ نے یہ سنا تو بارگاہِ الٰہی میں متوجہ ہوئے، اور تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کہ ان سے جا کر کہہ دو کہ تمہاری نیت قبول ہوگئی، تمہیں اب صرف تین مہینے کی مہلت دی گئی ہے تاکہ اس عرصہ میں تم سفرِ آخرت کی تیاری کرلو، چنانچہ شیخ احمد نخلی کے والد کا ٹھیک تین مہینے کے بعد انتقال ہوگیا، اور شیخ احمد نخلی نے نوے برس کی عمر پائی۔

موصوف نے نامور علماء سے علوم دینیہ کی تحصیل کی، محدث محمد بن عمرو دینی یمنی، عبداللہ بن سعید باقشیر مکی، حافظ محمد بن العلاء بابلی، منصور بن عبدالرزاق ملوخی مصری، احمد بن عبداللطیف بشیشی، یحییٰ شادی جزائری، ابو مہدی عیسیٰ ثعالبی، ابراہیم کورانی، محمد بن علی بن علان صدیقی مکی وغیرہ سے حدیث کا سماع کیا، موخر الذکر محدث موصوف کے شیوخ میں علو اسناد میں سب سے برتر ہیں، ان کی تصانیف بکثرت ہیں، موصوف کی وفات بھی سب سے پہلے ہوئی ہے، ان کا سالِ وفات ۱۰۵۷ھ ہے، جس کے بعد نخلی ستر برس زندہ رہے، اور یہ عجائبات میں سے ہے، محدث نخلی کو علی بن جمال الدین مکی، شہاب الدین احمد دمیاطی، احمد بن سلیمان مصری، احمد سجلماسی مدنی ادریسی، عبدالعزیز زمزمی، زین العابدین طبری مکی، عبداللہ دمیری مصری، محمد بن محمد شرنبلابی مصری اور ابو مروان عبدالملک تجموعی جلماسی وغیرہ سے بھی روایت حدیث کی اجازت حاصل ہے۔

شاہ ولی اللہؒ ''انسان العین'' (ص:۱۰) میں رقمطراز ہیں:

''جامع بود میانِ علم ظاہر و باطن، و صحبت بسیارے از مشائخ طریقت علماءِ شریعت دریافتہ بود، خرقہ از سید عبدالرحمٰن مجوب و سید محمد رومی، سید عبداللہ سقاف و میر کلاں بن میر محمود بلخی و غیر ایشاں دارد، و حدیث از محمد بن العلاء البابلی و شیخ عیسیٰ مغربی وطبقۂ ایشاں روایت کردہ، و تسلسل در سماع بخاری و موطأ حاصل نمود، و احزاب مشائخ طریقہ بسیار داشت، از اول نشو ونما بصلاح و محبت علم و علماء والتزام صحبت ایشاں و اعتقاد مشائخ صوفیہ و تثبت بر اعمال و اشغال ایشاں متصف بود، و با کثر مشائخ حرمین و واردین بحرمین صحبت مستوفی داشتہ، بالجملہ یکے از اعیانِ مکہ معظّمہ و مشہور ببرکت و استجابتِ دعوات بود۔''

علمِ ظاہری اور باطنی کے جامع تھے، بہت سے مشائخ طریقت اور علمائے شریعت کی صحبت اٹھائی تھی، خرقۂ خلافت سید عبدالرحمٰن مجوب، سید محمد رومی، سید عبداللہ سقاف اور میر کلاں بن میر محمود بلخی وغیرہ سے حاصل کیا تھا، حدیث شیخ محمد بن العلاء بابلی، شیخ عیسیٰ مغربی اور ان کے طبقہ سے روایت کی، بخاری اور موطأ کا مسلسل سماع کیا، مشائخِ طریقت کے

....

اوراد کو سیکھا، آغازِ عمر سے صلاح، تقویٰ، علم اور علماء کی محبت اور ان کی مجلسوں میں باقاعدہ حاضری، مشائخ طریقت سے عقیدت اور ان کے اعمال واشغال پر مداومت کے اوصاف سے آراستہ تھے، انہوں نے اکثر مشائخ حرمین اور واردینِ حرمین کی صحبت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا تھا، خلاصۂ کلام یہ ہے کہ موصوف مکہ معظّمہ کے نامور علماء میں سے تھے، اور برکت وقبولیتِ دعا میں مشہور تھے۔

موصوف "الانتباہ" (ص:۳۱) میں تحریر فرماتے ہیں:

''شیخ احمد نخلی کہ عالم بودہ است وعابد در غایت صلاح واتقان، او مشائخ خود را در رسالہ باضبط کردہ، او یکے از ثقاتِ مکہ معظّمہ بود، واکثر مشائخ شیخ حسن را دریافتہ است، وشیخ منصور ملوخی مصری را دریافت، وهو أخذ عن الشيخ سلطان المزاحي، وهو أخذ الحديث عن الشهاب أحمد بن خليل السبكي، عن الشيخ محمد المقدسي، وعن النجم الغيطي، كليهما عن الزين زكريا، وعن نور الدين علي الزيادي، عن الشهاب أحمد بن محمد الرملي، عن الزكريا والشمس السخاوي وغيرهما، وأجاز الشيخ سلطان للشيخ منصور بجميع ماتجوز به روايةً، وأجاز الشيخ منصور كذلك للشيخ النخلي، والنخلي كذلك لأبي طاهر، وأبو طاهر لهذا الفقير، وشیخ احمد بشیشی وشیخ عیسیٰ مغربی ومحمد بن علی بن محمد بن علان صدیقی مکی وغیر ایشان را دریافت وایشان اجازت دادند۔''

شیخ احمد نخلی جو عالم اور عابد تھے، صلاح واتقان میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے، انہوں نے اپنے مشائخ کے حالات میں ایک رسالہ لکھا ہے، یہ مکہ معظّمہ کے ثقہ لوگوں میں سے تھے، اور شیخ حسن کے اکثر مشائخ کو اور شیخ منصور طوخی مصری کو پایا تھا، اور وہ شیخ سلطان مزاحی سے راوی تھے، اور وہ شیخ شہاب احمد بن خلیل سبکی سے، اور وہ شیخ محمد مقدسی اور نجم الدین غیطی سے، اور یہ دونوں زین الدین زکریا سے روایت کرتے تھے، نیز وہ نور الدین علی زیادی سے، اور وہ شہاب الدین احمد بن محمد رملی سے، اور وہ زکریا انصاری اور شمس الدین سخاوی وغیرہ سے راوی تھے، شیخ سلطان نے شیخ منصور کو ان تمام مرویات کی جن کی انہیں اجازت حاصل تھی روایت کی اجازت دی تھی، اس طرح شیخ نخلی کو بھی اجازت عطا فرمائی تھی، اور شیخ نخلی نے اس طرح شیخ ابو طاہر کو اور شیخ ابو طاہر نے اس فقیر کو دی ہے، اور شیخ احمد بشیشی، شیخ عیسیٰ مغربی اور محمد بن علی بن محمد بن حلان صدیقی مکی وغیرہ کو پایا، اور انہوں نے بھی ان کو اجازت دی ہے۔

شیخ محمد عابد سندھی، حصر الشارد میں رقمطراز ہیں:

''العلّامة الفهّامة، خاتمة المحدثين في عصره، وفريد وقته ودهره أحمد بن محمد النخلي، كان

....

من أعيان العلماء العاملين، وأكمل الكملاء المشهورين، جمع بين المنقول والمعقول والفروع والأصول، مع السمت الحسن والعمل المستحسن، فاشتهر صيته وذكره، وأخذ عن الشيخ المحقق عبد الله بن أسعد باقشير الشافعي المكي تلميذ السيد العلامة عمر بن عبد الرحيم البصري، وتخرّج عليه ولازمه نحو عشرين سنة، وأخذ عن الشيخ العلامة محمد بن علاء الدين البابلي، وعليه مدار روايته في الأمهات وغيرها ...... والعلامة الشيخ يحيى بن محمد بن محمد بن علي بن أبي البركات المالكي الشهير بالشاوري تسمية لانسباً، والعلّامة الهمام محمد بن علي بن محمد بن علان الصديقي ...... وأما الآخذون عنه من أهل الحرمين والآفاق فلايحصون، رحل إليه الناس من كل الجهات، وكان زاهداً ورِعاً تقياً على استقامة تامة إلى أن انتقل في سنة سبع وعشرين وألف ومأة.''

علامہ فہامہ خاتم محدثینِ زمانہ، فریدِ عصر اور یگانۂ وقت احمد بن محمد نخلی نامور علماء عاملین اور مشہور ترین اکمل کاملین میں سے تھے، جامع معقول ومنقول اور حاوی فروع واصول تھے، اور خوش خلقی، نیک کرداری کی صفات سے بھی آراستہ تھے، ہر جگہ ان کا شہرہ اور چرچا تھا، انہوں نے شیخ محقق عبداللہ بن اسعد باقشیر شافعی مکی شاگردِ علامہ سید عمر بن عبدالرحیم بصری سے حدیث کی تحصیل وتکمیل کی، اور بیس برس تک ان کے پاس رہے، اور شیخ علامہ محمد بن علاء الدین بابلی سے پڑھا، امہات کتب وغیرہ کی روایت میں ان ہی پر مدار ہے...... علامہ شیخ یحییٰ بن محمد بن علی بن ابی البرکات جو باعتبارِ نسب نہیں بلکہ بطور اسم شاوری سے مشہور ہیں، اور علامہ ہمام محمد بن علی بن محمد بن علان صدیقی سے راوی ہیں...... لیکن ان سے حدیث کے راوی اہلِ حرمین وغیرہ اتنے ہیں کہ شمار سے باہر ہیں، تحصیلِ حدیث کے لیے ہر طرف سے لوگ ان کے پاس آتے تھے، اور یہ بڑے پرہیزگار اور زاہد تھے، پاکیزگی کے ساتھ راہِ راست پر گامزن رہے تا آنکہ ۱۱۲۷ھ میں انتقال ہوگیا۔

کتاب ''حصر الشارد'' میں ایک اور موقع پر لکھتے ہیں:

''أحمد بن محمد النخلي ...... كان إماماً جليلاً، وكان مرجع العلماء المحققين والمحدثين في وقته ...... ولد بمكة المشرفة سنة إحدى وأربعين بعد الألف''.

احمد بن محمد النخلی...... امام جلیل تھے اور اپنے وقت میں محققین علماء اور محدثین کا مرجع تھے...... مکہ معظّمہ میں ۱۱۴۱ھ میں پیدا ہوئے تھے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ محدث نخلی بجز معدودے چند محدثین کے محدث سالم بصری کے اکثر شیوخ میں ان کے شریک ہیں۔

....

محدث ابوالیسر فالح مہنوی نے موصوف کو"أنجح المساعي" میں ان مسندین حجاز میں شمار کیا ہے جن کے دم قدم سے اخیر زمانے میں حدیث کو فروغ حاصل ہوا ہے، فرماتے ہیں:

''إن علم الحديث في القرون الثلاثة الأخيرة قد قَوِيتْ شوكته وارتفع له أعلى منار، قال: السبب في ذلك بديارنا الحجازية وجود مسانيد الحجاز السبعة: ١ـ أولهم ابو مهدي الثعالبي، ٢ـ ويليه ابن سليمان الرداني، ٣ـ ويليه قريش الطبرية، ٤ـ ويليها أبو البقاء العجيمي، ٥ـ ويليه الشمس محمد بن أحمد النخلي، ٦ـ ويليه البصري، قلت: النخلي أحمد بن محمد ،لا محمد بن أحمد، فإنه سبق قلم من الشيخ الفالح.'' (فهرس الفهارس: ١/ ٢٥٢،أنجح المساعي بحوالہ فهرس الفهارس: ١/٢٥١)

بلاشبہ ان اخیر زمانوں میں علمِ حدیث کی شان دوبالا ہوئی، اور اس کا بڑا بول بالا ہوا، اِس کا سبب ہمارے دیارِ حجاز میں سات مسندین حجاز کا پایا جانا ہے، ان میں اولیت کا شرف ابومہدی ثعالبی کو حاصل ہے، ۲- پھر ابن سلیمان ردانی کا نمبر ہے، ۳- اور پھر قریش طبریہ ہیں، ۴- پھر ابوالبقاء عجیمی، ۵- پھر شمس الدین محمد بن احمد نخلی، اور ۶- پھر بصری ہیں۔

حافظ سید مرتضیٰ زبیدی"شرح الفية السند" میں رقمطراز ہیں:

''شارك النخلي البصري في غالب الشيوخ، وانفرد عنه بأشياخ، كالشيخ علي اليازدري، وأحمد المفلحي، ويونس الدمشقي، ومحمد الميداني، وإبراهيم العايوني، وعبد الرحمن العمادي، والقشاشي، وخير الدين الرملي، وأيوب الخلوتي، وعبد الكريم الكوران''. (فهرس الفهارس: ١/٢٥٢)

''نخلی'' محدث بصری کے اکثر شیوخ میں شریک ہیں، اور بعض میں منفرد ہیں۔ جیسے شیخ علی یازدری، احمد مفلحی، یونس دمشقی، محمد میدانی، ابراہیم عایونی، عبدالرحمٰن عمادی، قشاشی، خیرالدین رملی، ایوب خلوتی اور عبدالکریم کورانی۔

واضح رہے محدث نخلیؒ نے ان شیوخ کا تذکرہ اپنے ثبت میں کیا ہے۔

وفات:

موصوف کے فرزند شیخ عبدالرحمٰن نخلی کا بیان ہے کہ والد بزرگوار قرض میں ڈوبے ہوئے تھے، اور میں ان کے قرضوں کا کفیل تھا، والد ماجد بہت کمزور ہو گئے تھے، ایک دن میں نے عرض کیا کہ آپ نے جن سے قرض لیا ہے وہ مطالبہ کرتے ہیں، مجھے اندیشہ ہے کہیں کوئی حادثہ پیش نہ آجائے، اور میرے ذمہ قرض باقی رہ جائے، میرے رشتہ دار بھی ادائیگی سے قاصر ہیں، فرمایا مجھے امید ہے جب تک پائی پائی ادا نہ ہو جائے گی موت نہیں آئے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا، جس رات قرض ادا ہوا اسی رات آخر شب میں روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی، تاریخِ وفات ۱۱۳۰ھ = ۱۷۱۷ء ماہِ محرم ہے۔

اور انہوں نے شیخ سلطان مزاحی (۱) سے،..

حافظ سید عبدالحی کتانی نے ''فهرس الفهارس'' (۱/۲۵۱) میں موصوف کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے: ''الإمام العلامة المحدِّث المسند المعمَّر الصوفي أبو العباس أحمد ...... الشهير بالنخلي''.

واضح رہے فہرس الفہارس میں مذکور ہے کہ نخلی بفتح نون اہلِ مغرب ومشرق کی زبان زد ہے، لیکن محدث قاوقجی نے اپنی کتاب الأوائل میں تصریح کی ہے کہ نخلی بکسر نون ہے، سید مرتضیٰ زبیدی نے تاج العروس مادہ نخل میں لکھا ہے کہ ''نخل''''زبید'' کے قریب ایک مقام کا نام ہے۔

تالیفات:

موصوف کی تالیفات میں سے:

۱۔ بغية الطالبين لبيان المشايخ المحققين المدققين حیدر آباد دکن سے شائع ہوچکی ہے، اس کے متعلق حافظ سید عبدالحی کتانیؒ ''فهرس الفهارس'' (۱/۱۵۱) میں لکھتے ہیں:

''هو فهرس نافع جامع، عليه وعلى "إمدادالبصري" المدار في الإسناد في القرن الثاني عشر ومابعده، فإن البَصري والنخلي انتهت إليهما الرياسة في زمانهما في الدنيا في هذا الشان، لما حصلا عليه من العلو والعمر المديد.''

یہ فہرست نافع اور جامع ہے، اس پر اور امداد بصری پر بارہویں اور تیرہویں صدی ہجری میں اسناد کا مدار ہے، کیونکہ علوسند اور درازیِ عمر کی وجہ سے دنیا میں بصری اور نخلی کے زمانہ میں فن اسناد کی سیادت ان پر ختم ہوئی تھی۔

۲۔ التفسيرات الأحمدية في بيان الآيات الشرعية .

حالات کیلئے ملاحظہ ہو: ۱۔ إنسان العين في مشايخ الحرمين: ۱۰ - ۱۲، ۲۔ الانتباه في سلاسل أولياء الله (مخطوطة)، ۳۔ حصر الشارد (مخطوطة)، ٤۔ تاج العروس (ماده ن خ ل)، ٥۔ فهرس الفهارس: ۱/۲۵۱-۲۵۳، ٦۔ هدية العارفين: ۱/۱٦۷، ۷۔ أبجد العلوم: ۸٥٦، ۸۔ تقصار جيود الأحرار: ۱۰٥.

(۱) الشیخ سلطان بن احمد الازہری

نام ونسب:

سلطان نام اور ابو العزائم کنیت ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''سلطان بن احمد بن سلامۃ بن اسماعیل المزّاحی المصری الازہری الشافعی۔''

ولادت وتحصیل علم:

۹۸۵ھ میں مصر کی ایک بستی منیہ مزاح میں پیدا ہوئے، پہلے قرآن مجید حفظ کیا اور پھر فارسی پڑھی،

....

سیف الدین بن عطاء اللہ سے قرآن مجید قرأتِ مختلفہ سے پڑھا، اور نقلی علوم کی تحصیل شیخ نور الدین زیادی، سالم شبشیری، احمد بن خلیل سبکی اور محمد نصری سے کی، اور عقلی علوم کی تکمیل تیس سے زیادہ علماء سے کی تھی، بیس برس کی عمر میں موصوف کو افتا وتدریس کی اجازت مل گئی تھی، تحصیلِ علم کے بعد جامع ازہر میں درس دینا شروع کیا تھا۔

شیخ مزاحی کا مکان جامع ازہر سے دور "باب زویلہ" کے پاس تھا، مگر ان کا یہ معمول تھا کہ آخر شب میں جامع ازہر آجاتے اور طلوعِ فجر تک نماز میں مشغول رہتے، پھر فجر کی نماز پڑھاتے اور نماز سے فارغ ہوکر طلوعِ آفتاب تک طلبہ کو "شاطبیہ"، "طیبہ" اور "درّۃ" کا درس دیتے، پھر فسقیۃ الجامع جاتے، وضو کرتے اور اشراق کی نماز پڑھ کر ظہر تک طلبہ کو حدیث وفقہ کا درس دیتے، نیز دیگر اوقات میں دوسرے علوم پڑھاتے تھے، ہر سال مختلف علوم وفنون کی دس کتابیں نہایت بحث واتقان سے پڑھاتے تھے، اوراس لئے وہ فرماتے تھے: "جو عالم بننا چاہے وہ میرے درس میں حاضر ہو۔"

فقہ میں یکتائے زمانہ:

اُس دور کے تمام فقہاء نے فقہ کی تحصیل اِن ہی سے کی تھی، ان کے درس کی شہرت دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھی، ضعفِ پیری کے باوجود موصوف نماز کھڑے ہوکر پڑھتے تھے، محِبی کے والد شیخ فضل اللہ اپنی رحلہ میں رقمطراز ہیں:

"شيخ القراء بالقاهرة على الإطلاق، ومرجع الفقهاء بالاتفاق، رافع لواء مذهب الإمام محمد بن إدريس الهمام من حظه في العلوم موفور، وسعيه فيها مشكور، ومعول عليه في منقولها، ومطلع على فروعها وأصولها، منهج الطلاب وقدوة أرباب الفرائض والحساب ...... ولا غرو فإنه الآن لعلماء الأزهر سلطان".

(رحلة الشيخ فضل الله بحواله خلاصة الأثر: ۲/ ۲۱۱)

قاہرہ میں شیخ القراء سے یہی مراد ہوتے ہیں، اور فقہاء کا مرجع بھی بالاتفاق انہی کی ذات ہے، امام ہمام محمد بن ادریس شافعیؒ کے مذہب کے علمبردار تھے، علومِ فقہ سے ان کو پورا پورا حصہ ملا تھا، ان کی کوشش قابلِ قدر ہے، نقول میں انہی پر اعتماد ہے، اس کے فروع واصول سے خوب آگاہ ہیں، طلبہ کے رہبر اور اربابِ فرائض اور ریاضی والوں کے پیشوا ہیں، اس میں کچھ مبالغہ نہیں کہ یہ اِس زمانے میں علمائے ازہر کے سردار ہیں۔

محِبی (المتوفی ۱۱۱۱ھ) نے "خلاصۃ الأثر" (۲/ ۲۱۰) میں موصوف کا تذکرہ حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے:

"إمام الأئمة، وبحر العلوم، وسيد الفقهاء، وخاتمة الحفاظ والقراء، فريد العصر، وقدوة الأنام وعلامة الزمان، الورع العابد الزاهد الناسك الصوّام القوّام".

امام الائمہ، بحر العلوم، سرتاجِ فقہاء خاتمِ حفاظ وقراء، یکتائے زمانہ، مخلوق کے مقتدا، علامۂ زماں، متقی، عابد

اورانہوں نے شیخ شہاب الدین احمد بن خلیل سبکی [1] سے، انہوں نے شیخ محمد مقدسی سے، اور انہوں نے شیخ زین الدین زکریا انصاری سے تحصیل کی تھی۔

وزاہد، شب بیدار، روزہ دار اور بڑے عبادت گزار تھے۔

حافظ سید مرتضیٰ بلگرامی ثم الزبیدی ''تاج العروس'' (مادہ م زح) میں لکھتے ہیں:

''مـنية مزاح ككتّان قرية بمصر من الدقهلية، نسب إليها أبو العزائم سلطان بن أحمد بن إسماعيل مقرى الديار المصرية وعالمها، حدثنا عنه شيوخ مشايخ مشايخنا''.

منیہ مزاح بروزن کتان مصر میں دقہلیہ کی ایک بستی ہے، شیخ ابوالعزائم سلطان بن احمد بن اسماعیل، دیارِ مصر کے عالم اور قرأت کا درس دینے والے تھے، ان سے ہمارے استاذوں کے اساتذہ الاساتذہ روایت کرتے ہیں۔

وفات:

۲۷/ جمادی الآخرہ ۱۰۷۵ھ=۱۶۶۴ء میں شبِ سہ شنبہ کو وفات پائی، شمس الدین بابلی نے نمازِ جنازہ پڑھایا، اور تربۃ المجاورین میں دفن ہوئے، بعض علماء نے حسب ذیل قطعہ کے آخری مصرعہ سے ان کی تاریخِ وفات نکالی ہے:

شـافـعـي الـعـصـر ولـي	ولـه فـي مـصـر سـلـطـان
شافعیِ دوران اللہ کے ولی ہیں	جن کا مصر میں بول بالا ہے
فـي جـمـادى أرخـوه	فـي نـعـيـم الـخـلـد سـلـطـان
جمادی کے مہینے میں ان کی تاریخ کہو	نعیم خلد میں ان کا بول بالا ہے۔

جن علما نے موصوف سے اکتسابِ فیض کیا، ان میں شمس الدین بابلی، علامہ شبرا ملسی، عبد القادر صفوری، محمد الخباز بطنینی دمشقی، منصور طوخی، محمد بقری، محمد بن خلیفہ شوبری، ابراہیم مرحومی، سید احمد حموی، عثمان نحراوی، شاہین ارمناوی، محمد بہوتی اور عبد الباقی زرقانی مالکی وغیرہ کا نام سرِفہرست آتا ہے۔

ان کی تالیفات میں سے دو کتابیں زیادہ مشہور ہیں:

۱۔ حاشية على شرح المنهج للقاضي زكريا، ۲۔ رسالة القرآت الأربعة الزائدة على العشرة من طريق القباقي.

حالات کیلئے ملاحظہ ہو: ۱۔ خلاصة الأثر: ۲/ ۲۱۰، ۲۔ هدية العارفين: ۱/ ۳۹٤، ۳۔ تاج العروس مادہ م ز ح۔

(۱) **شہاب الدین احمد السبکی المصری**

نام ونسب:

احمد نام اور شہاب الدین لقب ہے، سلسلۂ نسب درجِ ذیل ہے: ''احمد بن خلیل بن ابراہیم بن ناصر الدین

نیز شیخ ابوطاہر نے شیخ عبداللہ بن سالم بصری [1] سے استفادہ کیا تھا، اور وہ اگرچہ شیخ احمد نخلی کے ہمعصروں میں سے تھے

السبکی المصری الشافعی"

ولادت وتعلیم وتربیت:

۹۳۹ھ=۱۵۳۲ء میں پیدا ہوئے، اور تعلیم وتربیت تمام تر شیخ شمس الدین صفوی مقدسی شافعی سے کی جو جامع حاکم میں قیام پذیر تھے، اور ان ہی کی دختر نیک اختر سے موصوف کا نکاح ہوا، موصوف شیخ مقدسی کی حیات تک انہی کے ساتھ رہے، قاضی عبدالباسط کے مدرسۂ باسطیہ میں امامت اور خطابت کے فرائض انجام دیتے تھے، اِس لئے دن یہیں گذرتا تھا، مگر شب شیخ صفوی کے پاس گذارتے اور ان سے استفادہ کرتے تھے، شیخ مصطفیٰ بن فتح اللہ کا بیان ہے کہ موصوف نے شیخ شمس الدین محمد رملی سے بھی علوم کی تحصیل کی تھی، اور شیخ نجم الدین غیطی اور اس طبقہ کے علماء سے حدیث پڑھی تھی، موصوف کو حدیث میں بصیرت حاصل تھی، لیکن علومِ عقلیہ اور علومِ نقلیہ میں سے صرف فقہ میں زیادہ مہارت نہیں تھی۔

ایک مرتبہ شیخ سلطان نے مدرسۂ باسطیہ کی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھی، تو دیکھا کہ خطبہ موصوف کے فرزند نے پڑھا، اور نماز پڑھانے کے لیے خود آگے بڑھے، شیخ سلطان نے ہاتھ پکڑ کر روکا، اور کہا کہ جمعہ کی نماز کے شرائط میں سے یہ ہے کہ جو خطبہ دے وہی نماز پڑھائے، شیخ موصوف چونکہ اونچا سنتے تھے، اس لئے ان کا فرزند یہ سن کر نماز پڑھانے آگے بڑھ گیا۔

وفات:

۲۳/جمادی الاولیٰ ۱۰۳۲ھ=۱۶۲۳ء میں ۹۳ سال کی عمر میں رحلت فرمائی، اور مدرسہ مذکور میں دفن کئے گئے، موصوف کے شاگردوں میں شیخ سلطان مزاحی اور شمس الدین بابلی بہت مشہور ہیں۔

تالیفات:

موصوف کی تالیفات میں حسب ذیل کتابیں زیادہ مشہور ہیں:

١ـ فتح الغفور شرح منظومة القبور للسيوطي، ٢ـفتح المبين بشرح منظومة ابن عماد الدين، ٣ـفتح المغيث في شرح التثبيت عند التبييت للسيوطي، ٤ـ مناسك الحج صغيرة، ٥ـمناسك الحج كبيرة، ٦ـ منهج الخفا في شرح الشفا للقاضي عياض، ٧ـ هدية الإخوان في مسائل السلام والاستيذان .

حالات کیلئے ملاحظہ ہو: ١ـ خلاصة الأثر: ١/١٨٥، ٢ـ هدية العارفين: ١/٤٧٩ .

(۱) **الشیخ عبداللہ بن سالم المدنی**

نام ونسب:

عبداللہ بن سالم نام اور سلسلۂ نسب حسب ذیل ہے: "عبداللہ بن سالم بن محمد بن عیسیٰ البصری المدنی الشافعی"

مگر انہوں نے شیخ احمد نخلی کے مشائخ سے بھی استفادہ کیا تھا۔

ولادت و تحصیل علم:

موصوف ۴ر شعبان ۱۰۴۸ھ = ۱۶۳۸ء بروز چہار شنبہ مدینۂ منورہ میں پیدا ہوئے، اور یہیں تعلیم و تربیت پائی، پہلے قرآن مجید حفظ کیا، اور پھر عقلی و نقلی علوم کی تحصیل کی، اپنے والد شیخ سالم اور دیگر اکابر شیوخ جیسے شیخ علی بن الجمال مکی، عبداللہ بن سعید باقشیر مکی، عیسیٰ جعفری، محمد بن محمد بن سلیمان ردانی، شمس الدین بابلی، احمد بشیشی، یحیی شاوی مغربی، علی بن عبدالقادر طبری، شمس الدین محمد شرنبلالی، بُرہان الدین ابراہیم بن حسن کورانی، محدثِ شام محمد بن علی کاملی، عبدالملک تجموعتی سجلماسی، منصور طوخی وغیرہم سے حدیث پڑھی، اور روایت حدیث کی سند لی، شیخ احمد بن محمد بن عبد الغنی الدمیاطی سے مسلسل بالاولیہ کی سماعت کی، اور سید عبدالرحمٰن ادریسی سے ان کو خرقۂ خلافت ملا، پھر حرم میں بیٹھ کر حدیث کا درس دیا، علومِ حدیث میں ایسا کمال بہم پہنچایا تھا کہ ان کو اس دَور کا ''حافظ الحدیث'' تسلیم کیا گیا ہے، حدیث کی کتابوں کی صحت میں بھی موصوف کا پایہ نہایت بلند ہے۔

تصحیح کتب:

شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''الانتباہ'' میں رقمطراز ہیں:

''شیخ عبداللہ بن سالم البصری کہ در زمانِ خود حافظِ حدیث بود، و کتبِ ستہ را تصحیح کرد، و از یونینیہ فرعے برداشت بہتر از اصل، و بر بخاری شرح نوشت کہ بسبب ضعفِ پیری تمام نشد، و احیاء کتبِ مُسند احمد وے کرد بعد از انکہ نزدیک بود کہ در روئے زمین از وے نسخۂ کاملہ یافتہ نشود، مشائخ شیخ احمد نخلی را دریافت، و ایشاں ہر دو اقرانِ یک دیگر بودند۔'' (الانتباہ: ۳۲)

شیخ عبداللہ بن سالم بصریؒ اپنے زمانہ کے حافظ حدیث تھے، صحاح ستہ کی یونینیہ کے نسخے سے تصحیح کی تھی، اور فرع کو اصل سے بہتر بنایا تھا، بخاری کی شرح بھی لکھی تھی جو بڑھاپے کی وجہ سے مکمل نہ ہوسکی، مسند احمد کو انہوں نے ایسے وقت میں زندہ کیا جب کہ قریب تھا کہ روئے زمین پر اس کا کامل نسخہ نہ پایا جاتا، موصوف نے شیخ احمد نخلی کے شیوخ کو پایا تھا، اور یہ ایک دوسرے کے معاصر تھے۔

موصوف ''أنسان العين في مشايخ الحرمين'' (ص: ۱۲) میں لکھتے ہیں:

''احیاء بسیار از کتبِ حدیث کرد، و از آں جملہ مسند امام احمد کہ نزدیک بود کہ بر وجہ ارض نسخۂ کاملہ از آں یافتہ نشود، وے از مصر و عراق و شام از خزانہا قدیم اطراف و اجزاءِ آں جمع کرد، و از آں ہمہ نسخہ نوشت، و آں را صحیح کرد، و اصل ساخت، و از کتبِ ستہ نیز اصول مصححہ ساخت، و از نسخۂ یونینیہ بخط خود فرعے نوشت بہتر از اصل، و بر بخاری شرحے دارد مسمی بضیاء

....

السّاری کہ بسبب ضعفِ پیری اتمام آں نتوانست کرد، وہمہ عمر بروایتِ کتب حدیث سرداً وبحثاً گزرانید، وبالجملہ بحقیقت حافظ دریں زمانہ متاخر وے بود، تفصیل ایں اجمال وشرح ایں مقال آنست کہ ضبطے کہ درصحتِ حدیث ماخوذ است آن رادر امتِ مرحومہ سہ حال گذشتہ است:

۱- حالِ اول آں بود کہ درزمان صحابہ وتابعین احادیث یادمی داشتند، وضبطِ آں وقت درجودتِ حفظ بود۔

۲- حالِ دوم آں بود کہ درزمانِ تبع تابعین واوائل محدثین تاطبقۂ سابعہ وثامنہ آں رامی نوشتند، وضبطِ آں وقت در تبین خط، واحتیاط درنقط وحرکات وسکنات، وتصویرحروف، ومقابلہ براصولِ صحیحہ، وحفظِ کتاب ازعوارض طاریہ، ومثلِ آں۔

۳- وحالِ سوم آنست کہ حفاظِ حدیث دراسماءِ رجال وغریب وضبطِ الفاظِ مشکلہ آں تصانیف ساختند، وشروح مفصلہ نوشتند، ودرآنجا بانچہ تعرض می کردند۔

پس الحال ضبط آنست کہ کسے آں تصانیف وشروح را درنظر داشتہ برحسب آں روایت کند، لہٰذا اہلِ حدیث الحال تساہل کردند درانچہ قدماء درآں تشددمی کردند، چنانکہ متوسطین تساہل کردند درحفظ واکتفاء کردند برخط، ولہٰذا شائع شد درایشاں وجادت واجازتِ مجردہ ومثلِ آں، بخلاف طبقات سابقہ۔

حاصل آنکہ ایں قسم ضبط نزدیک شیخ عبداللہ بروجہ کمال بود، وسبب بقاءِ ایں سلسلہ وے شد ازابتداء صبا رغبت علم وعلماء وصلاح وورع پیشۂ مرضیۂ وے بود، ہرروز دہ سیپارہ ازقرآن خواندے، چوں پیرشد انچہ می توانست می خواند، وہیچ وقت خالی نبودے ازدرس یاتلاوت یانماز یاسخن ضروری...... دوبار صحیح بخاری را درجوف کعبۂ معظمہ ختم کرد: یکبار چوں ترمیم کعبہ می کردند، ودیگر بار چوں دروازہ اش دست می ساختند، مسندِ امام احمد بن حنبلؒ رابعد تصحیح وجمع آں نزدیک سرمبارک حضرت پیغامبر ﷺ ازمسجد شریف درپنجاہ وشش روز خواند، عمرے طویل یافت، وآں ہمہ درمرضیاتِ الٰہی گذشت، وتاآخر عمر بوفورعقل وحفظ وصحتِ حواس متصف بود، الّا سامعہ کہ فی الجملہ فتوریافتہ بود۔"

موصوف نے بہت سی حدیث کی کتابوں کوازسرِنو زندہ کیا، من جملہ اُن کے مسندِ امام احمد تھی کہ قریب تھا کہ روئے زمین پراس کا کامل نسخہ نہ پایا جاتا، انہوں نے مصر، عراق وشام کے کتب خانوں سے اس کے پرانے اجزاء اوراطراف کوجمع کیا، اوران سب کوسامنے رکھ کرایک نسخہ مرتب کیا، اوراس کی صحت کرکے اس کواصل قرار دیا، کتب صحاح ستہ کی بھی تصحیح کرکے انہیں بھی اصل ٹھہرایا، اورنسخہ یونینیہ سے استفادہ کرکے اپنے قلم سے ایک فرع کواصل سے بہتر کردیا، بخاری کی ایک شرح لکھنی شروع کی جس کا نام "ضیاء الساری" رکھا، ضعفِ پیری کے باعث مکمل نہیں کرسکے، تمام عمرحدیث کی کتابوں کی روایت وقرأت اوربحث وتحقیق میں ختم کی، خلاصہ یہ ہے کہ وہ اس اخیرزمانہ میں حقیقتاً حافظِ حدیث تھے۔

....

اِس اجمال کی تفصیل اور اس قول کی تشریح یہ ہے کہ جو ضبط حدیث کی صحت میں معتبر ہے، اس کی امت مرحومہ میں تین حالتیں رہی ہیں:

۱- حالت اوّل یہ تھی کہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں حدیثوں کو یاد رکھا جاتا تھا، اور اس وقت ضبط، جودتِ حفظ (اچھی یادداشت) میں تھا۔

۲- دوسری حالت یہ تھی کہ تبعِ تابعین اور اوائل محدثین کے زمانہ سے طبقہ سابعہ او ثامنہ تک اس کو لکھتے تھے، اس زمانہ کا ضبط، خط کی صفائی، نقطے اور حرکات وسکنات میں احتیاط، حروف کی شکل وصورت اور اصول صحیحہ سے مقابلہ، نیز کتاب کو پیش آنے والے عوارض سے حفاظت پر تھا۔

۳- اور تیسری حالت یہ ہے کہ حفاظ حدیث نے اسماءِ رجال، غریب حدیث، ضبطِ مشکل میں کتابیں تصنیف کر کے اور مفصل شرحیں لکھ کر ان میں ان باتوں سے بحث کی، بس اس وقت ضبط یہ ہے کہ کوئی شخص ان تصانیف اور شروح کو پیشِ نظر رکھ کر اس کے مطابق بیان کرے، لہٰذا اہلِ حدیث نے اس وقت ان باتوں میں تساہل کیا جن میں قدماء نے تشدد کیا تھا، جس طرح متوسطین نے حفظ میں تساہل کیا اور مجرد لکھنے پر کفایت کی، اِسی وجہ سے ان میں طبقاتِ سابقہ کے خلاف صرف وجادت واجازت وغیرہ کئی قسم کی باتیں رواج پا گئیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ضبط کی یہ قسم شیخ عبداللہ بصری کے یہاں بدرجۂ اتم پائی جاتی تھی، اور اس سلسلہ کا بقا ان کے دَم سے تھا، ابتدائے عمر سے ان کو علم اور علماء کا شوق تھا، اور صلاح وتقویٰ ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا، ہر روز قرآن مجید کے دس پارے پڑھتے تھے، جب بوڑھے ہوگئے تو جتنا پڑھ سکتے تھے اتنا پڑھتے تھے، اور درس وتدریس، تلاوتِ قرآن، نماز یا ضروری باتوں میں مشغول رہتے تھے، کوئی وقت خالی نہیں رہتا تھا...... دومرتبہ صحیح بخاری کعبہ شریف کے اندر بیٹھ کر ختم کی تھی، ایک اس وقت جب کعبہ کی مرمت کی جا رہی تھی، دوسری مرتبہ اس وقت جب اس کا دروازہ ٹھیک کیا جا رہا تھا، مسند امام احمد بن حنبل کو جمع فرما کر اور اس کی تصحیح کرنے کے بعد مسجد نبوی میں رسالت مآب ﷺ کے سرہانے بیٹھ کر ۵۶ دن میں پڑھ کر ختم کی تھی، بڑی عمر پائی اور سب رضائے الٰہی میں گذار دی، آخری عمر تک عقل، حافظہ اور ہوش وحواس سب درست تھے، البتہ سماعت میں کسی قدر فتور آ گیا تھا۔

فضائل وکمالات:

حافظ سید مرتضیٰ زبیدی نے "التعليقة الجلية" میں موصوف کے متعلق حسب ذیل الفاظ لکھے ہیں:

''الإمام، المحدث، الحافظ، قد اتفقوا على أنه حافظ البلاد الحجازية''.

(التعليقة الجلية بحواله فهرس الفهارس: ۱/۱۳۶)

....

نیز موصوف نے اپنے اجازت نامہ میں اِن کا ذکر محدث نخلی اور عجیمی کے بعد کیا، اور پھر لکھا ہے:

''وعلى هؤلاء الثلاثة مدار أسانيد الحرمين الشريفين، بل وما والاهما من الأقطار النائية والبلدان الشاسعة''.

اوران ہر سہ شیوخ کی سندوں پر حرمین شریفین کی اسانید کا مدار ہی نہیں، بلکہ ان کے اطراف اور دور کے شہروں کا دارومدار بھی ان ہی پر ہے۔

محدث اسماعیل بن محمد سعید نے شیخ دفتی کو جو سند دی تھی اس میں موصوف کو "أمير المؤمنين في الحديث" کے الفاظ سے یاد کیا ہے، نیز شیخ ابوالعباس بن ناصر اپنے رحلہ (سفر نامہ) میں رقمطراز ہیں:

''زعم طلبة الحرم أنه فاق أهل الحرمين في الحديث وغيره من سائر العلوم.''

(رحلۃ ابی العباس الدرعی بحوالہ فہرس الفہارس: ۱/ ۱۳۶).

حرم کے طلبہ کا زعم تھا کہ موصوف حدیث وغیرہ تمام علوم میں اہلِ حرمین سے فائق تھے۔

محدث شمس الدین محمد بن احمد جوہری مصری نے موصوف کو اپنے اجازت نامہ میں حسب ذیل الفاظ میں یاد کیا ہے:

''محدث العصر، وإمامه، وجهبذه، وهمامه، أمير المومنين في الحديث''.

آزاد بلگرامی (المتوفی ۱۲۰۰ھ) نے موصوف کی شرح صحیح بخاری کے مغلق "تسلية الفواد" میں لکھا ہے کہ میں نے یہ نسخہ ارکاٹ میں شیخ محمد اسعد حنفی مکی کے پاس دیکھا تھا، جو انہوں نے مؤلف کے فرزند سے خریدا تھا، آزاد کا بیان ہے کہ میں نے شیخ محمد اسعد سے عرض کیا تھا کہ وہ اس نسخہ کو حرمین منتقل کردیں یہاں رکھنا مناسب نہیں، اِس پر انہوں نے فرمایا کہ مجھے اس نسخہ سے بہت محبت ہے، اور میں اس کی جدائی پسند نہیں کرتا، مگر بعد میں معلوم ہوا کہ فتنہ کے خوف سے موصوف نے اپنی کتابیں اورنگ آباد منتقل کردی تھیں، انہی میں یہ نسخہ بھی اورنگ آباد آ گیا تھا۔

(تسلیۃ الفواد بحوالہ الحطۃ فی ذکر الصحاح الستۃ: ۹۷، از نواب صدیق حسن خاں قنوجیؒ)

مسند حرم شیخ محمد عابد سندھی "حصر الشارد" میں لکھتے ہیں:

''الشيخ العلامة المحدث عبد الله بن سالم البصري، فكان إماماً في الحديث مع حيازته لسائر العلوم الشرعية والعقلية والآلية، وغلب عليه إقراء الحديث، فما صار يُقصَد إلا إليه، ونسخه في الحديث مرجع جميع النسخ لشدة اعتنائه به معرفة وضبطا وإتقانا، قرأ البخاري في جوف الكعبة مرتين ...... وقرأ مسند الإمام أحمد في الروضة الشريفة في ستة وخمسين مجلساً سنة ألف ومأة وإحدى وثلاثين ......

....

ولایحصی الآخذون عنه، ولد سنة ألف وتسع وأربعین في شعبان رابعة عند طلوع الفجر.''

شیخ علامہ محدث عبداللہ بن سالم بصریؒ تمام علوم شرعیہ، عقلیہ اور آلیہ کے جامع ہونے کے ساتھ ساتھ حدیث میں امام تھے، اور ان پر حدیث پڑھانے کا غلبہ تھا، اور درسِ حدیث میں ان ہی کا رخ کیا جاتا تھا، ان کے نسخے کتبِ حدیث کے تمام نسخوں میں اصل اور مرجع قرار پاتے تھے، کیونکہ ان کی تمام تر توجہ ضبط، اتقان اور معرفتِ اسماء پر تھی، بخاری شریف کو کعبہ کے اندر دو مرتبہ ختم کیا تھا...... ۱۱۳۱ھ میں مسند امام احمد کو روضہ شریفہ میں بیٹھ کر چھپن مجلسوں میں ختم کیا تھا، ان کے شاگردوں کا شمار نہیں کیا جا سکتا، ۴ر شعبان ۱۰۴۹ھ میں طلوعِ فجر کے وقت پیدا ہوئے تھے۔

اِس کتاب میں آگے لکھتے ہیں:

''إمام الحدیث، والمقدم في عصره، شیخ مشایخنا عبد الله بن سالم البصري، فهو إمام عصره، ونقطة دائرة دهره، طار صیته في الآفاق، وانعقد علی فضله الوفاق، وجمع في علم الحدیث بین الروایة والدرایة، وبلغ من التحقیق إلی أکمل غایة، وصنف التصانیف الفائقة، وأقرأ في المسجد الحرام عدة کتب من جملتها البخاری ومسلم والسنن الأربع ...... وأخذ علی عدة مشایخ: منهم الشیخ العلامة محمد بن علاء الدین البابلي، وجلّ أخذه أو کله علیه ...... وله مشایخ آخرون، وأخذ التصوف علی جماعة: منهم السید العارف بالله عبد الرحمن بن أحمد الحسني المغربي المکناسي المالکي الشهیر بالمحجوب، والسید سعد الله الهندي، ومن مناقبه تصحیحه الکتب الستة حتی صارت نسخة یرجع إلیها من جمیع الأقطار، وأعظمها صحیح البخاري الذي وجد فیه الیونونیة، وزیادة کتبه بیده، وأخذ في کتابه وتصحیحه نحوا من عشرین سنة، وجمع مسند الإمام أحمد بعد أن فرقته أیدي سبا وصححه، ورأیت بمصر في خزانة الشیخ محمد بن محمد الأمیر المالکي نسخة من مسند الإمام أحمد بخطه مصححة، وجمع من تفسیر الکتب مالا یکاد یوجد عند غیره مع اجتهاد تام في العبادة وقیام اللیل وتلاوة القرآن ...... توفي رابع رجب سنة مأة وألف وأربع وثلاثین بمکة المشرفة، ودفن بالمعلی بزاویة الغربي، وقبره هناك مشهور، وأخذ علیه من أهل الحرمین والشام والمشرق والیمن ما لاتحصی.''

ہمارے استاذ الاساتذہ عبداللہ بن سالم بصری امام حدیث اور اپنے معاصرین میں فائق تھے، وہ امام وقت تھے، اور ان کو اپنے زمانہ میں مرکزی حیثیت حاصل تھی، ہر طرف ان کا چرچا تھا، اور ان کے علم و فضل پر سب کا اتفاق تھا، وہ علمِ حدیث میں روایت اور درایت کے جامع تھے، اور تحقیق میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے، عمدہ کتابیں لکھی تھیں، اور مسجدِ حرام میں

....

متعدد کتابوں کا درس دیا تھا جن میں سے بخاری، مسلم اور سنن اربعہ تھیں، متعدد شیوخ سے علم کی تحصیل کی تھی، منجملہ ان کے شیخ علامہ محمد بن علاء الدین بابلی ہیں، جن سے موصوف نے زیادہ تر تحصیل کی تھی......اور ان کے علاوہ دوسرے شیوخ بھی تھے، تصوف کی تکمیل بھی ایک جماعت سے کی تھی جن میں عارف باللہ سید عبدالرحمٰن بن احمد حسنی مغربی مکناسی جو محجوب سے مشہور ہیں، اور سعد اللہ ہندی بھی ہیں، ان کے مناقب میں سے صحاح ستہ کی تصحیح ہے، جس کی یہ حیثیت ہے کہ ان کے نسخے صحت میں عالم کا مرجع بنے ہوئے ہیں، ان میں عظیم الشان کارنامہ صحیح بخاری ہے کہ جس میں نسخہ یونینیہ بھی مع اضافہ آ گیا ہے، یہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھا، اور بیس برس تک خود اس کی تصحیح کی تی، اور مسند احمد کا جمع کرنا بھی، جب کہ وہ زمانے کے ہاتھوں منتشر ہو چکی تھی، اور اس کی تصحیح کی اور یہ تصحیح شدہ نسخہ شیخ محمد بن محمد امیر مالکی کے کتب خانہ میں مصر کے اندر دیکھا گیا ہے، اور انہوں نے کتابوں کے حل اور تشریح سے متعلق وہ باتیں جمع کر دی ہیں جو کسی جگہ نہیں پائی جاتیں، ان کاموں کے ساتھ عبادت، تہجد اور تلاوتِ قرآن مجید میں کوشاں رہنا ان ہی کا کام تھا......موصوف نے ۴؍رجب ۱۱۳۴ھ میں مکہ معظّمہ میں وفات پائی، جنت المعلی کے غربی گوشے میں مدفون ہیں، ان کا مزار مشہور ہے، موصوف سے اہلِ حرمین، اہلِ شام و یمن اور اہلِ مشرق میں سے جن لوگوں نے استفادہ کیا ہے ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔

حافظ سید عبدالحی الکتانی "فهرس الفهارس والأثبات" (۱/۱۹) میں لکھتے ہیں:

''میں نے مدینۂ منورہ میں شیخ طاہر سنبل کے پاس عبداللہ بن سالم بصری کے قلم سے صحیح بخاری کے آٹھ نسخے دیکھے، جو اپنی صحت، مقابلہ، ضبط اور خط کے اعتبار سے بڑے اعلیٰ نسخے تھے، انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ وہ یہ نسخے لیکر آستانہ پہنچے تھے، چنانچہ نسخۂ امیریہ (نواب صدیق حسن کا طبع کرایا ہوا نسخۂ فتح الباری شرح صحیح البخاری) ان ہی نسخوں سے تصحیح کر کے چھاپا گیا تھا، اور سلطان عبدالحمید نے کچھ مطبوعہ نسخے مساجد اور خانقاہوں میں تقسیم کرائے تھے۔''

وفات:

۴؍رجب ۱۱۳۴ھ بروز دوشنبہ مکہ معظّمہ میں انتقال فرمایا، اور جنت المعلی میں دفن ہوئے، انتقال کے وقت موصوف ۸۴ سال کے تھے، بعض اہلِ علم نے "عِلْمُ الْحَدِيثِ مَاتَا" (۱۴۰-۵۵۳-۴۴۱) سے سالِ وفات نکالا ہے۔

ان کا حلقۂ درس نہایت وسیع تھا، بعض نامور شاگردوں کے نام درج ذیل ہیں:

۱- شہاب الدین احمد ملوی، ۲- جوہری علاء الدین بن عبد الباقی المز جاجی الزبیدی، ۳- محمد بن حیات السندی، ۴- شیخ ابو طاہر کورانی، ۵- محمد بن احمد بن سعید مکی، ۶- اسماعیل بن محمد بن عبد الہادی دمشقی، ۷- عید بن علی نمرسی شافعی، ۸- عبدالوہاب طبدتائی، ۹- احمد باغتر احمد بن مصطفیٰ بن احمد اسکندری، ۱۰- نیز موصوف کے بھانجے عمر

اور شیخ ابوطاہر نے شیخ محمد بن محمد بن سلیمان مغربی (۱) سے استفادہ کیا ہے۔

بن احمد بن عقیل علوی، ۱۱-عبدالرحمٰن بن عبدالرحمٰن حسینی، ۱۲-حسن جبرتی، ۱۳-محمد بن اسماعیل الصنعانی جوالامیر سے مشہور ہیں، انہوں نے صنعاء سے روایتِ حدیث کی اجازت طلب کی تھی، ۱۴-حسن بن عبدالرحمٰن باعیدید العلوی) نے مخا سے روایتِ حدیث کی اجازت مانگی تھی، قسطنطنیہ سے ۱۵-محمد بن حسن الدمشقی نے، اور دمشق سے ۱۶-شہاب الدین احمد بن عمر حنفی نے اجازت طلب کی تھی، یہی وہ مشہور تلامذہ ہیں جو سید مرتضٰی بلگرامی ثم الزبیدی کی کتاب ''المربی الكاملي فيمن روى البابلي'' میں مذکور ہیں۔

تالیفات:

ان کی تالیفات میں سے تین کتابیں زیادہ مشہور ہیں:

۱۔ الضياء الساري على صحيح البخاري، یہ بخاری کی شرح تین جلدوں میں ہے، اور مکمل نہیں ہے۔

۲۔ الإمداد بعلو الإسناد ، یہ موصوف کا ثبت ہے، یہ اس کا تاریخی نام ہے، یہ کتاب دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکی ہے۔ ۳۔ مقدمة الضياء الساري.

حالات کیلئے ملاحظہ ہو: ۱۔ أنسان العين في مشايخ الحرمين:۱۲- ۱۳، ۲۔ الانتباه في سلاسل أولياء الله (مخطوطة)، ۳۔ حصر الشارد (مخطوطة)، ٤۔ تاريخ الجبرتي:۱ /۸٤، ٥۔ فهرس الفهارس:۱/۱۳٦- ۱٤۱، ٦۔أبجد العلوم:۳/۸٥٥، ۷۔ هدية العارفين:۱/٤۸۰، ۸۔إتحاف النبلاء: ۲۸۰، ۹۔ تقصار جيود الأحرار:۱۰٥ .

(۱) الشیخ محمد المغربی المکی

نام ونسب:

محمد نام اور سلسلۂ نسب یہ ہے: ''محمد بن محمد بن سلیمان بن الفاسی بن طاہر السوسی الرودانی المغربی المالکی المکی''۔

ولادت، تحصیل علم:

۱۰۳۷ھ = ۱۶۲۷ء میں سوس، مغرب اقصٰی کے تارودنت نامی گاؤں میں پیدا ہوئے، شیوخ مغرب میں سے شیخ ابومہدی عیسیٰ کنانی، محمد بن سعید مریغنی، محمد بن ابی بکر دلائی وغیرہ سے علوم کی تحصیل کی، اور حدیث وفقہ کی سند لی، شیخ الاسلام مفتی جزائر سعید بن ابراہیم قدروہ سے تصوف کے اشغال واعمال کی تکمیل کی، اور ان ہی نے موصوف کو خرقۂ خلافت عطا کیا، نیز شیخ ابوعبداللہ محمد بن ناصر درعی کے پاس رہ کر چار سال تک تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف کی تعلیم پائی، پھر مشرق میں بلادِ اسلامیہ کا سفر کیا، اور مصر کے نامور علماء شیخ نور الدینؒ اجہوری، شہاب الدین خفاجی، شہاب الدین قلیوبی، محمد بن احمد شوبری، شیخ سلطان وغیرہ سے استفادہ کیا، اور روایت حدیث کی اجازت لی، بعدازآں حرمین آئے، اور چند

سال یہاں قیام کیا، نیز درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مشغول ہو گئے۔

حالاتِ زندگی:

۱۰۸۱ھ میں مصطفیٰ بیگ کے ساتھ روم کا سفر کیا، اس موقعہ پر رملہ سے گذرتے ہوئے شیخ الحنفیہ محدث خیرالدین رملی سے اور دمشق میں نقیبِ شام سید محمد بن حمزہ اور محمد بن بدرالدین بلبان حنبلی سے روایت حدیث کی اجازت لی، روم میں سال بھر قیام رہا، وزیر وامیر ہر ایک نے بڑا اکرام کیا، اور بڑے انعامات سے سرفراز فرمایا، پھر مکہ معظمہ آئے تو ناظرِ امورِ حرمین مقرر ہو گئے، اور ایک زمانہ تک اس ممتاز عہدے پر فائز رہے، ان کا دبدبہ ایسا تھا کہ شریفِ مکہ بھی جو کام کرتا اس میں اِن سے رائے لیتا تھا، جب وزیر مذکور کا انتقال ہو گیا تو اِس عہدے سے ان کو معزول کر دیا گیا، اور ۱۰۹۳ھ =۱۶۸۳ء میں ان کو سلطان کا یہ حکم ملا کہ مکہ معظمہ چھوڑ کر بیت المقدس چلے جائیں، جس دن ان کو یہ پروانہ ملا عید الفطر کا دن تھا، شریف مکہ سعید بن برکات اور قاضی مکہ نے امتثالِ امر سلطانی پر اصرار کیا، مگر انہوں نے راستہ غیر مامون ہونے کا عذر پیش کیا، اور حج کر کے اہل وعیال کو مکہ معظمہ چھوڑ کر دمشق آ گئے، یہاں دمشق کے نقیب الاشراف عبدالکریم بن حمزہ کے پاس قیام فرمایا، اور تصنیف وتالیف میں مشغول ہو گئے، اہلِ حجاز، اہلِ روم اور دمشقیوں نے ان سے بڑا فیض پایا۔

علمی کمالات:

شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے "أنسان العين في مشايخ الحرمين" (ص:۶) میں موصوف کے علمی کمالات کا اظہار حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے:

"حافظِ حدیث بود، وجامع فنون علم، وریاست دین ودنیا ہر دو جمع کردہ بود، خرقۂ مدنیہ داشت از جہت شیخ ابو مدین مغربی، بحقیقت طریقِ تصحیح کتبِ حدیث ونسخۂ یونینیہ واتقان درمعرفت آں بحرمین وے آوردہ است، استاد جمہور اہلِ حرمین بود، ویکے از ثقات متدین، گویند باسلام بول رفتہ بود آنجا شخصے نسخہ یونینیہ می فروخت، قدرشناسی وحرصِ علم وے را بر آں داشت کہ مبلغ کثیر قریب سہ ہزار مشخص صرف کرد وآں را بدست آورد، وبداں نسخہ شغفے تمام داشت، گویند یکبار در مسجد الحرام سیل آمد، وخوفِ غرق بر اہل انجا مستولی شد، محمد بن سلیمان زود نسخۂ یونینیہ بر سر نہاد، وبطواف مشغول شد، تا اگر ویرا بنا گاہ گیرد در احسن احوال باشد، ایں فقیر زیارت ایں نسخہ کردہ است، وچیزے در آں خواند، شیخ تاج الدین قلعی می گفت کہ چنانکہ شیخ محمد بن سلیمان علمِ روایت بکمال داشت، صناعاتِ عجیبہ وعلوم غریبہ نیز می دانست، ومصداقِ قول حضرت حق تعالیٰ "وزاده بسطة في العلم والجسم" افتادہ بود، وعقل معاش نیز بر کمال داشت تا آخر حل وعقد مکہ معظمہ بوے افتادہ، وحاسداں راہ یافتند وشد انچہ شد، واللہ اعلم"

....

موصوف حافظِ حدیث اور جامع علوم وفنون تھے، دین ودنیا کی سرداری انہیں حاصل تھی، شیخ ابومدین مغربی کے سلسلہ سے خرقۂ مدنیہ بھی رکھتے تھے، حقیقت میں طریقہ تصحیح کتبِ حدیث، نسخۂ یونینیہ اور اس علم حدیث کی معرفت میں اتقان کو حرمین میں یہی لے کر آئے تھے، موصوف تمام اہلِ حرمین کے استاد تھے، ایک ثقہ دیندار کا بیان ہے کہ موصوف استنبول گئے تھے، وہاں کوئی شخص نسخہ یونینیہ بیچتا تھا، ان کی قدر شناسی اور علمی شغف کا یہ حال تھا کہ موصوف نے اس کو کثیر مقدار تقریباً تین ہزار نقد دے کر حاصل کیا، ان کو اس نسخہ سے بڑی محبت تھی، کہتے ہیں ایک مرتبہ مسجدِ حرام میں سیلاب آ گیا، اور وہاں کے باشندوں کو بھی ڈوب جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا، تو محمد بن سلیمان نے جلدی سے نسخۂ یونینیہ کو سر پر رکھا، اور طواف میں مشغول ہو گئے کہ اتفاق سے اگر کوئی حادثہ ہو جائے تو وہ اچھی اور بہتر حالت میں رہے، اس فقیر نے اس نسخہ کی زیارت کی ہے، اور کچھ اس میں سے پڑھا بھی ہے، شیخ تاج الدین قلعی فرماتے تھے کہ جس طرح کہ شیخ محمد بن سلیمان علمِ روایت میں کمال رکھتے تھے، وہ عجیب وغریب علوم اور صنعت سے بھی واقف تھے، اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد "زاده بسطة في العلم والجسم" کے صحیح مصداق تھے، ان کی عقلِ معاش بھی کمال پر تھی، چنانچہ مکہ معظمہ میں حل وعقد کے آخری مراحل کا تعلق ان ہی سے تھا، پھر حاسدوں کو راستہ مل گیا اور جو کچھ ہونا تھا سو ہوا۔

الانتباہ میں مذکور ہے:

"شیخ محمد بن محمد بن محمد بن سلیمان المغربی صاحب صلۃ الخلف کہ غنیمتِ زمانِ خود بود، واتصال دارد با مشائخ معمرین، وشیخ ابوطاہر با ابن سلیمان ملاقات نکردہ است، وبالمشافہہ اخذ نہ کردہ است، بلکہ شیخ ابراہیم از وے برائے اولادِ خود خرقہ درخواست کرد، واجازت مروياتِ او طلبید، پس ابن سلیمان خرقہ فرستاد واجازت نوشت.

بالجملہ ایں عزیزاں بدو واسطہ یا سہ واسطہ بطرقِ کثیرہ و وجوہ متشابہ کہ ملتقہ بشیخ زین الدین زکریا وجلال الدین سیوطی وشمس الدین سخاوی وعبدالحق سنباطی وسید کمال الدین محمد بن حمزۃ الحسینی وطبقۂ ایشاں مے رسند، وہر یکے از ایشاں مسند وحافظِ حدیث بودہ است، رجال سلسلۂ ما چہ آنانکہ مذکور شدند، وچہ آنانکہ مذکور نہ خواہند شد ہمہ مشہور بودند بدرس وافادہ وتصانیف." (الإنتباہ: ۳۲)

شیخ محمد بن محمد بن محمد بن سلیمانؒ مغربی صاحب صلۃ الخلف کہ جن کا وجود اپنے زمانہ میں غنیمت تھا، اور ان کو معمر بزرگوں سے اتصال سند حاصل تھا، شیخ ابوطاہر کی سلیمان سے ملاقات ثابت نہیں ہے، اور بلا واسطہ وہ ان سے راوی نہیں ہیں، بلکہ شیخ ابراہیم نے اپنی اولاد کے واسطے خرقہ کی درخواست کی تھی، اور مرویات کی اجازت لی تھی، لہٰذا شیخ ابن سلیمان نے خرقہ بھیج دیا تھا اور اجازت دیدی تھی۔

....

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ حضرات دو تین واسطوں سے بہت سے سلسلوں کے ساتھ باہم ایک دوسرے سے وابستہ شیخ زین الدین زکریا، جلال الدین سیوطی، شمس الدین سخاوی، عبدالحق سنباطی، سید کمال الدین محمد بن حمزہ حسینی اور ان کے طبقہ تک جا پہنچتے ہیں، ان میں سے ہر ایک مسند اور حافظ حدیث ہے، ہمارے رجال کا سلسلہ جو مذکور ہوا اور جس کو ذکر نہیں کیا، وہ سب درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مشہور ہیں۔

محبی نے "خلاصة الأثر" (۴/۲۰۴) میں موصوف کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے:

''الإمام الجليل، المحدث المفنن، فرد الدنيا في العلوم كلّها بين منطوقها ومفهومها، والمالك لمجهولها ومعلومها''.

حافظ سید عبدالحی کتانی ''فهرس الفهارس'' (۱/۴۲۵-۴۲۹) میں رقمطراز ہیں:

''هو الإمام المحدث المسند الرحّال، فرد الدنيا في العلوم وقوة المشاركة، حكيم الإسلام أبو عبدالله محمد بن سليمان بن الفاسي –وهو اسم له– ابن طاهر السوسي الرداني ثم المكي دفين دمشق، جال في المغرب الأقصى والأوسط، ودخل مصر والشام والأستانه والحجاز، واستوطنه ورئس فيه، وله من التأليف في السنة الجمع بين الكتب الستة وغيرها المسمى (جمع الفوائد لجامع الأصول ومجمع الزوائد) ...... قال عنه الشهاب أحمد بن قاسم البوني: "أن جمعه أحسن من جمع الهيثمي" اهـ، وفهرسته "صلة الخلف بموصول السلف" نادرة في بابها جودة واختياراً وترتيباً، ليس في فهارس أهل ذلك القرن الحادي عشر بالمشرق والمغرب مايشابهها أو يقاربها عدا "كنز" أبي مهدي الثعالبي فإنه أجمع وأوسع، وبالجملة فنفسه فيها نفس المتقدمين، قال عنه الشمس ابن عابدين في "عقود اللآلي": إنه سلك فيها سبيل الإطناب، وأتى فيها بالعجب العجاب ...... قد علمت أن الرداني مات سنة ١٠٩٤هـ، وقد كنت أظن أن آخر من عاش من المجازين منه الشيخ صالح الجنيني الذي مات سنة ١١٧٠هـ بدمشق، ثم وجدت في ترجمة مفتي المالكية بدمشق المعمر أبي الفتح جمال الدين يوسف بن محمد بن محمد بن يحيى المالكي الدمشقي المتوفى سنة ١١٧٣هـ، عن نحو التسعين من سلك الدرر أنه أجاز له المترجم، فيكون آخر من عاش من المجازين منه.''

وہ امام، محدث، مسند، رحال، علوم اور مناسبتِ علوم میں یگانۂ روزگار، حکیم الاسلام ابو عبداللہ محمد بن سلیمان بن الفاسی، اور یہ فاسی ان کا نام ہے، ابن طاہر سوسی ردانی ثم مکی مدفون دمشق رحمۃ اللہ علیہ نے طلبِ علم کی خاطر مغربِ اقصیٰ اور اوسط کا سفر کیا، مصر وشام، آستانہ اور حجاز تک پہنچے، حجاز کو وطن بنایا اور یہیں سیادت حاصل کی، ان کی تالیفاتِ حدیث

....

میں سے ایک کتاب جامع صحاح ستہ وغیرہ ہے جس کا نام "جمع الفوائد لجامع الأصول ومجمع الزوائد" ہے، اس کے بارے میں شہاب الدین احمد بن قاسم بونی کا بیان ہے کہ ان کی جمع کردہ کتاب ہیثمی کی جمع کردہ کتاب سے بہتر ہے، اوران کی فہرست "صلة الخلف بموصول السلف" اپنے موضوع پر ترتیب، انتخاب اور خوبی میں عجیب وغریب کتاب ہے، گیارہویں صدی ہجری کے علماء کی فہرستوں میں سے مشرق ومغرب میں اس جیسی یا اس کے لگ بھگ کوئی فہرست نہیں ہے، البتہ ابومہدی ثعالبی کی فہرست "کنز الروایة" اس سے جامع تر اور وسیع تر کتاب ہے، خلاصہ یہ ہے کہ ان کی ذات اِس دور میں قدماء کی یادگار تھی، شمس الدین بن عابدین نے "عقود اللآلی" میں ان کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے اس میں اطناب وطوالت کا راستہ اختیار کیا، اوراس میں عجیب وغریب نکات بیان کئے ہیں...... مجھے معلوم ہے کہ ردانیؒ کا انتقال ۱۰۹۴ھ میں ہوا ہے، اور میرا یہ خیال تھا کہ ان کے اجازت یافتہ علماء میں سے جو آخری دور تک زندہ رہے وہ شیخ صالح جنینی تھے، جن کا انتقال ۱۱۷۰ھ میں دمشق میں ہوا، پھر میں نے "سلك الدرر" میں دمشق کے مفتی مالکیہ شیخ معمر ابوالفتح جمال الدین یوسف بن محمد بن محمد بن یحییٰ مالکی دمشقی (المتوفی ۱۱۷۳ھ) کے تذکرہ میں جنہوں نے تقریباً نوے سال کی عمر پائی تھی، پڑھا کہ ان کو بھی موصوف سے اجازت حاصل تھی، لہٰذا اجازت یافتہ لوگوں میں سب سے آخر میں ان ہی کا انتقال ہوا ہے۔

موصوف کو فن ہیئت میں بھی کمال حاصل تھا، انہوں نے ایک نہایت عمدہ کرہ بنایا تھا جو پرانے کروں سے نہایت اعلیٰ تھا، اور وہ ہندوستان، یمن اور حجاز میں بڑا مقبول ہوا۔

وفات:

۱۰رذی قعدہ ۱۰۹۴ھ میں بروز یکشنبہ دمشق میں انتقال ہوا، اور سفح قاسیون میں بمقام "أبجية" مدفون ہیں۔

تصنیفات:

موصوف کی تالیفات میں سے حسب ذیل کتابیں زیادہ مشہور ہیں:

۱۔ جمع الفوائد من جامع الأصول ومجمع الزوائد یہ کتاب جامع الاصول اور مجمع الزوائد دونوں کا نہایت جامع اختصار ہے۔ ۲۔ التحریر اور شرح التحریر کا مختصر، یہ کتاب موصوف کی دقتِ نظر اور تبحر علمی کی شاہد عدل ہے۔ ۳۔ تلخیص المفتاح اور اس کی شرح کا مختصر، ٤۔ المختصر في الهيئة، ٥۔ الحاشية على التسهيل، ٦۔ الحاشية على التوضيح، ۷۔ منظومة في علم الميقات وشرحها، ۸۔ رسالہ علم العروض۔

حالات کیلئے ملاحظہ ہو: ۱۔ أنسان العين في مشايخ الحرمين: ٦-٧، ٢۔ الانتباه في سلاسل أولياء الله (مخطوطه)، ۳۔ خلاصة الأثر: ٤/ ٢٠٤ - ٢٠٨، ٤۔ فهرس الفهارس: ١/ ٤٢٥، ٥۔ أبجد العلوم: ٨٤٦ - ٨٤٧، ٦۔ تقصار جيود الأحرار: ١٠٣.

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ان بزرگوں میں سے ہر ایک دو تین واسطوں سے اس شاخ در شاخ شجرہ اور متعدد طریقوں سے شیخ زین الدین زکریا، شیخ جلال الدین سیوطی، شیخ شمس الدین سخاوی (۱)، ....

---

(۱) محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی

نام ونسب:

محمد نام، ابوالخیر کنیت، ابن البارد اور شمس الدین لقب ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: "محمد بن عبد الرحمٰن بن محمد بن ابی بکر بن عثمان بن محمد السخاوی القاہری الشافعی۔"

ولادت وتحصیل علم:

ربیع الاول ۸۳۱ھ میں سخا (جو مصر کی ایک چھوٹی سی بستی ہے) میں پیدا ہوئے، بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا، اور رمضان میں تراویح میں سنایا، پھر عمدۃ الاحکام، التنبیہ، المنہاج، الفیۃ ابن مالک، الفیہ عراقی، شاطبیہ اور نخبۃ الفکر وغیرہ یاد کیں، جب کوئی کتاب یاد کر لیتے استادوں کو جا کر سناتے تھے، علومِ نقلیہ کی تحصیل مشائخِ وقت سے کی تھی، تفسیر، حدیث، فقہ، عربیت اور تاریخ میں کمال بہم پہنچایا، فرائض، حسابات، اصولِ فقہ اور ہیئت سے بھی بے بہرہ نہیں رہے، سخاویؒ نے حدیث کی تحصیل کم وبیش چار سو سے زیادہ شیوخ سے کی تھی، افتاء، املاء اور تدریس کی اجازت بھی بہت سے شیوخ سے حاصل تھی، سخاویؒ نے طلبِ علم میں حلب، دمشق، بیت المقدس وغیرہ کا سفر بھی کیا تھا۔

ابن حجرؒ سے استفادہ:

۸۳۸ھ میں اپنے والد کے ساتھ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ سے حدیث کا سماع کیا، اور اس زمانہ سے ان کی مجلسِ درس میں شرکت کا آغاز ہوا، چند ہی دنوں میں شیخ کی عظمت اور محبت ان کے دل میں گھر کر گئی، شیخ ابن حجرؒ نے ان کے شوق وذوق کو دیکھ کر ان پر خاص توجہ کی، اِن کا مکان اُن کے مکان کے پاس تھا، وہ بسا اوقات کسی خادم کو بھیج کر ان کو بلاتے تھے، اِس وجہ سے ان کو اَوروں کی بنسبت شیخ سے استفادہ کا زیادہ موقع ملا، اور موصوف نے ان کی اکثر تصانیف کا سماع بھی ان سے کیا، تذکرہ نگاروں کا اِس امر پر اتفاق ہے کہ اس باب میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے شاگردوں میں ان کا کوئی سہیم وشریک نہیں۔

حافظ ابن حجرؒ کا بھی یہی خیال تھا، چنانچہ نجم الدین الغزیؒ "الکواکب السائرۃ" (۵۳/۱) میں موصوف سے ناقل ہیں: "هو أمثل جماعتي" یعنی وہ میرے شاگردوں میں سب سے زیادہ ممتاز ہیں۔

علامہ سخاویؒ نے عبدالقادر الابار الحلبی کو جو سند دی تھی اس میں لکھا تھا کہ میں صحیح بخاری کو ایک سو بیس شیوخ سے کم روایت نہیں کرتا، بعض سندوں میں ان کے اور حضور اکرم ﷺ کے درمیان دس واسطوں سے زیادہ نہیں ہیں۔

انہوں نے شیخ ابن حجر عسقلانی کے انتقال کے بعد والدین کے ساتھ حج کیا، تو محدثینِ حجاز میں سے محدث

....

برہان الدین زمزمی، تقی الدین بن فہد اور ابوالسعادات بن ظہیرہ وغیرہ سے بھی حدیثوں کا سماع کیا، اور پھر قاہرہ آ کر درس وتدریس کا شغل اختیار کیا، ۸۵۰ھ سے تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع کیا، مصر میں عہدۂ قضا بھی ان کو پیش کیا گیا، مگر موصوف نے اس کو قبول نہیں کیا۔

فضل وکمال، تبحر علمی:

حفاظِ حدیث میں ان کا شمار ہے اور فنِ جرح وتعدیل میں امام ہیں، بعض اہلِ علم کا قول ہے:

''انتهى إليه علم الجرح والتعديل، حتى قيل: لم يكن بعد الذهبي أحد سلك مسلكه''.

(شذرات الذهب :۸ /۱٦)

علم جرح وتعدیل کی ان پر انتہا ہوگئی، یہاں تک کہا گیا ہے کہ ذہبیؒ کے بعد کوئی ایسا شخص پیدا نہیں ہوا جو ان کی راہ پر چلا ہو۔

یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس زمانہ میں تین ہم عصر علماء اور حفاظِ حدیث یکتائے روزگار تھے، اور تینوں دیگر علوم میں مشارکت کے باوجود اپنے فن میں اپنی نظیر آپ تھے، سخاویؒ عللِ حدیث کے ماہر تھے، حافظ دیمیؒ اسماء الرجال میں فرد تھے، اور سیوطیؒ حفظِ متون میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، موصوف کے متعلق جار اللہ بن فہد کا بیان ہے:

''إن شيخنا صاحب الترجمة حقيق بما ذكره لنفسه من الأوصاف الحسنة، ولقد والله العظيم لم أر في الحفاظ المتاخرين مثله، ويعلم ذلك من اطلع على مؤلفاته أو شاهده، وهو عارف، فقيه، منصف في تراجمه، ورحم الله جدي حيث قال في ترجمته: أنه انفرد بفنه فطار اسمه في الآفاق، و كثرت مصنفاته فيه وفي غيره، طارصيته شرقاً وغرباً، شاماً ويمناً، ولا أعلم الآن من يعرف علوم الحديث مثله ولا أكثر تصنيفا ولا أحسن، ولذلك أخذها عنه علماء الآفاق من المشايخ والطلبة والرفاق، وله اليد الطولى في المعرفة بالعلل وأسماء الرجال وأحوال الرواة والجرح والتعديل وإليه يشار في ذلك ...... ولقد مات فن الحديث من بعده.''

(النور السافر :۲۱)

بلاشبہ ہمارے شیخ صاحبِ تذکرہ نے جن اوصافِ حسنہ کا اپنے متعلق ذکر کیا ہے وہ ان کے زیادہ لائق ہیں، خدائے بزرگ وبرتر کی قسم میں نے ان کا مثل متاخرینِ حفاظ میں نہیں دیکھا، اور اس کو وہ جانتا ہے جو ان کی تالیفات سے آگاہ ہے یا جس نے ان کو دیکھا ہے، وہ عارف اور فقیہ تھے، انہوں نے تذکروں میں انصاف سے کام لیا ہے اللہ تعالیٰ میرے [illegible] پر رحم فرمائے کہ انہوں نے موصوف کے ترجمہ میں کہا ہے کہ وہ اس فن میں یکتا تھے، ان کا نام چہار دانگ

....

عالم میں مشہور ہے، ان کی اس فن میں اور دوسرے فنون میں بہت سی تصانیف یادگار ہیں، پورب پچھم اتر دکھن ہر طرف ان کا چرچا ہے میرے علم میں کوئی ایسا شخص نہیں جو علوم، کثرتِ تصانیف اور حُسنِ تالیفات میں ان کی نظیر ہو، اس وجہ سے گوشے گوشے کے علماء، مشائخ، طلبہ اور رفقاء نے ان سے سند لی، انہیں معرفتِ علل، اسماء رجال، راویوں کے حالات اور جرح وتعدیل کے فن میں بڑی دستگاہ حاصل تھی، اور اس فن میں ان ہی کی طرف اشارہ کیا جاتا تھا...... بخدا ان کے بعد فن حدیث مر گیا۔

مورخ ابن ایاس "بدائع الزهور" (۲/۳۳۱) میں لکھتے ہیں:

''كان الحافظ شمس الدين السخاوي عالما فاضلاً بارعاً في الحديث والتاريخ، وألف تاريخه فيه أشياء كثيرة من المساوي في حق الناس''.

حافظ شمس الدین سخاویؒ عالم، فاضلِ حدیث اور تاریخ میں ماہر تھے، انہوں نے تاریخ میں ایک کتاب لکھی جس میں لوگوں کے حق میں بڑی زیادتیاں کی ہیں۔

قاضی شوکانی، "البدر الطالع" (۱/۳۴۳) میں فرماتے ہیں:

''السخاوي -رحمه الله- وإن كان إماماً غير مدفوع، لكنه كثير التحامل على أكابر أقرانه كما يعرف ذلك من طالع كتابه "الضوء اللامع"، فإنه لايقيم لهم وزناً بل لايسلم غالبهم من الحط منه عليه، وإنما يعظم شيوخه وتلامذته ومن لم يعرفه ممن مات في أول القرن التاسع قبل موته، وإن كان من غير مصره لايرجو خيره ولاشره''.

سخاوی رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ بالاتفاق امامِ فن تھے، لیکن اپنے اکابر ہمعصروں کے معاملہ میں بڑے متعصب تھے، جو ان کی کتاب "الضوء اللامع" کا مطالعہ کرے گا وہ اس حقیقت کو جان لے گا کہ موصوف ان کے حق میں توازن قائم نہیں رکھتے، بلکہ اکثر وبیشتر ان کی حط مرتبت سے نہیں بچ سکے ہیں، یہ صرف اپنے شیوخ اور تلامذہ کا تو عظمت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، اور جن کو انہوں نے نہیں پہچانا اور وہ ان کی وفات سے پہلے نویں صدی ہجری کے شروع میں وفات پاچکے، وہ اگرچہ غیر ملکی ہوں ان کے متعلق ان سے خیر وشر کی توقع نہیں۔

حافظ سید مرتضیٰ بلگرامی ثم زبیدی "تاج العروس" (مادہ س خ و) میں رقمطراز ہیں:

''ومن المتأخرين الحافظ شمس الدين أبو الخير محمد بن عبد الرحمن بن محمد بن أبي بكر السخاوي الشافعي المعروف بابن البارد ولد سنة ۸۳۱هـ ومسموعاته ومروياته وشيوخه في كثرة، وقد ترجمه نفسه في كتابه "الضوء اللامع" وألف وأجاد، وهو أحد من انتفعت بمؤلفاته- رحمه الله تعالى

....

وجزاه عن المسلمين خيرا–"۔

متاخرین میں سے حافظ شمس الدین ابوالخیر محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد بن ابی بکر سخاوی شافعی جو ابن البارد سے مشہور ہیں، ۸۳۱ھ میں پیدا ہوئے تھے، ان کی مسموعات، مرویات اور شیوخ بڑی تعداد میں ہیں، موصوف نے اپنا تذکرہ کتاب "الضوء اللامع" میں کیا ہے، اور بھی تصنیفات کی ہیں اور خوب کی ہیں، اور یہ ان میں سے ہیں جن کی کتابوں سے میں نے فائدہ اٹھایا ہے، اللہ تعالیٰ کی ان پر رحمت ہو اور وہ ان کو مسلمانوں کی طرف سے بہتر بدلہ دیں، آمین۔

۸۷۰ھ میں حج کیا، اور حرمین میں کچھ عرصہ قیام فرمایا، وہاں اپنی تصانیف وغیرہ پڑھ کر سنائیں، املاء کی مجلسیں منعقد کیں، طلبہ کو املاء کرایا، پھر ۸۸۵ھ میں حجاز گئے، اور چھ سات برس حرمین میں رہے، تین مہینہ مدینۂ منورہ میں گذارے، ۸۹۲ھ میں پھر حج کیا، اور تین برس حرم میں مقیم رہے، درس دیا، ۸۹۶ھ میں بھی حج کیا، اور ۸۹۸ھ تک حرمین میں قیام فرمایا، ان ایام میں مدینہ منورہ آئے، اور رمضان کے روزے رکھ کر شوال میں مکہ معظّمہ پہنچے، کچھ عرصہ رہ کر واپس مدینہ آئے، اور یہیں ۲۸ شعبان ۹۰۲ھ میں بروز یکشنبہ ۷۱ سال کی عمر میں داعیِ اجل کو لبیک کہا، دوشنبہ کو فجر کی نماز کے بعد نمازِ جنازہ ادا ہوئی، اور جنت البقیع میں امام مالکؒ کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

واضح رہے، شیخ عباس قمی نے کتاب الکنی والانساب (۲۸۴/۲، طبع نجف ۱۹۵۶ء=۱۳۷۶ھ) میں بصراحت لکھا ہے کہ: "سخاوی کی نسبت سے متعدد شخصیتیں مشہور ہیں مگر حدیث وتاریخ میں جب سخاوی بولتے ہیں تو اس سے موصوف ہی مراد ہوتے ہیں"۔

تالیفات:

موصوف کی تالیفات میں حسب ذیل کتابیں مشہور ہیں:

۱۔ الابتهاج بأذكار المسافر الحاج، ۲۔الاتعاظ بالجواب عن مسائل بعض الوعاظ، ۳۔الحوبة العلية عن المسائل النترية، ٤۔ الأجوبة المرضية فيما سئل عن الأحاديث النبوية، ٥۔الأحاديث البلدانيات، ٦۔ الأحاديث الصالحة في المصافحة، ۷۔ الأحاديث المتباينة المتون والأسانيد، ۸۔الاحتفال بالأجوبة عن مائة سؤال، ۹۔ الاحتفال لجمع أولي الضلال، ۱۰۔ أحسن المساعي في إيضاح حوادث البقاعي، ۱۱۔ ارتضاء الظرف في أربعين حديثًا، ۱۲۔ ارتياح الأكباد بإرباح فقد الأولاد، ۱۳۔ استجلاب ارتقاء الغرف بحب أقرباء الرسول ذوي الشرف، ١٤۔ إرشاد الغاوي بل إسعاد الطالب الراوي، ١٥۔ الأصل الأصيل في تحريم النقل من التوراة والإنجيل، ١٦۔ الإعلان بالتوبيخ لمن ذم (أصحاب)

....

التاريخ، ١٧ـ أقرب الوسائل إلى الشمائل، ١٨ـ التماس السعد في الوفاء بالوعد، ١٩ـ الامتنان بالخرس من دفع الافتنان بالفرس، ٢٠ـ الأمالي المطلقة، ٢١ـ انتقاد مدعي الاجتهاد، ٢٢ـ الانتهاض في ختم الشفاء للقاضي عياض، ٢٣ـ الانتهاض في شرح الشفاء للقاضي عياض، ٢٤ـ الاهتمام بترجمة الكمال ابن الهمام، ٢٥ـ الاهتمام بترجمة النحوي الجمال ابن هشام، ٢٦ـ الإيثار بنبذة من حقوق الجار، ٢٧ـ إيضاح الرشد من الغي في الكلام على حديث حبب من دنياكم إليّ، ٢٨ـ الإيضاح في شرح الاقتراح، ٢٩ـ الإيضاح والتبيين في مسألة التلقين، ٣٠ـ الإيناس بمناقب العباس، ٣١ـ بذل المجهود لختم السنن لأبي داؤد، ٣٢ـ بذل الهمة في أحاديث الرحمة، ٣٣ـ البستان في مسألة الاختتان، ٣٤ـ بغية الراغب المتمني في ختم سنن أبي داؤد رواية ابن السني، ٣٥ـ بغية الراوي فيمن أخذ عن السخاوي، ٣٦ـ بغية العلماء والرواة في ذيل الطبقات لابن الجزري، ٣٧ـ البغية في تخريج أحاديث الغنية، ٣٨ـ بلوغ الأمل بتلخيص كتاب الدار قطني في العلل، ٣٩ـ بهجة الناظر في الحكايات والنوادر، ٤٠ـ تاريخ المحيط، ٤١ـ التبر المسبوك في ذيل كتاب السلوك للمقريزي، ٤٢ـ تجديد الذكر في سجود الشكر، ٤٣ـ تحرير الجواب عن مسألة ضرب الدواب، ٤٤ـ تحرير المقال في الكلام على حديث كل أمر ذي بال، ٤٥ـ تحرير الميزان، ٤٦ـ تحريك الفتى الواجد لبناء الجوامع والمساجد، ٤٧ـ التحصيل والبيان في قصة السيد سليمان، ٤٨ـ تحفة السائل بأجوبة المسائل، ٤٩ـ التحفة المنيفة في أحاديث أبي حنيفة، ٥٠ـتخريج الأربعين النووية، ٥١ـ التذكرة، ٥٢ـالتوجه للرب بدعوات الكرب، ٥٣ـثبت المصرية (في ثلاث مجلدات)، ٥٤ـ الثغر الباسم في صناعة الكاتب والكاتم، ٥٥ـجامع أمهات المسانيد، ٥٦ـ الجمع بين شرحي الألفية لابن المصنف وابن عقيل، ٥٧ـ الجواهر المجموعة والنوادر المسموعة، ٥٨ـ الجواهر المكللة بالأحاديث المسلسلة، ٥٩ـ الجواهر والدرر في ترجمة شيخ الإسلام ابن حجر، ٦٠ـ الجوهرة المزهرة في ختم التذكرة للقرطبي، ٦١ـ الخصال الموجبة للضلال، ٦٢ـ خير الكلام وذيل التام بدول الإسلام للذهبي، ٦٣ـ دفع الالتباس في ختم سيرة ابن سيد الناس، ٦٤ـ دفع التلبيس ورفع التجنيس عن الذيل الطاهر النفيس، ٦٥ـ ذيل رفع الإصر عن قضا ة مصر، ٦٦ـتجريد ما في المدارك للقاضي عياض، ٦٧ـ الرأى المصيب في المرورعلى الترغيب،٦٨ـرجحان الكفة في مناقب أهل الصفة ، ٦٩ـالرحلة الإسكندرية، ٧٠ـ الرحلة الحلبية، ٧١ـالرحلة المكية،

....

۷۲ـ رفع الشكوك في مفاخر الملوك، ۷۳ـ رفع القلق والأرق لجمع المبتدعين من الفرق، ۷٤ـ السر المكتوم في الفرق بين المال المحمود والمذموم، ۷٥ـ السير القوي في الطب النبوي، ۷٦ـ السيف القاطع (في التاريخ)، ۷۷ـ الشافي من الألم في وفيات الأمم، ۷۸ـ شرح تقريب التيسير، ۷۹ـ الضوء اللامع في أعيان القرن التاسع، ۸۰ـ طبقات المالكية، ۸۱ـ عجالة الضرورة والحاجة عند ختم السنن لابن ماجة، ۸۲ـ عمدة الأصحاب في معرفة الألقاب، ۸۳ـ العقد الثمين في مشيخة خطيب المسلمين، ۸٤ـ عمدة القاري والسامع في ختم الصحيح الجامع للبخاري، ۸٥ـ عمدة المحتج في حكم الشطرنج، ۸٦ـ عمدة الناس في مناقب سيدنا العباس، ۸۷ـ الغاية في شرح منظومة الجزري للهداية، ۸۸ـ غنية المحتاج في ختم صحيح مسلم بن الحجاج، ۸۹ـ فتح القربى في مشيخة الشهاب العقبى، ۹۰ـ فتح المغيث بشرح ألفية الحديث للعراقي، ۹۱ـ الفخر العلوي في مولد النبوي، ۹۲ـ الفرجة بكائنة الكاملية التي ليس فيها للمعارضة حجة، ۹۳ـ الفوائد الجلية في الأسماء النبوية، ۹٤ـ قرة العين بالثواب الحاصل للميت والأبوين، ۹٥ـ القناعة فيما تمس إليه الحاجة من أشراط الساعة، ۹٦ـ القول الأتم في اسم الأعظم، ۹۷ـ القول البار في تكملة تخريج ابن حجر للأذكار، ۹۸ـ القول البديع في الصلاة على الحبيب الشفيع، ۹۹ـ القول التام في فضل رمي السهام، ۱۰۰ـ القول المألوف في الرد على منكر المعروف، ۱۰۱ـ القول المبين في ترجمة القاضي عضد الدين، ۱۰۲ـ القول المتين في تحسين الظن بالمخلوقين، ۱۰۳ـ القول المرتقي في ترجمة البيهقي، ۱۰٤ـ القول المرتقي في ختم دلائل النبوة للبيهقي، ۱۰٥ـ القول المسطور في إزالة الشعور، ۱۰٦ـ القول المعتبر في ختم النسائي برواية ابن حجر، ۱۰۷ـ القول المعهود فيما على أهل الذمة من العهود، ۱۰۸ـ القول المفيد في إيضاح شرح العمدة لابن دقيق العيد، ۱۰۹ـ القول المنبي عن ترجمة ابن العربي، ۱۱۰ـ القول النافع في بيان المساجد والجوامع، ۱۱۱ـ كفاية في طريق الهداية، ۱۱۲ـ الكلام على حديث الخاتم، ۱۱۳ـ الكلام على قص الظفر، ۱۱٤ـ الكلام على الميزان، ۱۱٥ـ الكنز المدخر في فتاوى ابن حجر (العسقلاني)، ۱۱٦ـ اللفظ النافع في ختم كتاب الترمذي الجامع، ۱۱۷ـ ما في البخاري من الأذكار والإرشاد والموعظة لزاعم رؤية النبي ﷺ بعد موته في اليقظة، ۱۱۸ـ معجم الشيوخ، ۱۱۹ـ المفاخرة بين دمشق والقاهرة، ۱۲۰ـ المقاصد الحسنة في كثير من الأحاديث المشهورة على الألسنة، ۱۲۱ـ المقاصد المتباركة في إيضاح الفرقة الهالكة،

۱۲۲۔ المنهل البديع في الصلاة على النبي الشفيع، ۱۲۳۔ المنهل العذب الروي في ترجمة النووي، ۱۲٤۔ نظم اللآل في حديث الأبدال، ۱۲٥۔ النفحة المسكية والأجوبة المكية.

حالات کیلئے ملاحظہ ہو: ۱۔ الضوء اللامع:۸/۲ - ۳۲، ۲۔ تاريخ ابن أياس:۲/۳۲۱، ۳۔ الكواكب السائرة:۱/۵۳- ٥٤ نیز اشاریہ جلد سوم، ٤۔ النور السافر:۱٦ - ۲۱، ٥۔ شذرات الذهب:۸/۵۱ - ۷۱، ٦۔تاج العروس ماده (س خ و)، ۷۔ البدر الطالع:۲/۱۸٤ - ۱۸۷، ۸۔ فهرس الفهارس:۲/۳۳٥ - ۳۳۸، ۹۔هدية العارفين:۲ /۲۱۹ .

(۱) الشیخ عبدالحق السنباطی

نام ونسب:

عبدالحق نام، شرف الدین لقب، اور ابن عبدالحق عرف ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''عبدالحق بن محمد بن عبدالحق السنباطی القاہری الشافعی۔''

ولادت وتعلیم وتربیت:

موصوف جمادی الاولیٰ ۸۴۲ھ میں سنباط (مصر) میں پیدا ہوئے، اور یہیں قرآن مجید حفظ کیا، ''منہاج'' یاد کی، ذی القعدہ ۸۵۵ھ میں موصوف کے والد ماجد ان کو قاہرہ لے آئے، یہاں انہوں نے العمدہ، الفیہ، شاطبیہ، تلخیص، فرائض جبریہ اور خزرجیہ یاد کیں، اور قراءت کی تحصیل کی، نامور محدثین سے حدیث کا سماع کیا، جن میں کمال الدین ابن الہمام حنفی، شیخ امین الدین اقصرائی، محی الدین کافیجی، تقی الدین شمنی، تقی الدین حصکفی، شہاب الدین سکندری، جلال الدین محلی، علم الدین، صالح بن عمر بلقینی زیادہ مشہور ہیں۔

مسندہ وقت اُمِّ عبدالرحمٰن مای خاتون سے جو قاضی علاء الدین ابن البہاء ابی البقاء محمد السبکی کی دختر نیک اختر تھیں، اور ان کو شیخ ابوعبداللہ محمد بن ابن الفخر بعلی سے سماع حاصل تھا، سنن ابن ماجہ کا سماع کیا تھا، نیز موصوف کو شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی، بدرالدین عینی اور عزالدین ابن فرات وغیرہ سے بھی روایتِ حدیث کی اجازت حاصل تھی، افتاء اور تدریس کی اجازت بہت سے شیوخ سے حاصل تھی، جب والد کے ساتھ حج کیا تو حرمین میں اکابر شیوخ سے حدیث کا سماع کیا۔

علوم میں مہارت:

حدیث، فقہ اور اصول وغیرہ میں ان کو امامت کا درجہ حاصل تھا، اکتسابِ علم کے بعد موصوف ہمہ تن درس وتدریس میں منہمک ہوگئے۔

نجم الدین غزی، "الکواکب السائرۃ "(۲۲۲/۱) میں رقمطراز ہیں:

"کان جلداً في تحصيله، مكبا على الاشتغال حتى برع، وانتهت إليه الرياسة بمصر في الفقه والأصول والحديث، وكان عالماً، عابداً، متواضعاً، طارحاً للتكليف، من رآه شهد فيه الولاية والصلاح قبل أن يخالطه، أخذ عنه شيخ الإسلام فيما بلغني، والعلامة بدر الدين العلائي، وولده الشيخ الفاضل العلامة شهاب الدين أحمد، والشيخ عبد الوهاب الشعراني، والقطب المكي الحنفي وغيرهم".

تحصیلِ علم میں بڑے باہمت تھے، اور علم کی خدمت میں لگے رہے، یہاں تک کہ اس میں فائق ہو گئے، اور مصر کے اندر فقہ، اصول اور حدیث میں ریاست ان پر ختم ہو گئی تھی، عالم، عابد، متواضع، تکلف سے برطرف تھے، جس نے ان کی طرف دیکھا اور ان کے ساتھ میل جول نہیں رکھا اس نے بھی ان کے صلاح وتقویٰ کی شہادت دی ہے، مجھے خبر پہنچی ہے کہ ان سے شیخ الاسلام نے بھی سند لی، اور علامہ بدر الدین علائی اور ان کے فرزند فاضل علامہ شیخ شہاب الدین احمد اور شیخ عبدالوہاب شعرانی اور قطب الدین مکی وغیرہ نے بھی ان سے حدیث پڑھی ہے،

موصوف نے جامع ازہر میں پڑھایا ہے، اور یہ یہاں کے بہترین مدرسوں میں سے تھے، مورخ سخاوی کا بیان ہے: "موصوف اپنے وقت میں سب سے اچھے مدرس تھے۔"

سفرِ حج:

۸۸۲ھ میں حج کیا اور سال بھر مکہ معظمہ میں قیام رہا، مسجد الحرام میں طلبہ کو مختلف علوم وفنون کا درس دیا، سال بھر مدینہ منورہ میں رہے، یہاں بھی بہت سی کتابیں پڑھائیں، اور حجرۂ نبوی کے سامنے حدیث کا درس دیا، پھر ایک سال مکہ میں رہے، یہاں بھی یہ سلسلہ بدستور قائم رہا، بعد ازآں جامعِ ازہر میں درس دیا۔

۹۰۳ھ میں پھر حج کیا اور ایک سال تک حجاز میں قیام فرمایا، مختلف علوم وفنون کا درس دیا، پھر قاہرہ آ کر ضعفِ پیری کے باوجود حدیث وفقہ کے درس میں مشغول رہے۔

ابن فہد کا بیان ہے:

"وأقام بالقاهرة يدرّس الفقه والحديث، وكنت أحدالقراء عليه، بل لايخلو ساعة من النهار مع ضعفه بالمرض وكبر سنه وكثرة عائلته وقلة ما بيده ...... ثم رجع مكة ...... فانتفع به خلائق لايحصون ...... فأخذ الناس عنه طبقة بعد أخرى، وألحق الأحفاد بالأجداد، واجتمع فيه كثير من الخصال الحميدة، كالعبادة، والعلم، والتواضع، والحلم، وصفاء الباطن، والتقشّف، وطرح التكليف بحيث علم هذا من طبعه

....

....

كل من اجتمع به، ولا زال على جلالته وعظمته إلى أن توفي- رحمه الله-. ''(النور السافر:۱۵۳-۱۵٤)

انہوں نے قاہرہ میں سکونت اختیار کی، فقہ اور حدیث کا درس دیا، میں بھی ان سے پڑھنے والوں میں سے تھا، کمزوری، بیماری، عیالداری، تنگدستی اور بڑھاپے کے باوجود ان کی کوئی گھڑی خالی نہیں رہتی تھی، پھر مکہ معظّمہ واپس آ گئے ......تو بے شمار مخلوق نے ان سے فائدہ اٹھایا، اور لوگوں نے ان سے طبقہ بعد طبقہ علوم حاصل کئے، اور انہوں نے پوتوں کو دادوں سے ملایا، ان میں بہت عمدہ خصلتیں جمع ہو گئی تھیں، جیسے عبادت، علم، تواضع، حلم، صفائی باطن، زہد و بے تکلفی اس طرح جو بھی ان کے ساتھ بیٹھا اٹھا وہ یہ جان گیا کہ یہ باتیں ان کی طبیعت ثانیہ تھیں، ہمیشہ اپنی وضع داری اور عظمت پر قائم رہے تا آنکہ ان کا انتقال ہو گیا، اللہ تعالیٰ کی ان پر رحمت نازل ہو۔

عبدالقادر العیدروس لکھتے ہیں: ''بالجملة فإنه كان بقية شيوخ الإسلام وصفوة العلماء الأعلام''.

محدث نجم الدین غیطیؒ نے جو سند شیخ ابوالسعود محمد حنفیؒ کو دی ہے اس میں موصوف کا ذکر ان الفاظ سے کیا ہے:

''شيخنا شيخ الشيوخ، ذو التمكين والرسوخ شرف الدين عبد الحق السنباطي الشافعي، مولده سنة اثنتين وأربعين وثمانمأة، ووفاته سنة إحدى وثلاثين وتسع مأة بمكة المشرفة، ومن مشايخه بالإجازة الحافظ ابن حجر والبدر العيني الحنفي.''

شیخ الشیوخ، ہمارے شیخ، صاحب مرتبہ ووقار، شیخ شرف الدین عبدالحق سنباطی شافعی ہیں، ان کی ولادت ۸۴۲ھ میں اور وفات ۹۳۱ھ کو مکہ میں ہوئی ہے، ان کے شیوخ اجازت میں سے حافظ ابن حجر اور بدر الدین عینیؒ حنفی ہیں۔

نجم الدین غیطیؒ کا ثبت کتب خانہ پیر جھنڈو میں موجود ہے۔

وفات:

۹۳۰ھ میں مع اہل وعیال مکہ معظّمہ ہجرت کر گئے، اور دارِ بنی فہد میں آ کر ٹھہرے، آرزو یہ تھی کہ مکہ معظّمہ یا مدینہ منورہ میں موت آئے، جمادی الاولیٰ میں مدینہ گئے اور رجب کے آخر تک وہیں رہے پھر مکہ معظّمہ آئے، ۱۸ر شعبان کو بخار چڑھا اور بارہ روز تک چڑھا رہا، آخری تین دن میں نہ کچھ کھایا نہ پیا اور نہ بات کی، وفات کے وقت آنکھیں کھولیں، کلمہ پڑھا، غرّہ رمضان کو شبِ جمعہ میں روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی، جمعہ کی نماز کے بعد خانۂ کعبہ کے دروازہ پر ان کے فرزند شہاب الدین نے نمازِ جنازہ پڑھائی، اور شعب نور جہاں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی نعش مبارک کو لٹکایا گیا تھا وہیں حافظ تقی الدین بن فہد اور نجم الدین بن فہد کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

اور سید کمال الدین محمد بن حمزہ حسینی (۱) تک پہنچتا ہے، اور ان بزرگوں میں سے ہر ایک اپنے وقت کا نہایت مستند عالم اور حافظ الحدیث تھا، اور ان کی تصانیف عالم میں ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں، اور ان کی سندیں دنیا بھر میں مشہور ومعروف ہیں، اب بطور نمونہ چند کتابیں سپرد قلم کی جاتی ہیں، اور باقی کی چند در چند اسانید اور بیشتر طریقوں کو حضرت والد ماجد قدس سرہ کی تصنیف کتاب ''الإرشاد إلى مهمات الإسناد'' پر چھوڑتے ہیں۔

ابن فہد کا بیان ہے:

''حزن الناس عليه كثيراً، فإنه خاتمة المسندين والقراء أيضا، وقد تجاوز التسعين''.

(الكواكب السائرة: ۲۲۳/۱)

لوگوں کو ان کی وفات کا بڑا صدمہ ہوا کیونکہ مسندین اور قراء میں ان کی آخری شخصیت تھی، موصوف نوے سے گزر چکے تھے۔

موصوف کے تین فرزند تھے اور تینوں متقی اور عالم تھے، مورخ نجم الدین غزی، محدث علائی کی تاریخ سے ناقل ہیں:

''خلف ثلاثة بنين رجالاً متابعة صلحاء عقلاء فضلاء، غير أن أوسطهم الشيخ شهاب الدين أفضل بنيه، ودونه الشيخ محب الدين''. (تاریخ علائی بحوالہ الكواكب السائرة: ۲۲۳/۱)

انہوں نے اوپر تلے کے تین فرزند چھوڑے تھے جو صالح، فاضل اور دانشمند تھے، جن میں سے منجھلے شیخ شہاب الدین سب لڑکوں میں افضل تھے، اور ان سے کمتر شیخ محبّ الدین تھے۔

حالات کیلئے ملاحظہ ہو: ۱۔ الكواكب السائرة: ۱/ ۲۲۱ - ۲۲۳، ۲۔ النور السافر: ۱۵۴، ۳۔ شذرات الذهب: ۸/ ۱۷۹، ٤۔ فهرس الفهارس: ۲/ ۳٤۳.

(۱) الشیخ کمال الدین محمد بن حمزۃ الدمشقی

نام ونسب:

محمد نام، ابو عبد اللہ کنیت، اور کمال الدین لقب تھا، سلسلہ نسب یہ ہے: ''محمد بن حمزة بن احمد بن علی بن محمد بن علی بن الحسن بن حمزة الحسینی الدمشقی الشافعی۔''

ولادت وتحصیل علم:

جمادی الاولیٰ ۸۵۰ھ میں پیدا ہوئے، اپنے والد سید حمزہ، ماموں نجم الدین اور شیخ تقی الدین ابن قاضی عجلون وغیرہ سے علوم منقولہ اور معقولہ کی تحصیل کی پھر مصر میں آکر اکابر شیوخ سے پڑھا، قاضی بدر الدین بن قاضی شہبہ نے افتاء اور تدریس کی اجازت دی، ان کے والد نے حافظ ابن حجر عسقلانی سے موصوف کے لیے روایت حدیث کی اجازت پہلے

ہی لے لی تھی، اِس وجہ سے موصوف حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ سے براہِ راست روایت کرتے ہیں، فقہ، حدیث اور اصول وغیرہ میں ان کو بڑا کمال حاصل تھا، دمشق میں درس دیتے تھے، کچھ عرصہ دار العدل میں قضاء کے فرائض بھی انجام دیئے، پھر ایک فتوے کے سلسلہ میں اس عہدے سے سبکدوش ہوگئے، جامع اموی میں تدریس کا منصب بھی ان کے سپرد تھا، اور بھی کئی مشہور درس گاہوں میں درس دیا، قاہرہ میں بھی انہوں نے مسندِ درس کو زینت بخشی، غرض ہر جگہ ان سے فیض پہنچا۔

عادات واخلاق:

مورخ نجم الدین الغزی ''الکواکب السائرة'' (۱/۴۱-۴۲) میں رقمطراز ہیں:

''صار أحد الشيوخ المعوّل عليهم من الشافعية بدمشق فقهاً وأصولاً وعربية وغير ذلك، وولي إفتاء دار العدل بدمشق، وقصده الطلبة، وكان جامعاً للعلوم مع جلالة ومهابة وهيئة حسنة، وكان يقرر في درسه بسكينة وتؤدة وأدب واحتشام، مع حلّ المشكلات ومراجعة التصحيح ...... وتخرّج به الطلبة بدمشق والقاهرة وما والاهما، وكان يدرس، ويفتي، وآخرا ترك الإفتاء ...... وكان قليل الاعتراض على الحُكّام في أمر العامّة، وعاش عيشةً هنيةً نقيّة، وكان يتودّد إلى أهل الصلاح''۔

دمشق میں فقہ اصول اور عربیت وغیرہ میں شافعیہ کے قابلِ اعتماد ائمہ میں سے تھے، عدالت دمشق میں افتاء کے منصب پر فائز تھے، طلبہ ان ہی کا ارادہ کرکے آتے تھے، موصوف جلال، رعب اور ہیبتِ حسنہ کے جامع تھے، درس میں ادب، وقار اور نہایت سکون سے مشکلات کو حل کرتے ......اور تصحیح کے سلسلہ میں بھی مراجعت کرتے جاتے تھے، دمشق، قاہرہ اور ان کے اطراف میں طلبہ نے ان ہی سے پڑھا، موصوف درس بھی دیتے تھے اور فتویٰ بھی ......اخیر عمر میں فتویٰ دینا چھوڑ دیا تھا، عوام کے معاملے میں حکام پر بہت کم اعتراض کرتے اور اہل اصلاح سے بڑی محبت کرتے تھے، انہوں نے پاک صاف اور خوش گوار زندگی گزاری۔

شیخ نجم الدین غیطی نے جو سند شیخ ابو السعود محمد حسنی کو دی ہے اس میں موصوف نے اپنے شیوخ کا تذکرہ کرتے ہوئے اِن کا ذکر ان الفاظ سے کیا ہے:

''شيخنا الأصيل، المتقن، شيخ الإسلام بدمشق الشام، السيد الشريف كمال الدين محمد بن حمزة الحسيني الدمشقي سبط الحافظ الحسيني، مولده في حدود الخمسين وثمان مأة، ووفاته بعد الثلاثين وتسع مائة، وأقام بها مدة''۔

ہمارے بنیادی شیخ، پختہ کار، دیارِ دمشق شام کے شیخ الاسلام سید شریف کمال الدین محمد بن حمزہ الحسینی دمشقی،

کتاب الموطأ والد ماجد نے یہ کتاب بتمام وکمال شیخ محمد وفد اللہ مکی (۱) سے پڑھی ہے، اور انہوں نے اپنے والد شیخ محمد بن محمد بن محمد بن سلیمان مغربی سے پڑھی ہے، شیخ ابن سلیمان کی سند کتاب ''صلة الخلف'' میں مذکور ہے، شیخ محمد وفد اللہ نے یہ کتاب شیخ حسن عُجیمی سے، اور شیخ عبداللہ بن سالم بصری سے بھی پڑھی تھی، اور ان دونوں بزرگوں نے شیخ عیسیٰ مغربی سے، اور انہوں نے شیخ سلطان محمد بن احمد مزاحی سے پڑھی تھی، مزّاح بتشدید زائے منقوطہ ''مصر'' کے مضافات میں سے ہے، اور شیخ سلطان نے شیخ احمد بن خلیل سُبکی سے پڑھی ہے (سبکہ مصر کے مضافات میں سے ایک بستی ہے)، اور شیخ محمد نجم الدین بن احمد غیطی سے بھی پڑھی تھی، غیطہ بھی مصر کے مضافات میں ایک بستی ہے، اور انہوں نے شیخ شرف الدین عبدالحق بن محمد سنباطی سے، ....

نواسۂ حافظ حسینی، زمانہ پیدائش تقریباً ۸۵۰ھ اور وفات ۹۳۰ھ کے بعد ہوئی، اور ایک زمانے تک یہاں قیام پذیر رہے۔

شیخ نجم الدین غیطی کا ثبت کتب خانہ پیر جھنڈو (ضیاء الدین) میں محفوظ ہے، اور ہمارے مطالعہ سے گذر چکا ہے، اس سے ہم نے یہ عبارت نقل کی ہے۔

۹۳۱ھ میں وزیر اعظم ابراہیم پاشا جب دمشق میں آیا تو اس نے آپ کا وظیفہ مقرر کیا تھا۔

وفات:

۱۴ رجب ۹۳۳ھ میں موصوف کا انتقال ہوگیا، جامع اموی میں نمازِ جنازہ پڑھی گئی، اور مقبرۂ باب الصغیر میں اپنے ماموں شیخ الاسلام تقی الدین بن قاضی عجلون کے پہلو میں دفن ہیں۔　(الکواکب السائرۃ: ۱/۴۰-۴۶)

(۱)　الشیخ محمد وفد اللہ المکی المالکی

نام ونسب:

محمد نام اور وفد اللہ لقب ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''محمد بن محمد بن محمد بن سلیمان الردانی ثم المکی المالکی''

تعلیم وتدریس:

موصوف نے عقلی ونقلی علوم کی تحصیل اپنے والد شیخ محمد مکی مالکی اور اس دَور کے نامور محدثین سے کی تھی، علومِ دینیہ میں بصیرت حاصل ہوجانے کے بعد درس وتدریس کا شغل اختیار کیا، مکہ معظمہ میں مسجدِ حرام کے پاس رہتے اور حرم میں آکر درس دیتے تھے۔

غلطی کا ازالہ:

دَورِ حاضر کے بعض علماء نے اس نام کی شخصیت کے وجود سے انکار کیا ہے، جس کی تردید کرتے ہوئے حافظ سید عبدالحی کتانی موصوف کے والد شیخ محمد الردانی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

....

....

''کان للمترجم ولد اسمه محمد، ولقبه وفد الله،نتصل به من طريق ولي الله الدهلوي عنه عن أبيه، ولغرابة ترجمته بل خبره ربما أنكر وجوده بعض من لقيناه بالمشرق قائلاً: لعل رجلاً دخل الهند، فنسب نفسه إلى الرداني، ولكن قد عرفه وعرف به، وترجمه الكاتب، المؤرخ، النسّابة أبومحمد عبد القادر المدعو الجيلاني السجاقي من أعيان الدولة الإسماعيلية المغربية في رحلته الحجازية التي دون فيها حجة الأميرة خناثة بنت بكار زوجة سلطان المغرب المولى إسماعيل بن الشريف العلوي، قال: وممن لقيناه بالمسجد الحرام، وتكررت مجالستنا معه الفقيه، الوجيه، السري، النزيه السيد محمد بن الفقيه العلامة الرحالة، الورِع، الزاهد، السيد محمد بن سليمان الرداني وولده، هذا له دار قرب المسجد الحرام ورثها عن أبيه ملاصقة للحرم الشريف تنوسيت فيه النسبة إلى سوس بالكلية ـ

وما بلد الإنسان غير الموافق ولا أهله إلا ونون غير الأصادق

وذكر أنه وقف معهم في شراء دار من ورثة الشيخ عبد الله بن سالم البصري لتحبسها الأميرة المذكورة، أنظر الجزء الأول من الرحلة المذكورة، وهو موجود بخزانة القرويين بفاس، ومن شيوخ محمد وفدالله المذكور دون والده العجيمي، والبصري، ويروي الأحزاب القادرية والشاذلية والنووية والمشيشية والزورقية عن محمد بن أحمد العياشي عن شارح الوظيفة الزروقية عبدالرحمن بن أحمد العياشي عن حمزة بن أبي سالم عن أبيه بأسانيده.'' (فہرس الفہارس:۱/ ۴۲۸)

صاحب تذکرہ محمد بن سلیمان الردانی کے ایک فرزند تھے جن کا نام محمد اور لقب وفد اللہ تھا، ہم بھی ان سے روایت حدیث کا سلسلہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ از محمد از محمد بن محمد بن سلیمان ردانی متصل رکھتے ہیں، موصوف کا تذکرہ مشہور ومعروف نہ ہونے کی وجہ سے بلکہ ان کے حالات سے ناواقفیت کی وجہ سے بعض علماء نے جن سے ہم دیارِ مشرق میں ملے ان کے وجود ہی کا انکار کیا ہے، اور یہ کہا کہ ممکن ہے وہ ایک شخص جو ہندوستان سے آیا تھا اس نے اپنے آپ کو ''ردانی'' سے نسبت دینے کی خاطر ایسا کیا ہو، اس نے ان کو بھی متعارف کرایا اور خود بھی متعارف ہوا، حالانکہ ابومحمد عبدالقادر (جو جیلانی سجاقی سے مشہور ہیں) منشی، مورخ، نساب اور مملکت اسمٰعیلیہ مغربیہ کے عمائدین سے تھے، انہوں نے ان کا تذکرہ اپنی رحلہ حجازیہ میں کیا ہے، جس میں انہوں نے رئیسہ خناثہ بنت بکار جو سلطانِ مغرب مولی اسماعیل بن الشریف علوی کی بیگم تھیں کے حج کے حالات قلم بند کئے ہیں، اس میں وہ کہتے ہیں کہ ان علماء میں جن سے ہم نے مسجدِ حرام میں ملاقات کی اور جن کی مجلسوں میں بار ہا حاضری کا شرف حاصل ہوا، وہ وجیہہ وشریف، قدسی صفات سید محمد جو فقیہ وعلامہ، رحالہ، پاک باز، زاہد سید

اورانہوں نے شیخ ابومحمد حسن بن محمد بن ایوب حسنی النسابہ (۱) سے،..............................

محمد بن سلیمان ردانی کے فرزند تھے،اور علامہ ردانی کے ان فرزند کا مکان مسجد حرام کے پاس تھا جوان کے اپنے والد ماجد کی میراث میں ملا تھا،اور حرم شریف سے بالکل ملا ہوا تھا، یہاں آکران کی سوس کی نسبت بالکل فراموش ہوگئی تھی۔

''ناموافق اور ناسازگار شہر انسان کا شہر نہیں ہے،اور قریب رشتہ دار بھی نہیں بجز سچے دوستوں کے''اور ان ہی نے ذکر کیا کہ وہ عبداللہ بن سالم کے ورثاء سے مکان کی خریداری میں ان کے معاون رہے تھے تاکہ اس میں رئیسہ موصوفہ کو ٹھہرایا جاسکے، ملاحظہ ہو رحلہ مذکورہ کی جلد اول جو قرویین کے کتب خانہ میں محفوظ ہے،محمد وفداللہ مذکور کے شیوخ میں سے ان کے والد کے علاوہ عجیمی اور بصری بھی ہیں،موصوف احزاب قادریہ،شاذلیہ،نوویہ،مشیشیہ،اور زورقیہ از محمد بن احمد عیاشی از شارح وظیفہ زورقیہ عبدالرحمٰن بن احمد عیاشی از حمزہ بن ابی سالم عن ابیہ راوی ہیں۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ انسان العین (ص:۷) میں فرماتے ہیں:

''ایں فقیر از محمد وفداللہ بن شیخ مذکور اجازت جمیع مرویات والدش حاصل کردہ بحق اخذہ عن والدہ قرأۃً وسماعاً واجازۃ،ونیز موطأ یحییٰ بن یحییٰ بتمامہ برایشاں خواندم بحق سماعه لجميعه من الشيخ حسن العجيمي وغيره من المشايخ والحمد لله.''

شیخ مذکور کے فرزند شیخ وفداللہ کے واسطے سے اس فقیر کو بھی ان کے والد کی تمام مرویات کی جن کی ان کو ان سے قرأۃً وسماعاً واجازۃ حاصل تھی،اجازت ہے،اور موطأ بروایت یحییٰ بن یحییٰ میں نے پوری ان ہی سے پڑھی ہے جو انہوں نے شیخ حسن عجیمی وغیرہ مشائخ سے پوری سنی ہے،والحمد لله على ذلك۔

حالات کیلئے ملاحظہ ہو: ۱۔إنسان العين:۷، ۲۔فهرس الفهارس:تذكره محمد بن محمد بن سليمان رداني ۱/۳۲۰-۳۲۱.

(۱) الشیخ حسن النسابہ الحسینی القاہری

نام ونسب:

حسن نام،ابومحمد کنیت،بدرالدین لقب،النسابہ اور الشریف النسابہ عرف ہے،سلسلۂ نسب یہ ہے:''حسن بن محمد بن ایوب بن محمد بن حسن بن ادریس بن حسن بن علی بن عیسیٰ الحسنی الحسینی القاہری الشافعی۔''

ولادت وتحصیل علم:

موصوف ۷۶۷ھ=۱۳۶۵ء کے اواخر میں قاہرہ میں پیدا ہوئے،اور یہیں تعلیم وتربیت پائی، پہلے قرآن مجید

....

حفظ کیا، پھر جامعِ ازہر کے امام فخر الدین نابینا سے قرأت کی تعلیم حاصل کی، شیخ ابناسی، بیجوری، بلقینی، ابن الملقن، بدرالدین طنبذی جیسے فقیہانِ روزگار سے فقہ پڑھی، اور محدث صلاح الدین زہادی، حلاوی، سویداوی، غماری، مراغی، ابن الشحنہ، تنونی، زین الدین عراقی، قاضی ناصر الدین حنبلی اور اپنے چچا بدرالدین النسابہ، ابن الجزری، شمس الدین برماوی، ولی عراقی، شہاب الدین بطائحی اور ابن حجر سے حدیثوں کی سماعت کی، موصوف حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا بہت احترام کرتے اور ان کی مجلسِ درس میں اکثر حاضر ہوتے تھے، ان کو محدث ابوعبداللہ محمد بن المحب اور لطیفہ بنت عز الدین محمد ایاسی سے بھی روایت حدیث کی اجازت حاصل ہے۔

موصوف شروع میں تجارت کرتے تھے، اِس لئے دمشق، بیت المقدس، اسکندریہ وغیرہ آنا جانا رہتا تھا، اس وجہ سے اُن کو اِس دَور کے بہت سے نامور محدثین سے روایت حدیث کی اجازت حاصل ہے، تحصیلِ علوم کے بعد درس وتدریس کا شغل اختیار کیا، بہت سے علماء نے ان سے استفادہ کیا، اور روایت حدیث کی سند لی۔

سنن نسائی کی روایت میں شہرت و یکتائی:

شیخ حفاوی کے بعد تربت طنبذیہ کے صدر مقرر ہوئے، اور شہاب الدین طنبذائی کے بعد جامع خطیری میں تدریس کے عہدے پر ان کا تقرر کیا گیا، دارالعلوم بیبرسیہ وغیرہ میں بھی مناصبِ جلیلہ پر فائز ہوئے، اِس دور کے بعض اکابر علماء نے بھی ان سے حدیث کا سماع کیا تھا، محدث کوتاتی اور ان کے فرزندوں اور اس طرح جمال الدین بدرانی اور نجم الدین بن فہد وغیرہ نے خانقاہ محمد حنفی میں موصوف سے نسائی کی سننِ کبریٰ کا سماع کیا تھا، روایتِ حدیث میں ان کو امتیازِ خاص حاصل تھا۔

مورخ سخاوی کا بیان ہے:

''كثر تحديثه بهذا الكتاب بخصوصه، حتى كان يظن هو وغيره من جمهور الناس تفرده به''

(الضوء اللامع: ۱۲۲/۳)

انہوں نے خاص طور پر اس کتاب کو اس کثرت سے بیان کیا کہ خود ان کو اور تمام اور لوگوں کو یہ گمان تھا کہ وہ اس کتاب (مؤطا) کی روایت میں منفرد ہیں۔

قاہرہ میں درس دیتے تھے، دو مرتبہ حج کیا تھا، اخیر عمر میں آشوبِ چشم کی شکایت ہوگئی تھی، جس کی وجہ سے لکھنے پڑھنے اور مطالعہ کرنے میں تکلیف ہوتی تھی، اخیر میں بینائی بھی جاتی رہی تھی، حافظ سخاوی نے سب سے پہلے انہی سے حدیث پڑھی تھی، فرماتے ہیں:

''وحصلت له في عينيه رطوبة لم يكن يستطيع معهاالمطالعة، بل ولا الكتابة إلا نادراً بتكلف،

....

ثم لم يزل يزايد حتى أشرف على العمى، وحازهذه المرتبة العظمى وهو صابر شاكر، وكان فقيهاً، فاضلاً، ديناً، متواضعاً، سليم الصدر، نيّر الشيبة، حسن الأبهة، كثير التودد للخاص والعام، محباً في العلم ومذاكراته وإثارته الفوائد فيه، راغباً في الإشغال ونفع الطلبة وترغيبهم في الاشتغال، لاتكاد مجالسته تخلو من فوائد ونوادر، لازمته مدة وقرأت عليه الفقه والحديث، بل هو أول من قرأت عليه الحديث، وقرأت عليه كثيراً من تصانيفه، وناولني جميعها، وكان حريصاً على إذاعتها ونشرها، وكثير الإجلال لي والدعاء سرّاً وجهراً.'' (خلاصة الأثر: ۱۲۲/۳)

ان کی آنکھوں میں پانی اتر آیا تھا جس کی وجہ سے نہ مطالعہ کر سکتے، نہ لکھ سکتے تھے، مگر کبھی کبھار اور وہ بھی بتکلف، پھر یہ معاملہ بڑھتا گیا یہاں تک کہ بینائی جاتی رہی اور اندھے ہوگئے، اِس عظیم الشان مرتبہ کو پہنچ کر بھی صابر وشاکر رہے، موصوف فقیہ، فاضل، دیندار، متواضع، پاک دل، خوب صورت، باوقار، خاص وعام سے محبت رکھنے والے تھے، علم اور مذاکرہ کے بڑے دِل دادہ تھے، فقہ اور حدیث میں مصروف رہ کر اس میں بڑے فوائد عام کئے ......اور طلبہ کو فائدہ پہنچانے اور مشغول رکھنے، اور ان کو علم کی ترغیب دینے میں رغبت رکھتے تھے، ان کی مجلسیں فوائد اور نوادر سے خالی نہیں ہوتی تھی، میں ایک زمانہ تک ان کے پاس رہا، اوران سے فقہ اور حدیث پڑھی، بلکہ یہی وہ پہلے استاد ہیں جن سے میں نے حدیث پڑھی، اوران کی بہت سی تصنیفیں ان کو پڑھ کر سنائیں، انہوں نے سب مجھے عنایت کیں، وہ ان کی نشر و اشاعت کے بڑے دلدادہ تھے، اور میرا بھی بڑا احترام کرتے تھے، خلوت وجلوت میں دعا بھی دیتے تھے۔

ابن العماد (المتوفی ۱۰۸۹ھ) شذرات الذهب (۳۰۵/۷) میں لکھتے ہیں:

''كان إماما عالما أخباريا'' موصوف امام عالم اور مورخ تھے۔

وفات:

سو (۱۰۰) برس کی عمر پائی، ۸٦٦ھ = ۱۴٦۱ء میں انتقال ہوا، باب النصر (قاہرہ) کے باہر مدفون ہیں۔

تالیفات:

تالیفات میں حسب ذیل کتابیں مشہور ہیں:

۱۔ الجوهر المكنون في القبائل والبطون، ۲۔نزهة القصاد في شرح منظومة الاقتصاد في كفاية العقاد، ۳۔ نفائس الدرر في فضائل خير البشر ﷺ.

حالات کیلئے ملاحظہ ہو: ۱۔ الضوء اللامع: ۱۲۱/۳، ۲۔ شذرات الذهب: ۳۰۵/۷، ۳۔ هدية العارفين: ۲۸٦/۱،

اورانہوں نے اپنے چچا حسن بن ایوب النسابہ[1] سے،.........................

٤ـ نظم العقيان في أعيان الأعيان: ١٠٤.

(۱) الشیخ حسن النسابہ الحسنی الحسینی

نام ونسب:

حسن نام، اور النسابہ عرف ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''حسن بن محمد بن حسن بن ادریس بن حسن بن علی بن عیسیٰ بن علی الحسنی الحسینی الشافعی''

علمی مقام:

موصوف اپنے زمانے کے نامور قاری، فقیہ اور محدث تھے، ایک زمانہ صوفیہ کی صحبت میں گذارا تھا، انساب کے بڑے ماہر تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ''معجم الشیوخ'' میں ان کے بھتیجے شیخ حسن بن محمد کے حوالے سے ناقل ہیں:

''إنه اشتغل بالقراءات والفقه وأجيز بجميع ذلك، وجمع مجاميع، وتجرد مع الفقراء قديماً ...... ولي مشيخة الخانقاه البيبرسية مدة، وجرت له مع أهلها منازعات، فعزل منها ثم أعيد، وكان قد سمع من الوادياشي والميدومي وغيرهما.'' (معجم الشیوخ بحوالہ الضوء اللامع: ۱۲۳/۳)

موصوف ایک زمانہ تک قراءات اور فقہ میں مشغول رہے، اور ان کو اُن تمام علوم کی اجازت بھی حاصل تھی، بہت سے مجموعے مرتب کئے، ابتداء میں فقراء کے ساتھ تجرد کی زندگی گذاری...... ایک زمانہ تک خانقاہِ بیبرسیہ میں صدر کے عہدہ پر بھی فائز رہے، اور اہلِ خانقاہ سے جھگڑے ہوئے تو اس عہدہ سے معزول کیے گئے، پھر دوبارہ اس عہدہ پر بلایا گیا، موصوف نے محدث وادیاشی، میدومی وغیرہ سے سماع کیا تھا۔

حافظ ابن حجر کا ان کے تلامذہ میں شمار:

حافظ ابن حجرؒ نے موصوف سے کچھ حدیثوں کا سماع بھی کیا تھا، حافظ سخاویؒ ''الضوء اللامع'' (۱۲۳/۳) میں رقمطراز ہیں:

''وحدث أنني سمعت عليه شيئا لكني لم أظفر به الآن، والتقيت معه مرارا، وكانت فيه شهامة مقداماً جريئاً، نازع نقيب الأشراف مرة، ورام الخلافة أخرى، وأعقل بأنه حسني وأمه من بني العباس، قال: وقفت له على تصنيف لطيف في آداب الحمام بخطه قرّظه له علماء العصر في سنة سبعين

اورانہوں نے شیخ ابوعبداللہ محمد جابر الوادیاشی (۱) سے، وادیاش مغرب میں ایک شہر کا نام ہے۔

كالبلقيني وابنه والأبناسي والطنبذي والمجد إسماعيل الحنفي والغماري ...... وآخرون وخفي على الجميع أنه استلبه من مصنف جليل، ووقفت عليه لمحمد بن عبد الله الشبلي الدمشقي صاحب "آكام المرجان في أحكام الجان" وغيره، وما أظن المقرظين وقفوا عليه، وفيه فوائد كثيرة، ولم يكن الشريف في مرتبة من يهتدى لذلك الجمع، وقال شيخنا في أنبائه: إن أصله من سرسة، وتكسب بالشهادة مدة، وأقام في مشيخة البيبرسة نحو عشر سنين ...... وكان عارفاً بأنساب الأشراف، كثير الطعن في كثير ممن يدعى الشرف، وكان يذكر أن أمه حسينية، وقد ساق شيخنا نسبها ونسبه. ''(الضوء اللامع:۳/۱۲۳-۱۲۴)

ان (ابن حجر) کا بیان ہے کہ میں نے موصوف سے بھی تھوڑا بہت سنا ہے، لیکن مجھے (سخاوی کو) ابھی تک اس کا علم نہیں ہوسکا کہ وہ کیا تھا، میری ان سے بارہا ملاقات ہوئی ہے، ان میں بڑی شان وشکوہ تھا......اور وہ باحوصلہ تھے، ایک مرتبہ ان کا نقیب الاشراف سے جھگڑا ہوگیا، اور ایک موقعہ پر انہوں نے حصولِ خلافت کا ارادہ کیا، اور استحقاق کی یہ علت قرار دی کہ موصوف حسنی ہیں، اور ان کی والدہ بنی عباس سے ہیں، ابن حجر ہی کا بیان ہے کہ ان کی حمام کے آداب پر نہایت عمدہ تصنیف (جو ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی) سے واقف ہوں جس میں ۷۷۰ھ کے علماء کی جیسے بلقینی اور ان کے فرزند، ابناسی، طنبذی، مجدالدین، اسماعیل حنفی، غماری اور ان کے علاوہ اوروں کے قلم سے تقریظیں بھی موجود ہیں، مگر ان سب سے یہ بات آشکارانہ ہوسکی کہ موصوف نے یہ جلیل القدر تصنیف اُڑائی تھی، میں اس امر سے واقف ہوں کہ یہ محمد بن عبداللہ شبلی دمشقی صاحب "آكام المرجان في أحكام الجان" کی تالیف ہے، میں نہیں سمجھتا کہ تقریظ نگاروں کو اِس کا علم ہوا، اِس کتاب میں بہت سے فوائد ہیں، شریف اِس مرتبہ کا آدمی نہیں تھا کہ اس کو ایسی کتاب کی جمع وترتیب کی سوجھتی، ہمارے شیخ نے "إنباء الغمر" میں بیان کیا ہے کہ موصوف اصل میں سرستہ کے رہنے والے تھے، اور ایک زمانہ تک بس گواہی دینے پر گذربسر کی، اور دس برس تک بیبرسیہ میں صدر کے عہدہ پر فائز رہے، انساب اشراف کے عالم اور دعویداران شرف پر بڑے طعنہ زن تھے، وہ ذکر کرتے تھے کہ ان کی ماں حسینی تھیں اور ہمارے شیخ نے ان کی والدہ اور ان کا نسب بھی ذکر کیا ہے۔

وفات:

نوے (۹۰) برس کی عمر میں بھی ان کی بصارت وسماعت بدستور قائم تھی، ۱۶/شوال ۸۰۹ھ میں انتقال ہوا۔

(۱) **الشیخ شمس الدین محمد الوادیاشی**

محمد نام، ابوعبداللہ کنیت، شمس الدین لقب، اور ابن جابر عرف ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''محمد بن جابر بن محمد بن قاسم بن حسان القیسی الوادیاشی الاندلسی المالکی۔''

....

ولادت وتحصیل علم:

موصوف کا آبائی وطن وادیاش تھا، مگر ان کی ولادت جمادی الآخرہ ۶۷۳ھ میں تونس میں ہوئی، علوم عقلیہ اور نقلیہ کی تعلیم اس دور کے ارباب فضل وکمال سے کی، محدث ابن الغاز، خلف بن عبدالعزیز، یونس بن ابراہیم جذامی، ابومحمد عبداللہ بن ہارون اور اپنے والد شیخ جابر سے حدیث پڑھی، قاری ابوالقاسم بن ابی عیسیٰ، احمد بن موسیٰ بطرنی وغیرہ سے سبع قراءات کی تعلیم پائی، مغرب سے مشرق تک سفر کیا، اور بلادِ اسلامیہ میں سے دمشق میں شیخ بہاء الدین ابن عساکر، مکہ میں احمد بن الطبری، بیت المقدس میں شیخ جعبری، مصر میں علی بن عمر، اسکندریہ میں عبدالرحمٰن ابن خلوف وغیرہ سے حدیثوں کا سماع کیا، اور روایت حدیث کی اجازت لی، مکہ معظمہ میں شیخ ابومحمد عبداللہ بن عبدالحق دلاسی کو حدیثیں پڑھ کر سنائیں، اور ان سے بھی سند لی، موصوف نے مشرق کا دو مرتبہ سفر کیا، پہلی مرتبہ ۷۲۰ھ میں، اس مرتبہ جاتے ہوئے بلادِ مغرب میں طنجہ تک پہنچے تھے، اور دوسری مرتبہ ۷۳۴ھ میں کیا تھا، موصوف نے جن شیوخ سے حدیثوں کا سماع کیا ان کی تعداد ایک سو اسی (۱۸۰) سے متجاوز ہے، حفاظِ حدیث کے زمرہ میں موصوف کا شمار ہے۔

حافظ ذہبیؒ طبقات القراء میں رقمطراز ہیں:

''دخل أقصى المغرب، وعبر إلى الأندلس، وأقرأ القراء ات بتلك **البلاد**، فاشتهر اسمه، وكان من مشاهير القراء والمحدثين، قرأت عليه التيسير وأفادني أشياء نفيسة، وكان تاجراً نبيلاً مقصوداً، حجّ وجاور غير مرة'' (طبقات القراء بحوالہ لحظ الألحاظ بذیل طبقات الحفاظ، از ابن فہد مکی: ۱۱۵-۱۱۶)

موصوف مغرب اقصیٰ پہنچے، اور اندلس کو پار کیا، اور وہاں قراءاتِ مختلفہ کی تعلیم دی تو ان کا نام روشن ہوگیا، یہ مشہور قاریوں اور محدثوں میں سے تھے، میں نے ان سے ''کتاب التیسیر'' پڑھی ہے، مجھے انہوں نے بڑے نفیس فوائد بتائے، یہ بڑے تاجر تھے، اور لوگ تحصیل علم کے لیے قصد کرکے ان کی طرف آتے تھے، حج کیا اور کئی مرتبہ حرم میں مجاورت کی۔

روایتِ موطأ میں یکتائی:

ابن فہد، حافظ زین الدین عراقی کی ''ذیل العبر'' سے ناقل ہیں:

''وكان قد انفرد بالديار المصرية بعلوّ الموطّأ من رواية يحيى بن يحيى، ثم سافر إلى بلادِ المغرب فمات.'' (ذیل العبر بحوالہ لحظ الألحاظ :۱۱۶)

بروایتِ یحییٰ بن یحییٰ موطأ کی علو سند میں موصوف دیارِ مصر میں یکتا تھے، پھر انہوں نے بلادِ مغرب کا سفر کیا، اور ان کا انتقال ہوگیا۔

....

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ "الدرر الكامنة" (۳/۳۶۶) میں لکھتے ہیں:

''كان حسن المشاركة عارفاً بالنحو واللغة والحديث والقرأة، سمع منه شيخنا أبو إسحاق التنوخي كثيراً، وحدثنا عنه جماعة بمصر والشام والإسكندرية.''

موصوف علوم میں بڑا درک رکھتے تھے، نحو ولغت، فقہ وحدیث اور قراءات کے عالم تھے، ان سے ہمارے شیخ ابو اسحٰق تنوخی نے بہت کچھ سنا ہے، مصر وشام اور اسکندریہ کی ایک جماعت نے ہم سے ان کی مرویات کو بیان کیا ہے۔

مورخ ابن الخطیب کا بیان ہے:

''استكثر من الرواية وأكثر من ذلك، حتى صار راوية الوقت، وكان عظيم الوقار ...... وكان حسن الأخلاق لطيف الذات.'' (الدرر الكامنة: ۳/۳۱۴)

کثرت سے حدیثیں حاصل کیں اور خوب بیان کیں، یہاں تک کہ راویِ وقت بن گئے تھے، بڑے باوقار، حُسنِ اخلاق کے پیکر اور لطیف الطبع تھے۔

عادات واخلاق:

ابن فرحون مالکی (المتوفی ۷۹۹ھ) ''الديباج المذهب'' (ص: ۳۱۱) میں فرماتے ہیں:

''كان عظيم الوقار والأبهة، قويم السمت، قرأ القرآن على أبي جعفر بن الزيات بفاس، ثم رحل إلى المشرق، ورحل إلى الحجاز مرتين، وجاور بالحرمين، وحدث بهما وسمع وأسمع، وسمعت عليه موطّأ مالك بن أنس رواية يحيى بن يحيى في الحرم النبوي في سنة ست وأربعين وسبع مأة، ولقي أئمة من العلماء والمحدثين، أصبح بهم نسيج وحده في انفساح رواية وعلوّ إسناد، كان محدثاً مقرئاً مجوداً، له معرفة بالنحو واللغة والحديث ورجاله، وكان فقهه قليلاً''.

بڑے باوقار، باعظمت اور نیک خصلت تھے، قرآن مجید شیخ ابوجعفر بن زیات سے فاس میں پڑھا تھا، پھر مشرق کا سفر کیا، اور دو مرتبہ حجاز گئے، حرمین شریفین میں مجاورت اختیار کی، حدیث کا درس دیا حدیثیں سنیں اور سنائیں، میں نے موطا مالک بن انس ان سے حرمِ نبوی میں بروایت یحییٰ بن یحییٰ ۷۴۶ھ میں سنی تھی، موصوف نے ائمہ فن، علماء اور محدثین سے ملاقات کر کے استفادہ کیا تھا، اس وجہ سے وسعتِ روایت اور علوِ اسناد میں ان کو ایک خاص مقام حاصل تھا، یہ محدث اور فن قرأت وتجوید کے استاد تھے، نحو ولغت، حدیث ورجال کا انہیں خوب علم تھا البتہ فقہ کم آتی تھی۔

اورانہوں نے شیخ ابوعبداللہ بن محمد بن ہارون قرطبی (۱) سے، قُرطبہ قاف کے پیش اور طاء مہملہ اور حائے موحدہ کے ساتھ

"الدیباج المذھب" میں فقہائے مالکیہ کا تذکرہ ہے، اوران کا شمار فقہاء میں نہیں ہے، لہٰذا اس کتاب میں ان کا یاان جیسے اور محدثین کا تذکرہ نہ ہونا چاہئے تھا، لیکن ہوا ہے اِس کا جواب خود ابن فرحون نے دیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''إنما ذكرت هذا الشيخ ومن كان مثله في قلة البضاعة في الفقه للإفادة بذكر من روى عنهم، فإنه أحد شيوخنا وشيخ كثير من أهل زماننا.'' (الديباج المذهب: ۳۱۳)

میں نے ان کا اوران ہی جیسے اور شیوخ کا جن کو فقہ میں دستگاہ حاصل نہ تھی اس غرض سے تذکرہ کیا ہے کہ یہ بتادوں کہ ان سے کس نے روایت کی ہے؛ کیونکہ یہ بھی ہمارے شیوخ میں سے ہیں، اور ہمارے معاصرین میں سے بہت سوں کے شیخ اور استاد ہیں۔

وفات:

ربیع الاول ۷۴۹ھ میں طاعون کے اندر موصوف کا تونس میں انتقال ہوا۔

حالات کیلئے ملاحظہ ہو: ١- الديباج المذهب: ٣١١ - ٣١٣، ٢- الدرر الكامنة: ٤١٣/٣ - ٤١٤، ٣- نفح الطيب طبع بولاق مصر، ١٠٨/٣ - ١١٠، ٤- غاية النهاية: ١٠٦/٢، ٥- الوافي بالوفيات: ٢٨٣/٢، ٦- لحظ الألحاظ بذيل طبقات الحفاظ: ١١٥ - ١١٦ .

(۱) شیخ حافظ عبداللہ بن محمد القرطبی

نام ونسب:

عبداللہ نام اور ابو محمد کنیت ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''عبداللہ بن محمد بن ہارون بن محمد بن عبدالعزیز الطائی القرطبی التونسی المالکی۔''

ولادت وتحصیل علم:

رمضان ۶۰۳ھ = ۱۲۰۷ء میں پیدا ہوئے، قرأت کی تعلیم اپنے نانا قاری احمد بن محمد بن قادم معافری سے پائی، اوراپنی والدہ کے ماموں عصام بن ابی جعفر اوراپنے ماموں ابوجعفر احمد سے بھی خوب استفادہ کیا، شیخ ابوزکریا بحری سے "فصیح" اور "روض الأنف" پڑھیں، اورابوالقاسم احمد بن یزید سے ''موطا'' کا سماع کیا، اوران ہی سے "الکامل للمبرد" پڑھی، محدث ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن عطیہ سے صحیح مسلم کا سماع کیا، ابوبکر بن سیدالناس سے بخاری کا درس لیا، اوراحمد بن علی فحام سے سیرت کے اسباق پڑھے۔

علمی مقام:

ابن فرحون مالکی (المتوفی ۷۹۹ھ) (الدیباج المذہب: ۱۴۰-۱۴۴) میں لکھتے ہیں:

اندلس میں ایک شہر کا نام ہے، اور انہوں نے قاضی ابوالقاسم شیخ احمد بن یزید قرطبی (۱) سے، ....

’’کان إماماً عالماً ديناً فاضلاً كاتباً مسنداً، وعمر، أخذ الناس كثيراً، وأخذ عنه شيخنا أبو عبدالله الواداياشي ونظراؤه من مشايخ العلم والحديث.‘‘

موصوف امام، عالم، متدین فاضل، کاتب اور مسند تھے، عمر بھی خوب پائی تھی، بہت سے علماء سے علم حاصل کیا تھا، ہمارے شیخ ابوعبداللہ وادیاشی اور ان کے ہمعصر شیوخ حدیث نے ان سے حدیث پڑھی تھی۔

حافظ ذہبیؒ نے ’’تذکرة الحفاظ‘‘ (۱۴۸۳/۴) میں موصوف کو مسندِ بلادِ مغرب کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ ’’الدرر الکامنة‘‘ (۳۰۳/۲) میں لکھتے ہیں:

’’عمر إلى أن اختلط قبل أن يموت‘‘ بڑی عمر پائی یہاں تک کہ موت سے پہلے حافظہ میں خلل آ گیا تھا۔

حافظ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں:

’’هو من بيت علم وجلالة، برع في النحو واللغة وسائر علوم الآداب والتواريخ، وله نظم ونثر كثير، وكان شديد التشيّع، واختلط قبل موته قليلاً، وانفرد بعلوّ الإسناد ...... وقع لنا مسلسل النحاة من طريقه.‘‘

(بغية الوعاة :۲۸۹)

موصوف معزز اور علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے، نحو ولغت اور تمام علوم آداب وتاریخ میں ماہر تھے، ان سے نظم ونثر زیادہ یادگار ہے، اور ان کا شیعیت کی طرف زیادہ میلان تھا وفات سے کچھ پہلے حافظہ میں فتور آ گیا تھا، علوِ اسناد میں منفرد تھے..... ہمیں نحویوں کی سند سے مسلسل حدیث ان ہی کے طریق سے حاصل ہوئی ہے۔

وفات:

۱۱/ ذی القعدہ ۷۰۲ھ = ۱۳۰۳ء میں تونس کے اندر انتقال ہوا اور زلاج میں دفن کئے گئے۔

موصوف کی تالیفات میں ’’اللآلي المجموعة من باهر وبارع الكلام‘‘ زیادہ مشہور ہے۔

حالات کیلئے ملاحظہ ہو: ۱۔ الديباج المذهب: ۱٤۳–۱٤٤، ۲۔ الدرر الكامنة: ۲/ ۳۰۳، ۳۔ بغية الوعاة: ۲۸۹، ٤۔ فهرس الفهارس: ۲/ ٤۲٥، ٥۔ معجم المؤلفين: ٦/ ۱٤۳.

(۱) **الشیخ ابوالقاسم احمد الاموی القرطبی**

نام ونسب:

احمد نام، ابوالقاسم کنیت اور ابن بقی عرف ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ’’احمد بن یزید بن عبدالرحمٰن بن احمد بن بقی بن مخلد الاموی القرطبی المالکی۔‘‘

....

ولادت وتحصیل علم:

بروز شنبہ ۱۲/ ذی قعدہ ۵۳۷ھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے والد سے پائی، پھر اس دور کے نامور علماء اور مشائخ سے علوم دینیہ کی تحصیل کی، محدث ابوعبداللہ بن عبدالحق خزرجی، ابوخالد مروانی، ابن مضاء، ابن فرقد، ابن بشکوال اور اپنے دادا شیخ عبدالرحمٰن قرطبی سے حدیثوں کا سماع کیا، علامہ سہیلی سے "الروض الأنف" پڑھی، شریح بن محمد اور قزمان سے بھی ان کو روایتِ حدیث کی اجازت حاصل ہے، ان کا شمار اس دور کے نامور فقہاء اور محدثین میں تھا، ایک زمانہ تک موصوف عہدۂ قضاء پر مامور رہے تھے۔

فضل وکمال وعہدۂ قضاء:

مورخ ابن الابار (المتوفی ۶۵۹ھ) "التكملة لكتاب الصلة" (۱/ ۱۱۵، مکتبہ الخانجی القاہرہ) میں لکھتے ہیں:

''كـان من رجالات الأندلس جلالا و كمالا، و لايعلم فيها أعرف من بيته في العلم و النباهة، إلّا بيت بني مغيث بقرطبة، وبيت بني الباجي بأشبيلة، وله التقدم على هولاء، وولي قضاء الجماعة بمراكش ...... فحمدت سيرته، ولم تزده الرفعة إلّا تواضعا، ثم صُرف عن ذلك كله، وأقام بمراكش مد ة طويلة إلى أن تـقـلد قضاء بلده، وصُرف عنه قبل وفاته بيسير، فسمع منه الناس، وتنافسوا في الأخذ عنه، وكان أهلاً لـذلك، كتـب إلـيّ بإجازة مارواه، وهو آخر من حدث عن شريح بالإجازة، وانفرد برواية الموطأ عن ابن عبد الحق قرأة عن ابن الطلاع سماعاً.''

موصوف جاہ وجلال اور فضل وکمال کے اعتبار سے اندلس کے نامی گرامی لوگوں میں سے تھے، قرطبہ کے اندر خاندانِ بنومغیث کے، اور اشبیلہ میں خاندانِ بنو باجی کے سوا علم وشرف میں ان کے خاندان سے زیادہ کوئی اور مشہور ومعروف نہ تھا ان کو ان سب پر برتری اور شرف حاصل تھا، موصوف مراکش میں قاضی القضاۃ رہے، اور سیرت بھی قابلِ ستائش رہی، رفعت اور سرفرازی نے ان کے اندر تواضع خوب پیدا کی تھی، پھر ان کو ان خدمات سے علیحدہ کیا گیا، اور موصوف نے ایک زمانہ تک مراکش میں قیام کیا، حتی کہ ان کو اس شہر کا قاضی بنایا گیا، اور انتقال ۔ سے کچھ ہی پہلے اس عہدے سے سبکدوش کردیئے گئے، لوگوں نے ان سے حدیث کا سماع کیا، اور طلبِ حدیث میں ایک نے دوسرے سے آگے بڑھنے میں کوشش کی، موصوف اس کے اہل تھے، انہوں نے مجھے اپنی مرویات کی اجازت لکھ کر بھیجی تھی، موصوف شریح سے بلاواسطہ روایت کرنے والے آخری محدث تھے، اور موطأ کی روایت میں باعتبارِ قرأت وسماعت عبدالحق از ابن الطلاع منفرد تھے۔

اورانہوں نے شیخ محمد بن عبدالرحمٰن بن عبدالحق خزرجی قرطبی[1] سے،.........................

وفات:

۱۵ر رمضان المبارک ۶۲۵ھ = ۱۲۲۸ء میں جمعہ کے دن نمازِ جمعہ کے بعد انتقال ہوا، اور مقبرہ ابن عباس میں اپنے دادا بقی کی قبر کے سامنے دفن کیے گئے۔

ان کی تالیفات میں سے "الآيات المتشابهات" زیادہ مشہور ہے۔

حالات کیلئے ملاحظہ ہو: ۱۔ كتاب المرقبة العلياء فيمن يستحق القضاء والفتيا از ابوالحسن بن عبداللہ اندلسی، ص:۱۱۷
۲۔ التكملة لكتاب الصلة: ۱/۱۱۵، ۳۔ قضاة الأندلس: ۱۱۷، ٤۔ هدية العارفين: ۱/۹۱۔

(۱) **الشیخ محمد بن عبدالحق الخزرجی القرطبی**

نام ونسب:

محمد نام اور ابوعبداللہ کنیت ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''محمد بن عبدالحق بن احمد بن عبدالرحمٰن بن محمد بن عبدالحق الخزرجی القرطبی۔''

سماعِ حدیث وروایت موطأ میں شہرت:

موصوف نے قرطبہ کے نامور محدث ابوعبداللہ بن الطلاع اور دیگر محدثین سے حدیثوں کا سماع کیا، مگر محدث ابن الطلاع سے موطأ کی روایت میں شہرت پائی۔

مورخ ابن الابار (التوفی ۶۵۹ھ) ''التكملة لكتاب الصلة'' (۲/۴۹۶) میں رقمطراز ہیں:

''سمع أبا عبد الله بن الطلاع وأكثر عنه، وعني بالفقه وحدث، ومنه سمع الموطأ شيخنا أبو القاسم بن بقي، وأجاز له، وبه علا إسناده، ولا أعلم له رواية إلا عن أبي عبد الله يعني ابن الطلاع، وقد وقفت أنا على روايته عن أبي محمد بن عتاب، ولم أقف على تاريخ وفاته، ويحدث عنه أيضا ابنه أبو محمد عبد الحق بن محمد الحاكم.''

انہوں نے ابوعبداللہ بن الطلاع سے حدیثوں کا سماع کیا، اور ان کی سند سے بکثرت روایتیں بیان کیں، فقہ سے اعتناء کیا اور حدیث کا درس دیا، ان سے ہمارے شیخ ابوالقاسم بن بقی نے موطأ کا سماع کیا، اور اجازت حاصل کی، اور اسی وجہ سے عالی اسناد بن گئے، مجھے صرف ابوعبداللہ یعنی ابن الطلاع سے ان کی روایت کا علم تھا، اور اب معلوم ہوا کہ ان کو ابومحمد بن عتاب سے بھی روایت کی اجازت حاصل تھی، ان کی تاریخِ وفات کا علم نہیں، ان سے ان کے فرزند ابومحمد عبدالحق بن محمد حاکم بھی راوی ہیں۔

اورانہوں نے شیخ محمد بن فرج مولیٰ ابن الطلاع [1] سے، ....

وفات:

علامہ ابن الزبیر اپنے ''الصلۃ'' میں لکھتے ہیں:

''توفي بعد الستين، ولم يتأخّر بعده من أصحاب ابن الطلاع على كثرتهم سوى أربعة: ١ ـ ابن حنين، ٢ ـ وابن قزمان، ٣ ـ وصالح الترغني، ٤ ـ وابن خليل، وكان فقيهاً جليلاً عدلاً فاضلاً.''

(الصلۃ بحواشی کتاب التکملۃ: ۴۹۶)

ساٹھ برس کے بعد ان کا انتقال ہوا ان کے بعد ابن الطلاع کے بہت سے شاگردوں کے باوجود بجز چار شاگردوں: ۱-ابن حنین، ۲-ابن قزمان، ۳- صالح ترغنی اور ۴-خلیل کے کوئی باقی نہیں رہا، موصوف جلیل القدر فقیہ اور فاضل وعادل تھے۔

حالات کیلئے ملاحظہ ہو: ١ ـ التكملة لكتاب الصلة: ٢/٤٩٦، ٢ ـ تاريخ الإسلام: ١٢ /٢٠٢.

(۱) الشیخ ابن الطلاع القرطبی

نام ونسب:

محمد نام، ابوعبداللہ کنیت اور ابن الطلاع عرف ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''محمد بن الفرج مولی ابن الطلاع القرطبی المالکی۔''

موصوف کے والد شیخ الفرج شیخ محمد بن یحییٰ بکری مالکی کے حلیف اور مولیٰ تھے، اس ولاء کی نسبت سے موصوف ابن الطلاع سے بھی مشہور ہیں۔

ولادت وتحصیل علم:

ذی القعدہ ۴۰۴ھ میں پیدا ہوئے، اور اس دَور کے فضلاء سے علوم دینیہ کی تحصیل کی، موصوف اپنے زمانہ کے سرآمد فقہاء میں سے تھے، اور اکابر محدثین میں ان کا شمار تھا، قراءت میں بھی بڑا کمال حاصل تھا، قرطبہ کی جامع مسجد کے امام اور خطیب تھے، اس میں قرآن اور حدیث کا درس دیتے تھے، طالبانِ حدیث دور دور سے آکر درس کے حلقہ میں شریک ہوتے تھے۔

فضل وکمال:

ابن بشکوال ''کتاب الصلۃ'' (۲/۵۴) میں رقم طراز ہیں:

''محمد بن فرج ...... من أهل قرطبة، يكنى أبا عبدالله، بقية الشيوخ الأكابر في وقته، وزعيم المفتين بحضرته ...... وكان فقيهاً، عالماً، حافظاً للفقه على مذهب مالك وأصحابه، حاذقاً بالفتوى،

....

مقدماً في الشورى، عارفاً بعقد الشروط وعللها، مقدماًذاكراً لأخبار شيوخ بلده وفتاويهم، مشاركاً في أشياء من العلم حسنة مع خير وفضل ودين وكثرة صدقة وطول صلاة، قوالاً للحق وإن أوذي فيه، لاتأخذه في الله لومة لائم، معظماً عند الخاصة والعامة، يعرفون له حقه، ولاينكرون فضله، وكان كثير الذكر لله تعالى، حافظاً لكتابه العزيز، تالياً له مجوداً لحروفه، وولي الصلاة بالمسجد الجامع بقرطبة، وأسمع الناس به، وأفتاهم فيه، وعمّر وأسن حتى سمع منه الكبار والصغار والآباء والأبناء، وكانت الرحلة في وقته إليه، وجمع كتاباً حسناً في أحكام النبي عليه السلام قرأته على أبي – رحمة الله عليه – غير مرة.''

محمد بن فرج ...... اہلِ قرطبہ میں سے تھے، ان کی ابوعبداللہ کنیت تھی، یہ اپنے زمانے میں شیوخِ اکابر کا نمونہ اور اپنے وقت میں مفتیوں کے سردار تھے، فقیہ، عالم، فقہ مالکی کے حافظ اور تلامذۂ امام مالک کے فتوؤں کے ماہر تھے، شوریٰ میں مقدم تھے، عقد شروط اور اس کے علل کے عالم تھے، اور اس میں ان کو تقدم حاصل تھا، اپنے شہر کے شیوخ کے حالات بیان کرنے والے اور فتویٰ بتانے والے تھے، علم کی بہت سی اصناف میں درک رکھنے کے باوجود نیکی، بھلائی، فضیلت، دینداری کے اوصاف سے آراستہ تھے، بہت صدقہ دیتے اور لمبی لمبی نمازیں پڑھتے تھے، بڑے حق گو تھے، اگرچہ حق گوئی میں اذیت اور تکلیف اٹھاتے تھے، اللہ کے معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے، عوام وخواص میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، لوگ ان کے مرتبہ سے واقف تھے، اور ان کی فضیلت کے معترف تھے، موصوف یادِ الٰہی خوب کرتے تھے، اور کتاب اللہ کے حافظ تھے، قرآن کو تجوید سے پڑھتے تھے، قرطبہ کی جامع مسجد میں امام کے فرائض انجام دیتے تھے، اور لوگوں کو سناتے تھے، اور ان کو قرآن وحدیث سے آگاہ کرتے تھے، بڑی عمر پائی، اور ایسے سن کو پہنچے کہ بڑے، چھوٹوں، باپ اور بیٹوں نے ان سے سنا، ان کے زمانے میں لوگ سفر کرکے ان کے پاس آتے تھے، موصوف نے ایک نہایت عمدہ کتاب نبی اکرم ﷺ کے احکام میں جمع کی تھی جس کو میں نے اپنے والد رحمۃ اللہ علیہ سے کئی بار پڑھا ہے۔

مورخ ذہبیؒ کتاب "العبر في خبر من غبر" (۳/۳۴۹) میں لکھتے ہیں:

''أبو عبد الله بن الطلاع ...... مفتي الأندلس ومسندها، وله ثلاث وتسعون سنة، روى عن يونس بن مغيث ومكي القيسي وخلق، وكان رأسا في العلم والعمل وقوالاً بالحق، رحل الناس إليه من الأقطار لسماع الموطأ والمدونة.''

ابوعبداللہ بن الطلاع ...... اندلس کے مفتی اور مسند تھے، ترانوے سال کی عمر پائی، حدیث یونس بن مغیث، مکی قیسی اور ایک خلقت سے روایت کرتے ہیں، علم وعمل اور حق گوئی میں چوٹی کے آدمی تھے، گوشے گوشے سے لوگ

اورانہوں نے قاضی ابوالولید یونس بن عبداللہ بن مغیث صفار[1] سے،..............................

"الموطأ" اور "المدونة" کے درس کے واسطے ان کے پاس آتے تھے۔

وفات:

۴۹۷ھ میں وفات پائی۔

تالیفات:

موصوف کی تالیفات میں دو کتابیں مشہور ہیں:

۱۔ أحكام النبي ﷺ، ۲۔ كتاب الأقضية.

حالات کے لئے ملاحظہ ہو: ۱۔ بغية الملتمس:۱۱۲-۱۱۳، ۲۔ المغرب في حلى المغرب:۱٦٥، ۳۔ العبر:۳/۳٤۹، ٤۔ الديباج المذهب:۲۷٥، ٥۔ شذرات الذهب:۳/٤۰۷، ٦۔ هدية العارفين:۲/۷۸، ۷۔ تاريخ الإسلام: ۱۰/۷۹۷.

(۱) **الشیخ ابن الصفار القرطبی**

نام ونسب:

یونس نام، ابوالولید کنیت اور ابن الصفار عرف ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: "یونس بن عبداللہ بن محمد بن مغیث بن محمد بن عبداللہ القرطبی۔"

تعلیم وتدریس، فضل وکمال:

موصوف ۳۳۸ھ=۹۵۰ء میں پیدا ہوئے، فقہ، قراءۃ اور ادب کی تعلیم اس عصر کے نامور علماء سے پائی، محدث محمد بن معاویہ قرشی، ابوبکر اسماعیل بن بدر، احمد بن ثابت تغلبی، ابوعیسیٰ اللیثی، ابوجعفر تمیم بن محمد قروی، ابوبکر ابن القوطیہ، ابوبکر بن زرب، عباس بن عمرو ابومحمد باجی، ابوبکر زبیدی، ابوالحسن عبدالرحمٰن بن احمد وغیرہ سے حدیثوں کا سماع کیا، اہلِ مشرق میں سے حافظ دارقطنی، ابومحمد بن ابی زید فقیہ، ابوالحسن بن جہضم مکی اور ابویعقوب بن دخیل مکی نے بھی ان کو روایت حدیث کی اجازت لکھ کر بھیجی تھی، جامع الزہراء کے خطیب نیز بطلیوس اور اس کے اطراف کے قاضی تھے، پھر خلیفہ ہشام بن محمد مروانی نے ان کو قرطبہ کا قاضی اور ۴۱۹ھ میں وزیر بنادیا تھا، موصوف زندگی بھر عہدۂ قضاء پر مامور رہے، ان مصروفیات کے باوجود حدیث پڑھاتے اور کتابیں تصنیف کرتے تھے، مگر محدث مزاج صوفی تھے، موصوف کے شاگرد ابوعمر بن مہدی کا بیان ہے:

"كان من أهل الحديث و الفقه، كثير الرواية، وافر الحفظ من علم اللغة و العربية، قائلاً للشعر النفيس في معاني الزهد وما شابهه بليغاً في خطبته، كثير الخشوع فيها، لايتمالك من سمعه عن البكاء

مع الخير والفضل والزهد في الدنيا والرضاء منها باليسير، مارأيت فيمن لقيت من شيوخي من يضاهيه في جميع أحواله، كنت إذا ذاكرته شيئاً من أمور الآخرة أرى وجهه يصفر، ويدافع البكاء مااستطاع، وربما غلبه فلا يقدر أن يمسكه، وكان الدمع قد أثر في عينيه وغيرها لكثرة بكائه، وكان النور بادياً على وجهه، وكان قد صحب الصالحين، ولقيهم من حداثته مارأيت أحفظ منه لأخبارهم وحكاياتهم.''

(الصلة: ۲/۶۴۶، ۶۴۷، طبع قاہرہ ۱۹۵۵ء)

موصوف محدثین اور فقہاء میں کثیر الروایت تھے، لغت اور عربیت سے بھی ان کو حصہ وافر ملا تھا، دنیا کی بے ثباتی اور زہد وغیرہ پر عمدہ شعر کہتے ہیں، فصیح و بلیغ خطبہ دیتے تھے، خطبہ کے وقت خشیت اور خدا ترسی کا ایسا غلبہ ہوتا تھا کہ جو سنتا وہ روئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا، فضل وکمال اور خیر وصلاح، دنیا سے بے رغبتی اور تھوڑے پر راضی رہنا، یہ ان کے وہ اوصاف ہیں جن میں میرے شیوخ جن سے میں ملا ہوں، ان کا ان تمام حالات میں کسی کو ان کے جیسا نہیں دیکھا، میں نے ان سے آخرت کی جب کوئی بات کی تو دیکھا کہ ان کا چہرہ زرد پڑ گیا اور رونے سے باز رہنے کی کوشش کے باوجود کامیاب نہیں ہو سکے، اور بسا اوقات وہ غالب آ گیا اور یہ اس کو نہیں روک سکے، بہت رونے دھونے سے ان کی آنکھوں وغیرہ میں نشان پڑ گئے تھے، مگر نور ان کے چہرے سے نمایاں تھا، انہوں نے بزرگوں کی صحبت اٹھائی تھی، اور آغازِ عمر سے ان سے ملتے رہے تھے، میں نے صلحاء کے واقعات اور ان کے حالات کا ان سے بڑھ کر حافظ نہیں دیکھا۔

حافظ ذہبی (المتوفی ۷۴۸ھ) "العبر في خبر من غبر" (۳/۱۶۹، طبع کویت ۱۹۶۱ء) میں لکھتے ہیں:

''يونس بن عبد الله ...... قاضي الجماعة بقرطبة ...... وله إحدى وتسعون سنة، روى عن محمد بن معاوية القرشي، وأبي عيسى الليثي، والكبار، وتفقه على أبي بكر بن زرب، وولي القضاء مع الخطابة والوزارة، ونال رئاسة الدين والدنيا، وكان فقيهاً، صالحاً، عدلاً، حجة، علامة في اللغة والعربية والشعر، فصيحاً مفوهاً، كثير المحاسن، له مصنفات في الزهد وغيره، توفي في رجب.''

یونس بن عبد اللہ ...... جو قرطبہ میں قاضی القضاۃ تھے ...... انہوں نے اکیانوے سال کی عمر پائی، محمد بن معاویہ قرشی، ابو عیسیٰ لیثی اور بلند پایہ شیوخ سے روایت کی، ابو بکر بن زَرب سے فقہ میں بصیرت پیدا کی، قضاء، خطابت اور وزارت کے عہدہ پر فائز ہوئے، دین و دنیا کی سیادت حاصل کی، موصوف فقیہ، صالح اور عادل تھے، لغت، عربیت اور شعر میں علامہ اور حجت تھے، قادر الکلام فصیح و بلیغ خطیب، مکارمِ اخلاق سے آراستہ تھے، زہد وغیرہ میں ان کی تصانیف ہیں، ماہ رجب میں وفات پائی۔

اورانہوں نے ابوعیسیٰ یحییٰ بن عبداللہ بن یحییٰ[1] سے، ....

وفات:

اکیانوے سال کی عمر میں بروز جمعہ ۲۹ر رجب ۴۲۹ھ=۱۰۳۸ء میں انتقال کیا، اور مقبرۂ ابن عباس میں مدفون ہیں۔ موصوف کے شاگردوں میں حافظ ابن عبدالبر اور ابن حزم زیادہ مشہور ہیں۔

تصنیفات:

تصانیف حسب ذیل ہیں:

۱۔ الموعب، یہ موطأ امام مالک کی شرح ہے، ۲۔ مسائل ابن زرب، ۳۔ التسلي عن الدنيا بتأميل خير الآخرة من الغنى، ٤۔ الابتهاج بمحبة الله، ٥۔ التسبيب والتيسير والاختصاص والتقريب، ٦۔ فضائل المتهجدين، ٧۔ كتاب المستصرفين بالله تعالى عند نزول البلاء، ٨۔ كتاب فضائل الأنصار، ٩۔ كتاب العباد، ١٠۔ الموجز الكافي، ١١۔ كتاب دعاء الصالحين، ١٢۔ كتاب طب القلوب، ١٣۔ كتاب أنس الوحيد، ١٤۔ كتاب المواقف، ١٥۔ كتاب المعمّرين، ١٦۔ كتاب الحكايات، ١٧۔ كتاب المنقطعين إلى الله عزوجل.

حالات کیلئے ملاحظہ ہو: ۱۔ جذوة المقتبس في ذكر ولاة الأندلس از ابوعبداللہ محمد حمیدی (المتوفی ۴۸۸ھ) ص: ٣٦٣ طبع قاهرة، ٢۔ تاريخ قضاة الأندلس: ٩٥-٩٦، ٣۔ فهرست حافظ ابن خير: ٢٨٧، ٤۔ المغرب في حلى المغرب، ٥۔ الديباج المذهب: ٣٦٠، ٦۔ هدية العارفين: ٢ /٥٧٢، ٧۔ الصلة: ٢ /٢٤٦-٢٤٧، ٨۔ تاريخ الإسلام للذهبي: ٩/٤٦٦.

(۱) **الشیخ یحییٰ بن عبداللہ القرطبی**

نام ونسب:

یحییٰ نام اور ابوعیسیٰ کنیت ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: "یحییٰ بن عبداللہ بن یحییٰ بن یحییٰ اللیثی القرطبی۔"

شیوخ:

موصوف اپنے زمانے کے مشہور محدث، مفسر اور فقیہ تھے، محدث عبیداللہ بن یحییٰ، محمد بن عمر بن لُبابہ، اسلم بن عبد العزیز، احمد بن خالد اور اپنے پدر بزرگوار عبداللہ بن یحییٰ سے حدیثوں کا سماع کیا تھا، شیخ علی بن الحسن مری سے بجّانہ میں یحییٰ بن سلام کی کتاب التفسیر پڑھی تھی، اور سعید بن فحلون سے ابن حبیب کی "كتاب الواضحة" کا درس لیا تھا۔

عہدۂ قضاء اور روایت موطأ کے ساتھ شہرت:

"بجانة" اور "بيرة" میں قضاء کا عہدہ ان ہی کے سپرد تھا، فرائضِ منصبی کے ساتھ حدیث کا درس بھی جاری تھا، موطأ امام مالک کی روایت میں ان کو غیر معمولی شہرت حاصل تھی، ان کی قبولیت کا عالم یہ تھا کہ خلیفۂ موید باللہ نے بھی

....

۳۶۴ھ میں ان کے حلقۂ درس میں شریک ہوکر موطأ کا سماع کیا تھا، حافظ ابو الولید عبداللہ ازدی المعروف ابن الفرضی (المتوفی ۴۰۳ھ) "تاریخ العلماء والرواۃ للعلم بالأندلس" (۱۹۰/۲، طبع قاہرہ ۱۹۵۴ء) میں لکھتے ہیں:

"وعُمّر إلى أن كان آخر من حدث عن عبيد الله، وانفرد بالرواية عنه، ورحل الناس إليه من جميع كور الأندلس، وكان من رواه عن عبيد الله الموطأ وسماع ابن القاسم، وحديث الليث بن سعد، وعشرة يحيى بن يحيى الليثي، وتفسير عبد الرحمن بن زيد بن أسلم، ومشاهد بن هشام ...... واختلفت إليه في سماع حديث الموطأ سنة ست وستين وثلاث مأة ...... فتم في سماعه عنه، وسمعت منه كتاب التفسير لعبد الله بن نافع ...... ولم أسمع منه غير الموطأ والتفسير، وفي هذا العام كان بدء سماعي ...... ومن هذا التاريخ اتصل سماعي من الشيوخ، وسمع من يحيى بن عبدالله الموطّأ جماعة من الشيوخ، والكهول، وطبقات من الناس، وسمعه منه أمير المؤمنين المؤيد بالله- أعزه الله-، سنة أربع وستين وثلاث مأة."

انہوں نے بڑی عمر پائی یہاں تک کہ یہی وہ آخری عالم تھے جو عبید اللہ کی سند سے حدیث سناتے اور ان سے روایت کرنے میں منفرد اور یگانہ تھے، اندلس کے تمام شہروں سے لوگ ان کی طرف سفر کر کے آتے تھے، اور جو یہ عبید اللہ سے روایت کرتے تھے وہ موطأ بسماع قاسم، حدیث لیث بن سعد، عشرۃ یحییٰ بن یحییٰ اللیثی، تفسیر عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اور مغازی ابن ہشام ہیں، میں بھی ۳۶۶ھ میں موطأ کی حدیثیں سننے کے لیے ان کی خدمت حاضر ہوتا رہا، اور اس کتاب کا پورا سماع ان سے کیا، میں نے عبداللہ بن نافع کی تفسیر کا سماع بھی ان سے کیا......اور موطأ اور تفسیر کے علاوہ ان سے کچھ نہیں سنا، اسی سال شیوخِ حدیث سے میرے سماعِ مسلسل کا آغاز ہوا، اور ہر چھوٹے بڑے اور ہر طبقہ کے لوگوں نے یحییٰ بن عبداللہ سے موطأ کا سماع کیا، اور امیر المومنین موید باللہ نے بھی اللہ تعالیٰ ان کو معزز رکھے، ۳۶۴ھ میں ان سے موطأ کا سماع کیا تھا۔

حافظ ذہبیؒ "کتاب العبر" (۳۴۶/۲) میں تحریر فرماتے ہیں:

"يحيى بن عبد الله ...... القرطبي أبو عيسى الفقيه المالكي راوي الموطأ عالياً."

ابو عیسیٰ یحییٰ بن عبداللہ......قرطبی فقیہ مالکی موطأ کے عالی اسناد راوی تھے۔

وفات:

شبِ دوشنبہ کو بعد نمازِ عشاء انتقال کیا، اور سہ شنبہ کو مقبرۂ ابن عباس میں دفن کئے گئے۔

حالات کیلئے ملاحظہ ہو: ۱۔ تاریخ ابن الفرضی: ۲/ ۱۹۰، ۲۔ کتاب العبر: ۳۴۶/۲، ۳۔ تاریخ الإسلام: ۸/ ۲۸۰.

اورانہوں نے اپنے باپ کے چچا عبیداللہ بن یحییٰ (1) سے،..........................

(1)　　　　الشیخ عبیداللہ بن یحییٰ القرطبی

نام ونسب:

عبیداللہ نام، اورابومروان کنیت ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''عبیداللہ بن یحییٰ بن یحییٰ اللیثی القرطبی۔''

تحصیل علم:

موصوف یحییٰ بن یحییٰ لیثی کے جوامام مالکؒ کے شاگرداور راویِ موطأ کے نام سے عالم میں مشہور ہیں، فرزند تھے، موصوف نے اندلس میں اپنے پدر بزرگوار سے سب کچھ پڑھا تھا، جب حج کے لیے اندلس سے روانہ ہوئے، تو بغداد میں ابو ہاشم محمد بن یزید رفاعی کی مجلسوں میں شرکت کی اوران سے استفادہ کیا، اِس طرح مصر میں محمد بن عبدالرحیم کے درس میں حاضر ہوکران سے بھی حدیث کا سماع کیا۔

ابن الفرضی (المتوفی ۴۰۳ھ) ''تاریخ العلماء'' (۲۹۲/۱) میں لکھتے ہیں:

''روی عن أبیه علمه، ولم یسمع بالأندلس من غیره،ورحل حاجاً وتاجراً، ودخل بغداد فسمع بها مجالس من أبي هاشم الرفاعي محمد بن یزید، وشهد بمصر محمد بن عبد الرحیم البرقي، فسمع منه المشاهد،وكان رجلاً عاقلاً كریماً، عظیم المال والجاه، مقدماً في المشاورة في الأحكام، منفرداً برياسة البلاد غیر مدافع، سمع منه الناس، وروی عنه أحمد بن خالد، وابن أیمن وغیرهما من الشیوخ، وكان آخر من حدث عنه شیخنا یحیی بن عبید الله بن یحیی بن یحیی.''

موصوف نے اپنے والد کے علم کو روایت کیا، اوراندلس میں اور کسی سے سماع نہیں کیا، حج اور تجارت کی غرض سے سفر کیا، بغداد پہنچ کر ابو ہاشم محمد بن یزید رفاعی کی مجلسوں میں حدیث کا اور مصر میں محمد بن عبدالرحیم البرقی کی مجلس میں حاضر ہوکر مغازی کا سماع کیا، موصوف عقلمند، کریم، دولتمند اور صاحبِ وجاہت عالم تھے، احکام میں مشورہ دینے میں اِن کو اولیت کا شرف حاصل تھا، بلادِ اندلس میں یہ اپنی سیادت اور ریاست میں منفرد و یکتا تھے، لوگوں نے ان سے حدیث کا سماع کیا، احمد بن خالد، ابن ایمن اور دیگر علماء موصوف سے راوی ہیں، ان سے آخری روایت کرنے والے ہمارے شیخ یحییٰ بن عبیداللہ بن یحییٰ بن یحییٰ تھے۔

عادات واخلاق:

حافظ ذہبیؒ (المتوفی ۷۴۸ھ) کتاب ''العبر في خبر من غبر'' (۱۱۲/۲) میں رقمطراز ہیں:

''فقیه قرطبة ومسند الأندلس أبو مروان عبید الله، كان ذاحرمة عظیمة وجلالة، روی عن والده

اورانہوں نے اپنے باپ یحییٰ بن یحییٰ اللیثی مصمودی اندلسی [۱] سے پڑھی تھی۔

الموطأ، وحمل عنه بشر كثير"

فقیہ قرطبہ ومسند اندلس ابومروان عبیداللہ نہایت معزز ومحترم اور بڑے جاہ وجلال کے عالم تھے، اپنے والد سے موطأ روایت کی، اور اس سے بہت سے لوگوں نے علم حاصل کیا۔

حافظ ذہبیؒ موصوف کے متعلق "تاریخ الإسلام" (۹۷۹/۶) میں رقمطراز ہیں:

"تنافس أهل الأندلس في الأخذ عنه، وكان جليلا نبيلا كبير الشان ...... قال ابن بشكوال: في غير "الصلة": كان متموّلاً سمحاً جواداً، كثير الصدقة والإحسان، كامل المروءة."

اہل اندلس نے موصوف سے علم حاصل کرنے میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کی، اور موصوف بڑی شان والے زبردست عالم تھے، ابن بشکوال نے اپنی کتاب "الصلة" کے علاوہ کسی اور کتاب میں موصوف کے متعلق بیان کیا ہے کہ مال دار، فراخ دل، اور سخی عالم تھے، زیادہ صدقہ اور بھلائی کرنے والے، اور بہت بامروت عالم تھے۔

وفات:

۱۰/رمضان ۲۹۸ھ میں دوشنبہ کو وفات پائی۔

حالات کیلئے ملاحظہ ہو: ۱۔ جذوة المقتبس: ۲۵۰، ۲۔ كتاب العبر: ۱۱۲/۲، ۳۔ شذرات الذهب: ۲/ ۲۳۱، ٤۔ تاريخ العلماء والرواة: ۱/ ۲۹۲، ٥۔ تاريخ الإسلام: ۹۷۹/٦.

(۱) **الشیخ یحییٰ اللیثی الاندلسی**

نام ونسب:

یحییٰ نام، ابومحمد کنیت ہے اور سلسلۂ نسب یہ ہے: "یحییٰ بن یحییٰ بن کثیر بن وسلاس اللیثی الاندلسی"

موصوف اصلاً بربری اور قبیلۂ مصمودہ سے تعلق رکھتے تھے جو طنجہ میں آباد تھا، اسی لئے موصوف ان دونوں نسبتوں سے مشہور ہیں۔

سماعِ موطأ:

یحییٰ اپنے زمانے میں اندلس کے واحد عالم اور فقیہ تھے، قرطبہ میں تعلیم پائی تھی، اٹھارہ برس کی عمر میں مدینہ آکر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۷۹ھ میں کتاب الاعتکاف کے سوا پوری موطأ کا سماع کیا، امام لیث اور ابن وہب سے بھی حدیثیں سنی تھیں، نیز مکہ معظمہ اور مصر کے علماء اور محدثین سے بھی استفادہ کیا تھا، پھر وہ اندلس چلے گئے، اور درسِ حدیث اور امام مالکؒ کے مذہب کی نشر واشاعت میں ہمہ تن مصروف ہوگئے۔

....

....

عہدۂ قضاء:

سلطانِ وقت کی نظروں میں اِن کا بڑا وقار تھا، کئی مرتبہ عہدۂ قضا پیش کیا گیا، مگر انہوں نے اسے قبول نہیں کیا، اس وجہ سے ان کا وقار اور بھی بلند ہوگیا، چنانچہ اندلس اور اطرافِ اندلس میں حکومت کی طرف سے جب کسی قاضی کا تقرر کیا جاتا وہ ان ہی کے مشورہ اور انتخاب سے عمل میں آتا تھا، موصوف قضا کے عہدے پر ان ہی علماء کا انتخاب کرتے تھے جو امام مالکؒ کے مذہب کے پیرو ہوتے تھے، اِس لئے لوگوں کی نظر میں ان کی شخصیت بڑی اہم تھی، اور یہ اپنی دانشمندی اور ہوشمندی میں بہت مشہور تھے، خود امام مالکؒ بھی ان کو اہلِ اندلس میں سب سے زیادہ ہوشمند اور دانا سمجھتے تھے، موصوف اخلاق وعادات اور نشست وبرخاست میں امام مالکؒ کے مشابہ تھے، انہوں نے مشرق کا ۱۰ مرتبہ سفر کیا تھا، جس کی وجہ سے اہلِ مشرق کو ان سے موطاً کے سننے کا بڑا موقعہ ملا۔

علمی مقام اور مالکی مذہب کی نشر واشاعت:

حافظ ذہبیؒ "كتاب العبر في خبر من غبر" (۴۱۹/۱، طبع کویت ۱۹۶۰ء) میں رقمطراز ہیں:

"شيخ الأندلس يحيى بن يحيى بن كثير الفقيه، له اثنتان وثمانون سنة، روى الموطأ عن مالك بفوت من الاعتكاف، وانتهت إليه رياسة الفتوى ببلده، وخرّج له عدة أصحاب، وبه انتشر مذهب مالك بناحيته، وكان إماماً كثير العلم، كبير القدر، وافر الحرمة، كامل العقل، كثير العبادة والفضل."

شیخ اندلس یحییٰ بن یحییٰ بن کثیر فقیہؒ نے بیاسی سال کی عمر پائی، باب الاعتکاف کے سوا پوری موطاً کے امام مالکؒ سے راوی تھے، ان کے شہر میں فتوے کی سیادت ان پر ختم تھی، متعدد شاگردوں نے ان سے تخریج کی، ان کی بدولت ان اطراف میں مالکی مذہب پھیلا، موصوف زبردست عالم اور امام تھے، بڑے معظم اور محترم، کامل العقل، بڑے عابد اور صاحبِ فضیلت تھے۔

حافظ ذہبیؒ "تاريخ الإسلام" (۹۷۲/۵) میں رقمطراز ہیں:

"وكان أحمد بن خالد بن الجبّاب يقول: لم يعط أحد من أهل العلم بالأندلس من الحظرة، وعظم القدر، وجلالة الذكر ما أعطيه يحيى بن يحيى ...... وقال ابن عبد البر أيضا: كان يحيى بن يحيى إمام أهل بلده، والمقتدى به منهم، والمنظور إليه، والمعوّل، وكان ثقة عاقلاً حسن الهَدي والسَّمت، يشبه في سمته بسمت مالك، ولم يكن له بصر بالحديث."

احمد بن خالد بن جباب فرماتے تھے کہ اندلس میں کسی بھی اہل علم کو وہ مرتبہ اور قدر ومنزلت نہیں ملی جو یحییٰ بن یحییٰ کو مرتبہ ملا...... اور ایسا ہی ابن عبد البر نے فرمایا کہ یحییٰ بن یحییٰ اپنے شہر کے امام، پیشوا، مہربان اور معتمد شخصیت تھیں،

جو حضرت امام مالکؒ (۱) رحمۃ اللہ علیہ کے نہایت ممتاز شاگردوں میں سے تھے، ان ہی کی بدولت سرزمین مغرب میں مالکی مذہب کو حُسنِ قبول حاصل ہوا ہے، یحییٰ بن یحییٰ نے یہ کتاب امام مالکؒ سے پڑھی تھی، اور وہ صاحب نسخہ ہیں، مصمودہ سرزمین مغرب میں بربر کے ایک قبیلہ کا نام ہے، اور اس سند کے علاوہ اس کتاب کی دوسری اسناد بھی ہیں جو کتاب "الإرشاد إلى مهمات الإسناد" میں مذکور ہیں، لیکن یہ سند قرأت اور سماع کے اعتبار سے مسلسل ہے، اس کے برعکس دوسری سندوں میں اکثر جگہ محض اجازت پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

اور موصوف ثقہ، عاقل، اچھی عادت اور خوش اخلاقی سے آراستہ تھے، ان باتوں میں انہیں امام مالک سے تشبیہ دی جاتی تھی، لیکن ان کو حدیث میں بصیرت حاصل نہ تھی۔

وفات:

رجب ۲۳۴ھ میں انتقال ہوا۔

حالات کیلئے ملاحظہ ہو: ۱۔ تاریخ ابن الفرضي: ۲/ ۱۷٦، ۲۔ الانتقاء في فضائل الثلاثة الأئمة الفقهاء از ابن عبد البر: ۵۸، ۳۔ جذوة المقتبس: ۳۵۹، ٤۔ المغرب في حلى المغرب، ٥۔ الديباج المذهب: ۳۵۰، ٦۔ وفيات الأعيان: ۲/ ۲۱٦، ۷۔ تهذيب التهذيب: ۱۱/ ۳۰۰، ۸۔ نفح الطيب: ۱/ ۳۳۲.

(۱) **الامام مالک المدنی**

نام ونسب:

ابوعبداللہ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمرو الحارث الاصبحی۔

ولادت، صورت وسیرت، فضل وکمال:

علامہ ذہبیؒ "تاريخ الإسلام" (۴/ ۷۱۹-۷۲۳) میں رقمطراز ہیں:

"هو الإمام العلم، شيخ الإسلام أبو عبدالله مالك بن أنس...... مولده سنة ثلاث وتسعين، سمعه منه يحيى بن بكير، وهي السنة التي مات فيها أنس بن مالك الأنصاري خادم النبي ﷺ...... وقال غير واحد: كان مالك رجلاً طوالاً جسيماً، عظيم الهامة، أبيض الرأس واللحية، أشقر، أصلع، عظيم اللحية عريضها، وكان لا يحفي شاربه، ويراه مثلة، وقيل: كان أزرق العينين...... وقال ابن سعد في الطبقات: كان مالك -رحمه الله- ثقة، ثبتا، حجه، فقيها، عالما، ورعاء وقال ابن مهدي: مالك أفقه من الحكم وحماد، وقال الشافعي: لولا مالك وابن عيينة لذهب علم الحجاز...... وقال يحيى القطان: كان مالك إماماً في الحديث...... وعن عبد الرحمن بن مهدي قال: مارأيت أهيب من مالك، ولا أتم عقلا، ولا أشد تقوى."

صحیح البخاري: یہ حضرت شیخ ابو طاہر نے اپنے والد شیخ ابراہیم کردی سے پڑھی ہے، اور انہوں نے شیخ احمد قشاشی سے، اور انہوں نے شیخ ابو المواہب احمد بن علی بن عبد القدوس الشناوی سے، اور انہوں نے شیخ شمس الدین محمد بن احمد بن محمد رملی سے، اور انہوں نے شیخ الاسلام ابو یحیٰی زکریا بن محمد انصاری سے، اور انہوں نے شیخ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر کنانی عسقلانی (۱) سے جو "فتح الباري شرح صحيح البخاري" کے مصنف ہیں۔

امام، شیخ الاسلام ابوعبداللہ مالک بن انس کی ولادت ۹۳ھ میں ہوئی، یہ بات یحیٰی بن بکیر نے امام مالکؒ سے سنی ہے، یہ وہ سال ہے جس میں خادمِ نبی ﷺ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا، اور متعدد اہل علم نے کہا ہے کہ مالک دراز قد، بڑا سر تھا، ڈاڑھی سفید اور گھنی لمبی تھی، سر پر بال نہ تھے، اور وہ مونچھوں کے بال کو بالکل صاف نہیں کرتے تھے بلکہ اس کو مثلہ سمجھتے تھے اور بعضوں نے کہا ہے کہ ان کی آنکھیں نیلی تھیں، ابن سعد نے "الطبقات الكبرى" میں فرمایا: کہ امام مالکؒ ثقہ، ثبت، حجت، فقیہ، عالم اور پرہیز گار و متقی تھے، اور ابن مہدی کا بیان ہے کہ مالک حکم اور حماد سے زیادہ فقیہ تھے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر مالک اور ابن عیینہ نہ ہوتے حجاز کا علم ختم ہو جاتا، یحیٰی القطان کہتے ہیں کہ مالک حدیث میں امامت کا درجہ رکھتے ہیں، عبد الرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے زیادہ ہیبت، کامل عقل اور کامل تقویٰ والا کسی کو نہیں دیکھا۔

حالات کیلئے ملاحظہ ہو: ۱۔ الفهرست لابن النديم: ۱۹۸، ۲۔ حلية الأولياء: ۳۱۶/۶-۳۵۵، ۳۔ الانتقاء في فضائل الثلاثة الأئمة الفقهاء از ابن عبد البر ص: ۸-۶۳، ۴۔ وفيات الأعيان: ۵۵۵/۱-۵۵۷، ۵۔ تهذيب الأسماء واللغات: ۷۵/۲-۷۹، ۶۔ طبقات الفقهاء للشيرازي: ۴۲-۴۳، ۷۔ تذكرة الحفاظ: ۱۹۳/۱-۱۹۸، ۸۔ البداية والنهاية: ۱۷۴/۱۰-۱۷۵، ۹۔ تهذيب التهذيب: ۵/۱۰-۹، ۱۰۔ النجوم الزاهرة: ۹۶/۲-۹۷، ۱۱۔ الديباج المذهب از ابن فرحون مالکی: ۱۱-۲۹، ۱۲۔ تزيين الممالك بمناقب سيدنا الإمام مالك از سیوطی، ۱۳۔ الحطة في ذكر الصحاح الستة، ۱۴۔ التاج المكلل طبع بمبئی: ۹۸-۱۰۰، ۱۵۔ أبجد العلوم: ۸۰۷-۸۰۸، ۱۶۔ إمام مالك از سید نا سلیمان ندوی، ۱۷۔ مقدمہ أوجز المسالك على موطأ مالك، از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری، ۱۸۔ الإمام مالك: از ابو زہرہ، ۱۹۔ بستان المحدثين: ۲، ۲۰۔ إتحاف النبلاء: ۳۳۸-۳۴۳.

(۱) الحافظ ابن حجر العسقلانی

نام ونسب:

احمد نام، ابوالفضل کنیت، شہاب الدین لقب اور ابن حجر عرف ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: "احمد بن علی بن محمد بن علی بن احمد العسقلانی المصری ثم القاہری الشافعی۔"

....

مختصر حالات زندگی:

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "رفع الإصر عن قضاة مصر" (۸۸/۱، طبع قاہرہ ۱۹۵۷ھ) میں اپنا تذکرہ خود لکھا ہے، ہم پہلے اسی کا ترجمہ پیش کرتے ہیں پھر اور علماء کا بیان نقل کریں گے۔

وہ شعبان ۷۷۳ھ میں پیدا ہوئے، ابھی چار برس کے تھے کہ رجب ۷۷۷ھ میں باپ کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا، ماں تو پہلے ہی انتقال کر گئی تھیں، یتیمی کی حالت میں تربیت پائی، پانچ برس کی عمر سے تعلیم کا آغاز ہوا، نو برس کی عمر میں پورا قرآن مجید حفظ کیا، بارہ برس کی عمر یعنی ۷۸۵ھ سے تراویح میں قرآن سنانا شروع کیا، ان کے وصی و مربی زکی الدین ابوبکر خروبی نے جو مصر کے بڑے تاجر تھے، اس سال حج کا ارادہ کیا تو وہ ان کو بھی اپنے ساتھ لے گئے، ایک سال تک حرم میں رہے، یہیں موصوف نے مسند حجاز شیخ عفیف الدین عبداللہ نشاوری سے جو شیخ رضی الدین طبری کے آخری شاگرد تھے بخاری کا سماع کیا، اور ان سے دیگر مرویات کی اجازت لی، اِس کے بعد موصوف نے مختصراتِ علوم کو یاد کرنا شروع کیا، اور اپنے ایک اور وصی شیخ شمس الدین احمد بن قطان مصری کے درس میں حاضر ہونا شروع کیا، پھر تاریخ کا شوق ہوا، اور راویوں کے حالات سے شغف ہوگیا۔

۷۹۲ھ میں فنونِ ادب سے لگاؤ ہوا تو رسالت مآب ﷺ کی مدح میں قصیدے لکھے، رمضان ۷۹۶ھ سے حافظِ عصر شیخ زین الدین عراقی کی صحبت اختیار کی، اور دس برس تک ان سے استفادہ کیا، پھر حدیث سے ایسا شغف ہوا کہ تاحیات قائم رہا، اور اپنے استاد مسند قاہرہ شیخ ابواسحٰق تنوخی کی سند سے سو عشاریات جمع کیں، پھر اسکندریہ کا سفر کیا، اور شیوخِ اسکندریہ سے مرویات کی اجازت لی، پھر بلادِ اسلامیہ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، زبید، تعز اور عدن وغیرہ میں بھی حدیثوں کا سماع کیا، یمن میں امامِ لغت مجدالدین فیروز آبادی اور دیگر اربابِ کمال سے استفادہ کیا، اور قاہرہ آگئے، پھر شام کا سفر کیا، اور قطیہ، غزہ، رملہ، قدس اور دمشق وغیرہ میں شیوخِ عصر سے استفادہ کیا، دمشق میں سو (۱۰۰) دن رہے، لیکن ایک ہزار جزو کا سماع کیا، جن میں معجم اوسط طبرانی، معرفۃ الصحابہ ابن مندہ اور مسند ابی یعلی وغیرہ جیسی کتابیں شامل ہیں۔

واپس آکر اپنے شیوخ کی حیات میں "تغلیق التعلیق" کو مکمل کیا، اور شیخ سراج الدین بلقینی کی صحبت اختیار کی، تا آنکہ ان سے بھی اجازت حاصل کی، پھر حافظ زین الدین عراقی نے بھی اجازت دی، تصنیف و تالیف میں لگ گئے، ۸۰۸ھ میں شیخونیہ میں اربعین متباینہ کا املا کرایا، پھر سو مجلسوں میں عشاریات الصحابہ لکھا، پھر مدرسۂ جمالیہ جدیدہ میں حدیث کا درس دینا شروع کیا، اور املاء بھی کرایا، یہ سلسلہ ۸۱۴ھ میں منقطع ہوا، پھر موصوف تصنیف و تالیف میں لگ گئے، ۲۷ محرم ۸۲۷ھ میں عہدۂ قضا ان کے سپرد کیا گیا، ماہ صفر میں املاء کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ انتہیٰ

....

اساتذہ وشیوخ:

شیخ صدرالدین محمد بن سفطی سے قرآن مجید حفظ کیا، شہاب الدین احمد خیوطی سے تجوید پڑھی، ابو حامد محمد مکی سے عمدۃ الاحکام عبدالغنی مقدسی کا درس لیا، شمس الدین محمد بن علی قطان سے فقہ اور حساب پڑھا، اور شیخ ابو اسحٰق تنوخی سے جامع ترمذی، صحیح بخاری، سنن نسائی، موطأ بروایۃ یحییٰ بن یحییٰ، مسند دارمی اور صحیح ابن حبان کا سماع کیا، اس طرح ابن حجرؒ نے اِس فن کے اربابِ کمال سے اکتساب فیض کیا، حافظ سخاویؒ (المتوفی ۹۰۲ھ) ''الضوء اللامع'' (۱/ ۳۷) میں لکھتے ہیں:

''فالبلقيني في سعة الحفظ و كثرة الاطلاع، وابن الملقن في كثرة التصانيف، والعراقي في معرفة الحديث ومتعلقاته، والمجد الشيرازي في حفظ اللغة واضطلاعه بها، والغماري في معرفة العربية ومتعلقاتها، والإيناسي في حسن تعليمه وجودة تفهيمه، والعز بن جماعة في تفننه في علوم كثيرة، والتنوخي في معرفة القراء ات وعلو سنده فيها.''

چنانچہ علامہ بلقینی وسعتِ حفظ اور کثرت معلومات میں، اور ابن الملقن کثرتِ تصانیف میں، عراقی حدیث اور متعلقاتِ حدیث کی معرفت میں، مجد الدین شیرازی حفظِ لغت کے اتقان میں، غماری عربیت اور متعلقات صرف ونحو میں، ایناسی اچھی تعلیم دینے اور اچھی طرح سے سمجھانے میں، عزالدین بن جماعۃ بہت سے علوم میں فنی مہارت رکھنے میں، اور تنوخی قرأت کے علم میں اور علوِ سند میں اپنی نظیر آپ تھے۔

۷۹۶ھ سے تصنیف وتالیف کا آغاز ہوا۔

۸۱۱ھ میں مدرسۂ شیخونیہ میں، اور ۸۱۴ھ میں مدرسۂ جمالیہ، ۸۲۲ھ میں مدرسہ مویدیہ جدیدہ میں، ۸۴۶ھ میں مدرسۂ صلاحیہ میں درسِ حدیث کے لیے ان کو منتخب کیا گیا، اور موصوف نے حدیث کا درس دیا۔

۸۱۹ھ جامع ازہر میں عہدۂ خطابت پر بھی ان ہی کو مامور کیا گیا تھا۔

علمی مقام:

موصوف نے حدیث میں ایسا کمال بہم پہنچایا تھا کہ اِن کے شیوخ اور اساتذہ بھی ان کی حدیث دانی کے معترف تھے، حافظ عراقی فرماتے ہیں:

''إنه أعلم أصحابه بالحديث'' (ذيل طبقات الحفاظ: ۳۸۱) موصوف ان کے شاگردوں میں حدیث میں سب سے بڑے عالم تھے۔

ایک مرتبہ علامہ عراقی سے سؤال کیا گیا، آپ کے بعد آپ کا جانشین کون ہوگا؟ فرمایا: ''ابن حجر ثم ابني

أبو زرعة ثم الهيثمي" ابن حجر پھر میرا فرزند ابوزرعہ اور پھر ہیثمی"

حافظ تقی الدین ابن فہد موصوف کے متعلق لکھتے ہیں:

"إمام، علامة، حافظ، محقق، متين الديانة، حسن الأخلاق، لطيف المحاضرة، حسن التعبير، عديم النظير، لم تر العيون مثله، ولا رأى هو مثل نفسه." (لحظ الألحاظ:۳۳۶)

امام، علامہ، حافظ، محقق، بڑے متدین، بااخلاق، مجالس میں خوش گفتار، حسن ادا کے بادشاہ اور اپنی نظیر آپ ہی تھے، آنکھوں نے ان جیسا نہیں دیکھا، اور نہ انہوں نے اپنا مثل دیکھا۔

صاحب "المنهل الصافي" تحریر فرماتے ہیں:

"كان - رحمه الله - حافظ العصر، حافظ المشرق والمغرب، أمير المؤمنين في الحديث، انتهت إليه رياسة علم الحديث من أيام شبيبة بلا مدافعة." (المنهل الصافي :۱/۱۰۴)

مرحوم حافظِ عصر، حافظ مشرق ومغرب اور حدیث میں امیر المؤمنین تھے ایامِ جوانی ہی میں بالاتفاق علمِ حدیث کی سیادت ان پر ختم ہوگئی تھی۔

عبدالرؤف مناوی کتاب "اليواقيت والدرر" میں رقمطراز ہیں:

"شيخ الإسلام شهاب الدين أبو الفضل بن حجر، فريد زمانه، حامل لواء السنة في أوانه، ذهبي عصره ونضاره وجوهره ...... مرجع الناس في التضعيف والتصحيح، وأعظم الشهود والحكام في التعديل والتجريح، قضى له كل حاكم باتقانه في علم الحديث إلى أعلى الدرج."

(مقدمة اليواقت والدرر بحوالہ مقدمة رفع الإصر از حامد عبدالمجید:۳)

شیخ الاسلام شہاب الدین ابوالفضل بن حجر یگانۂ عصر اور اپنے زمانہ میں سنت کے علمبردار تھے، ذہبی عصر اور اس کے رونق اور خلاصہ تھے، تصحیح وتضعیف میں لوگوں کا مرجع اور تعدیل وجرح میں سب سے بڑے حاکم وشاہد تھے، ہر منصف نے ان کے حق میں اعلیٰ مدارج تک علم حدیث میں ترقی کر جانے کا فیصلہ کیا ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی نے ان کا تذکرہ حسب ذیل الفاظ سے شروع کیا ہے:

'شيخ الإسلام، وإمام الحفاظ في زمانه، وحافظ الديار المصرية، بل حافظ الدنيا مطلقاً، قاضي القضاة شهاب الدين أبو الفضل أحمد . . الخ

آخر میں لکھتے ہیں:

....

....

"وإن يكن فاتني حضور مجالسه، والفوز بسماع كلامه، والأخذ عنه فقد انتفعت في الفن بتصانيفه، واستفدت منها الكثير، وقد غلق بعده الباب، وختم به هذا الشان." (ذيل طبقات الحفاظ: ۳۸۰)

اگرچہ مجھ سے ان کی مجلس میں حاضری اوران کے کلام کی سماعت نہ ہوسکی، اور نہ میں ان سے استفادہ کرسکا، تاہم فن کے اندر میں نے ان کی تصانیف سے فائدہ اٹھایا، اوران کی تالیفات سے بہت کچھ استفادہ کیا ہے، ان کے بعد روایت حدیث کا دروازہ بند ہوگیا، اوراس شان کا ان پر خاتمہ ہوگیا۔

قاضی محمد بن علی شوکانی (المتوفی ۱۲۵۰ھ) "البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع" (۱/ ۸۷، طبع قاہرہ ۱۳۴۸ھ) میں موصوف کا ذکر ان الفاظ سے کیا ہے:

"الحافظ الكبير، الشهير الإمام، المنفرد بمعرفة الحديث وعلله في الأزمنة المتأخرة."

اور آگے لکھا ہے:

"أكثر جدا من المسموع والشيوخ، وسمع العالي والنازل، واجتمع له من ذلك ما لم يجتمع لغيره، وأدرك من الشيوخ جماعة كل واحد رأس في فنه الذي اشتهر."

موصوف نے بہت سے شیوخ سے بکثرت حدیثوں کا سماع کیا، اور عالی ونازل حدیثوں کو سنا، اوران کے پاس ان کا ایسا اجتماع ہوا کہ کسی اور کے پاس نہیں ہوا، انہوں نے شیوخ کی ایک جماعت کو پایا، اس جماعت کا ہر فرد جس فن میں اس کی شہرت تھی ماہر تھا۔

فقہِ حدیث میں بضاعت:

اسماءِ رجال اور حفظ حدیث میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کو نہایت بلند مقام حاصل ہے، لیکن فقہِ حدیث اور توجیہِ حدیث میں ان کا کوئی خاص مقام نہیں، یہی وجہ ہے کہ فتح الباری جس کو شیخ موصوف نے پچیس برس کی طویل مدت میں پایۂ تکمیل کو پہنچایا، اس میں فقہِ حدیث پر اپنی طرف سے ایسا کوئی کلام نہیں کیا، جیسا کہ خطابی اور نووی کے یہاں جگہ جگہ پایا جاتا ہے، انہی وجوہ سے حافظ سید انور شاہ کشمیریؒ نے فرمایا ہے:

"إن ابن حجر ناقل محض، قد طالع كتب الأحاديث لاسيما شروح البخاري عشرين سنة، ثم لخص من تلك الشروح شرحاً مفصلاً، قال السخاوي الذي كان عند حضرة درسه: إنا كنا نبيض المسودة التي كان يعطيني في الأسبوع، وهكذا ولذا يعد في بعض المقامات إنا سنفصله بعد، ولكن لايوفي وعده، وما الوجه إلا أنه كان ناقلاً، وأما تصانيفه غير ذلك فليس بجيد كالتلخيص الحبير." (امالی کتاب صحیح مسلم پشت ورق: ۱۳)

ابن حجرؒ ناقل محض ہیں، انہوں نے حدیث کی بہت سی کتابوں کا مطالعہ کیا، خاص طور پر بخاری کی شرحوں کو بیس (۲۰) برس تک بنظرِ غائر دیکھا، پھران شروح سے خلاصہ کرکے ایک مفصل شرح لکھی، علامہ سخاویؒ کا بیان ہے کہ ہم ان کے درس میں حاضر رہتے اوراس مسودہ کو صاف کرتے تھے، جو وہ ہفتہ میں ہم کو دیتے تھے، اور ایسا ہی دستور رہا، وہ بعض مقامات پر وعدہ کرتے ہیں، ہم بعد میں اس کی تفصیل کریں گے، لیکن وہ وعدہ پورا نہیں کرتے، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ناقلِ محض تھے، اس کے علاوہ اور بھی تصانیف ہیں، وہ ایسی اچھی نہیں جیسی کہ تلخیص الحبیر ہے۔

واضح رہے یہ عربی مولانا مناظر احسن گیلانی کی ہے، شیخ کی تقریر کو انہوں نے عربی الفاظ کا جامہ پہنایا ہے، یہی وہ تقریر ہے جس کی گمشدگی کا انہیں اخیر عمر تک افسوس رہا، امالی کا یہ مجموعہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے پاس مستعار تھا جو اَب ان کے بھائی فضل احمد کے پاس ہے، اور مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے توسط سے ہمیں اس کے دیکھنے کا موقعہ ملا، ہم نے اس کا پورا مطالعہ کیا ہے۔

قبول عہدۂ قضاء پر ندامت:

علامہ ابن حجرؒ نے ۸۲۷ھ میں عہدۂ قضا قبول تو کیا، لیکن تمام عمر اس پر افسوس رہا، حافظ سخاوی "الجواهر والدرر" میں لکھتے ہیں:

"قد ندم شيخنا على قبوله وظيفة القضاء، لكون أرباب الدولة لايفرقون بين أولي الفضل وغيرهم ...... وسمعته: يقول إن من آفات التلبس بالقضاء أن بعضهم ارتحل إلى لقائي، وأنه بلغه في أثناء توجهه تلبسي بوظيفة القضاء فرجع." (الجواهر والدرر بحوالہ مقدمہ رفع الأصر، از حامد عبدالمجید: ص ق)

موصوف کو عہدۂ قضا قبول کرکے ندامت ہوئی، کیونکہ اربابِ اقتدار، فضلاء اور غیر فضلاء میں فرق نہیں کرتے، اور میں نے ان کو کہتے ہوئے سنا کہ قضاء کا ملنا بھی آفتوں میں سے ہے؛ کیونکہ بعض اربابِ دولت نے میری ملاقات کے لیے سفر کیا، اور انہیں دورانِ سفر یہ خبر پہنچی کہ میں منصب قضاء سے وابستہ ہوگیا تو وہ لَوٹ گئے۔

معاصرین کے ساتھ تعصب:

یہ حافظ ابن حجرؒ کی وہ غلطی ہے جس پر انہیں تمام عمر پچھتانا پڑا، لیکن ایک غلطی ان سے اور بھی ہوئی ہے، اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے تذکرہ نگاری میں معاصرین کے ساتھ انصاف نہیں کیا، اس کا شکوہ ان کے تلمیذِ خاص حافظ شمس الدین سخاویؒ نے "الضوء اللامع" میں جا بجا کیا ہے، اور ان کے دوسرے شاگرد برہان الدین بقاعی کو بھی ان کی اِس حرکت کا قلق ہے کہ انہوں نے علماء کے ساتھ تذکرہ نگاری میں انصاف سے کام نہیں لیا، چنانچہ علامہ بقاعی اپنی مشہور تالیف

....

"عنوان الزمان بتراجم الشيوخ والأعيان" میں لکھتے ہیں:

''إن فيه من سئ الخصال أنه لايعامل أحدا بمايستحقه من الإكرام في نفس الأمر ''ان میں ایک بری عادت یہ ہے کہ وہ کسی کے ساتھ اس اکرام کا معاملہ نہیں کرتے جس کا وہ حقیقت میں مستحق ہوتا ہے۔

اس وجہ سے حاجی خلیفہ جیسے منصف مزاج مورخ کو یہ لکھنا پڑا:

''كان قلم ابن حجر سيئاً في مثالب الناس، ولسانه حسناً، وليته عكس ليبقى الحسن .''

(كشف الظنون:۱/۶۱۸)

ابن حجرؒ کا قلم لوگوں کے معائب بیان کرنے میں خراب تھا، اور زبان اچھی تھی، کاش معاملہ الٹا ہوتا کہ اچھی چیز باقی رہتی۔

ان دو چار باتوں کے سوا ان کی ذات جامع کمالات تھی، ان کی علمی خدمات سے عالم کو فیض پہنچا ہے۔

ابن تغری بردی نے موصوف کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے:

''قاضي القضاة ، حافظ عصره ...... ولم يخلف بعده مثله''

(الدليل الشافي على المنهل الصافي:۱/۶۴)

قاضی القضاۃ، حافظ العصر، اپنے بعد کسی کو خلیفہ نہیں چھوڑا۔

وفات:

ذی قعدہ ۸۵۲ھ میں پیچش کی شکایت ہوئی، اور یہ شکایت ایک مہینہ تک رہی، اور آخر شب شنبہ ۲۸ ذی الحجہ کو روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی۔

حالات کے لئے ملاحظہ ہو: ۱۔ رفع الإصر عن قضاة مصر از ابن حجر عسقلانی : ۱/ ۸۵ – ۸۸، ۲۔ الضوء اللامع:۲/۳۶ – ۴۰، ۳۔ نظم العقيان:۴۵ – ۳۵، ۴۔ حسن المحاضرة:۱/۲۰۶ – ۲۰۸، ۵۔ ذيل طبقات الحفاظ از سیوطی : ۳۸۰ – ۳۸۲، ۶۔ شذرات الذهب:۷/۲۷۰ – ۳۷۳، ۷۔ البدر الطالع:۱/۸۷ – ۹۲، ۸۔ فهرس الفهارس:۱/۲۳۶ – ۲۵۰، ۹۔ هدية العارفين:۱/۱۵۴، ۱۰۔ بستان المحدثين:۱۲۶ – ۱۲۹، ۱۱۔ إتحاف النبلاء:۱۹۳ – ۱۹۷، ۱۲۔ ابن حجر عسقلانیؒ، از مولانا محمد عبد الرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ (مقدمہ بلوغ المرام مترجم)، ۱۳۔ بلوغ المرام عربي (مقدمه)، ۱۴۔ لحظ الألحاظ:۳۲۲-۳۴۲، ۱۵۔ التاج المكلل:۳۶۲ – ۳۶۳، ۱۶۔ أبجد العلوم ص:۷۸۶ – ۷۸۷ .

انہوں نے زین الدین ابراہیم بن احمد تنوخی (۱) سے،.........................

(۱) **الشیخ زین الدین ابراہیم البعلی الشامی**

نام ونسب:

ابراہیم نام، ابوالاسحٰق کنیت، زین الدین اور بُرہان الدین لقب ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''ابراہیم بن احمد ابن عبدالواحد بن عبدالمؤمن بن سعید بن علوان بن کامل التنوخی البعلی ثم الشامی۔''

ولادت وتحصیل علم:

۷۰۹ھ میں پیدا ہوئے، اور دمشق میں تعلیم وتربیت پائی، قراءۃ کی تکمیل بُرہان الدین جعبری، الرضی، المرادی، ابوحیان الاندلسی، الوادی آشی اور ابن السراج سے کی، فقیہ بارزی سے حماۃ میں، ابن النقیب سے حلب اور فقیہ ابن القماح سے مصر میں فقہ پڑھی، محدث تقی الدین سلیمان، اسماعیل بن یوسف، عیسیٰ بن مطعم، ابوبکر بن احمد بن عبدالدائم محدث حجار، ایوب بن نعمۃ الکحال، حافظ برزالی اور حامظ مزی سے حدیثوں کا سماع کیا، جن شیوخِ حدیث سے موصوف کو روایتِ حدیث کی اجازت حاصل ہے، ان کی تعداد چار سو سے متجاوز ہے، اس طرح بہت سے مشائخِ وقت سے تدریس، افتاء، قراءات کی تعلیم کی موصوف کو اجازت ملی ہے، انہوں نے حدیث میں ایسا کمال بہم پہنچایا تھا کہ ان کے شیوخ بھی ان سے روایت کرتے تھے، چنانچہ انہی میں سے حافظ ذہبی بھی ہیں۔

اکابر کی ان سے روایت:

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (المتوفی ۸۵۲ھ) '' الدرر الكامنة''(۱/۱۱) میں رقمطراز ہیں:

''وأخبرني من لفظه أن الذهبي شيخه سمع عليه جزءا، فكنت أتعجب من ذلك إلى أن وقفت على الأصل في كتب القاضي بُرهان الدين ابن جماعة، وهو تلخيص الأربعين المتباينة للقاضي عز الدين بن جماعة، قرأها البرهان على شيخنا البرهان، فسمعها الذهبي وغيره بسماع شيخنا من العز، ثم وجدت في سير أعلام النبلاء للذهبي في ترجمة أبي العباس العشاب المرادي، قال الذهبي: أخبرني ابن علوان عنه فذكر شيئا، وابن علوان هذا هو بُرهان الدين، وتفرد شيخنا بكثير من مسموعاته، وصار شيخ الديار المصرية في القراء ات والإسناد.''

اور موصوف نے یہ واقعہ مجھ سے ان الفاظ میں بیان کیا تھا کہ علامہ ذہبیؒ جوان کے شیخ تھے انہوں نے بھی ان سے ایک جزو کا سماع کیا تھا، مجھے اس پر تعجب تھا تا آنکہ قاضی بُرہان الدین ابن جماعہ کی کتابوں میں اس اصل پر مطلع ہوا، اور وہ ''تلخيص الأربعين المتباينة '' ہے، یہ قاضی عزالدین بن جماعہ کی تالیف تھی، جس کو بُرہان الدین بن جماعہ نے ہمارے شیخ بُرہان الدین سے پڑھا تھا، اور اس کا سماع ذہبی وغیرہ نے بھی ہمارے شیخ عزالدین سے سماع کے ذریعہ سے

....

کیا تھا، پھر میں نے ذہبی کی سیر اعلام النبلاء میں ابوالعباس العشاب المرادی کے ترجمہ میں دیکھا کہ ذہبی نے تصریح کی ہے کہ مجھے ابن علوان نے ان سے روایت کرتے ہوئے بعض حدیثیں سنائیں، جن میں سے کچھ انہوں نے سیر اعلام النبلاء میں ذکر کی ہیں، اور ابن علوان یہی بُرہان الدین ہیں، ہمارے شیخ ان کی بہت سی مسموعات میں متفرد تھے، اور دیارِ مصر میں قراءات اور اسناد میں مسلم استاد تھے۔

حافظ سید عبدالحی کتانی "فهرس الفهارس" (۲۲۱/۱) میں "أنباء الغمر" کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

"وقال البرزولي في إجازته للحفيد بن مرزوق: ناولني فهرسته، وأخبرني أنه قرأ على نيف وخمس مأة شيخ، وأجازني بكل مايرويه عامة."

برزولی نے حفید بن مرزوق کی اجازت میں بیان کیا ہے کہ انہوں نے مجھے اپنی فہرست شیوخ عنایت فرمائی، اور مجھے بتایا کہ انہوں نے پانچ سو سے اوپر شیوخ سے سماع کیا، اور ہر ایک شیخ نے انہیں ہر اس روایت کی جسے وہ روایت کرتا ہے، عام اجازت دی ہے۔

اخیر عمر میں عوارض اور وفات:

اخیر عمر میں بعض عوارض کی وجہ سے زبان موٹی ہوگئی تھی، پھر بینائی بھی جاتی رہی تھی جس کی وجہ سے موصوف "**بُرہان الشامی الضریر**" کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے، اور حدیث بھی کم سناتے تھے، حافظ ابن حجر عسقلانی کا بیان ہے:

"مجھے ایک زمانہ تک موصوف کی صحبت میں رہنے کی سعادت حاصل رہی ہے اور میں نے ان سے خوب استفادہ کیا ہے، حدیث کی چھوٹی بڑی بہت کتابوں کا سماع مجھے ان سے حاصل ہے انہوں نے میرے حق میں دعا بھی کی تھی جس کے آثار اب محسوس کرتا ہوں، جب میں مکہ معظمہ میں تھا، اس زمانے میں ۸/ جمادی الاولیٰ ۸۰۰ھ میں ان کا انتقال ہوا تھا، میں نے معجم شیوخ میں ان کی سند سے شیخ تقی الدین سلیمان سے کوئی روایت نقل نہیں کی، کیونکہ مجھے اس کا علم ان کی وفات کے بعد ہوا تھا۔"

سید عبدالحی کتانی نے "فهرس الفهارس" میں تصریح کی ہے کہ ان کے شاگردوں میں سب سے آخر میں جس کا انتقال ہوا، وہ محدث ابوالعباس بن ظریف الشاوی (المتوفی ۸۸۴ھ) ہیں، جن کے متعلق سیوطی نے شعر کہے ہیں۔

واضح رہے تنوخ تائے فوقانیہ کے فتح اور نون خفیفہ کے پیش کے ساتھ ہے، موصوف کی تالیفات میں سے "کتاب الاربعین" ہے۔

حالات کے لئے ملاحظہ ہو: ۱۔ الدرر الكامنة: ۱۱/۱، ۲۔ فهرس الفهارس: ۱۵۷/۱.

اورانہوں نے ابوالعباس احمد بن ابی طالب الحجار (۱) یعنی حجر فروش سے، ....

---

(۱) **الشیخ شہاب الدین الحجار**

نام ونسب:

احمد نام، ابوالعباس کنیت، شہاب الدین لقب، ابن الشحنہ اور الحجار عرف ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''احمد بن ابی طالب بن نعمۃ بن حسن الدیر مقرنی (دیرقرتی) ثم الصالحی''

ولادت وسماعِ حدیث:

۶۲۴ھ سے قبل پیدا ہوئے، ۶۳۰ھ میں دمشق کے اندر قاسیون میں محدث زبیدی سے صحیح بخاری کا سماع کیا، اوراس عہد کے نامور محدث ابن اللتی، قطیعی، ابن روزبہ اور جعفر بن علی سے حدیثیں سنیں، پھر حدیث کا درس دینا شروع کیا، عمر نہایت طویل پائی تھی، جس کی وجہ سے موصوف نے سند میں پوتوں کو دادوں سے ملایا تھا، ۷۰۶ھ میں محدث ابن اللتی کے اجزاء میں جیسے ''جزوابن مخلد'' اور ''مسند عمر'' میں ان کا بھی نام ملا تو محدثین پر یہ حقیقت کھلی کہ ان کو شیخ ابن اللتی سے بھی سماع حاصل تھا، پھر ابن الزبیدی سے بخاری کے سامعین میں ان کا نام ملا اس سے محدثین کو غیر معمولی خوشی ہوئی۔

عادات واخلاق، روایت صحیح بخاری:

بلادِ اسلامیہ، دمشق، قاہرہ، حماۃ، بعلبک، حمص وغیرہ میں کم وبیش ساٹھ ستر مرتبہ بخاری پڑھائی، اور زندگی میں بڑا اعزاز واکرام حاصل ہوا، حافظ ذہبیؒ کا بیان ہے:

''كان دموي اللون، صحيح الكرب، أشقر، طويلا، أبطاء عنه الشيب، وكانت له همة، وفيه عقل وفهم، يصغي جيدا، وما رأيته نعس فيما أعلم، وثقل سمعه قليلاً في الآخر ...... وكان ربما أسمع في بعض الأيام أكثر النهار، وحصل له المال، وقدر بالقلعة المعلوم، وكان فيه دين وملازمة للصلاة ويصوم تطوعاً، وقد صام وهو ابن مأة سنة رمضان، وأتبعه بست من شوال، وكان حينئذ يغتسل بالماء البارد.''

(الدرر الكامنة: ۱/۱۴۲)

آپ کا رنگ سرخی مائل تھا، گھٹنے قوی تھے، قد لمبا تھا، بڑھاپا بھی دیر سے ظاہر ہوا تھا، باہمت، صاحبِ فہم وفراست تھے، اور توجہ سے سنتے تھے، میرے علم میں نہیں کہ میں نے ان کو اونگھتا ہوا دیکھا ہو، اخیر عمر میں کچھ اونچا سننے لگے تھے..... بعض دن تو دن کا اکثر حصہ سنانے میں گذرتا تھا، ان کو مال ودولت اور قلعہ مذکورہ میں قدر ومنزلت بھی حاصل ہوئی، موصوف میں بڑی دینداری تھی، نماز باجماعت کی پابندی کرتے تھے، نفلی روزے بھی رکھتے تھے، حالانکہ بوڑھے ہو چکے تھے، سو (۱۰۰) برس کے تھے، مگر رمضان کے روزوں کے بعد شوال کے بھی چھ روزے رکھتے تھے، اور ٹھنڈے پانی سے غسل کرتے تھے۔

....

....

مورخ ابن کثیر "البداية والنهاية" (۱۵۰/۱۴) میں لکھتے ہیں:

''سمعنا عليه بدار الحديث الأشرفية في أيام الشتويات نحوا من خمس مأة جزء بالإجازات والسماع، وسماعه من ابن الزبيدي وابن اللتي، وله إجازة من بغداد فيها مأة وثمانية وثلاثون شيخاً من العوالي المسندين ...... وقد سمع عليه السلطان الملك الناصر، وخلع عليه، وألبسه الخلعة بيده، وسمع عليه من أهل الديار المصرية والشامية أمم لايحصون كثرة، وانتفع الناس بذلك، وكان شيخاً حسناً بهي المنظر، سليم الصدر، ممتعابحواسه وقواه، فإنه عاش مأة سنة محققاً، وزاد عليها لأنه سمع البخاري من الزبيدي في سنة ثلاثين وست مأة، وأسمعه هو في سنة ثلاثين وسبع مأة في تاسع صفر بجامع دمشق، وسمعنا عليه يومئذ ولله الحمد.''

ہم نے ان سے دارالحدیث اشرفیہ میں سردی کے موسم میں تقریباً پانچ سو جزؤں کا سماع کیا اور اجازت لی، اور ان کا ابن الزبیدی اور ابن اللتی سے سماع ثابت ہے، شیوخِ بغداد میں سے ایسے ایک سو اڑتیس شیوخ سے روایت حدیث کی اجازت حاصل ہے جو نہایت عالی اسناد اور سند سے آراستہ تھے...... سلطان ملک ناصر نے بھی ان سے سماع کیا، اور انہیں خلعت سے سرفراز فرمایا، اور اپنے ہاتھ سے خلعت پہنایا تھا، موصوف نے دیارِ مصر و شام کے اتنے شیوخ سے سماع کیا ہے جن کا شمار نہیں کیا جاسکتا، موصوف خوبصورت اور خوب نظر، سلیم الصدر اور اپنے حواس اور قویٰ سے مستفید تھے، سو (۱۰۰) برس سے اوپر نہایت اچھی طرح سے گزارے، کیونکہ انہوں نے ابن الزبیدی سے صحیح بخاری کا سماع ۶۳۰ھ میں کیا تھا، اور ۹ رصفر ۷۳۰ھ میں انہوں نے جامعِ دمشق میں سماع کرایا، اور ہم نے اس زمانے میں ان سے سماع کیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (المتوفی ۸۵۲ھ) ''الدرر الكامنة'' (۱۴۲/۱) میں رقمطراز ہیں:

''انتهت عليه الحفاظ، ورحل إليه من البلاد، وتزاحموا عليه ۷۱۷ھ إلى أن مات، ولما مات نزل الناس بموته درجة.''

حفاظِ حدیث ان پر ٹوٹ پڑتے تھے، اور شہر شہر سے ان کی طرف سفر کر کے پہنچتے تھے، ۷۱۷ھ سے وفات تک ٹھٹ لگا رہا، اور جب ان کا انتقال ہوگیا تو لوگ سند میں ایک درجہ کمتر ہو گئے۔

مورخین کو ان کے ابن الزبیدی سے سماع پر یقین نہیں آیا، اور انہوں نے ابن الزبیدی سے سماع کے متعلق ان کے بھائی کا نام لیا ہے، علامہ ذہبیؒ اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ولا أرتاب في سماع من ابن الزبيدي؛ فانه لم يكن له أخ باسمه قط، شرع محب الدين ابن

....

المحب في قرأة الصحيح قبل موته بيوم، ثم قرأ عليه الميعاد الثاني يوم وفاته إلى الظهر، فمات قرب العصر في الخامس والعشرين من صفر ٧٣٠هـ . '' (الدرر الكامنة: ١/١٤٣)

مجھے ان کے ابن الزبیدی سے سماع میں شک نہیں ہے؛ کیونکہ ان کا بھائی اس نام کا ہرگز نہیں ہے، شیخ محب الدین ابن المحب نے ان سے ان کی وفات سے ایک دن پہلے سے صحیح بخاری پڑھنا شروع کی، اور پھر دوسرے دن جوان کی وفات کا دن تھا ظہر تک پڑھی، اور ۲۵/صفر ۷۳۰ھ میں عصر کے قریب ان کا انتقال ہوا تھا۔

حافظ شمس الدین سخاویؒ (المتوفی ۹۰۲ھ) ''فتح المغيث بشرح ألفية الحديث '' (ص: ۳۱۰، طبع انوار محمدی لکھنؤ) میں تحریر فرماتے ہیں:

''جاوز المأة بيقين ...... وكان عامياً لايضبط شيئاً، ولايتعقل كثير، ومع هذا تداعي الأئمة والحفاظ فضلاً عمن دونهم إلى السماع منه لأجل تفرده بحيث سمع منه نحو مأة ألف أو يزيدون. ''

موصوف سو سے یقیناً متجاوز ہو چکے تھے، اور عامی تھے کچھ ضبط نہیں کیا تھا، اور نہ فہم وفراست سے زیادہ کام لیا تھا، اور اس کے باوجود ائمہ اور حفاظ ان سے سماع پر ٹوٹ پڑتے تھے، اوروں کا تو کیا ذکر، کیونکہ موصوف ابن الزبیدی سے سماع میں منفرد تھے، ان سے ایک لاکھ سے زیادہ لوگوں نے سماع کیا ہے۔

''قلت: وقد أفرد الذهبي كراسة أورد فيها على السنين من جاز المأة، وكذا جمع شيخنا كتاباً في ذلك على الحروف، ولكن ما وقفت عليه بل وما أظنه بيض. '' (فتح المغيث شرح ألفية الحديث: ۳۱۰)

میں کہتا ہوں ذہبی نے ایک مستقل کراسہ لکھا ہے جس میں ایسے لوگوں کا تذکرہ کیا ہے جو سو سے تجاوز کر گئے تھے، اور اس طرح ہمارے شیخ نے اس موضوع پر کتاب جمع کی اس کی ترتیب حروف پر تھی، لیکن وہ مجھے نہیں ملی بلکہ میں نہیں سمجھتا کہ انہوں نے اس کو صاف بھی کیا ہو۔

حافظ عبدالحی کتانی نے "فهرس الفهارس" (۱/۳۴۱) میں ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے: "هو مسند الدنيا في وقته ورحلتها" پھر فرماتے ہیں:

''قلت: ممن سمع من الحجار في سنة ثلاثين من المغاربة أبو الحسن علي بن أبي بكر بن سبع بن مزاحم المكناسي المتوفى بفاس، حسب سماعه له على ابن الزبيدي سنة ثلاثين، قال أبوعبدالله المقري في رحلته: وهذا مما لم يعرف له نظير في الإسلام، وقد قال عبد الغني الحافظ: لايعرف في الإسلام من وازى عبد الله بن محمد البغوي في قدم السماع، فإنه توفي ٣١٧هـ، قال ابن خلاد سمعناه

اورانہوں نے شیخ سراج الدین حسین بن مبارک حنبلی زبیدی(۱) سے، (زبید یمن میں دریائے شور کے کنارے ایک مشہور شہر کا نام ہے)

یقول: أخبرنا إسحاق وإسماعیل الطالقاني ۲۲۵ھ."

میں کہتا ہوں مغاربہ میں سے جن علماء نے ۷۳۰ھ میں حجار سے سنا شیخ ابوالحسن علی بن ابی بکر بن سبع بن مزاحم مکناسی ہیں، جن کا انتقال فاس میں ہوا، موصوف نے شیخ ابن الزبیدی سے ۶۳۰ھ میں سماع کیا، اور ابوعبداللہ مقری نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے: یہ بات ایسی ہے کہ جس کی اسلام میں نظیر نہیں، حالانکہ حافظ عبدالغنی کا قول ہے کہ اسلام میں ایسا کوئی شخص مشہور ومعروف نہیں جو شیخ عبداللہ بن محمد بغوی سے قدامتِ سماع میں ہمسر ہو، کیونکہ ان کا انتقال ۳۱۷ھ میں ہوا ہے، ابن خلاد کا بیان ہے کہ ہم نے ان کو یہ فرماتے ہوئے "أخبرنا إسحاق وإسماعیل ۲۲۵ھ" سنا۔

وفات:

واضح رہے حجار سے شہرت کی وجہ حافظ ابن کثیرؒ نے یہ لکھی ہے کہ ۲۵ برس تک موصوف کا قیام مقدم الحجار میں رہا تھا، اِس لئے حجار سے مشہور ہوگئے، آخر میں درزی کا پیشہ اختیار کرلیا تھا، بروز دوشنبہ ۲۵/صفر ۷۳۰ھ میں عصر کے وقت روحِ قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی، مظفری میں نمازِ جنازہ پڑھی گئی، اور خانقاہِ دومی میں جامع الاخرم کے پاس سپردِ خاک کئے گئے۔

حالات کے لئے ملاحظہ ہو: ۱۔ البدایة والنهایة: ۱۵۰/۱٤، ۲۔ الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث از ابن کثیر: ۱۵۲، ۳۔ الدرر الكامنة: ۱٤۳/۱، ٤۔ فتح المغیث شرح ألفیة الحدیث: ۳۱۰، ٥۔ شذرات الذهب: ۹۳/٦، ٦۔ فهرس الفهارس: ۲۵۲/۱.

(۱) الشیخ ابن الزبیدی البغدادی

نام ونسب:

حسین نام، ابوعبداللہ کنیت، سراج الدین لقب اور ابن الزبیدی عرف ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: "حسین بن المبارک بن محمد بن یحییٰ بن علی بن مسلم بن موسیٰ بن عمران الربعی الزبیدی الاصل البغدادی الحنفی۔"

ولادت وتحصیل علم:

موصوف مشہور زاہد شیخ محمد بن یحییٰ بن علی زبیدی کے پوتے تھے، ۵۴۵ یا ۵۴۶ھ میں پیدا ہوئے، پہلے قرآن مجید مختلف قرائتوں سے پڑھا، اور پھر علوم وفنون کی تحصیل کی، اپنے دادا شیخ ابوالوقت ابوزرعہ اور ابوزید حموی سے حدیث وفقہ

پڑھی اوران میں بصیرت پیدا کی، پھر وزیر ابوالمظفر بن ہبیرہ کے مدرسہ میں حدیث کا درس دینا شروع کیا، موصوف مذاہب فقہیہ کے وسیع النظر عالم اورروایت حدیث کے مستند شیوخ میں سے تھے۔

فضل وکمال:

حافظ ابن رجب حنبلی (المتوفی ۷۹۵ھ) ''ذیل طبقات الحنابلة'' (۱۴۴/۲) میں رقمطراز ہیں:

''كانت له معرفة حسنة بالأدب، وخرجت له مشيخة ...... وله نظم في اللغة والقراءات، وكان فقيهاً فاضلاً ديّناً خيّراً، حسن الأخلاق متواضعاً ...... حدث ببغداد ودمشق وحلب وغيره من البلاد، وحدث وسمع منه أمم، وروى عنه خلق كثير من الحفاظ وغيرهم منهم الدبيثي والضياء، وآخر من حدث عنه أبو العباس الحجار الصالحي سمع منه صحيح البخاري وغيره .''

موصوف کوادب میں بڑی دستگاہ حاصل تھی، ان کا مشیخہ (معجم شیوخ) بھی لکھا گیا ہے، لغت اور قراءات میں ان سے منظومہ بھی یادگار ہے، وہ فقیہ، فاضل، متدین اور نیک تھے، متواضع اور بااخلاق تھے...... موصوف نے بغداد، دمشق، حلب وغیرہ شہروں میں حدیث کا درس دیا، بہت سے لوگوں نے ان سے سنا، اوران سے حفاظ وغیرہ کی بڑی جماعت نے جن میں حافظ دبیثی اور ضیاء الدین بھی ہیں، روایت کی، اور آخری شخص ان سے روایت کرنے والے ابو العباس حجار صالحی ہیں جنہوں نے ان سے صحیح بخاری وغیرہ کا سماع کیا تھا۔

حافظ سید مرتضی بلگرامی ثم الزبیدی "تاج العروس" مادہ (زب د) میں لکھتے ہیں:

''الحسن والحسين ابنا المبارك الزبيدي سمعا من أبي الوقت صحيح البخاري، واتصل عنه بالعلو بالديار المصرية والشامية من طريق الحسين وابن أخيهما عبد العزيز بن يحيى بن المبارك الزبيدي سمع منه منصور ذكره في الذيل .''

حسن اور حسین دونوں مبارک زبیدی کے فرزند ہیں، اور دونوں نے ابوالوقت سے صحیح بخاری کا سماع کیا، ممالک مصروشام میں علو اسناد حسین اوران کے بھتیجے عبدالعزیز بن یحیٰی بن مبارک زبیدی جن سے منصور نے سماع کیا تھا، کے واسطے سے متصل ہے، اس امر کا ذکر ابن طاہر نے ذیل الطبقات میں کیا ہے۔

وفات:

۲۳ رصفر ۶۳۱ھ میں انتقال ہوا، اور جامع منصور (بغداد) میں دفن کئے گئے۔

موصوف کی تالیفات میں سے "البلغة في الفقه" زیادہ مشہور ہے۔

اورانہوں نے ابوالوقت عبدالاول بن عیسیٰ بن شعیب السجزی الہروی (۱) سے،..............................

---

(۱) حالات کے لئے ملاحظہ ہو: ۱۔ الجواهر المضيئة في طبقات الحنفيه:۱/۲۱۶، ۲۔ ذيل طبقات الحنابله:۲/۱٤٤، ۳۔ الدارس في تاريخ المدارس ازنعیمی، ٤۔ ذيل تذكرة الحفاظ بتصحيح محمد زاهد كوثری، :۲۵۹، ٥۔ شذرات الذهب: ٥/١٤٤، ٦۔ تاج العروس ماده ز ب د، ۷۔ تاريخ الإسلام:١٤ / ٤٠.

الشیخ ابوالوقت عبدالاول السجزی

نام ونسب:

عبدالاول نام اورابوالوقت کنیت ہے،سلسلۂ نسب یہ ہے:''عبدالاول بن عیسیٰ بن شعیب بن ابراہیم بن اسحٰق السجزی۔''

ولادت وتحصیل علم:

موصوف ۴۵۸ھ میں پیدا ہوئے، اور ہرات میں تعلیم وتربیت پائی، مورخ ابن شہبہ نے تاریخ اسلام میں بصراحت لکھا ہے کہ ان کے والدمحدث ابوعبداللہ عیسیٰ سو برس سے متجاوز تھے، وہ محدث علی بن بشری سے سماعِ حدیث میں منفرد زمانہ تھے، یہ ان کو اپنے کندھوں پر بٹھا کر ہرات سے بوشنج لائے، اور یہاں انہوں نے ۴۶۵ھ میں محدث جمال الاسلام داؤدی وغیرہ سے صحیح بخاری، مسند دارمی، اور منتخب عبد بن حمید وغیرہ کا سماع کیا، موصوف کے شیوخِ حدیث میں محدث ابو عاصم الفضل، محمد بن ابی مسعود اور شیخ الاسلام عبداللہ انصاری کا نام سرفہرست آتا ہے، انہوں نے شیخ الاسلام انصاریؒ کی صحبت سے بہت فائدہ اٹھایا، خوزستان، بصرہ، عراق اور حجاز کا سفر کیا، اور وہاں کے علماء سے بھی افادہ واستفادہ کیا، درسِ حدیث میں موصوف کو غیر معمولی شہرت حاصل ہے۔

عادات واخلاق:

مورخ ابن الجوزی کا بیان ہے:

''كان صبوراً على القراءة، وكان شيخنا صالحاً على سمت السلف، كثير الذكر والتهجد والبكاء.''

(المنتظم:۱۰/۱۸۲)

''موصوف قرأت پر بہت صابر تھے، اور ہمارے شیخ صالح اور یادگارِ سلف تھے، بڑے ذاکر، تہجد گزار اور رونے دھونے والے تھے۔

حافظ ابن نقطہ ''كتاب الاستدراك'' کے ''باب السجزي والشجري والسحري والسخري'' میں رقمطراز ہیں:

''أما السجزي بسين مهملة وزاي فجماعة، قال الأمير ينسبون إلى سجستان على غير قياس، ومنهم ...... أبو الوقت عبد الأول بن عيسى بن شعيب السجزي الهروي الصوفي قدم بغداد في سنة

....

اثنتين وخمس مأة في حادي وعشرين شوال، وحدث بها عن عبد الرحمن بن المظفر بن محمد الداودي، وأبي عبد الله محمد بن عبد العزيز الفارسي، وأبي إسماعيل عبد الله بن محمد الأنصاري الحافظ ...... قال ابن شافع كان شيخاً صالحاً، ألحق الصغار بالكبار، ورأى من رياسة التحديث مالم ير أحد من أبناء جنسه، مولده سنة ثمان وخمسين وأربع مأة، وتوفي ليلة الأحد سادس ذي القعدة من سنة ثلاث وخمسين وخمس مأة، ودفن من الغد بالشونيزية، وكان مستقيم الرأي، حاضر الذهن، وسماعه بعد الستين وأربع مأة، وصحب شيخ الإسلام نيفاً وعشرين سنة يعنيْ أبا إسماعيل.''

لیکن سجزی سین مہملہ اور زے کے ساتھ ہے، اور اس کی طرف ایک جماعت منسوب ہے، امیر نے تصریح کی ہے یہ سجستان کی طرف غیر قیاسی نسبت ہے، منجملہ ان کے جو اس کی طرف منسوب ہیں، شیخ ابوالوقت عبدالاول بن عیسٰی بن شعیب سجزی ہروی صوفی ہیں، جو ۲۱ شوال ۵۰۲ھ میں بغداد آئے، اور یہاں شیخ عبدالرحمٰن بن مظفر بن محمد داودی، ابوعبد اللہ محمد بن عبدالعزیز فارسی اور ابواسماعیل عبداللہ بن محمد انصاری حافظ سے روایتیں بیان کیں...... ابن شافع کا بیان ہے کہ شیخ صالح تھے جنہوں نے چھوٹوں کو سند میں بڑوں سے ملا دیا تھا، اور روایت حدیث کی سیادت اپنے لیے ایسی پائی کہ اپنے ہمعصروں میں سے کسی کے لیے نہیں دیکھی، ان کی ولادت ۴۵۸ھ میں ہوئی، اور ۶ ذی القعدہ شب شنبہ ۵۵۳ھ میں وفات پائی، اور دوسرے دن شونیزیہ میں دفن کئے گئے، صائب الرائے اور حاضر دماغ تھے، ۴۶۰ھ کے بعد حدیث کا سماع کیا تھا، بیس برس سے اوپر شیخ الاسلام یعنی شیخ ابواسماعیل کی صحبت اٹھائی تھی۔

ابن العماد حنبلی لکھتے ہیں:

''قدم بغداد فازدحم الخلق عليه، وكان خيراً متواضعاً متودداً، حسن السمت، متين الديانة، محباً للرواية ...... وعمر حتى ألحق الأصاغر بالأكابر.'' (شذرات الذهب: ۴/۱۶۶)

بغداد میں آئے تو خلقت ان پر ٹوٹ پڑی، یہ بڑے نیک، متواضع، خوش خلق، بہت متدین اور روایت کے دل دادہ تھے، اتنی لمبی عمر پائی تھی کہ چھوٹوں کو سند میں بڑوں سے ملا دیا تھا (اور ان کو ہمرتبہ بنایا تھا)۔

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ ''تاریخ الإسلام'' (۱۲/۶۶-۶۸) میں رقمطراز ہیں:

''وذكره ابن السمعاني فقال: شيخ صالح، حسن السمت والأخلاق متودداً، متواضع، سليم الجانب، استسند بصحبة الإمام عبد الله الأنصاري، و[illegible] مدة ...... وقال زكي الدين البِرزالي وغيره: طاف أبو الوقت العراق، وخوزستان، وحدث بهراة، وهمدان، وقعد بين يديه الحفاظ والوزراء وكان

عنده كتب وأجزاء، وسمع عليه من لايحصى ولايحصر ...... قال: ودفنا بالشونيزية، قال لي: تدفنني تحت أقدام مشايخنا بالشونيزية، ولما احتضر سندته إلى صدري، وكان مشتهراً بالذكر، فدخل عليه محمد بن القاسم الصوفي وأكبّ عليه، وقال: يا سيدي، قال النبي ﷺ "من كان آخر كلامه لا اله الا الله دخل الجنة" فرفع طرفه إليه، وتلا هذه الاية: "يليت قومي يعلمون بما غفر لي ربي وجعلني من المكرمين" فذُهش إليه هو ومن حضر من الأصحاب، ولم يزل يقرأ حتى ختم السورة، وقال: الله الله الله، ثم توفي وهو جالس على السجادة."

ابن السمعانی نے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ موصوف شیخ صالح ہیں، عمدہ رائے اور عمدہ اخلاق والے، زیادہ محبت کرنے والے، متواضع، اور ہر جانب سے سلامتی والے ہیں، موصوف نے امام عبداللہ انصاری کی صحبت کی سعادت وبرکت حاصل کی، اور ایک مدت تک خدمت کی، اور زکی الدین برزالی وغیرہ کہتے ہیں کہ ابوالوقت نے عراق اور خوزستان کا سفر کیا، ہرات اور ہمدان میں حدیث کا درس دیا، اور آپ کے سامنے حفاظ عراق اور وزراء بیٹھے، اور موصوف کے پاس کتب اور اجزاء رکھے ہوتے تھے، آپ سے بے شمار اہل علم نے ان کا سماع کیا، آپ کے شاگردوں نے ان کی احادیث کا آپ سے سماع کیا جن کی مقدار معلوم نہیں، فرمایا: کہ ہم نے ان کو شونیزیہ میں دفن کیا، انہوں نے مجھے فرمایا کہ مجھے اپنے مشائخ کے قدموں کے نیچے شونیزیہ میں دفن کرنا، چنانچہ جب ان کو موت آئی میں نے ان کو اپنے سینہ سے لگایا، اور موصوف ذکر الٰہی میں لگے ہوئے تھے، تو ان کے پاس محمد بن قاسم صوفی آئے اور آپ پر جھکا کہ بولے: اور کہا یا سیدی حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس کا آخری کلام لا الٰہ الا اللہ ہوا وہ جنت میں داخل ہوگیا، تو آپ نے محمد بن قاسم کی طرف نظر اٹھائی، اور یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿يَـالَيتَ قومِي يَعلَمُونَ بِمَا غَفَرَ لِيُ رَبِّىُ وَجَعَلَنِى من المُكرَمين﴾ تو محمد بن قاسم اور جو آپ کے شاگردوں میں سے تھے یہ ہیئت دیکھ کر حیرت میں پڑ گئے، اور موصوف پڑھتے رہے یہاں تک کہ پوری سورۃ پڑھ لی، اور کہا اللہ، اللہ، اللہ، پھر آپ کا انتقال ہوا اس حال میں کہ آپ جاءنماز پر بیٹھے ہوئے تھے۔

حافظ ذہبی نے "تذكرة الحفاظ" میں حافظ کوتاہ کے تذکرہ میں ان کو "مسند زمانه الإمام" کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔

وفات:

۵۵۳ھ میں حج کے لیے رخت سفر باندھ رہے تھے کہ ۶/ذی القعدہ کو ۹۵ برس کی عمر میں انتقال ہوا، انتقال کے وقت زبان مبارک پر یہ آیت شریفہ "يَالَيتَ قومِي يَعلَمُونَ بِمَا غَفَرَ لِيُ رَبِّىُ وَجَعَلَنِى من المُكرَمين" جاری تھی،

اورانہوں نے ابوالحسن عبدالرحمٰن بن مظفر بن محمد بن داوٗدالداوٗدی (۱) سے..........................

موصوف شونیزیہ میں مدفون ہیں۔

حالات کے لئے ملاحظہ ہو: ۱۔ کتاب المنتظم: ۱۷/۱۲۷، ۲۔ کتاب الاستدراك على الإكمال ازابن نقطہ(مخطوطہ عکسی)،
۳۔ وفيات الأعيان: ۱/۳۳۱، ٤۔ شذرات الذهب: ٤/۱٦٦، ٥۔ النجوم الزاهرة: ٥/۳۲۸- ۳۲۹، ٦۔إتحاف النبلاء ص: ۳۰۲.

(۱) الشیخ ابوالحسن عبدالرحمٰن الفوشنجی

نام ونسب:

عبدالرحمٰن نام ابوالحسن کنیت اور جمال الاسلام لقب ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''عبدالرحمٰن بن محمد بن المظفر بن محمد بن داوٗد بن احمد بن معاذ بن سہل بن الحکم بن شیرزاد الداودی الفوشنجی۔''

ولادت، تحصیل علم، درس وتدریس:

موصوف ربیع الآخر ۳۷۴ھ میں پیدا ہوئے، ابوعلی فجروی سے ادب پڑھا، ابوبکر القفال مروزی، ابوالطیب سہل صعلوکی، ابوحامد اسفرائنی، اورفقیہ ابوسعید بحر بن منصور سے نیشاپور، بغداد اور فوشنج میں فقہ کی تعلیم پائی، ابوعلی دقاق اور ابوعبد الرحمٰن سلمی سے تصوف کی تحصیل کی، اوران کی صحبت سے خوب استفادہ کیا، محدث أبو الحسن بن الصلت سے بغداد میں، حاکم ابوعبداللہ الحافظ سے نیشاپور میں اور ابومحمد بن ابی شریح وغیرہ سے بوشنج میں حدیثوں کا سماع کیا، پھر درس وتدریس، تصنیف وتالیف اورارشادوتبلیغ میں لگ گئے، حافظ عبدالکریم سمعانی کا بیان ہے:

''الإمام أبو الحسن عبد الرحمن ...... وجه مشايخ خراسان فضلاً عن ناحيته، والمشهور في أصله وفضله وسيرته وورعه، له قدم راسخة في التقوى، نسب إلى جده الأعلى داود بن أحمد ...... روى لنا عنه أبو الحسن مسافر وأبو محمد أحمد ابنا محمد بن علي البسطامي بنيسابور، وأبو الوقت عبد الأول بن عيسى السجزي بهرات، وأبو المحاسن أسعد بن علي الحنفي بمالين، وأمّ الفضل عائشه بنت أبي بكر بن بحر البلخي بفوشنج، وغيرهم، أخبرنا أبو الحسن الفارسي كتابة أنشدنا أبو القاسم أسعد بن علي البارع لنفسه في أبي الحسن الداودي:

أئـمة الـعـالـم جـربتهـم ۔۔۔ مـن بيـن مـذموم ومـحـمـود
سيـرة داوديهـم خيـرهـم ۔۔۔ فـخيـر ورع ورع داود

زرت قبره بظاهر فوشنج'' (کتاب الأنساب ورق ۲۲۰ نسبت داوٗدی)

امام ابوالحسن عبدالرحمٰن...... مشائخ خراسان کے سرتاج تھے، نواحِ بوشنج کا تو ذکر ہی کیا، اہلِ خراسان میں ان کا

فضل وکمال، ان کی سیرت اور ورع وتقویٰ مشہور تھا، اور تصوف میں ان کا پایہ بلند تھا، موصوف اپنے جداعلیٰ کی طرف منسوب ہیں، ہمیں ان کی سند سے شیخ ابومحمد بن علی بسطامی کے فرزند شیخ ابوالحسن مسافر اور ابومحمد احمد نے نیشاپور میں، اور ابو الوقت عبدالاول بن عیسیٰ سجزی نے ہرات میں، ابوالمحاسن اسعد بن علی حنفی نے مالین میں، اور ام الفضل عائشہ بنت ابی بکر بن بحر بلخی نے فوشنج میں حدیثیں بیان کیں، اور دوسروں نے ہم سے بیان کیا کہ ہم کو ابوالحسن فارسی نے ابوالقاسم اسعد بن علی کے جو فضل وکمال میں بلند مقام رکھتے ہیں، ابوالحسن داؤدی کے متعلق یہ شعر لکھ کر بھیجتے تھے:

دنیا کے ائمہ جن کو میں نے پرکھا، ان میں قابلِ مذمت اور قابلِ ستائش دونوں طرح کے ائمہ ہیں، داؤد کی سیرت ان میں سب سے بہتر ہے، اور سب سے بہتر ورع وتقویٰ داؤد کا ورع وتقویٰ ہے۔

میں نے فوشنج سے باہر ان کے مزار کی زیارت کی ہے۔

حافظ ابوبکر محمد بن عبدالغنی (المتوفی ۶۲۹ھ) کتاب ''الاستدراک'' میں باب الداؤدی والداوری کے تحت رقمطراز ہیں:

''أما الأول فجماعة منهم أبو الحسن عبد الرحمن بن محمد بن المظفر بن محمد بن داؤد بن أحمد بن معاذ الداودي، حدث بالبخارى عن أبي محمد عبد الله بن أحمد بن حموية السرخسي مولده في ربيع الأول من سنة أربع وسبعين وثلاث مأة، وسماعه في صفر سنة إحدى وثمانين، وتوفي بفوشنج في شوال من سنة سبع وستين وأربع مأة، حدث به عنه جماعة آخرهم عبد الأول بن عيسى السجزي، وكان موصوفاً بالخير والتقوى.''

لیکن اول کی طرف نسبت سے ایک جماعت مشہور ہے، ان میں سے ابوالحسن عبدالرحمٰن بن محمد بن مظفر بن داؤد بن احمد بن معاذ داؤدی ہیں جو بخاری شریف کے ابومحمد عبداللہ سرخسی سے راوی ہیں، ان کی ولادت ربیع الاول ۳۷۴ھ میں ہوئی، انہیں ۳۸۱ھ میں بچپن ہی میں سماعِ حدیث کی سعادت حاصل ہوئی تھی، موصوف نے شوال ۴۶۷ھ میں فوشنج میں وفات پائی، ان سے ایک جماعت نے صحیح بخاری کو روایت کیا ہے، ان میں سے آخری راوی عبدالاول بن عیسیٰ سجزی ہیں، اور یہ نیکی اور تقویٰ کی صفات سے آراستہ تھے۔

حافظ ذہبیؒ ''كتاب العبر في خبر من غبر'' (۳/۲۶۵) میں لکھتے ہیں:

''أبو الحسن الداؤدي ...... شيخ خراسان علماً وفضلاً وجلالة وسنداً، روى الكثير عن أبي محمد بن حموية، وهو آخر من حدث عنه، وتفقه على القفال المروزي، وأبي الطيب الصعلوكي، وأبي حامد الاسفرائني ...... وله أربع وتسعون سنة.''

ابوالحسن داؤدی...... علم وفضل، جلالت قدر اور سند میں شیخ خراسان تھے، شیخ ابومحمد بن حمویہ سے زیادہ روایتیں کی

....

ہیں، اور یہ آخری محدث تھے جوان سے بلاواسطہ روایت کرتے تھے، انہوں نے قفال مروزی، ابوالطیب صعلوکی، ابوحامد اسفرائینی سے فقہ پڑھی، اور چورانوے سال کی عمر پائی۔

مورخ ابن کثیرؒ ''البداية والنهاية'' (۱۲/۱۱۲) میں لکھتے ہیں:

''كتب الكثير، ودرس وأفتى وصنف ووعظ الناس، وكانت له يد طولى في النظم والنثر، وكان مع ذلك كثير الذكر لايفتر لسانه عن ذكر الله تعالى، دخل يوما عليه الوزير نظام الملك، فجلس بين يديه فقال له الشيخ: إن الله قد سلطك على عباده، فانظر كيف تجيبه إذا سألك عنهم ...... وقد جاوز التسعين، ومن شعره الجيد القوى قوله:

كان في الاجتماع بالناس نور ذهب النور وأدلهمّ الظلام

فسد الناس والزمان جميعاً فعلى الناس والزمان السلام

موصوف نے بہت حدیثیں لکھیں، درس دیا، فتویٰ دیا، تصنیف کی، لوگوں میں وعظ کہا، ان کو نظم ونثر میں دستگاہ حاصل تھی، اوران باتوں کے ساتھ ان کی زبان ذکر الٰہی سے نہیں تھکتی تھی، نظام الملک اس کے پاس آیا، اوراس کے حضور میں بیٹھا، اور انہوں نے اس سے کہا کہ تجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حکمران بنایا، پس تو خیال کر کہ اگر اللہ تجھ سے بندوں کے متعلق پوچھے تو تو کیا جواب دے گا، موصوف نوے سے تجاوز کر چکے تھے، ان کے بہترین شعروں میں سے قطعہ دوشعروں میں: ایک وقت تھا کہ لوگوں کی مجلسیں ذکر کے نور سے منور تھیں، اب نور جاتا رہا اور لوگوں پر ظلمت چھا گئی ہے، اب زمانہ اور اہلِ زمانہ سب کچھ بگڑ گیا، لہٰذا زمانہ اور لوگ دونوں کو سلام ہے۔

منقول ہے کہ جس وقت ترکمانوں نے خراسان کو لوٹا، موصوف نے چالیس برس تک گوشت نہیں کھایا، اور صرف مچھلی پر گذر بسر کی (اس خوف سے کہ مویشی کہیں لوٹ مار کے نہ ہوں، گویا اس قدر محتاط تھے)، اور جب سے ان کو یہ بتایا گیا کہ نہر کے جس کنارے سے مچھلیاں شکار کی جاتی ہیں، اس کنارے پر ان کے سرداروں نے کھانا کھایا، اور جو بچ رہا وہ اس میں پھینک دیا تھا تو انہوں نے مچھلیاں کھانا بھی بند کردی تھیں۔

علامہ ذہبیؒ موصوف کے متعلق ''تاریخ الإسلام'' (۱۰/۲۴۹-۲۵۰) میں رقمطراز ہیں:

''دخل بغداد سنة تسع وتسعين وثلاث مأة، ورجع إلى وطنه سنة خمس وأربع مأة، وأخذ في مجلس التذكير والتدريس والفتوى والتصنيف، وكان له حظ وافر من النظم والنثر.''

موصوف ۳۹۹ھ میں بغداد آئے، اور ۴۰۵ھ میں اپنے وطن کی طرف واپس چلے گئے، اور وعظ ونصیحت،

اورانہوں نے ابو محمد عبداللہ بن احمد سرخسی (۱) سے، ....

تدریس، فتویٰ اور تصنیف کی مجلس شروع کی، اوران کو نظم ونثر کی وافر مقدار حاصل تھی۔

وفات:

شوال ۴۶۷ھ میں ۹۴ سال کی عمر میں رحلت فرمائی، اور فوشنج میں دفن کیے گئے،

حالات کے لئے ملاحظہ ہو: ۱۔ كتاب الأنساب للسمعاني نسبت داودي، ۲۔ كتاب الاستدراك ازابن نقطہ بغدادی باب الداودی مخطوطہ عکسی، ۳۔ كتاب المنتظم: ۸/۲۹٦، ٤۔ كتاب العبر: ۳/۲٦٥، ٥۔ البداية والنهاية بذيل وفيات ٤٦٧ھ، ٦۔ طبقات الشافعية الكبرى: ۳/۲۲۸-۲۲۹، ۷۔ فوات الوفيات: ۱/۲٦۲-۲٦۳، ۸۔ شذرات الذهب: ۳/۳۲۷.

(۱) الشیخ ابو محمد عبداللہ السرخسی

نام ونسب:

عبداللہ نام اور ابو محمد کنیت ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''عبداللہ بن احمد بن حمویہ بن یوسف بن اعین السرخسی۔''

ولادت، راویِ صحیح بخاری سے شہرت:

موصوف ۲۹۳ھ ہجری میں پیدا ہوئے، اور اس عہد کے اکابر محدثین سے حدیث کا سماع کیا، فربری کے ممتاز شاگردوں میں سے تھے، اور راوی صحیح بخاری سے مشہور تھے، حافظ ذہبیؒ نے ''تذكرة الحفاظ'' میں حافظ ابن المقری کے تذکرہ میں ان کو "مسند خراسان" اور "راوي صحيح البخاري" کے الفاظ سے یاد کیا ہے، حافظ ذہبیؒ ''كتاب العبر في خبر من غبر'' (۳/۱۷) میں لکھتے ہیں:

''عبدالله بن أحمد ...... السرخسي المحدث الثقة، روى عن الفربري صحيح البخاري، وروى عن عيسى بن عمير السمرقندي كتاب الدارمي، وروى عن إبراهيم بن حزيم مُسند عبد بن حميد وتفسيره، توفي ذي الحجة وله ثمان وثمانون سنة.''

عبداللہ بن احمد...... سرخسی محدث ثقہ، فربریؒ سے صحیح بخاری کے اور عیسیٰ بن عمیر سمرقندی سے کتاب دارمی اور ابراہیم حزیم سے مسند عبد بن حمید اور تفسیر عبد بن حمید کے راوی ہیں، اٹھاسی (۸۸) سال کی عمر ماہِ ذی الحجہ میں وفات پائی۔

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ ''تاريخ الإسلام'' (۸/۵۲۱) میں رقمطراز ہیں:

''قال أبو ذر: قرأتُ عليه، وهو ثقة، صاحب أصول حسان'' ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے ان سے پڑھا، اور وہ ثقہ ہیں، بہترین اصول کے حامل ہیں۔

حالات کے لئے ملاحظہ ہو: ۱۔ كتاب العبر: ۳/۱۷، ۲۔ النجوم الزاهرة: ٤/۱٦۱، ۳۔ شذرات الذهب: ۳/۱۰۰.

اورانہوں نے ابوعبداللہ محمد بن یوسف بن مطر بن صالح بن بشر الفِربری [1] سے پڑھی تھی۔

فِرَبْر، فا کے زیر را کے زبر، اور بائے موحدہ کے سکون کے ساتھ ہے، اور یہ بخارا کے مضافات میں ایک گاؤں ہے۔

---

(۱) **الشیخ محمد بن یوسف الفربری**

نام ونسب:

محمد نام، ابوعبداللہ کنیت ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''محمد بن یوسف بن مطر بن صالح بن بشر الفربری الشافعی۔''

ولادت وسماعِ صحیح بخاری:

۲۳۱ھ میں پیدا ہوئے، علومِ دینیہ کی تحصیل کی، اور حدیثوں کا سماع اربابِ کمال سے کیا، فربر میں علی بن خشرم سے حدیثیں سنیں، امام بخاری سے صحیح بخاری کا دو مرتبہ سماع کیا، پہلی مرتبہ اپنے وطن فربر میں ۲۴۸ھ میں، دوسری مرتبہ ۲۵۲ھ میں مصنف ہی کے وطن بخارا میں۔

حافظ ابن خیر مالکیؒ لکھتے ہیں:

''قال أبو ذر: سمعت أبا الهيثم محمد بن المكي أيضا يقول: سمعت الكلاباذي أبا نصر البخاري يقول: كان سماع محمد بن يوسف الفربري بهذا الكتاب من محمد بن إسماعيل البخاري مرتين: ١ ـ مرة بفربر في سنة ٢٤٨ هـ، ٢ ـ ومرة ببخارى.''(فهرست ابن خير: ٩٥)

ابوذر کا بیان ہے کہ میں نے ابوالہیثم محمد بن مکی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے ابونصر بخاری کلاباذی سے سنا وہ کہتے تھے کہ محمد بن یوسف فربری کو اس کتاب کا سماع بخاری سے دو مرتبہ ہوا ہے، ۱- ایک مرتبہ فربر میں ۲۴۸ھ میں اور ۲- دوسری مرتبہ بخارا میں۔

حافظ عبدالکریم سمعانیؒ کا بیان ہے:

''أول من روى هذا الكتاب عنه أبو زيد الفاشاني، وآخرهم رواية عنه أبو علي إسماعيل بن محمد بن أحمد بن حاجب الكشائي، وسمع الفربري الكتاب من البخاري في ثلاث سنين في سنة ثلاث وأربع وخمسين ومائتين ...... رحل إليه الناس، وحملوا عنه هذا الكتاب ...... روى عنه من الأئمة المعروفين أبو زيد محمد بن أحمد بن عبد الله الفاشاني وجماعة سواه .''

سب سے پہلے اس کتاب کو ان سے ابوزید فاشانی نے روایت کیا، اور سب سے آخری راوی ان سے ابوعلی اسماعیل بن محمد بن احمد بن حاجب کشائی ہیں، فربری نے اس کتاب کو بخاری سے تین برس یعنی ۲۵۳ھ و ۲۵۴ھ میں سنا تھا ......فربری کی طرف لوگ سفر کر کے پہنچے، اوران سے اِس کتاب کو سنا، اور بخاریؒ سے مشہور و معروف ائمہ ابوزید محمد بن احمد

....

بن عبداللہ فاشانی اوران کے علاوہ ایک جماعت نے اس کو روایت کیا ہے۔
شیخ محمد طاہر پٹنی "مجمع بحار الأنوار" (۵۲۳/۳، طبع لکھنؤ) میں رقمطراز ہیں:
"سمع منه جامعه تسعون ألفا، ولم يبق منهم غير الفربري، قرأ عليه صحيحه ثلاث مرات."
بخاریؒ سے ان کی جامع کو نوے ہزار علماء نے سنا جن میں بجز فربری کے کوئی باقی نہیں رہا تھا، انہوں نے امام بخاریؒ سے صحیح بخاری تین مرتبہ سنی ہے۔
مورخ ابن خلکان (المتوفی ۶۸۱ھ) "وفيات الأعيان" میں فرماتے ہیں:
"هو آخر من روى الجامع الصحيح عن البخاري" یہی امام بخاریؒ سے صحیح بخاری کے آخری راوی تھے۔
حافظ ذہبیؒ "كتاب العبر في خبر من غبر" (۱۸۲/۲) میں موصوف کے متعلق لکھتے ہیں:
"كان ثقة ورِعاً" یہ صاحبِ ورع وتقویٰ اور ثقہ تھے۔

وفات:

۸۹ سال کی عمر میں ۳؍شوال ۳۲۰ھ میں انتقال ہوا۔

راویِ صحیح بخاری سے شہرت:

موصوف صحیح بخاری روایت کرنے والوں میں جن محدثین کو شہرت حاصل رہی ہے، اور سندیں ان پر منتہی ہوتی ہیں، انہیں حافظ سید مرتضیٰ بلگرامی نے "تاج العروس" میں شمار کرادیا ہے، موصوف کے الفاظ ہیں:
"حدث عنه به أبو إسحاق إبراهيم بن أحمد المستملي، وأبو محمد عبد الله بن أحمد بن حمويه السرخسي، وأبو الهيثم محمد بن مكي الكشميهني، والشيخ المعمر أبو لقمان يحيى بن عمار بن مقبل بن شاهان الختلاني. ......"
صحیح بخاری کو ان سے ابو اسحٰق ابراہیم بن احمد مستملی، ابو محمد عبداللہ بن احمد بن حمویہ سرخسی، ابو الہیثم محمد بن مکی کشمیہنی اور شیخ معمر ابو لقمان یحییٰ بن عمار بن مقبل بن شاہان ختلانی نے روایت کیا ہے۔
واضح رہے فربر بخارا سے متصل جیحون کے کنارے ایک چھوٹا سا شہر تھا، سید مرتضیٰ بلگرامی نے "تاج العروس" مادہ (ف ر ب) میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی "كتاب التبصير" کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ فربر کی فا پر کسرہ اور فتحہ دونوں درست ہیں۔　　(تبصير المنتبه: ۱۱۰۱/۳)
حالات کے لئے ملاحظہ ہو: ۱۔ كتاب الأنساب، نسبت فربري، ۲۔ فهرس ابن خير: ۹۵، ۳۔ كتاب

محمد بن یوسف امام بخاری کے نہایت ممتاز شاگرد ہیں، اور بخاری کے نسخہ کی شہرت ان ہی کی بدولت ہے، اور موصوف صاحب کتاب امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرۃ بن بردزبہ الجعفی البخاری (۱) (جعفی کی نسبت ولاء کی نسبت ہے) سے پڑی ہے۔

بَر دِزبَہ بائے موحدہ کے زبر اور رائے مہملہ کے سکون اور دال مہملہ کے زیر نیز زائے منقوطہ کے سکون اور بائے موحدہ کے سکون اور باء موحدہ کے زبر کے ساتھ ہے، اور اس کے آخر میں ہاء ہے، قدیم پہلوی لغت میں اس کے معنی کارندہ اور کسان کے ہیں، جُعفی، جیم کے پیش اور عین مہملہ کے سکون اور فا کے ساتھ ہے۔

العبر:۲/۱۸۲، ٤۔ تاج العروس (ف رب)، ٥۔إتحاف النبلاء:۳۸٥، ٦۔ وفيات الأعيان:۳ /٤١٧، ٧۔التاج المكلل:۱۱۹، ۸۔ تاريخ الإسلام:۷/۳۷٥.

(۱) الامام البخاری

نام، ولادت، وفات:

ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرۃ البخاری (۱۹۴ھ-۲۵۶ھ = ۸۱۰ء-۸۷۰ء)

ذکاوت وعلمی مقام:

امام بخاریؒ کے متعلق حافظ ذہبیؒ "تاریخ الإسلام" (۶/۱۴۰-۱۵۱) میں رقمطراز ہیں:

"ولد في شوال سنة أربع وتسعين(ومأة)، وأول سماعه سنة خمس ومئتين، وحفظ تصانيف ابن المبارك، وحبب إليه العلم من الصغر، وأعانه عليه ذكاء ه المفرط، ونشأ يتيماً، وكان أبوه من العلماء الورعين ......وحدث بالحجاز، والعراق، وخراسان وماوراء النهر، وكتبوا عنه، وما في وجهه شعرة ...... وقال إمام الأئمة ابن خزيمة: مارأيت تحت أديم السماء أعلم بالحديث من محمد بن إسماعيل البخاري ...... وقال محمد بن حاتم سمعت يحيى بن جعفر البيكندي يقول: لو قدرت أن أزيدفي عمر محمد بن إسماعيل من عمري لفعلتُ؛ فإن موتي يكون موت رجل واحد، وموته ذَهاب العلم ...... وقال محمد بن حمدون الأعمشي: سمعت مسلم بن الحجاج يقول للبخاري: دَعنى أقبِّل رجليك يا أستاذ الأستاذين، وسيد المحدثين، وطبيب الحديث في علله."

۱۹۴ھ کو شوال کے مہینے میں پیدا ہوئے، اور ۲۰۵ھ میں حدیث کی سب سے پہلی سماع کی سعادت حاصل کی، اور ابن المبارک کی تصانیف کو زبانی یاد کیا، اور ان کے دل میں بچپن سے علم کی محبت ڈال دی گئی تھی، اور اس پر ان کے تیز ذہن نے ان کی مدد کی، موصوف نے یتیمی کی حالت میں پرورش پائی، ان کے والد ماجد پرہیزگار علماء میں سے تھے۔ حجاز،

صحیح مسلم: حضرت شیخ ابوطاہر نے یہ کتاب اپنے والد بزرگوار شیخ ابراہیم سے پڑھی، اور انہوں نے شیخ سلطان مزّاحی سے، اور انہوں نے شیخ شہاب الدین احمد بن خلیل سُبکی سے، اور انہوں نے شیخ نجم الدین غیطی سے، اور انہوں نے شیخ زین الدین زکریا سے، اور انہوں نے شیخ ابن حجر عسقلانی سے، اور انہوں نے شیخ صلاح بن ابی عمر مقدسی (۱) سے،..

ماوراء النہر میں حدیث کا درس دیا، اور لوگوں نے ان سے اس وقت لکھا جب ان کے چہرہ پر ایک بال بھی نہیں آیا تھا، امام الائمہ ابن خزیمہ کہتے ہیں کہ میں نے آسمان کے سطح کے نیچے محمد بن اسماعیل بخاری سے حدیث کا بڑا عالم کوئی نہیں دیکھا، محمد بن حاتم کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن جعفر بیکندی کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر میں اپنی عمر میں سے محمد بن اسماعیل کی عمر میں زیادتی کی قدرت رکھتا تو میں یہ اضافہ بھی کر لیتا، کیونکہ میری موت ایک شخص کی موت ہے، اور ان کی موت علم کا ختم ہو جانا ہے، محمد بن حمدون اعمشی کہتے ہیں کہ میں نے مسلم بن حجاج کو امام بخاریؒ سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ: اے استادوں کے استاد، محدثین کے سردار اور حدیث کے علل کے طبیب! مجھے اجازت دیں کہ آپ کے پاؤں کو بوسہ دوں۔

موصوف کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو: كتاب الفهرست از ابن الندیم: ۲۳۰، تاريخ بغداد: ۲/٤ - ۳٤، تهذيب الأسماء واللغات: ۱/۶۷ - ۷۶، وفيات الأعيان: ۱/۵۷۶ - ۵۷۷، طبقات الحنابلة: ۱ ۲۰۱ - ۲۰۳، تذكرة الحفاظ: ۲/۱۲۲ - ۱۲٤، طبقات الشافعية الكبرى: ۲/۲ - ۱۹، البداية والنهاية: ۱۱/۲٤ - ۲۸، مرآة الجنان: ۲/۱۶۷ - ۱۶۹، تهذيب التهذيب: ۹/٤۷ - ۵۵، مقدمة هدي الساري لفتح الباري، الوافي بالوفيات: ۲/۲۰۶ - ۲۰۹، مفتاح السعادة ٤۲ - ٤۸، روضات الجنات: ۱۵۹ - ۱۶۰، حياة البخاري از جمال الدین قاسمی، هدية العارفين: ۲/۱۶، مقدمة لامع الدراري على جامع البخاري، از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ، طبع دہلی ۱۲۷۹ھ، بستان المحدثين: ۱۱۱، إتحاف النبلاء: ۳٤۹، الحطة في ذكر الصحاح الستة.

(۱) الشیخ محمد المقدسی الصالحی

نام ونسب:

محمد نام، ابو عبداللہ کنیت اور صلاح الدین لقب ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: "محمد بن احمد بن ابراہیم بن عبداللہ بن ابی عمر محمد بن احمد بن قدامۃ بن مقدام المقدسی، الصالحی، الحنبلی"

تحصیل علم:

۶۸۴ھ میں پیدا ہوئے، اور وقت کے نامور اہلِ کمال سے علومِ دینیہ کی تکمیل کی، محدث تقی الدین ابراہیم

....

واسطی، شمس الدین محمد، اسماعیل فراء، احمد بن عبد المؤمن صوری اور عیسیٰ مغاری سے حدیثوں کا سماع کیا، فخر الدین ابن البخاری سے صحیح مسلم، شمائلِ ترمذی، المنتقی الکبیر من خیلانیات اور مسند احمد کا بیشتر حصہ سنا، نیز محدث ابوالفتح ابن المجاور، زینب بنت مکی، زینب بنت العلم اور عبدالرحمٰن بن احمد وغیرہ سے بھی روایتِ حدیث کی اجازت لی، پھر اپنے جدِّ اعلیٰ شیخ ابوعمرو کے مدرسہ میں درس دینا شروع کیا، اور اسی مدرسہ میں امامت کے فرائض انجام دیئے۔

حافظ ذہبیؒ (المتوفی ۷۴۸ھ) "المعجم الکبیر" میں رقمطراز ہیں:

''ولي الإمامة بمدرسة جده أبي عمرو، حدث بأكثر مسموعاته، سمع منه القدماء.''

(المعجم الکبیر بحوالہ الدرر الكامنة: ۳/۳۰۵)

اپنے جدِ اعلیٰ شیخ ابوعمرو کے مدرسہ میں امامت کے فرائض انجام دیتے اور کثرت سے اپنی مسموعات کو بیان کرتے تھے، ان سے قدماء نے سنا ہے۔

علوِ اسناد:

موصوف خدا ترسی اور علوِ اسناد میں یکتائے زمانہ تھے، طلبہ جوق در جوق آکر شیخ موصوف سے حدیث پڑھتے اور اپنے اشکال کو حل کرتے تھے، عمر بھی نہایت طویل پائی تھی، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ''الدرر الكامنة'' (۳/۳۰۴-۳۰۵) میں لکھتے ہیں:

''عمر دهراً طويلاً، حتى صار مسند عصره، وتفرد بأكثر مسموعاته، ومشايخه، وكان صبوراً على السماع محباً للحديث ...... نزل الناس بموته درجة، وهو آخر من حدث عن الفخر بالسماع والإجازة الخاصة، وآخر من كان بينه وبين النبي ﷺ تسعة أنفس بالسماع المتصل بشرط الصحيح، وقد أجاز لمن أدرك حياته خصوصاً للمصريين فدخلتُ في ذلك ولم أظفر لي منه بإجازة خاصة مع إمكان ذلك- والله المستعان- وخرج له الصدر الياسوفي في مشيخته، وحدث بها وآخر من سمعها منه البرهان سبط ابن العجمي.''

بڑی طویل عمر پائی یہاں تک کہ مسندِ زمانہ ہوگئے، اور اپنی بیشتر مسموعات اور مشائخ میں منفرد تھے، سماعِ حدیث پر جمے رہے، اور اہلِ حدیث کے دلدادہ تھے، ان کی موت سے لوگ ایک درجہ کمتر وفروتر ہو گئے تھے، فخر بخاری سے بلا واسطہ اور اجازتِ خاصہ سے روایت کرنے والے بس یہ آخری محدث تھے، اور یہ وہ آخری محدث تھے جن کے اور حضورِ اکرم ﷺ کے درمیان شرطِ صحیح سے سماعِ مسلسل میں نو محدثین کا واسطہ تھا، موصوف نے ہر اس عالم کو روایت حدیث کی اجازت دی تھی جس نے ان کا زمانہ پایا تھا، خاص طور پر اہلِ مصر کو جس کی وجہ سے میں بھی اس میں داخل ہو گیا، اگرچہ مجھے اجازتِ خاصہ حاصل نہیں مگر اس کا امکان تھا، اللہ تعالیٰ مددگار ہے، صدر الدین یاسوفی نے اپنے مشیخہ میں ان کی سند سے حدیثوں کی تخریج کی،

اورانہوں نے شیخ فخر الدین ابوالحسن علی بن احمد بن عبدالواحد مقدسی [1] سے،..............................

کوروایت کیاہے،آخر میں جس نے ان سے سنا سبط ابن العجمی ہیں۔

مؤرخ ابن العماد حنبلی کابیان ہے:

''رحل الناس إليه، وتزاحموا عليه، وأكثر عنه، وكان ديّناً صالحاً، حسن الإسماع، خاشعاً، غزير الدمعة، لايكاد يمسك دمعته إذا قرئ عليه الحديث، أو ذكر ﷺ ...... وأسمع الحديث أكثر من خمسين سنة.'' (شذرات الذهب :٦/٢٦٨)

لوگ ان کی طرف سفر کر کے پہنچے،اورایک دوسرے پرٹوٹ پڑے،نیز زیادہ سے زیادہ ان سے روایت کی، موصوف بہت متدین، نیک،اچھی طرح حدیثیں سنانے والے،خداترس، بہت رونے دھونے والے بزرگ تھے،جس وقت حدیث پڑھی جاتی،یارسول اللہ ﷺ کا ذکر آتا تو آنسوؤں کوروک نہیں پاتے تھے، پچاس برس سے زیادہ حدیث کا درس دیا۔

موصوف کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو: الدرر الكامنة:٣/٣٠٤ - ٣٠٥، شذرات الذهب:٦/٢٦٨ .

(١)　　　　الشیخ ابن البخاری

نام ونسب:

علی نام،ابوالحسن کنیت،فخر الدین لقب اورابن البخار اورابن البخاری عرف ہے،سلسلۂ نسب یہ ہے:''علی بن احمد بن عبدالواحد بن احمد بن عبدالرحمٰن بن قدامۃ المقدسی،الحنبلی۔''

موصوف کے والد شیخ احمد چونکہ ایک زمانہ تک بخارا میں فقیہ رضی الدین نیشاپوری سے مناظرہ کرتے رہے، اس لیے وہ ابن البخاری سے مشہور ہیں۔

ولادت وتحصیل علم:

ابن البخاری ٥٩٦ھ میں پیدا ہوئے،علوم وفنون کی تکمیل اس عہد کے نامور اہلِ کمال سے کی،اورمشائخ وقت سے حدیث پڑھی،علوِ اسناداورزہد وقناعت میں یکتائے زمانہ تھے،حفاظِ حدیث نے موصوف سے حدیثوں کا سماع کیا تھا، حافظ ابن کثیرؒ(المتوفی ٧٧٤ھ)''البداية والنهاية'' (١٣/٣٢٤) میں رقمطراز ہیں:

''المسند المعمر الرحالة فخر الدين ...... سمع الكثير، ورحل مع أهله،وكان رجلاً، صالحاً، عابداً، زاهداً، ورعاً، ناسكاً، تفرد بروايات كثيرة لطول عمره، وخرجت له مشيخات، وسمع منه الخلق الكثير والجم الغفير، وكان منصوباً لذلك حتى كبر وأسنّ، وضعف عن الحركة،وله شعر حسن منه قوله:

....

تـكـــررت الســنـــون علـيَّ حتـى بليــت وصــرت مـن سـقط المتـاع

قــلَّ الــنــفــع عــنــدي غيـر أنـي أعــلــل بـــالـــروايةوالســمـــاع

فـــإن يك خـــالــصــاً فـلـه جـزاء وإن يك مـــالــفـــاً فــإنــي ضيـــاع

مسند معمر جو کثرت سے سفر کرنے والے تھے، وہ فخر الدین کی شخصیت تھی، موصوف نے کثرت سے سماع کیا، اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ سفر کیا، یہ صالح، عابد، زاہد، متقی اور مرتاض بزرگ تھے، طویل عمر کی وجہ سے بہت سی روایتوں میں متفرد تھے، ان کے مشیخ لکھے گئے، اور ان سے بڑی مخلوق اور انبوہِ کثیر نے سماع کیا، وہ اسی غرض سے جمے بیٹھے رہتے تھے، تا آنکہ بوڑھے ہو گئے تھے، اور اتنے بوڑھے ہو گئے کہ حرکت کرنے سے بھی عاجز ہو گئے تھے، ان کے اشعار بھی عمدہ ہوتے ہیں، ان ہی میں سے یہ شعر بھی ہیں:

مجھ پر زمانے نے اتنی مرتبہ حملہ کیا کہ میری ہڈیاں تک بوسیدہ ہوگئیں، اور میں گری پڑی چیز کی مانند ہو گیا۔

میرا فائدہ بالکل نہیں رہا بجز اِس کے کہ میں روایت اور سماعِ حدیث میں مشغول کر دیا جاتا ہوں۔

پس اگر یہ اخلاص سے ہے تو اس کی جزا ہے، اور اگر خوشامد اور چاپلوسی کی وجہ سے ہے تو میرا نقصان ہی نقصان ہے۔

علو اسناد:

محمد بن ابراہیم الجزری اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

''وانفرد بالرواية حتى لم يبق في زمانه أعلى اسناداً منه.''

(تاريخ ابن الجزري بحوالہ حواشی کوثری بر ذیل ابی المحاسن، ص:۱۷)

موصوف روایت میں منفرد ہو گئے یہاں تک کہ ان کے زمانہ میں ان سے عالی اسناد کوئی نہیں رہا۔

علامہ ذہبیؒ ''تاريخ الإسلام'' (۲۶۶/۱۵) میں موصوف کے متعلق رقمطراز ہیں:

''شرع الحفاظ والمحدثون في الإكثار عنه من بعدالستين، ولم يكن إذ ذاك سهلاً في التسميع، فلما كبر، وتفرّد، أحب الرواية وسهل للطلبة، وازدحموا عليه،ورحلوا إليه، وبُعد صيته في الآفاق، وقصد من مصر والعراق، وكثرت عليه الإجازات من البلاد، وألحق الأحفاد بالأجداد، ...... وكان فقيهاً إماماً، أديباً، ذكياً، ثقةً، صالحاً، خيّراً، ورعاً، فيه كرم ومروءة وعقل، وعليه هيبة وسكون ...... سألت أبا الحجاج الحافظ عنه فقال: أحد المشايخ الأكابر، والأعيان الأماثل، من بيت العلم والحديث، تفرد با لرواية عن عامة مشايخه سماعاً وإجازة، سمعنا منه أشياء كثيرة جداً، ولا نعلم أن أحدا حصل له من الحظرة

جوابن البخاری کے لقب سے مشہور ہیں، اور انہوں نے شیخ ابوالحسن موید بن محمد طوسی [1] سے،.........................

في الرواية في هذه الأزمان ما حصل له.''

حفاظ اور محدثین کرام نے موصوف سے زیادہ روایت ان کے ساٹھ سال کے بعد شروع کی، اس سے پہلے انہیں حدیثیں سنانا آسان نہ تھا، علو اسناد سے آراستہ ہم عصر موجود تھے جب وہ دنیا سے رخصت ہوگئے، اور جب یہ عمر رسیدہ ہوگئے پھر انہیں روایت سے وارفتگی ہوگئی تو طلبہ کو روایت میں سہولت دی، طلبہ ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کی طرف سفر کیا، اور آفاق میں دور دور تک ان کی شہرت ہوئی، مصر و عراق سے لوگ ان کا ارادہ کرکے جاتے تھے، اور شہروں سے ان پر اجازت طلبی زیادہ ہوگئی، اور انہوں نے پوتوں کو دادوں سے ملا دیا، موصوف، فقیہ، امام، ادیب، ذکی، ثقہ، صالح، دیندار، پرہیز گار تھے، موصوف سخاوت، مروت اور عقل ودانش سے آراستہ تھے، ہیبت اور وقار ان کی شخصیت میں موجود تھا، میں نے حافظ ابوالحجاج سے ان کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ موصوف کا اکابر ومشائخ اور معزز علماء میں شمار تھا، علم اور حدیث کے گھر میں پلے بڑھے تھے، اپنے اکثر مشائخ سے روایت واستفادہ میں سماعاً واجازۃً یکتا ویگانہ تھے، ہم نے بہت ساری چیزیں ان سے سنیں، اور ہم نہیں جانتے کہ اس زمانے میں روایت میں کسی کو وہ درجہ حاصل ہو جو ان کو حاصل تھا۔

وفات:

۹۴ رسال کی عمر میں ربیع الآخر ۶۹۰ھ/ اپریل ۱۲۹۱ء میں بروز بدھ بوقت چاشت رحلت فرمائی، اور اپنے والد شیخ شمس الدین احمد بن عبدالواحد کے پاس سفح قاسیون دمشق میں دفن کئے گئے۔

موصوف کی تالیفات میں ''أسنی المقاصد وأعذب الموارد'' بہت مشہور ہے، اس میں موصوف نے اپنے شیوخِ حدیث میں سے ۲۵ محدث اور محدثہ کا تذکرہ کیا ہے۔

موصوف کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو: البداية والنهاية: ١٣/ ٣١٤، شذرات الذهب: ٥/ ٤١٤.

(۱)　　**الشیخ رضی الدین موید الطّوسی**

نام ونسب:

موید نام، رضی الدین لقب اور ابوالحسن کنیت ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''موید بن محمد بن علی بن حسن بن محمد بن ابی صالح النیسابوری المعروف بالطّوسی۔''

ولادت، تحصیلِ علم، علمی مقام:

۵۲۴ھ میں اپنے آبائی وطن طوس میں پیدا ہوئے، علومِ دینیہ کی تحصیل کی، اور بڑا کمال بہم پہنچایا، فن قراءات اور علمِ حدیث میں کامل دستگاہ حاصل کی، صحیح مسلم کا سماع فقیہِ حرم محدث محمد بن فضل فراوی سے کیا، اور اس طرح صحیح بخاری

....

اور موطأ وغیرہ کا بھی نامور محدثین سے سماع کیا تھا، موصوف کے شاگرد ابن خلکان (المتوفی ۶۸۱ھ) "وفیات الأعیان" (۴/ ۳۴۷) میں لکھتے ہیں:

"أبو الحسن المؤيد ...... المحدث كان أعلى المتأخرين إسناداً، لقي جماعة من الأعيان وأخذ عنهم، وسمع صحيح مسلم من الفقيه أبي عبد الله محمد بن الفضل الفراوي المقدم ذكره، وهو آخر من بقي من أصحابه ...... حدث بالكثير ورحل إليه من الأقطار، ولنا منه إجازة كتبها من خراسان باستدعاء الوالد– رحمه الله تعالى– في جمادي الآخرة سنة عشر وست مائة، وإنما ذكرته لشهرته وتفرده في آخر عصره."

شیخ ابوالحسن موید...... متاخرین میں سب سے اعلیٰ اسناد کے حامل تھے، موصوف نے محدثین کی ایک جماعت سے ملاقات کی، اور ان سے علم حاصل کیا، فقیہ ابوعبداللہ محمد بن فضل فراوی سے (جن کا اوپر ذکر گذرا ہے) صحیح مسلم کا سماع کیا تھا، اور یہ ان کے شاگردوں میں سے آخری شاگرد تھے، بہت حدیثیں بیان کیں، گوشہ گوشہ سے لوگ ان کے پاس سفر کر کے آتے تھے، ہمیں بھی ان سے روایت حدیث کی اجازت حاصل ہے، موصوف نے والد ماجد کی درخواست پر ہمیں اجازتِ روایت جمادی الآخرہ ۶۱۰ھ میں خراسان سے لکھ کر بھیجی تھی، اور میں نے کتاب میں موصوف کا تذکرہ اس لیے کیا ہے کہ انہیں آخری زمانے میں شہرت وتفرد حاصل ہوگیا تھا۔

حافظ شمس الدین الذہبیؒ (المتوفی ۷۴۸ھ) نے "دول الإسلام" (۲/ ۹۱) میں "مسند خراسان" کے الفاظ سے یاد کیا ہے، موصوف کے الفاظ ہیں:

"مات ...... مسند خراسان المويد بن محمد الطوسي وله اثنتان وتسعون سنة." "اس سال مسند خراسان موید بن محمد طوسی نے ۹۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔

مؤرخ ابن العمادؒ (المتوفی ۱۰۸۹ھ) "شذرات الذهب" (۵/ ۷۸) میں تحریر فرماتے ہیں:

"المويد بن محمد ...... المقري مسند خراسان، انتهى إليه علو الإسناد بنيسابور، ورحل إليه من الأقطار."

موید بن محمد...... استاد قراءات، مسندِ خراسان، نیشاپور میں علو اسناد موصوف پر ختم ہوگئی تھی، ان کی طرف گوشہ گوشہ سے طلبہ سفر کر کے آتے تھے۔

موصوف کے شاگردوں کے ناموں کی فہرست نہایت طویل ہے، جس میں ابن البخاری، یاقوت رومی، اور ابن خلکان جیسے نامور علماء بھی داخل ہیں، موصوف کی تالیفات میں سے کتاب طریقۃ الخلاف زیادہ مشہور ہے۔

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ "تاریخ الإسلام" (۱۳/ ۵۳۲) میں رقمطراز ہیں:

اورانہوں نے فقیہ الحرم ابوعبداللہ محمد بن فضل بن احمد الفراوی (۱) سے،.....................

''وكان ثقة، مقرئا، جليلاً، روى عنه خلق كثير ''موصوف ثقہ اورفن قراءات کے استاداورجلیل القدر عالم ہیں،ان سے خلق کثیر نے حدیث کی روایت کی ہیں۔

وفات:

شبِ جمعہ ۲۰شوال ۶۱۷ھ/۲۲دسمبر ۱۲۲۰ء میں وفات پائی۔

موصوف کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو: غاية النهاية:۲ /۳۲۵، وفيات الأعيان:٤/٤٢٧، شذرات الذهب:٥/٧٨، التاج المكلل:١٣٤ - ١٣٥ ،طبع بمبئي .

(۱) فقیہ الحرم الشیخ محمد الفراوی

نام ونسب:

محمد نام اور فقیہ الحرم عرف ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''محمد بن الفضل بن احمد بن محمد بن احمد بن ابی العباس الصاعدی الفراوی النیسابوری الشافعی۔''

ولادت وتحصیل علم:

۴۴۰ھ یا ۴۴۱ھ میں نیشاپور میں پیدا ہوئے ،امام الحرمین ابوعلی جوینی سے فقہ اور اصول کی تعلیم پائی ،تصوف کی تحصیل مشہور صوفی ابوالقاسم قشیری سے کی ،حافظ ابوبکر احمد بن الحسین بیہقی ،ابوعثمان اسماعیل صابونی ،ابوحفص عمر بن احمد بن محمد ،ابوبکر محمد بن قاسم صفار ،ابواسحٰق ابراہیم شیرازی وغیرہ سے صحاح ستہ اور مسانید کی سماعت کی ،۴۴۸ھ میں محدث عبد الغافر فارسی سے صحیح مسلم کا سماع کیا ،جب اصول ،فقہ اور حدیث وغیرہ میں مہارت پیدا ہوگئی تو مدرسۂ ناصحیہ میں (جو اس وقت کا مشہور مدرسہ تھا) مسندِ درس کو زینت بخشی ،طبیعت میں ایثار ،تواضع ،قناعت اور خداترسی تھی ،کتابت کر کے پیٹ بھرتے تھے ،طلبہ دور دور سے آتے اور ان سے حدیثوں کا سماع کرتے تھے ،حج کرنے کے لیے جب نیشاپور سے حرمین آئے تو راستہ میں فقہ وحدیث کی مجلسوں کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوا ،اہلِ بغداد اور اہلِ حرمین کو ان سے بڑا فائدہ پہنچا ،خصوصاً حرمین میں فقہ وحدیث اور "قال اللہ وقال الرسول" کا خوب چرچا ہوا ،یہاں علم کی نشر واشاعت کی وجہ سے ان کو فقیہ حرم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ،موصوف کے شاگرد حافظ ابوالقاسم بن عسا کر نے سماعتِ حدیث کی خاطر ان کی طرف دو مرتبہ سفر کیا ،اور دوسری مرتبہ سال بھر ان کے مکان پر حاضری دی ،اپنا تأثر حسبِ ذیل الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

''وإلى الإمام الفراوي كانت رحلتي الثانية؛ لأنه كان المقصود بالرحلة في تلك الناحية لما اجتمع فيه من علو الإسناد، ووفور العلم، وصحة الاعتقاد، وحسن الخلق، ولين الجانب، والإقبال بكليته على

اورانہوں نے امام ابوالحسین عبدالغافر بن محمد الفارسی (۱) سے،......................

الـطـلبة مـن الآفاق حتى يقال للفراوي: ألف راوي، وقيل: إن ذلك كان مكتوباً في خاتمه، وقد أسمع صحيح مسلم قريباً من عشرين مرة. ''

موصوف نے شہرۂ آفاق محدثین کی ایک جماعت سے بہت سی حدیثیں سنیں، فقہ میں بصیرت حاصل کی، فتویٰ دیا، مناظرہ کیا، اور وعظ کہا، یہ ظریف، خوش رو، بڑے ہنس مکھ اور نہایت بااخلاق بزرگ تھے، ایک ہزار سے زیادہ مجلس املا کرائیں، گوشہ گوشہ سے طلبہ ان کی طرف سفر کرکے آتے تھے، یہاں تک کہا جانے لگا کہ فراوی کے ایک ہزار راوی ہیں، اور بیان کیا گیا ہے کہ یہ ان کی انگوٹھی پر بھی کندہ تھا، انہوں نے تقریباً بیس مرتبہ صحیح مسلم پڑھ کر سنائی تھی۔

علامہ ذہبیؒ نے موصوف کے متعلق ''تاریخ الإسلام'' (۵۱۳/۱۱) میں لکھا ہے:

''ذكره عبد الغافر في سياق تاريخ نيشابور، فقال فيه: فقيه الحرم، البارع في الفقه والأصول، الحافظ للقواعد، ونشأ بين الصوفية ووصل إليه بركات أنفاسهم، درس على زين الإسلام القشيري الأصول والتفسير. ''

موصوف کا تذکرہ عبدالغافر نے تاریخ نیشاپور میں کیا ہے، کہا کہ موصوف فقیہ الحرم، فقہ اور اصول کے ماہر، اور قواعد زبانی یاد تھے، صوفیہ کی صحبت میں پرورش پائی، صوفیہ کی برکات ان پر اثر انداز ہوئیں، زین الاسلام قشیری سے اصول اور تفسیر پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔

وفات:

۹۰/برس کی عمر میں شوال ۵۳۰ھ/ جولائی ۱۱۳۶ء میں وفات پائی، اور حافظ محمد بن اسحٰق بن خزیمہ کے پاس مدفون ہیں۔

موصوف کی تالیفات میں سے ''كتاب في المذهب'' اور ''المجالس المكية'' زیادہ مشہور ہیں۔

واضح رہے کہ فَراوہ بفتح فاء وضمہ دونوں طرح درست ہے، لیکن فتح زیادہ مشہور ہے، یہ نَسا کے اطراف میں دہستان اور خوارزم کے درمیان ایک چھوٹا سا شہر تھا، ان کے والد ماجد فراوہ کی سرحد پر آباد تھے، پھر نیشاپور میں بودوباش اختیار کرلی تھی۔

موصوف کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو: مقدمه صحيح مسلم از نووي، معجم البلدان:۳۵۲/٦، لب اللباب از ابن الاثير:۱۹۳/۲، البداية والنهاية:۲۱۰/۱۲، تاج العروس:۲۷۹/۱۰، هدية العارفين:۸۷/۲، إتحاف النبلاء:۳۸۵، تاريخ نيسابور.

(۱) الشیخ عبدالغافر الفارسی

نام ونسب:

عبدالغافر نام، ابوالحسین کنیت اور سلسلۂ نسب یہ ہے: ''عبدالغافر بن محمد بن عبدالغافر بن احمد بن محمد بن سعید

....

الطالب، فأقمت في صحبته سنة كاملة، وغنمت من مسموعاته فوائد حسنة طائلة، وكان مكرماً لموردي عليه، عارفاً بحق قصدي إليه، ومرض مرضة في مدة مقامي عنده، ونهاه الطبيب عن التمكين من القراءة عليه فيها، وعرفه أن ذلك ربما كان سبباً لزيادة تأمله، فقال: لا أستجيز أن أمنعهم من القراءة، وربما أكون قد حبست في الدنيا لأجلهم، فكنت أقرأ عليه في حال مرضه وهو ملقى على فراشه، ثم عوفي من تلك المرضة، وفارقته متوجهاً إلى هراة، فقال لي حين ودعته بعد أن أظهر الجزع لفراقي: ربما لانلتقي بعد هذا، فكان كما قال، فجاء نا نعيه إلى هراة.'' (تاریخ ابن عساکر بحوالہ مقدمہ شرح صحیح مسلم:۱۱ طبع نور محمد اصح المطابع)

اور فقیہ محمد فراوی کی طرف میرا دوسرا سفر ہوا، نواح نیشاپور میں رحلت کا مقصد ان ہی کی ذات تھی، کیونکہ علو اسناد، بھرپور علم، صحیح اعتقاد، خوش خلقی، نرم دلی، اور طالب پر پوری توجہ یہ سب اوصاف ان میں موجود تھے، میں پورے ایک برس ان کی صحبت میں رہا، اور ان کی مسموعات کے اچھے اور مفید فوائد سے مالا مال ہوا، میرے دور سے آنے کی وجہ سے مجھ پر بڑے مہربان تھے، میری آمد کی غرض سے واقف تھے، میرے قیام کے دوران وہ کسی مرض میں مبتلا ہو گئے، اور طبیب نے اس مرض میں ان کو پڑھانے سے منع کر دیا تھا، اور یہ سمجھایا تھا کہ ایسا کرنا ان کی مزید تکلیف کا باعث ہوگا، انہوں نے فرمایا: میں اس امر کو جائز نہیں سمجھتا کہ ان لوگوں کو پڑھنے سے منع کر دوں حالانکہ مجھے تو دنیا میں محض انہی کی وجہ سے روکا گیا ہے، چنانچہ میں اس بیماری میں بھی جب کہ وہ بستر پر لیٹے رہتے تھے پڑھتا رہتا تھا، پھر ان کو اِس بیماری سے شفا ہوگئی، اور میں ہرات کی طرف جانے کے لیے ان سے رخصت ہونے لگا تو میری جدائی سے ان کو کچھ بے چینی سی ہوئی، اور فرمایا بہت ممکن ہے کہ اس کے بعد ہماری تمہاری ملاقات نہ ہو، تو ایسا ہی ہوا جیسا کہ انہوں نے فرمایا تھا، ان کی وفات کی خبر ہمارے پاس ہرات میں آئی۔

یاقوت رومی ''معجم البلدان'' (فراوہ) میں لکھتے ہیں:

''كان إماماً متفنناً مناظراً، محدثاً واعظاً مكرماً لأهل العلم ...... روى عنه شيخنا المؤيد بن محمد بن علي الطوسي، وأبو أحمد عبد الوهاب بن علي بن سكينة بالإجازة، وله مجالس في الوعظ والتذكير مجموعة.''

موصوف امام، نکتہ سنج، مناظر، محدث، واعظ اور اہلِ علم کی نگاہوں میں معزز تھے...... ان سے ہمارے شیخ مؤید بن محمد بن علی طوسی اور ابواحمد عبدالوہاب بن علی بن سکینہ اجازت خاص سے راوی ہیں، ان کی مجالسِ وعظ وتذکیر کا ایک مجموعہ مرتب ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ ''البداية والنهاية'' (۱۱/۱۲) میں رقمطراز ہیں:

''قد سمع الحديث الكثير على جماعة من المشايخ بالآفاق، وتفقه، وأفتى، وناظر، ووعظ، وكان ظريفاً حسن الوجه، جميل المعاشرة، كثير التبسم، وأملى أكثر من ألف مجلس، ورحل إليه

الفارسی الفسوی النیسابوری۔''

ولادت وتحصیل علم:

۳۵۳ھ میں پیدا ہوئے، اور اس عصر کے مشہور فقہاء ومحدثین سے علوم کی تحصیل کی، ان کو علوم اسلامیہ میں کامل دستگاہ حاصل تھی، ۳۶۵ھ میں محدث جلودی سے صحیح مسلم کا سماع کیا، پھر حدیث کا درس دینا شروع کیا، گذر بسر کا ذریعہ تجارت تھی۔

سند عالی میں یکتائی:

علو اسناد میں یکتائے زمانہ تھے، عمر نہایت طویل پائی، مایۂ ناز محدثین بھی صحیح مسلم کا ان سے سماع کرنا سرمایۂ افتخار سمجھتے تھے، ان کے پوتے مؤرخ عبدالغافر بن اسماعیل کا بیان ہے:

''كان شيخاً ثقة، صالحاً ،صائناً، محظوظاً من الدين والدنيا، محدوداً في الرواية على قلة سماعاته، مشهوراً مقصوداً من الآفاق، سمع منه الأئمة والصدور، وقرأ الحافظ الحسن السمرقندي عليه صحيح مسلم نيفاً وثلاثين مرة، وقرأه عليه أبو سعيد البحيري نيفاً وعشرين مرة، وممن قرأ عليه من مشاهير الأئمة زين الإسلام أبو القاسم يعني القشيري والواحدي وغيرهما، استكمل خمساً وتسعين سنة، وألحق أحفاد الأحفاد بالأجداد.'' (مقدمة شرح صحيح مسلم :۱۲)

موصوف شیخ، صالح، پاکباز، دین ودنیا سے بہرہ مند، روایت میں منہمک، قلت سماع کے باوجود مشہور اور اہل جہان کے مقصود تھے، ان سے ائمہ اور نامور لوگوں نے حدیثوں کا سماع کیا تھا، حافظ حسن سمرقندی نے تیس مرتبہ سے زیادہ ان سے صحیح مسلم پڑھی، اور ابوسعید بحیری نے بیس مرتبہ سے بھی زیادہ پڑھی تھی، اور جن مشہور ائمہ نے ان سے صحیح مسلم پڑھی، ان میں سے زین الاسلام ابوالقاسم قشیری اور واحدی وغیرہ ہیں، پورے پچاس برس پڑھایا، اور پر پوتوں کو دادوں سے ملایا، اور سند میں ان کے ہم رتبہ بنایا۔

علامہ محی الدین نوویؒ لکھتے ہیں:

''سمع منه أئمة الدنيا من الغرباء، والطارئين، والبلديين، وبارك الله سبحانه في سماعه وروايته مع قلة سماعاته.'' (مقدمہ صحیح مسلم از نووی:۱۲)

ان کے کمتر سماع کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کے سماع اور روایت میں بڑی برکت عطا فرمائی، دنیا کے دورونزدیک کے رہنے والے بدوی اور شہری ائمہ فن نے ان سے حدیثوں کا سماع کیا۔

حافظ ذہبیؒ (المتوفی ۷۴۸ھ) ''کتاب العبر'' (۲۱۶/۳) میں رقمطراز ہیں:

اورانہوں نے ابواحمد محمد بن عیسٰی الجلو دی نیشاپوری (۱) سے، ....

”أبو الحسين بن عبد الغافر ...... الفارسي ثم النيسابوري، راوي صحيح مسلم عن أبي عمرويه، وغريب الخطابي عن المؤلف، كمّل خمسا وتسعين سنة، ومات في خامس شوال، وكان عدلاً جليل القدر.“

ابوالحسین بن عبدالغافر...... فارسی ثم نیشاپوری، صحیح مسلم کے ابوعمرویہ سے راوی، اورغریب خطابی کے امام خطابی سے راوی تھے، موصوف نے ۹۵ سال کی عمر پائی، اور ۵/شوال کو وفات پائی، موصوف عادل اور جلیل القدر عالم تھے۔

علامہ ذہبیؒ ”تاریخ الإسلام“ (۷۰۹/۹) میں لکھتے ہیں:

”قال في ترجمته حفيده الحافظ عبد الغافر بن إسماعيل: الشيخ الجد الثقة الأمين الصالح الصيّن الديّن المحظوظ من الدنيا والدين، الملحوظ من الحق تعالى بكل نُعمى.“

موصوف کے تذکرہ میں ان کے نواسے حافظ عبدالغافر بن اسماعیل فرماتے ہیں کہ میرے دادا ثقہ، امانت دار، صالح، اللہ کی نگرانی میں تھے، دیندار، دین ودنیا سے بہرہ مند اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر قسم کی راحت وآسائش میں قابل دید تھے۔

وفات:

۵/شوال بروز منگل ۴۴۸ھ/ ۱۵دسمبر ۱۰۵۷ء میں وفات پائی، اور بدھ کو سپرد خاک کئے گئے۔

حالات کیلئے ملاحظہ ہو: مقدمة صحيح مسلم ازنووی، كتاب العبر: ۲۱۶/۳، تاريخ الإسلام: ۷۰۹/۹.

(۱) **الشیخ ابوالزاہد محمد الجلو دی**

نام ونسب:

محمد نام، ابواحمد کنیت اور الزاہد عرف ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ”محمد بن عیسٰی بن محمد بن عبدالرحمٰن بن عمرویہ بن منصور الجلو دی النیسابوری۔“

تحصیل علم:

موصوف ۲۸۸ھ میں پیدا ہوئے، اس عہد کے نامور علماء سے علوم دینیہ کی تحصیل کی، اور ائمہ فن سے فقہ وحدیث پڑھی، تصوف کی تعلیم پائی، اور یہ سب کچھ نیشاپور میں رہ کر حاصل کیا، تحصیلِ علم کے لیے نیشاپور سے باہر قدم نہیں نکالا، جب اِن فنون میں بصیرت حاصل ہوگئی تو حدیث کا درس دینا شروع کیا، زہد کا یہ عالم تھا کہ کتابیں نقل کرتے اور اسی پر گذر بسر کرتے تھے، امام نوویؒ حاکم کی تاریخ نیشاپور سے ناقل ہیں:

”كان أبو أحمد ...... شيخاً صالحاً زاهداً من كبار عباد الصوفية، صحب أكابر المشايخ من أهل الحقائق، وكان ينسخ الكتب، ويأكل من كسب يده.“ (تاریخ نیشاپور بحوالہ مقدمہ صحیح مسلم: ۱۲)

ابو احمد...... صالح زاہد اور بلند پایہ صوفیہ میں سے تھے، اور بڑے مشائخِ طریقت سے اکتسابِ فیض کیا تھا، کتابیں نقل کرتے اور اپنے دست و بازو کی کمائی کھاتے تھے۔

حافظ عبدالکریم سمعانیؒ "الأنساب" (نسبت الجلودی) میں رقمطراز ہیں:

''سمع أبابكر محمد بن إسحق بن خزيمة، وأحمد بن إبراهيم بن عبد الله ...... وإبراهيم بن محمد بن سفيان الفقيه وغيرهم، روى عنه الحاكم أبو عبد الله الحافظ، وجماعة كثيرة، آخرهم أبو الحسين عبد الغافر بن محمد بن عبد الغافر الفارسي ...... وتوفي يوم الثلاثاء الرابع والعشرين من ذي الحجة، سنة ٣٦٨هـ، ودفن في مقبرة الحيرة، وهو ابن ثمانين سنة، وختم بوفاته سماع كتاب مسلم بن الحجاج، وكل من حدث به بعده عن إبراهيم بن محمد بن سفيان فإنه غير ثقة.''

ابوبکر محمد بن اسحٰق بن خزیمہ، احمد بن ابراہیم بن عبداللہ...... اور ابراہیم بن محمد بن سفیان فقیہ وغیرہ سے حدیثوں کا سماع کیا تھا، حافظ ابوعبداللہ حاکم اور ایک بڑی جماعت نے ان سے روایت کی ہے، جن میں سے آخری راوی ابوالحسین عبدالغافر بن محمد بن عبدالغافر فارسی تھے...... ۲۴ ر ذی الحجہ منگل ۳۶۸ھ میں اسّی (۸۰) سال کی عمر میں وفات پائی، اور مقبرۂ حیرہ میں دفن کئے گئے، ان کی وفات سے مسلم بن حجاج کی کتاب صحیح مسلم کا سماع ختم ہوگیا، ان کے بعد جو بھی ابراہیم بن محمد بن سفیان کی سند سے حدیث بیان کرے گا وہ قابل اعتبار نہیں۔

وفات:

محدث مجدالدین اسماعیل بلبسی (المتوفی ۸۰۲ھ) ''کتاب القبس'' میں لکھتے ہیں:

''راوية صحيح مسلم بن الحجاج عن أبي سفيان الفقيه ...... توفي في ذي الحجة عن ثلاث وثمانين سنة، قرأ على ابن مجاهد.''

نسبت جلودی:

"الجلودي بفتح الجيم، وكثير من رواة الحديث يقولونه بالضم والفتح هو الصحيح، منهم: أبو أحمد محمد بن عيسى بن عمرو بن منصور، روى كتاب مسلم عن أبي إسحق إبراهيم بن محمد بن سفيان عنه ...... بخط الهروي- رحمه الله- هذا خطأ، والصواب ضمه، كما قال السمعاني.''

صحیح مسلم کے ابوسفیان فقیہ سے راوی ہیں، ان کا انتقال ذی الحجہ کے مہینہ میں ہوا، جب یہ تراسی سال کے تھے، انہوں نے ابنِ مجاہد سے بھی پڑھا تھا۔

اورانہوں نے ابواسحٰق ابراہیم بن محمد بن سفیان الفقیہ الجلو دی (۱) سے، یہ جلُود کی طرف نسبت ہے جو جِلد کی جمع ہے، چونکہ نیشاپور میں چمڑے والوں کی گلی میں رہا کرتے تھے،

جَلو دی جیم کے فتحہ سے ہے، راویانِ حدیث جیم کے ضمہ کے ساتھ بھی پڑھتے ہیں، مگر فتحہ سے صحیح ہے، ان ہی میں سے ابواحمد محمد بن عیسیٰ بن عمرو بن منصور ہیں جو مسلم کی کتاب کے بواسطۂ ابواسحٰق ابراہیم راوی ہیں، بخطِ ہروی رحمہ اللہ دیکھا گیا ہے کہ بالفتح غلط ہے، ضمہ کے ساتھ صحیح ہے، جیسا کہ سمعانی نے کہا ہے۔

علامہ ذہبیؒ ''کتاب العبر'' (۲/۳۴۸) میں لکھتے ہیں:

''الجُلُودي الزاهد أبو أحمد محمد ......النيسابوري ''جلودی زاہد ابواحمد محمد......نیشاپوری۔

تاریخِ وفات اوپر گزر چکی،

موصوف کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو: کتاب الأنساب نسبت جلودی، مقدمة صحيح مسلم ازنووی، کتاب القبس (یہ علامہ عبداللہ رشاطی (المتوفی ۴۶۶ھ) کی کتاب اقتباس الأنوار والتماس الأزهار في أنساب الصحابة ورواة الآثار کی تلخیص ہے) اس کے مخطوطہ کا عکسی فوٹو اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ میں موجود ہے، کتاب العبر: ۲/۳٤۸، تاریخ الإسلام: ۸/۲۹٤، المنتظم: ١٤/٢٦٧.

(۱) الشیخ الفقیہ ابراہیم النیسابوری

نام ونسب:

ابراہیم نام اور ابواسحٰق کنیت ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''ابراہیم بن محمد بن سفیان النیسابوری الحنفی۔''

تحصیل فقہ وحدیث:

موصوف نے فقہ کی تحصیل امام محمدؒ کے ممتاز شاگرد، مشہور فقیہ ایوب بن الحسن نیشاپوری حنفی سے کی تھی، اور حدیث اس زمانے کے اکابر محدثین سے پڑھی تھی، شیوخِ حدیث میں امام مسلمؒ سے ان کو خاص ربط تھا، اکثر ان کی خدمت میں حاضر رہتے تھے، ۲۵۷ھ میں امام مسلم سے صحیح مسلم کا سماع کیا تھا، حاکم نیشاپوری تاریخ نیشاپور میں رقمطراز ہیں:

''كان إبراهيم بن سفيان من العباد المجتهدين، ومن الملازمين لمسلم بن الحجاج، وكان من أصحاب أيوب بن الحسن الزاهد صاحب الرأي، يعني الفقيه الحنفي، سمع إبراهيم بن سفيان بالحجاز ونيسابور والري والعراق.'' (تاریخ نیشاپور بحوالہ مقدمہ صحیح مسلم: ۱۲)

ابراہیم بن سفیان مرتاض بزرگوں میں سے تھے، امام مسلم کے ہمہ وقت ساتھ رہنے والوں میں سے تھے، اور ایوب بن حسن زاہد صاحب الرائے یعنی فقیہ حنفی کے شاگردوں میں سے تھے، ابرہیم بن سفیان نے حجاز، نیشاپور، رَیّ اور

....

عراق میں حدیثوں کا سماع کیا تھا۔

ورع وتقویٰ:

حافظ محمد بن عبد الغنی حنبلی ''کتاب الاستدراك على الإكمال'' میں ''باب السفياني والسقياني'' کے اندر رقمطراز ہیں:

''أما السفياني منسوب إلى مذهب سفيان، فجماعة منهم :أبو أحمد محمد بن عيسى الجلودي، قال الحاكم في تاريخه: حدث بكتاب الصحيح لمسلم عن إبراهيم بن محمد بن سفيان، وهو الشيخ الصالح الديّن الزاهد من كبار عباد الصوفية، سمع أبا بكر بن إسحق بن خزيمة، ومن كان قبله بسنين، مثل أحمد بن إبراهيم بن عبد الله، وعبد الله بن شيرويه، وإبراهيم بن محمد بن سفيان وأقرانهم، وكان ينتحل مذهب سفيان بن سعيد الثوري، ويعرفه، توفي يوم الثلاثاء الرابع والعشرون من ذي الحجة، سنة ثمان وستين وثلاث مائة، ودفن في مقبرة الحيرة وهو ابن ثمانين سنة، وختم بوفاته سماع كتاب مسلم بن الحجاج، وكل من حدث به بعده عن إبراهيم بن محمد بن سفيان فإنه غير ثقة.''

لیکن سفیانی، سفیان کے مذہب کی طرف منسوب ہیں، اس نسبت سے ایک جماعت مشہور ہے، جن میں سے شیخ ابواحمد محمد بن عیسیٰ جلودی ہیں، حاکم نے تاریخ نیشاپور میں تصریح کی ہے کہ موصوف مسلم کی کتاب ''الصحیح'' کے ابراہیم بن محمد بن سفیان سے راوی تھے، شیخ، صالح، متدین، زاہد اور بلند پایہ صوفیہ میں سے تھے، ابوبکر ابن اسحٰق بن خزیمہ سے سماع کیا، اوران سے بھی جو ان سے چند سال پیشتر تھے، جیسے احمد بن ابراہیم بن عبداللہ، عبداللہ بن شیرویہ، ابرہیم بن محمد بن سفیان اوران کے معاصرین سے بھی، موصوف نے سفیان بن سعید ثوریؒ کا مسلک اختیار کیا تھا، اوراس نسبت سے مشہور تھے، منگل کے دن ۲۴ رذی الحجہ ۳۶۸ھ میں ان کا انتقال ہوا، مقبرۂ حیرہ میں دفن کئے گئے، انتقال کے وقت اسّی (۸۰) سال کے تھے، ان کی موت سے مسلم بن الحجاج کی کتاب کا سماع ختم ہوگیا، ان کے بعد جو کوئی ابراہیم بن محمد بن سفیان سے روایت کرے وہ قابلِ اعتبار نہیں۔

تسلسل بروایت صحیح مسلم:

بلاشبہ صحیح مسلم کی شہرت بحد تواتر امام مسلم تک پہنچی ہوئی ہے لیکن اِس روایت کا سلسلہ آج ان ہی کے دم پر قائم ہے، شیخ نووی مقدمہ شرح مسلم میں ان کا تعارف اِن الفاظ میں ''السيد الجليل أبو إسحق إبراهيم بن محمد بن سفيان ...... الفقيه الزاهد المجتهد العابد'' کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

انہوں نے خود مؤلفِ کتاب ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیر ی النیسابوری (۱) سے پڑھی تھی۔

''وأما من حيث الرواية المتصلة بالإسناد المتصل في رواية أبي إسحق إبراهيم بن محمد بن سفيان عن مسلم.''

لیکن بحیثیت روایتِ متصل ابواسحٰق ابراہیم بن محمد بن سفیان ہی کی سند از امام مسلم مسلسل ہے۔

حافظ ذہبیؒ ''كتاب العبر في خبر من غبر'' (۱۳۶/۲) میں لکھتے ہیں:

''روى عن محمد بن رافع، ورحل وسمع ببغداد والكوفة والحجاز، وقيل كان مجاب الدعوة.''

محمد بن رافع سے روایت کی، طلبِ حدیث کے لیے سفر کیا اور بغداد، کوفہ اور حجاز میں حدیثوں کا سماع کیا، بیان کیا گیا ہے کہ موصوف مستجاب الدعوات تھے۔

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ ''تاريخ الإسلام'' (۱۳۰/۷) میں رقمطراز ہیں:

''قال محمد بن أحمد بن شعيب: ما كان في مشايخنا أزهد ولا أكثر عبادة من إبراهيم بن محمد بن سفيان.''

محمد بن احمد بن شعیب کہتے ہیں: ہمارے مشائخ میں ابراہیم بن محمد بن سفیان سے زیادہ زہد وعبادت والا کوئی نہیں ہے۔

وفات:

رجب ۳۰۸ھ/ دسمبر ۹۲۰ء میں وفات پائی۔

موصوف کے حالات کے لیے دیکھو: كتاب الاستدراك على الإكمال، مخطوطہ عکسی اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ، کراچی، مقدمة صحيح مسلم از نووي :۱۲، كتاب العبر:۱۳۶/۲، تاريخ الإسلام :۱۳۰/۷ .

(۱) **الإمام مسلم بن الحجاج النیسابوری**

أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم بن ورد القشيري النيسابوري (المولود ۲۰۶ھ=۸۲۲ء المتوفی ۲۶۱ھ=۸۷۵ء)

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ ''تاريخ الإسلام'' (۴۳۱/۶-۴۳۳) میں رقمطراز ہیں:

''سمع من أحمد بن حنبل، وشيبان بن فروخ وغيرهم ...... وروى عنه الترمذي حديثاً واحداً في "جامعه" ومحمد بن عبد الوهاب الفرّاء وغيرهم ...... قال أبو عمرو أحمد بن المبارك: سمعت إسحق بن منصور يقول لمسلم بن الحجاج: لن نعدم الخير ماأبقاك الله للمسلمين ...... وقال عبد الرحمن بن أبي حاتم: كان ثقة من الحفاظ، كتبت عنه بالري، وسئل أبي عنه، فقال: صدوق، وقال أبو قريش الحافظ:

سنن ابی داؤد: شیخ ابوطاہر کردی نے اس کو شیخ حسن عُجیمي سے پڑھا، اور انہوں نے شیخ عیسیٰ مغربی سے، اور انہوں نے شیخ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی (۱) سے، اور انہوں نے بدر الدین کرخی سے (جو مسند الوقت تھے) پڑھی تھی، اور انہوں نے حافظ ابوالفضل جلال الدین سیوطی سے، ....

سمعت محمد بن بشار يقول: حفاظ الدنيا أربعة: أبو زرعة بالريّ، ومسلم بنيسابور، وعبد الله الدارمي بسمرقند، ومحمد بن إسماعيل ببخارى.''

موصوف نے امام احمد بن حنبل اور شیبان بن فروخ وغیرہ سے حدیث کا سماع کیا، ان سے ترمذی نے اپنی جامع میں ایک حدیث اور محمد بن عبدالوہاب الفراء وغیرہ نے روایت کی ہے، ابوعمر واحمد بن مبارک کہتے ہیں کہ میں نے اسحٰق بن منصور کو مسلم بن حجاج سے یہ فرماتے ہوئے سنا: ہم ہرگز خیر کو معدوم نہیں پائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ آپ کو مسلمانوں کے لیے زندہ سلامت رکھیں گے، عبدالرحمٰن بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ موصوف ثقہ حفاظ میں سے ہیں، میں نے ریّ میں ان سے لکھا، میرے والد سے ان کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ صدوق ہیں، اور حافظ ابوقریش کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن بشار کو فرماتے ہوئے سنا کہ حفاظ الدنیا چار ہیں: ۱- ابوزرعہ رے میں، اور ۲- مسلم نیشاپور میں، ۳- عبداللہ دارمی سمرقند میں، اور ۴- محمد بن اسماعیل بخارا میں۔

موصوف کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو: تاريخ بغداد:۱۳/ ۱۰۰ - ۱۰۴، كتاب الفهرست ازابن النديم: ۲۳۱، وفيات الأعيان:۲/ ۱۰۹ - ۱۲۰، تهذيب الأسماء واللغات:۲/ ۸۹ - ۹۲، طبقات الحنابلة ازفراء: ۲٤٦، المختصر من أخبار البشر:۲/ ٥٤، تذكرة الحفاظ:۲/ ۱٥۰ - ۱٥۲، البداية والنهاية بذيل وفيات: ۲٦۱، النجوم الزاهرة: ۳/ ۳۳، تهذيب التهذيب: ۱۰/ ۱۲٦ - ۱۲۸، شذرات الذهب:۲/ ۱٤٤ - ۱٤٥، مفتاح السعادة:۲/ ۸ - ۹، هدية العارفين:۲/ ٤۳۱، بستان المحدثين: ۱۱٦، إتحاف النبلاء: ٤۲۰، الحطة في ذكر الصحاح الستة، التاج المكلل: ۱۳۰ - ۱۳۲، المنتظم:۱۲/ ۱۷۱.

(۱) الشیخ احمد الخفاجی الحنفی

نام ونسب:

احمد نام اور شہاب الدین لقب ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''احمد بن محمد بن عمر الخفاجی الحنفی۔''

تحصیل علم:

موصوف ۹۷۹ھ = ۱۵۷۱ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے والد سے پائی، اور اپنے ماموں ابوبکر شنوائی سے علوم عربیہ کی تحصیل کی، احمد علقمی اور محمد صالحی شامی سے ادب پڑھا، اور شیخ داؤد بصیر سے طب پڑھی، شیخ الاسلام محمد رملی، نور

....

الدین علی زیادی، ابراہیم علقمی اور ابن غانم مقدسی حنفی سے حدیث وفقہ کی تکمیل کی، پھر اپنے والدین کے ساتھ حرمین کا سفر کیا، اور وہاں علی بن جار اللہ عصام سے استفادہ کیا، بعد ازآں قسطنطنیہ آئے، اور یہاں شیخ ابن عبد الغنی، مصطفیٰ بن عزمی، سعد الملۃ والدین ابن حسن اور خاتمۃ المفسرین ابوالسعو دعمادی وغیرہ سے اکتساب فیض کیا، موصوف کا سلسلۂ روایت تین شیوخ سے نہایت اعلیٰ ہے، خفاجیؒ نسیم الریاض (۱/۳) میں رقمطراز ہیں:

''اعلم! أن سندي في هذا الكتاب وغيره من كتب الحديث سلسلة الذهب من طرق عالية، أعلاها روايتي عن خاتمة المحدثين الشيخ إبراهيم العلقمي، و عن أخيه الشمس العلقمي شارح الجامع الصغير عن مؤلفه الجلال السيوطي، بقراء تي عليه من أوله إلى آخره بالجامع الأزهر، وسند السيوطي- رحمه الله- أشهر من الشمس في رابعة النهار، وعن شيخ الإسلام شافعي زمانه الشيخ العلامة شمس الدين محمد الرملي عن والده الشيخ أحمد الرملي عن شيخ الإسلام زكريا الأنصاري، وعن والدي- قدس الله روحه- عن الشيخ شهاب الدين ابن حجر الهيثمي، وهكذا كابراً عن كابر إلى المصنف.''

یادرہے کہ میری سند اس کتاب میں اور حدیث کی دوسری کتابوں میں سلسلۃ الذہب (سنہری کڑی) اعلیٰ سندوں میں سے اعلیٰ سند خاتمۃ المحدثین شیخ ابراہیم علقمی اور ان کے بھائی شمس الدین علقمی شارح جامع صغیر از صاحبِ جامع صغیر شیخ جلال الدین سیوطیؒ سے ہے، میں نے اس کو اول سے آخر تک ان سے جامع از ہر میں پڑھا ہے، اور سیوطیؒ کی سند روزِ روشن میں آفتاب سے بھی زیادہ روشن اور مشہور ہے، اور شیخ الاسلام، شافعیِ دوران شیخ علامہ شمس الدین محمد رملی جو اپنے والد شیخ احمد رملی سے اور وہ شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ سے راوی ہیں، روایت کرتا ہوں، اور اپنے والد ماجد قدس اللہ سرہ العزیز سے جو شیخ شہاب الدین ابن حجر ہیثمی سے روایت کرتے ہیں، اور اس طرح یکے بعد دیگرے مصنف تک جو سلسلہ اسناد ہے، میں اس کا بھی راوی ہوں۔

فضل وکمال:

محبی ''خلاصة الأثر'' (ص:۳۳۱-۳۳۲) میں لکھتے ہیں:

''الشيخ أحمد ......الخفاجي المصري الحنفي صاحب التصانيف السائرة، واحد أفراد الدنيا المجمع على تفوقه وبراعته، وكان في عصره بدر سماء العلم ونيّر أفق النثر والنظم، رأس المؤلفين، ورئيس المصنفين، سار ذكره مسير المثل، وطلعت أخباره طلوع الشهب في الفلك، وكل من رأيناه أو سمعنا به ممن أدرك وقته معترفون له بالتفرد في التقرير والتحرير وحسن الإنشاء، وليس فيهم من يلحق شأوه، ولايدعى ذلك مع أن في الخلق من يدعي ماليس فيه، وتآليفه كثيرة ممتعة مقبولة، وانتشرت في البلاد، ورزق فيها سعادة

....

عظيمة؛ فإن الناس اشتغلوا بها وأشعاره ومنشأته مسلمة لامجال للخدش فيها، والحاصل أنه فاق كل من تقدمه في كل فضيلة، وأتعب من يجيء بعده مع ما خوله الله تعالى من السعة، وكثرة الكتب، ولطف الطبع، والنكتة والنادرة.''

شیخ احمد..... خفاجی مصری حنفیؒ مشہور کتابوں کے مصنف اور ناموران عالم میں سے تھے، جن کی برتری اور مہارتِ فن پر سب کا اتفاق ہے، موصوف اپنے زمانے میں آسمانِ علم کے ماہتاب اور اُفقِ نظم ونثر کے آفتابِ عالمتاب تھے، مؤلفین کے سرتاج اور مصنّفین کے سردار تھے، ان کا ذکر کہاوت کی طرح سے دائر وسائر اور ان کے متعلق خبریں ایسی روشن ہیں جیسے آسمان میں تارے، اور ہر وہ عالم جس کو ہم نے دیکھا یا سنا ہے، اور جن علماء نے ان کا زمانہ پایا ہے وہ ان کی یکتائی اور خوبی تحریر وانشاء پردازی کے معترف تھے، ان میں کوئی ایسا نہ تھا جو ان کے کمال کو پاسکا اور نہ اس کا مدعی تھا باوجودیکہ مخلوق میں ایسے لوگ بھی ہیں جو ایسی باتوں کا دعویٰ کرتے ہیں جو ان میں نہیں ہوتی ہیں، ان کی تالیفات بہت ہیں، مفید ہیں، مقبول ہیں، شہر شہر میں موجود ہیں، اور یہ ان کی بڑی ہی خوش بختی ہے کہ لوگ ان میں مشغول ہیں، ان کی نظم ونثر مسلم ہے اس میں اعتراض کی گنجائش نہیں، خلاصہ کلام یہ ہے کہ موصوف ان لوگوں سے جو فضیلت میں آگے نکل چکے تھے، فائق ہوگئے اور پیچھے آنے والوں کو تھکا دیا، ان اوصاف کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو کشادگی، کتابوں کی کثرت، لطفِ طبع، نکتے اور نادر باتوں سے بھی خوب سرفراز فرمایا تھا۔

شیخ ابوسالم العیاشی (المتوفی ۱۰۹۰ھ) فرماتے ہیں:

''شيخنا هذا ممن اتسعت رحلته في أقطار الأرض، وبعد صيته، وعمر، وبلغ في التحقيق مبلغاً يعجز من ورائه عن إدراكه، وله ملكة قوية في سائر العلوم الشرعية والفلسفية.''

(الإتحاف بحواله فهرس الفهارس: ۳۷۸/۱)

یہ ہمارے شیخ ان محدثین میں سے ہیں جنہوں نے طلبِ حدیث کی خاطر عالم کو پے سپر کیا، ان کا چرچا دور تک پھیلا، بڑی عمر پائی، اور تحقیق میں ایسے مقام کو پہنچے کہ پیچھے آنے والے اس کو پانے سے عاجز ہیں، ان کو تمام علومِ شرعیہ اور فلسفیہ میں قوی ملکہ حاصل تھا۔

شیخ روانی نے "صلة الخلف" کے آخر میں موصوف کو حسبِ ذیل الفاظ میں یاد کیا ہے: ''شهاب الحفاظ والنقاد وملحق الأحفاد بالأجداد.''

فاضل لکھنوی مولانا عبدالحی فرنگی محلی، "التعليقات السنية على الفوائد البهية" (ص: ۲۴۲) میں لکھتے ہیں:

''وقد طالعت من تصانيفه حواشي البيضاوي في ثمان مجلدات، وشرح الشفاء في أربع مجلدات، وكلاهما يدلان على جودة قريحته وسعة نظره.''

....

میں نے ان کی تصانیف میں سے حواشی بیضاوی (جو آٹھ جلدوں میں ہے) اور شرح الشفاء (جو چار جلدوں میں ہے) مطالعہ کی ہیں، یہ دونوں کتابیں ان کی جودتِ طبع اور وسعتِ نظر پر دلالت کرتی ہیں۔

موصوف کا شغل درس وتدریس اور تصنیف وتالیف تھا، جب پہلی مرتبہ روم گئے تو روم میں ان کو قاضی بنا دیا گیا، اور پھر ترقی کر کے قضائے اسکوب کے عہدہ پر فائز ہوئے جو سب سے بڑا عہدہ تھا، پھر سلطان مراد کے زمانہ میں سلانیک کے قاضی مقرر ہوئے، یہاں بڑا اعزاز واکرام ہوا، پھر مصر میں عہدۂ قضاء پر ان ہی کا تقرر ہوا، جب یہاں معزول ہو گئے تو روم کا ارادہ کیا، راستہ میں کچھ عرصہ دمشق میں قیام فرمایا اور پھر روم پہنچے۔

وفات:

۱۰۶۹ھ=۱۶۵۹ء میں ۹۰ برس کی عمر میں انتقال ہوا، واضح رہے خفاجی خفاجہ بالفتح بنی عامر کے ایک قبیلہ کی طرف نسبت ہے۔

تالیفات:

موصوف کی تالیفات میں حسب ذیل کتابیں زیادہ مشہور ہیں:

۱۔ التمامة في صفة العمامة، ۲۔ حديقة السحر، ۳۔ خبايا الزوايا في الرجال من البقايا، اِس میں موصوف نے اپنے والد کے شیوخ اور اپنے شیوخ کا تذکرہ کیا ہے، اِس کتاب کے متعلق حاجی خلیفہ لکھتے ہیں: ''هو تأليف لطيف يدل على مهارة مؤلفه في الأدب. '' تالیف لطیف مؤلف موصوف کی فن ادب میں مہارت پر دلالت کرتی ہے، یہ کتاب مصر سے شائع کی گئی ہے۔

٤۔ ديوان الأدب یہ شعرائے عرب کا تذکرہ ہے۔ ٥۔ رحلة، ٦۔ الرسائل الأربعون، ٧۔ ريحانة الألباء وزهرة الحياة الدنيا، ٨۔ شرح درة الغواص للحريري، ٩۔ شرح الفرائض، ١٠۔ شفاء الغليل فيما في كلام العرب من الدخيل، ١١۔ طراز المجالس، ١٢۔ مجموع في الأدب والنوادر، ١٣۔ عتاب الزمان في سبب حجب حرمان بني الأعيان، ١٤۔ عناية القاضي وكفاية الراضي (حاشية تفسير بيضاوي)، ١٥۔ كتاب السوانح، ١٦۔ نسيم الرياض في شرح الشفاء للقاضي عياض . اس کتاب کے متعلق حافظ سید عبدالحی کتانیؒ لکھتے ہیں: لا أفيد منه، ولا أوسع في شروح الشفاء كلها المشارقة والمغاربة .

(یعنی اہل مشرق ومغرب کی تمام شروح شفا میں ان کی شرح سے مبسوط اور مفید کوئی شرح نہیں ہے۔)

موصوف کی مطبوعات کے لیے دیکھئے: ''ذخائر التراث العربي الإسلامي'' ١: ٤٩٧-٤٩٨ .

اورانہوں نے شیخ محمد بن مقبل حلبی [1] اورانہوں نے شیخ صلاح بن ابی عمر مقدسی سے،اورانہوں نے ابوالحسن فخر الدین علی بن محمد بن احمد بن البخاری سے،.........................

موصوف کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو: خلاصة الأثر:۱/۳۳۱ - ۳۴۳، فهرس الفهارس:۱/۳۷۸، سلافة العصر:۱/۴۲۰ - ۴۲۷، آداب اللغة العربية از جرجی زیدان :۳/۲۸۶، هدية العارفين:۱/۱۶۰، التاج المكلل:۲۸۱ - ۲۹۳،اس میں ان کا نام محمود ہے۔

(۱) الشیخ محمد بن مقبل الحلبی

نام ونسب:

محمد نام،ابوعبداللہ کنیت،اورشمس الدین لقب اورشقیر عرف ہے،سلسلۂ نسب یہ ہے:''محمد بن مقبل بن عبداللہ الحلبی الصیرمی۔''

تعلیم وتربیت:

۷۷۹ھ میں دمشق میں پیدا ہوئے،اور یہیں تعلیم وتربیت ہوئی،اس دور کے نامور فضلاء سے علومِ دینیہ کی تکمیل کی،اوراس عہد کے شیوخِ حدیث سے حدیثوں کا سماع کیا،کم وبیش اسّی (۸۰) شیوخِ حدیث سے روایت حدیث کی موصوف کو اجازت حاصل ہے،اور بعض سندیں نہایت عالی ہیں،چنانچہ محدث محمد بن علی بن یوسف الحراوی عن الحافظ عبدالمؤمن الدمیاطی اوراس طرح صلاح الدین محمد بن ابراہیم بن ابی عمر المقدسی الصالحی الحنبلی سے (جو دنیا میں فخر ابن البخاری کے آخری شاگرد اورروئے زمین پر اپنے وقت کے ان سے آخری راوی تھے) بلاواسطہ روایت کرتے تھے،حافظ سید عبدالحی کتانی نے''فهرس الفهارس'' (۱/۴۱۳) میں لکھا ہے کہ محدث فلانی کے ثبت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن مقبل محدث ابن حجار سے بھی بسند عالی روایت کرتے ہیں۔

درس وتدریس:

موصوف جامعِ حلب کے قیم اورمؤذن تھے،اوراس مسجد میں حدیث کا درس دیتے تھے،حافظ شمس الدین سخاوی (المتوفی ۹۰۲ھ)''الضوء اللامع'' (۱۰/۵۳) میں لکھتے ہیں:

''حدث، سمع منه الفضلاء، ولقيته بحلب بعد أن صارعلى طريقة حسنة، وسيرة مرضية، فأخذت عنه الكثير، وعمر بحيث تفرد عن أكثر شيوخه، واستمر منفرداً مدة حتى مات ...... ونزل الناس بموته درجة، وقد ترجمه شيخنا بقوله: "قيم الجامع والمؤذن به -رحمه الله-.''

موصوف نے حدیثیں سنائی،اورفضلاء نے ان سے سنیں،اورمیں بھی ان سے حلب میں ملا جب کہ یہ پاکیزہ

اورانہوں نے مسندِ وقت ابوحفص عمر بن محمد بن طبرزد البغدادی [1] سے،..............................

طریقہ اور پسندیدہ سیرت کے حامل تھے، میں نے بھی ان سے بہت سی حدیثیں سنیں، انہوں نے بڑی عمر پائی جس کی وجہ سے وہ بہت سے شیوخ کی روایات میں متفرد رہے تا آنکہ ان کا انتقال ہوگیا، ان کی موت سے لوگ ایک درجہ فروتر ہوگئے، اور ہمارے شیخ نے ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے کہ وہ جامع مسجد حلب کے منتظم اور مؤذن تھے۔

سید عبدالحی کتانی نے فهرس الفهارس والأثبات (۵۴۹/۱) میں موصوف کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے: ''مسند الدنيا في عصره، وملحق الأحفاد بالأجداد.''

وفات:

حافظ سیوطیؒ، شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ اور محدث سنباطیؒ نے مصر سے خط لکھ کر ان سے روایتِ حدیث کی اجازت منگوائی تھی، سیوطیؒ نے رجب ۸۶۹ھ میں اجازت طلب کی، اور آئندہ سال اسی ماہِ رجب ۸۷۰ھ میں ان کا انتقال ہوگیا، علامہ سیوطیؒ کو جب ان کے انتقال کی خبر ملی تو حسب ذیل دوشعر کہے جو موصوف کی معجم میں منقول ہیں، وہ فرماتے ہیں:

في عام سبعين قبيل سنة بعد ثمان مائة بالحصر

لم يبق في الزمان من قيل له أخبركم واحد عن الفخر

کوئی ایک بھی ایسا محدث باقی نہیں رہا جس کے متعلق کہا جاسکے کہ وہ فخر بخاری سے روایت کرتا ہے، (یعنی آٹھ سو انہتر (۸۶۹) تک باقی نہیں رہا)

موصوف کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو: الضوء اللامع: ۵۳/۱۰، فهرس الفهارس: ۵٤۹/۱.

(۱) الشیخ موفق الدین ابن طبرزد

نام ونسب:

عمر نام، ابوحفص کنیت، موفق الدین لقب اور ابن طبرزد عرف ہے، (طبرزد ایک قسم کا گنا ہے) موصوف کا قیام چونکہ محلّہ دارالقز میں تھا اِس لئے دارالقزی کی نسبت سے بھی مشہور ہیں، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''عمر بن محمد بن معمر بن احمد بن یحییٰ بن حسان البغدادی۔''

ولادت وتحصیل علم:

موصوف ذی الحجہ ۵۱۶ھ/فروری ۱۱۲۳ء میں پیدا ہوئے، اور اپنے بڑے بھائی ابوالبقاء، محدث ابوالقاسم ہبۃ اللہ، ابوالمواہب احمد الوراق، ابوالحسن ابن الراعوانی وغیرہ سے حدیثیں سنیں، فن میں بصیرت حاصل ہوجانے کے بعد مسند درس پر متمکن ہوئے پھر یہ سلسلہ تاحیات قائم رہا، اخیر عمر میں شام کا سفر کیا تو راستہ میں اربل، موصل،

....

حران، حلب، دمشق میں بھی درسِ حدیث کا سلسلہ برابر جاری رہا، موصوف، فقیہ ابوالحسن علی بن عبیداللہ الراعوانی، ابوالقاسم الشروطی، ابو غالب محمد بن احمد، ابوالبرکات بن حامل، احمد بن الحسن اور ابوالقاسم ہبۃ اللہ بن الحسین وغیرہ سے روایت حدیث میں یکتائے روزگار تھے۔

فضل وکمال:

مؤرخ ابن خلکان (المتوفی ۶۸۱ھ) ''وفیات الأعیان'' (۳/۱۲۵) میں لکھتے ہیں:

''أبو حفص عمر ...... المحدث المشهور ...... كان عالي الإسناد في سماع الحديث، طاف البلاد وأفاد أهلها، وألحق الأصاغر بالأكابر، وطبق الأرض بالسماعات والإجازات، وامتدت له الحياة، فخلا له العصر، وكان فيه صلاح وخير.''

ابوحفص عمر ...... مشہور محدث تھے ...... سماعِ حدیث میں بڑے عالی اسناد تھے، طلبِ حدیث کی خاطر اسلامی شہروں کا سفر کیا، اور وہاں کے مشایخ سے استفادہ کیا، پھر چھوٹوں کو سند میں بڑوں کے برابر کردیا، اور روئے زمین کو سماعِ حدیث اور اجازتِ حدیث سے بھر دیا، بڑی عمر ہوئی اور زمانہ میں وہ اکیلے رہ گئے، ان میں صلاح وتقویٰ تھا۔

حافظ ابن کثیرؒ ''البداية والنهاية'' (۱۳/۶۱) میں رقمطراز ہیں:

''سمع الكثير وأسمع، وكان خليعاً ظريفاً ماجناً، وكان يؤدب الصبيان بدار القز، قدم مع حنبل بن عبد الله المكبر إلى دمشق، فسمع أهلها عليهما، وحصل لهما أموال، عادا إلى بغداد فمات ...... وترك مالاً جيداً، ولم يكن له وارث إلّا بيت المال، ودفن بباب حرب.''

انہوں نے بہت حدیثیں سنیں، اور سنائیں، موصوف آزاد منش، خوش طبع، اور ظریف تھے، دارالقز میں بچوں کو ادب سکھاتے تھے، حنبل بن عبداللہ مکبر کے ہمراہ دمشق آئے، تو ان دونوں سے اہلِ دمشق نے سماع کیا، پھر ان کے حالات بدل گئے اور یہ بغداد آگئے، انتقال ہوا، بڑا مال ودولت چھوڑا چونکہ کوئی وارث نہ تھا، لہٰذا بیت المال وارث ہوا، اور بابِ حرب میں سپردِ خاک کئے گئے۔

مؤرخ ابن العماد کا بیان ہے:

''روى الكثير، ثم قدم دمشق في آخر أيامه، فازدحموا عليه، وقد أملى مجالس بجامع المنصور، وعاش تسعين سنة وسبعة أشهر، وكان ظريفاً كثير المزاح.'' (شذرات الذهب: ۵/۲۶)

بہت حدیثیں روایت کیں، پھر اخیر زمانے میں دمشق آگئے، لوگوں کا ازدحام ہوگیا، انہوں نے جامع منصور

اورانہوں نے دو بزرگوں ابراہیم بن محمد بن منصور کرخی (۱)، ....

میں مجالس میں حدیثیں املا کرائیں،نوے برس اور سات مہینے زندہ رہے، بڑے ظریف اور ہنسی مذاق کرنے والے محدث تھے۔

علامہ ذہبیؒ موصوف کے متعلق ''تاریخ الإسلام'' (۱۳/۱۶۱) میں رقمطراز ہیں:

''وقرأت بخط عمر بن الحاجب قال: ورد - يعني ابن طبرزد - دمشق، وحدث بها، فازدحمت عليه الطلبة، تفرد بعدّة مشايخ وأجزاء وكتب، وكان مسند أهل زمانه، وقال لي ابن الدُبَيثي: كان سماعه صحيحاً على تخليط فيه، سافر إلى الشام، وحدث في طريقه بإربل، والموصل، وحرّان، وحلب، ودمشق وغيرها من القرى ...... سمعت شيخنا أبا العباس بن الظاهري الحافظ يقول: كان ابن طبرزد يخل بالصلوات.''

اور میں نے عمر بن حاجب کے خط سے پڑھا،اس کا بیان ہے کہ ابن طبرزد دمشق آئے، وہاں حدیث کا درس دیا،ان کے ہاں طلبہ کا ہجوم ہوتا تھا،کئی مشائخ سے استفادہ اور کتابوں اور اجزاء کے روایت میں اپنے معاصرین سے ممتاز ہیں،اور اپنے زمانہ کے مُسنِد تھے، مجھ سے ابن الدبیثی نے کہا کہ ان کا سماع صحیح ہے،لیکن کچھ یادداشت میں فرق آ گیا ہے، شام کا سفر کیا،راستہ میں اربل،موصل،حران،حلب،دمشق اور ان کے علاوہ شہروں میں حدیث کا درس دیا، میں نے اپنے شیخ حافظِ حدیث ابوالعباس ابن الظاہری کو فرماتے ہوئے سنا کہ ابن طبرزد نماز میں کوتاہی کرتے تھے۔

وفات:

منگل کو عصر کے وقت ۹ رجب ۶۰۷ھ/ ۲۶ دسمبر ۱۲۱۰ء میں بغداد میں راہیِ مُلکِ بقاء ہوئے ،اور دوسرے دن بابِ حرب میں دفن کئے گئے۔

ابن المدینی نے دوجلدوں میں موصوف کا مشیخہ (معجم شیوخ) لکھا ہے،

موصوف کے حالات کے لیے دیکھو: وفيات الأعيان:۳/۱۲۵، البداية والنهاية:۳/۶۱، شذرات الذهب :۵/۲۶، إتحاف النبلاء:۳۲۷، التاج المكلل:۹۴ - ۹۵.

(۱) **الشیخ ابراہیم الکرخی الشافعی**

نام ونسب:

ابراہیم نام،ابوالبدر کنیت ہے،سلسلۂ نسب یہ ہے:''ابراہیم بن محمد بن منصور بن عمر الکرخی الشافعی۔''

تحصیل علم:

بغداد کے مشہور محلّہ کرخ میں ان کا قیام تھا اس لئے کرخی سے مشہور ہیں،موصوف نے اپنے والد شیخ محمد،فقیہ ابو اسحٰق اور ابوسعد التولی سے فقہ پڑھی،محدث ابوالحسین بن النقور،ابومحمد صریفینی ،خدیجہ شاہجانیہ،ابن سمعون اور اس عہد

اور ابوالفتح مفلح بن احمد بن محمد دومی (1) سے، جو دومۃ الجندل کی طرف منسوب ہیں، اور وہ اس جگہ کا نام ہے جو شام

کے نامور محدثین سے حدیثوں کا سماع کیا، اور پھر حدیث کا درس دینا شروع کیا، حافظ ابن الجوزی (المتوفی ۵۹۷ھ) کا بیان ہے:

''سماعه صحيح، وحدّث، وكان ديناً'' (المنتظم: ۱/ ۱۱۳) ان کا سماع صحیح ہے، انہوں نے حدیثیں بیان کیں، یہ بڑے دین دار تھے۔

فقاہت وثقاہت:

مؤرخ ابن کثیر ''البداية والنهاية'' (۱۲/ ۲۱۹) میں رقمطراز ہیں:

''تفقه بأبي إسحق، وأبي سعد المتولي، حتى صار أوحد زمانه فقهاً وصلاحاً.''

ابواسحٰق اور ابوسعد متولی سے فقہ پڑھی یہاں تک کہ صلاح اور فقہ میں وہ یگانۂ روزگار ہو گئے۔

مؤرخ ابن العماد (المتوفی ۱۰۸۹ھ) شذرات الذهب (۴/ ۱۲۱) میں لکھتے ہیں:

''أبو البدر الكرخي ......ثقة، ذو مال، حدث عن ابن سمعون ...... وسمع أيضا من الخطيب وطائفة.''

ابوالبدر الکرخی ......ثقہ اور مالدار تھے، ابن سمعون سے راوی ہیں، خطیب اور محدثین کی ایک جماعت سے سماع کیا تھا۔

علامہ ذہبیؒ موصوف کے متعلق ''تاريخ الإسلام'' (۱۱/ ۷۰۲) میں رقمطراز ہیں:

''صحب الشيخ أبا إسحق، وقرأ عليه شيئا من الفقه ......قال ابن السمعاني: ولد تقديراً في سنة خمسين وأربع مائة، وأصله من كرخ جدان، وكان يسكن في دار أبي حامد الأسفرائني، وهو شيخ صالح معمر عجز عن المشي.''

موصوف نے ابواسحٰق کی صحبت اختیار کی، اور ان سے کچھ فقہ پڑھی، ابن سمعانیؒ فرماتے ہیں کہ تقریباً ۴۵۰ھ میں موصوف کی پیدائش ہوئی، اور اصلاً کرخ جدان سے ہیں، اور ابوحامد اسفرائنی کے گھر میں سکونت پذیر تھے اور وہ شیخ، صالح، معمر اور چلنے پھرنے سے عاجز تھے۔

وفات:

جمعہ کے دن ۲۹ ربیع الاول ۵۳۹ھ/ ۳۰ ستمبر ۱۱۴۴ء میں وفات پائی، اور باب حرب میں دفن ہوئے۔

موصوف کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو: كتاب المنتظم: ۱۸-۳۹/۱۸ رقم: ٤١٠٥، البداية والنهاية: ١٢/ ٢١٩، شذرات الذهب: ٤/ ١٢١.

(۱) الشیخ مفلح البغدادی الوراق

نام ونسب:

مفلح نام، اور سلسلۂ نسب یہ ہے: ''مفلح بن احمد بن محمد الدومی ثم البغدادی الوراق''

اورعراق کے درمیان حدِ فاصل ہے، اسی جگہ تحکیم کا واقعہ پیش آیا تھا۔

تحصیل علم وتدریس:

موصوف مشہور محدث ہیں، حافظ ابوبکر خطیب، محدث صریفینی اور اس عصر کے نامور محدثین سے حدیثوں کا سماع کیا، پھر حدیث کا درس دیا، ان ہی سے روایت کرنے والوں میں محدث ابوحفص ابن طبرزد اور موصوف کے فرزند منجح کو کافی شہرت حاصل ہے، اور ان سے ابن الاخضر اور ان کے فرزند مصلح راوی ہیں۔

حافظ ابن نقطہ حنبلی (المتوفی ۶۲۹ھ) کتاب "الاستدراك على الإكمال" کے "باب الدومي والرومي" میں لکھتے ہیں:

"أما الدومي بالدال المهملة المضمومة فهو أبوالفتح مفلح بن أحمد بن محمد بن علي بن عثمان بن القاسم الدومي الوراق سمع أبا محمد عبد الله بن محمد الصريفيني، وأبا الحسين أحمد بن محمد بن النقور، ومن أبي بكر أحمد بن علي بن ثابت الخطيب، وأبي القاسم علي بن أحمد بن البسري البندار وغيرهم وهو صحيح السماع، حدثنا عنه عمر بن محمد بن طبرزد وغيره من شيوخنا قد سمع منه، قال ابن شافع: توفي سنة ست وثلاثين، ولم يذكر الشهر، وقال غيره: في محرم سنة سبع وثلاثين وخمس مائة."

لیکن دومی دال مہملہ مضمومہ کے ساتھ ہے، ابوالفتح مفلح بن احمد بن محمد بن علی بن عثمان بن القاسم دومی وراق نے ابومحمد عبداللہ بن محمد صریفینی، ابوالحسین احمد بن محمد بن نقور، ابوبکر احمد بن علی بن ثابت خطیب، ابوالقاسم علی ابن احمد بن بسری بندار وغیرہ سے حدیث کا سماع کیا، اوران کا سماع بالکل درست ہے، ہمارے شیوخ میں عمر بن محمد بن طبرزد وغیرہ نے ان سے سنا، اور ہمیں ان کی سند سے حدیثیں بیان کیں، ابن شافع کا بیان ہے کہ ان کا ۵۳۶ھ میں انتقال ہوا مگر اس نے مہینہ نہیں بتایا، اور دیگر مؤرخین نے محرم ۵۳۷ھ تاریخِ وفات بیان کی ہے۔

ولادت ووفات:

علامہ ذہبیؒ موصوف کے متعلق "تاریخ الإسلام" (۶۷۹/۱۱) میں رقمطراز ہیں:

"ولد سنة سبع وخمسين وأربع مائة ...... قال ابن السمعاني: كتبت عنه الكثير، وكان شيخاً لابأس به، وكان يقعد في قطيعة الفقهاء بالكرخ."

موصوف ۴۵۷ھ/۱۰۶۵ء میں پیدا ہوئے، ابن السمعانی فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے کثرت سے لکھا، یہ شیخ تھے ان سے روایت کرنے میں مضائقہ نہیں، مرکزِ فقہاء کرخ میں بیٹھے تھے۔

۵۳۷ھ/۱۱۴۲ء میں وفات پائی۔

واضح رہے دومی، دومۃ الجندل کی طرف نسبت ہے یہ بستی دمشق سے ۷ رمنزل کی مسافت پر واقع ہے، اور دوم

ان دونوں بزرگوں نے حافظ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب بغدادی [1] سے جو تاریخ بغداد کے مصنف ہیں، اور علمِ حدیث میں بے شمار کتابوں کے مصنف ہیں، پڑھی تھی، ....

بن اسماعیل بن ابراہیم کے نام سے موسوم ہے۔

حالات کیلئے ملاحظہ ہو: کتاب الاستدراك على كتاب الإكمال مخطوطہ عکسی، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، شذرات الذهب: ٤ /١١٦.

(۱) الشیخ ابوبکر الخطیب البغدادی

نام ونسب:

احمد نام اور ابوبکر کنیت ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی الشافعی البغدادی۔''

ولادت وتحصیل علم:

موصوف ۲۴ ر جمادی الثانیہ جمعرات ۳۹۲ھ/۱۰ مئی ۱۰۰۲ء میں عراق کے قریہ درزیجان میں پیدا ہوئے، اور بغداد میں تعلیم وتربیت پائی، شیخ ابوحامد اسفرائنی کے شاگرد فقیہ ابوطالب طبری وغیرہ سے فقہ کی تعلیم پائی، ۴۰۳ھ سے حدیث کا سماع شروع کیا، اور ابوالحسن اہوازی، ابوعمر بن مہدی، حسین جوالیقی، ابن ابی الفوارس اور ابراہیم بن مخلد باقرجی وغیرہ سے بغداد میں حدیثیں سنیں، اور بارہ برس کی عمر میں سماعِ حدیث کی خاطر بصرہ کا سفر کیا، اور راوی سنن شیخ ابوعمر قاسم بن جعفر ہاشمی، علی بن شاہد، حسن بن علی نیشاپوری سے سماع کیا، نیشاپور میں عبدالرحمٰن بن سراج، قاضی ابوبکر ابن خیر سے، اور اصفہان میں حافظ ابو نعیم، محمد بن عبداللہ، اور دینور میں شیخ ابونصر کسار، اور ہمدان میں محمد بن عیسیٰ وغیرہ سے احادیث کا سماع کیا، اس طرح رے، حجاز، دمشق اور قدس وغیرہ میں اکابر شیوخ سے حدیثیں سنیں، اسلامی علوم میں کمال پیدا کیا، پھر درس وتدریس کا شغل اختیار کیا، حفاظِ حدیث میں ان کا شمار ہے، موصوف نہایت پُرگو شاعر، ادیب، زود خواں، زود نویس، بلند آواز اور بڑے بارعب تھے۔

۴۴۵ھ میں دمشق آئے، اور پھر حج کیا، اور ۴۵۱ھ میں حجاز سے شام آئے اور کم وبیش گیارہ برس یہاں درس دیا۔

علمی مقام:

حافظ ابن ماکولا کا بیان ہے: ''كان أبوبكر الخطيب آخر الأعيان ممن شاهدناه معرفة وحفظاً وإتقاناً وضبطاً لحديث رسول الله ﷺ، وتفننا في علله وأسانيده، وعلماً بصحيحه، وغريبه، وفرده، ومنكره، ومطروحه ...... ولم يكن للبغداديين بعد الدار قطني مثله، وسألت الصوري عن الخطيب وأبي نصر السجزي ففضل الخطيب تفضيلاً بيناً.'' (تذكرة الحفاظ: ٣ /١١٣٧)

ابوبکر خطیب، حدیث رسول اللہ ﷺ کی معرفت، حفظ، ضبط، فنون علل حدیث، اسناد، صحیح، غریب ومنکر اور

....

ناقابلِ اعتبار حدیثوں کی شناخت میں ان نامور محدثین میں سے آخری محدث تھے جن کو ہم نے دیکھا ہے...... بغدادیوں میں دارقطنی کے بعد ان جیسا عالم نہیں گذرا، میں نے علامہ صوری سے خطیب اور ابونصر سجزی کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے واضح طور پر خطیب کو افضل قرار دیا۔

فقیہ ابواسحٰق شیرازیؒ فرماتے ہیں:

''أبو بكر الخطيب يشبه بالدار قطني و نظرائه في معرفة الحديث و حفظه''

(تذكرة الحفاظ:۱۱۳۸/۳)

ابوبکر خطیب معرفت اور حفظِ حدیث میں دارقطنی اور ان کے مثل حفاظِ حدیث کے مشابہ ہیں۔

مؤرخ ابوسعد سمعانیؒ کہتے ہیں:

''كان الخطيب مهيباً، وقوراً، ثقة، متحرياً، حُسن الخط، كثير الضبط، فصيحاً ختم به الحفاظ ...... وقرأ بمكة على كريمة الصحيح في خمسة أيام، الخطيب يقول: كل من ذكرت فيه .... أقاويل الناس من جرح وتعديل، فالتعويل على ما أخرت.''

خطیب بارعب وباوقار، ثقہ، دلدادۂ علم، خوش خط، کثیر الضبط اور فصیح تھے، ان پر حفاظ کا خاتمہ ہوگیا تھا، خطیب نے مکہ مکرمہ میں محدثہ کریمہ سے صحیح بخاری پانچ دن میں پڑھی تھی۔

تاریخ بغداد کے متعلق خطیب کا بیان ہے کہ ہر وہ شخص جس کے متعلق میں نے لوگوں سے جرح وتعدیل کے اقوال نقل کئے ہیں ان میں اعتماد اس قول پر ہے جس کو میں نے آخر میں بیان کیا ہے۔

ابوزکریا تبریزی کا بیان ہے:

''كنت أقرأ على الخطيب بحلقته بجامع دمشق كتب الأدب المسموعة له، وكنت أسكن منارة الجامع فصعد إلي وقال: أحببت أن أزورك فتحدثنا ساعة، ثم أخرج ورقة، وقال: الهدية مستحبة اشتر بهذه أقلاما، فإذا خمسة دنانير، ثم صعد نوبة أخرى، ووضع نحواً من ذلك، وكان إذا قرأ الحديث يسمع صوته في آخر الجامع، كان يقرأ معرباً صحيحاً.'' (تذكرة الحفاظ :۳ /۱۱۳۸)

میں جامعِ دمشق میں خطیب کے حلقۂ درس میں ان سے ادب کی وہ کتابیں پڑھتا تھا جن کا ان کو سماع حاصل تھا، اور جامعِ دمشق کے منارہ پر رہتا تھا، تو وہ ایک دفعہ اوپر چڑھ کر میرے پاس آئے، اور فرمانے لگے میں تم سے ملنا چاہتا تھا، تھوڑی دیر ہم نے گفتگو کی، پھر انہوں نے ایک کاغذ نکالا اور فرمایا کہ یہ پسندیدہ تحفہ ہے اِس سے تم قلم خریدلو، دیکھا تو وہ

پانچ دینار تھے، پھر دوسری مرتبہ بھی اوپر آئے اور ایسا ہی کیا، جب وہ حدیث پڑھتے تھے تو اُن کی آواز جامع دمشق کے آخری کونہ میں بھی سنی جاتی تھی، حدیث کو صحیح اعراب کے ساتھ پڑھتے تھے۔

علامہ سمعانی ذیل المذیل میں لکھتے ہیں:

''والخطيب في درجة القدماء من الحفاظ والأئمة الكبار، كيحيى بن معين، وعلي بن المديني، وأحمد بن أبي خيثمة وطبقتهم، وكان علامة العصر، اكتسى به هذا الشأن غضارة وبهجة ونضارة، وكان مهيباً وقوراً نبيلاً، خطيراً، ثقة، صدوقاً، متحرياً، حجة فيما يصنفه، ويقوله، وينقله، ويجمعه، حسن النقل والخط، كثير الشكل والضبط، قارئاً للحديث، فصيحا، وكان في درجة الكمال والرتبة العليا خلقاً وخلقاً، وهيئة، ومنظراً، انتهى إليه معرفة علم الحديث وحفظه، وختم به الحفاظ- رحمه الله-.''

(ذيل المذيل بحواله معجم الادباء: ۱/۲۵۳)

خطیب متقدمین حفاظ اور ائمہ کبار کے درجہ کا عالم تھا، جیسے یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، احمد بن ابی خیثمہ اور ان کا طبقہ ہے، وہ علامۂ دوران تھا، اس نے علم کی اس خوبصورت تابندہ اور بارونق شان سے اپنے آپ کو آراستہ کیا تھا، وہ بارُعب، باوقار، باعظمت، زبردست، ثقہ، صدوق تھا، جو وہ لکھتا، کہتا ہے، اور نقل کرتا ہے، اس میں وہ حجت ہے، اور جو وہ جمع کرتا ہے، اچھا انتخاب، اچھا خط اور بڑے ضبط کے ساتھ کرتا ہے، وہ حدیث کا قاری اور فصیح وبلیغ تھا، حُسن صورت وسیرت، ہیئت اور منظر میں اعلیٰ مرتبہ اور کمال کے درجہ کو پہنچا تھا، علمِ حدیث کی معرفت اور اس کے حفظ میں حرفِ آخر تھا، حفاظ کا اس پر خاتمہ ہوگیا۔

حافظ ابن عساکر بسندِ متصل خطیبؒ سے ناقل ہیں:

''إنه لما حج شرب من ماء زمزم ثلاث شربات، وسأل الله ثلاث حاجات أخذاً بالحديث "ماء زمزم لما شرب له"، فالحاجة الأولى: أن يحدث بتاريخ بغداد بها، الثانية: أن يملي الحديث بجامع المنصور، الثالثة: أن يدفن عند بشر الحافي فقضى الله له ذلك.'' (تذكرة الحفاظ: ۳/۱۱۳۹)

جب انہوں نے حج کیا اور زمزم کا پانی پیا تو حدیثِ زمزم پڑھتے ہوئے تین مرتبہ پیا، اور اللہ تعالیٰ سے تین چیزوں کی دعا مانگی، (۱) پہلی یہ تھی کہ وہ تاریخِ بغداد کو بغداد میں بیان کریں، (۲) دوسری یہ تھی کہ وہ جامعِ منصور میں حدیث املا کرائیں، (۳) تیسری یہ تھی کہ وہ بشر حافیؒ کے پاس دفن ہوں، اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ تینوں باتیں پوری کردیں۔

....

....

ابوالفرج اسفرائنی کا بیان ہے:

''كان الخطيب معنا في الحج، فكان يختم كل يوم قريب الغياب قراءة ترتيل، ثم يجتمع عليه الناس وهو راكب، فيقولون: حدِّثنا فيحدث.'' (تذكرة الحفاظ:۳/۱۱۳۹)

خطیب حج میں ہمارے ہمراہ تھے، وہ ہر روز غروب کے وقت ترتیل کے ساتھ ایک قرآن ختم کرتے تھے، پھر لوگ ان کے پاس آکر جمع ہوجاتے تھے حالانکہ یہ سوار ہوتے تھے، اور وہ کہتے تھے ہمیں حدیثیں سنایئے، تو وہ حدیث سناتے تھے۔

محدث ابن الآبنوسی فرماتے ہیں:

''كان الخطيب يمشي وفي يده جزء يطالعه'' (تذكرة الحفاظ:۳/۱۱۴۱)

راہ چلتے وقت بھی خطیب کے ہاتھ میں ایک جزو ہوتا تھا، اور وہ اس کا مطالعہ کرتے جاتے تھے۔

علامہ ابن الجوزی لکھتے ہیں:

''كان أبوبكر الخطيب قديماً على مذهب أحمد بن حنبل، فمال عليه أصحابنا لما رأوا من ميله إلى المبتدعة وآذوه فانتقل إلى مذهب الشافعي- رضي الله عنه- وتعصب في تصانيفه عليهم، فرمز إلى ذمهم،وصرح بقدر ما أمكنه ...... وكان في الخطيب شيئان، أحدهما: الجري على عادة عوام المحدثين في الجرح والتعديل؛ فإنهم يجرحون بما ليس بجرح ، وذلك لقلة فهمهم، والثاني: التعصب على مذهب أحمد وأصحابه ...... أنبأنا أبوزرعة طاهر بن محمد بن طاهر المقدسي عن أبيه قال سمعت إسماعيل بن أبي الفضل القومسي- وكان من أهل المعرفة بالحديث- يقول: ثلاثة من الحفاظ لا أحبهم لشدة تعصبهم وقلة إنصافهم: ١- الحاكم أبو عبد الله، ٢- وأبو نعيم الأصبهاني، ٣- وأبوبكر الخطيب، قال المصنف: لقد صدق إسمعيل، وقد كان من كبار الحفاظ، ثقة، صدوقاً، له معرفة حسنة بالرجال والمتون، غزير الديانة ...... الحاكم كان متشيعاً ظاهر التشيع، والآخران كانا يتعصبان للمتكلمين والأشاعرة ومايليق هذا بأصحاب الحديث.'' (المنتظم:۸/۲٦۹)

ابوبکر خطیب پہلے امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب پر تھے، اور جب ہمارے اصحاب نے ان کا میلان کچھ مبتدعہ کی طرف دیکھا تو انہوں نے ان کی طرف توجہ کی، اور ان کو اذیتیں پہنچائیں، یہ شافعی بن گئے، اور اپنی تصانیف میں حنابلہ کے خلاف تعصب برتا، اور جہاں تک ہوسکا کھلم کھلا ان کی مذمت کی، ورنہ اشارہ کنایہ میں مذمت کرگئے، ...... خطیب میں دو باتیں تھیں: ایک یہ کہ وہ عوام محدثین کی طرح جرح وتعدیل میں بے باک تھے، کیونکہ وہ ان باتوں پر بھی جرح کرتے

....

تھے جو قابلِ جرح نہیں ہوتیں، اور یہ ان کی قلتِ فہم کی علامت ہے، دوسرے وہ امام احمد کے متبع اور ان کے شاگردوں کے معاملہ میں تعصب سے کام لیتے ہیں ......ابوزرعہ طاہر بن محمد بن طاہر مقدسی نے اپنے والد کے حوالہ سے ہمیں بتایا کہ انہوں نے اسماعیل بن ابی الفضل قومسی سے سنا، اور وہ حدیث دانوں میں سے تھے، وہ فرماتے تھے کہ تین حفاظِ حدیث ایسے ہیں جن کو میں لوگوں سے تعصب کرنے اور ان کے ساتھ ناانصافی کرنے کی وجہ سے پسند نہیں کرتا، وہ ۱- ابوعبداللہ حاکم، ۲- ابونعیم اصبہانی اور ۳- ابوبکر خطیب ہیں، مصنف کہتا ہے کہ اسماعیل نے سچ کہا ہے، اور وہ بڑے درجہ کے حفاظ میں سے تھا، ثقہ اور صدوق تھا، وہ متون اور رجال کا اچھا عالم تھا، بڑا متدین تھا......حاکم متشیع تھا، اور اس کا تشیع ظاہر ہے، اور آخری دو متکلمین اور اشاعرہ سے تعصب کرتے تھے، حالانکہ یہ بات اصحابِ حدیث کے شایانِ شان نہیں ہے۔

یاقوت رومی نے " إرشاد الأريب" میں موصوف کا تذکرہ اِن الفاظ سے شروع کیا ہے:

''الخطيب أبوبكر البغدادي الفقيه الحافظ، أحد الأئمة المشهورين المصنفين المكثرين والحفاظ المتبرزين، ومن ختم به ديوان المحدثين.''

خطیب ابوبکر بغدادی، فقیہ، حافظِ حدیث کثرت سے کتابیں تالیف کرنے اور مشہور حفاظ حدیث ائمہ میں سے ایک تھا، ان کی وفات سے محدثین کے دفتر پر مہر لگ گئی۔

مؤرخ شمس الدین ابن خلکان (المتوفی ۶۸۱ھ) ''وفيات الأعيان'' (۱/۷۶) میں ان کے تذکرہ کا آغاز اس طرح کرتے ہیں:

''الحافظ أبوبكر، كان من الحفاظ المتقنين، والعلماء المتبحرين، ولولم يكن له سوى التاريخ لكفاه فإنه يدل على اطلاع عظيم، وصنف قريبا من مائة مصنف، وفضله أشهر من أن يوصف ...... والعجب أنه كان في وقته حافظ المشرق و أبوعمر يوسف بن عبد البر ...... حافظ المغرب وماتا في سنة واحدة.''

حافظ ابوبکر متقن حفاظ اور متبحر علماء میں سے تھے، اگر ان کی تاریخ کے سوا کوئی اور کتاب نہ ہوتی تو یہ کافی تھی، کیونکہ یہ ان کی وسیع معلومات پر دلالت کرتی ہے، انہوں نے تقریباً سو کتابیں تصنیف کی تھیں، ان کا علم وفضل تعریف وتوصیف سے مستغنی ہے، عجیب بات ہے کہ وہ اپنے وقت میں مشرق کے اور ابوعمر بن عبدالبر......مغرب کے حافظ تھے، اوران دونوں کا انتقال ایک ہی سال میں ہوا تھا۔

جمال الدین بن تغری بردی نے ''النجوم الزاهرة في ملوك مصروالقاهرة'' (۵/۸۷-۸۸) میں شیخ ابو الحسین ابن طیوری کا حسب ذیل بیان نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

....

''أكثر كتب الخطيب مستفادة من كتب الصوري (يعني أخذها برمّتها)، منها "تاريخ بغداد" الذي تكلم فيه في غالب علماء الإسلام بالألفاظ القبيحة بالروايات الواهية الأسانيد المنقطعة، حتى امتُحِن في دنياه بأمور قبيحة -نسأل الله السلامة وحسن العاقبة - ورمى بعظائم ...... أضربت عن ذكر ذلك كله، لكونه متخلقاً بأخلاق الفقهاء، وأيضا من حملة الحديث الشريف.''

خطیب کی بیشتر کتابیں محدث صوری کی کتابوں سے ماخوذ ہیں، یعنی تمام تر اس سے لی ہوئی ہیں، ان میں سے تاریخ بغداد بھی ہے، جس میں بیشتر علمائے اسلام پر بُرے الفاظ میں منقطع سندوں اور واہی بیانات کے ساتھ کلام کیا ہے، یہی وجہ تھی کہ وہ اِس دنیا میں ان بری باتوں کی وجہ سے آزمائش میں آ گیا تھا (ہم اللہ تعالیٰ سے سلامتی اور اچھے انجام کی دعا کرتے ہیں) بہت بڑی تہمتیں لگائی گئی ہیں، میں ان باتوں کو بیان کرنے سے صرفِ نظر کرتا ہوں، کیونکہ وہ فقہاء کے اخلاق کا حامل تھا، اور حاملینِ حدیث میں سے تھا۔

علامہ خطیب بغدادیؒ ۱۵/ رمضان کو بیمار ہوئے، بیماری بڑھتی گئی، یکم ذی الحجہ کو موصوف نے ابو الفضل بن خیرون کو وصیت کی، اور تمام کتابیں وقف کر دیں، اور تمام مال خیرات کر دیا، پھر انتقال ہو گیا، نہرِ معلّٰی کے پاس مدرسہ نظامیہ کے متصل حجرہ سے جنازہ اٹھا، جس میں علماء وفضلاء کا بڑا اجتماع تھا، پُل کو عبور کر کے جنازہ جامعِ منصور میں لایا گیا، راستہ میں ایک جماعت یہ کہتی جا رہی تھی:

''هذا الذي كان يذب عن رسول الله ﷺ، هذا الذي كان ينفي الكذب عن رسول الله ﷺ، هذا الذي كان يحفظ حديث رسول الله ﷺ.'' (معجم الأدباء :۱/۲٦۰)

یہ اس عالم کی نعش ہے جو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے دفاع کرتا تھا، اور رسولِ خدا ﷺ کی طرف سے کذب وافترا کی نفی کرتا تھا، یہ وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں یاد کرتا تھا۔

پھر جنازہ محلّہ کرخ میں سے آگے بڑھا، اور بشر حافیؒ کے پاس ان کو دفن کر دیا گیا۔

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ ''تاریخ الإسلام'' (۱۰/ ۱۷۵ تا ۱۸۸) میں رقمطراز ہیں:

''قال أبو الفتيان عمر الرُّواسي: كان الخطيب إمام هذه الصنعة ،مارأيت مثله ...... قال السلفي: سألت أبا غالب شجاعا الذهلي عن الخطيب، فقال: إمام مصنف حافظ لم ندرك مثله ...... قال أبو الخطّاب بن الجرّاح يرثيه:

اورانہوں نے ابوعمر قاسم بن جعفر بن عبدالواحد ہاشمی[1] سے،..........................

فـاق الـخـطيب الـوَرى صدقـا ومـعـرفة	وأعـجـز الـنـاس في تـصنيفـه الـكُتُبـا
حـمـى الشـريـعة مـن غـاوٍ يـدنّسهـا	بـوضـعـه ونَـفَـى التدليـس والـكذبـا
جـلا مـحـاسـن بـغـدادَ فـأودعهـا	تـاريـخـه مـخـلـصـاً لله مـحتسبـاً
وقـال فـي الـنـاس بـالـقسطـاس منحرفـاً	عـن الهـوى، وأنـال الشك والـريبـا
سـقـى ثـراك أبـابـكـر عـلـى ظـمـأ	جـونٌ ركـامٌ تسح الـواكف السـربـا
ونـلـت فـوزاً ورضـوانـاً ومـغـفـرة	إذا تـحـقـق وعـد الله واقتـربـا
يـا أحـمـد بـن عـلـي طبتَ مـضـطـجعاً	وبـاء شـانيك بـالأوزار مـحـتـقبـا

موصوف کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو: فهرست ابن خير: ۱۸۱-۱۸۲، وفيات الأعيان:۱/۳۲-۳۳، كتاب المنتظم:۸/۲٦۵، معجم الأدباء:٤/۱۳ - ٤۵، المختصر في أخبار البشر:۲/۱۹٦-۱۹۷، تذكرة الحفاظ:۳/۳۱۲ - ۳۲۱، كتاب العبر:۳/۲۵۳، طبقات الشافعية:۳/۱۲ - ۱٦، البداية والنهاية:۱۲/۱۰۱-۱۰۳، مرآة الجنان:۳/۸۷-۸۸، النجوم الزاهرة:۵/۸۷-۸۸، مفتاح السعادة:۱/۲۱۰ و۲/۱۵، روضات الجنات:۷۸-۷۹، التأنيب ازکوثری، الخطيب البغدادي مؤرخ بغداد ومحدثها از یوسف العش، بستان المحدثين:۷۷، ذب ذبابات الدراسات (اشاریہ)، إتحاف النبلاء:۱۸۵-۱۸۷، أبجد العلوم:۷۸۵-۷۸٦، التاج المكلل: ۳۲-۳۳،طبع بمبئی.

(۱) الشیخ ابوعمر قاسم الہاشمی البصری

نام ونسب:

قاسم نام، ابوعمر کنیت اور شجرۂ نسب یہ ہے: ''قاسم بن جعفر بن عبدالواحد بن العباس بن عبدالواحد بن جعفر بن سلیمان بن علی بن عبداللہ بن العباس بن عبدالمطلب الہاشمی البصری۔''

ولادت وتحصیل علم:

شیخ ابوعبداللہ الحسین بن محمد القسا ملی کا بیان ہے کہ موصوف رجب ۳۲۲ھ/ جولائی ۹۳۴ء میں بصرہ میں پیدا ہوئے، محدث عبدالغافر بن سلامہ، محمد بن احمد الاثرم، علی بن اسحٰق الماورانی، ابوعلی اللؤلؤی، یزید بن اسماعیل الخلال، محمد بن الحسین الزعفرانی، حسن بن محمد بن عثمان النسوی اور اس زمانے کے اکابر محدثین سے حدیثوں کا سماع کیا، بصرہ کے قاضی بنائے گئے، اور حدیث کا درس بھی دیا۔

محدث خطیب بغدادی تاریخ بغداد (۱۲/۴۵۱) میں رقمطراز ہیں:

اورانہوں نے ابوعلی محمد بن لؤلؤی [1] سے، ....

"وكان ثقةً أميناً، ولي القضاء بالبصرة، وسمعت منه بها سنن أبي داود وغيرها."

موصوف ثقہ اور امین تھے، بصرہ میں عہدۂ قضاء پر فائز رہے تھے، میں نے ان سے سنن ابی داؤد وغیرہ کا بصرہ میں سماع کیا تھا۔

بغداد میں بھی موصوف کا دومرتبہ آنا ہوا، پہلی مرتبہ ۳۷۰ھ میں اور دوسری مرتبہ ۳۷۷ھ یا ۳۸۰ھ میں، قاضی القضاۃ ابومحمد بن معروف کے ہمراہ گواہی کے سلسلہ میں آئے، اور بغداد کے قاضیوں کے سامنے شہادت دی، اور قاضی ابن الاکفانی وغیرہ نے موصوف کی شہادت قبول کی، پھر وہ واپس چلے گئے۔

حافظ عبدالکریم سمعانی "كتاب الأنساب" میں محدث ابوعلی اللؤلوی کے تذکرہ میں موصوف کے متعلق لکھتے ہیں:

"وهو آخر من حدث عنه بكتاب السنن لأبي داود" اور یہ امام ابوداؤد بجستانی سے ان کی سنن کے آخری راوی تھے۔

علامہ شمس الدین ذہبیؒ نے "تذكرة الحفاظ" (۳/۱۰۵۷) میں حافظ تمام بن محمد رازی کے تذکرہ میں "مسند بصرة" کے الفاظ سے موصوف کا ذکر کیا ہے، ان کے الفاظ ہیں:

"مسند البصرة القاضي أبو عمر القاسم بن جعفر بن عبد الواحد الهاشمي من ولد جعفر بن سليمان الأمير، مات في ذي القعدة عن اثنتين وتسعين سنة."

مسند بصرہ قاضی ابوعمر قاسم بن جعفر بن عبدالواحد ہاشمی (جو امیر جعفر بن سلیمان کی اولاد میں سے تھے، ان) کا ذی القعدہ میں بانوے (۹۲) سال کی عمر میں انتقال ہوا تھا۔

وفات:

شبِ جمعرات ۴۱۴ھ/۱۰۲۳ء میں رحلت فرمائی، اور صبح سپرِ دخاک کئے گئے۔

موصوف کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو: تاريخ بغداد:۴۵۱/۱۲، كتاب العبر:۱۱۷/۳، تاريخ الإسلام:۱۱۶۲/۲، المنتظم:۱۶۰/۱۵.

(۱)　**الشیخ ابوعلی محمد بن احمد اللؤلوی البصری**

نام ونسب:

محمد نام، ابوعلی کنیت ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: "محمد بن احمد بن عمرو اللؤلؤی البصری۔"

موصوف نے دینی علوم کی تحصیل کی، حدیث کا سماع ابوالہیثم بشر بن جلاد اور امام ابوداؤد بجستانی وغیرہ سے کیا،

....

پھر حدیث کا درس دیا۔

شہرت:

سنن ابی داؤد کی روایت میں انہیں بڑی شہرت حاصل ہے، علامہ سمعانیؒ "کتاب الأنساب" میں لکھتے ہیں:

''روى عنه أبو الحسين بن محمد بن أحمد بن جميع الغساني وأبو عمر القاسم بن جعفر الهاشمي، وهو آخر من حدث عنه.''

ان سے ابوالحسین بن محمد بن احمد بن جمیع غسانی اور ابوعمر قاسم بن جعفر ہاشمی نے روایت کی ہے، اور یہ ان سے آخری راوی ہیں۔

حافظ ذہبیؒ ''کتاب العبر في خبر من غبر'' (۲/۲۳۴) میں رقمطراز ہیں:

''أبو علي اللؤلؤي ...... رواية السنن عن أبي داود، لزم أبا داود مدة طويلة يقرأ السنن للناس.''

ابوعلی لؤلؤی...... سنن ابی داؤد کے راوی ہیں، اور ابوداؤد کی صحبت میں مدت دراز تک رہے ہیں، پھر لوگوں کو سنن کا درس دیا ہے۔

حافظ ابن نقطہ "التقیید" (ص:۴۹) میں رقمطراز ہیں:

''كان أبو علي اللؤلؤي قد قرأ هذا الكتاب على أبي داود عشرين سنة، وكان يسمى ورّاقه، والورّاق عندهم القارئ، وكان هو القارئ لكل قوم يسمعونه.''

ابوعلی لؤلؤی نے یہ کتاب السنن امام ابوداؤد کو بیس سال پڑھ کر سنائی، موصوف کو ابوداؤد کا وراق کہا جاتا ہے، اور وراق محدثین کی اصطلاح میں قاری کتاب کو کہا جاتا تھا، گو وہ ہر جماعت کو جو ابوداؤد سے السنن سنتی تھی، یہ ان کا قاری ہوتا تھا۔

موصوف چونکہ موتیوں کا کاروبار کرتے تھے اس لئے لؤلؤی کی نسبت سے مشہور ہیں۔

وفات:

علامہ صفدیؒ ''الوافي بالوفيات'' (۲/۳۹) میں رقمطراز ہیں:

''مشهور، ثقة، توفي سنة ثلث وثلثين وثلاث مائة''

موصوف مشہور اور ثقہ ہیں، ۳۳۳ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

موصوف کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو: الأنساب نسبت لؤلؤی، العبر في خبر من غبر:۲ /۲۳٤، تاریخ الإسلام :۷/۶۷۱.

اور انہوں نے مصنف کتاب امام ابوداوٗد[1] سلیمان بن اشعث سجستانی سے پڑھی تھی۔

---

(۱) الإمام ابوداوٗد سلیمان بن الأشعث السجستانی

نام، ولادت، وفات:

ابوداوٗد سلیمان بن الاشعث بن اسحٰق بن بشیر بن شداد الازدی السجستانی (المولود ۲۰۲ھ/۸۱۷ء، المتوفی ۲۷۵ھ/۸۸۹ء)

علمی مقام:

علامہ ذہبیؒ "تاریخ الإسلام" (۶/۵۵۲-۵۵۴) میں رقمطراز ہیں:

"روى إسماعيل الصفار عن أبي بكر الصاغاني قال: لّين لأبي داود السجستاني الحديث كما لّين لداود الحديد ...... وقال موسى بن هارون الحافظ: خُلِق أبو داود في الدنيا للحديث، وفي الآخرة للجنة، ما رأيت أفضل منه ...... وقال أحمد بن محمد بن ياسين الهروي في "تاريخ هراة": ابو داود السجزي كان أحد حفاظ الإسلام لحديثِ رسول الله ﷺ، وعلمه، وعلله، وسنده، في أعلى درجة النسك، والعفاف، والصلاح والورع من فرسان الحديث، قلت: وتفقه بأحمد بن حنبل، ولازمه مدة، وكان من نجباء أصحابه، ومن جلة فقهاء زمانه، مع التقدم في الحديث والزهد ...... وقال أبوعبدالله الحاكم: أبو داود هو إمام أهل الحديث في عصره بلا مدافعة ...... قال ابن داسة: كان لأبي داود كمٌّ واسع، وكُمٌّ ضيّق، فقيل له في ذلك، فقال: الواسع للكتب، والآخر لايحتاج إليه، وقال أبوبكر الخلال: أبوداود الإمام المقدم في زمانه لم يسبق إلى معرفته بتخريج العلوم وبصره بمواضعه رجل ورع مقدم ......"

اسماعیل صفار ابوبکر صاغانی سے نقل کرتے ہیں کہ ابوداوٗد سجستانی کے لیے حدیث کو ایسا آسان کیا گیا جیسا کہ داوٗد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے لوہا نرم کیا گیا تھا، موسیٰ بن ہارون کہتے ہیں کہ دنیا میں ابوداوٗد حدیث کے لیے پیدا کئے گئے اور آخرت میں جنت کے لیے، میں نے ان سے افضل کسی کو نہیں دیکھا، اور احمد بن محمد بن یاسین ہروی تاریخ ہرات میں لکھتے ہیں کہ ابوداوٗد سجزی اسلام میں حضور انور ﷺ کی حدیث اور اس کا علم، اس کے علل اور اس کے سند کے حافظ تھے، حدیث کے شہسواروں میں پارسائی، عفاف، صلاح، ورع میں اعلیٰ درجہ پر فائز تھے، میں کہتا ہوں کہ امام احمد بن حنبل سے فقہی بصیرت حاصل کی، اور ایک مدت تک ان کی صحبت میں رہے، موصوف امام احمد بن حنبل کے نیک نام شاگردوں اور اپنے زمانے کے بڑے فقہاء میں سے تھے، انہیں حدیث اور زہد میں بھی تقدم حاصل تھا، ابوعبداللہ حاکم فرماتے ہیں کہ ابو داوٗد اپنے زمانے میں بالاتفاق اہل حدیث کے امام ہیں، ابن داسہ کہتے ہیں کہ ابوداوٗد کا ایک آستین وسیع اور ایک تنگ تھا، کسی نے اس کے متعلق پوچھا، فرمایا کہ وسیع کتابوں کے لیے ہیں، اور دوسری کے بڑا رکھنے کی ضرورت نہیں۔

جامع ترمذی: یہ کتاب شیخ ابوطاہر کردی نے شیخ محمد ابراہیم کردی سے پڑھی، اور انہوں نے شیخ سلطان مزاحی سے، اور انہوں نے شیخ شہاب الدین احمد بن خلیل سبکی سے، اور انہوں نے شیخ نجم الدین محمد غیطی سے، اور انہوں نے شیخ زین الدین زکریا بن محمد انصاری سے، اور انہوں نے شیخ عز الدین عبدالرحیم بن محمد بن الفرات القاہری الحنفی (۱) سے،...............................

موصوف کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو: تاریخ بغداد:۹/۵۵ - ۹۵، وفیات الأعیان:۱/۲۶۸ - ۲۶۹، طبقات الحنابلة ازابن الفراء:۱۱۸ - ۱۲۰، کتاب المنتظم: ۵/۹۷ - ۹۸، تهذيب الأسماء واللغات:۲/۲۲۵ - ۲۲۷، تذكرة الحفاظ:۲/۲۵۲ - ۲۵٤، البداية والنهاية:۱۱/٥٤ - ٥٦، طبقات الشافعية:۲/٤٨، المختصر في أخبار البشر:۲ /٥٧، تهذيب التهذيب:٤/١٦٩- ١٧٣، شذرات الذهب:۲ /١٦٧، مفتاح السعادة:۲/۹، بستان المحدثين:۱۱۸ - ۱۲۰، إتحاف النبلاء:۲٥٦.

(۱) **الشیخ عبدالرحیم ابن الفرات**

نام ونسب:

عبدالرحیم نام، ابومحمد کنیت، عزالدین لقب اور ابن الفرات عرف ہے، سلسلۂ نسب درج ذیل ہے: ''عبدالرحیم بن ناصرالدین علی بن الحسین بن الفرات الحنفی۔''

ولادت وتحصیل علم:

موصوف ۷۵۹ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوئے، اور اس دور کے اکابر محدثین سے حدیث کی تکمیل کی، ان کو عزالدین بن جماعۃ، خلیل بن ایبک صفدی، عمر بن امیلہ، صلاح الدین ابی عمر محمود بن خلیفہ منبجی، تاج سبکی، برہان قیراطی اور ابوہریرہ ذہبی سے روایت حدیث کی اجازت حاصل تھی۔

عادات واخلاق:

مؤرخ ابن العماد (المتوفی ۱۰۸۹ھ) ''شذرات الذهب'' (۷/۲۶۹-۲۷۰) میں رقمطراز ہیں:

''القاضي عز الدين عبد الرحيم ...... الحنفي الإمام المسنِد المعمَّر المحدث الرحلة المؤرِّخ المعروف بابن الفرات ...... حدث سنين، وتفرد بأشياء عوال، سمع منه الأعيان والفضلاء، وصار رحلة زمانه، قال ابن تغري بردي: وأجاز لي بجميع مسموعاته ومروياته، وكانت له معرفة تامة بالفقه والأحكام، وناب في الحكم بالقاهرة سنين إلى أن توفي بها في أواخر ذي الحجة سنة ۸۵۱ھ''.

قاضی عزالدین عبدالرحیم حنفی امام، مسند، معمر، محدث ایسے کہ جن کی طرف تحصیلِ علم کے لیے سفر کیا جاتا تھا، یہ وہ

....

مؤرخ تھے جو ابن الفرات سے مشہور ہیں، برسوں حدیث کا درس دیا، کچھ چیزوں میں علوسند کے اعتبار سے متفرد تھے، ان سے فضلاء اور نامور علماء نے حدیث کی سماعت کی، موصوف اپنے زمانہ کے ایسے عالم بن گئے تھے جن کی طرف طلبِ حدیث کی خاطر سفر کیا جاتا تھا، ابن تغری بردی کا بیان ہے کہ انہوں نے مجھے اپنی تمام مسموعات اور مرویات کی اجازت دی تھی، ان کو فقہ اور احکام میں بڑی دستگاہ حاصل تھی، قاہرہ میں تاحیات فیصلِ خصومات کے عہدہ پر فائز رہے، اور آخر ذی الحجہ ۸۵۱ھ/ ۱۴۴۸ء میں وفات پائی۔

حافظ عبدالحی کتانی نے ''فهرس الفهارس والمشيخات'' (۹۱۳/۲) میں موصوف کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے:

''الإمام، قاضي القضاة، مُسند الديار المصرية، ملحق الأصاغر بالأكابر والأحفاد بالأجداد عز الدين أبو محمد عبد الرحيم بن علي ...... بن الفرات المصري الحنفي''.

امام، قاضی قضاۃ دیارِ مصریہ کے مُسنِد، چھوٹوں کو بڑوں سے اور پوتوں کو دادوں سے ملانے والے عز الدین ابو محمد عبدالرحیم بن علی...... ابن الفرات مصری حنفی تھے۔

پھر فرماتے ہیں:

''تفرّد بجمع من المشايخ، صارت الرحلة إليه من الآفاق لعلوّ سنده، ومات قبل الحافظ ابن حجر بسنة ...... عن نيف وتسعين بمصر، ترجَمه يوسف سبط الحافظ ابن حجر في مشيخته "بيان الصناعة بعشرة من أصحاب ابن جماعة" وبه صدر''.

موصوف مشائخ کی ایک جماعت سے تحصیل حدیث میں متفرد اور یکتا تھے، علوسند کی خاطر لوگ گوشہ گوشہ سے ان کی طرف آتے تھے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی وفات سے ایک سال پیشتر ان کا مصر میں انتقال ہوا، عمر نوے سے اوپر تھی، یوسف سبط حافظ ابن حجرؒ نے اپنے مشیخہ ''بيان الصناعة بعشرة من أصحاب ابن جماعة'' میں سب سے پہلے موصوف ہی کا تذکرہ کیا ہے۔

محدث سراج الدین بن فہد کا مشیخہ موصوف کے شیوخ کا جامع ہے۔

تالیفات:

موصوف کی تالیفات میں چند کتابیں مشہور ہیں:

۱۔ تذكرة الإمام في النهي عن القيام، ۲۔ نخبة الفوائد من عقد القلائد في حل قيد الشرائد ونظم الفرائد، یہ ابن وہبان کی شرح منظومہ کی تلخیص فقہ میں ہے۔

اورانہوں نے عمر بن ابی الحسن المراغی (۱) سے پڑھی (مراغہ میم کے زبر سے، ایران میں ایک شہر ہے) اورانہوں نے شیخ فخر الدین ابن البخاری سے، انہوں نے عمرو بن طبرز دالبغدادی سے، ....

موصوف کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو: الضوء اللامع:۱۸۷/۱۲– ۱۸۸، نظم العقیان:۱۲۷– ۱۲۸، شذرات الذهب:۲۶۹/۷– ۲۷۰، فهرس الفهارس:۹۱۳/۲، هدية العارفين:۵۶۲/۱.

(۱) الشیخ عمر بن حسن المراغی

نام ونسب:

عمر نام، ابوحفص کنیت اور ابن امیلہ عرف ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''عمر بن حسن بن مزید بن امیلہ بن جمعۃ بن عبداللہ المراغی ثم الحلبی ثم الدمشقی ثم المزی۔''

ولادت:

محدث برزالی کا بیان ہے کہ موصوف ۶۸۲ھ میں پیدا ہوئے، لیکن حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ موصوف ۱۸؍رجب ۶۷۹ھ میں پیدا ہوئے تھے۔

تحصیل علوم:

ابن امیلہ نے اس عہد کے اکابر شیوخ سے دینی علوم کی تکمیل کی تھی، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، مشیخہ ابن الظاہری اور شمائل ترمذی محدث فخر الدین ابن البخاری کو سنائی تھیں، شیخ ابن المجاور، عز الدین ابن عساکر اور محمد بن یعقوب وغیرہ سے حدیثوں کا سماع کیا تھا، قرأت کی تحصیل قاری ابن بصخان سے کی تھی، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ''الدرر الکامنۃ'' (۱۴۱/۳، طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱۹۵۴ء) میں لکھتے ہیں:

''عمر بن حسن ...... المشهور بابن أميلة ...... مسنِد العصر ......كان صبوراً على الإسماع، ربما حدث اليوم الكامل بغير ضجر، وحدث بالكثير، وكثر الانتفاع به، وحدث نحواً من خمسين سنة، وكان كثير التلاوة، تفرد بكثير من مروياته، وقد أسمع قديماً، كتب عنه الذهبي في "معجمه" ثم ابن رافع، وأجاز لمن أدرك حياته خصوصاً الشاميين والمصريين''.

فضل وکمال:

عمر بن حسن...... جو ابن امیلہ سے مشہور ہیں...... مسندِ زمانہ تھے...... اور حدیث کے سنانے میں بڑے باہمت اور مستقل مزاج تھے، بغیر کسی قسم کی تنگی محسوس کئے بارہا پورے دن حدیث بیان کی، اور کثرت سے حدیثیں بیان کیں، اور ان کے علم سے بڑا فائدہ ہوا، انہوں نے تقریباً پچاس برس حدیث کا درس دیا، موصوف قرآن کی تلاوت بھی بہت کرتے

اورانہوں نے شیخ ابوالفتح عبدالملک بن عبداللہ بن ابی سہل کروخی (۱) سے پڑھی، کروخ، کاف کے زبر اور رائے مہملہ مخففہ کے ساتھ نواحِ ہرات میں ایک شہر ہے، اور یہ شیخ ابوالفتح صاحبِ نسخۂ ترمذی ہیں۔

تھے، بہت سی مرویات میں یکتائے زمانہ تھے، انہوں نے بہت پہلے حدیث کا سماع کرایا، علامہ ذہبیؒ نے بھی ان سے اپنی معجم شیوخ میں حدیثیں لکھی ہیں، پھر ابن رافع نے لکھیں، جس نے ان کا زمانہ پایا، اس کو بھی ان سے روایتِ حدیث کی اجازت ہے، خاص طور سے شامیوں اور مصریوں کو۔

مؤرخ ابن العماد حنبلی (المتوفی ۱۰۸۹ھ) ''شذرات الذهب'' (۲۵۸/۶) میں رقمطراز ہیں:

''تفرد بالسنن والجامع والذيل (ذيل مشيخة تخريج ابن الظاهري) ورحل الناس إليه، وكان صبوراً على السماع، وأمّ بجامع المزة مدة، وحدث نحواً من خسمين سنة، سمع من جماعات، وخرج له الناس في مشيخة لطيفة''.

سنن اور جامع ترمذی اور ذیل (جو مشیخہ ابن ظاہری کی تخریج کا ذیل ہے) کے سماع میں متفرد تھے، لوگ ان کی طرف سفر کر کے پہنچتے تھے، حدیث کے سماع پر بڑے باہمت اور صابر تھے، ایک زمانہ تک جامع مزہ کے امام رہے، اور پچاس برس تک حدیث پڑھائی، محدثین کی بڑی جماعت نے ان سے حدیث کا سماع کیا تھا، علماء نے ان کا لطیف مشیخہ بھی مرتب کیا ہے۔

ابن العراقی نے موصوف کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے:

''مسنِد الدنيا أبو حفص عمر بن الحسن بن مزيد ......وكان رجلاً صالحاً، خيّراً، قويّ البُنية، وطال عمره، وسمع على الناس كثيراً، وبعُد صيته''. (الذيل على العبر: ۴۳۲/۲-۴۳۳)

مسندِ دنیا ابوحفص عمر بن حسن بن مزید، موصوف صالح، دیندار تھے، اور موصوف نے بڑی طویل عمر پائی، اور بہت لوگوں سے سماع کیا، اور بہت شہرت ہوئی۔

وفات:

۱۸ربیع الآخر ۷۷۸ھ/۴ستمبر ۱۳۷۶ء میں بروز جمعرات انتقال ہوا، انتقال کے وقت ۱۰۰ برس کے تھے،

حالات کے لیے ملاحظہ ہو: الدرر الكامنة: ۱٤۱/۳، شذرات الذهب: ٦/۲۸٥.

(۱) **الشیخ عبدالملک الہروی**

نام ونسب

عبدالملک نام اور ابوالفتح کنیت ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''عبدالملک بن ابی القاسم عبداللہ بن سہل بن ابی القاسم بن ابی منصور بن ماح الکروخی الہروی۔''

....

ولادت وتعلیم وتربیت:

موصوف ۵۴۸ھ میں کروخ کے اندر (جو ہرات سے دس منزل کی مسافت پر واقع ہے) پیدا ہوئے، اور ہرات میں علوم دینیہ کی تکمیل کی، محدث ابو عطاء عبدالرحمٰن بن ابی عاصم جوہری، ابو اسمٰعیل عبداللہ بن محمد انصاری، ابو عامر محمود بن قاسم ازدی، ابوالمظفر عبداللہ بن علی، ابو نصر عبدالعزیز بن محمد تریاقی، ابو بکر احمد بن عبدالصمد غورجی، ابو عبداللہ محمد بن یحییٰ عمری اور اس طبقہ کے دیگر شیوخ وقت سے حدیثوں کا سماع کیا، پھر بغداد میں سکونت پذیر ہوگئے، یہیں حدیث کا درس دیا، حافظ ابو سعد عبدالکریم سمعانی (المتوفی ۵۶۲ھ) کا بیان ہے:

''سمعت منه ببغداد، وقرأت عليه جميع الجامع لأبي عيسى الترمذي، وسمع بقراء تي منه جماعة كثيرة، وسمعت أنه بعد خروجي من بغداد انتقل إلى مكة، وجاور بها إلى أن توفي بمكة.''

(الأنساب نسبت الکرخی، ورق:۴۸۱)

میں نے موصوف سے بغداد میں سماع کیا، اور ابو عیسیٰ کی پوری کتاب جامع ترمذی کو ان سے پڑھا، اور میری اِس قرأت کو بڑی جماعت نے سنا ہے، وہ بغداد سے میرے نکل جانے کے بعد مکہ معظّمہ منتقل ہوگئے، وہیں قیام فرمایا تا آنکہ مکہ معظّمہ میں انتقال ہوگیا۔

علامہ ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں:

''وَرَد إلى بغداد، فسمعنا منه جامع الترمذي، ومناقب أحمد بن حنبل، وغير ذلك، وكان خيّراً صالحاً صدوقاً، مقبلاً على نفسه، ومرض ببغداد، فبعث إليه بعض من يسمع عليه شيئاً من الذهب، فقال: بعد السبعين واقتراب الأجل آخذ على حديث رسول الله ﷺ شيئاً! فرده إليه مع حاجته، وكان يكتب نسخاً بجامع الترمذي ويبيعها فيتقوت بها، وكتب به نسخة فوقفها، وخرج إلى مكة فجاور بها.''

(المنتظم في تاريخ الملوك والأمم:۱/۱۵٤)

فضل وکمال، عادات واخلاق:

موصوف جب بغداد میں آئے تو ہم نے ان سے جامع ترمذی، مناقب احمد بن حنبل وغیرہ کا سماع کیا، موصوف نہایت بھلے، نیک اور راست باز تھے، ہمہ وقت اپنے نفس پر متوجہ رہتے تھے، بغداد میں موصوف بیمار ہوگئے تو ان کے شاگردوں میں سے کسی نے کچھ سونا بھیجا، انہوں نے فرمایا ستر (۷۰) برس کے بعد اور موت کے سر پر آجانے کے وقت میں رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں پر بھی لوں گا! چنانچہ انہوں نے حاجت کے باوجود سونا اس کو واپس کردیا، موصوف جامع

اورانہوں نے قاضی ابو عامر محمود بن القاسم بن محمد ازدی (۱) سے،.........................

ترمذی کے نسخے لکھتے اورانہیں بیچ کر روزی کماتے تھے،انہوں نے ایک نسخہ لکھ کر اسے وقف کردیا،اور مکہ معظمہ چلے گئے، پھر وہیں مقیم ہوگئے۔

مؤرخ ابن العماد حنبلی "شذرات الذهب" (۴/۱۴۸) میں لکھتے ہیں:

"أبو الفتح ...... الهَرَوي الرجل الصالح، راوي جامع الترمذي، كان وَرِعاً ثقة، كتب بالجامع نسخه، ووقفها، وكان يعيش من النسخ، حدث ببغداد ومكة، وعاش ستاً وثمانين".

ابوالفتح...... ہروی مردِصالح اور جامع ترمذی کے راوی تھے نہایت متقی اور ثقہ تھے،انہوں نے جامع ترمذی کا ایک نسخہ لکھ کر اسے وقف کردیا،ترمذی کی نقل پران کا گذر بسر تھا،موصوف نے بغداد اور مکہ معظمہ میں حدیثیں بیان کیں،اور ۸۶سال زندہ رہے۔

حافظ ذہبیؒ نے "تذكرة الحفاظ" (۴/۱۳۱۳) میں حافظ ابو طاہر محمد المروزی کے تذکرہ میں موصوف کو "المحدث الصادق" کے الفاظ سے ذکر کیا ہے۔

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ "تاريخ الإسلام" (۱۱/۹۳۲) میں رقمطراز ہیں:

"وكان شيخاً، صالحاً، سديداً، عفيفاً" موصوف شیخ،صالح،نیک کردار اور پاک دامن تھے۔

وفات:

۲۵رذی الحجہ ۵۴۸ھ/۱۳مارچ ۱۱۵۴ء میں بروز ہفتہ،مکہ میں وفات پائی۔

موصوف کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو: الأنساب ورق: ۴۸۱، المنتظم:۹۲/۷، اللباب في تهذيب الأنساب ۳۹/۳: ، مكتبه القدسى قاهره ۱۳۶۹ھ۔

(۱) الشیخ محمود الہروی

نام ونسب:

محمود نام اور ابو عامر کنیت ہے،سلسلۂ نسب یہ ہے:"محمود بن القاسم بن ابی منصور محمد بن محمد بن عبد اللہ بن محمد المہلبی الازدی الہروی الشافعی۔"

ولادت،تعلیم وتربیت:

موصوف ۴۰۰ھ میں پیدا ہوئے،علوم دینیہ کی تحصیل اس وقت کے نامور فقہاء اور محدثین سے کی، پھر حدیث کا درس دیا،عہدۂ قضاء پر بھی ان کا تقرر رہا،اور ایک زمانہ تک اِس خدمت کو انجام دیتے رہے،زہد وورع میں ان کی بڑی شہرت تھی،محدث ابو محمد جراحی سے جامع ترمذی کی روایت میں خاص شہرت کے مالک ہیں۔

اورانہوں نے شیخ ابومحمد عبدالجبار بن محمد بن عبداللہ بن ابی الجراح المروزی (۱) سے، یہ مروشاہجہان کی طرف نسبت ہے، (جو خراسان میں ایک مشہور شہر ہے)،

عادات واخلاق:

صاحبِ مرآۃ الجنان کا بیان ہے:

''عديم النظير زهداً وصلاحاً وعفةً'' (۳/۱۴۴) زہد وصلاح اور پاکی ونیکی میں بے نظیر تھے۔

علامہ ذہبیؒ ''العبر'' (۳/۳۱۸) میں لکھتے ہیں:

''أبو عامر الأزدي القاضي محمود ...... الهروي الفقيه الشافعي، راوي جامع الترمذي عن الجراحي، قال أبو نصر الفامي: عديم النظير زهداً وصلاحاً''.

ابو عامر قاضی محمود ازدی ہروی فقیہ شافعی، جامع ترمذی کے جراحی سے راوی ہیں، ابونصر فامی کا بیان ہے کہ موصوف زہد وورع میں اپنی نظیر آپ تھے۔

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ ''تاريخ الإسلام'' (۱۰/۵۸۷) میں رقمطراز ہیں:

''إمام، فقيه، علامة، شافعي ...... قال السمعاني: هو جليل القدر، كبير المحل، عالم فاضل.''

موصوف امام، فقیہ، علامہ اور شافعی ہیں، سمعانی کہتے ہیں کہ موصوف بہت جلیل القدر اور کبیر المحل، عالم فاضل آدمی ہیں۔

وفات:

جمادی الآخرۃ ۴۸۷ھ/ جولائی ۱۰۹۴ء میں وفات پائی۔

موصوف کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو: العبر في خبر من غبر: ۳/۳۱۸، شذرات الذهب: ۳/۳۸۲.

(۱) **الشیخ عبدالجبار المرزبانی الهروی**

نام ونسب:

عبدالجبار نام، ابومحمد کنیت ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''عبدالجبار بن محمد بن عبداللہ بن ابی الجراح المرزبانی المروزی۔''

تعلیم وتربیت:

موصوف نے دینی علوم کی تحصیل اپنے زمانے کے نامور محدثین سے کی، اور حدیثوں کا سماع محدث محمد بن احمد محبوبی اور اس طبقہ کے علماء سے کیا، تحصیلِ علوم کے بعد ہرات میں سکونت اختیار کرلی، یہیں حدیث کا درس دیتے رہے، نہایت نیک تھے۔

اورانہوں نے ابوالعباس محمد بن محبوب المحبوبی المروزی (۱) سے،..............................

ابوسعد سمعانیؒ "الأنساب" (نسبت جراحی:۲/۳۶) میں لکھتے ہیں:

''ھو ثقة صالح'' موصوف ثقہ اور صالح ہیں۔

حافظ ابوبکر محمد بن عبدالغنی (المتوفی ۶۲۹ھ) ''الاستدراك على الإكمال'' کے "باب الجراحي والخراجي" میں رقمطراز ہیں:

''أما الأول بفتح الجيم والراء المشددة أيضا بعد الألف حاء مهملة، فهو أبو محمد عبدالجبار بن محمد بن عبد الله بن أبي الجراح الجراحي المروزي، حدث عن أبي العباس محمد بن أحمد المحبوبي بكتاب الجامع الترمذي لأبي عيسى الترمذي، حدث عنه شيخ الإسلام أبوإسماعيل الأنصاري في مصنفاته، وأبوعامر محمود بن القاسم الأزدي، وعبد العزيز بن محمد التوياني، وأبوبكر أحمد بن عبد الصمد التاجر في آخرين، مولده سنة إحدى وثلاثين وثلاث مائة.''

الجراحی لیکن اول بفتحۂ جیم وراء مشدد اور الف کے بعد حا کے ساتھ ہے، شیخ ابومحمد عبدالجبار بن محمد بن عبداللہ بن ابی الجراح جراحی مروزی ہے، ابوعیسیٰ ترمذی کی کتاب جامع ترمذی کے ابوالعباس محمد محبوبی سے راوی ہیں، اوران سے شیخ الاسلام ابواسماعیل انصاری نے اپنی تصنیفات میں روایت کی ہے، اورابوعامر محمود بن قاسم ازدی، عبدالعزیز بن محمد تویانی اورابوبکر احمد بن عبدالصمد تاجر راویوں میں سے تھے، ان کی ولادت ۳۳۱ھ میں ہوئی تھی۔

وفات:

شمس الدین ذہبیؒ نے ''تذكرة الحفاظ'' (۱۰۵۲/۳) میں حافظ غنجار کے تذکرہ میں موصوف کو "مسند مرو" کے الفاظ سے یاد کیا ہے، اوران کی تاریخ وفات ۴۱۲ھ بیان کی ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں:

''فيها ٤١٢ ...... مات مسند مرو أبو محمد عبد الجبار بن محمد بن عبد الله بن أبي الجراح الجراحي راوي جامع الترمذي''.

موصوف کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو: کتاب الاستدراك على كتاب الإكمال مخطوطہ عکسی ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد، کتاب العبر:۱۰۸/۳، شذرات الذهب:۱۹۶/۳، تاريخ الإسلام:۲۰٤/۹.

(۱)

الشیخ محمد بن احمد المحبوبی الهروی

نام ونسب:

محمد نام اورابوالعباس کنیت ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''محمد بن احمد بن محبوب بن فضیل المحبوبی المروزی۔''

تعلیم وتربیت، درس وتدریس، فضل وکمال:

موصوف امام ترمذی اور سعید بن مسعود صاحب النضر بن شمیل کے نامور شاگرد ہیں، اور امام ترمذی سے جامعِ ترمذی کی روایت میں خاص شہرت کے مالک ہیں، علامہ ابوسعد عبدالکریم سمعانیؒ کا بیان ہے:

''واشتهر بهـذه النسبة أبو العباس محمد بن أحمد بن محبوب المحبوبي التاجر من أهل مرو، راوية كتـاب الـجامع، وابنه أبو محمد عبد الله بن أبي العباس المحبوبي المروزي، وكان أبوه شيخ أهل الثروة من التجار بخراسان، وإليه كانت الرحلة.'' (الأنساب ورق:۵۱۱)

اور اس نسبت (محبوبی) سے شہرت رکھنے والوں میں ابوالعباس محمد بن احمد بن محبوب تاجر مروزی راویِ جامعِ ترمذی، اور ان کے فرزند ابومحمد عبداللہ بن العباس محبوبی مروزی ہیں، ان کے والد خراسان میں دولتمند تاجروں کے رئیس تھے، ان کی طرف طلبہ سفر کرکے پہنچتے تھے۔

مؤرخ عبداللہ بن اسعد یافعی موصوف کے متعلق ''مرآة الجنان'' (۳۴۰/۲) میں لکھتے ہیں:

''محدث مرو، وشيخها، ورئيسها'' موصوف مرو کے محدث، شیخ اور رئیس تھے۔

ابن تغری بردی النجوم الزاھرة میں فرماتے ہیں:

''محدث، سماعاته مضبوطة، وكان ذا ثروة ومال''

موصوف محدث ہیں، ان کی مسموعات منضبط ہیں، اور یہ بڑے صاحبِ مال ومتاع تھے۔

حافظ ذہبیؒ نے ''تذكرة الحفاظ'' (۸۶۳/۳) میں موصوف کو حافظ ابوالعباس الاصم کے تذکرہ میں ''مسند مرو'' اور ''صاحب الترمذي'' کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔

حافظ ذہبیؒ ''العبر'' (۲۷۲/۲) میں لکھتے ہیں:

''أبو العباس المحبوبي ...... محدث مرو، وشيخها، ورئيسها ......وله سبع وتسعون سنة، روى جامع الترمذي عن مؤلفه، وروى عن سعيد بن مسعود صاحب النضر بن شميل، وأمثاله.''

مرو کے محدث، شیخ اور رئیس......ابوالعباس محبوبی تھے......ستانوے برس کی عمر پائی، جامعِ ترمذی کی امام ترمذی سے روایت کی، اور سعید بن مسعود صاحب النضر بن شمیل اور ان کے ہم رتبہ ائمہ فن سے روایت کی۔

ولادت ووفات:

موصوف کے متعلق علامہ ذہبیؒ ''تاریخ الإسلام'' (۸۳۸/۷) میں رقمطراز ہیں:

اورانہوں نے صاحبِ کتاب ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ ترمذی (۱) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پڑھی تھی۔

''ولد سنة تسع وأربعين ومائتين ...... وقال الحاكم سماعه صحيح'' ۲۴۹ھ میں موصوف کی پیدائش ہوئی، حاکم کہتے ہیں کہ موصوف صحیح السماع ہیں۔

۹۷رسال کی عمر میں ماہِ رمضان ۳۴۶ھ/ دسمبر ۹۵۷ء میں رحلت فرمائی، موصوف سے جامع ترمذی کی روایت میں ان کے فرزند ابومحمد عبداللہ اور ابومحمد عبدالجبار بہت مشہور ہیں۔

موصوف کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو: الوافي بالوفيات،مطبع وزارت معارف، استنبول ۱۹۴۹ء:۲ /۴۱، كتاب الأنساب نسبت محبوبی، مرآة الجنان:۲/۳۴۰، العبرفي خبرمن غبر:۲/۲۷۲، النجوم الزاهرة بذيل وفيات ۳۴۶.

(۱) الإمام ابوعیسیٰ الترمذی

نام ونسب:

ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ بن الضحاک (المولود ۲۱۰ھ/ ۸۲۵ء، المتوفی ۲۷۹ھ/ ۸۹۲ء)

علامہ ذہبیؒ ''تاريخ الإسلام'' (۶/ ۶۱۸-۶۲۱) میں رقمطراز ہیں:

''وُلد سنة بضع ومائتين، وسمع قتيبة بن سعيد، وأبا مصعب الزهري، وإبراهيم بن عبد الله الهروي وغيرهم، وعنه حماد بن شاكر، ومكحول بن الفضل، والهيثم بن كليب الشاشي وغيرهم ...... ذكره ابن حبان في "الثقات"، وقال: وكان ممن جمع وصنف وحفظ وذاكر...... وكتابه "الجامع" يدل على تبحره في هذا الشأن، وفي الفقه واختلاف العلماء ...... قال أبو سعيد الإدريسي: كان أبو عيسى يُضرب به المثل في الحفظ ...... وقال أبو أحمد الحاكم: سمعت عمر بن علّك يقول: مات محمد بن إسماعيل البخاري، ولم يخلف بخراسان مثل أبي عيسى في العلم والحفظ والزهد والورع، بكى حتى عمي، وبقي على ضرره سنين ...... قال غنجار في "تاريخه": توفي في ثالث عشر رجب سنة تسع وسبعين بترمذ.''

دوسو کے بعد ان کی ولادت ہوئی، قتیبہ بن سعید، ابومصعب زہری اور ابراہیم بن عبداللہ ہروی وغیرہم سے حدیث کا سماع کیا، اوران سے حماد بن شاکر، مکحول بن الفضل، اور ہیثم بن کلیب شاشی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ ابن حبان نے ان کا تذکرہ ثقات میں کیا ہے، اور فرمایا کہ موصوف جامع کمالات اور مصنف تھے، حافظ تھے حدیث کا مذاکرہ کرتے تھے، اوران کی کتاب ''الجامع'' اس فن فقہ اور اختلافِ علماء میں ان کے تبحر پر دلالت کرتی ہے، ابوسعید ادریسی کہتے ہیں کہ حفظ میں ابوعیسیٰ کی مثال پیش کی جاتی تھی، ابواحمد حاکم کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن علک کو فرماتے ہوئے سنا کہ محمد بن اسماعیل بخاری کا انتقال ہوا لیکن خراسان میں انہوں نے علم، حفظ، زہد اور ورع میں ابوعیسیٰ جیسے خلیفہ کسی کو نہیں

سنن نسائی: شیخ ابوطاہر نے شیخ ابراہیم کردی سے پڑھی ہے،اورانہوں نے شیخ احمد قشاشی سے،اورانہوں نے شیخ احمد بن علی بن عبدالقدوس شناوی سے،اورانہوں نے شیخ شمس الدین محمد بن احمد بن محمد رملی سے،اورانہوں نے شیخ زین الدین زکریا سے،اورانہوں نے شیخ عزالدین عبدالرحیم بن محمد بن الفرات سے،اور انہوں نے عمر بن ابی الحسن المراغی سے،اورانہوں نے فخرالدین ابن البخاری سے،اورانہوں نے ابوالمکارم احمد بن محمد اللّبّان [1] (یہ اینٹیں بنانے والے کی طرف نسبت ہے) سے،..........................

چھوڑا، اتنا روئے کہ آنکھ کی بینائی چلی گئی،اور کئی سال نابینا رہے،غنجار اپنی تاریخ میں کہتے ہیں کہ موصوف کا انتقال بروز پیر ۱۳ ارجب ۲۷۹ھ/ ۹ اکتوبر ۸۹۲ء کو ترمذ میں ہوا۔

موصوف کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو:(کتاب) الفهرست:۲۳۳، وفيات الأعيان:۳/۴۰۷، تذكرة الحفاظ:۲/۱۸۷-۱۸۸، العبر في خبر من غبر بذيل وفيات ۲۷۹ه، البداية والنهاية:۱۱/۶۶-۶۷، المختصر في أخبار البشر:۲/۵۹، مرآة الجنان:۲/۱۹۳، تهذيب التهذيب:۹/۳۸۷-۳۸۹، الوافي بالوفيات:۴/۲۹۴-۲۹۶، شذرات الذهب:۲/۱۷۴-۱۷۵، مفتاح السعادة:۲/۱۱، بستان المحدثين:۱۲۰-۱۲۳، الحطة في ذكر الصحاح الستة، التاج المكلل:۱۱۲-۱۱۳.

(۱) الشیخ احمد بن محمد الاصبہانی

نام ونسب:

احمد نام،ابوالمکارم کنیت اور اللبان عرف ہے،سلسلۂ نسب یہ ہے:''احمد بن محمد بن محمد التیمی الاصبہانی۔''

درس وتدریس اور علمی مقام:

موصوف نے وقت کے نامور علماء وفضلاء سے دینی علوم کی تکمیل کی،اور حدیث کا درس دیا،ان کو شیخ ابوعلی سے سنن نسائی کی روایت میں غیر معمولی شہرت حاصل ہے،اور"مُسنِد عجم"(عجم کو اسناد بیان کرنے والے) کہلاتے ہیں،ان کو محدث عبدالغفار سردی وغیرہ سے بھی روایت حدیث کی اجازت حاصل ہے،ایک زمانہ تک عہدۂ قضاء پر فائز رہے،اوراپنی منصف مزاجی کی وجہ سے"القاضي العدل"(منصف قاضی) کے الفاظ سے زبانِ زد خاص وعام ہوئے۔

حافظ ذہبیؒ نے''دول الإسلام'' (۲/۷۹) میں موصوف کو''مُسنِد أصفهان'' لکھاہے،ان کے الفاظ یہ ہیں:

''مات بأصبهان مسندها أبو المكارم أحمد بن محمد المعدل.''

مؤرخ ابن العماد''شذرات الذهب'' (۴/۳۲۹) میں لکھتے ہیں:

''اللبان القاضي العدل أبو المكارم أحمد ......الأصبهاني، مسند العجم، مكثر عن أبي علي الحداد.''

اورانہوں نے ابوعلی حسن بن احمد الحداد [1] سے، ....

شیخ لبان قاضی عدل ابوالمکارم احمد......اصفہانی، مسند عجم اورابوعلی حداد سے بکثرت روایت کرنے والے تھے۔

وفات:

ذی الحجہ ۵۹۷ھ/ستمبر ۱۲۰۱ء میں انتقال ہوا۔

موصوف کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو: تاریخ الإسلام:۱۲/۱۰۹٤، التدوین في أخبار قزوین:۲/۲۲۸.

(۱) **الشیخ حسن بن احمد الأصبہانی**

نام ونسب:

حسن نام، ابوعلی کنیت اور الحداد عرف ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''حسن بن احمد بن الحسن بن محمد بن علی بن مہرۃ الأصبہانی۔''

ولادت، تعلیم وتربیت:

موصوف شعبان ۴۱۹ھ/ ۱۰۲۸ء میں اصفہان میں پیدا ہوئے، قرآن مجید حفظ کیا، اور باکمال قاریوں سے فنِ قرأت کی تحصیل کی، نیز وقت کے نامور محدثین جیسے حافظ ابونعیم اصفہانیؒ وغیرہ سے حدیثوں کا سماع کیا، پھر قرأت کی تعلیم دی، اور حدیث کا درس دیا، اصفہان میں قرأت اور حدیث کے پڑھنے میں حرفِ آخر سمجھے جاتے تھے۔

حافظ ابن الجوزی "المنتظم" (۹/ ۲۲۸) میں فرماتے ہیں:

''انتهی إلیه الإقراء والحدیث بأصبهان'' اصفہان میں قرآن کی قرأت اور حدیث کا درس ان پر ختم تھا۔

مؤرخ ابن العماد حنبلی ''شذرات الذهب'' (۴/ ۴۷) میں لکھتے ہیں:

''أبو علي الحداد الحسن ...... الأصبهاني المقرئ، المجود، مسند الوقت ...... کان مع علو إسناده أوسع أهل وقته روایة، حمل عن أبي نعیم، و کان خیراً، صالحاً، ثقة.''

ابوعلی الحداد حسن اصفہانی قراءۃ کی تعلیم دینے والے، مجود اور مسند وقت تھے، عالی اسناد ہونے کے باوجود اپنے زمانے کے وسیع تر راوی تھے، ابونعیم سے بھی تحصیلِ علم کی تھی، نہایت نیک وصالح اور ثقہ تھے۔

علامہ ذہبیؒ ''تاریخ الإسلام'' (۱۱/۲۳۲-۲۳۴) میں رقمطراز ہیں:

''الحسن بن أحمد ...... الأصبهاني الحداد المقرئ، مُسندأصبهان في القراء ات و الحدیث ...... قال السمعاني في "تحبیره": رحل الناس إلیه، ورأی من العز مالم یره أحد في عصره، و کان خیّراً صالحاً مقرئا، ثقة، صدوقاً ...... قال أبو سعد السمعاني: کان عالماً، ثقة، صدوقاً، من أهل العلم و القرآن و الدین، قرأ

اور انہوں نے قاضی ابونصر احمد بن الحسین الکسار [1] سے،...

القرآن بروايات، وعمِّر الطويل، حتى حدث بالكثير، ...... كان والده إذا خرج إلى حانوته ليعمل في الحديد، يأخذ بيد الحسن، ويلفعه في مسجد أبي نعيم فأكثر عنه، حتى صار بحيث لايفوته عنه إلّا ماشاء اللّٰه.''

حسن بن احمد اصبہانی حداد مقرئ قرأت کے استاد اور حدیث میں مسندِ اصبہان تھے، سمعانی کتاب "تحبیر" میں کہتے ہیں کہ لوگوں نے ان کی طرف سفر کیا، اور وہ عزت دیکھی جس کا مشاہدہ کسی نے اپنے زمانے میں نہیں کیا، اور موصوف نیک، صالح، قرأت کے استاد، ثقہ اور صدوق ہیں، ابوسعد سمعانی کہتے ہیں کہ موصوف عالم، ثقہ، صدوق اور اہل علم وقرآن اور اہل دین میں سے ہیں، قرآن کو کئی روایات سے پڑھا، اور بہت لمبی عمر پائی، یہاں تک کہ کثرت سے احادیث کا درس دیا، ان کے والد جب دکان پر لوہے کے کام کیلئے جاتے تو حسن کو ہاتھ سے پکڑ لیتے، اور مسجد ابی نعیم میں چھوڑ آتے، اس لیے موصوف نے ان سے بکثرت روایت کی یہاں تک کہ ان سے کوئی حدیث فوت نہیں ہوئی الا ماشاء اللہ۔

وفات:

۹۶ رسال کی عمر میں بروز منگل ۲۶ رذی الحجہ ۵۱۵ھ/ ۷ مارچ ۱۱۲۲ء میں وفات پائی، موصوف کی تالیفات میں صرف ایک معجم الشیوخ ان سے یادگار ہے۔

موصوف کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو: غاية النهاية في طبقات القراء: ۲۰۶/۱، المنتظم: ۱۸-۱۷ /۱۹۹، رقم: ۳۸۹۸.

(۱) الشیخ ابونصر احمد بن الحسین الدینوری

نام ونسب:

احمد نام، اور ابونصر کنیت ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''احمد بن الحسین بن محمد الکسار القاضی الدینوری۔''

تعلیم وتربیت اور علمی مقام:

موصوف حافظ ابن السنی کے نامور شاگردوں میں سے تھے، سنن نسائی کا ان ہی سے سماع کیا تھا، ان کی کتاب "عمل اليوم والليلة" کے راوی ہیں، لیکن سنن نسائی کی روایت میں انہیں بڑی شہرت حاصل ہے۔

علامہ ذہبیؒ ''تاريخ الإسلام'' (۵۲۳/۹) میں رقمطراز ہیں:

'' وكان صدوقاً، صحيح السماع، من أهل العلم والجلالة''

موصوف صدوق، صحیح السماع ہیں، علم اور بزرگی والوں میں سے ہیں۔

وفات:

۴۳۳ھ/۱۰۴۲ء میں انتقال ہوا۔

اورانہوں نے حافظ ابوبکر سے جوابن السنی کے نام سے مشہور ہیں،یعنی احمد بن محمد بن اسحٰق الدینوری [1] سے، جونہایت بلند پایہ محدثین میں سے ہیں،اور کتاب ''المجالسة الدينوري'' ان ہی کی تصنیف ہے۔

موصوف کے شاگردوں میں ابومحمد دوانی اورابونعیم حداد کا نام سرفہرست آتا ہے،ان کی تالیفات میں المنية في القراءات مشہور ہے۔

حالات کیلئے ملاحظہ ہو: شذرات الذهب:۳/۳۵۰، تاج العروس:ماده ك س ر، کشف الظنون:ك ۱۸۸۶.

(۱) الشیخ احمد بن محمد الدینوری الشافعی

نام ونسب:

احمد نام، ابوبکر کنیت اور ابن السنی عرف ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''احمد بن محمد بن اسحٰق بن ابراہیم بن اسباط الدینوری الشافعی۔''

تعلیم وتربیت اور علمی مقام:

موصوف نے دینی علوم کی تحصیل استادانِ وقت سے کی، امام نسائی، عمر بن ابی عبدان بغدادی، ابوخلیفہ، زکریا ساجی، اور ابوعروبہ جیسے اربابِ کمال سے مصر، عراق، شام اور جزیرہ میں حدیثوں کا سماع کیا لیکن امام نسائی سے کثرتِ استفادہ کی وجہ سے صاحب النسائی سے شہرت پائی، پھر درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا شغل اختیار کیا، حدیث میں ایسا کمال بہم پہنچا کہ حفاظِ حدیث میں ان کا شمار ہوا۔

حافظ ذہبیؒ نے ''تذكرة الحفاظ '' میں ان کے تذکرہ کا آغاز "الحافظ، الإمام، **الثقة**" **کے الفاظ سے** کیا ہے، نیز ''العبر في خبر من غبر '' (۳۳۲/۲،طبع کویت ۱۹۶۱ء) میں لکھتے ہیں:

''أبو بكر بن السني الحافظ ...... رحل، وكتب الكثير، وروى عن النسائي، وأبي خليفة، وطبقتهما.''

حافظ ابوبکر بن السنی نے طلبِ حدیث میں سفر کیا، اور بہت حدیثیں سنیں، امام نسائی، ابوخلیفہ اور اس طبقہ کے علماء سے روایت کی۔

تاج الدین سبکیؒ ''طبقات الشافعية'' (۹۶/۲) میں لکھتے ہیں:

''كان رجلاً صالحاً فقيهاً شافعياً ،عاش بضعاً وثمانين سنة، قال القاضي أبو زرعة روح بن محمد سبط ابن السني: سمعت عمي علي بن أحمد بن محمد يقول: كان أبي - رحمه اللهُ- يكتب الحديث، فوضع القلم في أنبوبة المحبرة، ورفع يديه يدعو الله تعالى فمات، وذلك في آخر سنة أربع وستين وثلاث مائة.''

موصوف نے مصنفِ کتاب حافظ ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی النسائی [1] سے پڑھی تھی، یہ نساء کی طرف منسوب ہیں (جو خراسان میں ابیوَرد کے قریب ایک مشہور شہر ہے)۔

یہ بڑے نیک آدمی اور شافعی فقیہ تھے، کچھ اوپر اسی سال زندہ رہے، قاضی ابوزرعہ روح بن محمد سبط ابن السنی کا بیان ہے کہ میں نے اپنے چچا علی بن احمد بن محمد کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میرے والد رحمۃ اللہ علیہ حدیث لکھ رہے تھے کہ قلم دوات میں رکھا، اور ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی اور روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی، یہ ۳۶۴ھ/ ۹۵۷ء کے آخر کا واقعہ ہے۔

علامہ ذہبیؒ نے "تاریخ الإسلام" (۲۲۴/۸) میں موصوف کا تذکرہ ان الفاظ سے کیا ہے: "وکان دیناً، خیّراً"، موصوف دین پر قائم رہنے والے اور سخی تھے۔

موصوف کی تالیفات میں سے عمل الیوم واللیلۃ اور کتاب القناعہ مشہور ہیں، ان کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو:

تذكرة الحفاظ:۱٤۲/۳-۱٤۳، طبقات الشافعية:۹٦/۲، شذرات الذهب:٤۷/۳-٤۸.

(۱) **الشیخ الإمام النسائی**

نام ونسب:

احمد نام، ابوعبدالرحمٰن کنیت، سلسلۂ نسب یہ ہے: ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار النسائی۔

ولادت، علمی مقام اور وفات:

علامہ ذہبیؒ "تاریخ الإسلام" (۵۹/۷-۶۱) میں رقمطراز ہیں:

"أحمد بن شعيب بن علي ...... النسائي القاضي مصنف "السنن" وغيرها من التصانيف، وبقية الأعلام، وُلد سنة خمس عشرة ومائتين ...... رحل إلى قتيبة وهو ابن خمس عشرة سنة، قال: أقمت عنده سنة وشهرين، ورحل إلى مرو، ونيسابور، والعراق، والشام، ومصر، والحجاز، وسكن مصر، وكان يسكن بزقاق القناديل، وكان مليح الوجه، ظاهر الدم مع كبر السن، وكان يؤثر لباس البرود النوبية الخضر ...... قال أبو علي النيسابوري- حافظ خراسان في زمانه-: حدثنا الإمام في الحديث بلامدافعة أبوعبدالرحمن النسائي ...... وقال الدارقطني: أبو عبد الرحمن مقدم على كل من يذكر بهذا العلم من أهل عصره ...... وقال الدار قطني: إنه خرج حاجاً فامتحن بدمشق وأدرك الشهادة، فقال: احملوني إلى مكة، فحمل وتوفي بها، وهو مدفون بين الصفا والمروة، وكانت وفاته في شعبان سنة ثلاث وثلاث مائة، قال: وكان أفقه مشايخ مصر في عصره وأعلمهم بالحديث والرجال، قال أبو سعيد بن يونس في "تاريخه" كان إماماً حافظاً ثبتاً."

سنن ابن ماجه: شیخ زین الدین زکریا تک اس کی وہی سند ہے جو سنن نسائی میں بیان ہوئی ہے، انہوں نے شیخ ابن حجر عسقلانی سے پڑھی، اور انہوں نے ابوالحسن علی بن ابی المجد دمشقی (١) سے، ....

احمد بن شعیب بن علی نسائی، قاضی، سنن اور اس کے علاوہ تصانیف کے مصنف اور یادگارِ سلف، ٢١٥ھ میں موصوف کی ولادت ہوئی، پندرہ سال کی عمر میں قتیبہ کی طرف سفر کیا، اور فرمایا کہ میں نے ایک سال دو مہینے قیام کیا، اور مرو، نیشاپور، عراق، شام اور بصرہ، اور حجاز کا سفر کیا، اور مصر کی سکونت اختیار کی، اور بز قاق القنادیل میں بھی رہتے تھے، اور خوب صورت چہرے والا، بڑھاپے کے باوجود ان کے چہرے پر خون جوش مارتا تھا۔

اپنے زمانہ کے حافظِ خراسان ابوعلی نیشاپوری کا قول ہے کہ ہم سے امام نسائی نے حدیث بیان کیا جس کی امامت فن پر سب کا اتفاق ہے، اور دارقطنی کہتے ہیں کہ ابوعبدالرحمٰن اپنے ہمعصروں میں ہر اس شخص پر مقدم ہیں جس کو اس علم کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے، اور دارقطنی کہتے ہیں کہ موصوف حج بیت اللہ کی نیت سے نکلے، تو دمشق میں آزمائش میں پڑ گئے، اور شہادت کو پالیا، اور کہا کہ مجھے مکہ مکرمہ کی طرف لے چلو، چنانچہ مکہ مکرمہ کی طرف لے جایا گیا، اور وہاں موصوف کا انتقال ہوگیا، صفا، مروہ کے درمیان موصوف مدفون ہیں، موصوف کی وفات بروز اتوار ٣ رشعبان ٣٠٣ھ/ ١١ فروری ٩١٦ء میں ہوئی، فرمایا کہ اپنے زمانہ میں مشائخ مصر میں سب سے زیادہ فقیہ تھے، اور علمِ حدیث اور علمِ رجال کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے، ابوسعید بن یونس اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں کہ موصوف امام، حافظ اور ثبت ہیں۔

موصوف کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو: وفيات الأعيان:١/٢٥-٢٦، تذكرة الحفاظ:٢/٢٤١ - ٢٤٣، البداية والنهاية:١١/١٢٣-١٢٤، طبقات الشافعية:٢/٨٣-٨٤، المختصر في أخبار البشر:٢ /٧٧، مرآة الجنان:٢/٢٤٠- ٢٤١، تهذيب التهذيب:١/٣٦ - ٣٩، النجوم الزاهرة:٣/١٨٨، حسن المحاضرة:١/١٩٧-١٩٨، مفتاح السعادة:٢/١ - ١٢، شذرات الذهب:٢/٢٣٩، روضات الجنات :٥٨، بستان المحدثين:١٢٣، إتحاف النبلاء:١٨٩، الحطة في ذكر الصحاح الستة، أبجد العلوم:٨٤٥، التاج المكلل .

(١) الشیخ علی بن محمد الدمشقی

نام ونسب:

علی نام، ابوالحسن کنیت، ابن الصائغ، ابن خطیب عین ترما اور الجوزی عرف ہے، ان کے والد دمشق میں مسجد الجوزہ میں امام تھے، اس لئے موصوف بھی اس نسبت سے مشہور تھے، ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے: ”علی بن محمد بن محمد بن ابی المجدؒ بن علی الدمشقی۔“

اورانہوں نے ابوالعباس حجار سے، اورانہوں نے انجب بن ابی السعادات [(۱)] سے،..............................

ولادت وتعلیم:

ربیع الاول ۷۰۷ھ میں پیدا ہوئے، شیخ ابن تیمیہ، قاسم بن عساکر، وزیرہ، حجار اوراس عصر کے دیگر محدثین میں سے حدیثوں کا سماع کیا، موصوف اکابر محدثین سے سماعِ حدیث میں یکتا محدث تھے، محدث تقی الدین سلیمان مطعم، دبوسی، ابن سعد اور ابن الشیر ازی نے بھی موصوف کو ۷۱۳ھ میں روایت حدیث کی اجازت دیدی تھی، ست الوزراء سے بھی انہوں نے صحیح البخاری کا سماع کیا تھا، دمشق میں موصوف نے ان ہی کی سند سے صحیح بخاری کا درس دیا تھا، اور قاہرہ میں بھی حدیثیں بیان کی تھیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

’’سمعت عليه سنن ابن ماجه، ومسند الشافعي، وتاريخ أصبهان، وغير ذاك من الكتب الكبار، والأجزاء الصغار، فأكثرت عنه، وكان صبوراً على التسميع، ثابت الذهن، ذاكراً، ينسخ بخطه، وقد جاوز التسعين صحيح السمع والبصر، رجع إلى بلده ،فأقام بمنزله إلى أن مات في ربيع الأول ٨٠٠هـ.‘‘ (شذرات الذهب:٦/٣٦٦)

میں نے سنن ابن ماجہ، مسند شافعی، تاریخِ اصفہان وغیرہ چھوٹی بڑی بہت سی کتابوں کا ان سے سماع کیا، اور خوب کیا، موصوف حدیثوں کے سنانے پر بہت جمے رہتے تھے، مستقل مزاج اور ذاکر تھے، اپنے ہاتھ سے کتابیں نقل کرتے تھے، حالانکہ نوے (۹۰) سے متجاوز تھے مگر شنوائی اور بینائی سب ٹھیک تھیں،...... یہ وطن واپس آکر اپنے گھر ہی میں رہتے۔

وفات:

تا آنکہ ربیع الاول ۸۰۰ھ/ ۱۳۹۷ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔

(۱) الشیخ انجب بن محمد الحمامی

نام ونسب:

انجب نام، ابوعبداللہ کنیت اور سلسلہ نسب یہ ہے: ’’انجب بن ابی السعادات بن محمد بن عبدالرحمٰن البغدادی الحمامی۔‘‘

ولادت وتعلیم وتربیت:

موصوف ۵۵۴ھ میں پیدا ہوئے، دینی علوم کی تعلیم وقت کے جلیل القدر علماء سے پائی، محدث ابن البطی، ابوزر مقدسی، ابوالمعالی اللحاس، احمد بن المقرب، یحییٰ بن ثابت وغیرہ سے حدیثوں کا سماع کیا، اور درسِ حدیث میں بڑا نام پایا،

اورانہوں نے ابوزرعہ طاہر بن طاہر مقدسی [1] سے، ....

مسند وقت مسعود ثقفی اور اکابر محدثین کی ایک جماعت سے ان کو روایت حدیث کی اجازت حاصل ہے، ان کے شاگردوں میں حافظ ابن نقطہ، اسماعیل بن انماطی، ابن النجار، احمد بن اسحٰق ابرقوہی، سنقر قضائی، علی بن بلبان، محمد بن احمد شریشی نحوی کا نام سرِ فہرست آتا ہے، حافظ ابوعبداللہ دبیثی (المتوفی ۶۳۷ھ) لکھتے ہیں: ''هو شيخ مكثر صالح .''

عادات واخلاق:

علامہ ذہبیؒ ''تاريخ الإسلام'' (۱۴/۱۷۰) میں رقمطراز ہیں:

''قال ابن النجار: حدث بالكثير، وقصده الغرباء، وكان سماعه صحيحاً، وكان شيخاً لابأس به، حسن الأخلاق، عزيز النفس مع فقره، يلقي المحدثين بوجه طلق، ويصبر على طول قراء تهم وإبرامهم ...... وكان شيخاً حسناً محباً للرواية حسن الأخلاق.''

ابن النجار کہتے ہیں کہ کثرت سے حدیث بیان کرتے تھے، ان کے پاس غرباء آتے تھے، ان کا سماع صحیح تھا، موصوف شیخ ہیں ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں، عمدہ اخلاق کے حامل، بڑے بزرگ آدمی ہیں، محدثین سے خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے، محدثین کے طویل اور تھکانے والی قرأت پر جمے بیٹھے رہتے تھے، اور شیخ اچھے آدمی تھے، روایت کرنے کے دلدادہ اور بااخلاق تھے۔

وفات:

بروز بدھ، ۱۹ ربیع الآخر ۶۳۵ھ/ ۹ دسمبر ۱۲۳۷ء میں انتقال ہوا، عمر اسّی (۸۰) سال سے اوپر پائی۔

موصوف کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو: المختصر المحتاج إليه من تاريخ الحافظ الدبيثي از حافظ ذہبیؒ، ص:۲۵۷.

(۱) الشیخ طاہر بن محمد المقدسی الہمذانی

نام ونسب:

طاہر نام، ابوزرعہ کنیت ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''طاہر بن محمد بن طاہر المقدسی ثم الہمذانی۔''

ولادت، تعلیم وتربیت اور فضل وکمال:

موصوف ۴۸۱ھ میں رَے میں پیدا ہوئے، یہیں تعلیم پائی، اپنے والد حافظ محمد بن طاہر سے حدیثوں کا سماع کیا، پھر ہمدان میں محدث عبدوس، کرخ میں محدث سلار کی، اور ساوہ میں شیخ کامخی سے حدیثیں سنیں۔

حافظ ذہبیؒ ''العبر'' (۳/۴۷) میں رقمطراز ہیں:

''روى الكثير، وكان رجلاً جيداً عرياً من العلوم'' موصوف نے بکثرت روایتیں کی ہیں، نہایت عمدہ

اور فقیہ ابی منصور محمد بن حسین بن احمد مقومی قزوینی [1] سے،..............................

آدمی تھے مگر علم سے بے بہرہ تھے۔

حافظ ابن کثیر (المتوفی ۷۷۴ھ) ''البدایة والنهایة'' (۲۶۴/۱۲) میں لکھتے ہیں:

''أسمعه والده الحافظ محمد بن طاهر الكثير، ومما كان يرويه مسند الشافعي'' موصوف کو ان کے والد حافظ محمد بن طاہر نے بہت حدیثیں سنائیں، اور ان ہی میں سے جن کو وہ روایت کرتے ہیں، مسندِ شافعی بھی ہے۔

علامہ ذہبی ''تاريخ الإسلام'' (۳۵۱/۱۲) میں رقمطراز ہیں:

''قال ابن النجار: أبو زرعة طاهر، طوّف به أبوه، وسمّعه ببغداد من أبي الحسن العلاف، وابن بيان، وكان تاجراً لايفهم شيئاً من العلم، وكان شيخاً صالحاً، حمل جميع كتب والده، وكانت كلها بخطه إلى الحافظ أبي العلاء، ووقفها، وسلمها إليه.''

ابن نجار کہتے ہیں کہ ابوزرعہ طاہر کو ان کے والد نے علم کی خاطر شہر شہر گھمایا، چنانچہ ان کو بغداد میں ابوالحسن علاف اور ابن بیان سے سننے کے لیے بٹھایا، موصوف تاجر تھے، علم سے کچھ واقف نہ تھے لیکن نیک وصالح تھے، اپنے والد کی تمام کتابیں اٹھائیں، جو ان کے (فرزند) اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی تھی، اور ابوالعلاء کو وقف کر دی۔

وفات:

بروز بدھ، ۷ ربیع الآخر ۵۶۶ھ/ ۱۷ دسمبر ۱۱۷۰ء میں تقریباً ۹۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔

واضح رہے حفاظِ حدیث میں ان کا شمار نہیں ہے البتہ ان کے والد محمد بن طاہر حفاظِ حدیث میں سے ہیں، ان کو حافظ کہنا صحیح نہیں۔

(۱)　　**الشیخ محمد بن الحسین المقومی**

نام ونسب:

محمد نام اور ابومنصور کنیت ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''محمد بن الحسین بن الهیثم المقومی۔''

ولادت:

موصوف تقریباً ۳۹۸ھ میں پیدا ہوئے، دینی علوم کی تکمیل اس زمانے کے ارباب کمال سے کی، قزوین اور رے میں سنن ابن ماجہ کا درس دیا، حفاظِ حدیث نے ان سے حدیثوں کا سماع کیا، موصوف نیشاپور میں قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز رہے۔

حافظ عبدالکریم سمعانی ''الأنساب'' (ورق: ۵۴۰) میں رقمطراز ہیں:

اورانہوں نے ابوطلحہ قاسم بن المنذ رالخطیب [1] سے، ....

’’أبو منصور محمد بن الحسين ...... الحافظ سمع منه الحفاظ، روى لنا عنه أبو سعد عبدالرحمن الحصيري، وأبو القاسم الطالقاني بالري وجماعة، وكانت وفاة المقومي في حدود سنة ثمانين وأربع مائة.‘‘

حافظ ابومنصور محمد بن حسین ......ان سے حفاظِ حدیث نے حدیثوں کا سماع کیا ہے، ابوسعد عبدالرحمٰن حصیری اور ابوالقاسم طالقانی نے رےؔ میں ان کی سند سے ہمیں روایتیں بیان کیں، اور علماء کی ایک جماعت نے بھی۔

مقومی کی وفات چارسواسی (۴۸۰ھ) کے لگ بھگ ہوئی ہے۔

حافظ ذہبیؒ نے ’’تذكرة الحفاظ‘‘ (۳/۱۱۹۶) میں حافظ ابن شغبہ کے تذکرہ میں ان کا سن وفات ۴۸۴ھ لکھا ہے، موصوف کے الفاظ ہیں: ’’وفيها ٤٨٤هـ مات مسند قزوين أبو منصور محمد بن الحسن بن الهيثم المقومي، وقاضي القضاة بنيسابور.‘‘

وفات:

اور ۴۸۴ھ میں نیشاپور کے قاضی القضاۃ اور قزوین کے مسند ابومنصور محمد بن حسین ابن ہیثم مقومی نے وفات پائی۔

ابن العماد حنبلی فرماتے ہیں: ’’توفي فيها ٤٨٤هـ أو بعدها عن بضع وثمانين سنة.‘‘ ۴۸۴ھ میں یا اس کے بعد، اسّی (۸۰) سے کچھ اوپر سال کی عمر میں انہوں نے وفات پائی۔

موصوف کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو: الأنساب نسبت مقومي، شذرات الذهب بذيل وفيات ٤٨٤ﻫ، تاريخ الإسلام: ١٠/٥٢٦.

(۱) قاسم بن منذر خطیب قزوینی

نام ونسب:

قاسم نام اور ابوطلحہ کنیت ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ’’قاسم بن ابی المنذ رالخطیب القزوینی۔‘‘

ولادت، تعلیم وتربیت:

موصوف شیخ ابوالحسن قطان کے نامور شاگردوں میں سے تھے، اور ان سے سنن ابن ماجہ کی روایت میں خاص شہرت کے مالک ہیں۔

وفات:

۴۰۹ھ یا ۴۱۰ھ میں انتقال ہوا۔

حافظ ذہبیؒ ’’کتاب العبر‘‘ (۳/۱۰۱، طبع کویت ۱۹۶۱ء) میں لکھتے ہیں:

اورانہوں نے ابوالحسن علی بن ابراہیم بن سلمہ بن بحر قطّان[1] سے،.........:.................................

''والقاسم بن أبي المنذر الخطيب أبوطلحة القزويني، راوي سنن ابن ماجه عن أبي الحسن القطان عنه، توفي في هذا العام أو في الذى بعده.''

ابوطلحہ قاسم بن ابی المنذر خطیب قزوینی سنن ابن ماجہ کے ابوالحسن قطان سے راوی ہیں، اور وہ مؤلفِ کتاب سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے اسی سال (۴۰۹ھ) یا اس کے بعد وفات پائی ہے۔

ملاحظہ ہو: تاریخ الإسلام: ۹/۱۵۴۔

(۱) الشیخ ابوالحسن علی القزوینی

نام ونسب:

علی نام، ابوالحسن کنیت ہے اورسلسلۂ نسب یہ ہے: ''علی بن ابراہیم بن سلمۃ بن بحر القزوینی''

ولادت، تعلیم وتربیت:

۲۵۴ھ میں پیدا ہوئے، علومِ عربیہ کی تحصیل امامِ فن مبرد اور ثعلب سے کی، اور امام ابوحاتم رازی، ابن ابی الدنیا، ابراہیم بن دیزیل سیفنہ، محمد بن فرج ازرق، قاسم بن محمد دلال، حارث بن ابی اسامہ، ابوعبداللہ ابن ماجہ، اسحق ابن ابراہیم دبری، اور حسن بن عبدالاعلی وغیرہ سے حدیث کا سماع کیا، پھر حدیث کا درس دیا، اور اِس فن میں ایسا کمال پیدا کیا کہ حفاظِ حدیث میں ان کا شمار ہوا۔

حافظ ابویعلی خلیل بن احمد خلیلی "كتاب الإرشاد في طبقات البلاد" (۲/۷۳۵، رقم: ۵۶۰) میں رقمطراز ہیں:

''أبو الحسن ...... الفقيه عالم بجميع العلوم، والتفسير، والنحو، اللغة، والفقه القديم، لم يكن له نظير ديناً وديانة وعبادة، سمع أبا حاتم الرازي، ارتحل إليه ثلاث سنين ...... وخلقا من القزويين، والرازيين، والبغداديين، والكوفة، ومكة، وصنعاء اليمن، وهمذان، وحلوان، ونهاوند، سمع من القدماء أبو الحسين النحوي ،والزبير بن عبد الواحد الحافظ، ثم عمّر حتى أدركه الأحداث ...... سمعت جماعة من شيوخ قزوين يقولون: لم ير أبو الحسين مثله في القضاء والزهد، أدام الصيام ثلاثين سنة ،وكان يفطر على الخبز والملح''. (الإرشاد بحواله معجم الأدباء: ۵/۷۹-۸۰)

ابوالحسن ......فقیہ، تمام علوم تفسیر، نحو، لغت اور فقہِ قدیم کے عالم تھے، دینداری، دیانت اور عبادت میں ان کی نظیر نہیں تھی، انہوں نے ابوحاتم سے حدیث کا سماع کیا، اور تین مرتبہ ان کی طرف سفر کیا، قزوین، رے، بغداد، کوفہ، مکہ معظّمہ، صنعاء یمن، ہمدان، حلوان اور نہاوند کے علماء کی ایک بہت بڑی تعداد سے حدیثوں کا سماع کیا، قدماء میں سے

....

ابوالحسین نحوی اور حافظ زبیر بن عبدالواحد نے موصوف سے سماع کیا، پھر عمر بھی خوب پائی یہاں تک کہ نوعمروں نے ان کا زمانہ پالیا، میں نے مشائخِ قزوین کی ایک جماعت سے سنا، وہ کہتی تھی کہ ابوالحسن نے فضل اور زہد میں اپنا نظیر نہیں دیکھا، تیس برس تک روزے رکھے، روٹی اور نمک پر افطار کیا۔

یاقوت رومی ''معجم الأدباء'' (۸۰/۵) میں لکھتے ہیں:

''قرأت في أمالي ابن فارس قال: سمعت أبا الحسن القطان بعد ما علت سنه وضعف يقول: كنت حين خرجت إلى الرحلة أحفظ مائة ألف حديث، وأنا اليوم لاأقوم على حفظ مائة حديث، قال: وسمعته يقول: أصبت ببصري وأظن أني عوقبت بكثرة بكاء أمي أيام فراقي لها في طلب الحديث والعلم.''

میں نے ابن فارس کی امالی میں پڑھا کہ انہوں نے فرمایا: میں نے ابوالحسن قطان سے پیری اور ضعف کے زمانے میں سنا کہ وہ فرماتے تھے جس وقت میں نے علم کی طلب میں سفر کیا اس وقت ایک لاکھ حدیثیں مجھے یاد تھیں، اور اب مجھے ایک سو حدیثیں یاد رکھنے کی تاب نہیں، ابن فارس کا بیان ہے کہ مکہ معظّمہ میں میں نے ان سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میری آنکھیں جاتی رہی ہیں، اور میں سوچتا ہوں کہ یہ وہ سزا ہے جو والدہ ماجدہ کے میرے فراق میں بکثرت رونے کی وجہ سے مجھے ملی ہے۔

حافظ ذہبیؒ ''تذكرة الحفاظ'' (۸۵۶/۳) میں موصوف کا تذکرہ ''الحافظ، الإمام، القدوة أبوالحسن علي ...... محدث قزوين، وعالمها'' کے الفاظ سے کیا ہے۔

موصوف کی ''العبر في خبر من غبر'' (۲۶۷/۲-۲۶۸) میں لکھتے ہیں:

''الحافظ، العلامة، الجامع أبو الحسن القزويني القطان الذي روى عن ابن ماجة سننه، رحل إلى العراق واليمن ...... عاش إحدى وثمانين سنة.''

حافظ، علامہ، جامع علوم شیخ ابوالحسن قزوینی قطان جو امام ابن ماجہ سے ان کی کتاب السنن کے راوی ہیں، انہوں نے عراق اور یمن کا سفر کیا، اور اکیاسی (۸۱) برس زندہ رہے۔

مؤرخ ابن تغری بردی ''النجوم الزاهرة'' (۳۱۵/۳) میں فرماتے ہیں:

''انتهت إليه رياسة العلم، وعلوّ السند بتلك الديار'' ان دیار میں علو سند اور علم کی سیادت ان پر ختم ہوگئی تھی۔

علامہ ذہبیؒ ''تاريخ الإسلام'' (۸۲۲/۷-۸۲۳) میں رقمطراز ہیں:

''قال الخليلي: سمعت جماعة من شيوخ قزوين يقولون: لم ير أبو الحسن مثله في الفضل والزهد، أدام الصيام ثلاثين سنة، وكان يفطر على الخبز والملح، قال: وفضائله أكثر من أن تُعد''.

اورانہوں نے خود مؤلّف کتاب ابوعبداللہ محمد بن یزید[1] (جو ابن ماجہ قزوینی کے نام سے مشہور ہیں) سے پڑھی تھی، قزوین، قاف کے زبر اور زائے منقوطہ کے سکون کے ساتھ عراقِ عجم میں ایک مشہور شہر ہے، اور "ماجہ" ابو عبداللہ کے والد کا لقب ہے، ان کے دادا کا لقب نہیں ہے اور نہ اُن کی والدہ کا نام ہے، اور اس کو جیم کی تخفیف کے ساتھ پڑھنا چاہئے تشدید کے ساتھ درست نہیں، اس میں بڑی غلطیاں ہوئی ہیں۔

خلیلی کہتے ہیں کہ میں نے قزوین کے شیوخ کی ایک جماعت کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ابوالحسن نے فضل وزہد میں اپنے جیسا کسی کو نہیں دیکھا، تیس سال تک مسلسل روزے رکھتے رہے، روٹی اور نمک سے افطار کرتے تھے، آگے فرمایا کہ اس کے فضائل گنتی سے زیادہ ہیں۔

وفات:

۳۳۵ھ/ ۹۴۷ء میں انتقال ہوا۔

موصوف کے تلامذہ میں احمد بن علی، قاسم بن ابی المنذر الخطیب، ابوسعید عبدالرحمٰن بن محمد قزوینی وغیرہ کا نام سر فہرست آتا ہے۔

موصوف کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو: معجم الأدباء:٥/٧٩-٨٠، العبر في خبر من غبر:٢/٢٦٧-٢٦٨، النجوم الزاهرة:٣/٣١٥، تذكرة الحفاظ:٣/٨٥٦، الإرشاد:٢/٧٣٥، التدوين في أخبار قزوين:٣/٣٢١.

(١)　الإمام محمد بن يزيد القزويني ابن ماجہ

محمد بن یزید بن ماجہ الربعی القزوینی (المولود ۲۰۹ھ/۸۲۴ء، المتوفی ۲۷۳ھ/۸۸۶ء)۔

علامہ ذہبیؒ "تاریخ الإسلام" (٦/٦٢٥-٦٢٦) میں رقمطراز ہیں:

"محمد بن يزيد، ...... ابن ماجه القزويني، مصنف السنن والتفسير والتاريخ، كان محدث قزوين غير مدافع، ولد سنة تسع ومائتين...... كان ابن ماجه حافظاً صدوقاً ثقة في نفسه ...... وكانت وفاته لثمان بقين من رمضان سنة ثلاث وسبعين، وله أربع وستون سنة، قال أبو يعلى الخليلي فيه: ثقة، كبير، متفق عليه، محتج به، له معرفة بالحديث وحفظ، ارتحل إلى العراقين، ومكة، والشام، ومصر والري لكتب الحديث."

محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی، سنن، تفسیر اور تاریخ کے مصنف بالاتفاق قزوین کے محدث ہیں، ۲۰۹ھ میں موصوف کی ولادت ہوئی، ابن ماجہ حافظ، صدوق اور ثقہ ہیں، موصوف کا انتقال ۲۲ رمضان المبارک ۲۷۳ھ کو ہوا، موصوف کی عمر ۶۴ سال تھی، ان کے متعلق ابو یعلیٰ خلیلی کہتے ہیں کہ موصوف بالاتفاق ثقہ اور قابل حجت شخصیت ہیں، ان کو حدیث کی معرفت اور حفظ حاصل ہے، موصوف نے علم کی خاطر عراقین، (بصرہ، وکوفہ) مکہ، شام، ری کا سفر کیا۔

مشکاة المصابیح: یہ شیخ ابوطاہر کردی نے شیخ ابراہیم کردی سے پڑھی ہے، انہوں نے شیخ احمد قشاشی سے، اور انہوں نے شیخ احمد بن علی بن عبدالقدوس الشناوی سے، اور انہوں نے سید غضنفر بن سید جعفر نہروانی (۱) سے، اور انہوں نے شیخ محمد سعید عرف میر کلاں (۲) سے (جو اپنے وقت میں شیخ مکہ تھے) پڑھی تھی،

موصوف کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو: وفیات الأعیان:۱/۶۱۳، تذکرة الحفاظ:۲/ ۱۸۹-۱۹۰، البدایة والنهایة:۱۱/۵۲، تهذیب التهذیب:۹/ ۵۳۰ - ۵۳۲، النجوم الزاهرة: ۳/ ۷۰، مرآة الجنان:۲/۱۸۸، المختصر في أخبار البشر:۲/۵۷، مفتاح السعادة:۲/۱۲، شذرات الذهب:۲ /۱۶٤، بستان المحدثین:۱۲٤ -۱۲۵، إتحاف النبلاء:۳۸۱، الحطة في ذکر الصحاح الستة، امام ابن ماجہ اور علمِ حدیث، از مولانا محمد عبدالرشید نعمانی، التاج المکلل ،ص: ۱۱۳ ،طبع بمبئی، المنتظم:۱۲/۲۷۳.

(۱) الشیخ غضنفر بن جعفر الحسینی النہروالی

غضنفر بن جعفر الحسینی النہروالی الگجراتی نام ہے۔

نہروالہ میں پیدا ہوئے، علومِ عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل کی، اور حدیث وفقہ اور عربیت میں یدِ طولیٰ حاصل کیا، پھر درس وتدریس کا شغل اختیار کیا، اور درسِ حدیث میں بڑا نام پایا۔

موصوف کے شیوخ میں ملا جامی کے بھانجے شیخ محمد امین، شیخ محمد سعید عرف میر کلاں خراسانی، شیخ تاج الدین عبدالرحمٰن بن مسعود گازرونی کا نام سرِ فہرست آتا ہے۔

موصوف کے تلامذہ میں شیخ ابوالمواہب، احمد بن علی عباسی شناوی، مفتی حرم عبدالرحمٰن بن عیسیٰ عمری مرشدی، عبدالقادر بن محمد حسینی طبری مکی زیادہ مشہور ہیں۔

(۲) الشیخ عصام الدین الأسفرائینی

نام ونسب:

محمد سعید بن خواجہ کوہی حنفی خراسانی نام اور میر کلاں عرف ہے۔

تحصیل علم وتدریس:

ملا عصام الدین ابراہیم بن عرب شاہ اسفرائنی جیسے نامور معقولی سے علومِ عقلیہ کی تحصیل کی، اور سید نسیم الدین میرک شاہ بن جمال الدین حسینی ہروی سے حدیث کی تکمیل کی، ایک زمانہ تک ان کی صحبت سے استفادہ کیا، پھر درس وتدریس کا شغل بھی جاری رکھا، حرمین کا سفر کیا، اور حج وزیارت سے فارغ ہوکر وطن آگئے، ملا علی بن سلطان قاری، سید غضنفر نہروالی وغیرہ سے موصوف نے سند لی۔

اوراُنہوں نے سید نسیم الدین میرک شاہ[1] سے،..

فضل وکمال:

مولانا عبدالحی لکھنوی ''نزھة الخواطر'' (۴/۳۳۱) میں فرماتے ہیں:

''کان عالماً کبیراً محدثاً محققاً لما ینقله، کثیر الفوائد، جید المشارکة في العلوم، له ید طولی في الحدیث، درس وأفاد مدة حیاته.''

موصوف بڑے عالم، محدث تھے، جو کچھ نقل کرتے تھے وہ نہایت تحقیق سے نقل کرتے تھے، بہت کثرت سے فوائد نقل کرنے والے اور علوم سے اچھی مناسبت رکھنے والے تھے، انہیں حدیث میں بڑی دستگاہ حاصل تھی، انہوں نے تمام عمر، صلاح وتقویٰ کیساتھ درس دیا، اور فیض پہنچایا۔

وفات:

اسّی (۸۰) سال کی عمر میں ۹۸۱ھ میں انتقال ہوا۔

فقیر محمد جہلمی ''حدائق الحنفیة'' (ص:۳۸۵) میں رقمطراز ہیں:

''مولانا کلاں......محدث اجل، فقیہ فاضل، علوم کے بحر زخار تھے، حدیث اور علومِ درسیہ کو زبدۃ المحققین میرک شاہ تلمیذ سید جمال الدین محدث صاحبِ روضۃ الاحباب سے حاصل کیا، اور بہت سے مشائخ کی صحبت (اختیار) کی، اور حج کر کے ہندوستان تشریف لائے اور جہانگیر شاہ کے استاد ہوئے، ہندوستان کے ایک بڑے گروہ نے آپ سے حدیث کو پڑھا، وفات آپ کی ۹۸۳ھ میں ہوئی، اور آگرہ میں دفن کئے گئے۔ ''فخر زمانہ'' تاریخ وفات ہے۔''

ملاحظہ ہو: نزھة الخواطر: ۴/۳۳۲، حدائق الحنفیة: ۳۸۵، أبجد العلوم: ۹۰۴۔

(۱) الشیخ محمد بن عطاء اللہ الحسینی الشیرازی

نام ونسب:

محمد (بن عطاء اللہ الحسینی الشیرازی الدشتکی) نام، نسیم الدین لقب اور میرک شاہ عرف ہے۔

علوم میں مہارت وتدریس:

موصوف نے علوم وفنون کی تکمیل اپنے والد سید جمال الدین محدث سے کی، اور ایسا کمال بہم پہنچایا کہ والد کی حیات میں ان کی مسندِ درس پر جلوہ افروز ہوئے۔

میر اخوند ''روضۃ الصفا'' (۷/۸۳) میں رقمطراز ہیں:

''امیر نسیم الدین کہ بمیرک شاہ مشہور شدہ در تکمیلِ علوم وفنون سیما علم حدیث یگانۂ زمانہ ودر مقبرۂ منورہ مذکورہ بنا

اورانہوں نے اپنے والد بزرگوار سید جمال الدین عطاء اللہ بن سید غیاث الدین فضل اللہ بن سید عبد الرحمٰن (۱) سے،

برتعیین واقف قائم مقام پدرِ بزرگوار خویش بودہ بلوازم درس وافادہ مشغولی می نماید، وزمرۂ از طلبہ ملازمت آن درس نمودہ، وازنتائج طبع نقادآنجناب مستفید وبہرہ مندمی گردند''

امیر نسیم الدین جو میرک شاہ سے مشہور ہیں، علوم وفنون میں جامع تھے، خاص طور پر علوم حدیث میں یکتائے زمانہ تھے، اور مقبرۂ منورہ مذکورہ میں واقف کی شرط کے مطابق اپنے والد بزرگوار کی جگہ درس وتدریس اور فیض رسانی میں مصروف رہتے تھے، طلبہ کی ایک جماعت ان کے حلقۂ درس میں شریک ہوکران کی طبع وقاد ونقاد کے فوائد سے بہرہ اندوز اور مستفید ہوتی رہتی تھی۔

(۱) الشیخ عطاء اللہ الہروی

نام ونسب:

عطاء اللہ بن فضل اللہ الحسینی الشیر ازی الدشتکی الہروی نام، اور جمال الدین لقب ہے۔

تحصیل علم:

موصوف نے عقلی ونقلی علوم کی تکمیل اپنے چچا سید اصیل الدین حسینی اور ان کے ہم عصر علماء سے کی، پھر درس وتدریس کا شغل اختیار کیا۔

مؤرخ میر اخوند''روضۃ الصفا''(۷/۸۱-۸۲) میں لکھتے ہیں:

''سدۂ سینہ اش ملاذ طوائف اکابر واشراف انام، وعتبۂ علیہ اش مجمع اعاظم اولاد وامجاد خیر الانام بود...... وآں حضرت مانند عم بزرگوار خویش امیر سید اصیل الدین درعلمِ حدیث بے نظیر آفاق گشتہ، ودر سایر علومِ دینیہ واصناف یقینیہ از محدثان درگذشتہ، چند سال در مدرسۂ شریفیہ سلطانیہ درگنبدے کہ حالا مقبرۂ خاقان منصور است، ودر خانقاہِ اخلاصیہ بدرس وافادہ اشتغال داشتہ، در ہفتہ یک نوبت در مسجد دار السلطنۃ ہرات بقلم ازلی نقش ارشاد، ونصیحت برالواحِ خاطر عاطر اعاظم واشراف واکابر می نگاشت، امابنا برحسب حالات گوشہ نشینی بامثال ایں امور التفات نمی نماید تمامی اوقات خجستہ ساعات را مستغرقِ طاعات وعبادات ساختہ باذخار منسوبات اخروی مشغولی می فرماید، سلاطین اسلام وحکام انام باقدام ارادت واعتقادِ ملازمت آں حضرت رابرذمہ ہمت واجب می دانند۔''

موصوف کے سینہ کی مبارک چوکھٹ اکابر اور شرفاء کی جماعتوں کی پناہ گاہ تھی، اور ان کا آستانہ سادات اور بزرگانِ سادات کی اولاد کی قیام گاہ تھا، موصوف اپنے عم بزرگوار سید اصیل الدین کی طرح عالم میں علمِ حدیث میں نظیر نہیں رکھتے تھے، تمام علوم دینیہ اور انواع واقسام فنونِ یقینیہ میں محدثین سے سبقت لے گئے، چند سال مدرسۂ شریفہ سلطانیہ

اور انہوں نے اپنے عالی مرتبت چچا سید اصیل الدین عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن عبداللطیف بن جلال الدین یحییٰ شیرازی حسینی (۱) سے،..................................

میں جو اس گنبد میں جہاں اب منصور خاقان کا مقبرہ ہے واقع ہے، اور خانقاہِ اصلاحیہ میں درس و تدریس اور فیض رسانی میں مصروف رہے، ہفتہ میں ایک مرتبہ دارالسلطنت ہرات کی جامع مسجد میں نوشتہ ازلی کی بناء پر عمایدو اشراف اور اکابر کے قلوب پر ارشاد و نصیحت کا نقش جماتے تھے، لیکن اب گوشہ نشینی کے حالات کی وجہ سے اس قسم کی باتوں کی طرف توجہ نہیں فرماتے ہیں، اور تمام مبارک اوقات کو طاعات اور عبادات میں مشغول رکھتے ہیں، اور آخرت کا اجر و ثواب سمیٹنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں، شاہانِ اسلام اور حکام عظام بھی موصوف کی ارادت و ملازمت میں کھڑا رہنا اپنے اوپر لازم سمجھتے ہیں۔

صاحبِ روضۃ الصفا نے موصوف کے متعلق جو اشعار نقل کئے ہیں ان سے ان کی عظمت اور ہر دلعزیزی کا اندازہ ہوسکتا ہے، وہ ہدیۂ ناظرین ہیں:

زبانش مظہرِ اسرارِ تحقیق ضمیرش مظہرِ انوار تدقیق

ان کی زبان اسرارِ تحقیق کا مظہر ہے ان کا ضمیر انوار تدقیق کا مظہر ہے

جمالِ دین مزین زاہتمامش علوم شرع واضح از کلامش

دین کا حسن و جمال ان کے اہتمام سے آراستہ اور مزین ہے شریعت ان کے کلام سے واضح ہیں

زتوضیح بیانش گشتہ روشن بر اہل علم ہر مشکل زہر فن

ان کے واضح بیان سے ہر فن کی ہر مشکل اہل علم پر روشن ہوگئی ہے۔

وفات:

۹۳۲ھ میں وفات پائی، فقیر محمد جہلمی نے سالِ وفات ۹۳۰ھ قرار دیا ہے، اور ''تاج کشور'' موصوف کی تاریخِ وفات لکھی ہے۔

موصوف کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو: روضة الصفا:۷/۸۱-۸۲، روضات الجنات:٤٦٩ - ٤٧٠، فوائد الرضوية از عباس قمي:۱/ ۲۶۳، حدائق الحنفية:۳٦۸-۳٦۹.

(۱) الشیخ اصیل الدین عبداللہ الحسینی الشیرازی الہروی

نام و نسب:

عبداللہ نام اور اصیل الدین لقب ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن عبداللطیف بن جلال الدین یحییٰ الحسینی الشیرازی الدشتکی الہروی۔''

اورانہوں نے مسند وقت اور محدث عصر شرف الدین عبدالرحیم بن عبدالکریم الجرہی الصدیقی [1] سے، واضح رہے جِرہ، جیم اور را کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

تعلیم وتربیت اور فضل وکمال:

موصوف نے عقلی ونقلی علوم کی تحصیل اس دور کے نامور علماء سے کی، اور حدیث محدث شرف الدین عبدالرحیم جرہی وغیرہ سے پڑھی، اس کے بعد درس وتدریس کا مشغلہ اختیار کیا، میر اخوند کا بیان ہے:

''امیر سید اصیل الدین عبداللہ الحسینی بصفت اصالت وسمت جلالت ونباہت شان وقدم از دودمان بنی آدم ممتاز ومستثنیٰ می بود، وزبانِ گوہر فشانش مفسر حقائق صحف آسمانی وبیانِ بلاغت فشانش دقائق کتب سبحانی...... در علم تفسیر وجدل وانشاء وتالیف شبیہ ونظیر نداشت، ودر زمان خاقان سعید از دار الملک شیراز کہ وطن اصلی آں جناب است بہرات تشریف آوردہ، رأیت اقامت برافراشت، ہفتہ یک نوبت در مدرسہ مہد علیا گوہر شاد آغا بموعظت ونصیحت خلائق می پرداخت، ودر ماہ ربیع الاول بربیانِ سنن وسیر حضرت رسالت ﷺ مواظبت نمودہ طوائف انام را محظوظ وبہرہ ور می ساخت۔ (روضة الصفا: ۷/۷۲)

امیر سید اصیل الدین عبداللہ حسینی اوصاف شرافت، بزرگی اور جلالتِ شان سے آراستہ تھے، اور خاندانِ بنی آدم میں ممتاز اور منفرد تھے، ان کی گوہر افشاں زبان حقائق صحف آسمانی کی ترجمان اور اسرار کتب سبحانی کی بلاغت آمیز بیان تھی...... علم تفسیر، بحث ومباحثہ اور انشاء پردازی میں اپنی نظیر اور مثال نہیں رکھتے تھے، خاقان سعید کے زمانہ میں دار الملک شیراز سے جوان کا اصلی وطن تھا ہرات میں آکر اقامت گزیں ہوئے، ہفتہ میں ایک مرتبہ گوہر شاہ آغا کے مدرسہ عالیہ میں خلقِ خدا کو وعظ ونصیحت کرتے تھے، اور ربیع الاول کے مہینے میں حضرت رسالت ﷺ کی سیرت طیبہ اور فضائل حمیدہ کو پابندی سے بیان فرما کر خلقِ خدا کو بہرہ مند اور مستفید فرماتے تھے۔

وفات:

۱۷ ربیع الاول ۸۸۳ھ یا ۸۸۴ھ میں انتقال ہوا۔

موصوف کی تالیفات میں سے دو کتابیں زیادہ مشہور ہیں: ۱۔ درج الدرر في ميلاد سيد البشر، ۲۔ هزار مزار في مزارات هرات وغيره.

موصوف کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو: روضة الصفا: ۷/۷۲، هدية العارفين: ۱/ ۴۷۰.

(۱) الشیخ عبدالرحیم بن عبدالکریم البکری الشیرازی

نام ونسب:

عبدالرحیم نام اور سلسلۂ نسب یہ ہے: ''عبدالرحیم بن عبدالکریم بن نصر اللہ بن سعد اللہ بن ابی حامد بن ابی الطاہر

....

بن عمر بن خلیفہ بن الشیخ الولی ابی محمد عبداللہ بن احمد بن علی الشرف ابوالسعادات وابوالفضائل بن کریم الدین ابی المکارم بن کمال الدین ابی عبداللہ بن سعدالدین بن الخطیب جمال الدین القرشی البکری الصدیقی الجرہی المحتد الشیرازی۔''

ولادت وتعلیم وتربیت:

۳ رصفر شب جمعرات ۷۴۴ھ/ ۲۷ جون ۱۳۴۳ء میں شیراز میں پیدا ہوئے، چھ برس کی عمر میں قرآن مجید یاد کیا، اور روایۃً ودرایۃً اپنے والد سے پڑھا، غیاث الدین عبداللہ اور ان کے استاد فخر الدین احمد سمرقندی، ابوالمحاسن عبداللہ شیرازی سے فقہ پڑھی، کشاف کا درس امام الدین حمزہ تبریزی اور سعدالدین محمد گازرونی سے لیا، اور ان سے حدیث کا بھی سماع کیا، ۷۵۰ھ میں امام الدین علی بن مبارک شاہ صدیقی سے صحاح وغیرہ کا سماع کیا، پھر مکہ معظمہ گئے، حج کیا، اور حرم میں شیخ عفیف الدین یافعی سے روایت حدیث کی اجازت لی، اور کمال الدین ابوالفضل نویری، ابوالمحاسن علی، شہاب الدین احمد طبری، تقی الدین عبدالرحمٰن فاسی، مجد الدین فیروز آبادی، ام الحسن فاطمہ حرازی، اور شرف الدین عیسیٰ عجلونی سے استفادہ کیا، شیخ عجلونی نے ان کو خرقۂ خلافت عطا کیا تھا۔

موصوف نے مدینہ طیبہ میں زین الدین عراقی سے، بیت المقدس میں محمد ندرومی سے، دمشق میں حافظ ابوبکر بن المحب اور محمد بن عبدالرحمٰن سے حدیثوں کا سماع کیا، ۷۸۲ھ میں شیخ عبدالوہاب دمشقی کو قرآن مجید روایاتِ سبعہ سے سنایا، مصر میں ابراہیم بن جماعہ، عبداللطیف سبکی، بلقینی، ابن الملقن، تنوخی اور صدرالدین مناوی وغیرہ سے استفادہ کیا۔

حافظ سخاویؒ ''الضوء اللامع'' (۴/۱۸۱-۱۸۲) میں لکھتے ہیں:

''من شيوخه غازي بن عبد الله المزي أحد أصحاب الفخر بن البخاري، وممن أجاز له من أصبهان أبو الفتوح محمد بن محمد بن محمد الأيسي، وهو مكثر مسموعاً وشيوخاً بالنسبة لأهل ناحيته حتى إنه سمع البخاري على نيف وسبعين شيخاً ...... وصحيح مسلم على عشرة فأكثر، وكمل له سماع الكتب الستة، والموطأ ومسند الشافعي، والدارمي وغيرها، وذكرت شيئاً منها في تاريخ المدينة، وأكثر المجاورة بالحرمين حتى أنه حج أكثر من ثلاثين مرة، وحدث بهما وببلاد فارس بالكثير حتى في مرض موته، سمع منه الأئمة، وممن سمع منه ولده العفيف محمد، فقرأ عليه أشياء، وذكره في مشيخته، وبالغ في مدحه، فقال: كان شيخاً كبيراً عالماً ناسكاً، حج قريباً من خمسين حجة، وأكثر المجاورة بالحرمين، وسمع وأسمع سنين عديدة، وقال لي أدركت من ثلاث مائة شيخ بالسماع والقراءة والإجازة بشيراز، والعراق، ومصر، والشام، والحجاز، قال: وشهرته تغني عن بسط القول فيه، وممن سمع عليه التقي ابن فهد

اورانہوں نے علامۂ عصر امام الدین علی بن مبارک شاہ ساوَجی صدیقی (۱) سے، ....

وابناه، وقرأ عليه أبو الفرج المراغي سنة إحدى وعشرين بالروضة النبوية في المصابيح، وسمع عليه غير ذلك، وكان كثير العبادة والتلاوة والصيام مع كبر سنة حريصاً على إيقاع الخمس في الجماعات۔''

ان کے شیوخ میں سے غازی بن عبداللہ مزی ہیں جو فخر الدین ابن البخاری کے شاگردوں میں سے تھے، اور ان کو اصفہان سے ابوالفتوح محمد بن محمد الایسی نے اجازت دی تھی، انہوں نے اپنے اہل وطن کی بنسبت بہت زیادہ سماع کیا تھا، اور بہت سے شیوخ سے کیا تھا، یہاں تک کہ انہوں نے بخاری کچھ اوپر ستر (۷۰) شیوخ سے سنی تھی، اور صحیح مسلم دس مرتبہ سے زیادہ سنی تھی، صحاح ستہ، موطأ، مسند شافعی اور دارمی وغیرہ کا انہیں پورا سماع حاصل تھا، ان باتوں کا تھوڑا بہت ذکر میں نے تاریخ مدینہ میں کیا ہے، حرمین میں بھی خوب مجاورت کی تا آنکہ تیس مرتبہ سے بھی زیادہ حج کیا، اور حرمین میں حدیث کا درس دیا، بلادِ فارس میں خوب حدیثیں سنائیں یہاں تک کہ مرض الموت میں بھی حدیث کا درس نہیں چھوڑا، ان سے ائمہ نے سنا، اور ان لوگوں میں سے جن کو ان سے سماع حاصل ہے ان کے فرزندار جمند محمدؔ بھی ہیں، انہوں نے موصوف سے بہت کچھ پڑھا اور اپنے مشائخ کے سلسلے میں ان کا ذکر کیا ہے، اور ان کی تعریف میں مبالغہ سے کام لیا ہے، اور کہا ہے کہ: وہ بڑے شیخ، عالم اور عابد تھے تقریباً پچاس حج کئے اکثر حرمین میں مجاورت کی، حدیثیں سنیں اور برسوں وہاں حدیثیں سنائیں، ان کا بیان ہے کہ مجھے شیراز، عراق، مصر، شام اور حجاز کے تین سو شیوخ سے سماعۃً وقراءۃً اجازت حاصل ہے، ان کے فرزند کا بیان ہے کہ ان کی شہرت تفصیل سے مستغنی ہے، اور جن لوگوں نے ان سے سنا ان میں تقی الدین بن فہد اور ان کے دو فرزند بھی ہیں، اور ان سے شیخ ابوالفرج مراغی نے ۸۲۱ھ کے اندر روضۂ نبویہ میں مصابیح پڑھی، اور دیگر کتابوں کا ان سے سماع کیا، موصوف بہت عبادت گذار، قرآن پڑھنے روزہ رکھنے والے تھے، بڑھاپے کے باوجود نمازِ پنجگانہ با جماعت کے بڑے شوقین تھے۔

وفات:

۲۷ر صفر شبِ اتوار ۸۲۸ھ/ ۱۷ جنوری ۱۴۲۵ء میں بلاد لاد میں انتقال ہوا، موصوف کا تذکرہ مقریزی نے عقود میں اور تقی بن فہد نے معجم الشیوخ میں بھی کیا ہے۔

(۱) الشیخ علی بن مبارک شاہ الشیرازی

نام ونسب:

علی نام اور امام الدین لقب ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''علی بن مبارک شاہ بن ابی بکر الساوی الشیرازی''

ولادت:

موصوف ۷۰۹ھ میں پیدا ہوئے، اور حافظ مزی وغیرہ سے حدیثوں کا سماع کیا تھا۔

اورانہوں نے خود مؤلف کتاب ولی الدین محمد بن عبداللہ بن الخطیب التبریزی (۲) سے پڑھی۔

علامہ ابن الجزری "مشيخة الجنيد البلياني" میں رقمطراز ہیں:

''كان إماماً علامة جمع بين العلم والعمل، وسمع بدمشق، ومصر، والقدس وغيرها، ورجع إلى شيراز بعلم كثير، وشهرالسنة بها، ولم يؤرخ وفاته''.

امام، علامہ اور علم وعمل کے جامع تھے، دمشق، مصر اور قدس وغیرہ میں حدیثوں کا سماع کیا، اور بہت علم حاصل کرنے کے بعد شیراز آئے، اور وہاں سنت کو خوب پھیلایا لیکن اس نے تاریخ وفات نہیں لکھی۔

واضح رہے عجالۂ نافعہ کے مطبوعہ نسخوں میں امام الدین مبارک چھپا ہوا ہے، مگر یہ صحیح نہیں، امام الدین کا نام علی ہے۔

(۱) الشیخ محمد بن عبداللہ الخطیب العمری

نام ونسب:

محمد نام، ابوعبداللہ کنیت، ولی الدین لقب اور خطیب تبریزی سے شہرت ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''محمد بن عبد اللہ الخطیب العمری التبریزی''۔

ولادت، تعلیم وتربیت:

موصوف تبریز میں پیدا ہوئے، وقت کے نامور علماء سے علوم کی تحصیل کی، پھر علم کی خدمت کی، علم کے ساتھ عمل اور اخلاص کی دولت سے بھی مالا مال تھے، ان کے علم ومعرفت کا صحیح اندازہ ان الفاظ سے ہوسکتا ہے جو علماء نے ان کے متعلق لکھے ہیں، علامہ طیبی نے ان کا ذکر ''بقية الأولياء قطب الصلحاء'' کے الفاظ سے کیا ہے، علامہ طیبیؒ نے شرح الطیبی علی مشکوٰۃ المصابیح میں ان کے متعلق حسب ذیل الفاظ لکھے ہیں:

''مولانا الحبر العلامة، والبحر الفهامة، مظهر الحقائق، وموضح الدقائق، الشيخ التقي النقي، وأن فيما ألفه لدليلا واضحاً على سعة علمه ووفرة فضله''.

موصوف کی تاریخ وفات کا صحیح علم نہیں مگر اتنی بات یقینی ہے کہ ۷۳۷ھ کے بعد انتقال ہوا ہے کیونکہ مشکوٰۃ کی تکمیل اسی سال ہوئی تھی۔

ان کی تالیفات میں "مشكوة المصابيح" اور "الإكمال في أسماء الرجال" بہت مشہور ہیں، اور متعدد مرتبہ شائع ہوئی ہیں۔

موصوف کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو: (مقدمہ) مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، از ملا علی قاری، طبع مصر ۱۳۰۹ھ، (مقدمہ) اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ از شیخ عبدالحق محدث دہلوی، طبع نولکشور ۱۹۳۶ء۔

حصن حصین: شیخ ابوطاہر نے شیخ ابراہیم کردی سے پڑھی، اورانہوں نے شیخ احمد قشاشی سے، اورانہوں نے شیخ احمد بن علی بن عبدالقدوس شناوی سے، اورانہوں نے شیخ شمس الدین محمد بن احمد بن محمد رملی سے، اور انہوں نے شیخ زین الدین زکریا انصاری سے، اورانہوں نے حافظِ وقت تقی الدین محمد بن محمد بن فہد ہاشمی مکی (1) سے،

---

(۱) الشیخ محمد بن محمد بن محمد الشافعی

نام ونسب:

محمد نام، ابوالفضل کنیت، تقی الدین لقب، ابن فہد عرف ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن عبداللہ بن فہد المکی الشافعی۔''

ولادت، تعلیم وتربیت:

موصوف منگل کی رات ۵رربیع الثانی ۷۸۷ھ/ ۱۵مئی ۱۳۸۵ء میں اصفون (مصر) میں پیدا ہوئے، ۷۹۵ھ میں ان کے والد ماجد مکۂ معظمہ منتقل ہوگئے، وہیں انہوں نے قرآن مجید حفظ کیا، کتاب العمدہ، الفیۂ نحو وحدیث یاد کیا، اس دور کے نامور علماء سے علوم کی تحصیل کی، محدث جمال الدین ابن ظہیرہ وغیرہ سے حدیث پڑھی، ۸۰۴ھ میں جب اس علم سے شغف ہوا تو شیوخِ مکہ اور واردینِ حرمین محدث ابن الصدیق، زین الدین مراغی، ابوالیمن طبری، عبدالرحمٰن فاسی وغیرہ سے حدیث کا سماع کیا، ۸۰۵ھ اور ۸۱۶ھ میں یمن گئے، مجد الدین فیروز آبادی وغیرہ سے بھی اکتسابِ کمال کیا، موصوف کو حافظ عراقی، ہیثمی، عائشہ بنت عبدالہادی اور ابن حجر عسقلانی جیسے ائمہ فن سے روایتِ حدیث کی اجازت حاصل ہے، درس وتدریس اور افتاء کی اجازت ان کو ابن الجزری سے ملی تھی، موصوف نے فن حدیث میں بڑا کمال حاصل کیا تھا۔

حافظ سخاوی الضوء اللامع (۲۸۳/۹) میں رقمطراز ہیں:

''وأكثر من المسموع والشيوخ، وجدَّ في ذلك، وجمع له ولده معجماً وفهرستاً، استفدت منهما كثيراً.''

موصوف نے کثرت سے حدیثیں سنیں، اور بہت سے شیوخ سے سنیں، اوراس میں بڑی محنت کی، ان کے فرزند نے ان کی معجم اور فہرست شیوخ مرتب کی ہے، میں نے ان دونوں سے بہت کچھ استفادہ کیا ہے۔

درس وتدریس واخلاق:

تحصیلِ علوم کے بعد درس وتدریس، تصنیف وتالیف کا شغل اختیار کیا، اس سے جو وقت بچتا وہ عبادت میں گذرتا تھا، موصوف طواف کثرت سے کرتے اور روزے بھی خوب رکھتے تھے، ہمیشہ آبِ زمزم پیتے تھے، اگر مکہ معظمہ سے باہر جانا ہوتا تو ساتھ لیجاتے تھے، عزیز واقارب کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آتے تھے، طلبہ کی بھی خاطر تواضع کرتے تھے، سخاوی "الضوء اللامع" (۲۸۲/۹) میں فرماتے ہیں:

اورانہوں نے خود مصنف کتاب ابوالخیر محمد بن محمد بن محمد الجزری الشافعی (۱) سے پڑھی تھی، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے، اوران کی برکتیں ہم کو بھی نصیب فرمائے۔ آمین

''وتصدى للإسماع، فأخذ عنه الناس من سائر الآفاق الكثير، وكنت ممن لقيته، فحملت عنه في المجاورة الأولى الكثير بمكة ...... وطالع في المجاورة الثانية كثيراً من تصانيفي حتى في مرض موته''.

موصوف حدیثیں بیان کرنے کے لیے بیٹھے رہتے تھے کہ اطرافِ عالم کے لوگوں نے ان سے حدیث کا سماع کیا، میں ان سے ملا اور حرم میں پہلی مجاورت کے موقعہ پر میں نے بھی ان سے بہت سی حدیثیں سنیں، اور دوسری مرتبہ قیام مکہ کے موقعہ پر انہوں نے میری بہت سی تصانیف کا مطالعہ کیا تا آنکہ یہ سلسلہ مرضِ وفات میں بھی قائم رہا۔

وفات:

بروز ہفتہ ۷ ربیع الاول ۸۷۱ھ/ ۱۷ اکتوبر ۱۴۶۶ء میں ان کا انتقال ہوا، بعد نمازِ عصر درِ کعبہ کے سامنے نمازِ جنازہ ادا ہوئی، اور جنت المعلی میں دفن کئے گئے۔

تالیفات:

موصوف کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

١ ـ الإبانة مما ورد في الجعرانة، ٢ ـ اقتطاف النور بما ورد في جبل ثور، ٣ ـ بهجة الدماثة فيما ورد في فضل المساجد الثلاثة، ٤ ـ تأميل نهاية التقريب وتكميل التهذيب بما لتذهيب، ٥ ـ الجنة بأذكار الكتاب والسنة، ٦ ـ لحظ الأحاظ بذيل طبقات الحفاظ، ٧ ـ طرق الإصابة بما جاء في الصحابة، ٨ ـ عمدة المنتحل وبلغة المرتحل، ٩ ـ العوالي بما للقريش من المفاخر والمعالي، ١٠ ـ المطالب السنية، ١١ ـ النور الباهر الساطع من سيرة ذي البرهان القاطع.

موصوف کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو: الضوء اللامع: ٢٨١/٩ - ٢٨٣، البدر الطالع: ٢٥٩/٢ - ٢٦٠، هدية العارفين: ٢ / ٢٠٥، مقدمة لحظ الألحاظ ، از محدث کوثري.

(۱) الشیخ محمد بن محمد ابن الجزری الدمشقی الشیر ازی

نام ونسب:

محمد نام، ابوالخیر کنیت، شمس الدین لقب اور ابن الجزری عرف ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''محمد بن محمد بن محمد بن علی ابن یوسف الجزری العمری الدمشقی ثم الشیر ازی۔''

....

ولادت:

ہفتہ کی رات ۲۵؍رمضان المبارک ۷۵۱ھ/۲۶نومبر ۱۳۵۰ء میں دمشق کے مشہور محلہ قصاعین میں ابن الجزری کی ولادت ہوئی، بچپن میں قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا، بارہ سال کی عمر میں پورا قرآن مجید حفظ کرلیا اور ہر سال تراویح میں سنایا، فقہ میں کتاب التنبیہ کو یاد کیا، فن قرأت کی تحصیل شیخ تقی الدین عبد الرحمٰن بغدادی، احمد بن الحسین اور شیخ القراء محمد بن احمد اللبان وغیرہ سے کی، مشہور اصولی شیخ جمال الدین اسنوی، عمر بن رسلان اور ابوالبقاء سبکی سے فقہ اور اصول فقہ پڑھا، عبداللہ بن سعد الدین سے معانی و بیان کی تعلیم پائی، شیخ ابوالثناء محمود بن خلیفہ، بہاء الدین عبداللہ بن ابی بکر، شہاب الدین احمد بن عبد الکریم حنبلی، شمس الدین محمد مقدسی اور ابن کثیر جیسے حفاظِ حدیث سے حدیث کا درس لیا، اور فخر الدین ابن البخاری، حافظ شرف الدین دمیاطیؒ، کے نامور تلامذہ سے حدیث کا سماع کیا، حافظ عمر ابن امیلہ مراغی سے سنن ابوداؤد اور جامع ترمذی پڑھی، اور شیخ صلاح الدین محمد حنبلی سے طبرانی کی المعجم الکبیر اور مسند احمد کا سماع کیا، جب فن قرأت میں کمال حاصل کرلیا تو ان کے شیوخ میں سے کسی نے ان کو حدیث کی طرف متوجہ کیا تو سندوں کے ساتھ ایک لاکھ حدیثیں یاد کرلیں۔

علامہ شمس الدین دیریؒ کا بیان ہے:

''إن سبب اشتغاله بالحديث بعد أن كان مكباً على علم القراء ات أن بعض أشياخه قال له ذات يوم: إن علم القراء ات كثير التعب، قليل الجدوى، وأنت ذهنك رائق، وفهمك فائق، ومن كان هكذا فعليه بعلم الحديث، فاجتهد فيه حتى حفظ مائة ألف حديث بأسانيدها.'' (فهرس الفهارس والمشيخات: ۳۰۴/۱)

فن قرأت سے انہماک اور شغف کے بعد علمِ حدیث سے اشتغال اور دلچسپی پیدا ہونے کا سبب یہ ہوا کہ ان کے شیوخ میں سے کسی نے ایک دن ان سے یہ فرمایا قرأت کا فن بڑی محنت چاہتا ہے اور فائدہ بھی کم ہے، تمہارا ذہن ماشاءاللہ اچھا ہے، تمہاری سمجھ خوب ہے، اور جو شخص ایسا ہو اسے علم حدیث پر محنت کرنی چاہئے، چنانچہ موصوف نے اس فن میں محنت کی، اور ایک لاکھ حدیثیں سندوں کے ساتھ یاد کرلیں۔

شیوخِ وقت سے موصوف کو افتاء و تصنیف اور درس و تدریس کی اجازت حاصل تھی، تحصیلِ علوم کے بعد درس و تدریس کا شغل اختیار کیا، اور جامع بنی امیہ دمشق میں قبہ نسرین کے نیچے بیٹھ کر قرأت کی تعلیم دی، پھر دار العلوم عادلیہ میں شیخ القراء کا منصب ملا، اس کے بعد دار الحدیث اشرفیہ میں شیخ القراء رہے، اور ان مدرسوں میں بڑی شان سے پڑھایا، جامع توبہ میں خطابت کے فرائض بھی انجام دیئے، دمشق میں قاضی بھی رہے، پھر بروسا میں حدیث اور قرأت کی تعلیم دی، اور یہاں موصوف کی ذات سے حدیث اور قرأتوں کی اشاعت کا سلسلہ کم و بیش سات برس تک قائم رہا، پھر تیمور لنگ ان کو شیراز لے گیا،

....

یہاں پر محمد حاکم شیراز نے مملکتِ شیراز کا قاضی القضاۃ بنادیا، یہاں بھی موصوف کی وجہ سے قرأت اور حدیث کا خوب چرچا ہوا۔

مؤرخ سخاوی "الضوء اللامع" (۹/۲۵۶) میں لکھتے ہیں:

"نشر بها أيضا القراء ات والحديث، وانتفعوا به"

شیراز میں ان کی ذات سے حدیث اور قرأتوں کی بڑی اشاعت ہوئی، اہل شیراز کو ان سے بڑا فیض پہنچا۔

۸۲۱ھ میں براہِ بصرہ حج کے لیے روانہ ہوئے، اور بلادِ عجم کی سیر وسیاحت کی مگر درس وتدریس کا سلسلہ سفر میں جاری رہا، چنانچہ قاہرہ میں مسند احمد، مسند شافعی وغیرہ کا درس دیا، ابن الجزریؒ فن قرأت کے امام اور حدیث کے حافظ تھے، حافظ ابن حجرؒ نے "إنباء الغمر" میں ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

"الحافظ الإمام المقرئ ...... إنه لهج بطلب الحديث والقرآن، وبرز في القراء ات ...... وانتهت إليه رياسة علم القراء ات في الممالك" (إنباء الغمر بحوالہ الضوء اللامع:۹/۲۵۹)

حافظ، امام، قرأت کے استاد...... موصوف کو طلب حدیث اور قرآن کا شوق ہوا، اور قرأت میں ممتاز ہوئے، بلادِ اسلامیہ میں علم القرأت کی ریاست ان پر ختم ہوگئی۔

حافظ جلال الدین سیوطیؒ "ذيل طبقات الحفاظ" (ص:۳۷۶) میں لکھتے ہیں:

"الحافظ المقرئ، شيخ الإقراء في زمانه"

حافظ، قرأتوں کی سند دینے والے تھے، اپنے زمانے میں قرأتوں کے امام تھے۔

محمد بن علی شوکانیؒ البدر الطالع (۲/۲۵۹) میں رقمطراز ہیں:

"قد تفرد بعلم القراء ات في جميع الدنيا، ونشره في كثير من البلاد، وكان أعظم فنونه وأجل ما عنده".

موصوف علمِ قرأت میں سارے جہاں میں یکتا تھے، بہت سے ملکوں میں اس کی اشاعت کی، اور ان کے فنون میں یہ فن سب سے ممتاز اور نمایاں تھا۔

اسی طرح حدیث بھی ان کا خاص موضوع تھا، محدث طاوی کا بیان ہے:

"إنه تفرد بعلو الرواية، وحفظ الأحاديث، والجرح والتعديل، ومعرفة الرواة المتقدمين والمتأخرين، يعني بالنسبة لتلك النواحي." (الضوء اللامع:۹/۲۵۸)

وہ علوِ روایت، حفظِ احادیث، جرح وتعدیل، متقدمین اور متاخرین رواۃ کی معرفت میں یکتائے روزگار تھے، یعنی ان اطراف ونواح کے اعتبار سے۔

....

حافظ سیوطیؒ ذیل طبقات الحفاظ (ص: ۳۷۷) میں لکھتے ہیں:

''كان إماماً في القراء ات، لانظير له في عصره في القراء ات في الدنيا في زمانه، حافظاً للحديث وغيره''.

یہ فن قرأت میں امام تھے، اور اپنے زمانہ میں عالم میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے، حدیث اور دیگر علوم کے حافظ تھے۔

مؤرخ ابن العماد حنبلی کا بیان ہے:

''إنه كان عديم النظير، طائر الصيت، انتفع الناس بكتبه، وسارت في الآفاق مسير الشمس''.

(شذرات الذهب: ۷/۲۰۶)

موصوف مشہورِ خلائق تھے، اور اپنی نظیر نہ رکھتے تھے، لوگوں نے ان کی کتابوں سے فائدہ اٹھایا، عالم میں ان کی تالیفات ایسی تیزی سے پھیلی ہیں، جس طرح سورج تیز گامی سے اپنی منزل کی طرف بڑھتا جاتا ہے۔

تاہم فقہ میں پوری دستگاہ حاصل نہ تھی، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

''ليس له يد في الفقه'' (الضوء اللامع: ۹/۲۵۹) ان کی فقہ میں دستگاہ حاصل نہ تھی۔

ان کی بڑھتی ہوئی شہرت اور قبولیت کو دیکھ کر بعض معاصرین نے ان کو بدنام کرنے کی کوششیں کی، اور یہاں تک ہوا کہ موصوف کو مجازفت (من گھڑت باتیں کرنے) سے متہم کیا گیا، مگر حافظ ابن حجرؒ نے اس اتہام کی تردید کی ہے، فرماتے ہیں:

''قد سمعت بعض العلماء يتجه بالمجازفة في القول، وأما الحديث فما أظن به ذلك إلا أنه كان إذا رأى للعصريين شيئا أغار عليه ونسبه لنفسه، وهذا أمر قد أكثر المتأخرون منه ولم ينفرد به''.

(الضوء اللامع: ۹/۲۵۹)

میں نے بعض علماء سے سنا کہ وہ ان کو مجازفت فی القول سے متہم کرتے تھے، ان کی حدیث کی نسبت میں اس کا گمان بھی نہیں کرسکتا، بس اتنی سی بات ہے کہ جب انہوں نے اپنے ہم عصروں کے پاس کوئی چیز دیکھی (جو ان کے پاس نہ تھی) اس پر لوٹ مار کر کے اس کو اپنی طرف منسوب کیا، یہ بات متاخرین علماء میں ان سے بھی زیادہ ہے، اس میں وہ منفرد نہیں ہیں۔

یہ نہایت فصیح وبلیغ اور بڑے حسین وجمیل اور صاحبِ ثروت بزرگ تھے، اپنے شبانہ روز کے معمولات کو تین حصوں میں تقسیم کررکھا تھا۔

۱- قرأت کی تعلیم اور درس حدیث، ۲- تصنیف وتالیف، ۳- عبادت وریاضت اور یادِ الٰہی۔

تمام عمر ان باتوں پر بڑی پابندی سے عمل پیرا رہے، ہر مہینہ میں تین روزے رکھتے تھے، دوشنبہ اور پنجشنبہ کا روزہ اس کے علاوہ تھا جو کبھی قضا نہیں ہوا، سفر تک میں شب بیداری اور تہجد گذاری میں کبھی فرق نہیں آیا۔

....

وفات:

ابن الجزریؒ نے کم وبیش پچیس سال تک متواتر قرآن وحدیث کی خدمت کرنے کے بعد ۸۲ سال کی عمر میں جمعہ کے دن نمازِ جمعہ سے پہلے ۵ر ربیع الاول ۸۳۳ھ/۲ دسمبر ۱۴۲۹ء میں شیراز کے اندر اپنی قیام گاہ محلہ اسکافیین (موچی محلہ) میں انتقال فرمایا، اور اپنے مدرسہ دار القرآن میں سپردِ خاک کئے گئے۔

تالیفات:

موصوف کی تالیفات میں سے ''الحصن الحصين من كلام سيد المرسلين'' ہے، اور بارہا چھپ چکی ہے، یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ موصوف نے سببِ تالیف میں جس دشمن کا ذکر کیا ہے وہ تیمور نہیں ہے بلکہ وہ امیر تمر بغا افضل ہے جو منطاش کے نام سے مشہور ہے، جیسا کہ راقم سطور نے اپنے مقالہ ''امام ابن الجزری'' معارف نمبر ا جلد ۸۱ میں تفصیل سے بتایا ہے، دیگر تصانیف کے نام درج ذیل ہیں:

۲۔ أصول القراء ات، ۳۔ إعانة المهرة في الزيادة على العشرة، ٤۔ الإلغاز، یہ فن قرأت میں ایک منظوم ہمزیہ ہے، ٥۔ تحبير التيسير في العشر، ٦۔ التقريب، یہ النشر کی تلخیص ہے، ۷۔ التمهيد في علم التجويد، ۸۔ الدرة المضية في قراءة الأئمة الثلاثة المرضية، ۹۔ شرح طيبة النشر، ۱۰۔ شرح النشر، ۱۱۔ طيبة النشر، ۱۲۔ العقد الثمين، یہ کتاب الإلغاز کی شرح ہے، ۱۳۔ غاية المهرة في الزيادة على العشرة، ١٤۔ القراء ات الشاذة، ١٥۔ المقدمة الجزرية، ١٦۔ منجد المقربين ومرشد الطالبين، ۱۷۔ النشر في القراء ات العشر، ۱۸۔ نظم الهداية في تتمة العشرة، ۱۹۔ الإجلال والتعظيم في مقام إبراهيم، ۲۰۔ الأربعين، ۲۱۔ الأولوية في الأحاديث الأولية، ۲۲۔ التوضيح في شرح المصابيح، ۲۳۔ مفتاح الحصن الحصين، ٢٤۔ عقد اللآلي في الأحاديث المسلسلة بالعوالي، ۲٥۔ غاية المنى في زيارة منى، ٢٦۔ فضل حرا، ۲۷۔ البداية في علوم الرواية، ۲۸۔ تذكرة العلماء، یہ التوضیح فی شرح المصابیح کا مقدمہ ہے۔ ۲۹۔ الهداية إلى علوم الرواية، ۳۰۔ الإبانة في العمرة من الجعرانة، ۳۱۔ شرح التحصيل، ۳۲۔ شرح منهاج الوصول إلى علم الأصول، ۳۳۔ التعريف بالمولد الشريف، ٣٤۔ ذات الشفا في سيرة المصطفى، ۳٥۔ عرف التعريف، ٣٦۔ أسنى المطالب في مناقب علي بن أبي طالب، ۳۷۔ تاريخ ابن الجزري، ۳۸۔ غاية النهاية في أسماء رجال القراءة أولي الرواية والدراية، ۳۹۔ نهاية الدرايات في أسماء الرجال القراء ات، ٤٠۔ المصعد الأحمد في ختم مسند، ٤١۔ القصد الأحمد في رجال مسند، ٤٢۔ هداية المهرة في ذكر الأئمة العشرة

خاتمہ

واضح رہے کہ حدیث کے موضوع ہونے اور راوی کے جھوٹے ہونے کی چند علامتیں ہیں:

۱- تاریخ مشہور کے خلاف روایت کرے، مثلاً یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جنگ صفین میں ایسا کہا، حالانکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں وفات پا چکے تھے۔

یہ شعر بھی اسی نوعیت کا ہے:

در جمل چوں معاویہ بگریخت خون خلقے بسے بہ بیہدہ ریخت

اس قسم کی من گھڑت حدیثیں ادنیٰ تامل اور ذرا سی تاریخی جستجو سے پہچانی جا سکتی ہیں۔

۲- راوی رافضی (۱) ہو، اور وہ صحابہؓ پر طعن کے متعلق حدیث بیان کرے،

المشتهرة، وغیرہ ہیں۔

موصوف کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو: طبقات القراء، از ابن الجزری:۲/۲۴۷ - ۲۵۱، الضوء اللامع:۹/۲۸۵، ذیل طبقات الحفاظ، از جلال الدین سیوطیؒ:۳۷۶، شذرات الذهب:۷/۲۰۴ - ۲۰۶، قضاة دمشق، از ابن طولون:۱۲۱-۱۲۲، الشقائق النعمانية، از طاش کبری زادہ:۱/۹ - ۱۰۷، (بر حواشي وفيات الأعيان)، الأنس الجليل، از مجیرالدین حنبلی:٤٥٤- ٤٥٥، مفتاح السعادة:۱/۸۸ اور ۳۹۲- ۳۹٤، البدر الطالع:۲/۲۵۷ -۲۵۹، روضات الجنات:۲۱۱، إتحاف النبلاء:۲۲۷، فهرس الفهارس:۱/۳۰٤ (ابن الجزري)، هدية العارفين:۲/۱۸۷-۱۸۸، ابن الجزري، ، حيات ابن الجزري، جلد ۸۱ ،نمبر ۱ .

(۱) رافضی، یہ اہل تشیع میں سے ایک فرقہ ہے، انہیں رافضی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت زید بن علی بن حسین بن علیؓ سے بیعت کی، پھر ان سے کہا: آپ شیخین سے بیزاری اور برأت کا اعلان کریں تو ہم آپ کے ساتھ مل کر جنگ کر سکتے ہیں، انہوں نے اس خلافِ حقیقت بات کو تسلیم نہیں کیا، اور فرمایا کہ وہ میرے نانا رسالت مآب ﷺ کے صحابی، وزیر اور خلیفہ تھے، میں ان سے بیزاری کا کبھی اعلان نہیں کر سکتا، انہوں نے حضرت زید بن علیؒ کا ساتھ چھوڑ دیا اور ان سے علیحدہ ہو گئے، رفض کے معنی چھوڑ دینے کے ہیں، حافظ شمس الدین ذہبیؒ (المتوفی ۷۴۸ھ) نے میزان الاعتدال (۱/۴، طبع قاہرہ ۱۳۲۵ھ) میں بصراحت لکھا ہے کہ متاخرین شیعہ میں رفض آ چکا ہے، اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی شان میں گستاخی کرنا اور ناروا کلمات زبان سے نکالنا اور اس کی دعوت دینا ان کا مذہب بن گیا ہے، لہٰذا یہ لوگ قابلِ حجت نہیں رہے، ان میں کوئی بھی سچا نہیں، کذب و افتراء ان کا شعار، اور تقیہ اور نفاق ان کا اوڑھنا بچھونا ہے، لہٰذا ایسی صورت

یا ناصبی [1] ہو، اور اہل بیت پر طعن کے سلسلہ مین حدیث روایت کرے، اور اس طرح اور مثالیں ہیں، لیکن یہاں یہ بات بھی لحاظ کے قابل ہے کہ اگر راوی روایت میں منفرد ہے تو اس کی حدیث کا کوئی اعتبار نہیں، البتہ اگر دوسرے بھی وہی روایت کرتے ہیں تو اس کی حدیث کو قبول کرنا چاہئے، اور اس حدیث کی معقول توجیہ اور تاویل پر غور کرنا چاہئے۔

۳- راوی ایسی بات روایت کرے جس کا جاننا اور اس پر عمل کرنا ہر مکلّف پر فرض ہے، اور وہ روایت میں منفرد ہو تو یہ حدیث کے جعلی اور راوی کے جھوٹے ہونے کا بڑا قرینہ ہے۔

۴- وقت اور حالت ہی راوی کے جھوٹے ہونے کا قرینہ ہو، جیسے غیاث بن میمون [2] کا واقعہ ہے کہ وہ مہدی خلیفۂ عباسی کی مجلس میں حاضر ہوا، اور وہ اس وقت کبوتر اڑانے میں مشغول تھا، اس نے یہ دیکھ کر فوراً یہ حدیث بیان کی:

میں ان سے روایت کیوں کر قبول کی جاسکتی ہے، یہی غلو ہے جو ان کے سلف میں نہیں تھا، پھر لکھتے ہیں:

''والغال في زماننا وعرفنا هو الذي يكفر هؤلاء السادة، ويتبرأ من الشيخين أيضا، فهذا ضال مفتر''.

اور ہمارے زمانے اور عرف میں غالی وہ ہے جو حضرت عثمانؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، معاویہؓ اور اس جماعت کے متعلق جس نے حضرت علیؓ، سے جنگ کی تھی، کافر کہے، اور شیخین (سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) سے بھی بیزاری کا اظہار کرے تو یہ شخص گمراہ اور افترا پرداز ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ تهذيب التهذيب (۸۲/۱) میں ابان بن تغلب کے تذکرہ میں رقمطراز ہیں:

''أما التشيّع في عرف المتأخرين فهو الرفض المحض، فلاتقبل رواية الرافضي الغالي ولا كرامة''.

لیکن تشیع متاخرین کے عرف میں رفض محض ہے، لہٰذا غالی رافضی کی روایت قبول نہیں کی جاسکتی اور نہ یہ کوئی عزت کی بات ہے۔

(۱) ناصبیہ بھی ایک فرقہ ہے جس کا شعار حضرت علی اور اولادِ علی سے عداوت اور دشمنی رکھنا ہے۔

(۲) ابوعبدالرحمٰن غیاث بن ابراہیم نخعی جس نے روایت ''لاسبق إلا في نصل أو خف '' میں لفظ جناح کا اضافہ کیا، اس کے باپ کا نام میمون نہیں ہے، جیسا کہ عجالۂ نافعہ کے مطبوعہ نسخوں میں موجود ہے، حافظ شمس الدین ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں، اور حافظ ابن حجرؒ نے لسان المیزان میں، غیاث کے باپ کا نام ابراہیم نقل کیا ہے، اور یہی صحیح ہے۔

علامہ ذہبیؒ تاريخ الإسلام (۴۷۴/۴) میں رقمطراز ہیں:

''عن ابن معين: كذاب، ليس بثقة، ولامأمون، وقال ابن حبان وغيره: كان يضع الحديث.''

ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ یہ کذاب ہیں، اور ثقہ نہیں، مامون نہیں، ابن حبان وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث گھڑتا ہے۔

''لَا سَبَقَ إِلَّا فِي خف، أو نصل، أو حافر، أو جناح '' یعنی بازی جائز نہیں مگر اونٹ، تیتر، گھوڑے اور پرندہ میں۔

اس نے محض مہدی کی خوشامد میں ''جَناح'' کا لفظ اپنی طرف سے بڑھا دیا۔

۵- روایت عقل وشرع کے مقتضیٰ کے خلاف ہو، اور قواعدِ شرعیہ اس کی تکذیب کریں، جیسے قضاءِ عمری یا اسی جیسی باتیں، جیسے روایت کرتے ہیں: ''لاتأكلوا البطيخ حتى تذبحوها'' جب تک خربوزے کو تراش نہ لو، نہ کھاؤ۔

۶- حدیث میں ایسا حسی واقعی قصہ مذکور ہو کہ اگر فی الواقع وہ پایا جاتا تو ہزاروں آدمی اس کو نقل کرتے، مثال کے طور پر ایک شخص روایت کرتا ہے کہ آج بروز جمعہ خطیب کو برسرِ منبر قتل کر ڈالا اور اس کی کھال کھینچ لی، اور اس واقعہ کا راوی اس روایت میں منفرد اور تنہا ہے اور دوسرا کوئی راوی نہیں۔

۷- لفظ اور معنی کا رکیک ہونا، مثلاً ایسے لفظ سے روایت کرے جو بلحاظ قواعدِ عربیہ درست نہ ہو، یا اس کے معنی رسالت اور وقارِ نبوت کے مناسب نہ ہوں۔

۸- صغیرہ گناہ سے ڈرانے میں حد سے زیادہ مبالغہ کیا گیا ہو، یا تھوڑے سے عمل پر حد سے زیادہ ثواب کا مستحق قرار دیا گیا ہو، جیسا کہ کہا گیا ہے: ''مَن صَلّٰى رَكْعَتَينِ فَلَهُ سَبْعُونَ أَلْفَ دارٍ، وَفِي كُلِّ دارٍ سَبْعُونَ أَلْفَ بَيتٍ، وَفِي كلِّ بَيتٍ سَبعُونَ أَلْفَ سَرِيرٍ، وَعَلٰى كُلِّ سَرِيرٍ سَبعُونَ أَلْفَ جَارِيَةٍ '' یعنی جس نے دو رکعت نماز پڑھی اس کے لیے ستر ہزار مکان ہیں، اور ہر مکان میں ستر ہزار کمرے ہیں، اور ہر کمرے میں ستر ہزار تخت ہیں، اور ہر تخت پر ستر ہزار لونڈیاں ہیں۔

اس قسم کی حدیثیں خواہ ثواب کے متعلق ہوں یا عذاب کے انہیں جعلی اور موضوع سمجھنا چاہئے۔

۹- ذرا سے عمل اور معمولی سے کام پر حج وعمرہ کے ثواب کی امید دلانا۔

۱۰- خیر کے کام کرنے والوں کو یہ خوشخبری دینا اور اُن سے یہ وعدہ کرنا کہ انہیں انبیاء علیہم السلام کا سا ثواب ملے گا، یا یہ کہے کہ ستر نبیوں کا سا ثواب ملے گا، یا اسی قسم کی بہت سی باتیں کرنا۔

۱۱- راوی نے حدیث کے وضع کرنے کا خود اقرار کیا ہو، جس طرح نوح بن ابی عصمہ [1] کے ساتھ واقعہ پیش آیا ہے کہ اس نے قرآن کی ہر ایک سورت کی فضیلت میں حدیثیں گھڑیں، اور انہیں رواج اور شہرت دی ہے،

---

(۱) نوح بن ابی عصمہ مروزی، نوح بن ابی مریم اور نوح جامع کے نام سے بھی مشہور ہیں، ان کے باپ مجوسی تھے، بعد میں مسلمان ہوگئے تھے، نوح بن ابی عصمہ نے امام زہری، ثابت بنانی، یحییٰ بن سعید انصاری اور ابن ابی لیلیٰ وغیرہ سے حدیث پڑھی، اور ان سے شعبہ اور عبداللہ بن مبارک رحمہما اللہ راوی ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک

جیسا کہ بیضاوی[1] میں ہر سورت کے آخر میں اس کے فضائل کو بیان کیا ہے۔

یہ ثقہ تھے، لیکن اور محدثین کی نظر میں متروک ہیں، ان پر زہد کا بڑا غلبہ تھا، مرو میں عہدۂ قضاء پر مامور تھے، حافظ ذہبیؒ کتاب العبر (۱/۲۶۴) میں لکھتے ہیں:

"أبو عصمة نوح بن أبي مريم الفقيه قاضي مرو، ولقب بالجامع؛ لأنه أخذ الفقه عن أبي حنيفة، وابن أبي ليلى، والحديث عن حجاج بن أرطاة، والمغازي عن ابن اسحق، والتفسير عن مقاتل، وهو متروك الحديث".

قاضی مرو، ابوعصمہ نوح بن ابی مریم فقیہ جامع کے لقب سے ملقب ہیں، کیونکہ انہوں نے ابوحنیفہؒ اور ابن ابی لیلیٰؒ سے فقہ، حجاج بن ارطاۃ سے حدیث، ابن اسحٰق سے مغازی اور مقاتل سے تفسیر پڑھی تھی، یہ متروک الحدیث ہیں۔

حافظ ذہبیؒ "تاريخ الإسلام" (۴/۷۵۸) میں لکھتے ہیں:

"قال ابن حبان: قد جمع كل شئ إلا الصدق، وقيل: كان مُرجئاً، وذكر أبو عبد الله الحاكم أنه وضع حديث "فضائل سور القرآن" ...... وقال أحمد بن حنبل: لم يكن في الحديث بذاك، يعني كان لايجود حفظ الحديث ...... وقال مسلم بن الحجاج: متروك الحديث ...... وقال البخاري: ذاهب الحديث جداً".

ابن حبان فرماتے ہیں کہ اس نے سوائے صدق کے سب کچھ جمع کیا ہے، بعض نے کہا ہے کہ موصوف مرجئہ میں سے ہیں، ابوعبداللہ حاکم کہتے ہیں کہ سورۃ قرآن کے فضائل کی احادیث گھڑتا ہے، احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ حدیث میں ان کو وہ مقام حاصل نہیں ہے، یعنی حدیث کو اچھی طرح یاد نہیں کرتے تھے، مسلم بن حجاج فرماتے ہیں کہ موصوف متروک الحدیث ہیں، امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ موصوف ذاہب الحدیث ہیں۔

۱۷۲ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

(۱) تفسیر بیضاوی، اس کا نام "أنوار التنزيل وأسرار التأويل" ہے، یہ قاضیِ شیراز علامہ ناصرالدین ابوسعید عبد اللہ بن عمر بیضاوی شافعی (المتوفی ۶۹۲ھ) کی نہایت مقبول اور مشہور تفسیر ہے، حاجی خلیفہ "كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون" (۱/۱۸۷) میں اس کے متعلق رقمطراز ہیں:

"تفسيره هذا كتاب عظيم الشأن، غني عن البيان، لخص فيه من الكشاف ما يتعلق بالإعراب والمعاني والبيان، ومن التفسير الكبير مايتعلق بالحكمة والكلام، ومن تفسير الراغب مايتعلق بالاشتقاق وغوامض الحقائق ولطائف الإشارات، وضم إليه ما ورى زناد فكره من الوجوه المعقولة والتصرفات المقبولة، فجلا رين الشك عن السريرة، وزاد في العلم بسطة وبصيرة".

اس کی یہ تفسیر عظیم الشان کتاب ہے، تعریف وتوصیف سے مستغنی ہے، اِس میں اعراب اور معانی وبیان

جب نوح بن ابی عصمہ کو پکڑا اور صحتِ سند کے بارے میں اس سے پوچھا گیا تو اس نے اعتراف کیا کہ ان حدیثوں کے وضع کرنے سے میری نیت خیر کی تھی، کیونکہ میں نے جب یہ دیکھا کہ قرآن کو چھوڑ کر لوگ تاریخ، تفسیر اور ابوحنیفہؒ کی فقہ میں مشغول ہیں تو لوگوں کو ترغیب دینے کی غرض سے میں نے ان حدیثوں کو گھڑا، تاکہ علومِ قرآن کی طرف ان کا رجحان بڑھے، اور ثواب کے اعتقاد سے تلاوتِ قرآن اور اس کے درس میں مشغول ہوں [1]،

سے متعلق باتیں کشاف کا خلاصہ ہیں، حکمت وکلام سے متعلق نکتے تفسیرِ کبیر سے ماخوذ ہیں، اشتقاق، حقائق غامضہ اور اشاراتِ لطیفہ تفسیرِ راغب سے لئے گئے ہیں، موصوف نے معقول توجیہات اور مقبول تصرفات کا جو اضافہ کیا ہے وہ ان کے افکار کا ثمرہ ہیں جس سے مضمر پوشیدہ کا ازالہ اور علم میں بصیرت اور وسعت پیدا ہوتی ہے۔

نواب صدیق حسن خاں قنوجی "إكسير في أصول التفسير" (ص: ۴۳، مطبعِ نظامی کانپور ۱۲۹۰ھ) میں اس کے متعلق لکھتے ہیں:

''دل فقیر از جرأتِ ایں مرد بیضاوی در تصریف منطوق ظواہر نظمِ قرآن از معانی ومدلولات آں بتاویلات رکیکۂ معقولیاں ومقاولات باردۂ کلامیاں درقلق ست، شیخ عبد الحق دہلوی رحمہ اللہ نیز از وے در مدارج النبوۃ وترجمہ مشکوٰۃ نالاں ست''۔

فقیر کا دل اس مرد بیضاوی کی جرأت سے جو اس نے ظواہرِ نظمِ قرآن کے منطوق کی تعریف میں معانی اور مدلولات کی قبیل سے معقولیوں کی رکیک تاویلات اور کلامیوں کے تکلفات باردہ کئے ہیں بہت رنج وقلق کا باعث ہیں، شیخ عبد الحق دہلویؒ بھی "مدارج النبوۃ" اور ترجمۂ مشکوٰۃ میں اُن کی اِس حرکت سے نالاں ہیں۔

علامہ بیضاویؒ چونکہ محدث مزاج مفسر نہیں تھے اس لئے سورتوں کے فضائل میں اکثر موضوع حدیثیں نقل کردی ہیں۔

(۱) ابوعصمہ نوح بن ابی مریم کی طرف منسوب اس روایت کے متعلق برادرِ معظم محقق العصر حضرت مولانا عبد الرشید نعمانیؒ ''تبصرہ بر المدخل فی اصول الحدیث للحاکم النیسابوری'' (ص: ۱۲۵، طبع الرحیم اکیڈمی کراچی ۱۴۱۱ھ) میں رقمطراز ہیں:

امام ابوعصمہ مروزیؒ اور حاکمؒ: مقالہ کے ختم کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حاکمؒ نے امام ابوعصمہ نوح بن ابی مریم مروزیؒ پر جو وضعِ حدیث کا الزام عائد کیا ہے، اس پر بھی نظر ڈال لی جائے۔

وضاعینِ حدیث پر بحث کرتے ہوئے حاکم رقمطراز ہیں:

"سمعت بن يونس المقرئ قال: سمعت جعفربن أحمد بن نصر سمعت

....

أبا عمار المروزي يقول: قيل لأبي عصمة: من أين لك عن عكرمة عن ابن عباسؓ في فضائل القران سورة سورة ؟ وليس عند أصحاب عكرمة ، قال: إني رأيت الناس قد أعرضوا عن القران، و اشتغلوا بفقه أبي حنيفةؒ، و مغازي محمد بن إسحاقؒ، فوضعت هذا الحديث حسبةً".

ترجمہ: ''ابوعمار مروزی کا بیان ہے کہ ابوعصمہؒ سے کہا گیا کہ تمہارے پاس فضائل قرآن میں ایک ایک سورت کے بارے میں عکرمہؒ کی روایت حضرت ابن عباسؓ سے کہاں سے ہاتھ لگی؟ حالانکہ اصحابِ عکرمہؒ کے پاس یہ روایت موجود نہیں، جواب دیا کہ میں نے جب دیکھا کہ لوگوں نے قرآن سے اعراض کرلیا ہے، اور فقہ ابی حنیفہؒ اور مغازی محمد بن اسحاقؒ میں مشغول ہیں، تو کارِ خیر سمجھ کر یہ روایت بنائی''۔

یاد رہے کہ سب سے پہلے حاکمؒ ہی نے ابوعصمہؒ کے متعلق یہ روایت بیان کی ہے، حاکمؒ سے ابنِ صلاحؒ نے لیا، اور پھر نقل در نقل مذکور ہوتی چلی آئی حتیٰ کہ عبدالعلی بحرالعلومؒ اور مولانا ابوالحسنات عبدالحئی فرنگی محلیؒ تک نے اس کو بلا تنقید نقل کرڈالا، لیکن حقیقت میں امام ابوعصمہؒ کے متعلق یہ محض افسانہ ہے، جس کو صحت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں، اس لئے ہم اس پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالنا مناسب خیال کرتے ہیں۔

بحث کے دو پہلو ہیں، نقلی اور عقلی۔

نقلی حیثیت اس روایت کی یہ ہے کہ یہ منقطع ہے، کیونکہ ابوعمار مروزیؒ کی وفات ۲۴۴ھ میں ہوئی ہے، اور ابوعصمہؒ کی تاریخ وفات حافظ ذہبیؒ نے ۱۷۳ھ، اور ابن حبانؒ نے کتاب الثقات میں ۱۵۳ھ بتلائی ہے، اس اعتبار سے ان دونوں کی وفات میں بقول ذہبیؒ اکہتر سال، اور بقول ابن حبانؒ اکانوے سال کا فرق ہے، ابوعمار کو معمّرین میں کوئی شمار نہیں کرتا، اور وہ خود یہ بیان نہیں کرتے کہ ابوعصمہؒ کا یہ بیان انہوں نے کس سے سنا ہے، اور بالفرض ان کو معمّر بھی مان لیا جائے اور یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ ابوعصمہؒ کی وفات کے وقت ان کی عمر سماع کے قابل تھی، تب بھی اس روایت کا انقطاع اپنی جگہ پر باقی ہے، کیونکہ وہ یہ نہیں کہتے کہ میں نے خود ابوعصمہؒ سے سنا، بلکہ قیـــل (کہا گیا) کہہ کر اس قصہ کو بیان کررہے ہیں، جس سے خود اس کا ضعف ظاہر ہے، ابوعصمہؒ سے کہنے والا کون تھا؟ یہ خود اس وقت موجود تھے یا نہیں؟

....

اس کا کچھ ذکر نہیں، یقیناً موجود تو نہیں تھے، ورنہ کہتے قیل لأبي عصمة وأنا حاضر (ابوعصمہؒ سے کہا گیا اور میں موجود تھا) جب موجود نہ تھے، تو پھر بیان کرنے والے کا نام کیوں نہیں بتاتے؟ غرض اس قصہ کا تمامتر دارومدار ایک مجہول شخص کے بیان پر ہے، اور جرح کے بارے میں کسی مجہول شخص کا بیان قابلِ تسلیم نہیں، غالباً اس روایت کی عدمِ صحت ہی کی وجہ سے حافظ ذہبیؒ جیسے سخت گیر شخص نے بھی جوائمۂ احناف کے متعلق جرح تلاش کر کر کے نقل کرنے کے عادی ہیں، اس الزام کی ساری ذمہ داری خود حاکم پر ڈال دی ہے، چنانچہ میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:

"وقال الحاكم: وضع أبو عصمة حديث فضائل القرآن الطويل".

ترجمہ: ''حاکم کا بیان ہے کہ ابوعصمہؒ نے فضائل قرآن کی طویل حدیث بنائی''۔

ورنہ صاف طور سے کہتے کہ بروایت صحیح ابوعصمہؒ کا اقرارِ وضعِ حدیث ثابت ہے۔

اب ذرا اس روایت کی عقلی حیثیت پر بھی نظر ڈال لیجئے: امام ابوعصمہؒ نے فقہ کی تعلیم امام ابوحنیفہؒ سے حاصل کی تھی، اور مغازی کی ابن اسحاقؒ سے، حافظ سمعانیؒ نے کتاب الأنساب میں جامع کے لفظ کے تحت تصریح کی ہے کہ ان کی مجالس علم و درس چار قسم کی تھیں، ایک مجلس حدیث شریف کے لئے مخصوص تھی، ایک میں امام ابوحنیفہؒ کے مسائل بیان ہوتے تھے، ایک نحو کے لئے خاص تھی اور ایک اشعار کے لئے، صدر الائمہ موفق بن احمد مکیؒ کا بیان ہے کہ مجلسِ حدیث میں مغازی کا بھی بیان ہوتا تھا، اب غور فرمائیے جو شخص خود فقہ ابی حنیفہؒ اور مغازی ابن اسحاقؒ کے درس میں مشغول ہو، وہ دوسروں کے اس شغل پر کیسے نفرت کا اظہار کر سکتا ہے؟۔

یہ بھی خیال رہے کہ ابوعصمہؒ کی جلالتِ علمی کا موافق ومخالف سب ہی کو اعتراف ہے، خود حاکمؒ کے الفاظ ہیں: أبو عصمة مقدم في علومه (ابوعصمہ اپنے علوم میں مقدم ہیں) ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں ان کا تذکرہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے: '' نوح بن أبي مريم يزيد بن عبد الله أبو عصمة المروزي، عالم أهل مرو ''.

بڑے بڑے ائمہ نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں، حافظ ابن حجرؒ تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں:

" قال العباس بن مصعبؒ وروى عنه شعبةؒ و ابن المباركؒ ".

ترجمہ: ''عباس بن مصعبؒ کا بیان ہے کہ ان سے شعبہؒ اور ابن مبارکؒ نے حدیثیں روایت کی ہیں''۔

....

اور حافظ عبدالقادر قرشی الجواہر المضیۃ میں رقمطراز ہیں:

"وروى عنه نعيم بن حماد شيخ البخاري في اخرين، قال الإمام أحمد بن حنبل: كان شديداً على الجهمية".

ترجمہ: ''ان سے بخاریؒ کے استاد نعیم بن حمادؒ اور دیگر اشخاص نے روایتیں کیں، امام احمد بن حنبلؒ کا بیان ہے کہ یہ جہمیہ کے سخت مخالف تھے''۔

علوم کی ہمہ گیری کا یہ عالم تھا کہ اپنی وسعتِ علمی کی بنا پر امت میں جامع کے لقب سے یاد کئے گئے، حافظ ابن حجرؒ نے لسان المیزان میں اس کی تصریح کی ہے:

"ويعرف بالجامع لجمعه العلوم".

ترجمہ: ''یہ جامع کے لقب سے مشہور ہیں، کیونکہ انہوں نے علوم کو جمع کیا تھا''۔

غور فرمایئے! ان کی جامعیت علوم کا سب کو اعتراف ہے، امام احمد بن حنبلؒ ان کے عقائد کی صحت پر شاہد ہیں، شعبہؒ، ابن المبارکؒ، ابن جریجؒ جیسے ائمہ اور امام بخاریؒ و مسلمؒ کے شیوخ حدیث ان سے حدیثیں بیان کر رہے ہیں، مسند امام احمد بن حنبل، جامع ترمذی، تفسیر ابن ماجہ میں امام موصوف سے حدیثیں منقول ہیں، کیا تھوڑی دیر کے لئے بھی ایسے شخص کے متعلق وضعِ حدیث کا خیال کیا جا سکتا ہے؟۔

اتنی بحث عقلی و نقلی پہلو سے ہمارے دعوی کے اثبات کے لئے کافی ہے، درحقیقت یہ واقعہ مشہور وضاعِ حدیث میسرہ بن عبد ربہ کا ہے، جو غلطی سے امام ابو عصمہؒ کی طرف منسوب کر دیا گیا، چنانچہ امام ذہبیؒ میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں:

"قال محمد بن عيدي بن الطباع: قلت لميسرة بن عبد ربه: من أين جئت بهذا الأحاديث من قرأ كذا كان له كذا؟ قال: وضعته أرغب الناس، قال ابن حبان: كان ممن يروي الموضوعات عن الأثبات، و يضع الحديث وهو صاحب حديث فضائل القرآن الطويل".

ترجمہ: ''محمد بن عیسیٰ بن طباعؒ'' کا بیان ہے کہ میں نے میسرہ بن عبد ربہ سے کہا: تو یہ

حدیثیں کہاں سے لایا کہ جس نے پڑھا اس کے لئے یہ ہے؟ کہنے لگا میں نے یہ لوگوں کو ترغیب دینے کے لئے گھڑی ہیں، ابن حبانؒ کہتے ہیں: یہ ثقات سے موضوعات بیان کرتا اور حدیثیں بناتا ہے، فضائل قرآن کی طویل حدیث اسی کی بنائی ہوئی ہے''۔

فضائل قرآن کی طویل حدیث ایک ہی ہے، اس کے دو وضاع کیسے ہو سکتے ہیں؟ تعجب ہے کہ میسرہ کے متعلق اس تصریح کے ہوتے ہوئے بھی حاکم اس کے وضع کرنے کا الزام امام ابوعصمہ پر عائد کر رہے ہیں۔

بلاشبہ حافظ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں، اور حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب میں بعض محدثین سے ان کے حق میں جرحیں نقل کی ہیں، مگر وہ باوجود مبہم اور غیر مفسر ہونے کے فاحش اور سخت نہیں ہیں، ان سب جرحوں کے پڑھنے سے زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ ان کا فن حدیث نہیں تھا، اس لئے ان سے روایت میں غلطیاں ہوئیں، بایں وجہ اس درجہ تو قوی نہیں کہ ان کی روایت احتجاج کے طور پر پیش کی جاسکے، ہاں اعتبار واستشہاد میں کام لیا جاسکتا ہے، چنانچہ حافظ ابن عدیؒ تصریح فرماتے ہیں: ''وهو مع ضعفه يكتب حديثه'' (باوجود ان کے ضعیف ہونے کے ان کی روایت لکھی جائے گی)۔

امام ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں حافظ حلیمی کے ترجمہ میں نہایت ہی عالی سند سے ان کی یہ حدیث روایت کی ہے: ''أخبرنا نوح بن أبي مريم عن يزيد الرقاشي عن أنس بن مالك -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم-: لصاحب القران دعوة مستجابة عند ختمه''.

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

> ''نوح الجامع مع جلالته في العلم ترك حديثه، وكذلك شيخه مع عبادته، فكم من إمام في فن مقصر عن غيره، كسيبويه مثلاً إمام في النحو، ولايدرى ماالحديث؟ ووكيع إمام في الحديث ولايعرف العربية، وكأبي نواس رأس في الشعر عري من غيره، وعبدالرحمن بن مهدى إمام في الحديث، لايدرى ماالطب قط؟ وكمحمد بن الحسن رأس في الفقه، ولايدرى ماالقراء ات؟ وكحفص إمام في القراء ة تألف في الحديث ، وللحروب رجال يعرفون، وفي الجملة ما أوتوا من العلم إلاقليلاً''.

....

ترجمہ: ''نوح جامعؒ کی حدیثیں ان کی جلالتِ علمی کے باوجود ترک کردی گئیں اور اسی طرح ان کے شیخ یزید رقاشیؒ کی باوجود ان کے عابد ہونے کے، کیونکہ بہت سے علماء ایک فن کے امام ہیں، دوسرے فن میں قاصر ہیں، جیسے سیبویہ کہ نحو کے امام ہیں، حدیث نہیں جانتے، وکیع حدیث میں امام ہیں علوم عربیت سے ناواقف ہیں، ابونواس شعر کا استاذ ہے دوسرے فنون سے بے بہرہ، عبدالرحمٰن بن مھدی حدیث کے امام ہیں طب کا پتہ نہیں کہ کیا ہے، محمد بن حسن فقہ میں سردار ہیں قراءت سے ناآشنا، حفص قراءت میں امام ہیں حدیث میں بے بضاعت، غرض ہر کسے را بہر کارے ساختند، ہر کارے و ہر مردے، بہر حال علم سب کو تھوڑا ہی دیا گیا ہے''۔

غور فرمائیے اعتذار کے اس زور پر جو حافظ ذہبیؒ نے نوح جامعؒ کی روایت ترک کرنے پر صرف کیا ہے، کیا حافظ ذہبیؒ جیسا شخص کسی کذاب اور وضاع کے لئے ایک لحہ کے واسطے بھی اس قسم کا اعتذار کرسکتا ہے؟ کذاب اور وضاع ہونا تو درکنار، اگر اس قسم کا ذرا سا شائبہ بھی موجود ہوتو حافظ ذہبی کی سیاہی کا ایک نقطہ اور قلم کی معمولی سی جنبش بھی اس کے اعتذار کے لئے عمل میں نہیں آسکتی، حافظ ذہبیؒ کے نزدیک نوح جامعؒ کی امامت اور جلالتِ علمی کی وہی شان ہے جو سیبویہ، وکیع، ابونواس، عبدالرحمٰن بن مھدی، محمد بن حسن اور حفص کی ہے، ان کے خیال میں چونکہ حدیث ان کا فن نہیں، اس لئے ان کی روایت حدیث میں ترک کی گئی۔

ہم نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح امام نوحؒ کا مفصل تذکرہ ہم کو مل جائے، مگر حافظ ذہبیؒ کی میزان الاعتدال اور حافظ ابن حجرؒ کی تہذیب التہذیب کے علاوہ اور کہیں مفصل تذکرہ نہیں مل سکا، اور یہ دونوں بزرگ وہ ہیں جن کی سخت گیری علماءِ احناف کے خلاف نہایت ہی مشہور و معروف ہے، جس کا ان کے چہیتے اور مایۂ ناز شاگردوں تک کو اعتراف ہے، چنانچہ علامہ تاج الدین سبکیؒ نے طبقات الشافعیہ میں اپنے شیخ ذہبیؒ کے متعلق اور علامہ سخاویؒ نے مبیضہ درر کامنہ میں اپنے استاد ابن حجرؒ کے بارے میں اس کی صراحت کی ہے، اور اسی بنا پر قاضی القضاۃ ابوالفضل محب الدین محمد بن الشحنہؒ اپنی شرح ہدایہ کے مقدمہ میں حافظ ابن حجرؒ کے متعلق رقمطراز ہیں: ''

"وكان كثير التبكيت في تاريخه على مشائخه و أحبابه و أصحابه لاسيماً الحنفية؛ فإنه يظهر من زلاتهم ونقائصهم التي لايعرى عنها غالب الناس مايقدر عليه

....

ويغفل ذكر محسنهم وفضائلهم إلاما ألجأته الضرورة إليه، فهو سالك في حقهم ماسلكه الذهبي في حقهم وحق الشافعية، حتى قال السبكي: إنه لاينبغي أن يؤخذ من كلامه ترجمة شافعي ولا حنفي، وكذا لاينبغي أن يؤخذ من كلام ابن حجر ترجمة حنفي متقدم ولا متأخر "۔

ترجمہ: ''ابن حجر اپنی تاریخ میں اپنے مشائخ، احباب واصحاب پر بہت سخت گیر ہیں، خصوصاً حنفیہ کے متعلق تو ان کا یہ طرز عمل ہے کہ جہاں تک ہوسکتا ہے ان کی ان لغزشوں اور کمزوریوں کو جن سے عام طور پر انسان نہیں بچ سکتا ظاہر کر کے رہتے ہیں، اور جب تک کسی ضرورت سے مجبور نہ ہوں، ان کے محاسن اور فضائل کے ذکر سے غفلت برتتے ہیں، حنفیہ کے بارے میں ان کا حال وہی ہے جو حنفیہ اور شافعیہ کے بارے میں ذہبی کا ہے، یہاں تک کہ سبکی نے تصریح کی ہے کہ کسی شافعی اور حنفی کا تذکرہ ذہبی کے کلام سے نہیں لینا چاہئے، پس اسی طرح ابن حجر کے کلام سے بھی کسی حنفی کا تذکرہ نہیں لینا چاہئے، خواہ وہ متقدمین میں سے ہو یا متاخرین میں سے''۔

متقدمین ائمہ جرح وتعدیل میں دو حافظوں کی کتابیں ہمارے سامنے ہیں، ایک طبقات ابن سعد اور دوسری کتاب الاسماء والکنیٰ مصنفہ حافظ ابو بشر دولابی، ان دونوں کتابوں میں نوح بن ابی مریم کا تذکرہ موجود ہے، لیکن جرح کا ایک حرف منقول نہیں، حالانکہ ابن سعد کی طبیعت میں اہل عراق سے جو انحراف ہے وہ خود حافظ ابن حجر کو بھی تسلیم ہے، اور بلاشبہ انہوں نے طبقات میں ائمہ عراق کے حق میں جو کلام کیا ہے اس سے اس دعوی کی پوری تائید ہوجاتی ہے، اسی طرح حافظ عبدالقادر قرشی نے الجواہر المضیئۃ میں اور علامہ محمود بن سلیمان کفوی نے کتائب اعلام الاخیار میں ذہبی اور ابن حجر کے بعد مفصل تذکرہ کیا ہے، لیکن جرح بالکل نہیں کی ہے، اور صدر الائمہ موفق بن احمد مکی مناقب ابی حنیفہ میں رقمطراز ہیں:

"وأبوعصمة نوح بن مريم، إمام أهل مرو، ولقب بالجامع؛ لأنه كان له أربعة مجالس، مجلس المناظرة، ومجلس لدرس الفقه، ومجلس لمذاكرة الحديث، ومعرفة معانيه والمغازي ومجلس لمعاني القران والأدب والنحو، وقيل: كان ذلك يوم الجمعة، وقال أبوسهل خاقان: إنما سمي نوح الجامع؛ لأنه كان له أربعة مجالس، مجلس للأثر

حالانکہ اس کا یہ عذر گناہ سے بھی بدتر تھا، کیونکہ فضائل قرآن میں جو صحیح حدیثیں وارد ہیں ترغیب کے لیے وہی کافی ہیں [1]، اسی طرح تمبا کو، حقہ اور قہوہ کے متعلق بہت سی حدیثیں گھڑی گئی ہیں، جن کے الفاظ اور معنی کی رکاکت ظاہر اور آشکار ہے۔

ومجلس لأقاويل أبي حنيفة، ومجلس للنحو، ومجلس للأشعار، وكان من الأئمة الكبار، ولجلالة قدره روى عنه شعبة وابن جريج، وهما هما، ومع هذه الجلالة لزم أباحنيفة، وروى عنه الكثير، ولما مات قعد ابن المبارك على بابه ثلاثة أيام يعني للتعزية- رحمه الله-".

ترجمہ: ''اور ابوعصمہ نوح بن ابی مریم اہل مرو کے امام ہیں، یہ جامع کے لقب سے ملقب ہوئے، کیونکہ ان کی چار مجلسیں تھیں، ایک مناظرہ کی، ایک درس فقہ کی، ایک حدیث اور اس کے معانی اور مغازی کے مذاکرہ کی، ایک معانی قرآن، ادب اور نحو کی، اس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ جمعہ کے دن ہوتی تھی، ابوسہل خاقان کا بیان ہے کہ نوح کو جامع اس لئے کہا گیا کہ ان کی چار مجالس تھیں، ایک حدیث کی، دوسری امام صاحب کے اقوال کی، تیسری نحو کی اور چوتھی اشعار کی، یہ ائمہ کبار میں سے ہیں، اور ان کی جلالتِ قدر ہی کی بناء پر ان سے شعبہ اور ابن جریج جیسے ائمہ نے حدیثیں روایت کی ہیں، اور شعبہ آخر شعبہ اور ابن جریج آخر ابن جریج ہیں، نوح نے بایں ہمہ جلالتِ قدر امام ابوحنیفہ کی خدمت میں آنے کا التزام کیا اور ان سے کثیر روایتیں کیں، جب نوح کی وفات ہوئی ہے تو ابن مبارک تین دن تک ان کے دروازہ پر تعزیت کے لئے بیٹھے رہے، رحمہ اللہ''۔

(۱) یہاں یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جن لوگوں نے سورتوں کے فضائل یا اعمالِ حسنہ کی ترغیب میں روایتیں گھڑی ہیں، اگر چہ یہ سب کچھ انہوں نے خیر کی نیت سے کیا لیکن اچھا نہیں کیا، یہ ان کی نیک نیتی کی روشن دلیل سہی کہ **انہوں نے اِس بات کو بھی بتایا** کہ ہم نے فلاں فلاں حدیثیں بنائی تھیں اور اِس وجہ سے بنائی تھیں، ان کی اِس حرکت سے گو **دین میں کوئی** رخنہ نہیں پڑتا، کیونکہ ان کی بنائی ہوئی حدیثوں سے زیادہ سے زیادہ یہ اثر ہوا کہ جو سورت ایک مرتبہ پڑھی **جاتی تھی** وہ اب کئی مرتبہ پڑھی جانے لگی، جس کی شریعت میں کوئی ممانعت نہیں، انہوں نے وضعِ حدیث کی جو غرض وغایت اور نوعیت بیان کی ہے، اس سے یہ حقیقت اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ وضع کا تمام تر تعلق فضائلِ قرآن اور اعمالِ حسنہ کی ترغیب سے ہے، حلت وحرمت سے نہیں ہے، لہٰذا احکامِ شرعیہ پر ان کا کوئی اثر نہیں، اور حلال وحرام سے ان روایات

اغراضِ وضع حدیث

حدیثیں وضع کرنے والے کچھ کم نہیں ہوئے ہیں، اوراس طرح ان کی اغراض بھی مختلف تھیں۔

ا- مثلاً زندیقیوں کا فرقہ، ان کے پیش نظر محض شریعت کو باطل قرار دینا اوراس کا مذاق اڑانا تھا، چنانچہ ابن الراوندی (۱) نے یہ حدیث گھڑی تھی: ''الباذِنجان لِما أُكِل لَهٗ'' بینگن سے غرض یہ ہے کہ اس کو کھایا جائے۔

کا کوئی تعلق نہیں، پھران وضع کرنے والوں کے بیانات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ اپنی طرف سے احکام ثابت کرنے کو حرام سمجھتے تھے، لہٰذا احکام کا شعبہ ان کی وضعی روایات سے کبھی متاثر نہیں ہوا، اس پر محدثین کی احتیاط کا اندازہ اِس سے کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے ایسے اصول وضع کیے ہیں جن سے ہر شخص ان روایات کی حقیقت سے واقف ہوسکتا ہے، اور بلا تامل کہہ سکتا ہے کہ یہ گھڑی ہوئی حدیثیں ہیں، لہٰذا دورِ حاضر کے تجدد پسند طبقہ کا یہ کہنا کہ حدیث کا ذخیرہ وضعی حدیثوں سے خالی نہیں، کس قدر بعید از حقیقت اور سرتاسر دھوکہ ہے۔

مزید برآں محدثین نے احکامِ شرعیہ سے متعلق حدیثوں اور حلت وحرمت سے متعلق روایات کو ہر طرح تحقیق کرکے درج کتاب کیا ہے، چنانچہ حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی (المتوفی ۴۶۳ھ) الكفاية في علم الرواية (ص:۱۳۴، طبع حیدر آباد دکن ۱۳۵۷ھ) میں بسند متصل امام احمد بن حنبلؒ سے ناقل ہیں:

''أحمد بن حنبل يقول: إذا روينا عن رسول الله ﷺ في الحلال، والحرام، والسنن، والأحكام، تشددنا في الأسانيد، وإذا روينا عن النبي ﷺ في فضائل الأعمال، ومالايضع حكما، ولايرفعه تساهلنا في الأسانيد''.

کہ جب ہم رسول خدا ﷺ سے حلال وحرام، سنن اور احکام میں روایت کرتے ہیں تو اسانید کی جانچ پڑتال بڑی سختی سے کرتے ہیں، اور جب ہم رسالت مآب ﷺ سے فضائلِ اعمال میں یا ان امور میں جن کا تعلق نہ اثباتِ حکم سے ہے اور نہ اسقاطِ حکم سے، روایت کرتے ہیں تو ہم اس سندوں کی دیکھ بھال میں زیادہ اہتمام نہیں کرتے، اوراسی صفحہ پر آگے فرماتے ہیں:

''أبوزكريا العنبري يقول: الخبر إذا ورد لم يحرم حلالاً ولم يحل حراماً ولم يوجب حكماً وكان في ترغيب، أو ترهيب، أو تشديد، أو ترخيص، وجب الإغماض عنه، والتساهل في رواته.''

ابوزکریا عنبری فرماتے ہیں جب کوئی ایسی حدیث آئے، جو حلال کو حرام نہ قرار دے اور نہ حرام کو حلال کرے اور نہ کوئی حکم واجب کرے، اور وہ ترغیب وترہیب، یا نرمی اور سختی سے متعلق ہو تو ہم اس سے چشم پوشی کرتے ہیں، اوراس کے راویوں میں تشدد سے کام نہیں لیتے۔

(۱) احمد نام، ابوالحسین کنیت اور ابن راوندی عرف ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''احمد بن یحییٰ بن اسحٰق الراوندی''
یہ شخص پہلے معتزلی تھا پھر اور بھی آگے نکل گیا، عالم کو قدیم کہنے اور خالق کا قائل نہیں رہا، آخر میں بالکل دہریہ

اور اس سے اُس کی غرض محض شریعت کا مذاق اڑانا، اور دراصل اس حدیث: ''القرآن لِما قُرِئَ له وَماءُ زَمزَم لِما شُرِبَ لَهٗ '' قرآن اس لئے ہے کہ اس کو پڑھا جائے اور آب زمزم اس لئے ہے کہ اس کو پیا جائے، پر تعریض ہے، اہل علم نے کہا ہے کہ زندیقوں کی چودہ ہزار حدیثیں مشہور ہو چکی ہیں۔

ہو گیا تھا، شریعت پر بھی اعتراض کرتا تھا، بارہ کتابیں شریعت کے رد میں لکھی ہیں جس کا متکلمین نے منہ توڑ جواب لکھا تھا، ان میں سے ابن الخیاط کی کتاب "الانتصار" چھپ چکی ہے۔

حافظ ذہبیؒ "العبر" (۱/۴۳۹ طبع دار الکتب العلمیۃ) میں رقمطراز ہیں:

''كان يلازم الرفضة، والزنادقة، قال ابن الجوزي: كنت أسمع عنه بالعظائم، حتى رأيت في كتبه مالم يخطر على قلب أن يقوله عاقل، فمن كتبه: كتاب نعت الحكمة، وكتاب قضيب الذهب، وكتاب الزمردة، وقال ابن عقيل: عجبي كيف لم يقتل، وقد صنف الدامغ يدمغ به القرآن، والزمردة يزري به على النبوات''.

یہ رافضیوں اور زندیقوں کی صحبت میں رہتا تھا، ابن جوزی کا بیان ہے میں اس کے متعلق بڑی بڑی باتیں سنتا تھا، یہاں تک کہ میں نے اس کی کتابوں میں وہ باتیں دیکھیں جن کے متعلق کسی عقلمند آدمی کے دل میں ان باتوں کو زبان سے نکالنے کا کبھی خطرہ بھی نہیں گذر سکتا، اس کی کتابوں میں سے کتاب نعت الحکمت، کتاب قضیب الذہب اور کتاب الزمردہ ہیں، ابن عقیل کا قول ہے کہ مجھے اس پر تعجب ہے کہ وہ قتل کیوں نہیں کیا گیا، اس نے دامغ تصنیف کی جس سے قرآن کا معارضہ اور مقابلہ کیا اور زمردہ لکھی، جس سے نبوت پر (معاذ اللہ) عیب چینی کی ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ (المتوفی ۷۷۴ھ) ''البدایۃ والنہایۃ'' (۱۱/۱۱۲-۱۱۳) میں لکھتے ہیں:

''كان أبوه يهودياً فأظهر الإسلام، ويقال: إنه حرَّف التوراة، كما عادى ابنه القرآن بالقرآن، وألحد فيه، وصنف كتابا في الرد على الشريعة، والاعتراض عليها، سماه الزمردة ......وقد انتصب للرد على كتبه هذه جماعة، منهم: الشيخ أبو علي محمد بن عبد الوهاب الجبائي شيخ المعتزلة في زمانه، وقد أجاد، وكذلك ولده أبو هاشم عبد السلام بن أبي علي، قال الشيخ أبو علي: قرأت كتاب هذا الملحد الجاهل السفيه ابن الراوندي فلم أجد فيه إلا السفه والكذب والافتراء ...... وضع كتاباً لليهود والنصارى، وفضل دينهم على المسلمين والإسلام، يحتج لهم فيها على إبطال نبوة محمد ﷺ إلى غير ذلك من الكتب التي تبين خروجه عن الإسلام، نقل ذلك ابن الجوزي عنه ...... وهذا كثير موجود فيمن يدعي الإسلام، وهو منافق، يتمسخرون بالرسول ودينه وكتابه، وهؤلاء ممن قال الله تعالى فيهم: ﴿ولئن سألتهم ليقولن إنما كنا نخوض ونلعب، قل أبالله وآياته ورسوله كنتم تستهزؤن، لاتعتذروا قد كفرتم بعد إيمانكم﴾، الآية''.

۲- اور اہل بدعت اور خواہشات کے بندے محض اپنے مذہب کی نصرت اور مخالف کے مذہب پر طعن کرنے کے لیے اس عمل کے مُرتکب ہیں، اور رافضی، ناصبی اور کرامیہ (۱) اس عمل میں سب پر سبقت لے گئے ہیں، خارجی، معتزلہ اور زیدیہ تو پھر بھی اس اَمر قبیح کے اس قدر مرتکب نہیں ہوئے ہیں۔

۳- اہل علم کی ایک جماعت جسے علمِ حدیث سے مَس نہیں، اس نے جب یہ دیکھا کہ محدثین کو نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور ان کی بڑی تعظیم کی جاتی ہے، چاہا کہ خود بھی محدث بن بیٹھیں اس لئے یہ نازیبا

اس کا باپ یہودی تھا، پھر اس نے اسلام کا اظہار کیا، کہا جاتا ہے کہ اس نے تورات کی تحریف کی تھی، جس طرح اس کے فرزند نے قرآن کا قرآن کے ساتھ معارضہ کر کے دشمنی کا مظاہرہ کیا، اور اس میں الحاد سے کام لیا، ایک کتاب اس نے قرآن کے رد میں لکھی ہے، جس کا نام دامغ رکھا ہے، اور ایک کتاب شریعت کی تردید اور اس پر اعتراضات میں لکھی ہے جس کا نام زمردہ ہے، ایک جماعت اس کی کتابوں کی تردید کے لیے اٹھی، جن میں سے شیخ ابو علی محمد بن عبدالوہاب جبائی جو اپنے وقت میں معتزلہ کے امام تھے، اور اس طرح ان کے فرزند ابو ہاشم عبدالسلام بن ابی علی نے اِس سلسلہ میں خوب کام کیا، شیخ ابو علی کا بیان ہے کہ میں نے اس ملحد جاہل بے وقوف ابن الراوندی کی کتاب پڑھی اس میں بجز، حماقت، جھوٹ اور افتراء کچھ نہیں پایا، اس نے ایک کتاب یہود و نصاریٰ کے سلسلے میں لکھی اور ان کے دین کو اسلام اور مسلمانوں پر فضیلت دی، اور معاذ اللہ رسالت مآب ﷺ کی نبوت کے بطلان پر دلیلیں قائم کیں، اس کے علاوہ اور کتابیں ہیں جن سے اس کا دائرۂ اسلام سے خارج ہونا ثابت ہوتا ہے، جن کو ابن جوزیؒ نے نقل کیا ہے، اور یہ باتیں نام نہاد مدعیانِ اسلام میں بہت زیادہ پائی جاتی ہیں، حالانکہ وہ منافق ہیں، وہ رسول سے دینِ اسلام سے اور کتاب اللہ سے مذاق کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اگر تم ان سے پوچھو تو وہ کہیں گے ہم غور وخوض کرتے ہیں، اور اس کے ساتھ کھیلتے ہیں، آپ فرما دیجئے: کیا تم اللہ کے ساتھ اس کی آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ ٹھٹھا کرتے تھے، اب عذر تراشیاں نہ کرو، تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا تھا۔

۲۹۸ھ میں مرا، معتزلہ میں فرقۂ راوندیہ اسی کی طرف منسوب ہے۔

موصوف کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو: وفيات الأعيان: ۱/۳۳- ۳٤، البداية والنهاية: ۱۱/۱۱۲- ۱۱۳، المنتظم ۱۳/ ۱۰۸-۱۱۷، النجوم الزاهرة: ۳/۱۷۵ - ۱۷۷، مرآة الجنان: ۲/۱٤٤-۱٤٥ اور ۲۳۷- ۲۳۸، تاريخ الإسلام: ۵/۱۰۷۳.

(۱) کرامیہ، یہ فرقۂ ابو عبداللہ محمد بن کرام بن عراق سجزی (المتوفی ۲۵۵ھ) کی طرف منسوب ہے، ان کے عقائد کی تفصیل کے لیے دیکھو: کتاب الملل والنحل از علامہ عبدالکریم شہرستانی، اس طرح خوارج ومعتزلہ

اور ناشائستہ عمل اختیار کیا، جیسے ابوالبختری (۱) وہب بن وہب، سلیمان بن عمرو النخعی (۲)، ....

اور زیدیہ کے مسلک و مذہب کو سمجھنے کے لیے کتاب مذکور مفید ہے۔

(۱) وہب نام اور ابوالبختری کنیت ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''وہب بن وہب بن کثیر بن عبداللہ بن زمعۃ الاسود القرشی۔'' موصوف ہشام بن عروۃ اور جعفر بن محمد سے راوی ہیں، بغداد میں قیام تھا، بڑے سخی تھے، پہلے خلیفہ مہدی کے لشکر کے قاضی مقرر ہوئے، پھر بغداد میں عہدۂ قضا ان کے سپرد ہوا، اور اس کے حرم سرا کے امام ہو گئے۔

حافظ شمس الدین ذہبیؒ ''العبر'' (۱/۳۳۴) میں لکھتے ہیں:

''القاضي أبو البختري وهب بن وهب القرشي المدني ببغداد، وكان جواداً محتشماً، روى عن هشام بن عروة، وطائفة، واتهم بالكذب''.

قاضیِ بغداد ابوالبختری وہب بن وہب قرشی مدنی بڑے سخی اور حیا دار عالم تھے، ہشام بن عروہ اور ایک جماعت سے راوی ہیں، اور دروغ بیانی سے متہم ہیں۔

اس طرح میزان الاعتدال (۳/۲۷۸ھ) میں ان کے متعلق لکھا ہے: ''ولكنه متهم في الحديث'' لیکن وہ حدیث میں متہم ہیں۔

تاریخ الإسلام (۴/۱۲۵۹-۱۲۶۰) میں حافظ ذہبیؒ نے لکھا ہے:

''قال يحيى بن معين: كان عدو الله، يكذب على رسول الله ﷺ، وقال عثمان بن أبي شيبة: أرى أنه يبعث يوم القيامة دجالاً ...... قال حنبل: سمعت أبا عبد الله يقول: ما أشك في كذب أبي البختري، أنه يضع الحديث، وقال الكوسج: قال أحمد بن حنبل: أبو البختري أكذب الناس، وقال أبو زرعة وغيره: كذاب.''

یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ اللہ کا دشمن تھا، حضور ﷺ پر جھوٹ باندھتا ہے، عثمان بن ابی شیبہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن ان کو دجال بنا کر اٹھایا جائے گا، ...... امام احمد بن حنبل کہتے ہیں: کہ میں نے ابوعبداللہ کو فرماتے ہوئے سنا مجھے ابو البختری کے جھوٹ میں شک نہیں، وہ حدیث گھڑتا ہے، کوسج کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ ابوالبختری سب سے جھوٹا ہے، اور ابوزرعہ وغیرہ کہتے ہیں کہ جھوٹا ہے۔

۲۰۰ھ میں انتقال ہوا۔ ملاحظہ ہو: المنتظم: ۱۰/۸۹،

(۲) ابوداؤد سلیمان بن عمرو نخعی، یہ امام احمد بن حنبلؒ کا معاصر تھا، ابن حبان کا بیان ہے:

''كان رجلاً صالحاً في الظاهر إلّا أنه كان يضع الحديث وضعاً وكان قدرياً'' (میزان الاعتدال: ۱/۴۲)

ظاہر میں وہ نیک آدمی تھا مگر حدیث وضع کرتا تھا، اور قدری مسلک تھا۔

حسین بن علوان (۱)، ....

حاکم نیشاپوری فرماتے ہیں:

"لست أشك في وضعه الحديث على تقشفه و كثرة عبادته." (ميزان الاعتدال:۱/۴۲۰)

اس کی کثرتِ عبادت اور زہد کے باوجود مجھے اس کے حدیث وضع کرنے میں شک نہیں ہے۔

موصوف کے متعلق خطیب بغدادی رقمطراز ہیں:

• "روى عن أبي طوالة، وعبد الملك بن عمير، وإسحق بن عبد الله بن أبي طلحة، والمختار بن فلفل وغيرهم، وعنه آدم بن أبي أياس، ويحيى بن أيوب المقابري، وعباد بن يعقوب، والمسيب بن واضح، وطائفة، قال أبو معمر الهذلي: كان بشر المريسي قد أخذ رأي جهم من أبي داود النخعي، وكان أبو داود كذابا، قلتُ: كان وَقِحاً، جريئاً، قدرياً من الخير بريا، قال علي ابن المديني: كان من الدجالين، وقال يحيى بن مَعين: هو كذاب النخع، وقال البخاري: معروف بالكذب، قاله قتيبة وإسحق، وقال أحمد بن حنبل: كذاب، وروى عباس عن يحيى قال: وأبو داود النخعي رجل سوء كذاب، خبيث، قدريّ، لم يكن ببغداد رجل إلا وهو خير من النخعي، كان يضع الحديث، سمعته يقول: سمعت خُصيفاً وخصّافاً ومخصفاً، كان أكذب الناس". (تاريخ بغداد:۹/۱۵-۲۱)

موصوف نے ابوطوالہ، عبدالملک بن عمیر، اسحٰق بن عبداللہ بن ابی طلحہ اور مختار بن فلفل وغیرہ سے روایت کی ہے، اوران سے آدم بن ابی ایاس، یحیٰی بن ایوب مقابری، عباد بن یعقوب اور مسیب بن واضح اور ایک جماعت نے اس سے روایت کی ہے، ابومعمر ہذلی کہتے ہیں کہ بشر مریسی نے جہم کی رائے ابوداؤد نخعی سے لی ہے، اور ابوداؤد کذاب تھا، میں کہتا ہوں کہ موصوف بے حیا، جری، قدری اور خیر سے بری ہے، علی بن المدینی فرماتے ہیں کہ: موصوف دجالین میں سے ہیں، اور یحیٰی بن معین کہتے ہیں کہ وہ نخع کے کذاب ہیں، اور امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ وہ جھوٹ کی تہمت سے مشہور ہیں، یہی قتیبہ اور اسحٰق بھی کہتے ہیں، اور احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ کذاب ہیں، اور عباس نے یحیٰی سے نقل کیا ہے کہ ابوداؤد نخعی برا آدمی ہے، کذاب، خبیث اور قدری ہے، بغداد میں کوئی آدمی نہیں مگر وہ نخعی سے بہتر ہے، وہ حدیث گھڑتا تھا، میں نے ان کو فرماتے سنا کہ میں نے خصیف خصاف اور مخصف سے سنا، وہ لوگوں میں سب سے بڑا جھوٹا ہے۔

(۱) حسین بن علوان کلبی، متروک الحدیث ہے، ابن حبان فرماتے ہیں:

"كان يضع الحديث على هشام وغيره وضعاً لايحل كتب حديثه إلا على جهة التعجب"

(ميزان الاعتدال:۱/۲۵۴)

اور اسحٰق بن نجیح (۱) وغیرہ اور اس جماعت کے بیشتر علماء وعظ ونصیحت میں مشغول رہے۔

۴- ایک اور فرقہ جو زہد وعبادت اور دیانت میں مشہور تھا، انہوں نے خواب میں یا کسی معاملہ میں رسول اللہ ﷺ سے یا ائمہ اطہار سے کوئی بات سنی، تو انہوں نے اپنے خواب یا معاملہ پر یقین اور اعتماد کرتے ہوئے اس بات کو مبہم روایت کیا، اور لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ واقعی حدیث ہے جو از راہِ ظاہر ان تک پہنچی ہے، چنانچہ ابوعبدالرحمٰن سُلَمی (۲) اور دوسرے

وہ ہشام وغیرہ کی نسبت حدیث وضع کرتا تھا، اس کی حدیث کو بس انوکھی بات کی حیثیت پر لکھنا حلال ہے۔

علامہ ذہبیؒ موصوف کے متعلق لکھتے ہیں:

''وهو كذاب ......سُئِل ابن معين عن هذا، فقال: كذاب، وقال صالح جزرة: كان يضع الحديث، قلت توفي بعد المائتين لا بل في حدود بضع عشرة ومائتين؛ فإن أبا حاتم الرازي سمع منه وقال: ضعيف متروك.'' (تاريخ الإسلام: ۵/۵۳، لسان الميزان: ۲/۲۹۹)

موصوف کذاب ہے، ابن معین سے ان کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ کذاب ہے، اور صالح جزرۃ کہتے ہیں کہ حدیث گھڑتا ہے، میں کہتا ہوں کہ ۲۱۰ھ کے بعد موصوف کا انتقال ہوا، کیونکہ ابوحاتم نے ان سے سماع کیا، اور فرمایا کہ ضعیف متروک ہیں۔

(۱) ابوصالح اسحٰق بن نجیح ملطی، اس کے متعلق امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے: ''هو أكذب الناس'' وہ سب لوگوں سے زیادہ جھوٹا ہے۔

اور یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: ''معروف بالكذب، ووضع الحديث'' (ميزان الاعتدال: ۱/۹۴)

وہ جھوٹ اور وضعِ حدیث میں مشہور ہے۔

علامہ ذہبیؒ ''تاريخ الإسلام'' (۴/۱۰۶۹) میں رقمطراز ہیں:

''عن هشام بن حسان، وابن جريج، وجماعة، وعنه سويدبن سعيد، وعلي بن حجر، قال ابن معين: كذاب، عدوّ الله، وقال أبو حاتم بن حبان: هو دجال من الدجاجلة، وقال الفلاس: يضع الحديث''.

یہ ہشام بن حسان، ابن جریج، اور محدثین کی ایک جماعت سے روایت کرتا ہے، اور ان سے سوید بن سعید، اور علی بن حجر راوی ہیں، ابن معین کہتے ہیں کہ کذاب ہے، اللہ کا دشمن ہے، اور ابوحاتم بن حبان کہتے ہیں: دجالوں میں سے ایک دجال ہے، اور فلاس کہتے ہیں کہ احادیث گھڑتا ہے۔

(۲) نام ونسب:

محمد نام اور ابوعبدالرحمٰن کنیت ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: ''محمد بن الحسين بن محمد بن موسىٰ السلمي النيسابوري''.

صوفیوں کو جو حدیث کا ذوق نہ رکھتے تھے، اس عیب سے متہم کیا گیا ہے، اور ان کی روایت کو نا قابل اعتبار قرار دیا گیا ہے۔

۵- دوسرا فرقہ خلفاء، ملوک اور امراء کے ان مصاحبین کا ہے جنھوں نے محض ان کی دلجوئی کے لیے حدیثیں گھڑیں اور دین کو دُنیا کے بدلے بیچا۔

٦- ایک فرقہ نے بغیر ارادہ بھی حدیثیں وضع کی ہیں، جس کی صورت یہ ہوئی کہ انہوں نے غفلت اور توہم کی وجہ سے کسی صاحبِ تجربہ شخص یا صوفی یا قدیم حکماء میں سے کسی حکیم کا کوئی کلام سنا اور اس کو پیغمبر علیہ السلام سے منسوب کر دیا، صرف اس خیال سے کہ ایسا حکیمانہ کلام اور ایسی حکمت کی بات پیغمبر علیہ السلام کے سوا اور کسی کی نہیں ہو سکتی، اس فرقہ کی کوئی حد و نہایت نہیں ہے، اکثر عوام اسی مرض میں مبتلا ہیں، اور اللہ ہی توفیق دینے والا اور بچانے والا ہے۔

اب اِس رسالہ میں جو کچھ ذکر ہوا ہے وہ بطور نمونہ کافی ہے، ورنہ اِن مطالب کی تفصیل کے لیے تو ایک دفتر درکار ہے، اور بفضلہٖ تعالیٰ اس علم کی اکثر ضروریات ہر طرف اور ہر ملک میں پائی جاتی ہیں۔ ملکۂ صحیح و سقیم میں تمیز، ذہن کی استقامت، طبیعت کی سلامتی نیز خطا کی طرف مائل نہ ہونا اور ادنیٰ تنبیہ سے راہِ ثواب کو اختیار کرنا، ایک بڑی نعمت ہے، حق تعالیٰ ہم کو اور برادر موصوف کو ان امور سے بہرہ مند فرمائے ورنہ علم اور موادِ علم بہت ہے، اور جو کمیاب ہیں

ولادت، تعلیم و تربیت:

سلمی ۳۲۰ھ میں پیدا ہوئے، مرو، نیشا پور، عراق اور حجاز میں حدیث وغیرہ کی تحصیل کی، اصم اور اس طبقہ کے محدثین سے راوی ہیں، اور ان سے ازہری، عشاری اور بیہقی وغیرہ روایت کرتے ہیں، ابن الجوزی فرماتے ہیں:

''موصوف نے ایک تفسیر لکھی ہے جس میں صوفیانہ نقطۂ نگاہ سے قرآن کی تفسیر کی ہے۔''

سلمی نے صوفیہ کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام "طبقات الصوفية" ہے، یہ قاہرہ سے شائع ہوئی ہے، یہی کتاب "نفحات الأنس" جامی کا ماخذ ہے، امام دار قطنیؒ کا بیان ہے: ''كان يضع الأحاديث للصوفية'' (ميزان الاعتدال: ۴٦/۳) یعنی یہ صوفیہ کی مفید مطلب حدیثیں وضع کرتے تھے، حافظ ابن کثیرؒ نے بحوالہ خطیب، محمد بن یوسف قطان سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''لم يكن بثقة، ولم يكن سمع من الأصم شيئاً كثيراً'' (البداية والنهاية: ۱۲/۱۲) یہ ثقہ نہیں اور نہ انہوں نے اصم سے کچھ زیادہ سنا ہے۔

علامہ ذہبیؒ ''تاريخ الإسلام'' (۲۱۰/۹) میں رقمطراز ہیں:

''قال الخطيب في تاريخه: قال لي محمد بن يوسف النيسابوري القطان: كان السلمي غير ثقة، وكان يضع للصوفية، قال الخطيب: قدر أبي عبد الرحمن عند أهل بلده جليل، وكان مع ذلك مجوداً صاحب حديث''.

وہ یہی امور ہیں۔ شعر:

چہ خوش گفت دانا کہ دانش بسے است ولیکن پراگندہ باہر کسے است

کسی عقلمند نے کیا خوب کہا ہے کہ علم بہت ہے، لیکن ہر ایک کے پاس الگ الگ پھیلا ہوا ہے۔

☆......☆......☆

خطیب اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں کہ مجھے محمد بن یوسف نیشاپوری قطان نے کہا کہ سلمی ثقہ نہیں ہیں، اور صوفیہ کے فضائل ومناقب میں احادیث گھڑتے ہیں، خطیب فرماتے ہیں کہ ابوعبدالرحمٰن اپنے شہر والوں کی نظر میں بہت جلیل القدر صوفی تھے، اور اس کے باوجود تجوید کے استاد اور صاحبِ حدیث تھے۔

وفات:

بروز اتوار ۳ر شعبان ۴۱۲ھ/۱۲ نومبر ۱۰۲۱ء میں انتقال ہوا، اور نیشاپور میں اپنی خانقاہ میں سپردِ خاک کئے گئے۔

(المنتظم: ۱۵/۱۵۰)

☆......☆......☆

مراجع وماخذ

۱ آپ بیتی: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ (۱۴۰۲ھ) مکتبۃ الحرمین، لاہور

۲ آثار الصنادید: سرسید احمد خان (۱۳۱۵ھ) نولکشور لکھنؤ ۱۸۷۶ء ونامی کانپور ۱۹۰۴ء

۳ ابجد العلوم: نواب صدیق حسن خان (۱۳۰۷ھ)، صدیقی بھوپال ۱۲۹۵ھ

۴ ابراز الغی الواقع فی شفاء العیّ الملقب بہ حفظ اہل الانصاف عن مسامحات مؤلفہ الحطۃ والاتحاف: عبدالحی فرنگ محلی (۱۳۰۴ھ) انوار محمدی لکھنؤ ۱۳۰۱ھ

۵ ابن تیمیۃ: محمد ابوزہرہ، دار الفکر العربی، قاہرہ ۱۹۵۸ء

۶ ابن حزم: محمد ابوزہرہ، مخیمر قاہرہ ۱۳۷۳ھ

۷ اتحاف السادۃ المتقین: بشرح اسرار احیاء علوم الدین للغزالی: سید مرتضٰی الزبیدی (۱۲۰۵ھ) المیمنیہ قاہرہ ۱۳۱۱ھ

۸ اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہاء المحدثین: نواب صدیق حسن خان (۱۳۰۷ھ) نظامی کانپور ۱۲۸۸ھ

۹ الاتقان فی علوم القرآن: السیوطی (۹۱۱ھ) مصطفٰی البابی قاہرہ ۱۳۷۰ھ

۱۰ اخبار الاخیار مع المکاتیب والرسائل الی ارباب الکمال والفضائل (برحواشی): شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) مجتبائی دہلی ۱۳۳۲ھ

۱۱ ادب الاملاء والاستملاء: عبدالکریم سمعانی (۵۶۲ھ) بریل لیڈن ۱۹۵۲ء

۱۲ الأدب المفرد: الامام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ (۲۶۵ھ) دار الکتب العلمیۃ، بیروت

ارشاد الاریب الی معرفۃ الادیب = معجم الادباء

۱۳ الارشاد الی مہمات الاسناد: شاہ ولی اللہ دہلویؒ (۱۱۷۶ھ)، احمدی دہلی

۱۴ استقصاء الافحام والاستیفاء الانتقام فی رد منتہی الکلام: حامد حسین کنتوری (۱۳۰۶ھ) مجمع البحرین لدھیانہ ۱۲۷۶ھ

۱۵ اشعۃ اللمعات: شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ)، محمدی بمبئی ۱۲۷۹ھ

۱۶ اصلاح کتاب ابن الصلاح: حافظ علاء الدین مغلطائیؒ (۷۶۲ھ) مکتبہ اسلامیہ

۱۷ اصول توارث، مولانا محمود حسن خان (۱۳۶۶ھ)، ط: اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن

الإعلام بمن فی تاریخ الہند من الأعلام = نزہۃ الخواطر: علامہ عبدالحی الحسنیؒ (۱۳۴۱ھ)، دار ابن حزم، بیروت، ۱۴۲۰ھ

۱۸ اعلام النبلاء بتاریخ حلب الشہباء: محمد راغب الطباخ (۱۳۷۰ھ) العلمیہ حلب ۱۳۴۲ھ

۱۹ الاعلام والاہتمام بجمع فتاوی شیخ الاسلام: زکریا الانصاری (۹۲۵ھ) الترقی دمشق ۱۳۵۵ھ

۲۰ الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ: مولانا اشرف علی تھانوی (۱۳۶۲ھ)، اشرف المطابع تھانہ بھون ۱۹۴۱ء وادارۂ اشرفیہ کراچی ۱۳۷۷ھ

۲۱ الاکسیر فی اصول التفسیر: نواب صدیق حسن خان (۱۳۰۷ھ) نظامی کانپور ۱۲۹۰ھ

۲۲ امالی کتاب صحیح مسلم للعلامۃ السید انور شاہ الکشمیری: مرتبہ مولانا مناظر احسن گیلانی (۱۹۵۶ء) قلمی مملوکہ فضل احمد (۱۹۶۳ء)

۲۳ امام ابن ماجہ اور علم حدیث: محمد عبدالرشید نعمانی (۱۴۱۹ھ)، نور محمد کراچی ۱۹۵۷ھ

۲۴ امام ابوالحسن کبیر سندھی: محمد عبدالرشید نعمانی (۱۴۱۹ھ)، مقالہ - پاکستان ہسٹری کانفرنس ۱۹۶۱ء

۲۵ الامام ابن ماجہ وکتابہ السنن: محمد عبدالرشید نعمانی (۱۴۱۹ھ) الرحیم اکیڈمی

۲۷ امانی الاحبار فی شرح معانی الآثار للطحاوی: مولانا محمد یوسف دہلویؒ، الجمعیۃ پریس دہلی ۱۳۷۹ھ

۲۸ الامم لایقاظ الہمم: شیخ ابراہیم کردی (۱۱۰۱ھ) قلمی در کتب خانہ پیر جھنڈو (وہب اللہ)

۲۹ إنباہ الرواۃ علی انباہ النحاۃ: القفطی (۶۴۶ھ)، دار الکتب المصریہ قاہرہ ۱۳۷۴ھ

۳۰ الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ واسانید وارثی رسول اللہ ﷺ: شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۱۷۶ھ)، در کتب خانہ مولانا محمد عبدالرشید نعمانی (۱۴۱۹ھ)

۳۱ الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الائمۃ الفقہاء: ابن عبدالبر (۴۶۳ھ) القدسی قاہرہ ۱۳۵۰ھ

۳۲ انسان العین فی مشائخ الحرمین: شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۱۷۶ھ) احمدی دہلی

۳۳ الانس الجلیل بتاریخ القدس والخلیل: ابوالیمن عبدالرحمٰن بن محمد بن مجیر الدین حنبلی (۹۲۷ھ)، الوہبیہ قاہرہ ۱۲۸۳ھ

۳۴ انفاس العارفین: شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۱۷۶ھ)، احمدی دہلی، ۱۳۱۵ھ

۳۵ اوجز المسالک الی موطأ مالک (مقدمہ): مولانا محمد زکریا، یحیویہ سہارنپور ۱۳۴۸ھ

....

۳۶ بادشاہ نامہ: عبدالحمید لاہوری (۱۰۶۵ھ)، کلکتہ ۱۸۶۷ھ

۳۷ الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث: ابن کثیر (۷۷۶ھ) محمد علی صبیح قاہرہ ۱۳۷۷ھ

۳۸ بدائع الزہور فی وقائع الدہور: ابن ایاس (۹۳۰ھ)، الامیریہ قاہرہ ۱۳۱۱ھ

۳۹ البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ: ابن کثیر (۷۷۶ھ) السعادۃ قاہرہ ۱۳۵۱ھ

۴۰ البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع: الشوکانی (۱۲۵۰ھ) السعادہ ۱۳۴۸ھ

۴۱ بستان المحدثین فی تذکرۃ کتب الحدیث والمحدثین: شاہ عبدالعزیز دہلوی (۱۲۳۹ھ) نصرت المطابع دہلی ۱۲۹۳ھ

۴۲ بغیۃ الملتمس فی تاریخ رجال اہل الاندلس: ابن عمیرۃ الضبی (۵۹۹ھ)، میڈریڈ ۱۸۸۴ء

۴۳ بغیۃ الوعاۃ فی طبقات اللغویین والنحاۃ: السیوطی (۹۱۱ھ)، السعادہ قاہرہ ۱۳۲۶ھ

....

۴۴ تاج التراجم فی طبقات الحنفیہ: ابن قطلو بغا (۸۷۹ھ)، العانی بغداد ۱۹۶۲ء

۴۵ تاج العروس من جواہر القاموس: محمد مرتضیٰ الزبیدی (۱۲۰۵ھ)، الخیریۃ قاہرہ ۱۳۰۶ھ

۴۶ تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ: جرجی زیدان (۱۹۱۴ء)، دارالہلال قاہرہ ۱۹۵۷ء

تاریخ ابن ایاس = بدائع الزہور فی وقائع الدہور

تاریخ ابن خلکان = وفیات الاعیان

تاریخ ابن الفرضی = تاریخ العلماء والرواۃ للعلم بالاندلس

تاریخ ابن الفداء = المختصر فی اخبار البشر

تاریخ الاسلام: الذہبی

۴۷ تاریخ بغداد: الخطیب البغدادی (۴۶۳ھ)، السعادۃ قاہرہ ۱۳۴۹ھ

تاریخ الجبرتی = عجائب الآثار فی التراجم والاخبار

۴۸ تاریخ الحکماء: القفطی (۶۴۶ھ) لیزگ ۱۹۰۳ء

۴۹ تاریخ الخط العربی وآدابہ: محمد طاہر الکردی، التجاریۃ الحدیثۃ قاہرہ ۱۳۵۸ھ

۵۰ تاریخ علماء بغداد، المسمی منتخب المختار لمحمد بن رافع السلامی: انتخبہ التقی الفاسی المکی (۸۳۲ھ) الاہالی بغداد ۱۳۵۷ھ

۵۱ تاریخ العلماء والرواۃ للعلم بالاندلس: ابن الفرضی (۴۰۳ھ) السعادۃ قاہرہ ۱۳۷۳ھ

۵۲ تاریخ قضاۃ الاندلس: النباہی (بعد ۷۹۳) الکاتب المصری قاہرہ ۱۹۴۸ھ

تاریخ المرادی = سلک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر

تاریخ مصر لابن ایاس = برائع الزہور فی وقائع الدہور

تالیف قلب الالیف بکتابۃ فہرست التوالیف = تذکرۂ مصنفین دہلی

۵۳ تانیب الخطیب علی ماساقہ فی ترجمۃ ابی حنیفۃ من الاکاذیب: محمد زاہد الکوثری (۱۳۷۱ھ) الانوار قاہرہ ۱۳۶۱ھ

۵۴ تبیین کذب المفتری فیما نسب الی الامام ابی الحسن الاشعری: ابن عساکر (۵۷۱ھ) التوفیق دمشق ۱۳۴۷ھ

۵۵ تحفۃ ذوی الارب فی مشکل الاسماء والنسب: ابن خطیب الدہشۃ (۸۳۴ھ) بریل لیڈن ۱۹۰۵ء
۵۶ تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی: السیوطی (۹۱۱ھ) الخیریۃ قاہرہ ۱۳۰۷ھ، مکتبہ قاہرہ ۱۳۷۹ھ
۵۷ تذکرۃ الحفاظ: الذہبی (۷۴۸ھ) دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۷۵ھ
۵۸ تذکرۃ الراشد برد تبصرۃ الناقد الملقب بظفر المنیۃ بذکر اغلاط صاحب الحطہ: عبدالحی فرنگ محلی (۱۳۰۴ھ) انوار محمدی لکھنؤ، ۱۳۰۱ھ
۵۹ تذکرۂ شیخ عبدالحق: سید احمد قادری، آزاد پریس پٹنہ ۱۳۷۰ھ
۶۰ تذکرہ علماء ہند: مولوی رحمان علی، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی، ۱۹۶۱ء
۶۱ تذکرہ قاریان ہند: مرزا بسم اللہ بیگ، میر محمد کتب خانہ کراچی
۶۲ تذکرۂ مصنفین دہلی: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، (۱۰۵۲ھ)، حیدرآباد دکن ۱۹۳۰ء
۶۳ تذکرۃ الموضوعات: محمد طاہر الفتنی (۹۸۶ھ) الشرق قاہرہ ۱۳۴۳ھ
۶۴ التراتیب الاداریۃ والعمالات والصناعات والمتاجر والحالۃ العلمیۃ التی کانت علی عہد تاسیس المدینۃ الاسلامیۃ فی المدینۃ المنورۃ العلیۃ: عبدالحی الکتانی (۱۳۸۱ھ) الاہلیۃ رباط ۱۳۴۶ھ
تراجم رجال القرنین السادس والسابع = الذیل علی الروضتین
۶۵ تزک جہانگیری: سلطان نورالدین محمد جہانگیر (۱۰۳۶ھ) نولکشور لکھنؤ
۶۶ تزیین الممالک بمناقب الامام مالک: السیوطی (۹۱۱ھ) الخیریۃ قاہرہ ۱۳۲۵ھ
۶۷ تعجیل المنفعۃ بزوائد رجال الائمۃ الاربعۃ: ابن حجر العسقلانی (۸۵۲ھ) دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱۳۲۴ھ
التعلیقات السنیۃ علی الفوائد البہیۃ = الفوائد البہیۃ
۶۸ التعلیق الممجد علی موطأ محمد: عبدالحی لکھنوی (۱۳۰۴ھ) نور محمد کراچی ۱۹۶۳ء
۶۹ تقصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار: نواب صدیق حسن خان (۱۳۰۷ھ) شاہجہانی بھوپال (۱۲۹۸ھ)
۷۰ التقیید والایضاح لما اطلق واغلق من مقدمۃ ابن الصلاح: حافظ العراقی (۸۰۶ھ) العلمیہ حلب ۱۳۵۰ھ
۷۱ تکملہ فتح الملہم: مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم، ط: مکتبہ دارالعلوم کراچی (۱۴۲۴ھ)
۷۲ التکملۃ لکتاب الصلۃ: ابن الابار (۶۵۹ھ) الخانجی قاہرہ ۱۳۷۵ھ
۷۳ تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاخبار الشنیعۃ الموضوعۃ: ابن عراق (۹۶۳ھ) عاطف قاہرہ ۱۳۷۸ھ
۷۴ توجیہ النظر الی اصول علم الاثر: طاہر الجزائری (۱۳۳۸ھ) الجمالیہ قاہرہ ۱۳۲۸ھ
۷۵ تہذیب الاسماء واللغات: النووی (۶۷۶ھ، ۶۷۷ھ)، المنیریہ قاہرہ

۷۶ تہذیب التہذیب: ابن حجر العسقلانی (۸۵۲ھ)، دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۳۲۵ھ

....

۷۷ ثبت الشیخ نجم الدین الغیطی، قلمی در کتب خانہ پیر جھنڈو وہب اللہ
الثغر البسام فی ذکر من ولی قضاء الشام = قضاہ دمشق
الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند = معارف العوارف فی انواع العلوم والمعارف

....

۷۸ جامع العلوم والحکم فی شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم: ابن رجب (۷۹۵ھ) مصطفی البابی قاہرہ ۱۳۸۲ھ
۷۹ جذوۃ المقتبس فی ذکر ولاۃ الاندلس: الحمیدی (۴۸۸ھ) السعادۃ قاہرہ ۱۳۷۲ھ
۸۰ الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف: شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ)، احمدی دہلی
۸۱ الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ: عبد القادر القرشی (۷۷۵ھ)، دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن ۱۳۳۲ھ

....

۸۲ الحاوی فی سیرۃ الامام ابی جعفر الطحاوی: محمد زاہد الکوثری (۱۳۷۱ھ) الانوار قاہرہ ۱۳۶۸ھ
۸۳ حدائق الحنفیہ: فقیر محمد جہلمی، نول کشور لکھنؤ ۱۳۲۴ھ
۸۴ حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر والقاہرۃ: السیوطی (۹۱۱ھ) ادارۃ الوطن قاہرہ ۱۲۹۹ھ
۸۵ حصر الشارد فی اسانید الشیخ محمد عابد: ملا محمد عابد سندی (۱۲۵۷ھ) قلمی در کتب خانہ پیر جھنڈو، وہب اللہ
۸۶ الحطۃ بذکر الصحاح الستۃ: نواب صدیق حسن خان (۱۳۰۷ھ) السعادۃ قاہرہ ۱۳۵۱ھ، نظامی کانپور ۱۲۸۳ھ
۸۷ حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء: ابونعیم اصبہانی (۴۳۰ھ) السعادہ قاہرہ ۱۳۵۱ھ
۸۸ حیات امام ابن الجزری = قول متین ترجمہ حصن حصین (مقدمہ)
۸۹ حیاۃ البخاری: جمال الدین القاسمی (۱۳۳۲ھ) صیدا ۱۳۳۰ھ
۹۰ حیات حافظ ابن حجر عسقلانی (مقدمہ بلوغ المرام مترجم): مولانا محمد عبد الرشید نعمانی، نور محمد کراچی ۱۹۵۴ء
۹۱ حیات شاہ محمد اسحاق: حکیم محمود احمد برکاتی، ابو الخیر اکاڈمی، دہلی ۱۴۱۲ھ
۹۲ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی: خلیق احمد نظامی، خواجہ برقی پریس دہلی ۱۳۷۳ھ
۹۳ حیاتِ مالک: سید سلیمان ندوی (۱۳۷۳ھ) مشہور پریس کراچی ۱۳۷۱ھ
۹۴ حیاتِ ولی: محمد رحیم بخش دہلوی: افضل المطابع دہلی ۱۳۱۹ھ
۹۵ خزینۃ الاصفیاء: غلام سرور لاہوری، نول کشور لکھنؤ ۱۹۱۴ء

۹۶ الخطیب البغدادی مؤرخ بغداد ومحدثہا: یوسف العش، الترقی دمشق ۱۳۶۴ھ
۹۷ خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر: محبی (۱۱۱۱ھ)، الوہبیہ قاہرہ ۱۲۸۴ھ
۹۸ خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال: الخزرجی (۹۳۳ھ) المیریۃ قاہرہ ۱۳۰۱ھ

....

۹۹ الدارس فی تاریخ المدارس: النعیمی (۹۲۷ھ) الترقی دمشق ۱۳۶۷ھ
۱۰۰ الدرر الکامنۃ فی اعیان المائۃ الثامنۃ: ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ)
۱۰۱ الدیباج المذہب فی معرفۃ اعیان علماء المذہب: ابن فرحون (۷۹۹ھ) وبہامشہ نیل الابتہاج بتطریز الدیباج: بابا التنبکتی (۱۰۳۲ھ) المعاہد قاہرہ ۱۳۵۱ھ

....

۱۰۲ ذب ذبابات الدراسات عن المذاہب الاربعۃ المتناسبات: عبداللطیف ٹھٹھوی (۱۱۸۹ھ) العرب کراچی ۱۳۷۹ھ
۱۰۳ ذیل تذکرۃ الحفاظ للذہبی: ابوالمحاسن حسینی (۷۶۵ھ) ویلیہ لحظ الالحاظ بذیل طبقات الحفاظ: تقی الدین ابن فہد (۸۷۱ھ) ویتلوہ ذیل طبقات الحفاظ للذہبی: سیوطی (۹۱۱ھ) التوفیق دمشق ۱۳۴۷ھ
ذیل طبقات الحفاظ للسیوطی = ذیل تذکرۃ الحفاظ
۱۰۴ الذیل علی الروضتین: ابوشامۃ (۶۶۵ھ) قاہرہ ۱۳۶۶ھ

....

۱۰۵ الرحلۃ العیاشیۃ: ابوسالم مغربی (۱۰۹۰ھ) فاس ۱۳۱۶ھ
الرحیق المختوم من تراجم ائمۃ العلوم = ابجد العلوم
۱۰۶ الرد علی البکری: ابن تیمیۃ (۷۲۸ھ) سلفیہ قاہرہ ۱۳۴۶ھ
۱۰۷ رد المحتار علی الدر المختار شرح تنویر الابصار: ابن عابدین (۱۲۵۲ھ) الامیریہ بولاق ۱۳۲۳ھ
۱۰۸ رسالۃ ابی داؤد السجستانی فی وصف تالیفہ لکتاب السنن، قاہرہ ۱۳۶۹ھ
۱۰۹ الرسالۃ المستطرفۃ لبیان مشہور کتب السنۃ المشرفۃ: محمد بن جعفر کتانی (۱۳۴۵ھ)، نور محمد کراچی ۱۳۷۹ھ
۱۱۰ رفع الاصر عن قضاۃ مصر: ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) الامیریہ قاہرہ ۱۹۵۷ء
۱۱۱ روضات الجنات فی احوال العلماء والسادات: خوانساری (۱۳۱۳ھ)، طہران ۱۳۶۷ھ
۱۱۲ الروض الانف فی تفسیر ما اشتمل علیہ حدیث السیرۃ النبویۃ لابن ہشام: سہیلی (۵۸۱ھ) الجمالیہ قاہرہ ۱۳۳۲ھ
۱۱۳ روضۃ الصفا فی سیرۃ الانبیاء والملوک والخلفاء: میر اخوند (۹۰۳ھ) بمبئی ۱۲۶۶ھ

۱۱۴ الریاض المستطابۃ فی جملۃ من روی فی الصحیحین من الصحابۃ: یحیٰ بن ابی بکر یمنی (۸۹۳ھ) شاہجہانی بھوپال ۱۳۰۳ھ

۱۱۵ ریحانۃ الالباء وزہرۃ الحیاۃ الدنیا: خفاجی (۱۰۶۹ھ) مصر ۱۲۹۴ھ

....

۱۱۶ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان: غلام علی آزاد بلگرامی (۱۲۰۰ھ) بمبئی ۱۳۰۳ھ

۱۱۷ سبک شناسی تاریخ تطور نثر فارسی: شادروان محمد تقی بہار، طہران ۱۳۳۷ھ

۱۱۷ سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد: محمد بن یوسف شامی (۹۴۲ھ) قلمی در کتب خانہ پیر جھنڈو (وہب اللہ)

۱۱۸ سلافۃ العصر فی محاسن الشعراء بکل مصر: ابن معصوم، قاہرہ ۱۳۲۴ھ

۱۱۹ سلک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر: مرادی (۱۲۰۶ھ)، المیریہ بولاق ۱۳۰۱ھ

۱۲۰ سمط النجوم العوالی فی ابناء الاوائل والتوالی: عبد الملک عصامی (۱۱۱۱ھ) السّلفیہ قاہرہ ۱۹۳۷ء

۱۲۱ سیر اعلام النبلاء الذہبی (۷۴۸ھ) موسسۃ الرسالۃ

سیرت شامیہ = سبل الہدیٰ والرشاد الخ

۱۲۲ السیف الصقیل فی الرد علی ابن زفیل: محمد زاہد کوثری (۱۳۷۱ھ) السعادہ قاہرہ ۱۹۳۷ء

۱۲۳ شاہ ولی اللہؒ اوران کے اصحاب: حکیم محمود احمد برکاتی، ادارہ یادگار غالب، کراچی، ۲۰۰۴ء

۱۲۴ شد الازار فی حط الاوزار عن زوّار المزار: ابو القاسم شیرازی (۷۹۱ھ)، مجلس طہران ۱۳۶۸ھ

شرح سفر السعادۃ = المنہج القویم

۱۲۵ شرح صحیح مسلم: نووی (۶۷۶ھ)، نور محمد دہلی ۱۳۴۹ھ

۱۲۶ شرح المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ للقسطلانی: زرقانی (۱۱۲۲ھ) بولاق ۱۲۹۱ھ

۱۲۷ شذرات الذہب فی اخبار من ذہب: ابن العماد الحنبلی (۱۰۸۹ھ) القدسی قاہرہ ۱۳۵۱ھ

الشعرانی، امام التصوف فی عصرہ: یوسف العش دمشق

الشقائق النعمانیۃ فی علماء الدولۃ العثمانیۃ = وفیات الاعیان

۱۲۸ صحیح بخاری: ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ (۲۶۵ھ)، قدیمی کتب خانہ کراچی

۱۲۹ صحیح مسلم: امام مسلم بن الحجاجؒ (۲۶۱ھ) قدیمی کتب خانہ کراچی

۱۳۰ الضوء اللامع لاہل القرن التاسع: السخاوی (۹۰۲ھ) القدسی والسعادۃ قاہرہ ۱۳۵۳ھ

....

١٣١ طبقات الحنابلۃ : ابویعلی (٥٢٦ھ)، السنۃ المحمدیۃ قاہرہ ١٣٧١ھ

١٣٢ طبقات الشافعیۃ : ابوبکر ابن ہدایۃ اللہ = طبقات الفقہاء : الشیرازی

١٣٣ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ : تاج الدین سبکی (٧٧١ھ)، الحسینیۃ قاہرہ ١٣٢٤ھ

١٣٤ طبقات الفقہاء الشیرازی (٤٧٦ھ) ویلیہ طبقات الشافعیۃ : ابوبکر بن ہدایۃ اللہ (١٠١٤ھ)، بغداد ١٣٥٦ھ

١٣٥ طبقات الفقہاء : طاشکبری زادہ (٩٦٢ھ)، الزہراء الحدیثۃ موصل ١٩٦١ء (وہو فی الاصل مختصر طبقات الحنفیۃ : علی بن امر اللہ بن الحنائی ٩٧٩ھ)

طبقات القراء = غایۃ النہایۃ فی طبقات القراء

الطبقات الکبریٰ للشعرانی = لواقح الانوار فی طبقات الاخیار

١٣٦ طبقات المفسرین : سیوطی (٩١١ھ)، طہران ١٩٦٠ء

طرب الاماثل بتراجم الافاضل = مجموعۃ الرسائل الستۃ

....

١٣٧ العبر فی خبر من غبر : ذہبی (٧٤٨ھ)، حکومت الکویت ١٩٦٠ء

١٣٨ عجائب الآثار فی التراجم والاخبار : جبرتی (١٢٣٧ھ)، بولاق ١٢٩٧ھ

١٣٩ عقود اللآلی فی الاسانید العوالی : ابن عابدین (١٢٥٢ھ)، المعارف سوریۃ ١٣٠٢ھ

١٤٠ العلالۃ النابعۃ : عبدالوحید قاسمیؒ، بابو بازار ڈھاکہ ١٣٨٤ھ

١٤١ علم وعمل : مرتبہ محمد ایوب قادری، ایجوکیشنل پریس کراچی ١٩٦٠ء

علوم الحدیث المعروف بمقدمۃ ابن الصلاح = التقیید والایضاح

....

١٤٢ غایۃ النہایۃ فی طبقات القراء : ابن الجزری (٨٣٣ھ)، السعادۃ قاہرہ ١٣٥١ھ

....

فتاویٰ شیخ الاسلام زکریا الانصاری = الاعلام والاہتمام

١٤٣ فتاویٰ عزیزیہ : شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (١٢٣٩ھ)، مجتبائی دہلی ١٣١١ھ

١٤٤ فتاویٰ قیام الملۃ والدین : محمد قیام الدین عبدالباری، مفید عام لکھنؤ ١٣٢٥ھ

١٤٥ فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث : سخاوی (٩٠٢ھ) انوار محمدی لکھنؤ ١٣٠٣ھ

١٤٦ فتح الملہم شرح صحیح مسلم : شبیر احمد عثمانی (١٣٦٩ھ)، مدینہ بجنور ١٣٥٢ھ

١٤٧ الفرقان (شاہ ولی اللہ نمبر): مرتبہ منظور احمد نعمانی، بریلی ١٣٥٩ھ

١٤٨ الفوائد المجموعۃ فی بیان احادیث الموضوعۃ: شوکانی (١٢٥٠ھ)، صدیقی لاہور ١٣٠٥ھ

١٤٩ الفہرست: ابن ندیم (٣٨٥ھ تقریباً)، الرحمانیۃ قاہرہ ١٣٤٨ھ

١٥٠ فہرست کتب خانہ ریاست رامپور: احمد علی خان شوق (١٣٤٣ھ) سرکار عالی رام پور ١٩٢٨ھ

١٥١ الفوائد البہیۃ فی تراجم الحنفیۃ مع التعلیقات السنیۃ علی الفوائد البہیۃ: عبدالحی فرنگ محلی (١٣٠٤ھ) السعادۃ قاہرہ ١٣٢٤ھ

١٥٢ فوات الوفیات: ابن شاکر کتبی (٧٦٤ھ) السعادہ قاہرہ ١٩٥١ء
فہرست ابن خیر = فہرست ماروا‌ہ عن شیوخہ الخ

١٥٣ فہرس الفہارس والاثبات ومعجم المعاجم والمشیخات والمسلسلات: عبدالحی الکتانی (١٣٨١ھ) الجدیدۃ فاس ١٣٤٦ھ

١٥٤ فہرست ماروا‌ہ عن شیوخہ من الدواوین المصنفۃ فی ضروب العلم وانواع المعارف: ابن خیر اشبیلی (٥٧٥ھ)، قومش سرقسطہ ١٨٩٤ء وبغداد ١٩٦٣ء

١٥٥ فیض الباری علی صحیح البخاری: محمد انور شاہ کشمیری (١٣٥٢ھ) مع حاشیۃ البدر الساری الی فیض الباری: محمد بدر عالم میرٹھی، حجازی قاہرہ ١٣٥٧ھ

١٥٦ الفیض السمائی علی سنن النسائی: مولانا محمد عاقل صاحب، ط: مکتبہ خلیلیہ سہارنپور

....

١٥٧ قضاۃ دمشق: ابن طولون (٩٥٣ھ) الترقی دمشق ١٩٥٦ء

١٥٨ قول متین ترجمہ حصن حصین (مقدمہ): محمد عبدالحلیم چشتی، نور محمد کراچی ١٣٧٧ھ

....

١٥٩ الکامل فی ضعفاء الرجال: لابن عدی (٣٦٥ھ) المکتبۃ الاثریۃ شیخوپورہ

١٦٠ کتاب الاستدراک علی الاکمال: ابن نقطہ (٦٢٩ھ) مخطوطہ عکسی در سنٹرل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک ریسرچ کراچی

١٦١ کتاب الاسماء والصفات: بیہقی (٤٥٨ھ) السعادہ قاہرہ ١٣٥٨ھ

١٦٢ کتاب الانساب: سمعانی (٥٦٢ھ)، بریل لیڈن ١٩١٢ء وحیدرآباد دکن ١٣٨٣ھ

١٦٣ کتاب الجمع بین کتابی ابی نصر الکلاباذی وابی بکر الاصبہانی فی رجال البخاری ومسلم: ابن قیسرانی (٥٠٧ھ) دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ١٣٢٣ھ

١٦٤ کتاب الذیل علی طبقات الحنابلۃ لابن رجب: عبدالرحمٰن بغدادی (٧٩٥ھ) السنۃ المحمدیہ قاہرہ ١٣٧٢ھ

۱۶۵ کتاب السلوک لمعرفۃ دول الملوک: مقریزی (۸۴۵ھ) دار الکتب المصریہ قاہرہ ۱۳۵۲ھ
۱۶۶ کتاب الصلۃ: ابن بشکوال (۵۷۸ھ) قاہرہ ۱۳۷۴ھ
۱۶۷ کتاب العلل ومعرفۃ الرجال للإمام أحمد بن حنبلؒ: (۲۴۱ھ) ط: المکتبۃ الإسلامیۃ بیروت، دار الخانی ریاض۔
۱۶۸ کتاب القبس: بلبیسی (۸۰۲ھ) مخطوطہ عکسی در سنٹرل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک ریسرچ کراچی
۱۶۹ کتاب الکفایۃ فی علم الروایۃ: خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۵۷ھ
۱۷۰ کتاب المؤتلف والمختلف فی اسماء نقلۃ الحدیث: عبد الغنی ازدی (۴۰۹ھ)، انوار احمدی الہ آباد ۱۳۲۷ھ
۱۷۱ کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون: حاجی خلیفہ (۱۰۶۷ھ) استانبول ۱۳۶۰ھ
۱۷۲ کلمات طیبات: ابو الخیر محمد بن احمد مراد آبادی، مجتبائی دہلی ۱۳۰۹ھ
۱۷۳ کنوز الاجداد: محمد کرد علی (۱۳۷۲ھ) الترقی دمشق ۱۳۷۰ھ
۱۷۴ الکنی والالقاب: عباس قمی، الحیدریہ نجف ۱۳۷۶ھ
۱۷۵ الکواکب السائرۃ باعیان المائۃ العاشرۃ: نجم الدین غزی (۱۰۶۱ھ)، الامیریکانیۃ بیروت ۱۹۴۵ء

....

۱۷۶ لامع الدراری علی جامع البخاری (مقدمہ): محمد زکریا شیخ الحدیث، الجمعیۃ دہلی ۱۳۷۹ھ
۱۷۷ اللباب فی تہذیب الانساب: ابن الاثیر (۶۳۰ھ)، القدسی قاہرہ ۱۳۵۷ھ
۱۷۸ لب اللباب فی تحریر الانساب: سیوطی (۹۱۱ھ)، بریل لیڈن ۱۸۴۰ء
لحظ الالحاظ بذیل طبقات الحفاظ لابن فہد = ذیل تذکرۃ الحفاظ
۱۷۹ لسان المیزان: ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ)، دائرۃ المعارف النظامیۃ حیدرآباد دکن ۱۳۲۹ھ
۱۸۰ لطائف المعارف فیما المواسم العام من الوظائف: ابن رجب (۷۹۵ھ)، دار احیاء الکتب العربیۃ قاہرۃ ۱۳۴۲ھ
۱۸۱ لطائف المنن والاخلاق فی بیان وجوب التحدث بنعمۃ اللہ علی الاطلاق: شعرانی (۹۷۳ھ)، بولاق قاہرہ ۱۲۸۸ھ
۱۸۲ لواقح الانوار فی طبقات الاخیار: شعرانی (۹۷۳ھ)، عبد الحمید احمد حنفی قاہرہ ۱۳۵۵ھ
۱۸۳ لیکچرز ڈپٹی نذیر احمد: ط: مفید عام اسٹیم پریس آگرہ ۱۹۱۸ء

....

۱۸۴ ماثر الکرام: غلام علی آزاد (۱۲۰۰ھ)، مفید عام آگرہ ۱۳۸۲ھ
۱۸۵ مالک: محمد ابو زہرہ، احمد مخیمر قاہرہ، ۱۹۵۲ء
۱۸۶ مجالس المؤمنین: نور اللہ شستری (۱۰۱۹ھ)، طہران ۱۲۹۹ھ

۱۸۷ المجددون فی الاسلام: عبدالمتعال الصعیدی، قاہرہ
۱۸۸ مجمع بحارالانوار فی غرائب التنزیل ولطائف الاخبار: محمد بن طاہر پٹنی (۹۸۶ھ)، نولکشور لکھنؤ ۱۲۸۳ھ
۱۸۹ مجموعۃ الرسائل الستۃ: عبدالحی فرنگی محلی (۱۳۰۴ھ)، یوسفی لکھنؤ ۱۳۴۰ھ
۱۹۰ محبوب الالباب فی تعریف الکتب والکتاب: خدابخش (۱۹۰۸ء)، مقنن حیدرآباد دکن ۱۳۱۴ھ
۱۹۱ المختصر فی اخبار البشر: ابوالفداء (۷۳۲ھ)، حسینیہ مصر ۱۳۲۵ھ
۱۹۲ المختصر المحتاج الیہ من تاریخ الحافظ ابی عبداللہ محمد بن سعید الدبیثی: انتقاء ذہبی (۷۴۸ھ)، المعارف بغداد ۱۳۷۱ھ
۱۹۳ مرآۃ الجنان وعبرۃ الیقظان فی معرفۃ مایعتبر من حوادث الزمان: یافعی (۷۶۸ھ)، دائرۃ المعارف النظامیۃ ۱۳۳۷ھ
۱۹۴ مرآۃ الحقائق: برکت علی، غریزی رام پور ۱۳۲۲ھ
۱۹۵ مرقاۃ المفاتیح لمشکاۃ المصابیح: ملاعلی قاری (۱۰۱۴ھ)، المیمنیۃ قاہرہ ۱۳۰۹ھ
المرقبۃ العلیا فیمن یستحق القضاء والفتیا = تاریخ قضاۃ الاندلس
۱۹۶ مسند أحمد: احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) ط: دارالحدیث قاہرہ، ۱۴۱۶ھ۔
۱۹۷ المشتبہ فی اسماء الرجال: ذہبی (۷۴۸ھ)، بریل لیڈن ۱۸۶۳ء، وقاہرہ ۱۹۶۲ء
۱۹۸ مطمح الانفس ومسرح التانس فی ملح اہل الاندلس: فتح ابن خاقان (۵۳۵ھ)، السعادۃ قاہرہ ۱۳۲۵ھ
۱۹۹ معارف (مجلّہ)، اعظم گڑھ جلد ۸۱ نمبر ۱
۲۰۰ معارف العوارف فی انواع العلوم والمعارف: عبدالحی حسنی (۱۳۴۱ھ) دمشق ۱۳۷۷ھ
۲۰۱ معارف القرآن: مفتی محمد شفیعؒ (۱۳۹۶ھ) ادارۃ المعارف ۱۴۲۱ھ
۲۰۲ معجم الادباء وطبقات الادباء: یاقوت رومی (۶۲۶ھ)، ہندیہ قاہرہ ۱۹۲۳ء
۲۰۳ معجم البلدان: یاقوت رومی (۶۲۶ھ) دار بیروت ۱۳۷۴ھ
۲۰۴ معجم المصنفین: محمود حسن خاں ٹونکی (۱۳۶۶ھ) طبارہ بیروت ۱۳۴۴ھ
۲۰۵ معرفۃ علوم الحدیث: حاکم نیشاپوری (۴۰۵ھ) دارالکتب المصریۃ قاہرہ ۱۳۵۶ھ
۲۰۶ المغرب فی حلی المغرب: ابوالحسن علی بن الوزیر الاندلسی (۶۸۵ھ) دارالمعارف قاہرہ ۱۹۵۳ھ
۲۰۷ المغنی لابن قدامہ (مقدمہ): عبدالقادر بدران (۱۳۴۶ھ) انصارالسنۃ المحمدیہ ۱۳۶۷ھ
۲۰۸ المغنی فی اسماء رجال الحدیث ونسبہم: محمد بن طاہر پٹنی (۹۸۶ھ) فاروقی دہلی ۱۲۹۰ھ
۲۰۹ مفتاح السعادۃ ومصباح السیادۃ: طاش کبری زادہ (۹۶۲ھ) دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۹ھ
۲۱۰ مقالات الکوثری: محمد زاہد کوثری (۱۳۷۱ھ) الانوار قاہرہ ۱۳۷۲ھ

211 مقامات مظہریہ: شاہ غلام علی (۱۲۴۰ھ) مجتبائی دہلی ۱۳۰۹ھ

مقدمۃ ابن الصلاح = التقیید والایضاح

المکاتیب والرسائل الی ارباب الکمال والفضائل = اخبار الاخیار

212 الملل والنحل: شہرستانی (۵۴۸ھ) حجازی قاہرہ ۱۳۶۸ھ

213 المناہل السلسلۃ فی الاحادیث المسلسلۃ: محمد عبد الباقی لکھنوی، القدسی والسعادہ قاہرہ ۱۳۵۷ھ

214 المنتظم فی تاریخ الملوک والامم: ابن جوزی (۵۹۷ھ) دائرۃ المعارف العثمانیۃ ۱۳۵۷ھ

215 منحۃ المعبود فی ترتیب مسند ابی داؤد مذیلا بالتعلیق المحمود علی منحۃ المعبود: احمد عبد الرحمٰن البنا ساعاتی، المنیریۃ قاہرۃ ۱۳۷۲ھ

216 المنہج القویم فی شرح الصراط المستقیم (شرح سفر السعادات): شیخ عبد الحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ)، افضل المطابع کلکتہ ۱۲۵۲ھ

217 المنہل الصافی والمستوفی بعد الوافی: ابن تغری بردی (۸۷۴ھ)، دار الکتب المصریہ قاہرہ ۱۳۷۵ھ

218 المنہل العذب المورود شرح سنن ابی داؤد: محمود سبکی (۱۳۵۲ھ) قاہرہ ۱۳۵۱ھ

219 موقف العقل والعلم والعالم من رب العلمین: مصطفٰی صبری، عیسٰی البابی قاہرہ ۱۳۶۹ھ

220 میزان الاعتدال فی نقد الرجال: ذہبی (۷۴۸ھ) السعادۃ قاہرہ ۱۳۲۵ھ، وعیسٰی البابی قاہرہ ۱۳۸۲ھ

....

221 ناظورۃ الحق فی فرضیۃ العشاء وان لم یغب الشفق: مرجانی (۱۳۰۶ھ) قلمی در کتب خانہ پیر جھنڈو (وہب اللہ) وطبع قازان ۱۲۸۷ھ

222 النجوم الزاہرۃ فی ملوک مصر والقاہرۃ: ابن تغری بردی (۸۷۴ھ) دار الکتب المصریۃ قاہرہ ۱۳۴۸ھ

223 نزہۃ الخواطر وبہجۃ المسامع والنواظر: عبد الحی حسنی (۱۳۴۱ھ) دائرۃ المعارف العثمانیۃ ۱۳۶۶ھ

224 نزہۃ السامعین فی روایۃ الصحابۃ عن التابعین: ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) مکتبۃ دار الہجرۃ الریاض، سعودیہ ۱۴۱۵ھ

225 نزہۃ النظر: ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) مکتبہ رحمانیہ، لاہور

226 نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض: خفاجی (۱۰۶۹ھ) عثمانیہ استنبول (۱۳۱۲ھ)

227 نظم العقیان فی اعیان الاعیان: السیوطی (۹۱۱ھ) السوریۃ الامریکیۃ ۱۹۲۷ء

228 نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب وذکر وزیرہا لسان الدین ابن الخطیب مقری (۱۰۴۱ھ) بولاق قاہرہ ۱۲۷۹ھ

229 النکت علی مقدمہ ابن الصلاح: حافظ بدر الدین محمد بن عبد اللہ الزرکشی (۷۹۴ھ) دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۵ھ

230 النور السافر عن اخبار القرن العاشر (تاریخ): عیدروسی (۱۰۳۸ھ) الفرات بغداد ۱۳۵۳ھ

۲۳۱ نہایۃ الارب فی معرفۃ انساب العرب: قلقشندی (۸۲۱ھ) الشرکۃ العربیۃ للطباعۃ قاہرہ ۱۹۵۹ء
۲۳۲ نیل الابتہاج بتطریز الدیباج = الدیباج المذہب

....

۲۳۳ الوافی بالوفیات: صفدی (۷۶۴ھ)، ویسبادن ۱۳۸۱ھ
۲۳۴ وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان: ابن خلکان، وبہامشہ الشقائق النعمانیۃ: طاش کبری زادہ (۹۶۲ھ) المیمنیۃ قاہرہ ۱۳۱۰ھ
۲۳۵ وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان: ابن خلکان، (۶۸۱ھ) السعادۃ قاہرہ ۱۳۶۷ھ
وقائع عبدالقادر خانی = علم وعمل
۲۳۶ ولاۃ مصر: کندی (۳۵۰ھ) دار بیروت ۱۳۷۹ھ

....

۲۳۷ ہدیۃ العارفین، اسماء المؤلفین وآثار المصنفین: اسماعیل پاشا بغدادی (۱۳۳۹ھ) البہیۃ استانبول ۱۹۵۱ء
۲۳۸ ہدی الساری مقدمۃ فتح الباری: ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) المنیریہ قاہرہ ۱۳۴۷ھ

....

۲۳۹ الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبدالغنی: محمد بن یحییٰ پورنوی ترہتی، جید پریس دہلی ۱۳۴۹ھ
۲۴۰ یتیمۃ الدہر فی محاسن اہل العصر: الثعالبی (۴۲۹ھ) حجازی قاہرہ ۱۳۶۶ھ
۲۴۱ الیواقیت الثمینہ فی اعیان مذہب عالم المدینۃ: محمد البشیر ظافر (۱۳۲۵ھ)، الملاجی العباسیۃ قاہرہ ۱۳۲۵ھ

ومن مؤلفات الأستاذ الدكتور محمد عبد الحليم النعماني

"الملا علي القاري وكتابه مرقاة المفاتيح"

هذا الكتاب!

يبحث عن حياة العلّامة المحدّث الفقيه المفسّر اللّغوي الأديب، الملّا علي القاري، و آثاره العلميّة الخالدة، و الخدمات الّتي أدّاها العلماء المتأخرون في خدمة الحديث النبوي الشريف، ويتضمن تراجم كثير من أعيان المحدثين و الفقهاء، كما يتحدّث عن كتاب "مصابيح السنّة" و "مشكوة المصابيح" وشروحهما عامة وعن مرقاة المفاتيح خاصّة؛ ويلقي الأضواء على بعض الجوانب المهمّة الّتي لم تحظ بعناية لائقة في التآليف، مثل مبحث الجرح والتعديل في القرون الثلاثة الأول، وتاريخ الفقه والتفقيه الإسلاميين في هذه القرون، ومبحث أصول الحديث على منهج الحنفيّة من وجهة نظر الأصوليّين، وغيرها من المباحث النّفيسة الّتي لا يستغني عنها الفقيه والمحدّث.

ALGHAZI Cell:03005337794

مكتبة الكوثر